دعا اور بارش

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
پاکستانی پوائنٹ

سمیرا ملک

دُعا اور بارش

سمیرا ملک

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور
فون: 37352332-37232336

جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ

نام کتاب	....	دُعا اور بارش
مصنفہ	....	سمیرا ملک
ناشر	....	گل فراز احمد علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
ٹائیٹل ڈیزائن	....	ملک عبدالرافع
کمپوزنگ	....	ابرار، انیس احمد
سن اشاعت	....	نومبر 2011ء
قیمت	....	[redacted]/= روپے

ملنے کے پتے

ویلکم بک پورٹ
اُردو بازار، کراچی

اشرف بک ایجنسی
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور

کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہِ کرم مطلع فرما دیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

انتساب!

"روٹھے وقت اور ناراض
رشتوں کے نام"

پاکستانی ورچوئل لائبریری
پاکستان ڈاٹ کام

عظمت و وقار

ذات

کام

رات نے مکمل طور پر خود کو سیاہی کے سپرد کر رکھا تھا اور سیاہی نے رات کو اپنی آغوش میں پناہ دے رکھی تھی...... اس پر بارش جس نے یہ ٹھان لی تھی کہ وہ آج اس رات اور اس میں موجود سیاہی کا ہر ہر کونہ بھگوئے بنا تھمنے والی نہیں۔ اس لیے شاید اسی اندھیرے نے بارش کو اپنی ہتھیلی پر بڑی خوب صورتی سے سجا رکھا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اندھیرا بارش کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہا ہوں اور بارش کی بوندیں اسے جواب دے رہی ہوں۔

یہ تمام منظر اس وقت کے اُس حصے میں تو میرے لیے دل فریبی کا باعث ہرگز نہیں تھا...... شاید! میں اُس وقت وہ تھی بھی نہیں جو مجھے ہونا تھا

مگر روزمرہ زندگی سے یکسر مختلف۔ کیونکہ اس وقت وہ تمام سیاہی، اندھیرا، رات، بارش اور ان سب کا اپنی شدت کی حدود کو چھونا، میرے لیے خوف کا باعث یہی تو تھا۔ اس لمحے بارش اور رات نے مل کر ایک چادر مجھ پر تان رکھی تھی۔ جس نے میرے جسم سمیت میرے روح کے ہر ہر حصے کو ڈھانپ دیا تھا اور بارش کا مجھ پر پڑنے والا ہر قطرہ میری روح میں چھید کرتا محسوس ہو رہا تھا۔ میرا وجود ایک چھیتی کی مانند ہو چکا تھا۔ اندھیرا اپنی پوری آب و تاب سے مجھ پر ایسے حاوی تھا کہ میرے ہونے کا احساس میرے جسم کے ساتھ جڑے اعضاء سے ہی ہو رہا تھا...... کہ میں ہوں۔ میری بصارت اپنی آخری حد تک کام کرنے کے بعد اپنی ہار مان چکی تھی۔

اور میری ذات، میرا وجود ایک سیاہ نقطے کی مانند ہی محسوس ہو رہا تھا۔ خوف کی ایک کیفیت مکمل طور سے طاری تھی، شدتِ خوف کی وجہ سے مجھے اپنے دِل کی دھڑکنیں ایک پل کو بالکل ساکت جبکہ دوسرے پل اتنی تیزی سے دوڑتی محسوس ہوتی تھیں کہ بارش کے باوجود میں اپنی دھڑکنوں کی آواز سن سکتی تھی۔ اتنے ڈر، اتنے خوف، اتنی قرب ناک صورتِ حال میں بھی ایک انجانا سا، شاید بہت اپنا سا احساس تھا۔ وہاں ایک انجانی کشش، انجانی طاقت جو مجھے وہاں روکے تھی، جو مجھے وہاں سے لاکھ چاہنے کے باوجود ایک ذرا برابر جنبش کی اجازت بھی نہیں دے

رہی تھی۔ یہ ملی جلی کیفیت کیا تھی؟ یہ سب میرے اطراف کیا تھا؟...... سیاہ رنگ، اندھیرا۔ یہ دونوں تو میری سب سے زیادہ پسندیدہ چیزیں تھیں۔ اندھیرے سے تو میری بچپن سے دوستی تھی مگر آج یہ سیاہی، اندھیرا مجھے بیگانہ کیوں لگ رہا تھا کہ اچانک خاموشی سے مگر بڑی تیزی کے ساتھ بجلی چمکتی ہے...... اتنی تیزی سے کہ اس کی آب وتاب کے سامنے میری آنکھیں چندھیا سی جاتی ہیں، اور اگر اس ایک لمحے کے سوویں حصے کی یادداشت جو میرے ذہن میں رہی تو بس اتنی کہ میری بصارت صرف اور صرف مجھے میرا وجود ایک سفید چاندنی سے زیادہ شفاف احاطے میں موجود دیکھا سکی تھی...... بس اس سے زیادہ اس روشنی میں کچھ نہیں دیکھ پائی۔ ایک دم میری زبان سے یااللہ! کے الفاظ نکلتے ہیں...... یہ سب کیا تھا؟ میں کہاں کھڑی ہوں؟ کیوں کھڑی ہوں؟ اس وقت کوئی تمنا، کوئی حسرت، کوئی خواہش، زبان، دل اور دماغ سب ماؤف ہو چکے تھے۔ سوچ سمجھ سے آزاد اتنے خوف اپنے قرب کے باوجود کہ میں خود وہاں سے جتنی جلدی ہو سکے نکلنے پر ہی آمادہ تھی مگر اس سب کے باوجود ایک انجانا سا اطمینان، ایک سکون، ایک اپنا پن، ایک احساس جو نہ چاہنے کے باوجود بھی مجھے میری ذات کا حصہ ہی تو لگ رہا تھا......

ابھی میں اسی اپنے اور بیگانے احساس میں تمیز بھی نہیں کر پائی تھی، کہ گھڑی پر الارم کے شور سے میری آنکھ کھل گئی اور الارم بند کرنے پر باہر آذان کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی...... میرا چہرہ پسینے سے شرابور تھا یا شاید یہ بارش کے قطرے تھے...... میرے خواب میں ہمیشہ ایسا ہی تو ہوتا تھا...... اس خواب سے میرا رشتہ 4 سال پرانا تھا...... اور اب تک تو اس سے میری بڑی گہری اور پکی دوستی ہو جانی چاہیے تھی مگر آج بھی یہ میری آنکھوں میں وہی جلن اور میرے دِل میں وہی قرب چھوڑ کر جاتا ہے جو آج سے چار سال پہلے جب میں نے اسے پہلی مرتبہ اپنی نیند کا حصہ بنتے ہوئے دیکھا تھا۔

☆

خیر بستر سے اُٹھی اور جلدی سے نماز کی تیاری شروع کی۔ نماز کیا ہوتی تھی میری...... یہ آج تک مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا...... مگر میرے خود کو تسلی دینے کے لیے یہ الفاظ کافی ہوا کرتے تھے...... کہ میں پانچ وقت خدا کے سامنے حاضر ہوتی ہوں۔ بظاہر یا پوشیدہ، ٹکریں ہی تو ہوا کرتی تھیں...... میری نماز کی ادائیگی میں کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہوا کرتی تھی...... مگر ایک عجلت ضرور تھی...... جس کا اظہار میں اب برملا اپنی ذات سے بھی اور دوسروں سے کرتے نہیں کتراتی تھی کہ نماز بس خود کو تسلی کا ایک بہانہ ہے۔ وہ کہتے ہیں نا کہ ”دِل کے خوش رکھنے کو غالب

یہ خیال اچھا ہے'' کہ میں نے نماز پڑھ لی، ورنہ نماز ایسے تو نہیں ہوتی...... ایک احساسِ شرمندگی مجھے ہر نماز کی ادائیگی کے بعد ضرور ہوتا تھا...... یہ احساس میرے ساتھ کب سے تھا۔ اور کب تک رہے گا؟ یہ میں نہیں جانتی تھی۔...... کیا اس احساس کو ختم کرنے کے لیے حقیقت میں اللہ کی راہ پر قربانی دینی ہوگی...... مگر اس کا صلہ کیا تھا، یہ بھی نامعلوم ہی تھا، اس لمحے تک...... کیا اللہ میری اس قربانی کو قبول کرے گا؟ یہ سوال ہمیشہ میرے ساتھ رہتا......!۔

دسمبر کی سردی میں صبح سویرے منہ اندھیرے مجھے لان میں چائے پینے سے بواء ہمیشہ منع ہی کرتی رہتی تھیں، اور پھر اس پر ان کی رحمان چچا سے تکرار، جس سے میں ہمیشہ بہت لطف اندوز ہوا کرتی اور امی بھی اپنی ہلکی سی روک ٹوک کر کے یہ احساس دِلا دیا کرتی تھی کہ انھیں میری فکر تھی......

بواء اور رحمان چچا، ہمارے گھر کے پرانے خدمت گار تھے...... میں نے جب سے ہوش سنبھالا، ان دونوں کو اپنے گھر میں گھر کے فرد کی حیثیت سے ہی دیکھا تھا۔ یہ ہمارے گھر میں کب اور کیسے آئے، یہ نہ کبھی میں نے پوچھا اور نہ ہی کسی نے مجھے بتایا۔

میرا تعلق ایک زمین دار مگر پڑھے لکھے گھرانے سے تھا۔ ہماری چھوٹی سی فیملی جو گھر کے چند افراد، اماں، ابا، بابا اور تین بھائی، تین بھابیاں، اُن کے بچے اور مجھ پر مشتمل تھی...... میرے ابا اور میرے تایا دو ہی بھائی تھے اور دونوں بھائی ہمیشہ سے ساتھ ساتھ تھے۔ ہمارا بڑا سا حویلی نما گھر جو شہر کے ایک پوش علاقے میں واقع تھا، جسے میرے تایا نے بنایا تھا...... میرے تایا کے دو بیٹے تھے احسن بھائی اور منیر بھائی۔ دونوں شادی شدہ تھے۔ احسن بھائی چھوٹے تھے جبکہ منیر بھائی بڑے۔ منیر بھائی کی شادی ان کی مرضی سے ہوئی تھی اور اب وہ اپنی 6 سالہ بیٹی مریم اور اپنی بیوی سعدیہ کے ساتھ امریکہ میں مقیم تھے اور اپنی ڈاکٹری کے فرائض بڑی خوبی سے نبھا رہے تھے۔ سعدیہ بھابھی کی فیملی بھی امریکہ میں ہی مقیم تھی۔ منیر بھائی ڈاکٹری کی پڑھائی کے لیے جب امریکہ گئے تھے تو سعدیہ بھابھی سے ملاقات ہوئی تھی۔ پیشے سے سعدیہ بھابھی بھی ڈاکٹر تھیں مگر میرے ابا کی خواہش پر شادی پاکستان میں اپنے روایتی انداز میں ہوئی اور پھر وہ لوگ واپس چلے گئے تھے اور اب سال میں ایک دو مرتبہ 15 یا 20 دِنوں کے لیے منیر بھائی اپنی زندگی میں سے ہمارے لیے وقت نکال لیتے ہیں اور ہم سے مل جایا کرتے تھے۔ کبھی بیوی بچی کے ہمراہ اور کبھی اکیلے...... مگر وہ اپنی زندگی سے مطمئن اور خوش تھے، اس لیے گھر میں بھی سب بظاہر تو خوش ہی تھے...... احسن بھائی جو میرے تایا کے چھوٹے بیٹے تھے...... انھوں نے اپنی پڑھائی سول انجینئرنگ میں مکمل کر کے اب ایک Multinational کمپنی کے ساتھ

Architecture کے فرائض انجام دے رہے تھے، احسن بھائی کی شادی میری امی کی مرضی سے ہوئی تھی۔ زرقا بھابھی ہمارے ساتھ ہی رہتی تھیں...... زرقا بھابھی بھی اپنے گھر کی اکلوتی بیٹی تھیں اور ان کے والدین کا تعلق پاکستان سے ہی تھا...... وہ فطرتاً ہی محبت اور شفقت کا مجسمہ تھی اور ان کے آنے سے میری زندگی کی تنہائی تقریباً ختم ہی ہو چکی تھی۔ زرقا بھابھی کے والدین بھی اسی شہر میں رہتے تھے...... ان اعلیٰ ظرفی زرقا بھابھی کی تربیت سے عیاں تھی، چونکہ میری تائی ماں کا انتقال میری پیدائش سے پہلے ہو چکا تھا...... اس لیے وہ محض میرے خیالوں میں اور امی، ابا کی باتوں میں ہی دیکھائی رہتی تھیں۔ سننے میں آیا تھا کہ احسن بھائی جب 6 برس کے تھے تو میری تائی ماں کا انتقال ہوا تھا...... اور احسن بھائی کی پرورش میری امی نے کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ احسن بھائی میری اماں کے لیے اس دُنیا میں سب سے زیادہ عزیز ترین شخص تھے اور احسن بھائی کی بھی ہر سلاح امی سے شروع ہوا کرتی تھی اور ہر فیصلہ امی پر ختم......

اب رہ گئے میرے بھیاء: نعمان اور میں...... نعمان بھائی، احسن بھائی سے ایک سال بڑے تھے اور میں نعمان بھائی سے تقریباً 8 سال چھوٹی تھی...... نعمان بھائی نے لندن یونیورسٹی سے English Literature میں P.H.D کی اور اب اسی یونیورسٹی میں پروفیسر کی جاب پر فائز ہیں...... نعمان بھائی کی شادی بھی پاکستان میں ہوئی تھی...... والدین کی مرضی سے...... مگر ایسا کہاں ممکن ہے کہ یورپ سے ملازمت کی آفر ہو...... اور یہاں سے اسے Reject کر دیا جائے...... نعمان بھائی اپنی بیوی اور 3 سالہ فائنر کے ساتھ لندن میں سیٹل ہو چکے تھے اور وہ بھی منیر بھیا کی طرح سال میں ایک دو مرتبہ آتے تھے مگر نادیہ بھابھی اور فائنر کے ساتھ، نادیہ بھابھی کا تعلق بھی ایک سادہ گھرانے سے تھا، چونکہ ان کی پیدائش انگلینڈ میں ہی ہوئی تھی، اس لیے ان کا انگلینڈ جانا اور وہاں سیٹل ہونا کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ نادیہ بھابھی کی دو بہنیں ہی تھیں بس اور ان کی فیملی لاہور میں مقیم تھی۔......

میں ''انا''۔ میں اپنے گھر میں اکلوتی بیٹی ہونے کی حیثیت سے کافی لاڈلی تھی۔ تینوں بھائیوں کی بھی اور شاید اپنے والدین کی بھی، مگر میری ذات کی پہچان، میرا تعارف میرے تایا جی سے تھا، جنہیں میں ''بابا'' بلایا کرتی ہوں...... اور سارے گھر میں وہ میرے سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں...... بلکہ میری ذات کی تکمیل ان کے بنا ہو ہی نہیں سکتی...... میں نے دو سال قبل لندن (R.C.A)Royal Collage of Arts سے Computer Animtion میں ماسٹرز کی ڈگری لی اور لندن کی یونیورسٹی میں Top کیا تھا اور واپس آ کر بابا

نے مجھے ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی کھولنے کا مشورہ دیا اور اب میں اپنی اسی ایجنسی میں اپنا وقت بھی گزارتی ہوں اور اپنی Practice بھی کرتی ہوں، جتنی مدت میں نے انگلینڈ میں گزاری۔ نعمان بھائی کے علاوہ بابا میرے ساتھ تھے، بلکہ مجھے وہاں پڑھنے کی اجازت بابا نے ابا سے اس شرط پر لے کر دی تھی کہ وہ یہ عرصہ میرے ساتھ وہاں رہیں گے۔ میری پرورش، میری عادات، میری تربیت اور میری پڑھائی خدا کے بعد صرف میرے بابا کی وجہ سے ہے۔ میرا آنے والا ہر دن مجھے کم و بیش ترقی کی طرف مائل کرتا رہا اور بابا کا دستِ شفقت میرے سر پر ہی رہتا......

میرے لندن جانے پر بھی میرے والدین کو اعتراض تھا اور واپسی پر اپنا بزنس کرنے پر بھی......اور وہ اپنی جگہ پر شاید ٹھیک بھی تھے۔ میرے لندن واپسی پر میرے والدین نے میری شادی کے متعلق بات کی تو بقول ہوا کے کہ بابا نے انھیں منع کر دیا کہ تم میں سے کوئی بھی انا سے بات نہیں کرے گا۔ میں خود جب مناسب سمجھوں گا، بات کرلوں گا اور بابا نے اس بات کا ذکر مجھ سے اتنے سرسری انداز میں کیا کہ مجھے بھی ایسا ہی لگا کہ جیسے وہ میری بس ایک سرسری رائے ہی جاننا چاہتے تھے اور میں نے بس اتنا کہہ دیا کہ ''نہیں بابا ابھی نہیں'' ...... اور اس وقت نہیں پتہ تھا کہ یہ بات بابا، ابا اور امی کے کہنے پر پوچھ رہے تھے اور بعد میں امی اور ابا کو یہ کہہ کر چپ کرا دیا کہ ''ابھی میں خود بھی نہیں چاہتا کہ میں ''انا'' کو رخصت کروں۔ اس کی شادی اور اس سے جدائی کے لیے پہلے ذہنی طور پر مجھے تیار ہونا پڑے گا اور جب میں تیار ہو جاؤں گا تو اس سے بات کر لوں گا'' ...... بابا کا یہ خاص رویہ میرے لیے تھا مگر ان کا یہ رویہ اولاد کو اس کی مرضی سے فیصلے کرنے دینا اور ان پر ثابت قدم رہنے دینے کی صلاح اور آگے بڑھنے کی ہمت تینوں بھائیوں کے ساتھ بھی اسی طرح تھی۔ دادا جان کے جانے کے بعد سارے ذمہ داری نظام کو ابا اور بابا نے سنبھالا تھا اور اپنی قدیم روایات کو بھی اور ابا یہی چاہتے تھے کہ بچے بھی بڑے ہو کر پہلے اپنی اس ذمہ داری کو سمجھ لیں اور اس کی آگے بڑھیں، مگر بابا لیبرل مائنڈڈ انسان تھے اور وہ اپنے فیصلے اولاد پر زبردستی لاگو نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے اس بات کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں ہی رکھا۔ درحقیقت ہواء سے گاہے بگاہے یہ پتہ چلتا رہتا تھا کہ جب منیر بھائی جوان ہوئے اور خاص طور پر جب تائی ماں کا انتقال ہوا تو بابا نے خود کو گھر میں ضرورت سے زیادہ Involve کرلیا تھا اور تمام تر ذمہ داری کھاتہ ابا کے سپرد کر کے یہ کہا کہ تم پر بچوں کی ذمہ داری کا بوجھ نہیں، انہیں میں دیکھ لیا کروں گا۔ ابا جان ضرورت سے زیادہ محتاط اور کچھ حد تک سخت مزاج تھے، اس لیے انھیں منیر بھائی یا نعمان بھائی کی کسی نہ کسی بات پر اعتراض ضرور ہوا کرتا تھا مگر بابا کی ضمانت پر وہ

خاموش ہو جایا کرتے اور سوائے اتنا کہنے کے "بھائی صاحب آپ بچوں کو ضرورت سے زیادہ آزادی دے کر ان کو بگاڑ رہے ہیں"۔ بعد میں کچھ غلط ہوا تو ذمہ دار آپ ہوں گے اور اس کے جواب میں بابا بڑی دلیری سے ہر ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے کر ابا کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ "ابا" اس قدر سخت مزاج ہونے کے باوجود "بابا" کی صرف ایک بات پر ہلکی سی ناں یا ہاں پر خاموشی سے ان کی مرضی سے ہر فیصلہ کر دیا کرتے ہیں جس پر مجھے ہمیشہ حیرت ہوا کرتی تھی ابا اور بابا میں بھی ایک انوکھا رشتہ تھا۔ بظاہر تو دونوں بھائی تھے مگر اس کے علاوہ بھی ان میں کچھ تھا جو میری سمجھ سے بالاتر تھا۔

☆

اس دن معمول کے مطابق میں نے نو بجے آفس پہنچنا تھا۔ شعیب صاحب کے فون پر فون آ رہے تھے اور میں Highway پر جس قدر بُری Driving کر سکتی تھی، کر کے آفس پہنچی گئی، وہاں فرحان، انعم اور شعیب صاحب تینوں میرا انتظار کر رہے تھے۔ میرے آفس میں داخل ہوتے ہی فرحان نے مجھ پر جملہ کسا "دس بجے ADD کمپنی کو Hand ovel کرنی ہیں اور محترمہ ساڑھے نو بجے تشریف لائی ہیں۔ ہم میں سے کوئی ایک منٹ بھی لیٹ ہو جائے تو پورا آفس تمام سامان سمیت سر پر اُٹھا رکھا ہوتا ہے۔" میں نے ایک نظر فرحان کی طرف دیکھا...... جو مجھے پُرشکوہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور انعم اور شعیب صاحب معمول کے مطابق مُسکرا رہے تھے...... "Sorry یار، راستے میں دیر ہوئی، ٹریفک کافی تھی...... اچھا پلیز مجھے Promo تو دیکھا دو اور یہ File میں نے رات تیار کر دی تھی۔ Print outs بھی لے لیے تھے، بس شعیب صاحب آپ سب لے جائیں۔" میں نے Promo دیکھا جو انعم نے P.C پر سیٹ کر رکھا تھا اور وہ D.V.D اور فائل میں نے شعیب صاحب کو سائن کر کے دے دی۔ انھیں روانہ کر کے سکون کا سانس لیا تھا۔ ایسا ہی ہوتا تھا، جب کوئی Project لیتے تھے تو اس کے ختم کرنے تک میں فرحان کے سر پر اور فرحان میرے اعصاب پر حاوی ہوا کرتا تھا۔ فرحان سے میری دوستی Bachlor کے دوران ہوئی تھی اور پھر ہم جب باہر گئے تو بھی اکھٹے گئے تھے، بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ باہر پڑھنے کی سوچ اور ہمت مجھے فرحان کے ساتھ کی وجہ سے ہی ہوئی تھی، اگر یہ نہ ہوتا تو میں باہر پڑھائی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ فرحان میرا واحد دوست تھا اور فرحان اور بابا کی صحبت اور ساتھ نے مجھے کبھی کسی دوست کی کمی محسوس ہی نہیں ہونے دی تھی اور نہ ہی میں نے ان کے علاوہ کبھی کسی سے دوستی کی تھی۔ میں فطرتاً ہی خاموش طبع تھی یا فرحان کے

علاوہ مجھے کسی اور سے بات کرنے کی عادت ہی نہ تھی۔ مگر اکثر مجھ سے لوگ میری کم گوئی کی یا ضرورت سے زیادہ Reserve Behaviour کی شکایت کیا کرتے تھے، جسے کبھی بابا کبھی فرحان اور کبھی زرقا بھابھی بڑی خوش اسلوبی سے Cover کرلیا کرتے تھے۔

انعم نے سکون سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا، ''بھئی اب تو بس بہت ہوگیا۔ اب کم سے کم دو دن کا تو Rest ہمارا بھی حق بنتا ہے'' ...... فرحان نے میری طرف دیکھ کر جل کر کہا، ''ان محترمہ کے ہوتے ہوئے کسی کا کوئی حق نہیں بنتا'' ...... میں نے اس کی بات سنی ان سنی کرکے، انعم کی بات کی تائید کی کہ ''ہاں واقعی بھی ضرور حق بنتا ہے۔ بس یہ Footage Cover کرو، اتنی دیر میں شعیب صاحب بھی آجائیں گے تو پھر آج Lunch باہر کرتے ہیں، کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں۔'' میں نے Final کردیا۔ اس پر فرحان نے پھر اپنی چونچ ہلائی، ''دیکھا میں نے کہا تھا کہ ان محترمہ کے ہوتے ہوئے کسی کی نہیں چلتی۔'' ابھی بھی اسے فوٹیج کی پڑی ہے کہ وہ بنا کر پھر جائیں گے ...... میں نے اسے غصے سے دیکھا، ''تو کیا گیارہ بجے چلیں جائیں؟ شعیب صاحب کو آنے دو، انہیں ساتھ لے کر جانا ہے۔'' بہرحال شعیب صاحب کے آنے پر شہر سے ذرا باہر ایک پُرسکون مقام پر بنے ایک ریسٹورنٹ میں ہم نے بیٹھ کر کھانا کھایا...... زندگی سکون سے چل رہی تھی۔ میری طبیعت میں جو بے چینی اس کے ساتھ ساتھ جو ٹھہراؤ تھا، وہ میری ذات تک ہی محدود تھا۔ کسی دوسرے پر اس کے منفی اثرات کبھی بھی نہیں پڑے، مگر میری اپنی ذات تک وہ خاموشی اندر ہی اندر گہری ہوتی جاتی تھی ...... رویے کے بارے میں سوچنا، ان کو محسوس کرنا، نا جانے میری لیے کرب کا باعث تو تھا مگر ایک تجسس بھی ہوا کرتا تھا اور اپنی اسی خاموش طبیعت میں نیکی کے بہت سارے مواقع گنوادیا کرتی تھی......

***

رات سب کھانے کے بعد اپنے کمروں میں چلے گئے، میں بھی اپنے کمرے میں آگئی، نماز کے بعد کل والے Project پر File work مکمل کررہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی...... اور ساتھ ہی زرقا بھابھی اندر آتے ہی چیخے تو انھوں نے الجھتے ہوئے کہا ''اف اللہ'' تم کیا ہو، اتنی سی روشنی سے تمہارا گزرا کیسے ہوتا ہے اور اتنی مدھم روشنی میں پڑھنے سے بینائی بھی متاثر ہوتی ہے۔ ایک تو تمہارے اس اندھیرے میں رہنے اور کالا لباس پہننے کی عادت سے میں سخت تنگ ہوں۔ میرا تو دم گھٹتا ہے۔ کل پتہ نہیں قبر میں کیا حال ہوگا مگر آج تک کم سے کم اس روشنی میں اس اجالے میں رہنے دو۔'' انھوں نے کمرے میں آتے ہی اپنی ان باتوں کے ساتھ

تمام لائٹیں آن کر دیں اور میری آنکھیں ایک دم سے بند، خیر یہ لو، میں آج بازار گئی تھی تمہارے لیے شرٹ اچھی لگی، لے آئی ہوں۔ شرٹ میری طرف اُچھال کر خود کرسی پر بیٹھ گئیں، جب دونوں شرٹس میں نے کھولی تو ایک دم سے Wow نکلا میرے منہ سے، ایک تو Black تھی اور اس پر Black کڑھائی کے ساتھ سفید پرنٹ تھا اور دوسری پر سکن کلر کا پرنٹ تھا مگر Black کے ساتھ۔ میرے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر بھابھی بولیں ''انو'' دُنیا میں اور بھی بہت سے رنگ ہیں، پہننے کے لیے۔ تم Please انھیں Try تو کرو نا۔ میں نے سوچا تھا کہ کسی اور کلر کی لے لوں مگر پھر مجھے اپنی پچھلی Shopping یاد آ گئی کہ باقی تو ہر رنگ تمہاری الماری کی زینت میں تو ضرور اضافہ کرے گا مگر تم اسے پہننے کا شرف نہیں بخشو گی۔'' بھابھی کی یہ بات سن کر میں اُٹھ کر ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور پیار سے ان کے گلے کے گرد باہوں کا دائرہ بنا کر بولی، ''بھابھی جان رنگ تو سب اچھے ہیں، بس مجھے تھوڑی سی وحشت ہوتی ہے، پہننے سے۔ اب ضرور کوشش کروں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔'' انھوں نے میرے گال پر چپت لگائی اور بڑے پیار سے بولیں۔ اچھا اب جاؤ، بابا تمہارا پوچھ رہے تھے کہتے ہیں کہ اگر تم سوئی نہیں تو ان سے جا کر مل لو۔ یہ کہہ کر وہ جلدی سے کمرے سے باہر چلی گئیں اور میں آہستہ سے پلنگ پر سے دوپٹہ اپنے گلے کے گرد ڈال کر بابا کے کمرے کی طرف چل دی۔

میں نے بابا کے کمرے کا دروازہ کھولا تو بابا کے کمرے کی صرف ایک مدھم سی روشنی تو جل رہی تھی مگر بابا کے کمرے سے متصل ایک اور کمرہ تھا جو بابا کی سٹڈی تھی، وہاں سے آنے والے روشنی سے مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ بابا سٹڈی میں تھے۔ بابا نے مجھے دیکھتے ہی کہا'' آیئے بیٹا جان آپ کہاں تھیں اور کیسا گزرا آج کا دن؟'' میں بابا کی کرسی کے نزدیک کشن لے کر زمین پر ان کے قریب بیٹھ گئی، ''میں نے کہاں ہونا ہے جی۔ آفس سے پانچ بجے آئی تھی۔ آپ اس وقت نماز میں مصروف تھے خیر آپ بتائیں بابا جان آپ کا دن کیسا گزرا؟'' ''ٹھیک تھا بیٹے۔'' بابا نے اتنا کہہ کر کتاب پر نظریں جما لیں۔ میری اور بابا کی ایک عادت مشترک تھی۔ وہ کس وجہ سے تھی، اس کا تو شاید مجھے اندازہ نہیں تھا یا شاید بابا کا ضرورت سے زیادہ مجھ پر اعتماد اور پیار تھا کہ مجھے پتہ چل جاتا تھا، جب بابا مجھ سے کچھ کہنا چاہتے تھے اور جب میرے دل میں کوئی بات ہوتی تو بابا جان کو فوراً سے معلوم ہو جاتا، مگر ایک بات یہ تھی کہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو مجبور نہیں کرتا تھا کہ وہ بات بتائے۔ خیر بابا تو میرے دل کی بات بنا کہے ہی سمجھ جایا کرتے تھے اور مجھے کبھی کہنا ہی نہیں پڑتا تھا مگر بابا جان کے دل کی بات سمجھنا میں ابھی

اس مرتبے تک نہیں پہنچی تھی...... میں ایک آزاد اور بے فکر زندگی بسر کر رہی تھی جس میں کسی قسم کی ذمہ داری نہ ہوتے ہوئے بھی ایک سب سے بڑی ذمہ داری جو بابا نے بنا کہے اور بنا پوچھے میرے سپرد کر رکھی تھی، وہ تھی ان کی محبت، ان کا مان، ان کا اعتماد اور ان کی عزت جسے انھوں نے بڑے آرام سے پیار کی چھوٹی سی پوٹلی میں لپیٹ کر میرے گلے میں تعویذ کی طرح ڈال چھوڑا تھا اور جس کی حفاظت مجھے اپنی جان سے زیادہ بڑھ کر کرنی ہوتی تھی۔

بظاہر مجھ پر رشتوں کی، گھر کی، خاندان کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی مگر جو ذمہ داری میرے اوپر تھی، وہ بہت نازک تھی اور اس سے بڑھ کر میرا بابا کے ساتھ محبت کا رشتہ تھا، جس میں بابا نے کبھی نہ اپنی عمر کو دیکھا اور نہ ہی اپنے مرتبے کو، بس انھوں نے بیٹی سے محبت کے رشتے کو اہمیت دی تھی۔ اکثر اوقات یہ بات میرے دِل میں ضرور آجایا کرتی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ بابا اس بات کے جواب میں روایتی تایا یا باپ جیسا برتاؤ کریں، اس لیے مجھے ایسا نہیں کرنا مگر جہاں دِل میں ایسے کسی اندیشے نے گھر بنایا، وہ گھر ریت کا ہی ثابت ہوا کہ اگلے لمحے پانی کی ایک لہر کی نظر اور میرے اندیشے بابا کے پیار بھرے رشتے میں چھپے دوست کی نظر، ہمیشہ وہ میرے سامنے میرے دوست کی طرح آتے تھے......اور آج بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

کافی دیر بابا خاموش رہے اور میں نے آرام سے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا، بابا کوئی بات ہے؟ تو جواباً انھوں نے میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور آرام سے بولے اب ''بابا کے دِل کی بات ''انا'' کو پتہ نہیں ہوگی تو پھر کسے ہوگی۔ آپ جانتی ہو بیٹا جب دانش نے پہلی مرتبہ آپ کو میری جھولی میں رکھا تھا اور آپ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھ گھور رہی تھی۔ نہ جانے کیسے مگر اسی وقت میں نے دانش سے یہ کہہ دیا کہ یہ میری دھڑکن ہے...... اور دانش ہنس دیا تھا...... میں نہیں جانتا تھا کہ میں نے یہ الفاظ کیوں کہے تھے، کیونکہ ہمارے خاندان میں تین پشتوں سے کوئی لڑکی پیدا نہیں ہوئی تھی، نہ میری کوئی بہن تھی اور نہ بیٹی۔ اپنے گھر میں آپ کی دادی جان کے علاوہ اور کسی بزرگ عورت کے رشتے کے پیار کو نہیں پایا تھا، شاید یہ وجہ ہو...... معلوم نہیں، مگر آپ کے آنے کے بعد میری ذات کے اندر خود بخود ضرورت سے زیادہ نرمی، ٹھہراؤ اور سکون آتا گیا، جیسے جیسے آپ کا معصوم لمس میں محسوس کرتا، اس کی ٹھنڈک میری روح تک اُتر جاتی...... رخسانہ بیگم کے جانے کے بعد میرا مزاج مزید تلخ ہوگیا تھا اور احسن کی شکل میں مجھے نہ جانے کیوں اپنا آپ ہارتا ہوا محسوس ہوتا تھا...... اس کی خاموشی، اس کی سادگی اور اس کی فرمانبرداری میرے دِل کو جانے کیوں دُکھی کر جایا کرتی تھی، مگر آپ کے آنے کے بعد میرے

اندر ایک عجیب سا احساس ایک بہادری اور دلیری کا احساس بڑھتا رہا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ میرے لیے اس دُنیا کی سب سے نایاب اور انمول رشتے کی حیثیت بنتی گئی۔ بیٹی کا رشتہ واقعی رحمتِ خداوندی ہے اور اس بات کا یقین آپ کے آنے کے بعد مجھے ہوا۔ میں نے سنا ضرور تھا مگر اسے محسوس کرکے' اس کی اہمیت کو جانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے اس شخص پر، اس گھر پر برستی ہے جس گھر میں بیٹی پیدا ہو جائے اور پھر آپ میری ذات کا ایک حصہ بنتی گئی۔ اب میری ذات کے حصے کو یہ معلوم نہ ہو کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں گا، تو یہ تو زیادتی ہوگی نا۔'' بابا نے مزاقاً کہا۔

میں پیار، محبت، رشتوں کے تقدس کو کبھی سمجھ نہیں سکی تھی مگر ان کی اہمیت بابا مجھ پر گاہے بگاہے واضح کرتے رہتے تھے اور بابا سے میری الفت یا ان کا مجھ سے پیار صرف اس گھر میں اکلوتی بیٹی کی حیثیت سے ہوتا تو شاید کچھ اور بات ہوتی مگر میرے اور بابا کے رشتے میں کوئی اور کشش تھی جسے میں اس وقت نہیں سمجھ سکتی تھی اور وقت وہ کشش، وہ رشتہ مجھے کیسے سمجھائے گا، اس کا اندازہ مجھے اس وقت بالکل بھی نہیں تھا۔

مجھے نہیں پتہ تھا کہ اس وقت بابا کی سادگی سے کہی جانے والی ایک بات میری زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دے گی، میری سوچ، میری ذات کو جیسے اُلٹ کر رکھ دے گی۔ صرف چند گھنٹوں کے فاصلے پر زندگی کا اتنا بڑا امتحان میرے سامنے آکر کھڑا ہو جائے گا...... اور اس امتحان میں بابا مجھے چھوڑ دیں گے میں اس کو امتحان کہوں یا طوفان۔ اکیلے سامنا کروں گی۔

بابا ٹھیک کہا کرتے تھے کہ بیٹا زندگی میں آنے والا ہر امتحان ایک طوفان ہی ہوتا ہے اور طوفانوں سے گزارش نہیں کی جاتی...... کیونکہ وہ بن بلائے آتے ہیں، ان کا سامنا کیا جاتا ہے اور مجھے اس وقت اندازہ نہیں تھا کہ ایک بن بلایا طوفان میرے سامنے آئے گا اور مجھے گھیر لے گا اور میں اس قابل ہوں گی کہ اس کا سامنا کر سکوں گی۔

''بابا نے بڑے سکون سے کہا، بیٹا جان میں سوچتا ہوں ذرا ''پرانی حویلی'' ہو آؤں۔ کافی عرصے سے نہیں گیا۔ دانش اور سائرہ تو کل گاؤں چلے جائیں گے۔ ہوسکتا ہے ان کے تین چار دن لگ جائیں۔ زمینوں کا کچھ حساب کرنا ہے اور کچھ غریبوں کو خیرات کرنی ہے جو سائرہ کے سپرد ہے تو میں گھر پر ہوں سوچا وہاں ہو آؤں۔ آپ چلو گی میرے ساتھ...... اگر فرصت ہو تو؟ بابا میرے جواب کے منتظر تھے۔''

میں نے حیرانی سے بابا کی طرف دیکھا......

ایک دم میرے منہ سے Wow نکلا۔ ''بابا ''پرانی حویلی'' ضرور چلیں گے۔ مجھے تو اتنا شوق ہے اسے دیکھنے کا۔ میں نے خوشی سے بابا کی گود میں سر رکھ دیا۔ جب آپ کہیں بابا بس مجھے بتا دیں، کس دن جانا ہے۔''

''بیٹا جان وہاں کچھ پرانا سامان ہے، سوچتا ہوں لے آؤں اور کچھ مرمت کرانی ہوگی، وہ بھی دیکھ لوں گا۔ پرانے سامان میں کیا بچا ہوگا جو یہاں لاؤں گا...... خیر یہ تو جا کر ہی پتہ چلے گا۔''

''ٹھیک ہے بس کل دو بجے تک چلیں گے''، پھر بابا نے یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ رکھ لیا......

میں بے خیالی میں ایک دم بولی۔ ''بابا احسن بھائی اور بھابھی کو بھی لے جانے دیں نا......؟''

''بابا نے میرے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔ ''نہیں صرف ہم دونوں جائیں گے۔'' میں نے بابا کو ایک نظر حیرت سے دیکھا، انہوں نے بڑے آرام سے مجھ سے کہا کہ ''جائیں آرام کر لیں، اگر صبح آفس جانا ہو تو چلے جانا، ہوسکتا ہم وہاں دو چار دِن رُکیں۔ آپ رُکیں گی میرے ساتھ''......؟ ''ضرور بابا کیوں نہیں۔'' یہ کہہ کر میں اپنے کمرے میں آگئی۔

بابا کا انداز کچھ عجیب سا تھا اور وہ کچھ بوجھل بوجھل بھی لگ رہے تھے، جہاں مجھے پرانی حویلی جانے کی خوشی تھی وہاں مجھے ایک حد تک حیرانی بھی تھی کہ اچانک ''پرانی حویلی'' اور خود بابا لے کر جائیں گے جہاں تک مجھے یاد پڑتا تھا۔ میں نے بچپن میں شاید ساتویں کلاس میں پرانی حویلی کا نام سنا تھا کہ ابا وہاں جا رہے تھے اور مجھے سکول سے چھٹی تھی۔ میں نے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی جس پر ''ابا'' اور اماں نے مجھے بُری طرح سے ڈانٹ دیا۔ اس کے بعد میں نے آج تک کبھی پرانی حویلی کا نام نہیں لیا...... اور نہ ہی کبھی کسی نے مجھ سے اس متعلق کچھ بتایا تھا اور ویسے بھی بابا کہتے ہیں کہ انسان کے لیے جتنا جاننا ضروری ہوتا ہے، اتنا اس کے علم میں آجاتا ہے۔ شاید میرے ساتھ بھی ایسا تھا۔

کمرے میں آکر میں نے فرحان کو فون کیا۔ رات کے ایک بجے اسے Call کی تو وہ کچھ گھبرا گیا...... ''کیا ہوا'' ''انا'' خیر ہے نا گھر میں سب ٹھیک ہیں؟'' اس نے ہیلو کرنے کے بجائے مجھ سے یہ پوچھا۔ میں نے اسے کہا ''سنو گے تو بتاؤں گی نا'' ...... ''اچھا بولو، بولو''، وہ شاید نیند میں تھا۔ ''میں کل بابا کے ساتھ تین چار روز کے لیے جا رہی ہوں۔ کہاں یہ کل پتہ چلے گا، تم آفس دیکھ لینا اور Please مجھے کوئی Text یا Call کام کے حوالے سے مت کرنا میں خود تم سے رابطہ کروں گی۔'' ''اچھا ٹھیک ہے (don't worry)'' فرحان کی یہ عادت اچھی تھی کہ وہ کسی بات پر حجت نہیں کرتا تھا۔ یہ کہہ کر فون بند کر کے میں صبح ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

آج رات کیسے کٹے گی۔ بابا کا چہرہ بار بار آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ ویسے بھی بقول بابا کے میری چھٹی حس کافی تیزی سے کام کرتی تھی۔ جس کا اندازہ مجھ تو کبھی نہیں ہوا، کیونکہ میں نے کبھی غور نہیں کیا تھا مگر بابا غور کرتے رہتے تھے...... شاید: مجھے بھی کچھ گھبراہٹ تو محسوس ہو رہی تھی مگر اس وقت ایک خوشی کا احساس میرے ساتھ تھا کہ میں پرانی حویلی جا رہی ہوں اور صبح ہونے کا انتظار مجھے تنگ کر رہا تھا۔

''دسمبر کی راتیں اتنی طویل کیوں ہوتی ہیں۔'' میں خود سے ہی اُلجھنے لگی، حالانکہ مجھے ہمیشہ سے دسمبر کی راتیں اچھی لگا کرتی تھی مگر انتظار کے ساتھ آج نہیں...... اور آج میں سونا بھی نہیں چاہتی تھی۔ آج رات بارش میں بھگینا اور اندھیرے میں اپنا آپ ڈھونڈنے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں۔ میں ابھی انھیں خیالوں میں اُلجھ رہی تھی کہ میرے فون پر Call آئی۔ دیکھا تو احسن بھائی کا نمبر تھا۔ میں نے فوراً Call سنی تو آگے زرقا بھابھی تھیں۔ ''انو'' جاگ رہی ہو کیا''، انھوں نے اتنی معصومیت سے پوچھا کہ میری ساری اُلجھن پل بھر کے لیے غائب ہوگئی۔ ''ظاہر ہے بھابھی آپ ہی کے فون کا انتظار تھا، اسی لیے پہلی بیل پر اُٹھایا نا...... آپ بتائیں؟'' میں نے پوچھا!

''کچھ خاص نہیں، Coffee بنا رہی ہوں، تمہارے بھیاء نے کہا، ''انو'' سے پوچھو۔ اگر جاگ رہی ہو تو اکھٹے کافی پیتے ہیں۔'' ''بھابھی اس وقت؟'' میں نے ابھی یہ سوال کیا ہی تھا، اس سے پہلے کہ بھابھی مجھے جواب دیتیں، احسن بھائی کی آواز آئی۔ ''آجاؤ ''انا'' اکٹھے کافی پیتے ہیں...... آجاؤ!''

''ٹھیک ہے بھیاء آتی ہوں!''

اس وقت کافی کی یہ Offer مجھے زہر ہی لگ رہی تھی، اگر احسن بھائی نہ بلاتے تو میں شاید بھابھی کو ٹال دیتی مگر!

میں نے چادر اوڑھی، میرا کمرہ کچن سے کافی دور تھا اور تقریباً پورے گھر کا چکر لگا کر کچن تک جانا تھا۔ گھر ہمارا حویلی ہی کی طرز پر بنایا گیا تھا، اس لیے اس سردی میں کچن تک جانا عذاب لگ رہا تھا۔ بھابھی کافی بنانے میں مصروف تھی اور احسن بھائی کچن کے ایک کونے پر بنے ڈائننگ ٹیبل کے نزدیک براجمان تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بولے'' آجاؤ انا'' انھوں نے میرے لیے کرسی آگے کی۔ میں بے دِلی سے ہی سہی، گئی تھی مگر اس وقت میں ان پر اپنی کیفیت ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ''میرا تو خیال تھا تم سو چکی ہوگی مگر تمہاری بھابھی جانتی تھی کہ تم ابھی جاگ رہی

ہوگی۔'' ''جی بھائی جاگ رہی تھی، Office کا کچھ کام کرنا تھا بس وہی کر رہی تھی۔''

''آج کل کون سے پراجیکٹ پر کام کر رہی ہو۔'' احسن بھائی مجھ سے دو چار روز بعد ایسی رسمی سے گفتگو کر لیا کرتے تھے جس سے وہ شاید یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ہم دونوں اسی ایک گھر کے فرد ہیں مگر اس وقت ان کے سوالوں کا جواب دینے مجھے عذاب لگ رہا تھا۔

''بس بھائی آج ہی ایک Project مکمل کر کے دیا ہے۔ Schools پر ایک Short Files بنائی تھی۔ کافی مشکل Project تھا یہ، مگر شکر ہے کہ مکمل ہو گیا''......

ہنہ...... پھر تھوڑی دیر بعد بولے۔ ''مشکلیں تو زندگی کا حصہ ہوا کرتی ہیں، ان سے گھبرایا مت کرو، آکر چلی جاتی ہیں اور گزرے وقت کا حصہ بن جاتی ہیں'' ......احسن بھائی اس کو طرح کی باتیں بہت کم کیا کرتے تھے۔ یہ کہہ کر انھوں نے ہلکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ بھابھی کو مخاطب کیا، ''آج کافی بن جائے گی؟'' بھابھی کافی کپس میں ڈال رہی تھیں، انھوں نے ایک کپ مجھے دیا اور دوسرا بھائی کو اور اپنے کپ میں کافی ڈال کر میرے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ وہ دونوں آپس میں کیا باتیں کرتے رہے، مجھے کچھ یاد نہیں تھا۔ میں وہاں تھی مگر وہاں نہیں تھی......

تھوڑی دیر بعد میں ان سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ آکر میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ میرا سونے کا کوئی پروگرام نہیں تھا، اس لیے میں بیڈ کی طرف نہیں گئی۔ کافی دیر سوچوں کی گتھیاں سلجھاتی رہی مگر کیا کچھ یاد نہیں، مگر کہتے ہیں کہ نیند نے جب آنا ہو، کسی بھی چور دروازے سے داخل ہو کر اپنا راستہ بنا لیتی ہے اور میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ صوفے پر بیٹھے ہی کہیں پل آنکھ لگ گئی، پتہ نہیں چلا! اور آج پھر وہ بارش اپنے ہمراہ اندھیرا لیے میرے وجود اور روح کو بھگو گئی۔ بنا کچھ کہے، بنا کچھ بتائے، بنا کچھ پوچھے!

☆

حیرت تھی کہ جس شہر میں مَیں نے اپنی زندگی کے 26 سال گزارے تھے۔ اپنے اسی شہر کے اس حصے سے میں انجان کیسے رہی۔ شہر کے بیچ و بیچ اندرونی سڑک جہاں بڑا بازار، جگہ جگہ ٹھیلے، دائیں بائیں پھیری والے اور ان کا شور، فٹ پاتھ پر ایک طرف جوتے تو دوسری طرف چنے ایک پرات میں رکھے بیچے جا رہے تھے اور اس کے عقب میں کوڑے کا ایک بڑا ڈھیر ہونے کے باوجود لوگ بڑی روانی اور بے پرواہی سے چنے، پلیٹ میں ڈلواتے اور وہی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر کھانے لگ جاتے۔

ہماری بڑی گاڑی جو بابا کی مخصوص اور پسندیدہ سواری تھی۔ Mercedes اور اس

سواری کو خاص طور پر بابا کے لیے ہی نکالا جاتا تھا اور رحمان بابا اس کو Drive کرتے تھے۔ احسن بھائی بھی بہت کم ،صرف بابا کے کہنے پر اسے ڈرائیو کرتے تھے ،ورنہ اسے کوئی ڈرائیور نہیں کرتا تھا، کیونکہ بابا بہت کم گھر سے باہر جایا کرتے تھے اور اگر جاتے بھی تو بس میرے آفس تک ، مگر میرے آفس اور گھر کے درمیان راستہ شہر سے باہر High way Road پر سے ہوتا ہوا جاتا تھا۔ اندرونِ شہر سے کبھی کسی نے جانے کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ تھوڑا آگے گئے تو گلیوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہر گلی کے کونے پر کوئی نہ کوئی ٹھیلے یا پھیری والا ضرور دکھائی دیتا تھا۔ جانے کیوں میں نے یہ سب دیکھا ہوا تھا، کچھ نیا تو نہیں تھا، مگر شاید مجھے اس لیے نیا لگ رہا تھا کیونکہ میں اپنی زندگی کی ایک اَن دیکھی چیز ''پرانی حویلی'' پہلی مرتبہ آرہی تھی تو اس پر موجود مجھے ہر چیز بہت نئی، بہت انوکھی اور اجنبی لگ رہی تھی۔ شاید میرے اندر کا ایک نیاء احساس تھا جو مجھے یہ دیکھی بھالی سب چیزیں نئی اور بہت نئی مگر پیاری لگ رہی تھیں۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کسی نئے ملک نئے لوگوں میں جا رہی ہوں۔

انسان کے دِل میں جب کچھ دیکھنے کی خواہش ہو اور وہ اس پر خواہش کا اظہار بھی نہ کرے اور اچانک بنا کہے اس کی خواہش پوری ہونے لگے تو ایسی ہی حالت ہوتی ہوگی جیسے اس وقت میری تھی۔

پرانی حویلی ہمارے گھر سے بہت زیادہ دُور بھی ہوئی تو 45 منٹ کی Drive پر ہوگی مگر میرے لیے ایک نئی دُنیا تھی۔ میں نے ایک نظر بابا کی طرف دیکھا تو وہ بوجھل نظروں سے باہر دیکھ رہے تھے جیسے ان کے لیے بہت کچھ بدل گیا ہو۔ ہماری Mercedez ایک گلی کے اندر کی طرف مڑی جس کے ایک طرف نالہ تھا اور اس نالے کے ساتھ ہی ایک شکر کولا والا گلاس بھر بھر کے لوگوں کو دینے میں مصروف تھا۔ ہماری گاڑی جیسے ہی سامنے ہوئی، لوگوں نے حیرت سے گاڑی کی طرف دیکھا۔ اسی گلی کے موڑ پر گلی کچھ ٹوٹی ہوئی تھی۔ ''گاڑی آگے نہیں جاسکتی تھی۔''

رحمان چچا...... بابا کے ڈرائیور تھا مگر اس طرف وہ بھی پہلی بار آئے تھے، ''شاید صاحب جی گلی آگے سے ٹوٹی ہے جی، اب کیا کریں جی؟'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔

بابا نے میری طرف دیکھا اور مُسکرا کر بولے۔ ''گاڑی Reverse کرلو اور یہاں سے باہر نکل کر دائیں مڑ جانا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ دائیں مڑتے ہی بابا نے کہا اب آگے جاؤ اور پھر جائیں مڑ جاؤ اور پہلا بایاں موڑ مڑ جانا، جن گلیوں سے ہم گزر رہے تھے۔ مشکل سے اس گلی میں صرف ہماری گاڑی گزر سکتی تھی۔ آگے سے آنے والا کسی گھر کے دروازے کے ساتھ لگ کے

کھڑا ہوگا تو گزرنا ہوگا۔گلیاں بہت تنگ تھیں۔ بوڑھی عورتیں اپنے اپنے دروازوں کے آگے بیٹھی باتیں کرتی اور ہمیں گھورے جا رہی تھیں، جب محبوب نے اگلا موڑ مڑا تو مُڑتے ہی ایک ایک دروازے کے باہر بیٹھی ایک بوڑھی جو شاید اپنے تقریباً 3 سال کے پوتے یا نواسے کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ گاڑی دیکھتے ہی ہماری گاڑی کی طرف لپکی۔ بڑے سائیں، بڑے سائیں آئے۔ بابا نے شیشہ نیچے کر کے اس کے سلام کا جواب دیا۔اس نے احتراماً دونوں ہاتھ اُٹھا کر بابا کو دعا دی۔محبوب نے گاڑی روک لی۔ بڑے سائیں آپ آج یہاں......اس بوڑھی عورت کے آنکھوں میں آنسو تھے۔ بابا نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی اس کے سر کی طرف اشارہ کیا، کیونکہ بابا کسی غیر محرم عورت کو چھوتے نہیں تھے۔اس کے رویے سے اسے لگا جیسے کوئی اپنے مرشد یا پیر سے دُعا لیتا ہے۔ بابا نے اسے کہا۔''کل حویلی آنا......'' ٹھیک ہے بڑے سائیں۔ پھر اس گلی سے آگے، جتنے بھی لوگ تھے، انہوں نے ایسا ہی برتاؤ کیا اور وہ بوڑھی عورت تیز تیز قدموں سے ہماری گاڑی کے پیچھے آرہی تھی اور سب کو بتا رہی تھی کہ بڑے سائیں آئے ہیں۔ دیکھو بڑے سائیں آئے ہیں۔ کاکو، دیکھ بار کون آیا ہے۔اپنے پھولے سانس سے وہ سب کو خبر دے رہی تھی۔''پولا، گاما اور نہ جانے کون کون۔

ہماری گاڑی اس تنگ گلی میں ان سب کے گرد ایسی گھِر گئی تھی جیسے یہ سب لوگ ہماری گاڑی کو اُٹھا کے لے کر جا رہے ہوں۔ میں یہ سب دیکھ کر حیران تو تھی ہی مگر پریشان اس بات پر تھی کہ بابا کو یہ سب لوگ ایسے کیسے جانتے ہیں۔ بابا تو باہر بھی کہیں نہیں جاتے اور نہ ہی گھر کبھی کوئی ان سے ملنے آیا، میں خاموشی سے یہ سب دیکھتی رہی اور بابا ان سب کو ایسے مُسکرا کر جواب دیتے رہے، جیسے کل ہی بابا ان کو چھوڑ کر گئے ہوں، جب اس گلی سے دائیں مڑے تو ہماری گاڑی تنگ مگر صاف گلی میں مڑی اور رُک گئی۔ میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو سفید رنگ کی ایک چار دیواری کے علاوہ مجھے کچھ نظر آیا۔گلی کے دائیں طرف ایک سفید چار دیواری اور دوسری طرف چھوٹے چھوٹے مکان۔ میں بابا کے نکلنے کا انتظار کر رہی تھی کہ وہ نکلیں گے تو میں بھی نکلوں گی۔ بابا نے مُسکرا کر مجھے دیکھا اور آرام سے بولے۔''بیٹا سب کو مُسکرا کے بس ان کے سلام کا جواب دے دینا۔اس سے زیادہ وہ تم سے کچھ نہیں مانگیں گے۔'' میں سر ہلانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکی۔ بابا نے گاڑی کا دروازہ کھولا تو کچھ لوگ ان کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا رہے تھے اور کچھ ان کے ہاتھ چوم رہے تھے، جبکہ میری طرف والا دروازہ رحمان چچا نے کھولا اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا مگر جب میں باہر نکلی تو سب نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ بہت حیرت ہے، جیسے میں کسی اور

سیارے کی مخلوق ہوں۔ ابھی باہر نکل کر میں نے دائیں جانب دیکھا تو مجھے وہی شکر کوٹ والا نظر آیا تھا، جہاں سے آگے آگے گلی ٹوٹی ہوئی تھی اور بابا اس طرف سے لے کر آئے تھے، اگر ہم اُدھر سے آتے تو پھر شاید اتنے لوگ ہم کو نہ ملتے یا اتنے لوگوں سے بابا نہیں ملنا چاہتے تھے، مگر نہ چاہنے کے باوجود بابا ان سب کو اس گرم جوشی سے مل رہے تھے کہ بس انھیں سے ملنے کے لیے آئے تھے۔ بابا کی مُسکراہٹ جو گلی کا ٹوٹا ہوا کونا دیکھ کر میں اب سمجھی اور پھر میں بھی مُسکرا دی۔

''انا'' بیٹا میں ایک دم سے چونک گئی بابا کی آواز پر۔ ''اِدھر آیئے آپ''...... میں سر جھکا کر آگے بڑھی، لوگ میرا راستہ خود چھوڑتے گئے۔ میں بابا کے قریب چلی گئی تو بابا نے مجھے اپنے پاس کرتے ہوئے ان سب کو بتایا کہ ''یہ ہماری بیٹی ''انا'' ہے۔'' اس سے پہلے کہ وہ سب مجھے سلام کرتے میں نے ایک ہی بار سَر جھکا کر سب کو آداب کہہ دیا تو جانے کہاں سے ایک بوڑھی مائی نے آکر ایک دم سے مجھے سینے سے لگا کر بھینچ دیا۔ میں ایک دم سے گھبرا گئی اور ایک دم سے بابا کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آگیا۔ میں نے ان کا ہاتھ ایسے پکڑا جیسے بھیڑ میں بچہ اپنی ماں کا پکڑتا ہے، مگر میں نے ان سب میں سے کسی پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ میں ان سے ڈر رہی ہوں یا مجھے عجیب لگ رہا ہے۔ بابا نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ بابا کو اندازہ تھا کہ میں زیادہ لوگوں میں گھبرا جاتی ہوں، مگر وہ صرف اور صرف سادہ دِل لوگ تھے۔ اپنے جذبات اور پیار کا اظہار اپنے انداز سے کر رہے تھے۔

بہرحال شاید ہر ایک کے جذبات کے اظہار کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہمیں وہ انداز پسند آئے یا نہ آئے مگر وہ اپنے طریقے سے اپنے پیار کا اظہار ہی تو کر رہے تھے۔ بس......

ان سب میں سے ایک ادھیڑ عمر شخص بولا۔ بس بس ٹھیک ہے: ''اب تم لوگ سب جاؤ۔ صاحب بعد میں تم سب سے پھر مل لے گا، اب جاؤ شاباش۔'' اتنا کہنا تھا کہ سب بابا سے اجازت لینے لگے اور میں اور بابا دروازے کی طرف مڑے۔ ڈارک براؤن رنگ کا بڑا سا دروازہ کھولا گیا اور بابا نے مجھے اشارہ کیا۔ ''آیئے بیٹا یہ ہے ہماری پرانی حویلی، اندر آیئے۔'' میں نے ایک نظر دروازے پر ڈالی اور پھر میں نے دہلیز کے اندر ایسے قدم رکھا جیسے چاند پر پہلا قدم رکھنے والی ہوں۔ اندر داخل ہوتے ہی ایک اور دھچکا لگا۔ یہ ہے پرانی حویلی۔ میں ایسے دیکھ رہی تھی جیسے کسی بیابان سے آنے والا شخص پہلی مرتبہ شہر کی روشنیوں کو دیکھتا ہے۔ پرانی حویلی، پرانی حویلی، یہ لفظ میں نے بارہا سنا۔ اپنے گھر میں ہر ایک کی زبان سے اور دیکھا کیا......؟

بابا، یہ ہے پرانی حویلی، میں نے بابا کو حیرت انگیز انداز میں کہا۔ میری آنکھیں کھلی کی

کھلی رہ گئی۔

''آجاؤ بیٹا اندر آجاؤ شاباش۔'' کریم خان، وہی شخص جس نے سب کو جانے کا کہا تھا۔اپنے لہجے سے پٹھان لگ رہا تھا۔

دروازے سے صحن تک ایک لمبی ڈیوڑھی، جسے آج کل ہم اپنی جدید زبان میں Corridoor کہتے ہیں اور پھر ایک بہت بڑا صحن، جس میں سفید اور کالی ٹائلیں لگی ہوئی تھیں۔ دائیں طرف ایک بہت بڑا کنواں اور کنوئیں کے ساتھ ایک چھوٹا سا باغیچہ، سامنے بہت وسیع برآمدہ جس میں لکڑی کا ایک جھولا نما کوئی چیز پڑی تھی۔ بائیں طرف ایک بہت بڑا درخت جس نے تقریباً حویلی کے سامنے کے حصے کو اپنے اندر چھپا رکھا تھا جو برآمدہ سامنے نظر آرہا تھا، وہ حویلی کے تینوں اطراف پھیلا اور اس میں مہمانوں کے لیے کرسیاں سلیقے سے لگی ہوئی تھیں۔

برآمدہ چونکہ تین سیڑھیاں اوپر چڑھ کر شروع ہوتا تھا اور نیچے کے صحن میں تینوں اطراف خوب صورت گملوں میں سبزے سے بھرے پودے، بابا مجھ سے دو قدم آگے تھے۔ ان سے آگے وہی شخص ہمیں حویلی کے اندر لیے جا رہا تھا۔ ''صاحب اب اس دروازے سے اندر آجاؤ...... یہ ہی کھولا ہے۔'' وہ بابا کو ہدایت دے رہا تھا۔ بابا خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ ''انا'' بی بی۔ آپ بہت پیچھے رہ گیا ہے۔'' اس نے مجھے پکارا۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ اپنا تعارف خود کرانے لگا۔ ''میں کریم خان ہے'' ''اسی حویلی میں ہوتا ہے'' ...... آجاؤ، آجاؤ، شاباش

بابا، آگے ایسے چل رہے تھے جیسے وہ یہ بھول چکے ہیں کہ ان کے پیچھے بھی کوئی آرہا ہے یا وہ اکیلے ہیں۔ ان کے قدموں میں ایک عجیب سی تھکن تھی......

صحن کو پار کر کے برآمدے سے ہوتے ہوئے ہم ایک اور دروازے کے اندر داخل ہوئے۔

داخل ہونے سے پہلے مجھے پتہ تھا کہ اس حویلی کا ایک ایک لمحہ ایک ایک حصہ مجھے چونکائے گا۔ مجھ حیران کرے گا اور میں اپنی حیرانی کے لیے خود کو تیار کر چکی تھی۔ ''پرانی حویلی؟؟'' میں نے خود سے سرگوشی کے سے انداز میں سوال کیا؟

ایک بہت بڑا ہال، جس میں داخل ہوتے ہی ایسا محسوس ہوا تھا، جیسے میں کسی شاہی محل میں داخل ہو رہی ہوں۔ چاروں جانب انٹیک اور پرانے فرنیچر سے لیس جو شاید آج کل کے دور میں ہمیں ہینڈی کرافٹ کے شاہکار ہی معلوم ہوں۔ ہر جانب سلیقہ اور ایک مخصوص اور جانی پہچانی خوسبو، جو اگر میں آنکھیں بند کرلوں تو ایسا ہی لگے گا جیسے میں بابا کے کمرے میں موجود

ہوں۔ حال میں بالکل سامنے بڑا زینہ جو کہ تمام تر لکڑی کا بنایا گیا تھا۔ سفید دیواریں اور براؤن Wooden فرش، ہر طرف لکڑی کا کام، اپنی مہارت کی منہ بولتی تصویر، میں ابھی تک کہیں بیٹھی نہیں تھی۔ بس گھوم کر سارے ہال کو دیکھ رہی تھی۔ دائیں بائیں کی آمنے سامنے کی دیواروں میں چند دروازے نمایاں تھے جو شاید کچن، گیسٹ روم یا ڈائننگ ہال کی طرف جاتے ہوں گے۔ یہ میرا اندازہ تھا۔ زینے کے ساتھ پیچھے کی طرف ایک دروازہ شیشے کا تھا جہاں سے باہر کی طرف ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا اور سامنے ایک چھوٹا سا Foutain نظر آرہا تھا۔ میں نے ایک نظر کریم خان کی طرف دیکھا جو مُسکرا رہا تھا۔ ''بی بی آپ کے لیے چائے لاتا ہے۔ صاحب بھی پئیں گے۔'' وہ یہ کہتا ہوا۔ دائیں طرف کے ایک دروازے سے اوجھل ہو گیا۔

بابا میری طرف پیٹھ کیے کونے میں کھڑے تھے۔ غالباً وہ پیانو تھا جس کے پاس بابا کھڑے تھے۔ بابا میری طرف کیوں نہیں دیکھ رہے تھے، کیونکہ اس دوران میں نے بارہا بابا کو دیکھا مگر بابا جان بوجھ کر مجھے نظر انداز کر رہے تھے یا وہ تھوڑی دیر کے لیے سب بھول چکے تھے۔

یقیناً وہ میری آنکھوں میں حیرت میں ڈوبے سوالوں کو نظر انداز کرنا چاہتے تھے......

کیونکہ بابا مجھے تو نظر انداز کر ہی نہیں سکتے تھے۔ یہ محض میرا خیال بھی ہو سکتا تھا۔

میں بھی خاموش رہی اور بس دیکھتی رہی جو بابا مجھے دکھانا چاہتے تھے۔ چھت کی طرف نظر گئی تو پرانے زمانے کا ایک خوب صورت فانوس، جو کریم خان جاتے جاتے روشن کر گیا تھا۔ عصر کا وقت ہوا۔ بابا نے تھکی آواز میں کہا ''انا'' میں نماز پڑھ لوں، آپ نے اگر پڑھنی ہے تو کریم کو آواز دیجئے، وہ آپ کو جائے نماز بچھا دے۔ بابا ابھی تک میری طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔ یہ کہہ کر بابا آہستہ آہستہ اوپر چلے گئے۔ اوپر جاتے ہوئے اندر کی طرف بنے ہوئے کوری ڈور سے گزرتے ہوئے بابا مجھ نظر آرہے تھے۔ حویلی اس طرح بنائی گئی تھی کہ اگر اس حال میں کھڑے ہو کر آواز دو تو حویلی کے ہر کمرے میں آواز جائے گی۔ میرے نزدیک اس کو Master Piece کہنا بہت چھوٹا لفظ تھا۔ بابا دائیں طرف کے عقب میں تقریباً چھپے دروازے سے اندر چلے گئے۔ میں وہاں سکتے کے عالم میں کھڑی سوچوں میں کہاں پہنچ گئی۔ مجھے خود بھی نہیں اندازہ تھا۔ اتنے سارے سوال ذہن میں گڈمڈ ہوئے کہ اتنے میں کریم خان کے ساتھ تقریباً 35 سالہ لڑکی چائے کی ٹرے، لیے کھڑی تھی۔ ''یہاں پر رکھ دے نیک بخت۔'' یہ کریم خان کی بیوی تھی۔ جو میرے سامنے چہرہ چھپائے کھڑی تھی۔ اس نے شرما کر مجھے سر ہلا کر سلام کیا۔ میں نے اسے سلام کا جواب دیا۔ کریم خان نے کہا ''جاؤ رات کے کھانے کی تیاری

کرو۔ بی بی اور صاحب کھانا کھائے گا، شاباش۔'' وہ حیرت سے مجھے دیکھتی ہوئی اندر چلی گئی۔

میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی، کیونکہ ایک تو نماز میں پہلے ہی بہت اجلت میں پڑھا کرتی تھی۔ ایک اور برائی مجھ میں یہ بھی تھی کہ جب بہت پریشان ہوا کرتی یا کسی اُلجھن میں خود سے اُلجھتی تو میں نماز نہیں پڑھتی تھی۔ جانے کیوں ایسی حالت میں میرا دِل نماز پڑھنے کو نہیں کرتا اور بناء دِل کے نماز پڑھنا میرے نزدیک تو منافقت ہے، جو میری ذات میں نہیں۔ یہ بات اگر میں کسی دین دار انسان کے آگے کروں تو وہ تو مجھے کافر ہی ٹھہرا دے، مگر میرا اللّٰہ کے سامنے حاضری دینا، اسے پکارنا یا اس کی عبادت کرنا، یہ میرا اور میرے اللّٰہ کا معاملہ تھا جو نہایت ذاتی ہے۔ کوئی مجھے کافر سمجھے تو سمجھے۔ مجھے اس کی فکر کبھی نہیں ہوئی کہ لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ ہاں مگر ہر حالت میں چاہے بُرے سے بُرے حالات ہوں یا بہت زیادہ خوشی کا لمحہ، میری تسلی ''درود شریف'' سے ہوا کرتی تھی، میں وہ پڑھتی رہتی تھی اور اس وقت جب یہ سارے Shocks مجھے لگ رہے تھے تو اپنے آپ کو نارمل رکھنے کی میرے پاس ایک ہی دوا تھی، وہ درودِ پاک تھا۔ بچپن میں اور سورتیں بھی یاد کی تھیں اور نماز کے دوران ان کی تلاوت بھی کرتی تھی مگر نماز کے علاوہ میں نے ان سورتوں کو کبھی نہیں پڑھا۔ میں کوئی نیک پارسا، نمازی لڑکی تو ہرگز نہیں تھی۔ بس خود کو یہ تسلی دیا کرتی تھی کہ اپنے رب کے سامنے پانچ وقت حاضری دے دیا کرتی ہوں۔ کبھی رات کو نیند نہیں آتی تھی تو تہجد بھی پڑھ لیا کرتی، مگر پھر بھی میرا شمار ان لوگوں میں بالکل بھی نہیں ہوتا تھا جن کو نمازی کہا جاتا ہو۔ خیر......

کریم خان نے چائے بنائی اور مجھے پیالی پکڑاتے ہوئے کہا...... بی بی یہ ساتھ کھانے کے لیے بھی کچھ لو نا۔ ''آلو کے کٹلٹس، کیک، سوجی کی پنجیری اور ساتھ میں گاجر کا حلوہ۔'' میرا دل کیا کہ میں کریم خان سے پوچھوں کے اسے پتہ تھا کہ ہم یہاں آرہے ہیں؟ پھر مجھے یہ ٹھیک نہیں لگا۔ مجھے جو پوچھنا ہوگا میں بابا سے پوچھوں گی اور انھیں ہی میرے ہر سوال کا جواب دینا ہوگا اور وہ دیں گے۔ میں اِدھر اُدھر لوگوں سے کیوں پوچھوں۔

خود سے ہی اُلجھنے لگی۔ کریم خان اتنی دیر سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ''بی بی آپ دیکھتی رہے گی کہ کچھ کھائے گی بھی۔'' میں پھر سے چونکی...... ''نہیں کریم خان، بس میں چائے لوں گی ابھی۔'' کچھ کھانے کا من نہیں تم میری فکر چھوڑ اور جا کر بابا کا پتہ کرو۔ وہ نماز پڑھنے گئے ہیں۔ کسی چیز کی ضرورت نہ ہو انھیں'' ...... میں صرف اسے وہاں سے ہٹانا چاہتی تھی۔ وہ مُسکرا کر بولا ''نہیں بی بی صاحب! سب کچھ صاحب کے کمرے میں رکھا ہے، مگر پھر بھی میں دیکھ

کرآتا ہے۔ آپ چائے پیو جی۔ آرام سے بیٹھو۔'' یہ کہتا ہوا وہ تیزی سے اوپر چلا گیا۔ میں نے حیرت سے چائے کی پیالی کو دیکھا تو ادھر بھی اعلیٰ ذوق کی جھلک نمایاں تھی۔ میں اتنے زیادہ حیرت انگیز لمحات سے گزر چکی تھی کہ اب مزید حیرت کے لیے کچھ رہا بھی نہیں تھا یا شاید ابھی بہت کچھ تھا!

میں زیرِلب مُسکرائی اور خود سے ہی ہلکی سی سرگوشی کی۔

''پرانی حویلی''

مجھے اس وقت اپنے اوپر غصہ آرہا تھا کہ میں ہمیشہ لاپرواہی اسی لیے برتتی تھی کہ مجھے میرے گھر والے خود بتائیں گے۔ کیونکہ میں اس گھر کا حصہ ہوں مگر میں آج اس گھر کے ایک اہم حصہ کو اپنی زندگی کے 26 سال گزر جانے کے بعد دیکھ رہی تھی۔

میرا سر میرے خود ساختہ سوالوں سے پھٹ رہا تھا۔ میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ میں خود اپنے ہی بنائے مزید سوالوں میں نہیں کھونا چاہتی تھی۔ سورج ڈھل رہا تھا اور بابا ابھی تک اوپر تھے اور کریم خان بھی ابھی تک نیچے نہیں آیا تھا۔ میں اُٹھی اور حویلی کے پچھلا دروازہ جہاں سے باغیچہ نظر آتا تھا، اُس جانب چلی گئی۔ اس دروازے پر تالا لگا تھا۔ میں اندر سے ہی جھانکنے لگی۔ پودوں اور گھاس کی حالت سے ایسا لگتا تھا کہ اس جگہ کی صبح شام صفائی، کٹائی ہوتی ہوگی۔ ایک پتہ بھی گرا ہوا دکھائی نہیں دیا مجھے۔

''اور مجھے بابا کے الفاظ یاد آئے۔ پرانی حویلی ہے، جانا ہے، کچھ مرمت وغیرہ کرانی ہے، کچھ پرانی چیزیں ہیں، وہاں دیکھ لوں اگر کچھ لانے کے قابل ہو تو لے آؤں''۔

میں پھر مُسکرا دی کہ ''یہ پرانی حویلی ہے''؟ مگر کہاں سے؟ مرمت کہاں سے؟ مجھے تو کسی جگہ سے ایک انچ بھر بھی سیمنٹ یا پینٹ اکھڑا نظر نہیں آیا۔ بابا کس حویلی کی بات کر رہے تھے۔ اور بہت کچھ...... اتنی دیر میں کریم خان کے آنے کی آواز آئی۔ وہ جوتیاں گھسیٹتا آیا۔ ''بی بی آپ چائے وائے پیو۔ صاحب مغرب کی نماز پڑھ کے آتا ہے۔ بولتا ہے بس اذان ہونے والی ہے، وہ نماز پڑھ کے آئے گا۔''

مجھے معلوم تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ بابا کچھ وقت تو لیں گے۔ انھیں اندازہ تو تھا کہ میں ان سے پوچھوں گی تو ضرور! اور میں یہ جانتی تھی کہ ان کے پاس میرے ہر سوال کا جواب ضرور ہوگا...... اور میں ان سے کوئی ایسا سوال پوچھ ہی نہیں سکتی جس کا اُن کے پاس جواب نہ ہو۔ جانے کیوں اتنا برداشت کرنے کے باوجود مجھے بابا پر غصہ آرہا تھا، حالانکہ نہ میں نے کبھی ان سے پوچھا، نہ ان سے ضد کی مگر غصہ تھا تو کس بات کا؟

اگر میں بابا کی اپنی تھی اور یہ سب بھی بابا کا اپنا تھا تو پھر میں اس سے انجان کیوں تھی؟ یہ سب میرے لیے پرایا کیوں تھا؟ مگر آج میں ایسا کیوں سوچنے لگی تھی؟ اچانک سے ایسی با میرے اندر کہاں سے آئیں جن کے بارے میں مجھے خود بھی پتہ نہیں تھا۔

بابا مجھے یہاں لا کر خود چھپ کیوں رہے ہیں۔ ایسا کیوں تھا؟ ایسا کیا تھا؟ جو وہ نہیں بتا پا رہے تھے، جبکہ اب تو وہ خود بتانا بھی چاہتے ہیں اور بتانے کی ہمت بھی نہیں، مگر مجھے اس اُلجھن میں کیوں ڈال رہے ہیں۔ بابا تو مجھے کبھی اُلجھن میں نہیں ڈالتے تھے اور ایسی اُلجھ جس سے میرا کوئی تعلق نہیں، پھر بابا مجھے ایسے سوال کیوں دے رہے تھے؟ کچھ تو ہے، چاہتے ہیں کہ میں جانو...... وہ چاہتے ہوں گے کہ میں خود پوچھوں ان سے...... تو میں پو گی! مگر وہ نیچے کیوں نہیں آ رہے تھے اور ان کی اجازت کے بغیر، ان کے بلائے بنا، میر جانا چاہتی تھی، بلکہ میں اب اس حویلی کا اور کوئی بھی دروازہ کھول کر نہیں دیکھنا چاہتی جتنے دروازے کھولوں گی، اتنے ہی سوال جنم لیں گے۔

''جن سوالوں کے جواب انسان کے اپنے پاس نہ ہوں۔ ایسے انجانے سوال بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں''۔ بابا کی کہی ایک اور بات میری یادداشت سے گزر گئی۔ انجانے، اَن کہے سوال اور اُن کی تکلیف......؟

کچھ محسوس کر رہی تھی میں......

سردی کچھ زیادہ ہو رہی تھی...... میں نے پاؤں صوفے کے اوپر کر کے چادر اپنے گرد لپیٹ لیا اور صوفے کے ساتھ سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں اور دِل میں درودِ پاک پڑھنے لگی۔

زرقا بھابھی اپنی پوری وفا کے ساتھ احسن بھائی کی زندگی میں مثبت اور خوب صورت کردار ادا کر رہی تھیں اور ایک باوفا بیوی اور سلیقہ شعار بہو کی طرح اپنے فرائض بخوبی انجام دے رہی تھیں۔ احسن بھائی اور زرقا بھابھی نے کبھی کسی کی ذاتی زندگی میں مداخلت کی کوشش نہیں کی۔ شادی کے تین سال گزر جانے کے بعد بھی اولاد سے ابھی تک محروم تھے مگر دونوں کے چہرے سے ایک لمحہ بھر کے لیے بھی یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ ان کی زندگی کا ایک اہم باب ابھی ادھورا پڑا ہے۔ بڑے بھائیوں کی غیر موجودگی میں احسن بھائی ایک بہت اچھے اور فرمانبردار بیٹے کے فرائض انجام دے رہے تھے اور حقیقت میں اس گھر میں احسن بھائی کی موجودگی میں بیٹے یا بھائی کی کمی محسوس نہیں ہوا کرتی تھی۔

بہت محتاط رویے کے مالک تھے۔ ان کے اور میرے درمیان ہمیشہ سے ایک سرد دیوار حائل تھی۔ وہ دیوار کیا تھی مجھے نہیں معلوم۔ مگر زرقا بھابھی کے آنے کے بعد احسن بھائی کا رویہ پہلے سے بہتر تھا اور زرقا بھابھی کے چہرے پر آج دِن تک میں نے اپنے گھر کے کسی فرد کے لیے گھور نہیں دیکھی تھی۔ یہاں تک کہ وہ کبھی جب امی کی تنقید کا نشانہ بنی ہوتی تو میں ان کو چھیڑا کرتی اور اپنی ساس کی خدمت کریں۔ انھوں نے کسی حال میں خوش نہیں ہونا ہوتا۔ وہ تو آگے سے ہنس کر مجھ ٹال دیا کرتی تھیں۔ وہ امی کی بے حد لاڈلی تھی۔ میں اکثر سوچتی تھی تو میری روح کانپ جایا کرتی تھی کہ اپنے گھر سے ہمارے گھر تک کا سفر زرقا بھابھی نے کیسے طے کیا ہوگا اور پھر اُس ماحول سے خود کو اس ماحول میں ڈھالنا اور اس طرح سے ڈھالنا کہ کسی کو ایک طرف شکایت کا موقع بھی نہ ملے۔ اپنی ذات کی نفی کرنا، آسان کام نہیں تھا۔ انجانے لوگ، انجانا گھر، انجانا ماحول اور ساری زندگی، روح کانپ جایا کرتی تھی میری'' اور میں اپنے لیے یہ ہی دعا مانگا کرتی تھی کہ مجھے انجانے لوگوں میں اپنی منزل نہیں چاہیے۔ مجھے میرا یہ سفر میری منزل سے زیادہ عزیز ہے مجھے بس میرے اسی سفر میں رہنے دینا۔'' مجھے مزید رشتوں میں مت اُلجھانا مالک جن کو

میں وفا سے نبھانہ سکوں۔ مجھے اس وقت یہ احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ میں اپنے لیے کیا مانگ رہی تھی؟ بابا اکثر کہا کرتے تھے۔

''انسان کی مرضی سے نہ تو اس کا کوئی سفر شروع ہوتا ہے اور نہ ہی ختم ہوتا ہے۔ یہ تقدیر ہے۔ تقدیر کی ہوا جس رُخ چلے گی، انسان کی مٹی اُسی رخ اُڑتی جائے گی اور اس وقت نہ راستے کی خبر ہوتی ہے، نہ منزل کا پتہ۔ سفر ہوتا ہے اور کچھ بھی نہیں!۔

شاید میں اونگھ میں تھی۔ ایک دم سے آنکھ کھلی جب بابا میرے اوپر ایک اور چادر ڈال رہے تھے اور کریم خان ہیٹر آن کرنے لگا تھا......

بابا میرے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئے۔ کریم خان بولا۔

''صاحب بی بی تھک گیا ہے''......

بابا نے کوئی جواب نہیں دیا

میں نے بابا کو نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے صوفے پر سیدھے ہوتے ہوئے جواب دیا، ''نہیں کریم خان اس میں تھکن کی کون سی بات ہے۔ میں کون سا دوسرے شہر یا دوسرے ملک سے آئی ہوں......اسی شہر سے آئی ہوں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ میرے شہر کا یہ حصہ میرے لیے ایک دوسرا ملک بن گیا...... پرانی حویلی؟؟''

بابا نے ہلکی سی مُسکراہٹ سے اپنی چادر کو ٹھیک کیا اور کریم خان کو گرم چائے لانے کے لیے کہا۔

''انا'' بیٹے آپ نے کچھ کھایا......؟ بابا نے مجھ سے بڑے Normal (نارمل) سوال کیا۔

''بابا جان! ہم کیا یہاں چائے پینے، یا یہ سب کھانے آئے ہیں؟۔''

بابا نے حلوہ پلیٹ میں ڈالتے ہوئے مذاق کرنے کے انداز میں کہا۔ ''جی بیٹا جان! تو اور کس لیے آئے ہیں۔''

جانے کیوں مجھے بابا کے اس جواب پر آگ لگ گئی۔ مجھے خود نہیں پتہ کیوں؟ بابا ایسے کیوں Behave کر رہے تھے......

''What میرے منہ سے تیزی سے نکلا بابا!''......

''آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟۔ میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے بابا سے پوچھا۔''

''بیٹا جان! آپ کو یہ حویلی جو دیکھنا تھی نا''......بابا نے بڑی معصومیت سے جواب دیا......

''اچھا! Really (واقعی)''

''میں نے آپ سے کب کہا تھا، ذرا یاد کر کے بتایئے تو۔ آخری بار میں نے آپ سے کب کہا تھا کہ مجھے حویلی دیکھنا ہے۔ Sorry حویلی نہیں۔ پرانی حویلی......!''

''ہے نا؟ یہ آپ کی ''پرانی حویلی......''

آگ لگ رہی تھی مجھے بابا کے اس رویے پر......

اتنے میں کریم چائے لے آیا اور بابا کو خاموش رہنے کا ایک اور اچھا موقع مل گیا۔

''کریم خان چائے بناؤ، آج تمہارے ہاتھ کی بنی چائے پیتے ہیں۔''انا'' کو پلائی تم نے چائے؟''۔ بابا نے مُسکرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے غصے سے منہ دوسری طرف کر دیا۔

شاید کریم خان کو ہال میں آتے ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم کوئی بات کر رہے ہیں جو اس کے آنے سے Disturb ہوئی۔ اس لیے چائے بنانے کے بعد وہ جلدی سے Kitchen کی طرف چل دیا۔''صاحب میں کھانا تیار کرا رہا ہوں رات کا......''

''ہاں...... ہاں بھئی کراؤ۔ تمہارے ہاں آج مہمان جو آئے ہیں۔ وہ بھی اتنے خاص۔'' بابا نے میری طرف اشارہ کیا۔

کریم نے ہنستے ہوئے جواب دیا''جی صاحب۔ آپ سب ہمارے لیے بہت خاص ہو جناب جی''......

''انا'' بیٹا چائے لیجیے، ٹھنڈی ہو جائے گی''......

میں نے مُڑ کر بابا کو دیکھا تو وہ بڑی بے نیازی سے چائے پینے میں مصروف تھے......

''بابا مجھے چائے نہیں پینی۔ آپ اپنی چائے پی لیجیے پھر گھر چلتے ہیں۔'' بابا نے صوفے کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے، سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا، گھر؟۔

''جی بابا۔ مجھے میرے گھر جانا ہے۔ میں نے دیکھ لی ہے آپ سب کی ''پرانی حویلی'' please آپ جلدی کریں۔ ویسے بھی احسن بھائی۔ اور بھابھی بھی فکر کر رہے ہوں گے۔ وہ گھر پر ہیں وہ بھی اکیلے۔ امّی ابو بھی گاؤں گئے ہیں......رات ہو گئی ہے......آپ جلدی کریں۔''

''مگر بیٹا جان! کریم کھانا تیار کر رہا ہے''......''نہیں بابا جان میں تھک گئی ہوں۔ میں گھر جا کر نہاؤں گی change کرنا ہے مجھے میں ان کپڑوں میں بھی تنگ ہو رہی ہوں:۔ اور ویسے بھی بھوک نہیں ہے مجھے۔''

''آپ جلدی کریں ہمیں جانا ہے۔ بھیا بھابھی بھی اکیلے ہیں۔''

میری اتنی باتوں پر بابا نے بڑے آرام سے کریم کو آواز دی:۔ وہ جلدی سے اندر آیا۔ بابا بظاہر تو بہت relax تھے۔ مگر ایک دردان کے چہرے سے صاف عیاں تھا۔

''کریم جاؤں۔ گاڑی میں ہمارا سامان پڑا ہے لے آؤ۔''

''جی صاحب۔''

کریم ہاتھ صاف کرتے ہوئے باہر بھاگا۔

میں خاموشی سے بابا کی سرد مہری کو دیکھتی رہی۔ اور سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ ''بابا'' کیا چاہ رہے ہیں۔ وہ بڑے آرام سے چائے پیتے رہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ میں غصے میں ہوں۔ کریم جلدی سے اندر آیا، اس کے ہاتھ میں دو بیگ تھے۔ ''ہاں یہ ہی ایک بیگ میرے کمرے میں رکھ دو۔ اور یہ کالا والا بی بی کے کمرے میں رکھ دینا۔ اور جاؤ دیکھ آؤ بی بی کے غسل خانے میں گرم پانی آتا ہے نا۔ میں حیرت سے یہ سارا scene دیکھتی رہی۔ بابا میرا بیگ؟''۔ میں نے بابا کی طرف دیکھا۔

''ہاں بیٹا آپ کی بھابھی سے آپ کا بیگ تیار کرالیا تھا۔ اس میں آپ کا ضروری سامان ہے۔'' ''احسن اور بھابھی کو پتہ ہے ہم یہاں ہیں، ہم دو تین دن یہیں رہیں گے۔ آپ آرام سے اوپر جائیں change کرلیں۔ relax ہو کر آئیں، پھر کھانا کھاتے ہیں۔ صبح اپنی بیٹی کو ساری حویلی بھی دکھائیں گے۔ جایئے اب جا کر fresh ہو جایئے۔''

میں نے اُلجھ کر بابا کی طرف ایک نظر دیکھا اور پھر ان کے ساتھ والے صوفے پر جا کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ تقریباً 15 یا 20 منٹ میں اور بابا خاموش رہے۔ بابا نے آرام سے اپنی چائے ختم کی۔ کریم خان سارے برتن اُٹھا کر اندر لے کے جا چکا تھا۔ بابا اپنے صوفے سے اُٹھے اور آہستہ سے چلتے میرے پاس آئے۔ ''میری بچی۔ مجھ پر غصہ نہیں کرے گی تو اور کس پر کرے گی۔'' میرے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے بولے۔

''بابا۔ اپنے بچے کے سب سوالوں کے جواب دیں گے، بابا۔ اسی لیے آپ کو اپنے ساتھ یہاں لائے ہیں۔ آپ کی اُلجھن غلط نہیں۔ بلاوجہ نہیں۔ بجا ہے، بیٹا...... بابا نے اپنی بیٹی سے بہت سی باتیں کرنی ہیں...... اور جب بابا اپنی بیٹی سے باتیں کریں گے تو تمام اُلجھنیں خود سے ہی ختم ہو جائیں گی۔ پر بیٹے، بابا کو بھی تو بات شروع کرنے کے لیے کسی سرے کی ضرورت ہے۔ بغیر کسی سرے کے ایک معقول آغاز کے، بہت کچھ ادھورا رہ جاتا ہے اور میں کچھ ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتا۔''

اور

''ویسے بھی ہم یہاں پر اپنی Friend کو لے کر آئے ہیں۔ آخر ہمیں بھی تو اپنی دوست سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ لوگوں کی برائیاں کرنی ہیں، دِل کا بوجھ ہلکا کرنا ہے۔''

کیوں؟......

میں نے سوالیہ نظروں سے بابا کی طرف دیکھا......

میرے کہے بغیر بابا نے میری کیوں کا جواب خود ہی دیا۔

اس لیے بیٹا جان، کیونکہ اب ہماری ''انا'' بڑی ہو چکی ہے۔ ہماری دوست سمجھ دار ہو چکی ہے اور اب وہ بابا کو پہلے سے زیادہ سمجھ سکتی ہے۔ ''انا'' بیٹے آپ کے بابا نے ساری زندگی اپنی انا کو بہت سنبھال کر رکھا۔ اس کی بہت حفاظت کی، مگر اب مَیں اپنی اَنا کو سنبھالتے سنبھالتے تھک گیا ہوں۔ اس لیے اسے آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ جانتی ہیں بیٹے، آپ کے بابا ''انا'' پرست انسان تھے اور ایک انا پرست انسان دوسروں کی نسبت زیادہ تکلیف اُٹھتا ہے۔''

میں بابا کی باتیں خاموشی سے سنتی رہی۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی انھوں نے میرے غصے کو اپنی باتوں کے جادوں سے ایسے غائب کیا جیسے دھوپ نکلتے ہی دھند غائب ہو جاتی ہے۔

''اب آپ جائیں کچھ Fresh ہو جائیں، کچھ دیر سونا چاہیں تو سو جائیں۔ ہم رات کو بات کریں گے۔ اُٹھیں ''انا'' جایئے۔''

بابا کی باتیں ہمیشہ مجھے آخری حد تک ٹھیک لگتی تھیں۔ وہ ہمیشہ ہر کسی کو قائل کر لیا کرتے تھے اور مجھے تو کبھی ایسا ہوا ہی نہیں کہ انھوں نے قائل نہ کیا ہو، مگر زبردستی کسی بھی نظریئے کو بے بنیاد میرے اوپر تھوپا نہیں، بلکہ حقائق کے ساتھ میرے سامنے اس چیز کو واضح کیا اور پھر فیصلے کا اختیار بھی مجھے دے دیا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ فیصلے کا اختیار میرے پاس ہوتے بھی، ہر فیصلہ ان کے حق میں ہی ہوا کرتا تھا۔ آج بھی ایسا ہی ہوا۔

تقریباً رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ میں اُٹھی اور اوپر جانے لگے۔ ''اوپر کس طرف جانا ہے بابا......؟'' میں نے دو چار سیڑھیاں چڑھنے کے بعد مڑ کر دیکھا......تو بابا نے مُسکرا کر جواب دیا۔ ''نیت نیک ہو اور ارادہ مضبوط ہو تو سمت کو ڈھونڈنا نہیں پڑتا۔ انسان اسی طرف جاتا ہے، جہاں اسے جانا چاہیے۔''

میں کچھ پل وہاں رُکی، اوپر کی طرف دیکھا، پھر بابا کو۔ وہ مُسکرا رہے تھے۔ میں نے بھی معنی خیز انداز میں کہا۔

""""انا"ہوں......"

اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ بابا کا کمرہ دائیں طرف تھا۔ میں بھی دائیں طرف ہی مڑی اور بابا کے کمرے سے پہلے والے دروازے کو کھولا اور اندر چلی گئی......

کمرے کا دروازہ کھولا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ دروازے کے ساتھ دیوار ٹٹولنے لگی، کیونکہ پرانے گھروں کی دیواروں میں ذرا اونچائی پر دروازے کے ساتھ ہی سوئچ ہوا کرتے تھے۔ مجھے کچھ تو اندازہ تھا۔ میں نے اندھیرے میں دیوار پر ہاتھ مارے تو ہاتھ سوئچ تک پہنچ ہی گیا۔ لائٹ آن کی۔ کمرے کو دیکھ کر اندازہ ہو ہی گیا کہ یہ میرا ہی کمرہ ہوگا، بلکہ یہ ہی وہ کمرہ ہے جس میں مجھے آنا تھا۔ سامنے ایک بہت بڑا پلنگ جس پر میرون رنگ اور کالے رنگ کی چادر بچھی تھی۔ کمرے میں چار کھڑکیاں تھیں اور اوپر چھے بڑے روشن دان، جن میں سفید اور پیلے رنگ کے شیشے لگے تھے اور روشن دانوں میں بھی وہی رنگ چھلک رہے تھے۔ مجھے کھڑکیوں کے آگے لگے کالے پردوں سے اندازہ ہوا کہ کالے پردے ہیں تو یہ میری ہی جگہ ہے۔ سامنے دیوار کے ساتھ کھڑکیوں کے آگے آمنے سامنے براؤن رنگ کی لکڑی کی دو صوفہ نما کرسیاں تھیں جن پر میرون اور کالے رنگ کے کشن پڑے تھے اور درمیان میں ایک میز، پلنگ کے سائیڈ آتش دان جو کہ خوب صورت پتھر کے کام سے آویزاں تھا۔ کمرے کے کونے میں ایک لمبا Wood carving لیمپ پڑا تھا۔ پلنگ کے ساتھ سائیڈ Table پر کچھ کتابیں، پانی کا جگ اور چاکلیٹ کا Bowl پڑا تھا اور بائیں جانب ایک سنگار میز، فرش پر سادہ کالے رنگ کا رگ بچھا تھا اور اس پر میرون رنگ کا جائے نماز بچھا ہوا تھا۔ میرے منہ سے بے اختیار "بابا" نکلا۔

پھر میں نے فریش ہو کر Change کیا۔ سویٹر پہن لیا تھا۔ رات کافی ٹھنڈی تھی اور شاید گھر زیادہ عرصہ سے بند تھا۔ اس لیے زیادہ ٹھنڈا تھا۔ میں نے ایک نظر کھڑکیوں کو دیکھا مگر میں نے کسی کھڑکی کو کھولا نہیں۔ جانے کیوں میں بابا کے کہے بغیر یا ان کو بتائے بنا وہاں کا کوئی دروازہ، کوئی کھڑکی کھولنا ہی نہیں چاہتی تھی یا ہمت ہی نہیں تھی۔ ذہن میں ایک خیال تھا کہ ایسا نہ ہو کہ کچھ ایسا دیکھ یا جان لوں جو بابا مجھے نہیں بتانا چاہتے ہوں...... بس اس خیال نے مجھ کو روکے رکھا۔ ذہن کافی بوجھل ہو رہا تھا۔ اس جگہ پر ایک اپنائیت، ایک سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔ ایسے جیسے دُنیا کی کوئی Disturbence یہاں نہیں آسکتی، مگر جو کوفت مجھے اپنے اَن کہے سوال دے رہے تھے، ان کا کیا کرتی، ہاں مگر ان سب کے باوجود وہاں سکون کا احساس، اپنائیت کا احساس تھا... حالانکہ میں پہلی مرتبہ وہاں آئی تھی اور کسی انجان جگہ پر مجھے جتنی گھبراہٹ ہوتی تھی۔

میری اس عادت سے میرے گھر والے مجھ سے زیادہ تنگ تھے۔ اپنے گھر کے علاوہ میں اپنے شہر میں اور شہر سے باہر کسی جگہ رات رُکنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی اور کبھی شہر سے باہر جانا پڑا بھی تو ہر لمحہ بابا کے ساتھ ہوتی تھی اور رات ہم دونوں کی ہوٹل روم میں باتیں کرتے ہی گزرا کرتی تھی۔

اس سے پہلے کہ بابا مجھے بلاتے۔ میں Change کر کے بابا کے پاس ہی جانا چاہتی تھی اور میں نے ایسا ہی کیا۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلی تو اوپر پہلے کوری ڈور سے نیچے جھانکا وہاں بابا موجود نہیں تھے۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ میں آرام سے نیچے چلی گئی اور جا کر اسی صوفے پر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ مجھے میری ہی سوچیں تنگ کر رہی تھیں۔ آج پہلی بار مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ہمارے گھر میں سب ٹھیک تھا مگر ایک کمی تھی، وہ کمی کس چیز کی تھی۔ مجھے کبھی اندازہ نہ ہوسکا۔ میں گھر میں سب سے چھوٹی تھی اور سب لوگ مجھے بچوں کی طرح ہی Treat کرتے تھے اور میں نے بھی بڑوں کی باتوں میں کبھی دخل اندازی کرنے یا جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ خود پر اس بات پر غصہ تھا کہ میں نے کبھی کسی سے پوچھا کیوں نہیں۔ میرا ہی قصور ہے، اگر میں پوچھتی تو ایسی تو کوئی وجہ نہ ہوتی کہ کوئی مجھے کچھ بتاتا نہیں...... یہ سب خیال میرے ذہن میں کیوں آرہے تھے؟ میں خود بھی نہیں جانتی تھی، مگر آج ایسا ہو رہا تھا۔ میں اپنی فطرت سے مجبور تھی یا میری پرورش میں بابا کا زیادہ ہاتھ تھا۔ فطرتاً مجھ میں کسی کے بارے میں جاننے اور پوچھنے کا تجسس نہیں تھا یا شاید میں کچھ اُلجھی شخصیت کی مالک تھی۔ اس لیے میں جان بوجھ کر کوششیں یہ ہی کیا کرتی تھی کہ خود کو تمام تر اُلجھنوں سے دور رکھوں۔ مجھے خود سے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں، جو میرے لیے ہوگا، اس کا پتہ مجھے خود کسی نہ کسی طرح چل جائے گا اور مجھے تو بابا نے بھی ہمیشہ یہ ہی سکھایا تھا کہ ''خود کو سمجھو تو زندگی سمجھ آجائے گی، جو خود کو نہیں سمجھ سکتے، ان کے لیے زندگی بھی اُلجھی رہتی ہے'' جو تمہارے لیے ہوگا، وہ تمہارے سامنے آئے گا۔ اس کا سامنا کرو اور جو نہ آئے وہ تمہارے لیے نہیں۔ بس اللہ پر چھوڑ دو باقی سب، وہ ہی سنبھال سکتا ہے اور زندگی کو ہمیشہ اتنا ہی سمجھو جتنا وہ تمہاری سمجھ میں آئے۔ ضرورت سے زیادہ سمجھنے کی کوشش مت کرو۔ تو میں اسی Formula پر ہی اپنی زندگی گزار رہی تھی، مگر آج بابا نے مجھے خود اتنی مشکل میں کیوں ڈالا ہے۔

اچانک دروازہ کھلنے پر میں نے دیکھا کہ بابا کریم خان کے ساتھ اندر آرہے تھے۔

''مجھے دیکھ کر کریم خان نے پوچھا، ''بی بی کھانا لگائے''؟

میں نے بابا کی طرف دیکھا جو اپنی Shawl ٹھیک طرح سے اوڑھ رہے تھے۔

''میں نے کہا کہ بابا سے پوچھ لو۔ جب یہ کھائیں گے، تب لگانا...... بابا نے کہا ہاں بھئی لگا دو، بھوک لگی ہے۔ پہلے کھانا کھاتے ہیں پھر باقی کام ہوں گے۔''

کریم خان نے کھانا لگانا شروع کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ کھانا میری پسند کا ہی بنا ہوگا۔ مجھے دال چاول بہت پسند تھے اور دال چاول، چٹنی، سلاد۔ حالانکہ بابا دال چاول اتنے شوق سے نہیں کھاتے تھے، مگر انھوں نے اپنے لیے کچھ نہیں بنوایا تھا۔ ہاں مگر ایک خاص قسم کا حلوہ کریم خان نے بابا کے کہنے پر بنایا تھا اور وہ حلوہ رکھتے ہوئے یہ بتا بھی گیا کہ ''بی بی یہ صاحب کی من پسند چیز ہے۔'' میں نے ایک نظر بابا کو دیکھا، حالانکہ بابا نے اس حلوے کے بارے میں کبھی گھر تو ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس سے پہلے اس قسم کا حلوہ میں نے دیکھا تھا۔ میں خاموشی سے کھانا کھانے لگی......

کھانا ہم دونوں نے خاموشی سے کھایا...... پھر کریم خان نے برتن اُٹھا لیے۔ سبز قہوہ ہمارے سامنے رکھ کر بولا۔ ''صاحب میں نے سب دروازہ کو بند کر دیا ہے۔ میں پچھلے دروازے کو بند کرکے چلا جائے گا۔ آپ اور بی بی اب آرام کرو۔'' بابا نے کہا ''ٹھیک ہے جاؤ......''

مجھ میں اور ''بابا'' میں خاموشی برقرار تھی۔ یہ تو میں نے ٹھان لی تھی کہ اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔ ''بابا'' خود بتائیں گے جہاں سے بھی انہوں نے جو کچھ بھی بتانا ہے۔ میں کوئی بھی سوال کرکے ان کی اَن کہی میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی تھی اور کسی صورت بھی ایسا کوئی لفظ میری زبان سے ادا نہ ہو، جو ان کی دِل آزاری کا سبب بنے...... اس لیے اب جو بھی بولنا تھا، وہ بابا کو ہی بولنا تھا۔ آج مجھے بابا کے چہرے پر ایک عجیب تھکن محسوس ہو رہی تھی، جو مجھے زیادہ تنگ کر رہی تھی۔ میں اس بات سے اتنی تنگ نہیں تھی کہ مجھے کسی بات کا پتہ نہیں۔ تنگ اس بات سے ہو رہی تھی کہ کون سی ایسی بات ہے جو بابا مجھے بتانے میں خود پر اتنا جبر کر رہے ہیں اور غصہ بھی یہی تھا، کہ خود کو کیوں تکلیف دے رہے تھے۔ مَیں نے تو کچھ نہیں پوچھا تھا، پھر جان بوجھ کر یہ سب اور اگر کچھ ہے تو بتا کر اپنے دِل کا بوجھ ہلکا کر لیں۔ خود کیوں تکلیف میں ہیں۔

اور مجھے اس بات کا یقین تھا کہ میرے ذہن اور دِل کے ہر خیال سے بابا واقف ہیں۔ میرے ہر سوال کا جواب ان کے پاس ہوگا، کیونکہ آج تک میری سوچ کو ہمیشہ بابا نے اپنی زبان، اپنے لفظ اور اپنی آواز دی تھی، جس کے لیے میں اپنے اللہ کی جتنی شکرگزار ہوں، اتنا کم تھا۔

''''انا بیٹا'' آپ نے حویلی دیکھی؟''...... ''آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کو کیسی لگی، ہماری حویلی''......قہوے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بابا بڑے تحمل سے پوچھنے لگے۔

''بابا'' آپ جانتے ہیں کہ مجھے یہ حویلی کیسی لگی ہوگی؟......آپ نے مجھ سے پوچھا ہے......جس کی ضرورت تو نہیں مگر پھر بھی آپ کی تسلی کے لیے......جتنی میں نے دیکھی، دیکھ کر یہ اندازہ تو مجھے نہیں ہوا کہ یہ ''پرانی حویلی'' ہے۔ آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ پرانی حویلی جا رہے ہیں۔ کچھ مرمت کرانی ہے اور کچھ پرانا سامان اگر بچ گیا ہوا تو اُٹھا کر لانا ہے۔ نہ تو مجھے یہ حویلی پرانی لگی اور نہ ہی اس کا سامان اُجڑا ہوا......میرے ذہن میں تو تھا کہ پرانے کھنڈر نما حویلی ہوگی جو سالوں سے بند ہے، جیسے آپ سب گھر والوں نے ہمیشہ مجھے بتایا تو میری ذہن میں تو وہ یہی تصویر تھی۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ آپ یہاں روز آتے ہیں اور یہ حویلی اس رنگ کی ہوگی اور مجھے کبھی آپ میں سے کسی نے اس کے متعلق نہیں بتایا۔''

بابا مُسکرا دیئے اور میری طرف دیکھا

''کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں یہاں روز آتا ہوں گا''؟

''اس میں شک کیا ہے بابا؟''...... میں نے قہوے کا کپ اُٹھا لیا اور بڑے پُرسکون ہو کر قہوہ پینے لگی۔

''میں اس بات پر حیران ہوں کہ اتنی خوب صورت حویلی اور اس کو ایسا ایک بھیانک اور قدیم ہمارے گھر میں بیان کیا جاتا رہا، جیسے اس کا نام ونشان ہی مٹ گیا ہوگا۔'' میں نے ہنستے ہوئے بابا پر ایک چوٹ کے انداز میں یہ بات کہی۔ پرانی حویلی

''کیا یہ ہی ہے آپ سب کی پرانی حویلی؟''

میں نے بابا پر طنز کیا۔

جی بیٹا جان یہ ہی ہے ہماری پرانی حویلی...... ''جس کے متعلق آپ جانتے نہیں، اس

کے بارے میں اگر اچھی رائے نہیں دے سکتے تو بُری رائے سے بھی اجتناب کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوتا ہے، کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم کچھ جانے بنا اپنی رائے تو دے دیتے ہیں مگر جب یہ سچائی ہمارے سامنے آتی ہے تو پھر شاید اپنے اندر شرمندگی کا احساس وقت کو پیچھے تو نہیں لے جا سکتا مگر معذرت کا موقع ضرور دیتا ہے اور پھر اپنوں نے معذرت کچھ ٹھیک نہیں لگتی نا۔ کیوں غلط کہا گیا؟''

''نہیں بابا آپ کہاں غلط کہتے ہیں؟''...... میں نے جل کر کہا

''چلیں چھوڑیئے اس فضول بحث کو'' ...... بابا نے بڑے پیار سے کہا اور بولے، ''اچھا تو ہماری بیٹی کو یہ لگتا ہے، بلکہ یقین ہے کہ بابا یہاں روز آتے ہیں؟''......

''حویلی کو دیکھ کر تو ایسا ہی لگتا ہے''......

نہ جانے کیوں میرا لہجہ پھر سخت ہو گیا تھا یا اس میں طنز تھا

قصور میرا بھی نہیں تھا اور بابا کا بھی نہیں تھا......

شاید بابا کو میرا لہجہ بُرا لگا۔

''نہیں ''انا'' ایسا نہیں لگتا۔'' انھوں نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا......

میں شاید پہلے ہی غصے میں تھی۔ جتنی بھی کوشش کرتی، اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکی۔ صبح ایک بجے کے ہم یہاں آئے ہوئے تھے۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے اور جس کرب سے میں گزر رہی تھی، اس کا احساس بابا کو شاید نہیں تھا۔

''کیا بابا...... آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں کہ آپ یہاں نہیں آتے اور یہ حویلی ایسے ہی اتنی سجی ہوتی ہے، صاف ستھری ہے۔ آپ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ یہاں نہیں آئے تو پودوں کو آپ کے آنے سے پہلے پانی دیا جاتا ہے۔ کریم خان کو خواب میں اشارہ ہوا ہوگا کہ مجھے کالا رنگ پسند ہے۔ اس لیے جو کمرہ میرے تیار کیا گیا، اس میں کالے رنگ کو سجایا گیا۔ کہاں سے اجڑی ہوئی پرانی حویلی لگتی ہے آپ کو۔ ''بابا'' میں اپنے زندگی کے 26 سال آپ کے ساتھ گزار چکی ہوں اور جو کچھ ہوں، آپ کی وجہ سے ہوں...... اس حویلی کے اندر قدم رکھتے ہی اگر میں آنکھیں بند کر دوں تو ایسا ہی لگے گا جیسے میں آپ کے کمرے میں موجود ہوں۔ بچپن سے آپ کی ایک مہک ہے جو مجھے آپ کا احساس آپ کے آنے سے پہلے دِلا دیتی ہے۔ میں اپنے کمرے میں نہیں ہوتی، مگر جب آپ میری غیر موجودگی میں میرے کمرے سے ہو کر جاتے ہیں تو وہ مہک میرے کمرے

میں آپ کا احساس چھوڑ جاتی ہے جو میرے آنے پہ مجھے بتاتی ہے کہ بابا آج میرے کمرے میں آئے تھے۔ آج وہی مہک مجھے اس حویلی میں آ رہی ہے۔ کریم خان کو الہام ہوا کیا کہ مجھ کھانے میں کیا پسند ہے...... بابا Please مجھے دُکھ اس بات کا ہو رہا ہے کہ میں نے تو آپ سے کبھی کچھ چھپایا نہیں اور اس سے بھی زیادہ اس بات پر کہ آپ سب بڑے مجھے جو نہیں بتانا چاہتے ہیں، وہ میں نے کبھی جاننے کی کوشش بھی نہیں اور یہ بات بھی آپ نے مجھے سکھائی اور میں نے مانی۔ اس طرح سے میرا امتحان کیوں لے رہے ہیں آپ۔ اگر آپ کو نہیں بتانا تو مت بتائیں، مگر جھوٹ تو مت بولیں۔ میں نے تو کبھی اس حویلی کا ذکر نہیں کیا نا۔ آپ خود مجھے یہاں لے کر آئے۔ آپ یہاں روز آئیں، یہاں آ کر رہیں، یہ آپ کا گھر ہے، مجھ سے چھپانے یا مجھ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ صبح سے آپ کے ساتھ ہوں۔ یہ آپ کا گھر ہے۔ یہ ہمارا گھر ہے۔ میں صبح سے اپنے ہی گھر میں بیگانوں کی طرح ہوں۔ ایسے جیسے کسی اور کے گھر ہوں۔ اپنے ہی گھر میں بیگانوں کی حیثیت سے کھڑی ہوں میں۔ آپ کو احساس ہے، اس تکلیف کا جو اس وقت میں محسوس کر رہی ہوں۔ آپ نے مجھے اپنی ذات کا حصہ بنا دیا، اپنے ساتھ رکھا، میں اپنے والدین کو نہیں جانتی، جتنا آپ کو جانتی ہوں اور جس انسان کو اپنا بنا کے بیگانوں کا احساس دلایا جائے، آپ کو اندازہ ہے کہ کتنی تکلیف ہوتی ہے؟...... نہیں آپ کو اس کا نہ احساس ہے، نہ آپ کو پرواہ ہے......''

میں اپنے غصے میں جانے کیا کہہ گئی تھی...... کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد احساس ہوا کہ میں بابا سے بات کر رہی تھی...... بابا خاموش رہے، بالکل خاموش۔

میری طرف دیکھ رہے تھے...... میں نے جب ایک نظر ان کی طرف دیکھا تو وہ حسب عادت مُسکرا رہے تھے......

''آپ مُسکرا رہے ہیں۔ ہاں اور آپ کریں گے بھی کیا؟ میں تو پاگل ہوں نا۔'' مجھے ان پر غصہ آ رہا تھا۔ اس کی سَرد مہری تھی یا میری بے وقعتی مجھے اندازہ نہیں تھا مگر میں اسی غصے سے اُٹھی اور ایک دم سے بولی۔ ''بس بابا. I Just want to go back right now''

اُٹھیے، مجھے ابھی گھر جانا ہے، اپنے گھر۔ مجھے آپ کی So Called پرانی حویلی میں نہیں رہنا۔ آپ کو رہنا ہے تو رہیے، شوق سے۔ مجھے واپس بھیجیے۔ کریم خان کو بلایئے یا میں رحمان چچا کو فون کر دیتی ہوں، وہ آ کر مجھے لے جائیں گے۔'' میں نے یہ کہا اور اپنے موبائل سے نمبر ڈائل کرنے لگی......

بابا نے بڑے آرام سے میرے ہاتھ سے موبائل لے لیا اور اسے Switch off کر کے Table پر رکھ دیا۔

''میری بیٹی کو آج کل بڑا غصہ آنے لگا ہے۔''انہوں نے پانی کا گلاس میرے سامنے کیا اور تحمل سے بولے،''لیجئے پانی پئیں اور آرام سے میرے پاس بیٹھ جائیں۔''میں نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں۔انہوں نے مجھے بازو سے پکڑ کر صوفے پر بٹھایا۔ پانی پلایا اور خود میرے پاس بیٹھ گئے۔

چند لمحوں کے لیے کمرے میں ایسی خاموشی تھی جیسے وہاں کوئی بھی موجود نہ ہو۔

''پھر اپنے مخصوص انداز میں بولے..... مجھے نہیں پتہ تھا کہ میری بیٹی پہلے مجھ پر شک کرے گی اور پھر یہ بھی سوچے گی کہ میں اس سے کوئی بات چھپاؤں گا اور پھر ایک اور انکشاف کے بابا اپنی''انا''سے جھوٹ بولیں گے''..... بابا پھر مُسکرائے،ان کی مُسکراہٹ میں ایک دُکھ تھا،ایک کرب تھا اور مجھے اپنی بدتمیزی کا اندازہ ہو چکا تھا اور میں دِل میں اپنے آپ کو بُری طرح سے کوس رہی تھی۔ایک دم سے جھٹکا لگا۔ میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت شاید کھو بیٹھی تھی کہ انجانے میں،مَیں نے بابا کو کافی کچھ کہہ دیا جو کہنا تو دور میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

میں نے نظر اُٹھا کر بابا کو دیکھا۔ کچھ بولنا چاہ رہی تھی مگر انھوں نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے ٹوک دیا.....

صوفے کے ساتھ ٹیک لگا کر آرام سے بولے:۔

''کل رات میں نے آپ کو بتایا کہ کل میں آپ کو یہاں لے کر آؤں گا اور صبح میں آپ کو یہاں لے آیا۔ جانتا ہوں،صبح سے اس وقت تک کی خاموشی آپ کو چبھ رہی تھی۔آپ کو احساس ہوا کہ ایک چیز آپ کی ہے اور آپ کے علم میں نہیں تھی۔دُکھی ہوئی آپ؟

اور اس پر آپ کے بابا آپ کو اپنے گھر میں لے کر آئے جو بقول آپ کے So Called پرانی حویلی ہے۔آپ صبح سے اپنے بابا کے گھر میں جس کا اپنا ہونے کا احساس کل رات آپ کو بابا ہی نے دلایا اور صبح یہاں لے آئے اور بس خاموش رہے۔آپ یہاں پر صبح سے رات کے بارہ بجے تک رہی اور آپ کو احساس ہوا کہ آپ اپنے ہی گھر میں بیگانی ہو.....جس گھر میں آپ اس شخص کے ساتھ موجود ہو جس نے آپ کو اس دُنیا میں سب سے زیادہ پیار کیا اور ایک لمحہ بھی آپ کو اکیلے پن کا احساس نہیں ہونے دیا۔آپ نے بارہ گھنٹے بھی نہیں گزرنے دیئے اور اپنے احساس،اپنے درد کو جتلا دیا،جبکہ میں نے آپ سے کہا بھی کہ جب تک کسی کو یا کسی کے

بارے میں کچھ جانتے نہیں، اپنی رائے نہیں دیتے مگر آپ نے اظہار کیا...... اور اچھا کیا......

میں جانتا تھا کہ آپ کا یہ ہی Reaction ہوگا۔ آپ کو احساس ہوگا اور بھرپور ہوگا...... بابا نے کہا تھا کہ ''انا'' اب بڑی ہوگئی ہے اور اگر آپ کو اس احساس سے تکلیف ہوئی ہے تو میرا یہ فیصلہ بھی ٹھیک ہے جو میں نے صحیح وقت پر لیا......

بیٹا...... بیٹا جان۔ ذرا سمجھیں، اس بات کو کہ......

ایک چیز آپ کی ہے۔ آپ نے آج سے پہلے اسے دیکھا نہیں، اسے سمجھا نہیں، اس کی شدت کو محسوس نہیں کیا۔ ایک رشتہ جو بچپن سے آپ کے ساتھ ہے۔ اس نے وہ چیز آپ کو دی...... مگر اس احساس، اس شدت سے کچھ دیر کے لیے محروم رکھا اور اپنی چیز کو دیکھ کر آپ کو یہ احساس تنگ کرنے لگا کہ اس کے بارے میں آپ کو لاعلم کیوں رکھا گیا؟ آپ اس جگہ سے اس حویلی سے بے خبر کیوں تھی؟ اور میں آپ کو یہاں لے آیا ہوں اور کچھ بتا نہیں رہا۔ آپ نے اپنے خیالات سے ایک تصویر بنائی اور اسے میرے سامنے لا کر رکھ دیا۔ جیسے آپ نے شک، جھوٹ اور بیگانے پن کا نام دیا۔

جس گھر میں آپ کو آئے بارہ گھنٹے نہیں ہوئے، اسے آپ چند گھنٹوں میں جان نہیں پائی تو آپ بیگانے پن کی شکایت کرنے لگی۔ ''میں آپ سے یہ بات کیوں دُہرا رہا ہوں......؟ اب ذرا خود سوچیں...... جس جگہ آپ کی پیدائش ہوئی ہو، آپ کا بچپن، آپ کی جوانی گزری ہو اور آپ نے اپنی زندگی کے 32 سال جس جگہ، جس گھر میں گزارے ہوں، 32 سال گزر جانے کے بعد آپ کو اسی گھر سے بیگانہ کر دیا جائے، آپ سے آپ کے اپنے احساس کو جُدا کر دیا جائے تو......؟ آپ سے آپ کے پیار کرنے والے رشتے چھین لیے جائیں تو کیا کریں گی آپ؟......، اس وقت آپ کیا محسوس کریں گی......؟

میں نے حیرت سے بابا کی طرف دیکھا، وہ سامنے دیوار کی طرف دیکھے جا رہے تھے اور میں مکمل طور سے اُلجھ چکی تھی کہ ''بابا'' کیا بول رہے ہیں، کیا کہنا چاہتے تھے؟

آپ جانتی ہیں اس گھر سے اپنی محبت کی ''انا'' کی وجہ سے نکلا تھا اور آج مجھے اس گھر میں میری ''انا'' سے محبت ہی واپس لے کر آئی ہے۔ زندگی کیسے کیسے کھیل کھیلا کرتی ہے۔ ہم انسان اس کی پہنچ سے بہت دور ہیں۔

میں وہ شخص تھا جسے محبت ایک خشک تحریر لگا کرتی تھی اور میں نے اپنی زندگی میں خشک تحریریں کبھی نہیں پڑھی، مگر میری زندگی کی تحریر ہی خشک ہو جائے گی، ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔ میری

زندگی میں محبت بھی آئی اور اپنی تمام خشک تحریریں ساتھ لے کر آئی۔ جنھیں نہ صرف میں نے پڑھا بلکہ اپنے اوپر جھیلا...... میں آج آپ کو اپنے اس سفر کے بارے میں بتانے کے لیے ہی یہاں لایا ہوں جو میرے ہی قدموں سے بچھڑ گیا تھا۔

ایک محبت اور ایک ورق ورق انسان کا سفر......

اپنے ہی گھر میں مجھے ایسا احساس ہوا جیسے میں کسی دوسرے گھر کا ہوں۔ میرے سامنے میری اپنی ذات مجھے چھوڑ کر چلی گئی اور میں راستے کی طرح دیکھنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکا۔

میں اپنی بے کسی، اپنی مجبوری یا اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے یہاں نہیں آیا اور نہ ہی میں ایسی کوئی کوشش بھی کروں گا۔

آپ کو لگا کہ میں روز یہاں آتا ہوں۔ میں نے آپ کے آنے سے پہلے آپ کے لیے اس حویلی کو تیار کیا۔ آپ کے کمرے کو سجایا ہوگا۔ انھوں نے ایک سرسری سی نظر میری طرف دیکھا اور میں سانس روکے بیٹھی رہی...... جیسے میں سانس بھی لوں گی تو اُن کی قطع کلامی ہو جائے گی۔

آپ کو حیرت ہو یا نہ ہو کہ جس گھر میں مَیں پیدا ہوا، اپنا بچپن، اپنی جوانی، اپنے زندگی کے قیمتی رشتے اور اپنی زندگی کے نایاب 32 سال گزارے، آج اسی گھر میں مَیں 40 سال بعد آیا ہوں......

40 سال

40 سال زندگی کے میں نے اپنے اس گھر سے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی بہت دور گزارے۔ 40 سال میں اپنی زندگی میں اپنی زندگی سے ہی دور رہا۔ ''انا'' آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہوگی جو ایک لمبے سفر کی تھکن سے چور اور پیاس کی شدت سے مرتا ہو۔ وہ ایک صاف شفاف پانی کی جھیل کے کنارے کنارے چلتا ہو اور وہ ہاتھ بڑھا کر اس جھیل سے ایک بوند پانی کو ترستا ہو...... اور پیاسا رہ جائے...... اور اسے ایسی کوئی اُمید بھی نظر نہ آئے کہ اسے پانی کا ایک گھونٹ میسر ہوگا...... کوئی آس، کوئی اُمید، میرے سفر میں کچھ نہیں تھا، سوائے انتظار کے...... آپ نے آج کچھ گھنٹے انتظار کیا، اندازہ تو ہوا ہوگا کہ انتظار میں گزرنے والا ایک ایک لمحہ ایک صدی کی طرح کٹتا ہے...... انتظار کی کیفیت میں جتنا درد اور جتنی بے چینی ہوتی ہے، شاید دُنیا کے اور کسی جذبے میں نہیں ہوتی ہوگی۔

میرے زندگی کے اس انتظار میں بھی کوئی اُمید نہیں تھی۔ مجھے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی ایک آس ایسی نہیں لگی کہ میں اس جگہ، اس گھر میں، اس چار دیوار میں واپس آؤں گا...... مگر

میرے اللہ نے میرے سفر کی مٹی میری تقدیر کی ہوا سے دوبارہ اس رُخ اڑا دی اور میں ذرے کی طرح آپ کے ساتھ یہاں اس گھر میں لوٹ آیا۔

مَیں ایک پل کے لیے بھی بابا کے چہرے سے نظر ہٹا نہیں سکی۔ اب میرے نزدیک اس حویلی کا تمام تر تجسس ختم ہو چکا تھا۔ میرے سامنے میری زندگی کی وہ ہستی بیٹھی تھی جس نے مجھے کبھی بھی کسی لمحے بھی جھکنے نہیں دیا۔ نہ زندگی کے سامنے، نہ حالات کے سامنے اور نہ لوگوں کے سامنے، مگر وہ خود......

مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے اس دُنیا کا تمام کرب میرے اندر اُترتا جا رہا ہے اور مجھے اپنی کیفیت کو میں اس وقت کیا نام دیتی، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا...... سفید رنگ کے کرتے شلوار پر gray گرے رنگ کی چادر اوڑھے، اپنے سفید بالوں اور چاند کی طرح شفاف چہرے کی مانند ایک شخص میرے سامنے بیٹھا...... مجھے نہیں پتہ تھا کہ فرشتے کیسے ہوتے ہوں گے، مگر 72 سالہ ایک بزرگ انسان جس نے اپنی تمام زندگی میں میرے سامنے سوائے پیار اور اعتماد دینے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ میں نے اپنی زندگی میں اپنے بابا کے لیے کسی کے منہ سے سخت لفظ تو درکنار، کسی کے ماتھے پر ایک شکن بھی نہیں دیکھی، نہ اپنوں میں اور نہ ہی غیروں کے چہروں پر اور اس کا ثبوت آج صبح جب ہم یہاں آئے تھے، دیکھ بھی لیا تھا۔ جانے کیا ہوا میرے منہ سے بے اختیار ایک سسکی نکل گئی اور اچانک میں نے بابا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''باباPlease چلیں یہاں سے چلتے ہیں۔ مجھے یہاں نہیں رُکنا۔

یہ حویلی بہت اچھی ہے۔ ہماری ہے۔ ہم اس کا خیال رکھیں گے، مگر ابھی یہاں سے چلیں اور مجھے اور کچھ نہیں سننا۔ Pleaseبابا مجھے اور کچھ نہیں سننا۔ مجھے کچھ نہیں جاننا...... مجھے انجان رہنے دیجئے۔ میں آپ جتنی بہادر نہیں۔ باباPlease۔ میں نے بابا کی گود میں سر رکھ دیا اور بے اختیار رونے لگی۔

روتے روتے میں بولتی رہیں۔ باباI am Sorry۔ میں خود غرض ہوں۔ مجھ میں آپ کا درد بانٹنے کی ہمت نہیں۔ میں آپ کا دُکھ نہیں سن سکتی۔ آپ نے اپنی زندگی کے درد کو اپنی ذات پر برداشت کیا مگر میں...... میں نہیں سن سکوں گی۔ Pleaseبابا۔ چلیں یہاں سے مجھے یہ عذاب مت دیجئے۔ مجھے عذابِ آگہی نہیں چاہیے۔ بابا چلیں یہاں سے۔'' میں بچوں کی طرح رو رہی تھی...... اور ان سے وہاں سے جانے کی ضد کر رہی تھی۔ اس ہال کی مدہم روشنی میں بابا کا چہرہ نور سے چمک رہا تھا اور چہرے پر ایک سکون تھا۔ انہوں نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

اپنے ہاتھوں سے میرے آنسو صاف کیے اور کچھ پڑھ کر مجھ پر پھونک ماری، پھر اپنی گود میں میرا سر رکھ دیا اور آرام سے بولے۔

"آج آپ بابا کی گود میں سو جاؤ۔ جانتی ہیں جب آپ بہت چھوٹی ہوا کرتی تھی، جب ضد کیا کرتی تھی تو آپ اپنی امی کے پاس نہیں سویا کرتی تھی اور رات رات بھر روتی رہتی تھی۔ میں آپ کو اپنے پاس لے آیا کرتا تھا اور اپنے سینے پر لیٹا لیا کرتا تھا۔ آپ ساری رات میرے سینے پر سوئی رہتی تھی۔ آج آپ مجھے وہی 8،9 ماہ کی اَنا لگ رہی ہو مگر اب میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں......سو جائیں۔ "انا" ہم اپنے گھر میں ہی ہیں۔ یہ گھر بہت پیارا ہے۔ سو جائیں۔ بابا، میرے سَر پر اپنا ہاتھ رکھے کچھ پڑھتے رہے اور جب جب وہ مجھ پر پھونک مارتے تھے، جب جب مجھے ایک ٹھنڈک کا احساس ہوتا تھا۔ جانے کس لمحے مجھے نیند آ گئی اور سو گئی۔ شاید بابا ٹھیک کہتے تھے کہ میں 8،9 ماہ کی بچی ہی بن چکی تھی۔ جسے یہ احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ میں تو سو جاؤں گی مگر بابا کیا کریں گے۔

میں بچوں کی طرح بابا کی گود میں سَر رکھ کر سو گئی۔ دُنیا سے، غموں سے بے نیاز تمام تر حقیقتوں کو جھٹلا کر ایک لاپرواہ بچے کی طرح......

صبح کے چھ بجے ہوں گے، جب میری آنکھ کھلی، جب کریم خان بابا سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ میں نے بوجھل آنکھوں سے بابا کی گود میں ہی سَر رکھے ہی بابا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ کچھ لمحے میں یہ جان ہی نہیں پائی کہ میں کہاں ہوں۔ احساس ہوا کہ میں شاید خواب دیکھ رہی تھی مگر رات کی تمام تصویر میرے ذہن سے گزر گئی اور میں ایک دم سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ "بابا، آپ ساری رات سوئے نہیں"؟ اور اس پر حیرت یہ کہ بابا کے چہرے پر وہی مُسکراہٹ تھی۔ ذرا برابر بھی تھکن کا کوئی آثار نہیں تھا۔

مُسکرا کر بولے۔ "میں یہ یہی سوچ رہا تھا کہ آپ کو کیسے جگاؤں، نماز کا وقت ہو چکا ہے اور آپ کی نیند بھی خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب آپ جاگ گئی ہو تو اُٹھو آپ بھی نماز پڑھ لو۔ میں بھی نماز پڑھنے جاتا ہوں۔" وہ ہلکی سی آہ لے کر اُٹھے تو میں نے اُلجھ کر کہا، "مجھے نہیں پڑھنی نماز"...... انھوں نے مُسکرا کر مجھے دیکھا اور بولے۔ "یہ آپ کا اور اُس کا معاملہ ہے۔" میں بیچ میں نہیں بولوں گا، انھوں نے ایک نظر آسمان کی طرف دیکھا۔ کریم خان وہیں کھڑا تھا۔ میں نے صوفے پر کشن زور سے پٹخا اور اسی صوفے پر چادر اپنے اوپر لے کر لیٹ گئی۔ بابا آہستہ آہستہ اوپر کی طرف جانے لگے۔ میرے دل میں ایک احساسِ شرمندگی، ایک احساسِ گناہ

تو تھا...... مگر میں لیٹی رہی اور کریم خان آہستہ سے بولا۔ ''بی بی ابھی تو چھے ہوا ہے، آپ اپنے کمرے میں جا کر آرام سے سو جاؤ'' ......رات کا منظر میرے ذہن پر حاوی تھا۔ اسی تلخی کی وجہ سے میں نے تنگ مزاجی سے کریم خان کو بڑی بدتمیزی سے جواب دیا۔ ''کون سا میرا کمرہ، کوئی کمرہ نہیں ہے میرا یہاں۔ میں یہی لیٹوں گی، آپ کو کوئی تکلیف''؟...... بابا ابھی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ میری آواز اُن تک پہنچ چکی تھی۔ انھوں نے آرام سے میرا نام پکارا۔ ''انا'' ......

کریم خان مُسکراتے ہوئے بولا، ''کوئی بات نہیں صاحب۔ بچے جب کبھی نیند سے جاگے تو ایسا کرتا ہے۔ بی بی آپ یہیں آرام کرلو، جب جاگے گا تو بتانا کہ میں چائے لے کر آئے گا پھر۔''

بابا نے سیڑھیوں پر سے یہی کہا۔ ''کریم خان تم ہیٹر آن کر دو۔ بی بی کو یہی لٹنے دو اور چائے لگاؤ۔ میں نماز پڑھ کر آتا ہوں، پھر ہم اکٹھے چائے پئیں گے۔'' بابا اوپر جانے لگے۔

اور کریم خان جی صاحب کہ کر ہٹر آن کرنے لگا۔

میں لیٹے لیٹے بابا کو دیکھتی رہی۔ وہ اپنے کمرے میں چلے گئے اور میری آنکھوں کے کونے پھر سے بھیگنے لگے۔ کریم خان، مجھے روتے ہوئے نہ دیکھ لے، اس لیے میں نے اپنے منہ پر چادر ڈال لی۔

''بابا'' کا دُکھ کیسے سن پاؤں گی؟ کیسے...... میں ان کا بوجھ نہیں بانٹ سکتی۔ میں اِن کا دُکھ نہیں بانٹ سکتی...... بابا کو مجھ سے کیا اُمید ہے؟ وہ مجھے یہ سب کیوں بتانا چاہتے ہیں؟ نہ جانے کیوں میں بابا کے اور اس حویلی کے بارے میں اور کچھ نہیں جاننا چاہتی تھی۔ وحشت ہونے لگی تھی، مجھے اس حویلی سے۔ جسے کل رات تک جس کے لیے میں اتنی بے چین تھی، آج اسی سے وحشت ہو رہی تھی۔

بے چینی سے وحشت کا یہ سفر اتنا لمبا نہیں تھا مگر بہت حد تک کرب ناک اور خوف ناک تھا۔ میں یہ سوچتی رہی تھی۔ کریم خان جا چکا تھا۔ چہرے پر سے چادر ہٹائی تو ہال کے چاروں طرف بنے روشن دانوں سے سورج کی کرنیں سونے کی طرح ہال کو ایک عجیب خوب صورت بنا رہی تھیں۔ ہال نما اس کمرے میں تقریباً 20 روشن دان ہوں گے اور ہر روشن دان سے کرنیں پھوٹ کر اندر آ رہی تھیں۔ سفید اور پیلے رنگ کے شیشوں سے روشنی ٹکرا کر جب کمرے کی آرائش پر پڑ رہی تھیں اور اس وقت کمرے کی ہر چیز پہلے سے نئی اور دلچسپ لگ رہی تھی۔ مجھے ہال کا یہ منظر جتنا خوب صورت لگ رہا تھا، اتنا ہی درد کا احساس بھی بڑھ رہا تھا۔

میرے بابا یہاں سے کن حالات میں مجبور کیے گئے ہوں گے، نکلنے پر؟ کس طرح انہوں نے اپنے ہی گھر کو اپنے لیے بیگانہ کیا ہوگا؟ اور پھر ایسے گھر کو 40 سال تک۔ یااللہ میری آنکھیں پھر سے بھیگنے لگی......

محبت اور انا کا سفر بابا نے کیسے طے کیا ہوگا؟ میں نے تو محبت کو ہمیشہ سے بابا کی نظر سے دیکھا اور اپنی نظر سے محبت کی تعریف، اگر مجھ سے کوئی پوچھے تو وہ بابا ہی ہیں۔ میرے بزدیک تو محبت میرے بابا ہیں...... مگر یہ کیسی محبت تھی جس میں مَیں بابا کا دُکھ ہی نہ بانٹ سکوں...... اور نہ ان کے درد کو محسوس کرسکوں۔ ان کا درد اپنے اندر ان سے زیادہ محسوس کرنے کے ڈر سے میں انہیں ہمیشہ کے لیے اسی درد کے سپرد کردوں۔

بابا کے الفاظ میرے ذہن سے گزر گئے......

آج سے 40 سال پہلے محبت کی انا کی خاطر اس گھر سے نکلا تھا اور آج اس گھر میں مجھے انا کی محبت لے کر لائی ہے...... نہیں میں اپنے بابا کی محبت بابا کی انا کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی۔ میں اپنے بابا کا تمام دُکھ، تمام درد برداشت کرلوں گی اور وہ مجھ سے جو بھی کہیں گے جیسا کہیں گے، ویسا ہی کروں گی۔ کم سے کم میری ذات سے میری زبان سے۔ میرے کسی بھی عمل سے میں اپنے بابا کو دُکھ نہیں دے سکتی۔ بابا کی انا سے محبت کبھی بھی بابا کو دُکھی نہیں کرے گی۔ میں نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور ہاتھ جوڑ کر دُعا مانگی۔ مجھے توفیق دے۔ مَیں اپنے بابا کے سکون کا سبب بن جاؤں۔ میرے بابا کے کرب کو ختم کردے مولا......

اور میں درود پاک پڑھنے لگے...... مگر مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا......

کچھ دیر میں کریم خان نے وہاں چائے لگانا شروع کردی اور بابا بھی آگئے۔ ان کے چہرے پر تھکن تھی، درد تھا یا بڑھاپا۔ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ رات رونے کی وجہ سے میری آنکھیں شاید سوجی ہوئی تھیں۔ بابا نے مجھے کہا جائیں بیٹا فریش ہوآئیں، پھر اکٹھے چائے پیتے ہیں...... میں اُٹھی...... کریم خان ہال میں پچھلا دروازہ جو سیڑھیوں کے پیچھے بنا تھا، اسے کھول رہا تھا...... میں اس طرف چلی گئی۔ اس نے بس اس کا Lock کھولا تھا۔ دروازہ بند ہی تھا۔ میں دروازے کے قریب گئی۔ دروازے پر ہاتھ رکھا، کیونکہ وہاں سے باہر کا منظر بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ میرا بہت دِل چاہا کہ باہر اان میں جاؤں۔ اپنی عادت سے مجبور تھی کہ صبح کی چائے باہر لان میں ٹھنڈ میں پی جائے مگر ایک خیال سے واپس آگئی۔ بابا شاید اس کیفیت کو سمجھ رہے تھے۔ جب میں سیڑھیوں کے قریب پہنچی تو بابا بولے ''بیٹا باہر جانا چاہتی تھی آپ تو گئی کیوں نہیں؟''

میں ایک لمحے کو رُکی اور بغیر مڑے ہی میں نے بابا سے کہا۔ ''بابا'' اس گھر کا دروازہ، جو بھی دروازہ آپ کھولنا چاہیں گے، آپ کی ''انا'' کے لیے بھی وہی دروازہ کھل جائے گا جو آپ کے لیے بند وہ ''انا'' کے لیے بھی بند...... آپ جب چاہیں جو چاہیں وہ دروازہ کھول لیں۔ آپ کی انا بھی آپ کے ساتھ ہے اور میں بھی۔

میں نے Indirect انداز سے بابا کو بتا دیا کہ میں رات غلطی پر تھی۔ ہاتھ منہ دھو کر میں نیچے آئی۔ ہم نے چائے پی۔ چائے کے دوران ہم دونوں خاموش رہے۔ کریم خان ہمارے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اپنے مخصوص انداز میں اس نے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کی اور محلے کے حالات سے بابا کو آگاہ کرتا رہا، جس کے جواب میں بابا نے اسے کہا، اچھا ایسا کرنا میرے جانے سے پہلے ان کو بلا لینا میں خود بات کرلوں گا۔ اتنی دیر میں باہر سے کریم خان کی بیوی نے آواز دی۔ وہ کچن کی طرف گیا اور تھوڑی دیر میں اندر آ کر بولا۔ ''وہ صاحب ساتھ والی گلی سے گاما آیا ہے۔ آپ کو ملنا چاہتا ہے۔ صاحب کیا جواب دوں۔ ایک ہفتے سے آپ کے انتظار میں تھا۔'' بابا نے کہا، ''بھیج دو اسے اندر۔'' گاما کریم خان کے ساتھ اندر آیا اور آتے ہی تیزی سے ''بابا'' کے پاؤں کو ہاتھ لگا کر سلام کیا۔

بابا کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ کپ رکھتے ہوئے بولے ''یار کتنی بار منع کیا ہے کہ ایسا نہ کرو۔ اچھا بیٹھو۔ بولو کیا بات ہے؟''......

''نہیں صاحب ہم سب کی تو زندگی ہی آپ کی دین ہے۔ ہمارے سَروں پر آپ کا ہاتھ نہ ہوتا تو ہم تو برباد ہو جاتے...... اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا'' ...... ''(ہم سب پر خدا کی رحمت کا سایہ ہے، بس اس کے علاوہ کچھ نہیں، بابا نے مُسکراتے ہوئے کہا)۔''

''اچھا، کس لیے آئے ہو۔ گھر میں سب ٹھیک ہے نا۔ بابا نے اس کی بات کو سنی اَن سنی کر دیا۔'' ''جی صاحب میری ایک ہی بیٹی ہے۔ وہ چھ ماہ پہلے شادی کی اس کی اور وہ ناراض ہو کر آ گئی ہے، اس کا میاں بے چارہ غریب ہے اور ہم نے زرا لاڈ سے پالا ہے۔ اب وہ کہتی ہے ''میرا وہاں گزارا نہیں''، وہ سسرال نہیں جاتی۔ لڑکا بھی اچھا ہے مگر روزی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہماری بچی کچھ خود سَر ہے، صاحب جی۔ آپ ہمارے مائی باپ ہو۔ بس کچھ دُعا کریں۔ میری بچی کو کوئی مَت لگا دیں۔ ہم اس کی وجہ سے پریشان ہیں۔ ہماری تو ہر آس آپ سے ہی جڑی ہوتی ہے۔

بابا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا، ''اللہ سب کے لیے بہتری کرتا ہے، اللہ ہی بہتر

کرے گا۔ میں دو دِن یہاں ہوں۔ کسی وقت اپنے داماد کو بلا لو، مجھ سے مِلوا دو"...... "نہیں صاحب، مائی باپ اس کا قصور نہیں، خود سَر تو میری اپنی ہی بیٹی ہے۔" بابا نے اسے دیکھا اور بولے۔ "بیٹی کو بھی ساتھ لے آنا اور داماد کو بھی۔"

اس نے مُسکرا کر سر کو بچوں کی طرح ایسے اثبات میں ہلایا اور ایسے خوش ہوا جیسے اس کا سارا کام ہو گیا ہو...... میں بھی اس کے چہرے کے یہ تاثرات دیکھ کر مُسکرائے بغیر نہیں رہ سکی۔

پھر ایسا ہی ہوا۔ محلے کے لوگ بابا کو ملنے آتے رہے اور بابا ان سب کے دُکھ سنتے رہے اور ایک بھی ایسا شخص نہیں آیا تھا، جس کو بابا نے یہ کہہ کر بھیجا ہو کہ یہ کام نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی کے پاس کھانے کا مسئلہ تھا، کسی کی اولاد منہ زور تھی، کسی کی نوکری نہیں تو کسی کی شادی نہیں ہو رہی تھی۔ میں یہ سب بڑی دلچسپی سے دیکھتی رہی مگر ان سب میں جوان اور بوڑھے تھے۔ میں اس سوچ میں تھی کہ یہ جوان لوگ بابا کو کیسے جانتے ہیں جبکہ بابا تو یہاں 40 سال بعد آئے تھے۔ بہر حال یہ بھی میرے ذہن کی ایک فضول اختراع ہی ہوگی۔

کریم خان بابا کے پاس کھڑا تھا اور بابا کی ہدایت پر ان لوگوں کی کوئی نہ کوئی مدد کر رہا تھا۔ مجھے اس لمحے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کسی مزار پر بیٹھی ہوں یا میرے بابا کوئی پیر وغیرہ ہو گئے ہیں، کیونکہ وہ لوگ جیسے بابا کو ملتے اور جھکتے تھے، مجھے خود کو بہت عجیب سا لگ رہا تھا اور میرے بابا ہر ایک کو منع کر رہے تھے کہ پاؤں مت چھوئیں۔ پھر تنگ آ کر بابا پاؤں صوفے کے اوپر رکھ کر بیٹھ گئے، جیسے میں بیٹھی تھی۔ ایسا کرنے کے لیے بابا کو اپنے اوپر کافی جبر کرنا پڑا ہو گا کیونکہ بابا کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ احترام، آداب، ہر چیز کا سلیقہ اور ہر کام کو اس کی انتہائی حد تک بہتر بنا کر کرنا۔ اکثر بابا مجھے شروع میں ٹوکا کرتے تھے کہ بیٹھنے کے آداب ہوتے ہیں مگر بعض دفعہ میں بابا کو چڑانے کے لیے بھی صوفے پر پاؤں رکھ کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔

کھانے کے آداب، بات کرنا، ایک رکھ رکھاؤ تھا بابا کے مزاج میں۔ بابا اندر سے بہت عاجز تھے، مگر ان کو جو نہیں جانتے تھے، ان پر بابا کا Impression ایسا ہی پڑتا تھا جیسے بات کرنے سے پہلے ہزار بار سوچ لو کہ کس سے بات کرنے جا رہے ہو، مگر وہ لوگ غریب تھے یا بابا کے مداح۔ وہ بابا کی عزت اور پیار میں بچھے جاتے تھے۔ بابا نے پاؤں اوپر رکھتے ہوئے میری طرف دیکھا اور میں مُسکرا دی۔ پھر یہ سلسلہ 12 بجے تک جاری رہا۔ کریم خان نے حویلی کا دروازہ بند کر دیا، جانتا تھا کہ اب بابا تھک چکے ہیں۔ اگر کوئی تھا بھی تو اسے کہہ دیا کہ کل آئے۔ بابا واقعی ہی تھک چکے تھے۔ میں ایک پل کے لیے بھی بابا کے پاس سے کہیں اِدھر اُدھر نہیں گئی۔

بس ان کے پاس بیٹھی رہی۔ جب وہ لوگ گئے تو میں نے بابا سے کہا کہ ''کچھ دیر آرام کر لیں بابا۔ رات بھی جاگتے رہے، آپ میری وجہ سے۔''

بابا نے کریم خان کو بلایا۔ ''کریم خان گاڑی نکالو'' ...... میں نے حیرت سے بابا کی طرف دیکھا...... وہ 'جی صاحب' کہہ کر چلا گیا۔

میں نے بابا سے پوچھا کہ ''ہم کہاں جا رہے ہیں بابا؟''

بابا نے بڑے آرام سے کہا۔ ''بیٹا آپ کو گھر نہیں جانا...... رات آپ کافی پریشان ہو گئی تھیں۔ آپ نے جانے کا کہا، اس لیے سوچا کہ اب آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔ آپ گھر جاؤ میں دو تین روز تک آ جاؤں گا۔ یہاں کچھ کام ہے...... اب اتنے عرصے بعد آیا ہوں۔ تو ان سب کے مسائل ہی حل کر دوں''

میں شرمندہ ہونے کے علاوہ کچھ اور کر بھی تو کچھ نہیں سکتی تھی۔ بابا کی طرف دیکھا...... اور اُٹھ کر ان کے پاس جا کر زمین پر بیٹھ گئی اور اپنا سر ان کے گھٹنے پر رکھ دیا۔ ''بابا Please اب اور تو شرمندہ نہ کریں۔ انا بابا کے ساتھ آئی تھی اور بابا کے ساتھ ہی جائے گی۔''

بابا کچھ نہیں بولے...... میں بھی خاموشی سے بیٹھی رہی......

کریم خان اندر آیا۔ ''صاحب گاڑی تیار ہے۔ چلیں، کہاں جانا ہے۔''

اس سے پہلے کے بابا بولتے، میں ایک دم سے کھڑی ہوئی اور بڑے پیار سے کریم خان کے پاس جا کر بولی......

''کریم خان! گاڑی کو بند کر دو۔ کوئی کہیں نہیں جا رہا۔ اب تو جب تک سب دروازے کھلیں گے نہیں کوئی کہیں نہیں جائے گا۔''

مجھے اس وقت اندازہ نہیں تھا کہ صدیوں سے بند دروازے لمحوں میں نہیں کھلا کرتے۔ ''آپ اپنا کام کریں اور ہاں وہ آپ کی بیوی جو آئی تھی، وہ چھپتی کیوں رہتی ہے، بات ہی نہیں کرتی ہے، شرماتی ہے کیا؟'' ...... میں نے اپنائیت سے اس سے پوچھا...... صبح والی حرکت پر شرمندہ تھی میں۔ سوچا ایسے بات کروں گی تو وہ خوش بھی ہو جائے گا اور دِل بھی صاف ہو جائے گا۔

تو کریم خان نے شرماتے ہوئے کہا۔ ''نہیں بی بی جی، اس کم بخت کو اردو وغیرہ نہیں آتا۔ پشتو بولتی اور سمجھتی ہے، اس لیے سامنے نہیں آتا وہ۔'' اوہ...... اچھا...... میں نے کہا۔ ''اچھا خیر، تم کھانا وغیرہ تیار کراؤ۔''

''میں نماز کی تیاری کرتی ہوں۔ اُٹھیں بابا، ظہر کی نماز کا وقت ہونے والا ہے۔'' میں بابا کا جواب سنے بغیر انہیں دیکھے بنا تیزی سے اوپر چلی گئی۔

نماز پڑھ کر میں نے اپنے اللہ سے صرف یہ ہی دُعا مانگی۔ میرے مالک مجھے درد برداشت کرنے اور دُکھ بانٹنے کی توفیق دے۔ جیسے تو نے میرے بابا کو دی......

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے کریم خان سے کہا۔ ''کریم خان اب جب تک میں نہ بلاؤں Please اس وقت تک کسی کا کوئی پیغام مت لائیں۔ مجھے بابا سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔'' کریم خان نے بابا کی طرف دیکھا اور ''جی حضور'' کر کے چلا گیا۔

اب میں بات کس طرح شروع کروں۔ آج بابا نے مجھے یہ بھی سکھا دیا کہ حقیقت میں کسی بات کا آغاز بہت اہم ہوتا ہے، اگر آغاز ہی غیر مناسب طریقے سے ہو تو بات ادھوری رہ جاتی ہے۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ بابا کو بات کا آغاز کرنے میں کتنی مشکل ہو رہی ہوگی...... بابا خاموش تھے۔ میں نے دو چار مرتبہ انہیں دیکھا مگر وہ خاموش تھے۔ بس سامنے دروازے کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ میں نے درودِ پاک پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ تو ہمت آئے گی مجھ میں۔ کیونکہ ہمیشہ ہر مشکل میں درودِ پاک نے میری رہنمائی کی۔ آج بھی اسی کا ہی تو سہارا تھا......

☆

''بابا...... آپ نے تو مجھے ہمیشہ سنبھالا ہے۔ مجھے ہمیشہ راستہ دیکھایا ہے۔ میری ہر مشکل کو مجھ سے پہلے محسوس کر کے حل کر دیا، تو پھر آج مجھے خود مشکل میں کیوں ڈال رہے ہیں۔ آپ جانتے بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہے، نہ آپ کے لیے اور نہ ہی میرے لیے۔ میری آزمائشیں آپ کسی اور طریقے سے کسی اور موقع پر لے لیجئے گا، مگر ایسے نہیں۔ آپ مجھے یہاں اپنی حویلی میں لائے ہیں تو ضرور کوئی اہم بات ہوگی، حالانکہ مجھے ایسا کبھی نہیں لگا۔ کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ میں آپ کے لیے اتنی اہم ہوں کہ آپ اپنے ماضی کو مجھ سے کبھی Discuss کریں گے۔ مجھے آپ سب لوگوں نے گھر میں ایک چھوٹے بچے کی حیثیت ہی دی، جو دو قدم چلنے کے بعد گر جاتا ہے اور میں نے خود بھی اپنے آپ کو اسی قابل سمجھا۔ مجھے خود پر کبھی اعتماد نہیں ہوا کہ میں خود کچھ ہوں۔ مجھے آپ کی اتنی عادت ہو چکی ہے کہ مجھے اب آپ کے بغیر اپنی ذات ادھوری لگتی ہے۔ میں نے خود ہی اپنے لیے وہ تمام لکیریں کھینچ لیں تھیں، جن کو میں نے کبھی پار کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں اور ایسا ہی ہوا بابا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس سے آپ، ابو، امی دُکھی ہوں۔ آپ لوگوں کی وجہ

سے بہت سے سوال میرے ذہن میں آتے تھے مگر میں نے کبھی نہیں پوچھے کہ کہیں آپ کے دِل کو ٹھیس نہ پہنچے...... آپ نے میری پرورش ایسے ہی انداز میں کی۔ آپ نے مجھے Over sensative بنادیا اور اب جب اچانک آپ میرے سامنے اتنی بڑی بات کرنے جارہے ہیں تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ کیا میں اتنی بہادر ہوں کہ میں اسے بنا تیاری کے سن لوں۔ بابا آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔ اچانک آپ نے مجھے یہاں آنے کا کہا، یہاں لے آئے اور یہاں آکر اب اس سے آگے بھی کچھ ہے تو اس کے لیے مجھے بھی تو کچھ خود کو تیار کرنا چاہیے کہ نہیں۔ آپ 40 سال پہلے کی کوئی بات مجھے بتانے جارہے تھے۔ وہ بات بتانے کا فیصلہ آپ نے ایک رات میں تو نہیں کیا ہوگا نا...... میں رات کو جذباتی ہوگئی تھی۔ ڈر گئی تھی۔ مجھے ایسا لگا جیسے اگر آپ ایک لفظ بھی اور بولیں گے تو یہ دُنیا ختم ہوجائے گی، مگر میں غلط تھی یا نہیں، مجھے نہیں پتہ۔ ہاں خود اب اس لیے تیار ہوں کیونکہ آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں۔ اور جو آپ کو ٹھیک لگتا ہو وہ غلط کیسے ہوسکتا ہے۔

مجھے میری قابلیت چاہے وہ چھوٹی ہے یا بڑی ہے، اس کا احساس ہمیشہ آپ نے دِلایا ہے۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ میں اتنی بڑی اور سمجھدار ہوگئی ہوں کہ میرے بابا مجھے کچھ بتانا چاہتے ہیں اور اگر آپ کو یہ لگتا ہے کہ میں آپ کی بات کو سمجھ سکتی ہوں تو بابا اب آپ کو جو کہنا ہے، آپ کہیں۔ یقین کریں بابا، میں آپ کی انا ہوں...... نہ ہار سکتی ہوں اور نہ ٹوٹ سکتی ہوں'' ...... کچھ لمحے رکنے کے بعد میں نے دوبارہ بابا سے کہا۔

''بابا آپ مجھے بتائیں۔ مجھے یہاں کیوں لائیں ہیں؟ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

یہ سب باتیں کہتے ہوئے پھر میری آنکھیں بھر آئیں اور میں نے اپنا سر بابا کے گھٹنے پر رکھ دیا۔ بابا نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر آرام سے بولے......

''اَنا، آپ میں مجھے ہمیشہ میری ذات نظر آئی ہے اور جب سے آپ میری زندگی میں آئی ہو، مجھے میری ذات کی تکمیل ہوتی ہوئی دکھائی دی ہے۔ آپ نے ہمیشہ اپنے بابا کو بڑے مضبوط اور بہادر انداز میں زندگی گزارتے دیکھا۔ فطرتاً میں ایک بہادر انسان تھا۔ بہت بہادر مگر ایک وقت میری زندگی میں ایسا آیا جس نے آپ کے بابا کو توڑ دیا۔ آپ کے بابا زندگی میں کسی بھی مرحلے پر ہارے نہیں اور نہ ہی جھکے تھے، مگر ایک دور ایسا آیا جس نے آپ کے بابا کو بظاہر تو مضبوط رکھا مگر اندر سے آپ کے بابا ٹوٹ گئے۔

آپ جانتی ہو، ایک محبت کرنے والا انسان جتنا بہادر ہوتا ہے، اسی لمحے میں وہ بہت بزدل بھی ہوتا ہے۔ ایک بہادر انسان جو دوسروں سے بے خوف اور نڈر رہتا ہے، جسے کوئی اور کبھی

ہرا نہیں سکتا۔ وہ جب ہارتا ہے تو اپنوں سے اور اُن اپنوں سے جن کے بغیر زندگی گزارنا، جینا تو بہت دور کی بات، اس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا کہ وہ ان کے بغیر سانس بھی لے سکتا ہے۔ جیسے اس وقت آپ نے کہا کہ بابا کے بغیر آپ کچھ نہیں ہو...... اگر بابا ہی آپ کو توڑ دیں، آپ کو چھوڑ دیں تو آپ کیا کرو گی؟''

''بابا وہ لمحہ تو میری موت کا ہوگا''...... میں نے ایک دم سے جواب دیا۔

''نہیں بیٹا! انسان اپنی زندگی میں تین کام اپنی مرضی سے کبھی نہیں کرسکتا۔ ایک اپنی مرضی سے وہ مرنہیں سکتا تھا، دوسرا اپنی مرضی سے وہ محبت نہیں کرسکتا اور تیسرا کام نفرت۔ وہ اپنی مرضی سے کبھی نفرت بھی نہیں کرسکتا۔ ان تینوں کاموں پر انسان کا اپنا اختیار کسی صورت نہیں ہے اور ہم سوچتے ہیں کہ ہماری خواہش پوری نہیں ہوئی تو ہم مرجائیں گے۔ مگر یہ بھی کہاں ممکن ہے؟ مرنا ہمارے اختیار میں تھوڑی ہوتا ہے اور وہ بھی ایک پل کی موت...... اس کے بدلے میں ہمیں جب زندگی بچاتی ہے اور اس نامکمل خواہش کے ساتھ جو ہم جیتے ہیں، وہی تو اصل موت ہوتی ہے اور وہ موت...... بلکہ زندگی پل پل کی موت ہے یعنی ہر پل مرتے رہنا...... آپ کے بابا بھی 40 سال سے پل پل مرتے رہے، زندہ رہتے ہوئے، زندہ نہیں تھے۔ ہر پل مرنے کی خواہش نے بھی...... زندگی سے پیچھا نہیں چھڑایا...... ایسا ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ ایسی حقیقت جس کو ہم کبھی ذرا برابر بھی جھٹلانے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔

ہوسکتا ہے کہ یہ قدرت کی مہربانی ہو۔ ہمارا اللہ ہمیں حرام موت کی توفیق ہی نہیں دینا چاہتا...... مگر اس تمام عرصے میں جو تکلیف، جو درد انسان برداشت کرتا ہے، وہ کرب اس انسان کے علاوہ کوئی دوسرا جان ہی نہیں سکتا...... تو مطلب کیا ہوا کہ موت پر ہمارا اختیار نہیں۔

آپ کے بابا اسی گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ بہت لاڈ، بہت پیار ملا اور میں نے کبھی اپنے پیار، اپنے لاڈ کا ناجائز فائدہ نہیں اُٹھایا۔ دانش مجھ سے 8 سال چھوٹا ہے۔ اس کے باوجود گھر کا بڑا بیٹا ہونے کے ناطے، مجھے ہمیشہ ہر مقام پر میرے والدین نے بہت پیار دیا......

میری پڑھائی، میری دوستی، میرا ذاتی کردار، تمام تر خاندان کی راویات پر پورا اُترتا تھا...... یہاں تک کہ جب میرا نکاح آپ کی تائی ماں سے ہوا تھا۔ وہ بھی میرے والدین کا ہی فیصلہ تھا اور آپ کی تائی ماں کو میں نے نکاح سے پہلے دیکھا بھی نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ میں گھر کے تمام فیصلوں کو خوشی سے مانتا تھا۔ بہت دفعہ مجھے بہت عجیب لگتا تھا مگر میں کسی سے کچھ نہیں کہا کرتا تھا۔ خاموشی سے سب مان لیا کرتا تھا اور بعد میں کسی سے ناراضگی کا ذکر بھی نہیں کرتا تھا...... مگر اس کے باوجود

بھی میں ناکام رہا۔ میں ہار گیا۔ ہاں انا آپ کے بابا ہار گئے۔ میں ڈاکٹری پڑھنا چاہتا تھا مگر آپ کے دادا ابو چاہتے تھے کہ میں Architect بنوں تو میں نے بلا چوں چراں وہی پڑھائی کی۔ کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ یہ میری مرضی نہیں تھی۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ میں کم سے کم اپنے والدین، اپنے بھائی کی تنگی کا، ان کی پریشانی کا سبب بنوں اور ایسا ہوا۔ ایسا ہی ہوا تھا۔

میری زندگی 2 دنوں میں مجھے میرے گھر میں، میرے اپنوں میں اس مقام پر لے آئی کہ جہاں میری اپنی ذات کے ساتھ اس گھر کے تمام فرد بکھر گئے۔

میری ایک عادت تھی کہ اپنے اوپر اپنی ذات پر میں ہر سختی برداشت کر لیا کرتا تھا مگر میری موجودگی میں میرے سامنے یا میرے علم میں ہو اور کسی کے ساتھ زیادتی یا حق تلفی ہو رہی ہو تو میں اس پر خاموش نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ آپ کے دادا ابو مزاج کے سخت تھے۔ دِل کے بہت نرم اور نفیس انسان تھے مگر جو بات کبھی بھی ان کی ''انا'' کے آڑے آ جایا کرتی تھی تو وہاں وہ خود سے باہر ہو جایا کرتے تھے۔ آپ جانتی ہو مجھے میرے ابا سے پہلی مرتبہ تھپڑ کس بات پر پڑا تھا۔ دانش نے چھپ کر سینما دیکھا تھا جو کہ میرے علم میں تھا اور میں نے اسے ٹوکا نہیں تھا اور مجھے مار اس لیے پڑی تھی کہ میں نے اس کو اس کی خواہش پوری کرنے اور گھر کی ایک نام نہاد روایت کو توڑنے کی اجازت کیوں دے دی اور مجھے اس وقت ذرا برابر بھی دُکھ نہیں ہوا، کیونکہ اس وقت دانش صرف 20 برس کا تھا اور کم سے کم اپنی اس چھوٹی سی خواہش کو پورا کرنے کا تو حق اس کا تھا مگر نہیں، شاید نہیں تھا۔ خیر...... بعد میں مَیں نے ابا جی سے معافی مانگ لی اور دانش نے بھی اس دن کے بعد سینما ہال کا کبھی رُخ نہیں کیا۔

ہمارے خاندان کی ریت اور پرانی راویت تھی کہ بزرگوں کے بنائے ہوئے فرسودہ رواج زندہ رہنے چاہیے۔ چاہے انسان زندہ رہیں یا مر جائیں۔ مجھے اس بات پر اختلاف تو تھا مگر میں نے کبھی اس روایت کو بدلنے کی کوشش نہیں کی، کیونکہ میرا ایمان تھا کہ میرے والد کا جو فیصلہ بھی ہوتا ہے، وہ بالکل ٹھیک ہوتا ہے۔ آپ کے بابا نے اپنے آپ کو بھی قربان کر دیا تھا۔ سب کچھ بھلا دیا تھا...... پھر ایک دن اچانک میری ماں نے مجھے آکر بتایا کہ میرا رشتہ پکا ہو گیا ہے اور میں نے سوالیہ نظروں سے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ ذاکر صاحب کی ایک ہی بیٹی تھی اور ذاکر صاحب میرے والد کے بچپن کے دوست تھے۔ رخسانہ! میں نے صرف اپنی ماں کو مُسکرا کر دیکھا...... اور انہوں نے کہا کہ ابا بلا رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں بات کرنے کے لیے۔ میں چلا گیا۔ میرے ابا جان نے مجھے اپنا فیصلہ سنایا اور پھر مجھ سے پوچھا کہ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟

میں نے سَر جھکا لیا۔نہیں جی، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔آپ نے جو کیا، وہ ٹھیک ہے اور اس بات کے 3 دِن بعد بڑی دھوم دھام سے میرا نکاح رخسانہ سے ہوا اور وہ رخسانہ ذاکر سے رخسانہ جمال بن گئی۔ میں نے کوئی خواب نہیں دیکھے۔کوئی پروگرام نہیں بنایا اور نہ ہی کبھی کچھ سوچا۔ دانش اس بات پر کچھ اُلجھا ضرور تھا کہ بھائی صاحب آپ ایک نظر بھابھی کو دیکھتے تو، ان سے ملتے تو، آپ جس کے ساتھ زندگی گزارنے جا رہے ہو، آپ نے اسے ایک نظر دیکھا بھی نہیں۔ میں نے اسے یہ ہی جواب دیا کہ میرے ابا کا فیصلہ ہے اور اس میں وہ کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر رہے اور مجھے ان کے فیصلے پر بھروسہ ہے۔ان کے فیصلے میں میرا بھلا ہی ہوگا......اس کی ہر اگر، مگر کے آگے میں نے اعتماد اور بھروسے کے لفظ کے ساتھ فل سٹاپ لگا دیا تھا اور اس کے بعد اس نے مجھ سے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔

اس نے رخسانہ بیگم کو دیکھا۔ملتا بھی تھا۔شکل وصورت کی اچھی تھی مگر بقول دانش کے کہ شاید ان کے اور میرے مزاج میں کچھ فرق ہے تو اس فرق سے مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا، کیونکہ مزاج تو میرا، میرے گھر والوں سے بھی فرق تھا، مگر ساری زندگی ان کو بھی خوش رکھا اور خود بھی مطمئن رہا۔سو آئندہ زندگی میں بھی ایسا ہی فارمولا چلنا تھا، جس پر مجھے کچھ اعتراض نہیں ہوا۔میں ذہنی طور پر تیار تھا اور مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں تھا۔ہاں کبھی کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ بوندیں میری پلکوں کو بھگو جایا کرتی تھیں اور نکاح سے ایک سال بعد میری شادی تھی اور رخسانہ بیگم کی رخصتی تھی۔اس ایک سال میں، میری والدہ، ہماری برادری اور ذاکر صاحب کی برادری بہت خوش تھی۔ذاکر صاحب پیشے کے لحاظ سے ایک وکیل تھے۔ہماری طرح زمین داری اُن کے خون میں تھی، مگر پڑھائی انھوں نے وکالت کی تھی اور اپنی پڑھائی کے بَل بوتے پر وہ سیشن جج کے عہدے پر فائز ہو چکے تھے اور بہت ایمان دار انسان تھے۔مجھے اور ابا کو اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے ہاتھ میں اللہ نے لوگوں کی زندگی اور موت کے فیصلے رکھ چھوڑے ہیں۔ بس دُعا کیا کرو کہ مجھ سے کبھی کوئی غلط فیصلہ نہ ہو جائے۔

انہوں نے اپنے ہاتھ سے مجرموں کے فیصلے تو صحیح کیے مگر ایک بے گناہ کو زندگی بھر کے لیے سولی پر لٹکا کر چلے گئے۔تقدیر کے فیصلے اور زندگی کے کھیل...... میں آج تک نہیں سمجھ سکا۔ شاید کوئی بھی نہیں سمجھ سکے گا۔

میرے ابا کی خالہ کے بیٹے جو کہ گاؤں میں رہا کرتے تھے۔زمینوں پر کسی بات پر کسی دوسرے گاؤں کا کوئی بندہ ان کی گولی سے مارا گیا۔

میری پیدائش سے پہلے ہی میرے والد شہر میں Shift ہو چکے تھے۔ گاؤں کا ماحول ذاتی طور پر انہیں بھی کچھ معیوب لگا کرتا، مگر انہوں نے خاندانی روایات کو کبھی مجروح نہیں کیا اور پھر ہم سے بھی یہ ہی اُمید رکھی۔ مجھے والد صاحب کم کم ہی گاؤں جانے دیا کرتے تھے، کیونکہ فطرتاً میں جذباتی انسان تھا۔ شاید اسی لیے تو جب وہ قتل ہوا تو انہوں نے جو دوسروں گاؤں کے زمین دار تھے، رشتے میں میرے چچا لگتے تھے، ان پر کیس ہو گیا۔ وہ جیل چلے گئے۔ آپ کے دادا ابو نے ان کے ساتھ مصالحت کی کافی کوشش کی مگر کچھ نہیں ہو سکا۔ اور پھر چلتے چلتے وہ کیس ذاکر انکل کے پاس آ گیا اور اب فیصلہ ذاکر انکل نے کرنا تھا۔ میرے ابا مطمئن ہو گئے کہ اب تو فیصلہ ہمارے حق میں ہو گا، اب سہیل کو کوئی سزا نہیں دلوا سکتا...... انھوں نے ذاکر انکل سے بات کر کے انہیں ساری صورتِ حال بھی سمجھا دی۔ ذاکر انکل نے قانونی طور پر جو بھی ہو سکتا تھا۔ ان اصولوں سے ابا جان کو آگاہ کر دیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر جرم ثابت ہو گیا تو میں حق پر ہی فیصلہ کروں گا۔ میرے ابا اور ذاکر انکل میں بہت Understanding تھی اور ابا کو یقین تھا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ ذاکر انکل میرے ابا کی بات نہ مانیں...... ایک دن ذاکر انکل نے مجھے بلایا کہ میں ''ابا'' کو سمجھاؤں کہ سہیل وغیرہ گناہ گار ہیں اور میں کسی کی حق تلفی نہیں کر سکتا۔ گناہ گار کو سزا سے کیسے بچا سکتا ہوں، مگر میرے ابا کچھ سننے کو تیار نہ تھے۔ ذاکر انکل نے کوشش کی کہ ان کا تبادلہ کسی اور شہر میں ہو جائے تاکہ وہ اس کیس سے ہی دور رہیں مگر ایسا بھی نہیں ہو سکا۔

آخر فیصلے کا دِن آیا اور ذاکر انکل نے سہیل چچا کو عمر قید کا فیصلہ سنا دیا، کیونکہ ان پر جرم ثابت ہو چکا تھا...... پھر میرے ابا نے ذاکر انکل کو یہ پیغام بھجوا دیا کہ وہ اپنے فیصلوں کی قدر کریں اور ہماری طرف سے رخسانہ بیگم کو طلاق کا پیغام کا فیصلہ بہت جلد موصول ہو جائے گا...... پتہ نہیں ابا نے اتنا انتہائی فیصلہ کیوں اور کیسے سوچ لیا...... ساری زندگی اپنے فیصلوں پر آمین کرانے کی بہت پرانی عادت بن چکی تھی۔ ذاکر انکل کی ایک ہی بیٹی تھی اور ایک سال بعد اس کا نکاح، طلاق کی صورت بدل جائے گا اور ''مسعود خان'' میرا دوست، ایسا کرے گا، وہ بے چارے دو دو صدموں کو برداشت نہیں کر سکے اور انہیں دِل کا اٹیک ہوا۔ ان کی حالت کافی خراب تھی۔ میں دفتر سے ہی ان کو ملنے ہسپتال چلا گیا تو وہاں ان کے پاس عائشہ آنٹی جوان کی بیگم تھی اور ساتھ رخسانہ بیگم کھڑی تھیں۔ رخسانہ بیگم میرے اچانک آنے پر گھبرا گئی تھیں۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ میں آؤں گا۔ ایک دم سے انھوں نے اپنا چہرہ اپنی چادر سے چھپا لیا اور نظریں چھپا کر ذاکر انکل کے پاس کھڑی تھیں۔ میں نے انکل کو حوصلہ دیا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا، وہ فکر نہیں کریں۔

رخسانہ اس وقت اپنی چادر سے ان کے ماتھے کا پسینہ صاف کرتی رہی اور خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔ میں نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا تو اس وقت مجھے بہت معصوم اور بے بس لگی۔ عائشہ آنٹی میرے پاس کھڑی تھیں۔ میں انکل اور آنٹی دونوں کو تسلی دے رہا تھا کہ انکل نے مجھے اپنی آنکھوں سے اشارہ کر کے جھکنے کا کہا۔ ان کے منہ پر آکسیجن کا ماسک لگا ہوا تھا۔ میں جھکا تو انہوں نے کہا جمال میرے جانے کے بعد میری بیٹی کا کوئی نہیں۔ میں اسے تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ تم جو چاہے کرو، اس کے ساتھ۔ اس لمحے مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ ایک انسان میرے سامنے اپنی زندگی کی آخری سانسیں گن رہا ہو اور میں اسے تسلی کے دو لفظ بھی نہ بول سکوں۔ تو بعد میں اپنے خدا کو، اپنے ضمیر کو، اپنی انسانیت کو کیا جواب دوں گا۔

میں نے انکل کے سامنے رخسانہ بیگم کا ہاتھ پکڑا اور آرام سے بولا انکل یہ میری بیوی ہے۔ میرے نکاح میں ہے۔ آپ اس طرح مایوسی کی باتیں نہ کریں۔ کچھ نہیں ہوگا۔ آپ بھی ٹھیک ہو جائیں گے اور ابا بھی غصے میں ہیں، ان کا غصہ چند روز کا ہوتا ہے۔ آپ تو انہیں بچپن سے جانتے ہیں۔ آپ مجھے سمجھایا کرتے تھے اور آج آپ خود ایسی بات کر رہے ہیں۔ بس آپ کچھ مت بولیں...... انہوں نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور پھر رخسانہ کی طرف اور پھر ان کی نظر رخسانہ بیگم پر رُکی رہی اور جو E.C.G کا Moniter لگا تھا۔ اس پر ایک سیدھی لائن آ چکی تھی۔ میرے ہاتھ میں رخسانہ بیگم کا ہاتھ تھا اور عائشہ آنٹی میرے کاندھے پر سر رکھ کر چیخ رہی تھیں۔

☆

اس لمحے رخسانہ بیگم اور عائشہ آنٹی کا واحد محرم میں ہی تھا اور کچھ بھی ہو کوئی محرم اپنی زندگی میں اپنی محرم عورتوں کو مشکل سے مشکل حالات میں بھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ ذاکر انکل بڑے آرام سے میرے سپرد بہت بڑی ذمہ داری کر گئے تھے۔ میری کوئی محبت کی شادی تو تھی نہیں مگر یہاں بات نہ محبت کی تھی اور نہ اصول کی، یہاں بات احساس کی اور ایک مذہبی ذمہ داری، مذہبی فریضہ کی تھی اور ایک مرتے ہوئے انسان کے آخری الفاظ کی تھی اور پھر ایک شوہر اپنی بیوی کو محض اس بات پر طلاق دے دے کہ اُس کے والد نے اس کے والد کے کہنے پر کام نہیں کیا۔ میرا دِل اور دماغ دونوں اس بات کو قطعی طور سے نہ صرف جھٹلا رہے تھے بلکہ مجھے میری تقدیر اور میرے جذبات نے اس وقت کے اس دھارے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں پر میں کچھ بھی کر سکتا تھا مگر ان دونوں عورتوں کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ میں تو راستے میں چلنے والوں پر اگر کوئی مشکل آن پڑتی تھی تو سارا سارا دِن ان کے ساتھ ان کی مدد کرتا رہتا جس پر میرے والد حضور مجھے اکثر

سمجھایا کرتے کہ ہمدردی کا جذبہ اچھا ہے، ہونا چاہیے اور آج تو تقدیر نے میرے والد کے بنائے ہوئے رشتے، میری محرم کو ہی میری مدد کے سہارے چھوڑ دیا جو سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ بہر حال ابا جان تو نہیں آئے اور امی بھی ان کی اجازت کے بنا تو نہیں آسکتی تھی مگر دانش میرے ساتھ تھا۔ رخسانہ بیگم کا پورا خاندان موجود تھا۔ بڑے اچھے طریقے سے ان کی میت کو آخری آرام گاہ تک پہنچا کر میں ایک ذمہ داری سے فارغ ہوا اور اب دوسری ذمہ داری شروع ہوئی......

بہت سمجھانے کے باوجود بھی میرے والد نے میری نہ سنی اور آخری فیصلہ سنا دیا کہ اس لڑکی کو طلاق دو گے تو اس گھر میں آنا، ورنہ اس گھر سے اور اس گھر کے کسی فرد سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔ آج سے تم ہمارے لیے اور ہم تمہارے لیے مر جائیں گے۔ اچھی طرح سے سوچ لو، پھر فیصلہ کر لینا۔ میری والدہ میری طرف دیکھتی رہی۔ اس وقت یہ بات اسی ہال میں ہوئی تھی جہاں اس وقت میں اور آپ بیٹھے ہیں اور ابا جان مجھ سے اُمید رکھے ہوئے تھے کہ میں اوپر کمرے میں جا کر کچھ دِن سوچوں گا اور پھر ان کے حق میں فیصلہ کر دوں گا۔ اس وقت سے پہلے بھی میرے والدین نے جب جب میرے اوپر کسی بات کا فیصلہ چھوڑا، اس اُمید کے ساتھ چھوڑا کہ فیصلہ تو میرا ہی ہوگا اور ان کے حق میں ہی ہوگا۔ میں سوچنے کے لیے وقت بھی نہیں لیا کرتا تھا۔ اسی وقت ان کے حق میں فیصلہ دے دیا کرتا تھا کہ جیسے آپ کی مرضی جو آپ کا دِل کرے کریں۔ صرف اس خیال سے کہ ان کو ایک لمحہ بھی ذہنی کوفت سے نہ گزرنا پڑے اور وہ مطمئن ہو جائیں...... میری پرانی عادت تھی تو آج بھی ایسا ہی ہوا۔ میں نے دانش جو اس وقت مجھے اضطراب کی حالت میں دیکھ رہا تھا کہ بھائی آج پھر والدین کی مان کے خاموش ہو جائیں گے، میری ایک دم آواز دینے پر چونک گیا۔ ابا جان نے میری طرف پیٹھ کر رکھی تھی اور وہ اس کونے میں کھڑے تھے۔ میں نے دانش کو آواز دی۔ دانش جاؤ، اوپر میرے کمرے میں Table پر میری ایک سفید رنگ کی File پڑی ہے، وہ لے آؤ۔ اس وقت تک کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں کیا کرنے والا ہوں۔ دانش مجھے غصے سے دیکھتے ہوئے اوپر سے فائل اُٹھا لایا۔ میں نے فائل پکڑی۔ والدہ کے پاس گیا اور صرف اتنا کہا کہ مجھے معاف کیجیے گا۔ زندگی میں جب بھی میری ضرورت محسوس ہو تو بیٹا سمجھ کر یاد کر لیجیے گا، میں آپ کے قدموں میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ماں آپ کے پاس دانش بھی آپ کا محرم ہے اور ابا جان بھی مگر وہاں وہ دونوں اکیلی ہیں اور انہیں میری ضرورت اس گھر سے زیادہ ہے اور میں کسی بے کس غریب کا ساتھ محض نام نہاد انا کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔ میری اس گستاخی کو معاف کیجیے گا۔ میں اس گھر سے کبھی نہ جاتا

اگر ابا مجھے نہ نکالتے تو...... مگر شاید آپ کو کبھی احساس ہو جائے کہ آپ نے کچھ زیادتی کر دی، اپنی ہی اولاد کے ساتھ۔ ابا سن رہے تھے مگر انہوں نے مڑ کر میری طرف نہیں دیکھا۔ والدہ کے چہرے پر حیرت اور دُکھ کے ملے جلے تاثرات تھے، رونا چاہتی ہوں گی شاید، مگر حیرت نے اس دُکھ کی جگہ لے لی ہو گی۔

میں دانش کے پاس گیا تو اس نے مجھے اپنے گلے سے لگایا اور صرف یہ ہی کہا کہ بھائی صاحب Well done: مجھے اس وقت دانش کے یہ الفاظ ایک بہت بڑا اعزاز لگے اور میں اپنے آپ کو بہادر سمجھنے لگا۔ مجھے میرے اس اُٹھائے ہوئے قدم پر اور زیادہ یقین ہو گیا کہ میں جو کر رہا ہوں یا میرا مالک مجھ سے جو کرا رہا تھا، وہ ٹھیک تھا...... میں دانش سے مل کر اس گھر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نہیں جانتا، اس وقت میرے والدین نے مجھے دیکھا ہو گا یا نہیں، دُعا دی ہو گی یا بددعا...... بددعا تو نہیں دے سکتے تھے، کیونکہ میں جانتا تھا کہ انہیں معلوم ہے کہ میں نے کچھ غلط نہیں کیا...... میرے ابا نے اپنی جھوٹی ''انا'' کو اپنے اوپر حاوی کر کے بہت کچھ کھو دیا تھا۔ میرے ابا جان کی ''انا'' نے ان کی اپنی زندگی سمیت بہت سی زندگیوں کو اپنے پیروں تلے روند دیا...... اور میری ''انا'' نے اس لمحے دو زندگیوں کو جینے کی اُمید دی اور ایک مرے ہوئے انسان کی روح کو سکون...... جو تینوں کے تینوں بے گناہ، بے قصور تھے۔

اس لمحے میں بالکل خالی ہو چکا تھا۔ کچھ بھی نہیں تھا، نہ میرے دِل میں، نہ میرے ذہن میں۔ مجھے آگے کیا کرنا ہے، مجھے اس کا بھی اندازہ نہیں تھا، مگر میرے ذمے، میری بیوی اور اس کی ماں کی ذمہ داری تھی اور خیال میں میری اپنی ماں، مگر وقت گزرتے گزرتے زخموں کے نشان تو کم ہو گئے مگر درد آج بھی ویسا ہی ہے۔ جیسے پہلے دِن تھا۔ اس واقعے کے ایک سال کے اندر میری ماں کا انتقام ہوا اور عائشہ آنٹی کا بھی۔ ذاکر انکل کے جانے کے بعد آنٹی بہت بیمار تھیں اور بمشکل وہ آٹھ ماہ ہی زندگی سے لڑ سکی اور پھر موت نے انہیں اپنے باوفا ہاتھوں میں سمیٹ لیا اور وہ ہم سے بہت دور چلی گئی۔ عائشہ آنٹی کی وفات پر بھی صرف دانش ہی میرے ساتھ تھا۔ گھر والوں کی اطلاع مجھے دانش دیا کرتا تھا۔ امی کی حالت اور ابا جان کی سوچ، مگر میں اس انتظار میں تھا کہ میرے والدین مجھے جب بھی بلائیں گے، میں بھاگتا ہوا ان کے پاس چلا جاؤں گا اور اس بات کے لیے رخسانہ بیگم بھی تیار تھیں۔ رخسانہ بیگم نے اپنی زندگی، جو انہوں نے میرے ساتھ گزاری، ایک لمحہ بھی مجھے اس بات کا احساس بھی نہ ہونے دیا کہ ان کے ساتھ یا میرے ساتھ کسی طرح کی کوئی زیادتی ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ اور میرے گھر والوں کے ذکر پر، اسی طرح

Normal تھی جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہ ہو۔انہوں نے کبھی مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ ہی مجھے کسی مشکل جواب میں اُلجھایا۔

آنٹی کے جانے کے بعد رخسانہ بیگم بہت حد تک کمزوری محسوس کرنے لگی تھیں۔ڈرتی تھی اور کبھی کبھی مجھ سے کہا کرتی تھی کہ جا کر والدین سے مل آئیں، مگر میں منع کر دیا کرتا مگر میں جب منع کیا کرتا تھا تو مجھ سے بحث نہیں کیا کرتی تھی۔میری والدہ یعنی آپ کی دادی ماں کی موت اچانک ہوئی تھی۔شاید Heart Fail تھا۔ہمارے ہاں ہماری معیت کو آبائی قبرستان میں دفن کیا جاتا تھا۔مجھے دانش نے بتایا تو مجھے معلوم تھا کہ اس حویلی میں تو میرا جانا ممکن نہیں، مگر میں اور رخسانہ بیگم دونوں گاؤں چلے گئے، وہاں معیت پہنچنے سے پہلے۔میں نے اپنے دادا کی حویلی میں تمام انتظامات کرائے اور رخسانہ بیگم میرے ساتھ ساتھ تھی۔

میں نے وہاں اپنے ابا جان کو تقریباً ایک سال بعد دیکھا تھا، وہ نہ میرے پاس آئے نہ مجھے سینے سے لگایا، مگر میں اپنی ماں کے سینے سے لگ کے خوب رویا اور رخسانہ کے بتانے پر مجھے پتہ چلا کہ اس وقت میرے ابا مجھے بہت پیار سے دیکھ رہے تھے۔اس وقت انہیں احساس ہوا تھا کہ انہوں نے محض اپنی انا کے لیے مجھے میری ماں سے اتنا دور کیا کہ آج جب اس کی گود میں سر رکھے رو رہا ہوں تو وہ میرے آنسو بھی پونچھ نہیں سکتی تھی۔میرے سر پر ہاتھ نہیں رکھ سکتی تھی۔ خیر میں نے اور دانش نے یہ کٹھن مرحلہ بھی گزار لیا۔اپنی ماں کو خیریت سے اپنے اور اس کے اللہ کے سپرد کر دیا۔اپنی زندگی کے اس کٹھن دور سے میں بہادری سے گزرتا رہا مگر جیسے جیسے آگے بڑھتا جاتا تھا، ویسے ویسے ٹوٹتا جاتا تھا۔میں اپنی ماں کا قُل کر کے شہر واپس آ گیا، پھر والد صاحب اور دانش کب واپس آئے، مجھے نہیں پتہ۔مگر میں ہر ہفتے اپنی والدہ کی قبر پر گاؤں جاتا تھا۔امی کے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ رخسانہ بیگم کے دِل پر کیا گزری ہوگی، جب اس کے والدین اس دُنیا سے گئے اور ایسے حالات میں گئے تھے کہ اس کے لیے کوئی بھی نہیں تھا، اگر اس وقت میرا سہارا بھی اس کے ساتھ نہ ہوتا تو وہ کس طرح ٹوٹ کر بکھر جاتی، شاید کچھ حد تک میں نے اسے بکھرنے سے بچا لیا، کیونکہ ان دِنوں اُسی کے حوصلے سے میں دُنیا کو Face کرنے کے قابل ہوا تھا۔یہ جو ہمارا گھر ہے، جہاں ہم سب رہتے ہیں، یہ اس وقت بنجر اور بیابان جگہ تھی، جب میں نے یہ گھر بنایا تھا۔اب تو وہاں پوری ہاؤسنگ سکیم بن گئی ہے، کیونکہ اس جگہ ہاؤسنگ سکیم کا Idea بھی میرا تھا، اس لیے میرا گھر سب سے الگ ہے۔مجھے اللہ نے سب کچھ دیا تھا، سوائے میرے والد صاحب کے پیار کے، جو وہ اپنے آخری وقت میں مجھ سے چھپنے جا رہے تھے

اور مجھ سے بیٹے کی حیثیت سے کی جانے والی خدمت کا حق بھی چھین لیا تھا انہوں نے۔ ابھی قدرت کی آزمائشیں شاید ختم نہیں ہوئی تھیں مجھ پر۔ ابھی کچھ باقی تھیں ...... مگر مجھے شاید معلوم بھی نہیں تھا، یا تھا؟ معلوم نہیں!۔

آپ جانتی ہیں بیٹا، اس وقت جب یہ سب مجھ پر بیت رہا تھا۔ میں بھی اپنے اللہ سے بہت دور ہو گیا تھا...... میں اپنے لیے دُعا بھی نہیں کیا کرتا تھا، جس دن سے اللہ نے مجھے میرے والد سے دور کیا تھا، میں نے نماز پڑھنا، دُعا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ شاید اپنی کم علمی کی وجہ سے میں اپنے رب سے بھی ناراض تھا۔ آپ بھی کچھ ایسا ہی کرتی ہو نہ جب کسی اُلجھن میں ہوتی ہو؟

''میں خاموشی سے صرف بابا کو دیکھ رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے ایک لفظ بولنے سے بابا اپنے ماضی سے حال تک کا سفر ادھورا چھوڑ دیں۔ میں بس یہ ہی جانتی تھی کہ ان کے دِل میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب آج کہہ دیں۔ ایک بار اگر ان کے دِل سے یہ غبار اُتر جائے، اس کے بعد اللہ مجھے جو بھی راستہ دکھائے گا میں اسی راستے کو اپنا لوں گی۔ بابا کے سوال کے جواب میں نے صرف مسکراہٹ سے ہی جواب دیا''

خیر وقت گزرتا رہا اور میرا درد بڑھتا رہا، پھر منیر ہماری زندگی میں آ گیا۔ اس وقت میرے سامنے میرے ابا کا چہرہ آیا۔ مجھے ایک اُمید پھر نظر آئی کہ میرے ابا اپنے پوتے کو ضرور ملیں گے۔ دانش تو میرے ساتھ ہی تھا۔ ہر پل اپنے چھوٹے بھائی ہونے کی حیثیت سے وہ اپنا ہر فرض پورا کر رہا تھا۔ مجھے اس کا بہت سہارا تھا، مگر میرے ابا جنہیں میں اس دُنیا میں سب سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ وہ مجھ سے دور تھے، مجھ سے ناراض تھے۔

جانتی ہو، جو لوگ اللہ کے پاس چلے جاتے ہیں، ہمیشہ کے لیے ہم سے ہمارے پیارے دور ہو جاتے ہیں، ان کا صبر آجایا کرتا ہے۔ شاید یہ اللہ پاک کا ہی کوئی معجزہ ہو گا کہ ان لوگوں کی یاد دِل کو جلاتی نہیں، ان کی یاد کے ساتھ ایک تسلی ہوتی ہے، کیونکہ وہ اللہ کے پاس ہوتے ہیں...... اور یہ امید بھی ہوتی ہے کہ کبھی ہم نے بھی اللہ کے پاس جانا ہے اور اللہ ہمیں ہمارے پیاروں سے ضرور ملا دے گا، مگر اس دُنیا میں خود سے جُدا ہونے والے اور وہ لوگ جن سے آپ محبت کرتے ہیں، وہ آپ سے دور ہو جائیں تو صبر نہیں آتا، سکون نہیں ملتا۔ ان کے کھو جانے پر انسان اپنی ذات کھو بیٹھتا تھا۔ ایک تشنگی رہتی ہے۔ ہمیشہ اپنی ذات کے اندر، جو کسی صورت پوری نہیں ہوتی۔ میرے والدین سے میری دوری ویسی ہی پیاس تھی، جس کی شدت آج بھی میرے اندر موجود ہے اور اس وقت تک رہے گی جب تک میرے اُن سے وہاں جا کر مل نہیں لیا تھا۔

میں اپنی محبت کو کبھی سمجھ نہیں سکا تھا اور میں اپنے والدین کے ساتھ اپنی گہری محبت کو اسی وقت سمجھا جب اُن سے مجھ کو دور رہنا پڑا۔ محبت اور جدائی کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے اور یہ تعلق ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہے گا اور جن کی محبت سچی ہوتی ہے، اس تعلق میں۔ اس محبت میں جدائی شرط ہے، اگر جدائی نہ ہو تو ہمیں شاید معلوم بھی نہ ہو سکے گا کہ ہماری محبت کی شدت کتنی ہے۔

منیر کے پیدا ہونے کے بعد میں روزانہ پرانی حویلی جایا کرتا اور والد صاحب کی خیریت باہر سے ہی پوچھ کر واپس آجایا کرتا تھا۔ دانش مجھے کئی بار اصرار کیا کرتا تھا، اندر آنے کے لیے، مگر میں نے اس دہلیز کو کبھی پار نہیں کیا تھا۔ شاید اس دہلیز کو پار نہ کرنا میری محبت کی انا تھی۔ میں اپنے والد کے الفاظ کی نفی نہیں کر سکتا تھا۔ بقول دانش کے کہ ابا کو احساس تھا کہ انہوں نے غلط کیا مگر پھر بھی انہوں نے یہ کبھی نہیں کہا جمال کو بلاؤ اسے ملنا ہے...... یا کچھ بھی، منیر تین برس کا ہو چکا تھا اور میں اس وقت ایک باپ بھی تھا اور ایک بیٹا بھی...... دونوں رشتوں میں رہ کر میں ایک باپ کی حیثیت سے ہزار بار اپنے والد کی جگہ پر گیا تھا مگر مجھے ایک لمحے کے لیے بھی یہ احساس کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے ایسا کوئی قدم میری محبت میں اُٹھایا ہوگا۔ ہاں مگر مجھے یہ احساس ہر بار پہلے سے زیادہ توڑ دیا کرتا تھا کہ انہوں نے اپنی ایک بات کی خاطر کسی کی خاطر، کسی دوسرے کی خاطر، خاندانی رواج یا جو بھی ہو، مجھے خود سے، اپنے بیٹے کو اور بیٹے کی محبت کو نظر انداز کر دیا، اسے بھلا دیا۔ ایک بار بھی میرے ابا کو مجھ پر ترس نہیں آیا ہوگا کہ میں کیسے جی رہا ہوں گا۔ میں حویلی کے باہر سے ہی واپس آجایا کرتا تھا، میرے ابا جانتے تھے مگر انہوں نے مجھے کبھی اپنے پاس نہیں بلایا، نہ میرا درد کم کیا اور نہ اپنی تکلیف کو ختم کیا......

رخسانہ بیگم سے میرا رشتہ محبت کے رشتے میں بدل چکا تھا۔ میں ان سے محبت کرتا تھا۔ ایسی محبت جس میں پرواہ تھی، جس میں پیار تھا، جس میں احترام تھا اور جس میں احساس تھا، جو ایک شوہر کو اپنی بیوی سے ہونی چاہیے۔ ایسی بیوی جس نے ایک لمحے کے لیے بھی مجھے کبھی کسی پچھتاوے کا احساس نہیں دلایا جس نے مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا اور جب اپنی بیوی کا بے حساب پیار اور محبت دیکھا اور محسوس کرتا تھا تو ابا کی یاد اور دِل جلایا کرتی تھی کہ یہ بھی تو میرے ابا کا فیصلہ تھا۔ جب ہی تو وہ نیک پارسہ عورت میری بیوی بنی تھی تو پھر میرے ابا نے مجھے اپنے اس ہی فیصلے میں تنہا کیوں کر دیا؟ مجھے اکیلا کیوں چھوڑ دیا؟ رخسانہ بیگم میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو میرے ابا اپنی بہو میں دیکھنا چاہتے تھے اور اسی خوشی سے میرے ابا نے خود کو محروم رکھا ہوا تھا۔ خود پل پل جل رہے تھے اور ان کی اس آگ کے شعلے ہم سب کو، مجھے، امی، دانش، انکل

ذاکر، آنٹی عائشہ، رخسانہ بیگم اور اب منیر کو جلا رہے تھے۔ وہ خود تنہا تھے اور ہم سب کو بھی تنہا کر چکے تھے۔ میں اس وقت بھی اپنے اللہ سے ناراض تھا۔ غصہ کرتا تھا۔ ہمیشہ آنکھوں میں بے پناہ سوال آنکھوں میں لیے رات کو آسمان کی طرف دیکھا کرتا تھا، مگر اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکال پاتا تھا۔ شاید اس کی توفیق ہی مجھے اللہ نے نہیں دی تھی۔

میرے لیے محبت کا احساس تو تھا، محبت بھی تھی مگر اس رشتے میں ایک بے اعتباری سی لگتی تھی، اگر میرے والد نے 32 سال کی محبت کو جھٹلا دیا تو دُنیا میں اور ایسا کون سا طاقتور رشتہ ہے جو میری محبت کو اپنائے گا تو بس اس ایک تجربے نے میرے اندر سے محبت کو ختم نہیں کیا تھا مگر اس کا اعتبار اس کا بھروسہ کھو چکا تھا میں...... میں کچھ بھی اچھا کرتا کسی سے بھی کرتا، چاہے وہ میری بیوی تھی، میرا بھائی یا میرا بیٹا۔ مجھے ہمیشہ ایسا لگتا تھا کہ میرے پاس ان کے لیے تو محبت ہے مگر ان کے پاس میرے محبت کب ختم ہو جائے۔ یہ احساس مجھے ہر وقت خوف میں رکھتا تھا اور شاید اسی خوف نے مجھے ضرورت سے زیادہ محتاط اور بہادر بھی بنا دیا تھا...... کیونکہ مجھے کسی سے کوئی بھی اُمید نہیں ہوا کرتی تھی اور بیٹا جب ہم زندگی میں کسی دوسرے کی ذات سے پر اُمید کو چھوڑ کر محبت کرتے ہیں تو وہ محبت کا ایک الگ رنگ ہوتا ہے اور ایک الگ کشش ہوتی ہے۔ ایسی محبت کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ ایسی محبت میں جنون نہیں ہوتا، ایسی محبت میں پانے کی خواہش ختم ہو جاتی ہے۔
ایسی محبت صرف اور صرف فنا ہونا سکھاتی ہے اور انسان فنا ہونے کے لیے ہر پل تیار بھی رہتا ہے۔

محبت صرف محسوس کرنے کا نام نہیں...... اس کے اس احساس میں خود کو ختم کرنے کی ہمت اپنے آپ کو بھولنا اور دوسرے کو ہر پل اہم سمجھنا بھی ہوتا ہے۔ خود کو مقام فنا پر اور جو محبت ہے، اسے مقام بقا پر رکھنا ہی اصل محبت ہے۔ جانتی ہیں آپ......؟ خدا سے میری ناراضگی مجھے ہمیشہ چبھتی تھی۔ مجھے ہر پل اس بات کا انتظار تھا کہ اس ذات سے میری ناراضگی ختم کب ہوگی اور میں ایک خود غرض انسان کی طرح گنہگار انسان کی طرح اپنے غموں کو خدا کی ناانصافی سمجھتا رہا مگر وہ اللہ ہی کی ذات ہے کہ جب وہ کہہ دے کہ ''ہو جا'' تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔ اس بات کو بھول گیا تھا۔ میں نے اکثر جگہ یہ سنا تھا کہ محبت میں ''انا'' نہیں ہوتی اور جس محبت میں ''انا'' آپ کے پیروں کو جکڑ لے تو وہ محبت نہیں ہوتی......

میرے ابا کی انا نے مجھے محبت سے دور کیا تھا اور بے اعتباری دے دی مگر تقدیر کیا کرنے لگی تھی اس سے میں انجان تھا۔ میں اپنے آفس میں تھا جب مجھے دانش کا فون آیا کہ ''ابا''

کی طبیعت ٹھیک نہیں اور ہم ہسپتال میں ہیں۔ اس لمحے مجھے، میرے سَر پر آسمان اور پیروں تلے زمین محسوس ہی نہیں ہوئی۔ میں نے آفس سے ہسپتال کا سفر کیسے طے کیا، مجھے یاد نہیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے خدا نے مجھے خود اڑا کر وہاں پہنچا دیا۔ میں نے ''ابا'' کی ناراضگی، ان کا غصہ، ان کی ''انا'' اور میری کم ظرفی کچھ بھی مجھے یاد نہیں تھا۔ بس میرے ''ابا'' کا چہرہ میرے سامنے تھا۔

وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ''ابا'' کا Blood Cancer آخری Stage پر ہے۔ میری آنکھ سے ایک بھی آنسو نہیں نکلا۔ ہاں دانش میرے گلے لگ کر کافی رویا تھا۔ اس لمحے میں بالکل خالی ہو چکا تھا...... دانش کو دِلاسا دیا، کیونکہ اسی لمحے وہ مجھے منیر کی طرح ہی لگ رہا تھا۔

میں اپنے ابا کے کمرے میں گیا۔ میں ان کو کیسے Face کروں گا، میں نے کچھ نہیں سوچا۔ اس لمحے جس لمحے میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو میرے منہ سے سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں نکلا...... اس لمحے میرے دل سے اللہ نکلا تھا کیونکہ وہاں جو ہوا، وہ کلمہ کن ہی تو تھا کے ''ہو جا''...... ''ابا'' سو رہے تھے۔ میں ان کے قریب گیا، وہ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ میں نے ان کے پاؤں پر بوسا دیا اور ان کے پاؤں پر اپنا سَر رکھ دیا...... میں نے اپنے آپ کو جتنا بے بس اس لمحے پایا تھا، زندگی میں آج تک کبھی اتنا بے بس نہیں پایا۔ میں ان کے قدموں میں ہی پڑا دُنیا سے بے نیاز۔ نرس ''ابا'' کی Drip بدلنے آئی، اس کی آواز پر مجھے ہوش آیا۔ ابا سے ان کی طبیعت پوچھ رہی تھی۔ جانے کب انہوں نے مجھے دیکھا مگر مجھے بلایا نہیں...... ابا کو جاگتے ہوئے دیکھ کر میں ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا...... انہوں نے میری طرف دیکھا بھی نہیں۔ دانش پاس کھڑا تھا۔ نرس نے اس سے کچھ دوائیوں کا پوچھا...... اور چلی گئی۔ میں اس وقت اسی انتظار میں تھا کہ ابھی ابا مجھے کمرے سے باہر نکال دیں گے۔ یہ کہہ دیں گے کہ مجھے تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنی اور میں کمرے کے باہر جا کر بیٹھ جاؤں گا۔ میں ان الفاظ کے انتظار میں تھا اور شاید دانش بھی......

تقریباً 15 منٹ بعد ''ابا'' کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی اور مجھے ایسا لگا جیسے ایک لمحے کو میں نے پلک جھپکائی ہے یا میرا گماں ہے۔ مجھے یقین تب ہوا جب دانش نے مجھے اس بات کا یقین دلایا۔ بھائی ''ابا'' کہہ رہیں ہیں کھڑے کیوں ہیں، بیٹھ جائیں...... میرے منہ سے صرف جی ہی نکل سکا۔

''اس لمحے مجھے ایسا لگا جیسے میں اپنی چیخوں کو روک رہا ہوں، مگر کتنی دیر تک...... میں اپنی چیخوں کو اپنی مُسکراہٹ کے لباس میں ڈھانپ سکوں گا......

میں خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گیا۔

جس انسان سے ہم دُنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتے ہو...... جب وہ ہم کو کوئی روشنی کی کرن دکھا دے یا یہ کہہ دے کہ کچھ کہنا ہے...... مگر کہتے ہوئے بھی خاموش ہو...... تو اس لمحے سب سے زیادہ کرب ناک زبان خاموشی کی ہو جاتی ہے...... اور پھر محبت کی خاموشی تو ہمارے دِل کو بیچ سے چیرنا شروع کرتی ہے...... کچھ احساس تو اس کا آپ کو بھی ہوا ہوگا؟...... کل رات سے اس لمحے تک جب میں آپ کو یہاں لانے کے باوجود خاموش رہا۔ اس لمحے آپ کو یہ تو یقین تھا کہ بابا کچھ بولیں گے ضرور۔ آپ کو یقین تھا کہ بابا آپ سے بہت پیار کرتے ہیں مگر جس انسان کو ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات تک کا ذرا برابر اندازہ بھی نہ ہو تو وہ کیا کرتا ہوگا......

میرے ابا نے مجھے اپنے پاس بیٹھا تو لیا مگر خود کو خاموش کر رکھا تھا اور اس وقت میں نے دُنیا کی تمام الفاظ بھول چکا تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ اس دُنیا میں ایسا کوئی لفظ ہے ہی نہیں، جس کی مدد سے میں اپنے ''ابا'' سے بات کا آغاز کروں...... اس لمحے مجھ سے زیادہ بے بس انسان اور کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ رات کے دس بج چکے تھے اور میرے اور میرے ابا کی اس خاموشی کو تقریباً تین گھنٹے گزر گئے تھے اور دانش گھنٹہ پہلے ہم دونوں کو اس امید پر اکیلا چھوڑ کر جا چکا تھا کہ شاید اکیلے ''ابا'' مجھے کچھ کہنا چاہیں۔ میں نے اپنے ابا کی آواز 5 سال بعد سنی تھی...... جس پر مجھے یقین نہیں ہو رہا تھا...... اور میں اس وقت خود کو یہ ہی سمجھا رہا تھا کہ میں حقیقت میں اپنے ''ابا'' کے پاس بیٹھا ہوں۔ اس وقت ''ابا'' کے ڈاکٹر اندر آ گئے، انہوں نے ''ابا'' کا معائنہ کیا...... مجھے پاس بیٹھے دیکھ کر سمجھ چکے تھے کہ میں بیٹا ہی ہوں، کیونکہ میری شکل تو نہیں مگر میں جسمانی طور پر...... یا اپنے انداز سے ''ابا'' ہی کی طرح لگتا تھا...... ڈاکٹر نے مجھے اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا۔ میں نے ایک نظر ابا کی طرف دیکھا...... وہ میری ہی طرف دیکھ رہے تھے۔

ڈاکٹر نے مجھے اس بات کی صرف تسلی دی کہ وہ اپنی طرف سے کوشش کر رہے ہیں مگر ان کے ہاتھ میں تو کچھ نہیں، میں سمجھ چکا تھا۔ میں نے جواباً اتنا ہی کہا تھا کہ انسان کے بس میں صرف کوشش کرنا ہی تو ہے۔ اختیار میں تو کچھ نہیں۔

اس لمحے مجھے میرے خدا نے پکارا، نا جانے کیوں مگر مجھے ایسے لگا۔ اس پل مجھے یہ احساس بھی نہیں رہا کہ میں اپنے اللہ سے کتنی دور جا چکا تھا اور میں تو شاید اپنے غصے میں تھا۔ میں ابا کے پاس جانے کے بجائے ہسپتال میں بنی مسجد میں چلا گیا۔ میں نے وضو کیا اور دو نفل توبہ کے پڑھے اور بعد میں عشاء کی نماز۔ اس وقت نماز پڑھتے ہوئے مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میرے ساتھ سے کوئی وزن گر رہا ہو۔ میں نے ساتھ چپکی ہوئی چیزیں مجھے چھوڑ رہی ہوں۔ نماز کے بعد میں

نے اپنے پروردگار سے دُعا کی۔ دُعا کرتے وقت میری زبان نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے ابا سے بات کرنا چاہتا تھا مگر نہیں کر سکا۔ اسی طرح اللہ کو کچھ بتانا چاہتا تھا، کچھ مانگنا چاہتا تھا مگر نہیں۔ اس پل نہیں کچھ نہیں تھا...... مگر اس پل یہ احساس یقین کی کیفیت میں ڈھل چکا تھا کہ خدا کو تو دلوں کے حال پتہ ہیں۔ وہ تو جانتا ہے کہ میں اسے کیا بتانا چاہتا ہوں اور کیا مانگنا چاہتا ہوں۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں نے کس وقت میرے چہرے اور میری روح کو بھگو دیا، مجھے اندازہ ہی نہ ہوا......

''انا'' آپ میں اور مجھ میں بہت سی باتیں، بہت سی عادات ایک جیسی ہیں جیسے آپ اپنے اور اللہ کے درمیان کسی کو آنے نہیں دیتی اور نہ کسی اور کے، اور اللہ کے معاملے میں دخل دیتی ہو۔ میں بھی ایسا ہی تھا، بلکہ ہوں۔ کوئی کتنا مذہبی ہو، ضروری نہیں کہ وہ ایک اچھا انسان، ایک مومن ہے اور کوئی کتنا ماڈرن ہو، یہ ضروری نہیں کہ وہ اللہ سے دور ہی ہوگا۔ میں نے اس چیز کو اپنے تجربے سے سیکھا اور پرکھا ہے۔ آپ کی سوچ کا انداز تو ایسا ہی ہے مگر آپ کا نظریہ کیا ہے، اس کا مجھے پتہ نہیں اور نہ ہی مجھے حق ہے جاننے کا، کیونکہ یہ بہر حال آپ کا اور آپ کے اللہ کے بیچ کی بات ہے تو اس وقت دعا کے دوران میں اپنے ہی خیالوں میں گم تھا۔ کتنے سالوں بعد میں نے اپنے اللہ کے سامنے دِل سے سجدہ کیا اور کب میں اپنے آپ سے باہر ہو گیا، مجھے پتہ ہی نہیں چلا...... بس دِل سے یہ پکار ہی نکل رہی تھی کہ ''مالک میرے والد کی اور میری تکلیف کو ختم کر دے'' مجھے اندازہ تھا کہ اولاد دُکھی ہو تو والدین بھی سکھی نہیں رہتے۔ بس کبھی کبھی ہماری ضد ہمیں یہ بات سمجھنے نہیں دیتی اور اس وقت مسجد کے امام صاحب جو نجانے کب سے مجھے بنا حرفوں کے الفاظ بنانے کی کوشش کرتے دیکھ رہے ہوں گے۔ ایک آہ بھر کر میرے پاس بیٹھ گئے...... سَر پر سفید رنگ کا ایک کپڑا باندھ رکھا تھا۔ سفید شلوار قمیض میں کندھوں پر ایک پرانی چادر ڈال رکھی تھی۔ رنگ تھوڑا گہرا تھا مگر اُن کی آنکھیں بہت شفاف تھیں جوان کے صاف دل کی گواہی دے رہی تھیں۔

ان کا میرے پاس آ کر بیٹھنا مجھے اچھا نہیں لگا اور میں اس وقت کسی لیکچر کے موڈ میں نہیں تھا۔

بڑے پیار سے بولے! برخودار...... تسبیح کو چوم کر انہوں نے اپنی قمیض کی جیب میں ڈال دیا اور میرے ہاتھ کے اوپر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے!......

''زندگی! بہت عجیب چیز ہے۔ اس میں تاریکی بھی ہے، روشنی بھی۔ نشیب و فراز، ظلمت، نور آتے رہتے ہیں۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بیٹا کبھی یہ مت سوچنا کہ اللہ کبھی اپنے بندے سے ناراض ہوگا اور اپنی ناراضگی میں وہ اسے تنہا چھوڑ دے گا...... یہ کام تو ہم کم ظرف

انسانوں کے ہیں، جب بھی مشکل وقت آتے ہے، تب یا تو مطلبی بن کر اس ذات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور یا پھر ہم اس کی ذات سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ہم یہ سوچتے ہیں کہ ہم عبادت اللہ کے لیے کر رہے ہیں، نہیں ہم عبادت اپنے لیے کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کو ہماری یا ہماری عبادت کی ضرورت نہیں۔حقیقت میں ہمیں اس کی ضرورت ہے"......

اللہ کے کرم کی انتہا تو دیکھو کہ اس نے تمہارے پیدا ہونے سے پہلے ہی تم پر احسان کرنا شروع کر دیا کہ اس نے تمہیں مسلمانوں کے گھر میں پیدا کیا اور پھر بھی تم یہ سوچتے رہے کہ تمہاری غفلت سے اللہ تم سے ناراض ہوگا، نہیں بیٹا۔ اللہ ہم سب سے بہت پیار کرتا ہے۔اس پیار محبت کی وجہ سے وہ ہم سے ناراض تو نہیں، ہاں ہماری غفلت اور کوتاہی یا نافرمانی کی وجہ سے ہم سے خفا ضرور ہو جاتا ہے۔ناراضگی کو مٹانا شاید ممکن ہی نہیں، ہاں خفا کی حد وہاں لاگو ہوتی ہے جہاں خفا ہونے والا یہ چاہتا ہو کہ مجھے جب منائے گا تو میں مان جاؤں گا، جیسے ہم اپنے اللہ پر حق رکھ کر اس سے گلا، شکایت اور خفگی ظاہر کرتے ہیں......اس لیے کہ ہمیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ وہ ہی ہے جو ہمارے راستے میں روشنی پھیلانے والا ہے۔

اللہ کو زبردستی یا جبراً اپنا بندہ اپنے آگے جھکانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی معجزۃً بلکہ یہ تو اختیار اس نے اپنے بندے ہی کو دے دیا۔ کہ جو چاہے مجھے مانے میرے آگے خوشی سے صاف دلی سے اور بھیگی آنکھوں سے اور انسان کی محبت کی انتہا کہ جب وہ یہ احساس اپنے اندر پیدا کرے کہ صرف اللہ ہی ہے جس کے آگے مجھے جھکنا ہے تو وہ اپنے جسم کا سب سے افضل حصہ۔اپنی پیشانی زمین پر دکھ چھوڑتا ہے، کہ اے میرے رب میں تیرا عاجز ترین بندہ ہوں......اور جانتے ہو بیٹے۔ جب اس صاف اور پاکیزہ جذبے کے ساتھ جب اللہ اپنے بندے کی آنکھوں میں آنسو دیکھتا ہے تو اسے اس پر اس قدر پیار آتا کہ وہ اپنے بندے کی تمام کوتاہیاں اور گناہ......بخش دیتا ہے۔

اور یہ جھکنا تمہارے اختیار میں ہوتے ہوئے بھی تمہارے اختیار سے باہر ہیں۔ یہ آنسو تمہارے اختیار میں نہیں اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں۔ یہ بھی ہمارے ربّ کی توفیق ہے تو اس کو ہمیشہ اپنے ذہین میں اپنے دل میں رکھ لو کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو تمہارے دل میں کبھی احساسِ شرمندگی، احساسِ گناہ کو پیدا نہیں کرتا وہ کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی وجہ سے تم سے محبت کرتا ہے۔ تب ہی اس نے تمہارے اندر احساس پیدا کیا۔اللہ کی توفیق نہ ہوتی تو تم یہاں نہ ہوتے اور اللہ کی توفیق نہ ہوتی تو میں تمہیں یہ بتا بھی نہیں رہا ہوتا اور احساس وہیں ہوتا ہے جہاں محبت ہوتی

ہے اور محبت وہیں ہوتی ہے جہاں طلب ہوتی ہے۔خدا وہیں ہوتا ہے جہاں محبت ہوتی ہے اور محبت وہیں ہوتی ہے جہاں خدا ہوتا ہے۔

خدا اور محبت ایک ہی تصور کے دو الگ الگ نام ہیں اور جو لوگ خدا کو الگ اور محبت کو الگ سمجھتے ہیں۔وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہوتے ہیں......خدا کی محبت نے اس دنیا کو جس ہستی ﷺ کے لیے بنایا ہم جانتے ہیں اور اس ہستی ﷺ نے دنیا میں آکر خدا سے محبت کا کیا عملی نمونہ پیش کیا، یہ سب ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے تو بیٹے ہم سب کس کی امت ہیں؟ جس کو اللہ سے زیادہ محبت کوئی نہ کرتا ہوگا اور جس نے اللہ سے زیادہ کسی سے محبت نہ ہوگی......اس محبت کے باوجود اس نے اپنے لیے کبھی کچھ طلب نہیں کیا...... جب بھی مانگا اپنی امت کے لیے مانگا ہم جیسے گنہگاروں کے لیے مانگا......

تو جس سے خدا محبت کرتا ہے۔اسے اس کی کہی ہوئی بات خدا کیا نہیں مانے گا......
اسی دعا کا اثر ہے کہ خدا ہم سے محبت کرتا ہے تو تم دل میں یہ گمان لیے بیٹھے ہو کہ خدا تم سے ناراض ہوگا۔نہیں خدا کو اپنی ناراضگی سے زیادہ اپنی محبت کی پروا ہے اور اس کی محبت کی ابتدا ہے کہ اس کا بندہ جب بھی اس کے آگے ایک آنسو بہا کر جھکے تو وہ اسے بخش دیتا ہے۔اب محبت کی انتہا کیا ہوگی یہ نہ تم سوچ سکتے ہو اور نہ میں۔

بچے۔تم اس دنیا میں انسان بن کر آئے ہو......اور ایمان رکھو کہ اللہ نے تمہیں مسلمان انسان بنا کر بھیجا ہے تو بہتری کے لیے ہی بھیجا ہے اور ہاں ہمارا ظرف اعلیٰ نہیں تو ہم گرتے رہتے ہیں اور یہ گرنا، اٹھنا، پھر پھسلنا، پھر سنبھلنا یہ انسان کا ہی تو کام ہے۔ ہاں اگر کر سنبھلنے کی توفیق ہمیں اللہ دیتا ہے اور بار بار دیتا ہے۔بس اس توفیق پر شکر گزار بنے رہو......

اپنی محبت کا یقین خود کو دلاتے رہو، جس سے محبت کرتے ہو اس کو بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کا اندازِ محبت ہی آپ کا بیانِ محبت بھی ہے جس سے سچی محبت کرتے ہو اسے پتہ چل جاتا ہے...... سچی محبت کی اپنی کشش ہوتی ہے بچے......وہ رائیگاں نہیں جاتی کیونکہ محبت خدا کی صفت ہے۔ جب خدا کے بندے سے کرو گے تو بھی عیاں ہوگی اور جب خدا کی ذات سے کرو گے تو کیا چھپی رہ سکتی ہے؟ ......اور دونوں صورتوں میں اجر خدا کی طرف سے ملے گا۔ چاہے خدا سے کرو تو بھی خدا خوش اور اگر اس کے بندے سے کرو تو بھی خدا خوش......، مگر سچائی کے ساتھ، صاف دِل، نیک نیت ہو کر......اور رونے سے من دھل جاتا ہے، غبار ہٹ جاتا ہے، دِل کا میل۔ شیطانی وسوسے سب ختم اور وہ بھی جب تم اس کی ذات کے آگے رو گے تو...... جب

بچہ اپنی ماں کے آگے روئے تو ماں اس کے آنسو پل بھر میں پونچھ کر اس کی خواہش کو پورا کرتی ہے تو اس کی ذات تو 70 ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتی ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمہارے رونے کے بعد وہ تمہارے دُکھ کا مداوا نہ کرے گا، ضرور کرے گا۔ بس اپنی دُعا میں اپنے یقین کو پختہ کر لو......اللہ تمہارے ساتھ کچھ بُرا نہیں کرے گا۔

اس کی ذات صرف اچھا کرتی ہے۔ ہماری زندگی میں بُرائی ہماری اپنی وجہ سے ہے...... یہ کہہ کر انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور اُٹھ کر چلے گئے، جب وہ میرے قریب آ کر بیٹھے تھے تو اس وقت مجھے بہت اُلجھن ہوئی کہ یہ میرے اور میرے اللہ کے درمیان مخل ہو رہے ہیں مگر جیسے ہی انہوں نے بولنا شروع کیا تو مجھے احساس ہوا کہ جیسے میرے رب نے ہی میرے سوالوں کے جواب میرے اَن کہے سوالوں کے جواب مجھے اس بزرگ کی زبان میں مل گئے۔ یہ انہوں نے جتنی باتیں کی...... وہ تمام کی تمام میری اَن کہی ہی تو تھیں اور جب میں نے اپنے چہرے کو چھوا تو میرے چہرے کو میرے آنسوؤں نے کس وقت بھگو دیا، مجھے اندازہ ہی نہ ہوسکا۔ ان کے جانے کے بعد واقعی مجھے ایسا لگا جیسے میرا دِل صاف ہو چکا ہے۔ میرا من دُھل چکا ہے۔ مَیں خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا...... کیا یہ معجزہ تھا؟ وہ کون تھے؟ جو میرے پوچھے بنا ہی میرے دِل کا تمام حال سنا گئے، اگر اللہ کے ایک صاف دِل بندے سے میرا حال پوشیدہ نہیں تو اللہ مجھے کتنا جانتا ہے اور کہاں تک جانتا ہے۔ یہ واقعی میری سمجھ سے باہر ہے۔ اس لمحے میرے اندر واقعی ایک یقین اور ایک حوصلے کی کیفیت آ گئی تھی۔ خدا اور محبت کا تصور جو ازل سے ابد تک ایک ہی ہے، جیسے کبھی بھی نہیں بدلا جا سکتا...... اور نہ ہی میں خود کو دھوکا دے سکتا۔ خدا نے محبت بنائی ہے۔ خدا نے اپنے بندے ﷺ سے محبت کی ہے اور خدا کے بندے ﷺ نے خدا سے...... تو پھر ہم لوگ محبت کو رد کرنے والے، اسے ہرانے والے کون ہوتے ہیں۔ محبت تو ہمیشہ سے فاتح تھی اور ابد تک فاتح ہی رہے گی۔

☆

ہسپتال کی اس چھوٹی سی مسجد میں، مَیں نے ڈھائی گھنٹے گزار لیے۔ مجھے اپنا آپ ہلکا لگ رہا تھا۔ میں اسی تیاری میں تھا کہ ابا جان کے کمرے میں جا کر ان سے معافی مانگوں گا، یہ سوچے بغیر کے غلطی کس کی تھی اور زیادتی کس نے کی۔ بس مجھے یہ یاد تھا کہ میں اپنے ابا سے بہت محبت کرتا ہوں اور اب ان کو کسی قسم کا کوئی گلا نہیں دوں گا۔ وہ دھکے دے کر مجھے خود سے دور کریں تو بھی میں نہیں جاؤں گا۔ وہ میرے والد ہیں اور کسی چیز پر میرا حق ہے یا نہیں، مجھے نہیں

معلوم مگر میرے والد کی حیثیت سے میرا ان پر حق ہے۔ان کی خدمت کرنا میرا حق ہے اور یہ حق وہ مجھ سے نہیں چھین سکتے...... یہ ہی سوچتے ہی میرے قدموں کی رفتار جتنی تیز ہوگئی تھی، ان کا کمرہ میرے قدموں سے شاید اُتنا ہی دور ہو چکا تھا......ان کے کمرے کے دروازے کے قریب جا کر میں ایک پل کے لیے رُکا......اور بنا کچھ سوچے کمرے کا دروازہ کھولا۔دروازہ کھولنے کے بعد مجھے پھر ایک جھٹکا لگے گا۔اس جھٹکے کے لیے میں تیار نہیں تھا۔

ایک معجزہ مسجد میں اور ایک معجزہ کمرے میں ہم جیسے انسانوں کے ساتھ ایسے واقعات معجزات سے کم نہیں ہوتے بیٹا جان!

آپ کے دادا کے پاس رخسانہ بیگم بیٹھی تھیں اور منیر ابا جان کے پاس بستر پر بیٹھا خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا، جبکہ دانش ان کے قریب کھڑا مُسکرا رہا تھا۔دروازہ کھلتے ہی منیر میری طرف بھاگا۔ابا کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی۔وہ کسی بات پر مُسکرا رہے تھے۔منیر آکر میری ٹانگوں کے ساتھ لپٹ گیا اور بڑی تیزی سے بولا۔ابو دیکھیں یہ میرے دادا ابو ہیں......

میں سکتے کی حالت میں کھڑا رہا، رخسانہ نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑی ہوگئی جیسے اس نے میرے لیے جگہ چھوڑی ہو۔دانش نے ایک فاتح کی طرح مجھے دیکھ کر اپنے سینے پر ہاتھ باندھ لیے اور مُسکرانے لگا، جو کچھ میرے دل میں تھا یا دماغ میں، سب دُھل گیا۔

میں حیرت سے سب کو دیکھتا رہا، قدم رُک گئے تھے یا وقت تھم چکا تھا، میں نہیں جانتا تھا، مگر جو بھی تھا، میرے لیے حیران کن تھا۔میں نے اپنے ابا کے چہرے پر چار سال بعد مسکراہٹ دیکھی جو میرے لیے کائنات کا سب سے قیمتی خزانہ تھی۔اس تمام صورتِ حال پر میں پریشان بھی تھا اور خوش بھی، مگر میرے چہرے پر کیا تاثرات تھے۔ایک ہارے ہوئے انسان کے چہرے پر کیا تاثرات ہوں گے جس نے اپنی زندگی میں جس انسان سے سب سے زیادہ محبت کی، اس سے اسی کی وجہ سے دور ہو کر آگ میں جلتا رہا اور اب ایک بار پھر اپنے آپ کو ہی کوستا رہا کہ میں پہلے کہاں تھا۔میرے اندر میری ''انا'' میری ضد کب بنی اور ضد آگ......

میرے لیے ہزاروں سوال آکر کھڑے ہو گئے۔

ابھی انہیں خیالوں سے اُلجھ رہا تھا کہ دانش کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔بھائی صاحب، آگے آئیں۔یہ آپ کی ہی Family ہے جسے آپ اتنی دیر سے گھور رہے ہیں۔رخسانہ بیگم نے آنکھوں میں نمی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ سے میری طرف دیکھا۔اس کے چہرے کی یہ کھلی مُسکراہٹ مجھے آج واقعی کسی نئے انداز کی لگ رہی تھی۔میں آگے بڑھا، رخسانہ نے منیر کو اپنی

طرف کرلیا۔ میں اس وقت کیا کرتا...... کہ ایک بار پھر ابا کی آواز مجھے شفاف جھرنے کی طرح سنائی دی۔ اب آنکھیں پھاڑے دیکھتے ہی رہو گے یا آ کر میرے گلے بھی لگو گے......ابا کے یہ الفاظ مجھے مقناطین کی طرح کھینچ کر اپنے پاس لے گئے۔ ابا لیٹے ہوئے تھے۔ میں جس وقت مسجد سے باہر نکلا تھا تو مجھے یہ یقین تھا کہ اب میں اور نہیں روں گا، مجھے جتنا رونا تھا میں نے رو لیا، مگر نہیں ابھی کہاں۔ ابا کے سینے پر سَر رکھے میں بچوں کی طرح گڑگڑانے لگا۔

جانتے ہو بیٹا جب میں نے ابا کے سینے پر سَر رکھا تو مجھے لگا کہ مجھے کسی نے اپنے اندر چھپا لیا ہو اور اس وقت اب مجھے دُنیا کی کوئی طاقت میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ اس لمحے مجھے کسی چیز کا کوئی ڈر، کوئی خوف نہیں رہا تھا۔ سنا تھا کہ والدین کی آغوش اولاد کے لیے سب سے زیادہ محفوظ جگہ ہوتی ہے۔ صحیح کہتے ہیں، میں اس وقت اپنی سب سے زیادہ محبوب ہستی کے پاس تھا۔ میں ان سے سوائے معافی کے اور کچھ نہ کہہ سکا کہ ابا مجھے معاف کر دیں۔ میری غلطی تھی۔ میں نے آپ کے ساتھ جو بھی کیا، وہ غلط کیا۔ مجھے خود سے دور مت کریں، اب Please۔ میں آپ سے دور نہیں جانا چاہتا۔ مجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دیں مگر خود سے دور رہنے کی سزا مت دیجئے گا۔ ابا مجھے معاف کر دیں...... مجھے اس وقت اس بات کا احساس بھی نہیں رہا کہ میں ایک بیٹے کا باپ ہوں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ اولاد چاہے جتنی بڑی ہو جائے، والدین کے لیے ہمیشہ بچے ہی رہتے ہیں...... میں بھی اس وقت تین سال کے بچے کی ہی طرح تو ضد کر رہا تھا۔

ابا میں بھی اس وقت اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ مجھے خود سے الگ کرتے۔ ان کی سانسوں سے مجھے لگ رہا تھا کہ وہ بھی رو رہے ہیں...... شاید انہوں نے دانش کو اشارہ کیا ہوگا کہ وہ مجھے اُٹھائے۔ دانش نے مجھے کندھوں سے پکڑ کر ابا سے پیچھے کیا۔ میں ابا کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ دانش بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکا، کیونکہ مجھ میں اور ابا میں ایک دانش ہی ایسا شخص تھا جس نے ہم دونوں کو اپنی اپنی جگہ، اپنے اپنے کرب، اپنی آگ اور اپنی اَنا سے لڑتے اور سلگتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں نے ابا کے سینے سے سَر اُٹھایا تو انہوں نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بڑے پیار سے میرے ماتھے کو چوما۔

انہوں نے میرا ماتھا چوما تو میری روح تک جو آگ لگی تھی، ایک دم ٹھنڈی ہوگئی۔ کمزور آواز میں بولے بیٹا تم نادان نہیں تھے اور نہ میں۔

تم نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔ بس میرا وقت برا تھا اور میرے بُرے وقت نے اپنی آگ میں ہم سب کو لپیٹ لیا۔ نہ تمہارا قصور تھا اور نہ اس معصوم بچی کا...... مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟ مگر اتنی

بھی کیا مولا کی مہربانی کم ہے کہ میں اپنے جانے سے پہلے اپنی غلطی پر پچھتا رہا ہوں۔تھوڑے وقت کے لیے ہی سہی مگر میری اولاد میری پاس ہے اور جو لوگ میرے پاس نہیں، مجھے چھوڑ کر چلے گئے،ان سے میں معافی مانگ چکا ہوں۔اب ان کے پاس جا کر ہی معافی مانگوں گا......

نہیں ابا۔اب آپ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ہم سب کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔اب ایسی باتیں مت کریں۔Please ابا۔دانش نے آگے ہو کر ابا کے ماتھے پر سے پسینہ صاف کیا تو ابا مُسکرائے۔اچھا......ابھی تو مجھ سے مت الجھو۔

اتنی دیر میں ڈاکٹر اندر آیا اور ابا کو انجیکشن لگا دیا اور ہم سب سے کہا کہ اب ابا تھوڑی دیر میں سو جائیں گے۔ان کو سونے دیں۔میں ابا کے پاس ہی بیٹھا رہا، دانش اور رخسانہ بیگم تھوڑی دیر کے لیے باہر چلے گئے تھے۔دو دن ہم لوگوں کے ایسے ہی گزرے۔ابا کچھ بہتر ہوئے،مگر ڈاکٹروں نے گھر جانے سے منع کر رکھا تھا......رخسانہ گھر سے ہی ابا کا کھانا بنا کر لے آیا کرتی تھی اور ہم تینوں کا زیادہ وقت ہسپتال میں گزرا کرتا تھا۔اب جب جاگتے تو ہم منیر کو ان کے پاس لے آیا کرتے تھے اور وہ کافی دیر ان سے باتیں کرتا۔ان کو اپنے کھلونے دیکھایا کرتا اور ابا اس کے ساتھ مُسکراتے رہتے تھے......

رخسانہ نے پہلے دن ہی مجھے ہسپتال کی لوبی میں بلا کر صرف اتنا کہا کہ اب آپ ابا جان کے سامنے نہیں روئیں گے اور نہ ہی ان سے ماضی کے متعلق کوئی بھی بات کریں گے۔میں جانتی ہوں،کافی کچھ کہنا ہے آپ کو۔انہیں بھی کہنا ہوگا مگر جب وہ انشاءاللہ ٹھیک ہو جائیں گے، گھر چلیں جائیں گے تو پھر کر لیجیۓ گا،مگر ابھی نہیں Please......میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں ماضی کے متعلق ابا سے کسی بات کا کوئی ذکر نہیں چھیڑوں گا اور میں اور دانش ابا کے پاس ہی تھے۔بس تھوڑی دیر کے لیے گھر کپڑے بدلنے کے لیے دانش جایا کرتا تھا، مجھے تو کوئی ہوش نہیں تھا۔کافی مرتبہ دانش اور رخسانہ نے کہا کہ میں بھی گھر سے Fresh ہو آؤں،مگر میں صاف انکار کر دیا کرتا۔رخسانہ میرے کپڑے وہیں لے آتی اور میں ہسپتال ہی میں نہا کر Change کر لیا کرتا تھا،مگر ابا کو چھوڑ کر نہیں جاتا تھا۔ایسے لگتا تھا کہ کہیں بھی جاؤں گا تو ایسا نہ ہو کہ ابا کو پھر کھو دوں۔

ابھی تقریباً چھے دِن گزرے تھے۔دوپہر کے 2 بجے رہے تھے۔دانش کے ساتھ راشد صاحب جو ابا کے پُرانے وکیل تھے اور ہماری تمام پراپرٹی کے کاغذات، معاملات انہیں کے سپرد تھے۔وکیل صاحب ملے۔اس دن ابا کچھ بہتر تھے۔صبح ناشتہ بھی کیا تھا۔ڈاکٹر بھی

مطمئن تھے کہ ہم 2 چار دن تک ان کو گھر لے جائیں گے۔ وکیل صاحب کو آئے کچھ وقت گزرا تو انہوں نے ابا سے کہا کہ حضور یہ کاغذات میں نے تیار کر دیئے ہیں، جس طرح آپ کا حکم تھا...... میں نے حیرت سے ابا کی طرف دیکھا۔ ابا نے اسے کہا، کچھ دیر ٹھہریں، میری بہو اور پوتا بھی آتے ہوں گے۔ ان کے سامنے ہی بات کروں گا۔ رخسانہ بیگم تین بجے تک ہسپتال آیا کرتی تھی۔ میں بھی خاموش تھا اور دانش بھی۔ شاید اپنی جگہ ہم جانتے تھے کہ ابا کیا کرنا چاہتے ہیں مگر ابا کے فیصلے آخری وقت پر کس طرف مڑ جائیں، اس کا اندازہ ہم میں سے کسی کو نہ تھا۔

آپ کی تائی ماں تقریباً دس منٹ تک آ گئی۔ راشد صاحب نے ابا کی وصیت پڑھ کر سنانی شروع کی...... جس میں ہمارے گاؤں کی زمین...... شہر کی جائیداد اور مری میں کچھ رقبہ زمین کا تھا۔ ابا نے وہ سب ہم دونوں بھائیوں میں برابر کا تقسیم کر دیا...... ہم دونوں خاموش رہے۔ مجھے یہ سب باتیں اس وقت زہر لگ رہی تھی اور میں نے بیچ میں ایک دو بار ٹوکا بھی کہ اس سب کی کیا ضرورت ہے۔ Please وکیل صاحب اب کی طبیعت آج کچھ بہتر ہوئی ہے اور آج ہی آپ یہ سب لے آئیں ہیں۔ یہ حساب کتاب بعد میں ہوتے رہیں گے، ابھی رہنے دیں تو ابا نے مجھے منع کر دیا۔ نہیں بیٹے یہ کام بعد میں نہیں ہوگا۔ یہ کام آج ہی ہوگا۔ بعد کے بہت سے کام ہیں جو تم لوگ کرتے رہنا۔ مجھے میرے کام سے فارغ ہونے دو۔ ابا کا انداز معنی خیز تھا...... جسے میں نظر انداز ہی کر گیا۔ میں سمجھنا چاہتا بھی نہیں تھا۔ ابا نے رخسانہ بیگم کو اپنے پاس بلایا اور ساتھ ہی وکیل صاحب سے کہا کہ وہ ڈبے مجھے دے دیجئے۔ وکیل صاحب نے اپنے بیگ میں سے دو نہایت خوب صورت بڑے ڈبے نکال کر دیئے۔ ابا بستر پر بیٹھ گئے اور ایک سنہری رنگ کا ڈبہ تھا، اس پر مخمل لگی تھی۔ اسے کھولا تو اندر زیورات تھے۔ رخسانہ بیگم کے ہاتھ میں اس ڈبے کو تھما دیا کہ یہ تمہارے لیے بنوایا تھا...... تمہاری آنٹی (اللہ بخشے) نے بڑے شوق سے...... پَر سب کچھ میرے بُرے وقت...... رخسانہ بیگم نے آگے بڑھ کر ابا کو ٹوک دیا اور ڈبے کو آرام سے بند کر کے اپنی طرف کر لیا۔ نہیں ابا جان ہم سب آپ کے تھے، آپ کے ہی ہیں اور یہ سب جو آپ نے ہمارے لیے بنوایا، بہت اچھا اور خوب صورت ہے۔ اب ایسا کچھ مت سوچیں بس...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے ڈبہ اُٹھا کر Bed کے سائیڈ Table پر رکھ لیا کہ کہیں ابا کو اس کی کسی بات سے ناراضگی کا احساس نہ ہو، پھر انہوں نے دوسرا ڈبہ بالکل اسی جیسا...... یہ ڈبہ ہے، اس میں دانش کی دُلہن کے لیے زیورات ہیں۔ یہ تمہارے پاس امانت ہے۔ اس وقت اسے دے دینا۔ ابا نے وہ ڈبہ بھی رخسانہ کے حوالے کر دیا...... رخسانہ نے ڈبہ لے کر کہا، آپ جیسا کہیں گے

ویسا ہی ہوگا اور یہ زیور آپ اس وقت مجھے دیں گے انشاء اللّٰہ۔اس نے مُسکراہٹ سے ابا کو حوصلہ دلایا۔

ابا نے دانش کو بلایا کہ دراز میں سے ان کی گھڑی نکال دے۔ابا نے گھڑی اپنے ہاتھ میں لی، اسے دیکھا اور پھر دانش کے ہاتھ میں دے دی۔ دانش میری جتنی بھی گھڑیاں ہیں، ان کو کوئی نہیں پہنے گا، ان کو بس پڑا رہنے دینا، مگر ان میں سے کوئی گھڑی تم دونوں بھائی یا تمہاری اولاد نہیں پہنے گی۔

میں نہیں چاہتا جس بُرے وقت میں سے مَیں گزرا ہوں اور میرے اپنے بھی اس میں جلتے رہے، اس آگ کے نزدیک بھی میرے خاندان کا کوئی فرد کبھی نہ جائے۔ بس اس تمام گھڑیوں کے، وقت روک کر رکھ دینا...... دانش خاموش رہا۔

''ابا نے دانش کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بولے، اگر میں تمہاری کوئی چیز تمہارے پوچھے بنا تمہارے بھائی کو دے دوں تو کیا تم مجھ سے خفا ہوگے۔'' دانش کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور رھندی آواز میں بولا۔''ابا جان سب کچھ آپ کا ہے۔ہم دونوں بھائی بھی اور باقی سب کچھ بھی، آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔آپ جو چاہیں جس مرضی کو دے دیں۔ابا میں آپ سے خفا ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ بھیا: ابا کیسی باتیں کررہے ہیں''، وہ چھوٹا تھا، جذباتی ہورہا تھا، میں نے ابا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے کے علاوہ اور کچھ بھی نہ کرسکا۔''وکیل صاحب سے ایک لفافہ لے کر ابا نے میرے ہاتھ میں تھما دیا اور بولے یہ تمہارا ہی تھا اور اسے اور دانش کو میں تمہارے حوالے کررہا ہوں۔ ان دونوں کا بہت خیال رکھنا...... ان دونوں کو کبھی یہ احساس نہ ہو کہ مَیں اس دُنیا میں نہیں رہا۔'' میں نے وہ لفافہ کھول کر دیکھا تو اس میں حویلی کے کاغذات تھے۔ ابا نے وہ حویلی مجھے دی تھی۔''تمہارا بچپن، میری تمام زندگی اور دانش کی تمام زندگی کی تمام یادیں تمہارے حوالے کررہا ہوں...... مجھے اُمید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کروگے اور رخسانہ بیٹی دانش کی دُلہن کو اپنی حویلی میں ہی لے کر جانا...... میں چاہتا ہوں کہ میرے بچے، ان کے بچے، ان کے بچوں کے بچے، سب اس گھر کی خوشی کو محسوس کریں...... جو کبھی میں کیا کرتا تھا اور جس چہل پہل کو میں دیکھنا چاہتا تھا مگر...نہیں دیکھ سکا...... اسے تم سب دیکھو، اسے محسوس کرو''...... ''انشاءاللّٰہ ابا جان ہم سب ضرور وہاں جائیں گے اور آپ بھی ساتھ ہوں گے۔ آپ کیوں ہمت ہار رہیں ہیں، کچھ نہیں ہوگا آپ کو۔ دو چار روز تک ہم سب اپنے گھر جائیں گے۔آپ کو بھی ہسپتال والے فارغ کررہے ہیں۔رخسانہ نے ان الفاظ کے ساتھ حیرت سے

میری طرف دیکھا...... میں نے وہ لفافہ ابا کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ ''ابا جان! یہ حویلی، اس کا ایک ایک ذرہ، آپ کے پیار سے بنا ہے، ہم بھی۔ ہم دونوں بھائی ہمیشہ اکٹھے رہیں گے۔ میں دانش کا ہاتھ تھام کر ابا کے سامنے لایا۔ دانش پر اور اس گھر پر میری زندگی میں کبھی کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ آپ مطمئن رہیں...... یہ میرا آپ سے وعدہ ہے، مگر ابا Please آپ اب اس طرح کی کوئی بات مزید نہ کریں۔ Please ابا، میرے حال پر ترس کھائیں'' ...... میری آنکھیں بھی نم ہو گئیں مگر وکیل صاحب کے سامنے میں نے خود پر قابو رکھا۔ وکیل صاحب کے جانے کے بعد ابا منیر سے گپ شپ کرنے لگے۔ رخسانہ، میں اور دانش تینوں خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سن رہے تھے مگر اپنی جگہ تینوں بے حد پریشان تھے...... ''اچانک ابا نے کہا کہ مجھے غسل کرنا ہے...... جمال...... مجھے نہا کر نماز پڑھنی ہے۔'' میں نے دانش کی طرف دیکھا۔ ابا Bed سے نیچے اُترنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں ایک دم سے اُٹھا۔ ہم نے یہی سوچا کہ آج ان کی طبیعت بہتر ہے، اس لیے۔ مگر جانے کیوں میرے دِل میں ایک ڈر، ایک کپکپی طاری تھی۔ ابا نے غسل کیا اور عشاء کی نماز پڑھی۔ رات نو بجے ہوں گے جب رخسانہ بیگم گھر جایا کرتی تھی، کیونکہ منیر کو رات ہسپتال میں رکھنا مناسب نہیں تھا، مگر ابا نے اس رات اسے منع کر دیا اور کہا کہ نہیں ''بہو آج تم اور منیر دونوں میرے پاس ہی ٹھہر جاؤ۔ صبح چلے جانا'' ...... رات تقریباً 12 بجے تک ابا ہم سب سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔

باتیں کرتے کرتے ابا نے کہا کہ اب میں تھک گیا ہوں، سونا چاہتا ہوں...... ''تم لوگ یہیں رہنا میرے پاس''۔ منیر سو چکا تھا۔ اسے ہم نے صوفے پر لیٹا دیا تھا۔ ''انہوں نے مجھے کہا کہ منیر کو میرے پاس لاؤ۔'' میں سوئے ہوئے منیر کو اُٹھا کر ان کے قریب لے گیا۔ انہوں نے اسے چوما اور خود آرام سے لیٹ گئے۔ لیٹتے ہوئے میری طرف دیکھا اور آرام سے بولے۔ ''جمال تم اب کبھی نہیں رو گے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مضبوط ہو...... اور تمہاری مضبوطی تمہارے بھائی کی طاقت بنے گی۔ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھنا چاہتا۔ کبھی بھی...... میں مُسکرا دیا۔'' انشاء اللہ ابا۔ آپ کی دُعا ہوگی تو کبھی نہیں روؤں گا۔'' میری دُعا تم تینوں کے ساتھ ہے ہمیشہ...... یہ کہہ کر، انہوں نے آنکھیں بند کر دیں۔

دانش ہسپتال کی کنٹین سے چائے لینے چلا گیا۔ میں اور رخسانہ بیگم صوفے پر بیٹھ گئے اور کمرے کی بڑی لائیٹ آف کر دی اور ہلکی روشنی جلا دی۔ تھوڑی دیر بعد دانش چائے لے آیا اور ہم تینوں نے چائے پی، چائے پی کر، کچھ بہتر لگا۔ دانش سامنے کی کرسی کو ہمارے نزدیک کر کے

بیٹھ گیا۔ رخسانہ بیگم نے دھیرے سے کہا کہ صبح ڈاکٹر سے بات کریں اور ہم ابا کو گھر لے جاتے ہیں۔ ہسپتال کا ماحول بھی ایسا ہے، یہاں وہ پریشان بھی ہیں، تنگ ہو رہے ہیں۔ اب تو وہ بہتر ہیں کافی۔ دانش نے اثبات میں رائے دی کہ جی ہاں بھابھی جان۔ ہم صبح ایسا ہی کریں گے۔ میں نے صوفے کی پشت کے ساتھ اپنا سَر ٹکا کر آنکھیں بند کر دیں۔ دانش بھی اور رخسانہ بیگم بھی ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

میں شاید اونگھ میں تھا کہ مجھے ابا کی آواز آئی، ''جمال، جمال۔ جی ابا جی۔'' یہ کہتے ہوئے میں ایک دم ہڑبڑا کر اُٹھا۔ میری آواز سے رخسانہ اور دانش بھی شاید ڈر گئے۔ ''کیا ہوا بھیاء ''ابا'' جان۔'' میرے ماتھے پر پسینہ دیکھ کر دانش نے ابا کو دیکھا۔ ''وہ سو رہے ہیں بھیاء''۔ دانش نے مجھے تسلی دی...... میں ایک دم بھاگ کر ابا کے پاس گیا۔ ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھا، ماتھا ایک دم ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ ہاتھ بھی برف بن چکے تھے مگر ابا کے چہرے پر جو سکون تھا، وہ اطمینان کی نیند کا ہی تھا۔

دانش نے مجھے اس طرح دیکھا تو میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''No بھیاء۔ Not Know۔'' باہر کی طرف بھاگا، ''میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔'' تھوڑی دیر میں ڈاکٹر اور نرس کمرے میں آ چکے تھے...... اور اس بات کی تصدیق بھی کر چکے تھے کہ ابا جان ہم سب کو چھوڑ کر جا چکے ہیں...... فجر کی اذان اور جمعے کا دن شروع ہو چکا تھا...... میں نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اسے اپنے سَر پر باندھ لیا......

رخسانہ بیگم، منیر...... اور دانش...... دانش...... صوفے پر دیکھا منیر سو رہا تھا۔ رخسانہ بیگم ڈوپٹے کے پلو میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ وہ اس عذاب سے پہلے بھی دو بار گزر چکی تھی اور دانش؟...... مجھے تو ابا نے رونے سے منع کر دیا تھا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ دانش کو ان کے بعد اگر کوئی چپ کرا پاتا تھا تو وہ مَیں ہی تھا۔ جب وہ رونے پر یا ضد پر آتا تھا تو امی کی بھی نہیں سنتا تھا اور بعض دفعہ تو اس کی ضد کے آگے ابا بھی ہار مان لیا کرتے تھے۔ دانش نے ابا کے سینے پر سر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر اس کے رونے کی آواز آئی اور روتے روتے وہ زمین پر گر گیا۔ رخسانہ بیگم اسے پانی پلانے لگی۔ اس کے منہ پر چھینٹے مارے۔ وہ ہوش میں آ گیا، تھوڑی دیر بعد، مگر اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں اس وقت ایک نہیں دو بیٹوں کا باپ ہوں۔

یہ قدرت کی کیا آزمائش تھی؟ کیسی آزمائش تھی؟ میں کیا کروں گا؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس لمحے مجھے میرا اپنا آپ ہی چھوڑ گیا تھا۔ میں ساری دُنیا میں کہاں تھا؟ خود اپنی ذات

اپنی ہی نظر میں اجنبی ہو چکا تھا۔ زندگی کے کسی موڑ پر کون سا امتحان ہمارے سامنے کھڑا ہے، ہمیں اس کا بالکل اندازہ نہیں۔ مجھے زندگی نے ایک بار پھر تنہا کر دیا، بالکل تنہا..... مگر اس وقت میری آنکھوں کے آگے میرے ابا کا چہرہ تھا..... کیا کروں گا۔ ابا مجھے اپنا بنا کر پھر تنہا کر چکے تھے۔ اکیلا چھوڑ چکے تھے۔ اس لمحے مجھے یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ میں ایک بیٹا ہوں، یا ایک بھائی،؟ کس رشتے کو نبھاؤں۔ ابا نے بڑی آسانی سے بہت مشکل سوال میرے سامنے رکھ دیا تھا..... اپنی چیخوں کو روکنا آسان نہیں..... کبھی بھی کسی بھی دور میں اور کسی بھی انسان کے لیے یہ کام آسان نہیں ہوتا۔ میں اس لمحے بالکل تنہا تھا۔ مجھے احساس اس وقت ہوا جب رخسانہ بیگم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ ہمت کریں، ابھی آپ نے بہت کام کرنے ہیں..... میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ ہسپتال کی ضروری Formalities پوری کرنے کے بعد ایمبولینس میں جب ابا کی میت کو رکھا تو دانش نے کہا، بھیا میں نے گاؤں اطلاع کر دی تھی۔ ہم اب سیدھے گاؤں ہی جائیں گے، یہاں حویلی نہیں جائیں گے..... میں نے اس کی طرف دیکھا۔ نہیں دانش میت حویلی لے کر جائیں گے وہاں پر سب لوگ ابا کو مل لیں۔ ابا نے اس گھر میں زندگی گزاری ہے۔ اس کا بھی تو حق ہے نا، وہاں تھوڑی دیر رُکیں گے، پھر گاؤں جائیں گے۔ دانش نے میری طرف دیکھا اور اثبات میں سَر ہلا دیا۔

ہم وہاں سے ابا کو حویلی لے کر آئے۔ محلے میں خبر پہنچ چکی تھی اور وہ پورا علاقہ، جانتی ہیں جہاں ہماری گاڑی تھوڑی دیر رُکی تھی، چوک میں وہاں سے لوگوں کا ہجوم اتنا تھا کہ ہمیں حویلی تک آنے میں گھنٹہ لگا۔ اور یہ سب لوگ مجھے والدہ کے انتقال کے بعد جب میں ابا کی خیریت معلوم کرنے آتا اور باہر سے ہی لوٹ جاتا تو اسی عرصے میں ان سب کا جانے کس وقت میں مسیحا بن گیا، جواب آ کر میرے پاؤں چھوتے پھرتے ہیں..... یہ سب لوگ ابا کی ایک جھلک دیکھنا چاہ رہے تھے۔ میت کو نکال کر حویلی کے اس ہال میں لے آئے تھے مگر میں نہیں آیا تھا۔ میں حویلی کے باہر ہی رُکا۔ لوگوں کے ساتھ ان کا دُکھ بانٹ رہا تھا یا وہ میرا۔ مجھے لگا کہ میرے ہی ابا گئے تھے مگر وہاں ہر آنکھ ایسے ہی نم تھی جیسے ان کے والد کا انتقال ہوا ہو..... دانش جب میت اندر لے کر جا رہا تھا تو اسے ہوش نہیں تھا کہ اس کے ساتھ میں تھا کہ نہیں، مگر تھوڑی دیر بعد جب اس نے مجھے وہاں نہیں دیکھا تو باہر آیا۔ میں لوگوں کی بھیڑ میں تھا۔ بھیاء، اس سے پہلے کہ وہ مجھے کچھ کہتا..... میں نے اس کہا دانش اب گاؤں چلنا ہے۔ ابا جان کو لے آؤ.....

میں نے جانا کہ وہ اس وقت مجھے سمجھا تھا کہ نہیں مگر اس نے مجھ سے کوئی سوال

نہیں کیا تھا۔

ہم ابا کو گاؤں لے گئے، جانتی ہو جس وقت ماں کا انتقال ہوا تھا۔ اس وقت ابا نے ان کے ساتھ اپنی قبر بھی تیار کرالی تھی اور ابا کو وہیں پر دفن کیا گیا تھا...... ابا کو اللہ کے سپرد کر کے سب لوگو واپس آ گئے۔ ''میں نے دانش سے کہا کہ تم لوگ چلو میں آتا ہوں۔'' میں پتہ نہیں کیوں ابا اور اماں کی قبر کے درمیان جو تھوڑی سی جگہ تھی، وہاں لیٹ گیا اور اپنی آنکھیں بند کر دیں۔ اس وقت میں نے اماں اور ابا، دونوں سے سوال کیا، مجھے بتائیں میں کیا کروں۔ آپ دونوں نے مجھے اکیلا چھوڑا...... اور آپ دونوں جانتے تھے کہ مجھے تنہائی سے خوف آتا ہے...... میں آنکھیں بند کیے، ان سے ایسے بات کر رہا تھا کہ جیسے وہ ابھی مجھے جواب دیں گے، مگر نہیں۔ انہوں نے اس وقت مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے ابا سے یہ بھی پوچھا کہ مجھے رونے سے منع کیوں کیا تھا...... میں اپنی چیخیں کس کو سناؤں گا؟ مگر نہیں۔ میرے سوال کا کوئی جواب نہیں ملا۔ مجھے وہاں گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ غالباً کسی نے دانش کو اطلاع دے دی ہوگی۔ مجھے دانش کی آواز آئی بھیاء۔ میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا، مگر مجھ میں اُٹھنے کی ہمت ہی نہ رہی، پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں اپنے گاؤں والے گھر کے کمرے میں تھا......

موت کے بعد بھی کافی رسومات ہوتی ہیں، جو نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں پوری کرنی پڑتی ہیں۔ میرے ابا نے ہمیشہ اپنی روایات کو زندہ رکھا۔ چاہے کچھ بھی ہو تو میں بھی اس نازک لمحے، برادری کے So-Called رشتہ داروں کو کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا...... 40 دن ہم لوگ گاؤں ہی میں رہے۔ میرے گھر والے میرے ساتھ تمام روایات کو پورا کرنے میں بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔ پھر......

☆

دانش نے مجھ سے پوچھا ''بھیا، اب گھر چلنا چاہیے۔'' ہم نے واپسی کی تیاری کی۔

واپسی پر دانش بھی خاموش رہا اور میں بھی۔ پنڈی پہنچ کر میں نے گاڑی اپنے گھر کی طرف موڑی۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ دانش نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور خاموش رہا...... مجھے دانش کے پیار پر پہلے بھی بہت ناز تھا اور اس لمحے تو وہ میرے بیٹے کی حیثیت سے میرے ساتھ بیٹھا تھا...... مجھے دانش میں اور منیر میں کوئی فرق نہیں لگا۔ آج تک اس نے مجھ سے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ بھیاء آپ مجھے اپنے گھر کیوں لائے۔ ابا کی حویلی میں کیوں نہیں گئے؟ نہیں آج تک نہیں، نہ کبھی اس نے میرے ساتھ گلہ کیا اور نہ ہی مجھے اس بات کا احساس ہونے دیا کہ وہ

اس بات کا حق رکھتا ہے...... یا وہ میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔

محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔ سوال سے پاک، جوابوں سے آزاد...... رشتہ چاہے کوئی بھی ہو، محبت ایک سی ہوتی ہے...... جب ہوتی ہے تو ایک سی اور اگر ایک سی نہ ہو تو پھر وہ محبت نہیں ہوتی......

اس کے بعد میں منیر کے ساتھ ساتھ دانش کا بھی والد بن گیا، مگر یہ، والد، دوسرے والدین سے ذرا مختلف ثابت ہوا۔ میری زندگی کی سزا تھی یا آزمائش مجھے نہیں پتہ۔ مگر میرے ساتھ ساتھ چلتی رہی، میں نے اپنی آنکھوں کو کبھی نم نہ ہونے دیا اور نہ ہی ابا کے جانے کے بعد اپنے من کو دھونے کی کوشش کی۔ ہاں مگر میں اپنی چیخیں خود سنتا رہا اور بارہا سنتا رہا...... ابا کے جانے کے بعد حویلی کی دیکھ بھال دانش ہی کرتا رہا اور تمام تر زمین جائیداد بھی اسی کے سپرد تھی۔ مجھے ان تمام چیزوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ ہاں جس گھر میں ہم سب رہتے ہیں، اسے میں نے دیکھا، اسے میں نے بنایا، اپنا گھر، اپنا بھائی، اپنی بیوی اور بچے۔ بس اس کے علاوہ میری زندگی میں کسی اور کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی اور نہ ہی میں اپنا وقت دوسرے تمام لوگوں پر ضائع کرنا چاہتا تھا۔ دیکھا جائے تو میں بڑا بھائی تھا مگر بڑے بھائیوں والے تمام کام، تمام کردار، تمام ذمہ داریاں دانش نے ہی نبھائی تھیں، مگر اس نے خود کو میرے سپرد کر دیا تھا......

ابا کے جانے کے تقریباً 3 سال بعد میں نے دانش سے اس کی شادی کی بات کی کہ اگر اس کا کہیں Interest ہو تو بتا دے، ورنہ ہم تلاش کرتے ہیں...... آپ کی والدہ سے دانش کی شادی کے تمام تر معاملات آپ کی تائی ماں نے انجام دیئے تھے۔ دانش کی دُلہن بھی حویلی میں آئی تھی۔ اس گھر کو بھی دُلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ آپ کی والدہ کے آنے کے بعد میں دانش سے یہی کہا کہ وہ اور اس کی بیوی حویلی میں رہیں۔

میں وہاں ہوتے ہوئے بھی غیر حاضر ہی تھا۔ حویلی کی دہلیز سے باہر ہی رہا۔ اندر جانے کی ہمت اس پل بھی مجھ میں نہیں تھی۔ رخسانہ بیگم نے مجھے سمجھانے کی بہت کوشش کی اور شاید میں نے خود کو بھی، مگر نہیں میں نہیں جا سکتا تھا۔ میرے قدم میرا ساتھ چھوڑ دیا کرتے تھے۔ حویلی کی دہلیز کو پار کرنے کے لیے جس طاقت کی ضرورت تھی، وہ مجھ میں نہیں رہی تھی۔

اپنی شادی کے چوتھے روز دانش اور سائرہ ہمارے گھر آ گئے، اس فیصلے کے ساتھ کہ ابا ہم دونوں بھائیوں کو اکٹھا چھوڑ کر اکٹھا رہنے کا کہہ کر گئے تھے اور وہ گھر ہم دونوں بھائیوں کا ہے، رہیں گے تو دونوں ہی رہیں گے، ورنہ کوئی نہیں۔ اس وقت کریم خان کے والد اور والدہ زندہ تھے

اور وہ حویلی کے پرانے خدمت گار تھے۔ ان کے بعد کریم خان نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔ اب حویلی کی دیکھ بھال کریم خان ہی کرتا ہے...... اس دن کے بعد رخسانہ بیگم آ کر حویلی دیکھ جایا کرتی تھی۔ یہ حویلی آج بھی اسی رنگ میں ہے جیسے آج سے 40 برس پہلے تھی، مگر اس کو آباد کرنا میرے لیے بہت مشکل تھا۔

پھر ہماری زندگی میں نعمان آیا۔ دانش باپ بنا۔ میری زندگی نے مجھے ایک اور رشتے سے نوازا، تایا ابو۔ ایک اور رشتے کا پیار بھرا احساس میری زندگی میں شامل ہو چکا تھا۔ ''تایا ابو'' ایک نیا نام، ایک نیا احساس...... پھر منیر، نعمان، احسن اور...... محبت کے نئے رنگ میرے آگے نئے رشتوں میں ڈھلتے رہے۔ ہر رشتے کا اپنا پیار، اپنا احساس، جس نے میرے زخموں کو میری تکلیفوں کو کم کر دیا تھا، مگر روح پر لگے زخم کبھی نہیں بھرتے بیٹا...... یہ بھی ایک حقیقت ہے، مگر تلخ حقیقت!

آپ بچوں کے آنے کے بعد ہمارے گھر کی خوشیوں کا رنگ بدل گیا تھا۔ رخسانہ بیگم، سائرہ ان دونوں میں جو اپنا پن، احساسِ ذمہ داری اور رشتوں کو جوڑے رکھنے کا جو جذبہ تھا، وہی ہمارے گھر کی طاقت بنا تھا اور اس کے لیے میں اپنے رب کا جتنا شکر ادا کروں، وہ کم ہے۔ انہیں خوشیوں کے رنگوں میں غم کا نشان کچھ حد کم ہوا ہی تھا کہ زندگی نے اسے دوبارہ پہلے سے زیادہ گہرا کر دیا تھا، اتنا گہرا کہ ماضی کے تمام زخم کھل گئے۔ روح مکمل طور سے ایک بار پھر گھائل ہو چکی تھی۔ گھر پھر بکھر گیا۔ رخسانہ بیگم کے ہارٹ فیل کا سبب کیا تھا؟ ان کی اچانک موت، ٹوٹ کر پھر ٹوٹ چکا تھا میں۔ اگر وہ وقت میری موت کا نہیں تھا تو بہر حال میری زندگی کا بھی نہیں تھا۔ مگر قدرت جب بھی درد دیتی ہے، اس سے پہلے برداشت بھی دیتی ہے اور میرا اور میری تقدیر کے درمیان تو ہمیشہ سے ایسا ہی تھا، جب انکل آنٹی گئے تو رخسانہ بیگم کی ذمہ داری اپنی زندگی سے اہم لگی تھی، پھر جب اماں ابا گئے تو دانش مجھے زندگی سے اہم لگا اور جب رخسانہ بیگم گئی تو وہ میرے لیے احسن کی ذمہ داری چھوڑ کر گئی تھی۔ میری ذمہ داریاں مجھے ہمیشہ نہ مرنے دیتی تھیں اور نہ ہی جینے......!

مجھے کبھی اس بات کو سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا کہ میرے لیے میری ذمہ داریاں اہم ہیں یا ان سے جڑے لوگ؟......

شاید میرا شمار ان لوگوں میں کیا جا سکتا تھا جو یہ کہتے تھے کہ ہماری ذمہ داریوں نے نہ دکھ میں رونے دیا اور نہ ہی خوشی میں ہنسنے دیا۔ جو کچھ ہوا...... اس میں کسی کا کوئی دوش نہیں تھا۔ ایک آزمائش تھی جسے چاہتے نہ چاہتے ہمیں برداشت کرنا تھا۔ صبر کرنا تھا مگر سب سے زیادہ اگر کوئی ادھورا ہوا تھا تو وہ احسن تھا...... والدین کے جانے کا درد، تکلیف میں جانتا تھا مگر جب

میری ماں گئی تھیں، اس وقت میں بہت سمجھ دار تھا۔ اپنی زندگی کا تیسرا دور شروع کر چکا تھا مگر جس وقت احسن کی ماں گئی تھی...... اس وقت اس کی عمر اس دُکھ کو برداشت کرنے کی نہیں تھی۔ مجھے احسن کے ادھورے پن سے، اس کے دُکھ سے، اس کے اس قیمتی رشتے سے جدائی اور محرومی سے خوف آنے لگا تھا...... اگر اس وقت سائرہ نہیں سنبھالتی تو شاید نہیں، بلکہ یقیناً میں احسن کو کبھی نہیں سنبھال سکتا تھا......

اس وقت آپ کی امی نے جو کردار ادا کیا...... اگر احسن سے ان کا رشتہ دیکھا جائے تو کوئی چچی ایسا نہیں کر سکتی تھی، مگر وہ اپنے اُس رشتے کو بھول گئی...... اور صرف اپنے اور احسن کے درمیان ممتا کو رکھا۔ رخسانہ بیگم کے جانے کے بعد دانش اور سائرہ نے جو کردار ادا کیا...... اس کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس شاید مناسب لفظ نہ ہوں۔ انہوں نے آپ کو اور نعمان کو بہت پیچھے کر دیا اور منیر اور احسن کو آگے رکھا...... میں یہ سب صورتِ حال دیکھتا رہتا اور خاموش رہتا۔ احسن اور منیر کی آج تک کوئی بات سائرہ اور دانش نے رد نہیں کی۔ ان کی جائز، ناجائز ہر بات کو انہوں نے ہر چیز سے مقدم رکھا...... ہم دونوں بھائیوں میں مجھے سمیٹنے کا جو کردار دانش نے ادا کیا، وہ کوئی چھوٹا بھائی نہیں کر سکتا تھا...... خیر......

یہ بات ایک تلخ حقیقت ہی تو تھی کہ احسن کی ماں اس دُنیا میں نہیں رہی تھی مگر میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ سائرہ نے احسن کو کبھی ماں کی ممتا سے محرومی کا احساس کسی لمحے کے سوویں حصے میں بھی نہیں ہونے دیا...... اور آج تک ایسا ہی ہے...... اسی لیے اس نے کبھی احسن کو خود کو چچی نہیں کہنے دیا...... حقیقت میں اس نے احسن کی ماں ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ وہ ماں ہی تو تھی......

رخسانہ بیگم کے جانے کے بعد آپ کے بابا نے محبت کا ایک نیا رنگ دیکھا اور ایک نیا ڈھنگ سیکھا...... جانتی ہیں کون سا؟...... میں سوالیہ نظروں سے ان کے شفاف چہرے کی طرف دیکھتی رہی...... جدائی کا رنگ، بیٹا جان۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ میری زندگی کی حقیقت۔ محبت جدائی کی پیاسی ہوتی ہے اور جدائی ہی محبت کو سراب کرتی ہے۔

جدائی سے ہی تو محبت کا رنگ گہرا ہوتا ہے جو محبت سامنے ہوتی ہے۔ ہمیں اس کی طاقت کا صحیح اندازہ، اس سے دور ہونے پر ہی ہوتا ہے...... اور یہ حقیقت ہے۔ محبت کی شدت کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک اس میں جدائی نہ ہو......

میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ رخسانہ بیگم کے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا

کہ میری محبت میں کس حد تک شدت ہے......اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے احساس ہونے لگا کہ وہ کہیں نہیں گئیں......میرے پاس نہیں ہیں مگر میرے ساتھ ضرور ہیں۔اپنی محبت کا احساس لیے،عموماً لوگ محبت میں جدائی سے ڈرتے ہیں۔''یہ غلط ہے۔''

میری زندگی نے مجھے یہ ہی سکھایا۔جدائی تو آپ کی محبت کو اور گہرا اور زیادہ مضبوط کرتی ہے......پہلے سے کئی زیادہ مضبوط۔اگر محبت ہو تو!......

بیٹا جان جدائی کے ساتھ محبت کی مٹھاس کو زیادہ شدت سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ شرط!جدائی کو جدائی مت سمجھو......اور اپنی محبت کے احساس کو زندہ رکھو۔اپنی محبت کو مردہ مت سمجھو، کیونکہ موت جسموں کی ہوا کرتی ہے اور محبت روح سے......جسم کی موت سے روح تو نہیں مرتی۔ اگر اپنے جسموں کی جدائی کو روح کی محبت سے سی لو......پھر محبت لازوال ہو جاتی ہے۔یہ ہی وجہ تھی۔رخسانہ بیگم کی جدائی نے میری محبت کو شدید کر لیا۔ان کی یاد میری طاقت بن گئی تھی۔مجھے جینا مشکل نہیں لگتا تھا۔زخم تھے،درد بھی تھا مگر محبت کی مٹھاس نے درد کی چبھن کو،کڑواہٹ کو کم کر دیا تھا۔

☆

وقت کے ساتھ ساتھ بچے بڑے ہونے لگے اور مجھے محسوس ہوا کہ دانش ایک روایتی باپ بننے لگ گیا تھا......اس میں مجھے ابا والا غصہ،ابا کی جھلک دکھائی دینے لگ گئی تھی۔ضرورت سے زیادہ محتاط رویہ،کیونکہ اس نے بھی زندگی میں بہت کھویا تھا اور اس کا محتاط رویہ اس بات کا ضامن تھا کہ اب وہ کچھ اور کھونے کی ہمت ہی نہیں رکھتا۔زندگی سے ڈرنے لگا تھا وہ۔مجھے اس کی اس بات سے کسی حد تک پریشانی تو ہوئی تھی اور اس کا احساس مجھے پہلی مرتبہ اس وقت ہوا تھا جب احسن اور کامران کو اس نے دوستوں کے ساتھ مری جانے سے روک دیا تھا کہ نہیں تم لوگ نہیں جاؤ گے۔بس شاید وہ قدرت کا ایک اشارہ تھا کہ میں نے خود کو مضبوطی سے اکٹھا کیا۔گھر کے معاملات میں دخل اندازی شروع کر دی،کیونکہ میں جانتا تھا کہ سائرہ دانش کی چاہنے کے باوجود بھی نفی نہیں کر سکتی اور نہ ہی دانش نے سائرہ کو کبھی اتنا اختیار دیا تھا کیونکہ جب وہ بولتا تھا تو سب خاموش۔میں بھی دخل اندازی نہیں کرتا تھا مگر اس وقت مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ یہ محتاط رویہ کب وہم اور کب ضد بن جائے،اس کا کوئی بھروسہ نہیں۔اس وقت تو نہیں مگر آنے والے وقت میں دانش سے پہلے مَیں بات کو سنبھال لیا کرتا تھا اور وہ ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ بھیا جان آپ کی ہی ذمہ داری ہے۔بعد میں مجھے گلا مت کرنا تو میں نے اسے صرف یہ ہی کہا کہ بچوں کے معاملے میں اسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔میں دیکھ لوں گا......نہ چاہتے ہوئے بھی

اسے یہ اختیار مجھے دینا پڑا اور بچوں کو پھر میں خود Handle کرلیا کرتا تھا۔ سائرہ بھی ہر بات مجھے ہی بتایا کرتی تھی۔ آپ تو احسن سے 13 سال بعد آئی، ہماری زندگی میں۔ آپ جانتی ہو کہ آپ کے آنے سے پہلے تک میں بھی قدرے سخت تھا، مگر شاید قدرت کو میری ذات میں سختی پسند نہ تھی، اس لیے اس نے آپ کو ہمارے گھر بھیج دیا اور میرے دِل میں محبت کا ایک نیا دروازہ کھل گیا جو آپ کی زندگی کے ہر گزرتے سال کے ساتھ ساتھ وسیع ہوتا رہا۔ آپ کے آنے کے بعد دانش مزید محتاط ہوگیا۔ گھر میں بیٹی جو آ گئی تھی۔ مگر میرے لیے کسی بھی بدلاؤ کی ضرورت نہیں۔ دانش کا قصور نہیں تھا۔ انسان جس ماحول میں خود پرورش پاتا ہے، چاہتے نہ چاہتے ہوئے اسی ماحول کا رنگ اس کی ذات پر چڑھ ہی جاتا ہے اور زندگی میں کسی نہ کسی مرحلے پر وہ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہے، جیسے اس کے ساتھ ہوا ہو......

بیٹا جان ایک فطرت ہمیں قدرت کی طرف سے ملتی ہے اور ایک فطرت ہمیں ہمارے گھر سے ہمارے خاندان سے ہمارے اپنوں سے ملتی ہے...... اور فطرت کو بدلا نہیں جاسکتا، مگر اس فطرت کو جو اللہ نے دی۔ اللہ کی ذات نے ہمیں فطرتاً بہت اچھا بنایا ہے۔ ہماری ذات میں اگر منفی پہلو آتے ہیں تو اس کی وجہ کہیں نہ کہیں ہم خود ہی ہوتے ہیں اور ہم میں وہ سب لوگ شامل ہوتے ہیں جن کے ساتھ، جن کے پاس، ہم زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر یہ بات ہم پر منحصر ہے کہ ہم اپنی ذات پر قدرت کی فطرت کو حاوی کرتے ہیں یا ماحول کی۔ ہماری زندگی قدرت کے بنائے ہوئے اصولوں پر چلتی ہے یا ہمارے اپنے اصولوں کے تحت کٹتی ہے۔

بیٹا جان ہماری سمجھ ایک رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں اور قدرت کا خزانہ اتنا وسیع ہے کہ سمندر میں سے ایک سوئی کو ڈبو کر نکال لیں تو اتنا بھی فرق نہیں آئے گا، مگر اس ذات کی کرم نوازی دیکھو...... اس کے باوجود کہ ہم اپنی مرضی اپنے اختیار سے ایک جنبش تو کیا پلک تک نہیں ہلا سکتے، مگر اس کے باوجود تمام کائنات اس کے دسترس میں ہونے کے باوجود بھی اس کی محبت کا معیار دیکھو۔ اس نے ہمیں دُنیا پر بھیجا۔ صحیح اور غلط کو واضح کیا۔ اچھا، بُرا سمجھایا۔ محبت اور نفرت کی پہچان کرادی اور پھر ان سب پر ہم کو یعنی انسان کو ہی مختار بنا دیا کہ جاؤ، آزاد ہو، جو راستہ چاہو چُن لو...... کوئی زبردستی نہیں۔ محبت کو چن لو، چاہے نفرت کو......! اچھائی سوچنے پر اَجر ملے گا اور بُرائی کرنے کے بعد بھی تین ساعتوں تک مہلت ملے گی کہ توبہ کرلو، اگر احساس ہوگیا تو وہ گناہ نہیں اور اگر احساس نہ ہو تو گناہ لکھ دیا جائے گا اور پھر اس کا حساب شروع ہوگا۔ مگر پھر بھی آخری سانس سے پہلے پہلے توبہ سے معافی یقینی ہے۔

یہ سب کیا ہے؟ یہ سب تو ہمارے رب کی ہماری ساتھ محبت ہی تو ہے۔ میں نے اپنی زندگی سے محبت کو سیکھا ہے، اسے محسوس کیا ہے، اسے پڑھا ہے، کیونکہ اس کائنات میں اگر کچھ ہے تو وہ محبت ہے......اور اگر محبت نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں......

کیونکہ جب کائنات میں کچھ نہ تھا تو اس وقت ''خدا'' ہی تو تھا اور اس کے ساتھ اس کی ''محبت'' اور جب کچھ نہیں رہے گا تو بھی ''خدا'' اور ''محبت'' ہی رہے گی......

''اسی لیے تو محبت ایک فطری جذبے کا نام ہے'' اور اس کا احساس خود سے ہوتا ہے، دِلایا نہیں جاتا۔ میرے اور ابا کے درمیان نفرت؟ یا محبت؟ یا ناراضگی مجھے نہیں معلوم، اس وقت کیا تھا مگر آخر میں جیت محبت کی ہی ہوئی ہے۔ میں جب تک اپنے آپ سے ناراض تھا تو اپنے رب سے بھی ناراض تھا اور اپنے سب رشتوں سے دور رہا مگر جب میں اپنے رب کو جان گیا، اس کی محبت کو محسوس کیا تو اپنی کھوج بھی ختم ہوگئی اور اپنے عزیزوں کو بھی مل گیا......ابا، اماں، رخسانہ بیگم، دانش، آپ سب بچے، یہ سب قدرت کا میرے رب کا میرے لیے انعام ہی تو تھا اور ہے، بھی اور سب سے بڑی مہربانی میرے اللہ نے مجھے آپ جیسی بیٹی، میری ''انا'' کی صورت میں عطا کی......

بابا نے بڑے پیار سے میرا چہرہ اپنے ہاتھ میں لے کر میرا ماتھا چوما......''میں بابا کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکی۔ ان کے چہرے پر سکون کی ایک ایسی لہر تھی جسے بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ پائی...... بابا کی سب باتیں سن کر میرے اندر ایک عجیب سی بے چینی ہونے لگی تھی، مگر کیا تھی میں نہیں جانتی تھی۔ بابا کچھ دیر خاموش رہے اور پھر بولے

''''انا'' بیٹے مجھے نہیں معلوم کہ میں صحیح ہوں یا غلط ہوں مگر...... مجھے آپ میں اپنا آپ نظر آتا ہے...... پتہ نہیں یہ احساس مجھے کیوں اور کب ہوا۔ کبھی کبھی مجھے یہ میرا وہم بھی لگتا ہے کہ شاید آپ ہمارے گھر میں ایک بیٹی ہو۔ بہت لاڈلی ہو مگر بچپن سے ہی آپ مجھے میری ذات کا حصہ لگتی ہو۔ میں کوئی مکمل انسان، کامیاب انسان نہیں ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت سی غلطیاں کیں۔ اپنی وجہ سے یا دوسروں کی وجہ سے ہمیں نے بہت کچھ کھویا بھی، مگر بیٹا آپ کے معاملے میں اتنا حساس ہوں کہ اگر مجھ سے پوچھا جائے یا میرے اختیار میں ہو تو میں آپ کو ایک کانٹا بھی چبھنے نہیں دوں مگر بیٹا جان یہ میرے اختیار میں نہیں، کیونکہ زندگی کس پل، کس لمحے کیا کر دے، ہم نہیں جانتے اور زندگی کی، وقت کی اور تقدیر کی چوٹوں اور آزمائشوں سے میں آپ کو نہیں بچا سکوں گا۔ زندگی کا کچھ بھروسا نہیں، میں بھی تو بہت بوڑھا ہوگیا ہوں۔ کس وقت میرا یہ سفر ختم ہو جائے کیا پتہ۔ اس لیے آپ کو اپنے لیے خود کچھ کرنا ہے۔ میری دعا

ہے کہ تمام عمر سکون ملے، آرام ملے اور خوشی ملے مگر بیٹے زندگی میں آزمائشیں نہ ہوں تو سکون اور خوشی کا احساس نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی زندگی میں آزمائشیں آئیں گی اور انشاء اللہ آپ ان کی بہادری سے سامنا بھی کرلو گی، مگر اپنے آپ کو توڑنا مت، اپنی زندگی کو روکنا مت، اپنے غموں کو اپنے ہاتھوں میں جکڑ مت لینا۔ اس غم کو اس آزمائش کو نکلنے دینا...... ایسا نہ ہو کہ اپنے کڑے وقت کو اپنی حتمی تقدیر سمجھ کر روک لو۔ ایسا کبھی مت کرنا، جینا ہے...... زندگی کو بھرپور طریقے سے۔ غم کے آنے سے دُکھ سے درد سے زندگی نہیں رکتی۔ وقت کا کام گزر جانا ہے۔ گزرنے دینا اس وقت کو۔'' پھر کچھ دیر رک کر بولے......

''نہ جانے کیوں مجھے آپ کی خاموشی سے وحشت ہوتی ہے۔ خاموش مت رہا کرو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے جھوٹ نہیں بولتی مگر اس بات کا بھی یقین ہے کہ آپ اگر جھوٹ نہیں بولتی تو سچ بھی نہیں کہتی۔ آپ کیوں نہیں کہتی، یہ آپ جانتی ہو یا آپ کا خدا، مگر بیٹے الفاظ ہمیں قریب لاتے ہیں اور خاموشی ہمیں دور لے جاتی ہے...... خود کو دور مت کرو، خود سے بات کیا کرو۔ اللہ سے بات کرو۔ میں نے اپنے بچوں کو بہت اعتماد دیا۔ بہت پیار دیا۔ صرف اسی لیے کہ وہ خاموش نہیں رہیں۔ میرے اور ابا کے درمیان خاموشی کی دیوار ہی تو حائل تھی۔ مجھے بھی خاموشی نے بہت دور کیا تھا سب سے۔ اس سے بڑی مثال آپ کے سامنے اور کیا ہوگی اور جواب آپ جانتی ہو۔ وہ میرے بچوں میں سے کوئی نہیں جانتا...... منیر اور کامران کی نسبت مجھے احسن کچھ خاموش لگا تھا مگر جب سے زرقا آئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اسے سنبھال لے گی۔ احسن کی طبیعت منیر اور کامران سے بہت مختلف تھی، مگر وہ مجھ سے زیادہ آپ کی امی سے قریب تھا۔ وہ خود کو سائرہ کے ساتھ زیادہ Comfortable سمجھتا تھا اور اس کی شادی سے پہلے میں نے کوشش کی تھی کہ اسے کچھ بتا سکوں، اس سے کچھ پوچھوں مگر وہ ہر بار بڑی خوب صورتی سے اپنا دامن بچا کر نکل جایا کرتا اور ویسے بھی اسے کسی چیز میں کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ شاید اپنی ماں کی کمی وہ کافی محسوس کیا کرتا ہوگا، حالانکہ سائرہ نے اسے اپنی ماں سے بڑھ کر پیار اور شفقت دی مگر اس نے اپنا کبھی کوئی تاثر مجھ پر واضح نہیں ہونے دیا، پھر ہمارے کہنے پر اس نے شادی کرلی اور اب وہ کافی مطمئن ہے، اپنی زندگی سے۔ مجھے اس کی فکر ہوا کرتی تھی، مگر اب نہیں...... مگر بیٹا جان مجھے آپ کی فکر ہے۔ اس لیے آپ کو یہ سب بتایا اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں آپ سے کچھ پوچھنے کے لیے آپ کو مجبور کر رہا ہوں۔ بس اپنی زندگی کے ذاتی تجربے سے آپ کو یہ سکھانا چاہتا ہوں کہ محبت کبھی ختم نہیں ہوتی...... اور نہ ہی محبت کی ایک زندگی ہوتی ہے۔ محبت کی کئی

زندگیاں ہوتی ہیں اور محبت روپ بدل بدل کر ہمارے سامنے آتی ہے اور ہمارے اندر سے تمام نفرت، تمام ناراضگی، تمام خوف، سب ختم کر دیتی ہے۔ میری زندگی کی ہر چہرے میں میری محبت چھپی اور اس نے میرے دل میں محبت کا اضافہ ہی کیا، کمی نہیں۔

اور اب دیکھو آپ کی محبت 40 سال بعد مجھے اس حویلی کے اندر لے آئی۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں یہ دہلیز پار کرسکوں گا مگر اس دہلیز کو پار کرنے کی ہمت مجھے آپ کی محبت نے دی اور یہ میری محبت میرے پیار کا ثبوت ہے کہ مجھ جیسے بوڑھے، ہارے ہوئے انسان جس نے اپنی زندگی کی سب سے عزیز چیز سے خود کو محروم رکھا ہوا تھا۔ اس حویلی کے اندر میں جب سے آیا ہوں، مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں اپنے والدین کی آغوش میں آ گیا ہوں...... بیٹا شاید آپ کو اندازہ نہ ہو مگر میرے لیے اس دہلیز کو پار کرنا کافی مشکل مرحلہ تھا......"

☆

دور دور کی مسجدوں سے اذان کی آواز آنے لگی۔ بابا کچھ لمحے خاموش رہے اور پھر آہستہ سے اُٹھے۔ آہستہ آہستہ چلتے سامنے پڑے ہوئے میز کی دراز سے کچھ نکالا۔ یہ میز پرانی طرز کی بنی ہوئی تھی اور اس پر پڑے انٹیک لیمپ کی مدہم روشنی میں اس پر جڑی ہوئی کاریگری نظر آ رہی تھی۔ بابا وہاں سے چلتے سیڑھیوں کے عقب میں بنے شیشے کے اس دروازے کے سامنے گئے جو شاید اس حویلی کے لان میں کھلتا ہو گا...... میرے دِل میں تجسس ہوا کہ بابا وہ دروازہ کھول کر باہر جا رہے ہیں مگر نہیں ایسا بھی نہیں ہوا تھا۔ بابا اس دروازے کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ میں بیٹھی دیکھتی رہی۔ بابا نے مجھے پکارا۔ انا آپ یہاں آئیں۔ میں بابا کے پاس چلی گئی۔ ابھی باہر کافی اندھیرا تھا۔ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا...... بابا بڑے آرام سے بولے۔ "بیٹا آپ جانتی ہیں کہ اس حویلی کا یہ حصہ میرا سب سے پسندیدہ حصہ رہا ہے اور شاید اب بھی ہے...... میں صبح کی نماز پڑھ کے اسی لان میں آجایا کرتا تھا اور رات کو بھی دیر تک میں اور دانش اسی لان میں بیٹھ کر باتیں کیا کرتے اور کبھی شطرنج کی بازی لگ جایا کرتی تھی۔ رات کو کبھی کبھی ابا بھی ہمارے پاس آجایا کرتے تھے۔ بہت اچھا وقت گزرا اس چھوٹے سے حصے میں میرا۔ کافی یادیں وابستہ ہیں، اس حصے سے۔ جانتی ہیں کبھی کبھی ہم کھیل ادھورا چھوڑ کر چلے جایا کرتے تھے اور دوسرے دن وہیں سے وہ بساط شروع ہوا کرتی تھی۔" بابا کے چہرے پر ایک مُسکراہٹ تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا بابا اپنے سامنے وہ تمام Scene دیکھ رہے ہیں......"اور ابھی بھی ایک شطرنج کی بساط بچھی ہے، پچھلے 40 برسوں سے۔ مجھے یاد ہے جس دن میں نے یہ حویلی چھوڑی، اسی

رات کو میں اور دانش دیر تک لان میں رہے۔ ایک کھیل ہم نے شروع کیا تھا مگر تھوڑی دیر بعد دانش نے کہا بھیا، یہیں سے کل شروع کریں گے اور وہ کل آج تک نہیں آئی۔''

''دانش نے بتایا تھا کہ وہ شطرنج کی بساط اسی طرح بچھی ہے، نہ کبھی میں نے اسے چھیڑا اور نہ ہی ابا نے کسی کو اُٹھانے دیا۔ شاید ابا کو اُمید تھی کہ میں واپس ضرور آؤں گا، اسی لیے انہوں نے یہ حکم دے دیا تھا کہ یہ شطرنج یہاں سے کوئی نہیں ہٹائے گا۔ اس دن سے آج بقول دانش کے وہ وہیں پر ہے اور اس لان کی طرز آج بھی ویسی ہی ہے جیسے میں چھوڑ کر گیا تھا۔ پہلے کریم خان کے باپ، ابا اور دانش کی ہدایت پر اس کی نگرانی کرتا تھا اور اب کریم خان کرتا ہے۔ اسی لیے جب آپ اس طرف گئی تھی تو کریم خان نے آپ کو باہر جانے سے روک دیا تھا، کیونکہ دانش کے علاوہ اس لان میں کوئی نہیں گیا...... میرے ابا بھی میرے جانے کے بعد ایک مرتبہ یہاں آئے تھے اور اس کے بعد بقول دانش وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے گھنٹوں اس لان کو گھورتے رہتے اور سوچتے رہتے...... بعد میں دانش نے مجھ سے دو چار مرتبہ ذکر کیا تھا کہ بھائی جان ہماری شطرنج کی بساط ادھوری پڑی ہے، کسی دن آئیں اسے ہی مکمل کر آئیں اور میں مُسکرانے کے علاوہ اسے کوئی جواب نہیں دے پاتا اور پھر اس نے مجھے کہنا ہی چھوڑ دیا۔'' بابا دُکھی تھے۔ بابا دُکھی ہیں اور مجھے ان کا دُکھ کاٹ رہا تھا...... میں ایک دم سے بولی۔ بابا آپ اب بلالیں ابو جان کو، اب تو آپ آگئے ہیں یہاں۔ دونوں بھائی کھیل لیں نا۔ اس ادھورے پن کو مکمل کر لیں۔ باہر ہلکی ہلکی روشنی ہونے لگی۔ مگر اتنی کہ ابھی بھی کچھ واضح نہیں ہو پا رہا تھا۔ بابا نے میری طرف دیکھا اور مُسکرا دیئے۔

''جی بیٹا جان...... اب مجھے اُمید ہے کہ میں اپنی زندگی میں دانش کے ساتھ یہاں ضرور آؤں گا...... مگر ایسے نہیں جیسے آپ کہہ رہی ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس حویلی کی دہلیز پار کرنے میں آپ نے میری مدد کی تو آپ ہی اس دروازے کے کھولنے کا سبب بھی بنو گی...... میرے ابا نے اس وقت کو کیوں روک دیا تھا، اس لیے کہ اس میں ناراضگی تھی، نفرت تھی شکایت تھی۔ میں نے اپنے ابا سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اس خاندان کے کسی فرد کے دِل میں ناراضگی، شکایت، نفرت کو اُبھرنے نہیں دوں گا۔ میں یہاں آؤں گا جس دن آپ راضی ہو جاؤ گی، مجھے نہیں پتہ کیا وجہ ہے مگر کسی نہ کسی طرح آپ ناراض ہو بیٹا جان۔ آپ کی خاموشی، آپ کی آنکھیں، آپ کی ناراضگی کی گواہی دیتی ہیں، جس دن آپ دِل سے راضی ہو جاؤ، اللہ سے، اپنے آپ سے، لوگوں سے، ہم سب سے، اُس دن اس دروازے کو کھول دینا...... مجھے معلوم

ہے کہ کہیں نہ کہیں ہم سب آپ کی خاموشی کے ذمہ دار ہیں مگر اس کو ختم کیسے کرنا ہے، وہ آپ جانتی ہو یا نہیں، مگر زندگی میں کہیں نہ کہیں کوئی کمی ضرور ہے جسے میں بھی سمجھ نہیں پا رہا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ جس دن مجھے یہ احساس ہو گیا کہ میرے گھر کا ایک ایک فرد دِل سے خوش ہے، اپنی زندگی سے مطمئن ہے۔ اس دن میں اس لان میں ضرور آؤں گا۔ مجھے غموں، سے آزمائشوں سے، اپنی تقدیر سے اور اپنے اللہ سے کوئی شکایت نہیں، مگر مجھے اپنے گھر کے افراد میں سرد مہری، خاموشی، ناراضگی سے احتراز ہے اور میں کسی بھی احتراز کو دِل میں لے کر یہ دہلیز پار نہیں کر سکتا'' ...... یہ کہتے ہوئے انہوں نے اس دروازے کی چابی میرے ہاتھ پر رکھ دی ...... اور کہا کہ ''اسے اس دن کھولنا جس دن آپ کو بھی احساس ہو جائے۔'' بیٹا جان مجھے کوئی جلدی نہیں۔

''خاموشی ہمیں بہت دور لے جاتی ہے ...... اور مجھے آپ کی خاموشی پریشان کرتی ہے۔ ایک وقت تھا کہ مجھے احسن کی خاموشی بھی تنگ کرتی تھی اور کبھی کبھی مجھے اب بھی احساس ہوتا ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں کچھ ادھورا ہے، مگر زرقا مجھے تسلی دے جاتی ہے کہ شاید میرا گمان ہو ...... مجھے یقین تو نہیں ہوتا مگر میں اس کے کہنے سے تسلی کر لیتا ہوں، آپ کی طرف سے مجھے نہ تو یقین ہے اور نہ ہی تسلی ...... مگر آپ اس بات پر یقین کر لو کہ آپ کی خوشی، ہم سب کو سب سے زیادہ عزیز ہے ...... خوش ہو تو دِل سے ہو، محبت کرو تو بھی دِل کی گہرائی سے کرو اور دعا کرو تو بھی دِل سے ...... بے دلی سے کرو گی تو خود اُلجھ جاؤ گی، ٹوٹ جاؤ گی اور کامیابی بھی نہیں ملے گی ...... دُعا دِل سے نکلے ہی تو قبولیت کا درجہ چھو سکتی ہے، ورنہ خلاء میں معلق رہتی ہے۔''

یہ کہہ کر بابا مڑے اور میں ہکا بکا انہیں دیکھنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکی۔ بابا اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کہہ گئے ...... ایک لمحے کو مجھے یوں لگا جیسے مجھ پر کسی نے منوں پانی انڈیل دیا ہو اور میں ایک بار سسک بھی نہیں پاؤں گی اور پھر نہ مجھے بولنے کا موقع دیا اور نہ ہی میری طرف دیکھا۔ میں نماز پڑھ لوں، آپ بھی نماز پڑھ لو۔ وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اوپر چلے گئے اور میں دو قدم آگے ہو کر اس شیشے کے دروازے سے ہلکی سی روشنی میں باہر کا منظر دیکھنے لگی۔ اس وقت میرا دِل چاہ رہا تھا کہ میں اس دروازے کو ابھی کھول دوں ...... مگر پھر خیال آیا کہ بابا جو کہہ کر گئے تھے، کہیں نہ کہیں وہ ٹھیک تھا ...... کہیں نہ کہیں میری زندگی میں میری ذات میں کچھ ایسا تھا جس کی وجہ سے میں شاید کچھ ناراض تھی، مگر وجہ مجھے بھی معلوم ہی نہیں تھی تو میں بابا کو کیا جواب دیتی، دل میں ناراضگی کے ساتھ اگر یہ دروازہ بابا 40 سال تک نہیں کھول سکے تو مجھے بھی ایسا

کرنے کا کوئی حق نہیں۔ میں امانت میں خیانت نہیں کر سکتی..... یا اللہ ''میں کیا کروں'' میری آنکھیں بھیگنے لگیں.....مگر چاہتے نہ چاہتے میں بھی او پر نماز کی نیت سے چلی گئی۔ وضو کر کے نماز پڑھی اور اس وقت میرے لب سے تو کوئی لفظ نہیں نکلا مگر میں نے اپنے پروردگار سے دِل میں یہ ہی دُعا مانگی کہ میرے رب! مجھے اس گھر کے لیے خوشی کا سبب بنا دے، اگر مجھے اپنے ابو اور بابا کے لیے اس دروازے کو کھولنا ہے تو مجھے راستہ دیکھا..... مجھے ہر آزمائش میں کامیاب کرنا۔ مولا مجھ سے ایسا کچھ نہ ہو جس سے بابا کا دِل دُکھے۔ میں دِل میں یہ دعا مانگتی رہی اور میری آنکھوں سے آنسو روانی سے جاری ہو گئے۔

بابا کی باتوں سے دِل پہ بوجھ بڑھ گیا تھا اور ذہین میں ہزاروں سوال پیدا ہو چکے تھے، مگران سوالوں کے جوابات کب اور کیسے ملیں گے یہ معلوم نہیں تھا۔ میں انہی سوچوں میں تھی کہ سامنے بنی کھڑکی سے ہلکی سی روشنی اندر آرہی تھی جس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں جا کر کھڑکی کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ کھڑکی سے باہر چھوٹے چھوٹے اینٹوں کے مکان تھے جن کے چھوٹے چھوٹے صحن جو اس دور میں بھی مٹی کے تھے، کہیں کہیں اینٹیں لگی تھیں، گلی میں اِکا دُکا لوگ گزرر ہے تھے، جو شاید مسجدوں سے واپس آرہے تھے، ریڑی والے منڈی سے سبزیاں لاد کر لائے اور اب وہ اپنی روزی کے لیے اپنی ریڑیوں پر سبزیوں کو سجا رہے تھے اور گلی کے کونے پر موچی اپنا صندوق کھول رہا تھا۔ اس میں سے ایک پھٹی ہوئی چٹائی زمین پر بچھا رہا تھا۔ یہ ان کے دِن کا آغاز ہورہا تھا۔ یہ لوگ روز اسی طرح اپنے دن کی شروعات کرتے ہوں گے۔ ابھی یہ سب دیکھ رہی تھی کہ اچانک ہلکی ہلکی بوند باندی شروع ہوگئی۔ دسمبر کی سردی میں یہ سب کام اور اس پر بوندا باندی جو اچانک بہت تیز بارش میں بدل گئی اور اس بارش نے سب کچھ بھگو دیا۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا...... کچھ سوال تھے میرے من میں مگر اس بارش کے ساتھ ہی مجھے اپنا خواب یاد آگیا۔ اس بارش میں تو مجھے سب کچھ نظر آرہا ہے مگر جو بارش میرے خواب میں ہوتی تھی، اس میں سب کچھ پوشیدہ تھا۔ بارش کا احساس تھا، اپنا بھیگنا اور بارش کی آواز، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں...... آنکھیں اور من دونوں بہت بوجھل تھے۔ بے اختیار آسمان کو دیکھتے ہوئے بول اُٹھی۔ ''اے اللہ'' میری مدد کر، مجھے راستہ دیکھا......

بابا نے کتنی مشکل زندگی گزاری ہوگی۔ اپنی یادوں سے، اپنے گھر سے اور سب سے بڑھ کر اپنے والدین سے بچھڑ کر...... اور جب ملے تو اس وقت جب انہوں نے جانا تھا۔ دادا ابا کی ایک چھوٹی سی ضد اور غلط فہمی نے کتنے لوگوں کو ادھورا کر دیا اور سب سے بڑھ کر دادا ابو کی اپنی ذات کو۔ بابا نے میری 26 سالہ زندگی میں ایک پل کے لیے مجھے کم سے کم اس بات کا احساس تو

کبھی نہیں ہونے دیا تھا کہ ان کی زندگی میں کرب، اتنا درد اور اس قدر تشنگی بسی ہے۔ ہم بچوں کے ساتھ، ابا، اماں سب کے ساتھ بابا اتنی پیاری اور آسان زندگی کیسے گزار رہے تھے۔ 40 سال، کہنا آسان ہے۔ 40 سال بعد بابا اس گھر میں، اپنے گھر میں، اپنے بچپن میں، اپنی جوانی، اپنی محبت، اپنی جدائی میں واپس آئے تھے۔ وہ بھی میرے ساتھ، جس پل بابا مجھے سب بتا رہے تھے تو مجھے ایک لمحے کو بھی یہ احساس نہیں ہوا کہ میں زندہ ہوں۔ ہر ہر لمحے کے ساتھ اپنا آپ زمین میں دھنستا ہوا، پل پل مرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا...... اتنا درد

کتنی آسانی سے بابا نے اپنے دِل کے تمام زخم ایک ایک کر کے میرے سامنے کھولے۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے زخموں کو نہ صرف کریدنا بلکہ مکمل طور سے کھول کر رکھ دینا اور پھر ان سے وابستہ درد، کرب اور اسی درد اور کرب میں محبت اور وہ محبت جس نے پل پل انتظار جیاء ہو، نہ کردہ گناہوں کی سزا پائی ہو...... اور آخر میں خالی ہاتھ ہمیشہ سے محبت خالی ہاتھ ہی تو رہی ہے...... تو پھر بابا اب بھی محبت کی اتنی حمایت کیوں کرتے ہیں؟ فضول بالکل فضول چیز ہے یہ محبت۔ بابا نے اپنی زندگی میں کیا پایا ہے؟ صرف تکلیف، صرف درد، رسوائی، تنہائی، No Thanks......

اس وقت مجھے اس قدر اُلجھن ہو رہی تھی۔ اس لفظ محبت سے کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو دُنیا کو چیخ کر کہہ دیتی کہ محبت کچھ نہیں۔ صرف آگ کا وہ انگارہ ہے جو دیکھنے میں بے حد حسین لگتا ہے، مگر اس کو چھونے پر نہ صرف ہمارا ہاتھ بلکہ یہ تو روح تک کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیتا ہے......!!

خود پہ بے حد غصہ آتا رہا کہ بابا کی ان تمام تکلیفوں کو میں نے کبھی محسوس کیوں نہیں کیا۔ بابا میرے ساتھ رہے، اگر انہوں نے مجھے کبھی کچھ بتایا نہیں تھا تو میں نے بھی تو ان سے کبھی پوچھا نہیں تھا نا۔ اگر میں پوچھتی تو وہ مجھے آج سے بہت پہلے بتا دیتے۔ اگر ابھی بتا رہے ہیں تو پہلے بھی بتا دیتے، مگر ابھی انہوں نے مجھے خود بتایا...... میرے پوچھے بنا، اس وقت میں کمرے میں وہ تمام الزامات خود کو دے رہے تھی، جو رات تک میں بابا کو دیتی رہی تھی...... بابا میری ایک ایک بات کو سمجھتے ہیں۔ میرے بنا کہے مجھے جان لیتے ہیں اور میں، مجھ میں، لعنت سے مجھ پر...... وہ تمام باتیں جو بابا نے مجھ سے ایک رات میں بیان کر دی تھیں، وہ سب ان کی زندگی تھی۔ بابا نے آج مجھے اپنے ماضی کے اُن تاریک کمروں کی سیر کرائی تھی جن میں بابا اور شاید ابا بھی، پچھلے 40 برس سے روز اکیلے آتے ہوں گے اور اندھیرے میں ہی واپس بھی چلے جاتے ہوں گے۔ یا اللہ ایسا سب کیوں؟......

جس خاموشی اور صبر کے ساتھ میں بابا کے سامنے بیٹھی، بت بن کر تمام باتیں سنتی رہی،

ایسا معلوم ہوتا تھا، وہ تمام چیخیں میرے اندر دبی رہیں اور اب وہ چیخیں باہر نکلنا چاہتی ہوں......

مجھے اس لمحے ایسا لگ رہا تھا کہ میری ان دبی چیخوں سے میرا سینہ پھٹ جائے گا اور بابا نے مجھے اگر یہ سب بتایا ہے تو ان کا کوئی تو مقصد ہوگا، مگر کیا۔ میں ابا اور بابا کو اس حویلی میں اکٹھے؟ ان کی شطرنج کی ادھوری بازی؟ وہ بند دروازہ؟ یہ سب میں کیسے کر سکتی ہوں؟ میں کیسے کر پاؤں گی؟ بابا مجھے کس آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہیں؟......اور کیوں؟...... یہ تمام سوال اس وقت میرے ذہن میں اس شور کی طرح تھے جیسے میرے اِردگرد ہزاروں لوگ سٹیل کی پلیٹوں کو پتھروں سے بجا رہے ہوں۔ اس وقت اگر کریم خان کمرے کے دروازے پر دستک نہ دیتا تو شاید یہ شور میرے دماغ کو سیکڑوں ٹکڑوں میں بکھیر دیتا۔ میں نے اندر آنے کو کہا تو آکر بتایا ''بی بی بڑے صاحب ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں۔''

میں نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا ''ناشتہ؟'' ''بی بی ساڑھے 9 بج چکا ہے۔'' اب آجاؤ...... ''اتنی جلدی ساڑھے 9 بج گئے۔'' میں نے حیرت سے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ بارش جل تھل کر کے کب کی تھم چکی تھی اور میں کھڑکی کے سامنے کھڑی ابھی بارش ہی کو دیکھ رہی تھی۔ شاید کھڑکی کے باہر کی بارش تو تھم چکی تھی مگر میری آنکھوں کی بوچھاڑ نے اس احساس کو قائم رکھا۔ میں نے اپنے گیلے چہرے کو اپنی چادر سے پونچھا۔ بال ٹھیک کیے۔ کریم خان مجھے بتا کر جا چکا تھا۔ اس وقت دل اس قدر بوجھل اور دماغ ماؤف ہو چکا تھا کہ بابا کے سامنے جا کر بیٹھنے، ان سے بات کرنے یا ان کی بات کا جواب دینے کا حوصلہ بالکل بھی نہیں تھا مگر بابا انتظار کر رہے تھے اور مجھے ان کا ساتھ دینا تھا۔

بابا سامنے ہال میں میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔ میں تھکے قدموں سے آگے تو بڑھ رہی تھی مگر ایسا لگتا تھا کہ آگے کے بجائے قدم مجھے بار بار پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ بابا اپنے اسی انداز سے بیٹھے تھے، ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ہمیشہ خود کو اس طرح ڈھانپ لیتے ہیں جیسے گزرا وقت آنے والے وقت میں اپنے آپ کو ڈھانپ لیتا ہے۔ میں خاموشی سے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ کریم خان نے ہمارے لیے ناشتہ لگایا۔ میں نے بابا کی طرف دیکھا جو کہ کریم خان کی مہمان داری پر اسے سراہ رہے تھے...... میں نے صرف ایک کپ چائے ہی لینا تھی۔ بابا کے کہنے پر بھی کچھ نہیں کھا سکی۔ کریم خان باہر گیا تو بابا نے آہستگی سے پوچھا، ''بیٹا آپ ناشتہ کیوں نہیں کر رہی'' ...... مجھے اس بار بابا کا یہ سوال بالکل اپنے اسی سوال کی طرح لگا جیسے میں نے بڑی آسانی سے کہہ دیا تھا کہ بابا آپ ابا کے ساتھ یہاں آکر اپنی شطرنج کی بازی مکمل کر لیجیے۔ جیسے اُس

وقت بابا مُسکرائے تھے ویسے ہی ابھی میں بھی مُسکرادی.....اور ہمت اکٹھی کر کے بولی،''بابا I want to go back۔ چلیں واپس گھر چلتے ہیں''......''بابا نے بڑے پیار سے کہا کہ کیوں میری گڑیا کو یہ گھر اچھا نہیں لگا کیا؟''''نہیں بابا ایسی بات نہیں۔بس ابھی کچھ گھبراہٹ ہو رہی ہے یہاں.....ہم واپس چلتے ہیں.....Please بابا..... مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ کچھ وقت یہاں اور کاٹا تو دم گھٹ جائے گا.....اس حویلی کی خوب صورتی سے اس کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں تھا،مگر اس وقت مجھے یہاں سے جانا ہے۔''

بابا کے چہرے پر جو اطمینان تھا، وہ اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ بابا میرے اس React سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ان کے چہرے پر کوئی حیرت، کچھ نہیں تھا۔ بڑے آرام سے بولے:

''ٹھیک ہے رات کو جائیں گے۔اب یہاں آئے ہیں تو آپ کو اندرونِ شہر کی سیر بھی تو کرادیں نا''.....

''ہم جانتے ہیں کہ ہماری بیٹی اندرونِ شہر سے واقف نہیں اور جن گلیوں بازاروں میں آپ کے والد، آپ کے بابا کا بچپن گزرا، ان جگہوں کو دیکھنا نہیں چاہیں گی..... بابا دکھائیں گے آپ کو۔بس چائے ختم کریں، Change کرنا ہو تو کرلیں، اگر نہیں کرنا چاہتی تو بھی کوئی ضروری نہیں۔ چلتے ہیں بس آدھے گھنٹے تک۔''یہ کہہ کر بابا اُٹھ گئے اور باہر لان کی طرف چلے گئے۔ میں وہی بیٹھی رہی..... آج مجھے واقعی ایسا لگ رہا تھا کہ میں نے اپنی زندگی کے 26 سالوں میں ایک لمحہ بھر بھی اپنے ''بابا'' کو، اُس شخص کو، جس نے سب سے زیادہ مجھے سمجھا، مجھے جانا، میری ہر خوشی، ہر خواہش کو اپنا سمجھ کر پورا کیا، جنہوں نے مجھے اپنی ذات، اپنے جسم کا حصہ بنا کر رکھا۔ جیسے پلکیں آنکھیں کی حفاظت کرتی ہیں، ویسے بابا نے میری حفاظت کی اور میں ان کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی ان سے اتنی دور کیوں رہی، یا پھر اپنے اتنے قریب رکھتے ہوئے اپنا دل کہہ دیا مجھے اور پھر بھی خود سے مجھے اتنا دور ''بابا'' نے کیوں رکھا.....؟

میری کوتاہی تھی یا بابا مجھے اس قابل نہیں سمجھتے تھے؟۔

آج مجھے بابا کی بات بار بار یاد آرہی تھی یا پھر بابا کی اتنے سالوں پہلے کہی بات مجھے آج سمجھ آئی تھی۔

بیٹا آپ عذابِ آگہی سے واقف نہیں ہو۔

جہاں تک ممکن ہو، جب تک خود کو بچا سکو، اپنے آپ کو اس عذاب سے بچائے رکھنا۔

کیونکہ ہر انسان کا ہر بات کو جاننا ضروری نہیں۔ زندگی میں کچھ باتوں کے بارے میں ناواقف ہونا ہی بہتر ہے۔ جتنا جانوں گی، ہوسکتا ہے اسی قدر تکلیف میں اضافہ ہی ہو۔ لاعلمی بہت سے عذابوں سے بچائے رکھتی ہے......

ٹھیک ہی کہتے تھے، آج اس بات کا احساس مجھ سے بہتر کسی اور کو ہو ہی نہیں سکتا۔ کس وقت کون سی بات کیسے سمجھانی ہے؟ یہ بابا سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔ مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ رحیم خان سے کہہ کر میں نے اپنا سامان نیچے ہی منگوا لیا اور نہ ہی میں نے Change کرنے کی ضرورت سمجھی تھی۔ بس بڑی سی چادر اپنے گرد لپیٹ لی تھی کیونکہ بادل ابھی بھی تھے اور سردی کی شدت میں بھی اضافہ ہو رہا تھا......

بابا جب واپس آئے تو انہوں نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ میرے صوفے کے پاس میرا بیگ پڑا تھا۔ بیگ دیکھ کر مسکرا کر بولے ''بیٹا جان آپ تو واقعی ہی بڑی جلدی میں ہیں''...... میں نے اپنی نظریں جھکانے میں ہی بہتری سمجھی۔

''چلیں پھر اگر آپ نے اپنا سامان اپنے پاس منگوا لیا ہے تو پھر گاڑی میں بھی رکھوا دیجئے اور میرا بھی سامان منگوا لیجئے۔ میرا تو خیال تھا کہ ہم رات کھانا یہاں کھائیں گے، پھر جائیں گے، مگر ٹھیک ہے ابھی چلتے ہیں۔ کریم خان، کریم خان''...... بابا نے آواز دی۔

میں کچھ گھبرائی تو تھی مگر خاموش رہی کیونکہ اس وقت مجھے بس یہاں سے نکلنا تھا اور کچھ نہیں......

کریم خان بھاگا آیا...... جی صاحب!

''کریم ''یار'' میرا اور بی بی کا سامان گاڑی میں رکھ آؤ''

کریم خان نے حیرت سے ہماری طرف دیکھا اور بڑی معصومیت سے بولا کہ ''صاحب جی، آپ تو تین چار روز کے لیے نہیں آیا تھا؟''......

بابا نے کہا، ''نہیں۔ کچھ ضروری کام ہے، واپس جانا ہے ضروری۔ ابھی ہمیں بازار بھی جانا ہے۔ دن اس میں بھی لگ جائے گا، مگر صاحب آپ اتنے سالوں بعد''......

''کریم خان سامان گاڑی میں رکھوا دو''...... بابا نے کریم خان کو پوری بات کرنے کا موقع دیئے بنا ہی اپنا فیصلہ سنا دیا اور وہ خاموشی سے اوپر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ہاتھ میں بابا کا بیگ تھا اور میرا بیگ بھی اُٹھا کر گاڑی کی طرف چل پڑا۔ میں نے بابا کی طرف دیکھا جو خاموشی سے سیڑھیوں سے پیچھے اس بند دروازے کو گھور رہے تھے۔ میں نے ایک حسرت کی نگاہ

اس دروازے پر ڈالی۔ پتہ نہیں کب بابا کے لیے اور کیسے یہ دروازہ کھول پاؤں گی۔ پتہ نہیں بابا نے مجھے یہ ذمہ داری کیوں سونپ دی۔ میری آنکھوں کے کونے پھر بھیگنے لگے۔ اتنی دیر میں بابا نے میری طرف مڑے اور میں نے جلدی سے منہ دوسری طرف کرلیا۔ ''چلیں بیٹا جان!؟''......

بابا نے مجھ سے پوچھا...... جیسے ابھی انہیں اُمید ہو کہ میں اور رُکنے کا کہوں گی......اور میں نے قدم دروازے کی طرف بڑھا لیئے...... باہر بڑے صحن میں گاڑی کھڑی تھی اور گاڑی کے قریب کریم خان اور ڈرائیور باتیں کررہے تھے۔ میں نے کریم خان کو پرس میں سے وہی چابی نکال کردے دی جو صبح بابا نے میرے ہاتھ پر رکھی تھی......

''کریم خان ابھی یہ چابی آپ اپنے پاس رکھو...... اور اس کا اب پہلے سے زیادہ خیال رکھنا''......

یہ کہہ کر میں گاڑی میں بیٹھ گئی اور ہماری گاڑی ہمیں لیے انہیں گلیوں سے باہر نکلنے لگی جن گلیوں سے لے کر یہ ہمیں اندر آئی تھی، مگر جانے کا سفر آنے کے سفر سے بالکل مختلف تھا۔ دِل پر منوں بوجھ لیے ہوئے تھا، یہ واپسی کا سفر۔ اُس وقت میں عذابِ آگہی سے انجان تھی۔ اس سفر نے مجھے عذابِ آگہی سے واقف کرایا۔ اس سفر نے میری زندگی میں بابا کی گزری زندگی کو جوڑ دیا۔ میرے آنے والی زندگی میرے بابا کے ادھورے سپنوں سے جڑ چکی تھی اور کہیں نہ کہیں میں ان سپنوں کو پورا کرنے کا خواب، پورا کرنے کا ارمان اور اُمید لیے یہاں سے جارہی تھی۔ گلیوں میں کھڑے ہوئے لوگ ہاتھ ہلا ہلا کر بابا کو سلام کررہے تھے۔ بظاہر یہ ایک چھوٹا سا سفر میرے آنے والے سالوں او بابا کے گزرے چالیس سالوں پر محیط ہی تھا۔ گاڑی ایک بار پھر اس چوک سے گزری اور آگے آنے والی بڑی سڑک جو جگہ جگہ لگی چھوٹی چھوٹی دُکانوں سے بھری پڑی تھی۔ ایک پرندوں والی دُکان کے سامنے بابا نے گاڑی کھڑے کرنے کو کہا اور گاڑی سے باہر نکل گئے۔ 'آؤ بیٹا'، بابا نے مجھے بھی باہر آنے کا کہا۔

میں گاڑی سے باہر نکلی اور بابا نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس سڑک سے بائیں جانب چل پڑے۔ چلتے چلتے وہ بولے'' یہ اندرون شہر ہے، پنڈی کا۔'' اندرون شہر بھی قدیم شہروں میں سے ایک تھا۔ سامنے سڑک پر چلتے چلتے، چھوٹے چھوٹے گھروں اور انہیں گھروں کے اندر بنی دکانوں پر محیط اور ان کے بیچ ایک عمارت جو مندر لگ رہی تھی۔ میں نے بابا سے پوچھا'' یہ مندر ہے۔'' بابا نے اثبات میں سَر ہلایا۔'' ان سڑکوں پر انہیں دکانوں پر آپ کے بابا کا بچپن گزرا ہے۔'' انہیں گلیوں کے اندر مزید گلیاں اور تنگ جن میں سے بمشکل دو آدمی گزر سکتے ہوں۔

عورتیں، بچے، جوان، بوڑھے۔ میں اسی شہر کی پیدائش تو تھی مگر اپنے ہی شہر کے اس حصے سے میں ناواقف تھی۔ دُنیا کس قدر مصروف تھی، کس قدر جلدی میں تھے سب۔

قلفی کی ریڑی پر لگا بچوں کا ہجوم اور تیزی سے اپنی قلفی لے کر بھاگتے جاتے اور ان کی آنکھوں میں خوشی کا، ایک انوکھا رنگ تھا۔ گلیوں میں دونوں جانب کڑھائی کے کپڑے، رنگ ساز، درزی اور پھر ایک سڑک جو قدرے تنگ تھی اور جس پر موٹر سائیکلوں کا رش تھا۔ اس سڑک کو کراس کر کے ہم ایک اور تنگ گلی میں چلے گئے، یہاں فرش پر چھوٹی چھوٹی چٹائیاں لگائے لوگ اپنی روزی کما رہے تھے، جن پر برتن، کھلونے، چنے، ریوڑی، مونگ پھلی...... مطلب یہ دُنیا کا بلکہ اسی شہر کا حصہ تھا، جس شہر میں بھی پیدا ہوئی اور اب مجھے یہ دُنیا کا کوئی اور حصہ لگ رہا تھا۔

مجھے حیرت اس بات پر نہیں تھی کہ سب کیا ہے؟ بلکہ اس بات پر تھی کہ میں اسی شہر کا حصہ ہوں کیا؟ اور اگر ہوں تو اب تک کہاں تھی؟ پھر اندر جاتے جاتے، لوگوں سے ٹکراتے، بچتے، ہم ایک اور بازار میں آ گئے یعنی بازار کے اندر بازار۔ جیولری، کپڑے، جوتے، جگہ جگہ سے آتی آوازیں، 120 روپے کا مال، دس روپے کا مال، یا خدا یہ سب...... پھر سبزیوں کا بازار شروع ہوا جہاں سڑک پر سبزی والوں نے پورا قبضہ کر رکھا تھا۔ پان والے، چھوٹے چھابڑوں پر لگے بسکٹ نما کوئی چیزیں۔ بابا میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے چلے جا رہے تھے اور میں وہ سب دیکھی جاتی۔ حقیقت میں مجھے لگا کہ میں واقعی کسی قدیم جگہ پر پھر رہی ہوں، جیسا کبھی ڈراموں یا فلموں میں پرانی مارکیٹ، پرانے محلے دیکھنے میں آتے تھے۔ آج انہیں محلوں میں مَیں بھی پھر رہی تھی۔ جاتے جاتے گلی کے ایک کونے پر ایک پان والے کی دُکان تھی۔ بابا وہاں رُکے اور دو میٹھے پان بنانے کو کہا۔ میں نے حیرت سے بابا کو دیکھا۔

بابا مُسکرا کر بولے، ''بیٹا جان۔ جب میں دسویں جماعت میں تھا تو اسی دکان سے پان لے کر جایا کرتا تھا۔ آپ کے دادا ابو بھی اسی دکان کے پان کھایا کرتے تھے۔'' پان بنانے والا ایک جوان لڑکا تھا جو بابا کو تو نہیں پہچانتا تھا مگر اس کو لازمی یہ ہنر اس کے بڑوں نے سکھایا تھا اور اپنے ہاتھوں سے پتوں پر وہ رنگ برنگی چیزیں جس مہارت اور جس تیز رفتاری سے سجا رہا تھا، اس سے اس کی وراثت کا یقین ہو رہا تھا۔ پان بنانے کے بعد اس نے پان لفافے میں بند نہیں کیا بلکہ اسی طرح بابا کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور اس کی کتھے اور چونے سے رنگے ہاتھوں سے بابا نے پان پکڑ کر میری طرف کیا، مَیں جو حیرت زدہ کھڑی یہ دیکھی رہی تھی اور ابھی اپنی سوچوں سے باہر آ بھی نہیں پائی تھی کہ اچانک بابا نے کہا، ''انا بیٹے منہ کھولو۔'' اس سے پہلے کہ میں کچھ

بول پاتی، بابا نے تیزی سے پان میرے منہ میں ٹھونس دیا اور پان سائز میں اتنا بڑا تھا کہ مجھے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر چبانا پڑا، جبکہ بابا نے بڑی مہارت سے پان کو دانتوں میں منہ کی ایک طرف ایسے سیٹ کیا اور آرام آرام سے چبانے لگے...... اور وہ میرے اس حالت پر ہنس بھی رہے تھے۔ میں نے ٹشو سے اپنا منہ اور ہاتھ صاف کیا اور بولنے سے تو قاصر تھی، مگر سَر ہلا کر بابا کو، افسوس ہے کا اشارہ ضرور کر دیا...... ان گلیوں میں سادہ طرز پر بنے بلند مکانات اپنے اندر مہارت کا ایک نمونہ ہی تو تھے۔

پھر بابا کے ساتھ چائے کے ڈھابے سے چائے پی اور گلیوں کے اندر اندر میں نے ایک نئے شہر کی سیر کی، پھر بابا نے ایک دُکان سے مچھلی خریدی، جو بقول بابا کے ان کی پرانی دُکان تھی...... پھرتے پھرتے میں بھی چند لمحوں کے لیے اسی قدیم شہر کا ایک قدیم حصہ ہی تو بن چکی تھی، مگر ان گلیوں میں بابا جس طرح گھوم رہے تھے، ایسے لگتا تھا کہ بابا نے کل ہی اِن گلیوں سے Shopping کی تھی...... ان کے چہرے پر جو اعتماد تھا۔ اس سے ان کے ماضی کی جھلک نمایاں ہو رہی تھی۔ پھرتے پھرتے شام کے پانچ بج چکے تھے اور مغرب کی اذانیں بھی ہونے لگی تھیں۔ ''میرے خیال سے آج کے لیے اتنا کافی ہے نا''...... بابا نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے بھی کہا کہ بہت ہے۔ اب گھر چلتے ہیں۔ ہم گاڑی میں بیٹھے اور گاڑی اسی قدیم شہر سے منٹوں کے سفر میں جدید شہر میں داخل ہو چکی تھی۔ راستے میں بابا مجھ سے پوچھتے رہے اور میں ان کو اپنی پسند بتاتی رہی۔ مگر میں ذہن کی الجھنیں ہر نئی چیز کے ساتھ بڑھتی رہی۔ مگر اس وقت میں بابا سے کیا پوچھتی مجھے خود کو نہیں معلوم تھا۔

تھوڑی دیر میں گاڑی ہماری گھر کے پورچ میں داخل ہوگئی اور گاڑی کی آواز سنتے ہی معمول کے مطابق ذرقا بھابھی بھاگی باہر آئیں ......اور ہمیں دیکھ کر خوشی اور حیرانی دونوں تاثرات ان کے چہرے پر عیاں تھے۔ ''آپ لوگ تو 2 دن بعد آنے والے تھے نا'' ...... بھابھی بابا کو ملتے ہوئے پوچھے بنا نہیں رہ سکی ......اور بابا ان کے سر پر ہاتھ رکھنے کے بعد ہنستے ہوئے بولے کہ ''بھئی ہماری ''انا'' آپ کے بغیر خوش نہیں تھی۔ اس لیے ہم جلدی ہی ان کو واپس لے آئے۔'' بھابھی نے آگے ہو کر مجھے اپنے گلے سے ایسے لگایا جیسے میں نہ جانے کتنے سالوں بعد ان سے ملی ہوں......

ویسے حقیقت تو تھی کہ اتنے سالوں کا سفر ہی تو کر کے آ رہی تھی نا...... ''ہائے اللہ بھابھی کیا ہو گیا ہے۔ پرسوں ہی تو گئے تھے۔ آپ کیسی ہیں؟'' میں نے انھیں پیار کرتے ہوئے پوچھا......

''ٹھیک ہوں ،اکیلی تھی نا کافی ،بھیا تو تمہارے صبح جائیں گے اور رات کو واپسی ہو گی۔اماں ابا کی واپسی کل صبح ہو گی ۔ابھی فون آیا تھا۔اب پیچھے رہ گئی بوا اور میں ۔تو خود سوچ لو کے تمہارے بغیر کیسی ہوں گی ۔''

لاونج میں بیٹھنے لگی کہ بوا سامنے تیزی سے آرہی تھی۔''ہائے میری بچی ٹھیک تو ہے نا......بوا نے ہائے ایسے کیا جیسے پتہ نہیں مجھے کسی چیز نے کاٹ لیا ہو......آ کے میرا ماتھا چوما اور مجھے ایسے ٹٹولنے لگیں جیسے ان کے ٹٹولتے سے مجھے کچھ ہوا بھی ہو گا ٹھیک ہو جائے گا بیماری نہ ہوئی کوئی چیونٹی ہو گئی۔بوا کی اس حرکت پر بابا نے کہا......''دماغ تو ٹھیک ہے تم سب لوگوں کا ''انا'' میرے ساتھ گئی تھی''...... بابا نے قدرے غصے سے کہا جس سے بوا تھوڑی سٹپٹا گئی......''نہیں صاحب وہ''، بوا نے کانپتی آواز میں کچھ کہنا چاہا......''ایسے پوچھ رہے ہیں جیسے ''انا'' جانے کہاں سے کون سے محاذ ہو کر کے آئی ہے جاؤ اب چائے بنا کر لاؤ اچھی سی ۔ہم دونوں بہت تھک چکے ہیں۔پہلے چائے پیئں گے پھر کریں گے کیوں بیٹا جان؟''۔بابا نے بھابی کی طرف شرارت سے دیکھتے ہوئے پوچھا،تو بھابی بھی ہنستے ہوئے کچن میں چلی گئیں ۔بابا نے آہستگی سے کہا۔''انا'' کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم کہاں گئے تھے اگر کوئی اسرار کرے تو کہہ دینا مری گئے تھے اور تو کوئی نہیں دانش ضرور پوچھے گا'' ......جی......جی بابا donot worry میں ذرا بھابی کی help کرتی ہوں چائے لانے میں'......میں کہہ کر کچن میں چلی گئی چائے بنانے ۔کہ اتنی دیر میں بابا کی باتوں کی آواز آئی ،احسن بھائی !......میں نے بھابی سے پوچھا، ''بھابی احسن بھائی کی آواز آرہی ہے شاید بھابی نے بھی حیرت سے میری طرف دیکھا اور پھر باہر کی طرف جانے لگی کہ دیکھ کو آئیں تو لاونج میں سامنے احسن بھائی بابا سے مل رہے تھے......

''واہ جی آج تو کمال ہو گیا احسن بھی جلدی آ گئے''......''دیکھ لیں پھر۔'' میں نے ٹرے میں رولز کی پلیٹ رکھتے ہوئے بھابی کو ہنستے ہوئے جواب دیا اور بھابی ٹرے اٹھا کر باہر لاونج میں جانے لگی ان کے پیچھے بوا چائے کے برتن لیے جا رہی تھیں......

احسن بھائی مجھے آتا دیکھ کر کھڑے ہو گئے میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے پیار سے مجھے جواب دیا ''''انا'' آپ لوگ تو دو تین دن رکنے والے تھے ۔مگر اتنی جلدی واپسی کی توقع مجھے تو نہیں تھی'' کیوں ''بھیا آپ کو ہمارا آنا اچھا نہیں لگا تو ہم دونوں واپس چلے جاتے ہیں کیوں بابا''، بابا ہنسنے لگے اور میں نے شرارت سے بھابی کو کونی ماری۔بھابی اور احسن بھائی شرم سے سرخ ہونے لگے اور بوا ان کی حالت سے محضوض ہونے لگی۔اس پر احسن بھائی بولے

''نہیں پاگل لڑکی۔ آپ لوگوں نے ہمیں surprise کر دیا نا ہمیں'' ......اور احسن بھائی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا......اور بابا کی طرف اشارہ کر کے مجھے گھورے جیسے مجھے ٹوک رہے ہوں......میرا احسن بھائی سے لاکھ مذاق سہی، چھیڑ و چھاڑ سہی، مگر ہم دونوں میں ہمیشہ سے ایک جھجھک ضرور تھی اور اس کی وجہ بھی احسن بھائی ہی تھے۔ مزاج کے سخت تو نہیں مگر ضرورت سے زیادہ reserue تھے، خاموش طبع بھی تھے امی کے علاوہ کسی سے زیادہ بات کرنے کی ان کی عادت ہی نہیں تھی۔ یا اب زرقا بھابھی ہیں جو ان کو زبردستی بولنے پر مجبور کر ہی دیتی ہیں۔

مگر بابا والی بات کہ بھابھی کے آنے کے بعد بھیا کچھ حد تک تو مطمئن تھے ہی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ان کی reserveness بتدریج قائم تھی۔

ہم سب نے مل کر چائے پی اور اس کے بعد بابا اپنے کمرے میں چلے گئے احسن بھائی اپنے کمرے میں change کرنے چلے گئے بوا نے برتن وغیرہ اٹھائے اور میں لاؤنج میں پڑے صوفے پر لیٹ کر ریموٹ ہاتھ میں اٹھا کر ٹی وی on کر لیا......

بظاہر تو ٹی وی ہی دیکھ رہی تھی مگر میں کہیں اور تھی کیونکہ جو کچھ اب جان چکی تھی، اس کا کوئی مطلب کوئی مقصد تو تھا ہی مگر میں اس کو سمجھنے سے قاصر تھی پتہ نہیں کتنی دیر ہو گئی تھی۔ ٹی وی پر ایک ہی channal لگا ہوا تھا۔

مجھے نہیں پتہ تھا کون آیا کون گیا اچانک کسی کا ہاتھ میں نے اپنی پیشانی پر محسوس کیا تو ایک دم سے ڈر گئی زرقا بھابھی کیا ہوا ''انو'' بھابھی نے فکر سے میری طرف دیکھا...... میں ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی وہ میرے قریب ہی بیٹھ گئیں میں نے مسکرا کر کہا ''کیا ہوا؟'' ''بھابھی یہ ہی تو میں تم سے پوچھ رہی ہوں کہ کیا ہوا کچھ پریشان ہو'' نہیں تو کیوں آپ کو کیا لگا؟ میں نے حیرت سے ان سے پوچھا۔ انہوں نے اپنائیت سے میرا ہاتھ جھٹک کر کہا، ''اب بتانا نہ چاہو تو اپنی مرضی ہے، ورنہ تم ٹی وی لاؤنج میں پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے ہو اور میں یہاں سے چار بار گزری ہوں۔ فضول سا سٹیج شو لگا ہوا ہے، جبکہ ''انو'' میڈم جب لاؤنج میں ہوتی ہیں تو 5 منٹ سے زیادہ ایک چینل نہیں چلتا، یعنی 30 منٹ میں آپ پوری دُنیا گھوم کر اپنے کمرے میں تشریف لے جا چکی ہوتی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ ٹی وی نہیں دیکھ رہی تھیں۔ بس Pretened کر رہی ہیں، ورنہ آپ ہیں کہیں اور...... کیوں؟ اب یہ بھی کہہ دو کہ میں غلط کہہ رہی ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ ہاں''

''اُف اللہ! میری پیاری بھابھی Takelight نا۔ کیا ہو گیا ہے۔ ایک تو آپ ہر وقت ہر کسی نہ کسی کی فکر میں لگی رہی ہیں اور Please اپنا بھی کچھ خیال کیا کریں۔ آپ ٹھیک کہہ

رہی ہیں۔ میں Office کے بارے میں سوچ رہی تھی۔کل نئے Project پر کام شروع کرنا ہے۔فرحان سے بات ہوئی تھی۔اس نے بتایا تھا،بس اسی کے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔بس خوش۔''

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ میری بھابھی میرے بارے میں اتنی Concern ہیں کہ میں کیا دیکھتی ہوں اور کتنی دیر دیکھتی ہوں،اس کی فکر بھی ہوتی ہے۔''

بھابھی نے پیار سے میرے گال کو چوما۔''تیری فکر نہیں ہوگی تو کس کی فکر ہوگی''۔ گڑیا ہے اس گھر کی۔ہم سب کی۔ اللہ تیری قسمت میں کبھی کوئی دکھ نہ آئے۔'' ''بھابھی،بس بس اب Please کوئی اور بات نہیں۔ میں Change کر کے آتی ہوں،پھر کھانا اکھٹے کھاتے ہیں۔''میں تیزی سے بھابھی کے گال کو چوم کر وہاں سے بھاگ گئی۔اسی بھاگنے میں میرا پردہ تھا......سب کا اس قدر پیار اور اس قدر پرواہ مجھے کبھی کبھی ایک انجانے خوف میں ڈال دیا کرتا تھا۔

کمرے میں آتے ہی اپنے Bag سے Cell Phone نکالا جو کہ Off پڑا تھا۔ میں نے فرحان کو فون کیا......''Hy Ana کہاں ہو،یار۔ Cell بھی Off کر رکھا ہے۔'' سب خیریت؟'' ''ہاں فرحان کل Office میں بات ہوگی۔بس یہ ہی بتانا تھا کہ کل Office آؤں گی۔'' ''Ok۔گڈ۔مگر تم نے دو دن بعد نہیں آنا تھا۔نہیں دو دن بعد نہیں کل ہی آنا ہے۔'' ''Ok،یار۔ٹھیک ہے''......فرحان کو بتا کر،نہائی اور کھانے کا جی تو بالکل نہیں تھا مگر زرقا بھابھی کے کسی سوال کا جواب دینے کی Position میں تو میں بالکل بھی نہیں تھی۔

کھانے کی میز پر ہم سب اکٹھے ہوئے۔بابا بھی آگئے۔بابا بھی کافی تھک چکے تھے۔ رسمی سی بات چیت رہی،سب میں۔ بھابھی عادت سے مجبور مجھے ہی دیکھ رہی تھیں،کیونکہ امی کی غیر موجودگی میں ان پر ذمہ داری بھی آچکی تھی،کیونکہ کھانے کے بارے میں ہمیشہ سے وجود تھی۔ تھوڑا سا پلیٹ میں ڈال کر کھیلتی رہتی تھی اور سب کھانا کھا کر اُٹھ جایا کرتے تھے اور میز پر میری جگہ امی کی بغل میں ہی ہوا کرتی تھی۔ Head of Family بابا تھے۔دائیں طرف ابا اور امی اور میں اور بائیں طرف احسن بھائی،بھابھی۔ بھابھی خود کھانا تھوڑا کھایا کرتی تھیں اور مجھے زیادہ کھلایا کرتی تھی۔آج امی نہیں تھی اس لیے ان کو میری زیادہ ہی فکر تھی۔

میری یہ رات بھی کافی بوجھل تھی۔ بابا اور احسن بھائی کب اپنے کمرے میں گئے۔ مجھے نہیں پتہ۔کھانے کے بعد میں نے اجازت لے کر اپنے کمرے میں آکر نماز پڑھی اور کوشش کرنے لگی کہ آنکھ لگ جائے......اسی کوشش میں تھی کہ دروازہ کھٹکا۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ بھابھی تھی۔ ہاتھ میں دودھ کا گلاس لیے'' ''انو'' سوگئی کیا؟'' ''نہیں بھابھی یہ لو بیٹا،دودھ پی لو''......

''بھابھی دودھ کی سزا کیوں دیتی ہیں مجھے؟'' ''خاموش پاگل لڑکی۔'' ابھی وہ میرے پاس بیٹھی ہی تھیں کہ دروازہ پھر Knock ہوا۔ مجھ سے پہلے بھابھی بولی آیئے۔ احسن بھائی تھے۔ میں نے فوراً دوپٹہ گلے میں ڈال لیا۔ ''بھائی آپ!'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیوں بھئی میں ''انا'' کے کمرے میں نہیں آسکتا کیا؟'' نہیں بھائی۔ وہ آپ کبھی آتے نہیں نا تو اس لیے۔ ''Please بیٹھیں۔'' بھائی نہ جانے کتنے عرصے بعد میرے کمرے میں آئے تھے۔ مجھے کافی اچھا بھی لگا اور کافی حیرت بھی ہو رہی تھی۔ بھائی میرے کمرے میں پڑی آرام کرسی پر بیٹھ گئے۔ ''''انا'' تمہارا Taste تو بہت اچھا ہے مگر''...... ''مگر کیا؟'' میں نے ایک دم سے پوچھا۔ ''بہت زیادہ Black نہیں ہے کیا؟''...... ''یہی تو میں بھی اسے کہتی ہوں، مگر نہیں، ہر وقت Black۔ ہر چیز Black ہی چاہیے اسے''...... بھابھی نے بناوٹی غصے میں ڈانٹتے ہوئے کہا۔

احسن بھائی سے بہت قریب ہوتے ہوئے بھی میری احسن بھائی سے ایک جھجک بچپن سے ہی تھی۔ میں ان سے کسی بات پر بحث نہیں کیا کرتی تھی۔ بس، جی ہاں کر کے بات کو ختم کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔

بھیاء وہ......! نہیں نہیں۔ ''میرا یہ مطلب نہیں کہ تم اس کو بدلو۔ ٹھیک ہے۔ مجھے اچھا لگا۔ Do what you Want۔ میں نے تو ایسے ہی کیا۔'' انہوں نے مجھے بولنے سے پہلے ہی ٹوک دیا۔ میں بھی خاموش ہوگئی۔ ''صبح آفس جانا ہے۔'' ''انا''؟ ''جی بھیاء جانا ہے۔'' انہوں نے رسمی طور پر مجھ سے پوچھا......

''چلو ٹھیک ہے۔ آپ لوگ گپ شپ کرو۔ میں چلتا ہوں، مجھے بھی صبح ذرا جلدی جانا ہے۔ میں تو بس سوچا جا کے تمہیں دیکھ آؤں۔''

''ہاں ہاں، ابا جان گھر نہیں ہیں، اس لیے بہن کو ملنے آئے ہیں...... کہ بھابھی تو خیال رکھتی نہیں جیسے۔'' بھابھی نے پیار سے گلہ کیا۔ احسن بھائی نے مُسکرا کر بھابھی کی طرف دیکھا اور سر جھکائے، بغیر کچھ کہے چلے گئے۔ ''انو تم ٹھیک ہونا۔ کہو تو میں آج تمہارے پاس ہی سو جاؤں۔ مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تم۔'' بھابھی نے اپنائیت سے کہا۔

''بھابھی خدا کا واسطہ ہے کیا ہوگیا ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ جائیں۔ اب احسن بھائی کی نرمی کا ناجائز فائدہ تو نہ اُٹھائیں آپ۔'' میں نے بھابھی کو چھیڑا۔ ''نہیں تمہارے بھیاء اس معاملے میں بہت عظیم ہیں۔ وہ بُرا نہیں مانیں گے''...... ''جی میں جانتی ہوں۔ میرے بھیاء ہر معاملے میں ہی Great ہیں۔ آپ Please جائیں''۔ ''میں دودھ پی لیتی ہوں اور

پھر سو جاؤں گی۔ Dont Worry۔'' بھابھی نے میرے ماتھے پر پیار کیا۔ ''اچھا چلو آرام کرو۔'' وہ چلی گئیں اور میں نے دودھ کے گلاس کو دیکھا جو کہ واقعی ہی میرے لیے سزا ہی تھا، مگر بھابھی کا پیار بھی ساتھ تھا۔ میں نے دودھ پیا، رات کی تھکن بھی تھی۔ نیند نے کس پل مجھے اپنی آغوش میں لیا، مجھے پتہ ہی نہیں چلا......

پاکستان ورچوئل لائبریری ڈاٹ کام

اگلے دِن زندگی اپنے معمول سے چلنے لگی۔ وہی صبح، وہی شامیں، وہ کام، وہی لوگ۔ مگر میری سوچ کافی بدل چکی تھی اور ویسے بھی میرے ساتھ لوگوں کا بنایا ہوا ہر فارمولا غلط ہی ثابت ہوا کرتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے بابا مجھے Different کہا کرتے تھے......

اپنی زندگی کی سوچوں اور درد کی شدت کو قدرے کم کرنے کا ایک بہترین فارمولا تھا کہ اپنے آپ کو ضرورت سے زیادہ مصروف کر لیا جائے۔ میں نے بھی کچھ ایسا ہی کیا تھا، جہاں ایک وقت میں مَیں صرف ایک Project پر کام کیا کرتی تھی، اب پرائیویٹ پروڈکشن کے ساتھ مِل کر میں نے ایک وقت میں تین تین Project اکٹھے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ فرحان اور انعم بھی میرے اس رویے سے حیران تھے، بلکہ فرحان نے تو صاف انکار بھی کر دیا تھا کہ ''مجھ سے اتنا کام نہیں ہوتا۔ ایک وقت میں ایک Project کافی ہے'' تو میں نے اسے کہا کہ ''تم ایک ہی کیا کرو...... باقی میں خود کر لیا کروں گی......'' انعم نے بھی مجھے سمجھانے کی کوشش کی مگر مجبوراً اسے میرے ساتھ ہی Help تو کرنا ہی تھی۔ میں انعم کو شام چھے بجے فارغ کر دیا کرتی تھی۔ شعیب صاحب کو بھی گھر جلدی جانا ہوتا تھا۔

میں خود دیر سے جایا کرتی تھی۔ فرحان ایک دو دِن تو جلدی چلا گیا، مگر بعد میں وہ میرے ساتھ دیر تک آفس میں کام میں Help کرتا رہتا۔ نفیس النفس انسان تھا۔ غصہ کرنے کے بعد میری ضد کے آگے وہ ہمیشہ ہار مان لیا کرتا تھا، مگر یہ سب کچھ میں جس وجہ سے کرتی تھی۔ وہ وجہ اپنی جگہ جوں کی توں موجود تھی۔ میری مصروفیت سے میری سوچوں پر ذرا برابر بھی اثر نہ ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ میرے ذہن میں ایک کیسٹ الگ سے چل رہی ہے، جو میں کچھ بھی کروں، اس سے اسی رفتار کے ساتھ چلتے رہنا ہے۔

سو یہ فارمولا بھی بے سود گیا کہ خود کو مصروف کرنے سے سوچ اور درد کی شدت میں کمی ہوتی ہے۔ نہیں ایسا کم از کم میرے ساتھ تو کسی صورت نہیں تھا، جس رفتار سے میرا کام چلتا، اسی

ہی رفتار سے میری سوچوں کی اذیت دن بدن بڑھتی جاتی۔ چاہنے کے باوجود بھی وہ سب ذہن کے Store room میں نہیں پھینک پا رہی تھی۔

میری مصروفیت کو میرے گھر والوں نے بھی شدت سے محسوس کیا۔ کہاں میں 6، ساڑھے 6 بجے گھر ہوا کرتی تھی۔ اب رات کے دس بج جایا کرتے تھے اور میں آفس میں ہوا کرتی تھی۔ زرقا بھابھی اور امی کی ڈانٹ ٹیلی فون پر بدستور جاری تھی۔ 6 بجے کے بعد دو چار ایسے فون تو ضرور آیا کرتے تھے جس میں ڈانٹ پھٹکار ہوا کرتی تھی...... مگر اس رات، شاید کچھ زیادہ دیر ہوگئی، جس پر بعد میں مجھے خود کچھ شرمندگی ہوئی۔ میں اپنے Office میں کام کر رہی تھی۔ ایک Add Film کی تیاری میں مصروف تھی۔ فرحان بھی اپنے کمپیوٹر پر اسی Project اور Production کو فائنل کر رہا تھا۔ آفس کا دروازہ کھلا اور احسن بھائی، ''Miss Ana۔'' میں ایک دم ہڑبڑا گئی۔ ہائے یہ کیا ہوا؟۔ ''احسن بھائی آپ؟'' میں ایک دم سے کھڑی ہوگئی۔ ''سب خیریت ہے! آپ یہاں!'' ...... فرحان نے اُٹھ کر احسن بھائی کو سلام کیا۔ احسن بھائی فرحان کو بڑے اخلاق سے ملے۔ ان کے چہرے پر ایک ناگواری سی تو تھی، مگر اس وقت فرحان کے سامنے انہوں نے صرف یہ ہی کہا کہ ''مس ''انا'' آپ کو شاید وقت کا اندازہ نہیں۔ رات کے گیارہ بج چکے ہیں اور گھر میں سب پریشان ہو رہے ہیں۔ ابا جی نے مجھے بھیجا ہے کہ میں آپ کو جا کر لے آؤں۔ اس وقت آپ کا اکیلے آنا مناسب نہیں۔ کیوں فرحان صاحب...... آپ کا کیا خیال ہے؟''

''جی احسن بھیاء، آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔ آج تو بس مجھے بھی خیال نہیں رہا۔ وہ کل اصل میں Final Presentation ہے، اسی کی تیاری کر رہے تھے۔ اس لیے ہم دونوں کو وقت کا احساس ہی نہیں ہوا۔'' ''فرحان نے انا سے کہا کہ تمہارا کتنا رہ گیا ہے، بس آخری Base کو Attach کرنا ہے۔'' ''اچھا تم جاؤ۔ یہ تو آدھے گھنٹے کا کام ہے۔ میں کر دوں گا، تم جاؤ۔'' ''میں یہ Complete کر کے چلا جاؤں گا۔'' مَیں نے سوالیہ نظروں سے فرحان کی طرف دیکھا۔ فرحان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا ''Trust me۔ تم جاؤ۔ صبح تمہیں یہ مکمل ملے گا۔'' احسن ان دونوں کو ہی دیکھ رہا تھا۔ ''انا میرے خیال سے فرحان صاحب کی Offer کو مان لیا جائے کیونکہ اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی چارہ بھی نہیں...... انا چلو اب۔'' احسن بھائی نے قدرے غصے سے کہا اس بار۔ مَیں نے اپنا Bag اُٹھایا۔ Cell اس میں ڈالا اور جلدی سے نکلنے لگی۔ احسن بھائی کیونکہ آگے تھے۔ ایک دم سے رُکے۔ ''مس باہر کافی ٹھنڈ

ہے اور وہ غالباً آپ کی جیکٹ ہے اور جیکٹ کو عموماً سردیوں میں باہر جانے سے پہلے پہنا جاتا ہے۔''

فرحان احسن بھائی کے اس طرح بات پر ہنسے بغیر نہیں رہ سکا۔ آگے ہو کر احسن بھائی کو گلے ملا اور ہم دونوں باہر آ گئے۔ اسلام آباد کی راتیں واقعی شدید سرد ہوا کرتی ہیں۔ گرم کمرے سے ایک دم باہر نکلے تو سردی کی ایک لہر میرے سارے وجود میں دوڑ گئی اور اس پر احسن بھائی کے اچانک آ جانے پر Shocked بھی تھی۔ ایک دم سے شدید سردی لگنے لگی۔ میرا شاید وقت بُرا تھا۔ دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔

میں احسن بھائی کے ساتھ جانے کے بجائے اپنی گاڑی میں چابی لگانے لگی۔ احسن بھائی نے مڑ کر میری طرف دیکھا تو میں اپنی گاڑی کا دروازہ کھول رہی تھی۔ اس وقت واقعی میں یہ بھول چکی تھی کہ احسن بھائی مجھے لینے آئے تھے۔ میں اپنے خیال میں تھی۔ احسن بھائی نے بڑے آرام سے کہا ''انا'' میری گاڑی۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ شاید ڈانٹ میری قسمت ہو چکی تھی، اس لیے میرا اتنا کہنے پر بھیاء نے مجھے بُری طرح سے ڈانٹ دیا۔''بھیاء میری گاڑی ہے۔ آپ اپنی گاڑی میں چلیں، میں اس میں آتی ہوں......''

عجیب لڑکی ہو تم بھی۔ اکیلے آنا ہوتا تو ابا مجھے اس وقت، آپ محترمہ کو لینے نہیں بھیجتے''......احسن بھائی میرے ابا کو ابا ہی کہا کرتے تھے۔''میرے خیال سے آپ کی گاڑی کافی باحفاظت رہے گی رات بھر۔ آپ کو اگر ناگوار نہ گزرے تو آج آپ میرے ساتھ ہی چلیں۔'' احسن بھائی یہ الفاظ کافی غصے میں کہہ رہے تھے۔ مجھے بھی ایک دم سے شرمندگی ہوئی کہ واقعی میں نے غلطی کر دی۔ ایک دم سے میرے منہ سے Sorry نکلا۔''چلو اب......Sorry۔'' احسن بھائی میرے الفاظ دُہراتے ہوئے گاڑی میں جا کر بیٹھ گئے۔ احسن بھائی کے پاس چونکہ Land cruiser اچھی لگتی تھی اور بڑی گاڑی مجھے ذاتی طور پر کبھی بھی پسند نہیں تھی۔ مجھے ہمیشہ ہی Car کی Drive تھی مگر احسن بھائی فطرتاً بہت میچور انسان تھے اور گاڑی اور Drive کا حق کیسے ادا کرنا ہوتا ہے۔ یہ بہتر جانتے تھے۔ اپنی ہر چیز کی حفاظت اور ہر چیز کا خیال رکھنا بھی ان کی فطرت کا ایک خاصا تھا۔ میں احسن بھائی کے ساتھ اکیلے آج دوسری مرتبہ ان کی گاڑی میں بیٹھی تھی، بھابی یا فیملی کے ساتھ تو اکثر اوقات بیٹھی تھی۔ پہلی مرتبہ جب یہ مجھے کالج لینے آئے تھے، مگر اس وقت ان کے پاس گاڑی بھی دوسری تھی اور شاید عمر کا کچھ اثر تھا کہ انہوں نے کافی بُری ڈرائیو کی تھی۔ اس دن کے بعد میں نے کہا تھا کہ آپ کے ساتھ اکیلے کبھی ڈرائیو پر نہیں جاؤں گی۔ اس وقت شاید میں ڈرائیو نہیں کرتی تھی مگر اب خود اتنی تیز ڈرائیو کرتی ہوں کہ احسن

بھائی کی تیز ڈرائیور کا پتہ ہی نہیں چلتا، مگر احسن بھائی آج تک میری ڈرائیو سے ناواقف تھے۔ خیر راستہ زیادہ تر تو خاموشی سے کٹا مگر شاید احسن بھائی کو احساس تھا یا میرے چہرے کی تھکن سے انہیں مجھ پر ترس آیا ہو، اس لیے نرم لہجے میں بولے ''ایسا بھی کیا کام انا کہ تمہیں نہ اپنی ہوش رہی اور نہ ہی گھر والوں کی فکر''۔ ''اس طرح کام کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ تمہیں اپنا اور گھر والوں کا خیال تو رکھنا چاہیے۔ ''انا'' جانتی ہو گھر میں سب کتنے فکرمند ہیں اور شہر کے حالات بھی تم سے چھپے نہیں۔ ایک لمحے کا بھروسہ نہیں اور رات کے اس پہر اکیلی لڑکی کا گھر سے باہر رہنا مناسب بھی نہیں لگتا نا، اس لیے۔ تم سمجھ رہی ہو نا، میں جو کہہ رہا ہوں۔'' احسن بھائی نے پیار سے میری طرف دیکھا۔ میں نے ہلکے سے سَر ہلا دیا۔

''جی بھیاء وہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا'' میں نے شرمندگی سے جواب دیا۔ ''Good Girl۔'' ''ویسے انا کیا نام ہے اس لڑکے کا، ہاں فرحان...... اچھا لڑکا ہے۔ ہے نا''؟...... ''جی'' میں نے سادگی سے جواب دیا۔ باقی راستہ خاموشی سے کٹا مگر اب احسن بھائی کافی محتاط ڈرائیور ہو چکے تھے اور تحمل مزاج بھی۔ ان کی ڈرائیو میں اجلت نہیں تھی۔ گاڑی گھر کے پورچ میں داخل ہوئی۔ احسن بھائی نے گاڑی روکی۔ میں نے گاڑی کا دروازہ کھولا ہی تھا۔ ''سنو!'' ان کی آواز پر مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ آرام سے بولے۔

''اگر امی، ابا کچھ کہہ دیں تو خاموشی سے سن لیا۔ ''انا'' سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں، اس لیے تمہاری فکر رہتی ہے۔ ok''

وہ شاید اندر ہونے والی میری عزت کے لیے مجھے پہلے ہی تیار کر رہے تھے۔ میں گھر کے اندر داخل ہوئی تو وہی ہوا جس کا مجھے اندازہ تھا اور جس کی پیش گوئی احسن بھائی پہلے ہی کر چکے تھے......

☆

ابا اور بابا لاونج میں تھے۔ اماں اور بھابھی کچن میں تھیں۔ بوا Table پر کھانا لگا رہی تھی۔ شاید احسن بھائی کے آنے پر انہوں نے کھانے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ میں لاونج میں گئی۔ احسن بھائی میرے ساتھ ہی تھے۔ بابا نے میرے سلام کا جواب دیا اور ابا خاموش رہے۔ بابا نے آرام سے کہا کہ ''طبیعت کیسی ہے آپ کی بیٹا''، جس پر ابا نے تلملا کر جواب دیا۔ ''اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے مگر یہ شاید ہماری طبیعت ٹھیک نہیں دیکھنا چاہتی...... وقت دیکھا ہے تم نے پونے 12 بج رہے ہیں انا۔ بچیوں کے گھر آنے کے یہ اوقات نہیں ہوتے۔'' ابا کی اونچی آواز

سے بھابھی اور امی بھی کچن سے باہر آ گئیں۔

ابا کے ساتھ امی نہ ہوتیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ''نہیں اس کا کام ساری دُنیا سے الگ ہے۔ کسی کی پرواہ ہی نہیں ہے اس کو تو اور دیں آپ لاڈ پیار۔'' بھابھی نے ایک دم سے امی کا ہاتھ دبایا۔ ''کیا کرتی ہیں اب بس بھی کریں۔ صبح سے گئی ہے بے چاری کھانا تو کھانے دیں۔'' بھابھی جلدی سے بولیں، ''چلو انا ہاتھ دھو کے آؤ۔ کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا، سب تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ چلیں بابا، اُٹھیں''...... بھابھی نے جلدی سے بات کو ختم کرنا چاہا۔

مگر نہیں ابا کی ڈانٹ ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ ''ہاں ہم سب ہیں نا۔ اس کا انتظار کرنے کے لیے۔ انہیں اس بات کی کیا پرواہ ہے کہ کون انتظار کر رہا ہے، کون نہیں۔''

''انہیں صرف اور صرف اپنی پرواہ ہے۔ ایسا کون سا کام تھا کہ تمہیں ہمارا احساس بھی نہیں رہا''...... نہیں ابا کل اس نے اپنا Project مکمل کر کے دینا تھا۔ باقی سب بھی آفس میں ہی تھے۔ احسن بھائی نے جلدی سے میری طرف سے صفائی پیش کی...... کیونکہ ابا کی ڈانٹ جب شروع ہو جایا کرتی تھی تو پھر تو بس۔

''اچھا پراجیکٹ ہے کہ گھر والوں کی فکر نہیں، کوئی جیئے یا مرے انہیں اپنا پراجیکٹ کرنے دیں''...... اس بار امی کی آواز آئی، جس پر ایک دم سے بابا کھڑے ہوئے۔ ''اچھا بس اب۔ میرے خیال سے احساس دلانے کے لیے ڈانٹنا کافی ہوتا ہے۔ جینا، مرنا، ضروری نہیں۔'' بابا نے سخت لہجے میں یہ بات امی کو گھور کر کہی، جس پر امی کچن میں چلی گئیں اور ابا بولے ہی تھے کہ بابا نے انہیں ٹوک دیا۔ ''بھائی صاحب، آپ ہر بات پر اس کی بے جا طرف داری کرتے ہیں۔ میں نے کبھی بیٹوں کو نو بجے کے بعد باہر رہنے نہیں دیا اور یہ شہر کے حالات آپ کو معلوم ہیں نا۔'' بابا نے پھر حجت کی۔

''دانش! انا اپنے آفس میں اپنے Staff کے ساتھ کام کر رہی تھی۔ سڑکوں پر تنہا نہیں تھی اور میری تمام اولاد میری ہے۔ چاہے وہ بیٹا ہے یا بیٹی۔ میرے خیال سے بہت ہو گیا۔ اب کھانا کھاتے ہیں، ختم کریں اس بات کو اب...... اور میں نے تمہیں پہلے بھی کہا ہے کہ بیٹیوں سے ذرا دھیمے لہجے میں بات کی جائے تو اس کا اثر اُس سے زیادہ ہی ہوگا جو اونچی آواز میں بات کرنے سے ہوتا ہے۔ زرقا بیٹا کھانا لگ گیا کیا؟'' بابا نے معنی خیز نظروں سے ابا کی طرف دیکھا...... ابا خاموش تو ہو گئے مگر غصہ ان کا اپنی جگہ پر قائم تھا۔

بابا کھانے کی میز کی طرف چلے گئے۔ ''چلیں آ جائیں سب''، زرقا بھابھی نے آواز

دی۔ میں ابھی تک وہیں کھڑی تھی جہاں پر تھی۔احسن بھائی نے میرے کندھے کو ہلایا۔''چلو انا۔ بیگ رکھو، کھانا کھائیں''......میں نے احسن بھائی کی طرف دیکھا تو ایک دم سے جانے کہاں سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور احسن بھائی کا چہرہ دھندلا سا نظر آنے لگا۔ میں نے ایک دم سے اپنا چہرہ دوسری طرف کرلیا۔شاید احسن بھائی نے بھی مجھے جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا کہ اگر اس وقت وہ مجھے کچھ تسلی دیتے تو شاید میں نے رونا شروع کر دینا تھا۔

کھانے سے انکار کر کے میں مزید کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتی تھی۔اب ایسے حالات میں کھانا کیا ہوگا، زہر ہی ہوگا...... بھابھی بے چاری، ہر ایک کو Dishes پاس کر رہی تھیں۔ ''انو یہ ڈالو۔انو یہ لو''، مگر میں نے آرام سے بھابھی کو اشارہ کیا۔بس اور نہیں Please۔وہ بھی جانتی تھی کہ اس حالت میں مجھ سے کھانا نہیں کھایا جائے گا۔کھانے کے دوران مکمل خاموشی تھی۔میں نے ایک مرتبہ نظر اُٹھا کر بابا کی طرف دیکھا تو وہ میری ہی طرف دیکھ رہے تھے...... مجھے ایک گمان سا ہوا تھا کہ شاید بابا یہ بھی جانتے ہوں کہ میں نے خود کو مصروف کیوں کیا، کیونکہ حویلی سے واپسی کے بعد تقریباً مہینہ ہونے کو آیا تھا، میری اور بابا کی کوئی خاص بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی۔نہ انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور نہ میں گئی......

آج شاید ابا کی ڈانٹ سے ہی سہی مگر کھانا کھانے کے بعد ابا تو اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔بابا نے میز سے اُٹھنے سے پہلے، مجھ سے کہا۔انا بیٹا آپ سونے سے پہلے میری بات سن جانا......میں نے بابا کی طرف دیکھا۔جی......

زرقا بیٹا کیا تم آج کافی پلاؤ گی۔ بہت دن ہو گئے تمہارے ہاتھ کی کافی پیئے۔بابا نے بھابھی سے اپنائیت سے کہا۔بھابھی نے خوشی سے جواب دیا، کیوں نہیں بابا ضرور۔میرے کمرے میں ہی بھیج دینا۔یہ کہہ کر بابا بھی اپنے کمرے میں چلے گئے۔امی نے بھی مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔بھابھی کو ہدایت دے کر وہ بھی چلی گئیں۔احسن بھائی، بھابھی اور میں، ہم ہی ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھے تھے۔بوا برتن اُٹھاتے اُٹھاتے بربڑا رہی تھی۔چھوٹی سی بچی کی جان ہلکان کر رکھی ہے۔ایک تو سارا دن کام کرتی رہتی ہے اور اوپر سے آکر ان سب کی ڈانٹ کھاتی ہے۔معصوم بچی کا چہرہ کیسے اُتر گیا دیکھو تو۔بوا تیز تیز بولتی جاتی اور ساتھ ساتھ برتن سمیٹی جاتی تھیں۔

زرقا بھابھی مسکرا رہی تھی۔احسن بھائی نے آرام سے کہا''انا اٹھو کھانا کھالیا تو۔جاؤ جا کر Change کرلو......آرام کرو جا کر۔''

احسن بھائی کی بات بوا سن رہی تھی۔بولیں''ہاں کیا خاک آرام کرے گی بے چاری۔

ابھی بڑے صاحب کے بلاوے پر ادھر بھی جانا ہے۔احسن بابو جاؤ نا جا کر اپنے ابا کو سمجھاؤ کہ وہ تو اس معصوم کو بخش دیں۔'' بوا ایسا ہی کیا کرتی تھی۔کوئی اگر کچھ کہہ دے تو گھنٹہ بھر وہ اکیلے ہمدردیاں جتاتی رہتی تھیں...... احسن بھائی نے ہنس کر کہا،''بوا آپ پریشان نہ ہوں۔ بابا جان کچھ نہیں کہتے''انا'' کو۔یہ تو آپ جانتی ہی ہیں نا۔''

بوا نے چادر کی بکل بناتے ہوئے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر سوچا۔''اوے ہاں۔ یہ تو ہے۔بڑے صاحب تو اچھے ہیں مگر کیا بھروسہ،آج ڈانٹ دیں۔ مجھے بوا کی فکرمندی سے اُلجھن ہونے لگی تو میں بولی''،او''بوا Please کچھ نہیں ہوتا۔آپ اپنا کام کریں نا''...... میرا لہجہ کچھ سخت تھا شاید۔زرقا بھابھی نے ایک دم سے بوا کو جانے کا کہا۔......''انو......''انہوں نے معنی خیز لہجے میں مجھے ٹوک دیا۔ میں اپنے کمرے میں آگئی۔نماز پڑھی تقریباً ایک بج رہا تھا۔میں ابھی یہ ہی سوچ رہی تھی کہ کل بابا سے بات کرلوں گی،آج نہیں۔ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ بابا کی Call آگئی۔'''' انا'' آپ ابھی تک آئی نہیں۔ میں انتظار کررہا ہوں بیٹا''......''بابا وہ میں نماز پڑھ رہی تھی،بس آرہی ہوں''......

☆

بابا معمول کے مطابق کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھے۔میں بھی ان کے پاس جا کر زمین پر کشن لے کر بیٹھ گئی تھی۔کام کی زیادتی کی وجہ سے تھکن کافی تھی جو شاید میرے چہرے پر عیاں تھی اور کہتے ہیں کہ بوجھل ذہن چہرے پر عیاں ہوجاتا ہے،اس لیے شاید میری حالت میرے چہرے سے عیاں تھی اور پھر بابا،جن سے میں چاہ کر بھی کچھ چھپا نہیں سکتی تھی......

''ہاں جی بیٹا جان کہاں مصروف رہتی ہیں،آپ آج کل؟''...... بابا نے کتاب بند کر کے میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔''جی بابا،بس ذرا کام بڑھ گیا ہے اس لیے،مگر مجھے احساس ہے کہ آج میں غلطی پر تھی۔ مجھے خیال رکھنا چاہیے تھا،مگر کام اتنا تھا کہ وقت کا احساس ہی نہیں ہوا۔''

آج شاید بابا بھی مجھے ڈانٹنے کے موڈ میں تھے...... کیونکہ ان کا لہجہ کچھ سخت ہورہا تھا، بات کرتے ہوئے۔

''مجھے آپ سے اس بات کی اُمید تو ہرگز نہیں تھی کہ آپ حقیقت سے بھاگنے لگو گی۔'' بابا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے کہا......''میں تو......''نہیں'''' انا'' آپ غلط کررہی ہو۔ بابا نے مجھے ٹوک دیا......کب تک،کب تک میں اپنے اندازوں پر آپ کو پرکھتا رہوں گا۔کتنی زندگی ہے میری؟'' میں اپنی زندگی کو کتنا کھینچ سکتا ہوں۔آپ بتاؤ،میرے جانے کے بعد آ

کروگی؟ اپنے آپ کو کیسے سنبھالو گی؟ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ یہاں کوئی نہیں، مگر پھر بھی۔ اس کے باوجود میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کی یہ اَن کہی باتیں کوئی نہیں سمجھے گا اور کسی کے پاس اتنا وقت بھی نہیں کہ آپ کچھ بھی نہیں اور دوسرا انسان خود سے آپ کے دِل کا حال سمجھ لے۔ میں بھی، آپ کے دِل میں کیا ہے، یہ نہیں جانتا؟ بس ایک اندازے پر آپ کے ساتھ اپنے پیار کا اظہار کر دیتا ہوں مگر بیٹا ایسے زندگی نہیں گزرتی...... دانش نے آپ پر غصہ کیا۔ وہ ٹھیک تھا۔ باپ ہے وہ۔ اسے آپ کی فکر تھی اور آپ یہ بھی جانتی ہو کہ اسے آپ کے تمام کام سے کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہی وہ یہ چاہتا ہے...... میری وجہ سے وہ خاموش ہے، مگر میرے ہزار چاہنے کے باوجود میں اس کے اندر سے ایک روایتی باپ کی سوچ کو نہیں نکال سکا۔ میں اسے روایتی باپ بننے سے نہیں روک سکا...... والدین کے لیے سب سے عزیز ترین چیز اس کی اولاد ہی ہوتی ہے اور اپنی اولاد کے ساتھ ہر والد مخلص ہوتا ہے۔ اس سے سچا پیار کرتا ہے، مگر بیٹا والدین کی اس حالت میں اولاد کو ان کے اندر کے اس ڈر کو ختم کرنا ہوتا ہے اور وہ ذمہ داری آپ کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ دانش کی سوچ کو بدلنا آسان کام نہیں۔ میں نے کہا کہ اس کی ڈانٹ سے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مجھے اعتراض اس بات پر ہے کہ آپ نے اُس وقت اسے یہ کیوں نہیں بتایا جو آپ نے مجھ سے کہا۔ اس بات کی فکر چھوڑ دو، انا کہ کوئی کیا سمجھے گا؟ کیا سوچے گا؟ اپنی بات کہو اور آپ اپنی بات اپنے گھر والوں سے، اپنے والدین سے، اپنے بھائیوں سے نہیں کہو گی تو کس سے کہو گی؟ آپ کو دانش کو یہ بتانا چاہیے تھا کہ آپ کو کس وجہ سے دیر ہوئی تھی۔ آپ کو بتانا چاہیے تھا......'' مگر بابا، آپ جانتے ہیں کہ ابا غصے میں ہوں تو کسی کی نہیں سنتے...... میں نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا مگر بابا'' ...... ''نہیں انا۔ دانش سنتا ہے،...... دیکھو میں نہیں جانتا اس وقت اس کے ذہن میں کیا تھا مگر وہ آپ کے لیے فکر مند ہوتے ہوئے انجانے میں آپ کو آپ کی لاپرواہی کا ذمہ دار ٹھہرا رہا تھا۔ کہ آپ لاپرواہ ہو؟'' نہیں نا؟ تو آپ تحمل سے بالکل ایسے ہی جیسے آپ نے مجھے بتایا آپ دانش کو بھی بتا دیتی...... اپنی ذات کو بچانا سیکھو...... میں والدین سے زبان درازی کے حق میں بالکل نہیں مگر میں اپنی ذات پر اپنی Dignity پر حرف اُٹھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا...... اور آپ یہ بات اچھی طرح سے جانتی ہو کہ آپ آپ نہیں ہو۔ آپ میری ذات کا حصہ ہو اور جب والدین اولاد کو اپنی ذات کا حصہ مان لیتے ہیں تو ان پر اُٹھنے والی اُنگلی صرف اولاد کی حد تک نہیں رہتی۔ سمجھی آپ...... اس کا مطلب ہے کل جس کا جو جی چاہے گا آپ کو کہہ دے گا جو چاہے الزام لگا دے گا۔ آپ خاموشی سے سن لو گی۔ کچھ نہیں بولو گی۔ مجھے یہ بات پریشان کر رہی

ہے۔اپنا تحفظ خود کرنا سیکھو بیٹا۔ میں، احسن، زرقا کیوں آپ کی صفائی دیں اور کب تک دیں گے۔احسن کی اپنی زندگی ہے۔کب تک وہ آپ کے ساتھ چلے گا اور میری زندگی کا کیا بھروسہ۔ والدین کے سامنے آپ کی خاموشی، آپ کی فرمانبرداری ہے، مان لیا مگر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آپ کل اپنے تحفظ کے لیے بولو گی؟اور یہ آج کل کس قسم کی عجیب، غیر ضروری اور بے فائدہ سی کوششوں میں اپنا وقت برباد کر رہی ہیں۔'' ''کون سی کوششیں بابا؟'' میں نے حیرت سے بابا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

اپنے کام کو بڑھا کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں؟ ایسے آپ فرار حاصل کرلیں گی۔ مجھے مایوس مت کریں۔اگر ایسے سکون اور مسئلوں کے حل نکلتے تو شخص بہت مصروف ہوتا...... اس بات کو ابھی نہیں مگر وقت ساتھ آپ ضرور سمجھ جاؤ گی۔ میں جانتا ہوں، جب اپنی توقع سے ہٹ کر سوال سامنے آتے ہیں تو وہ صحیح ساتھ گہری خاموشی لے کر آتے ہیں مگر اس خاموشی سے راہِ فرار حاصل کرنے کی بجائے، اپنے لیے راہ تلاش کرنا بہتر ہے۔میں پہلے بھی آپ کو کافی مرتبہ سمجھا چکا ہوں کہ خاموشی بہت دور لے جاتی ہے۔اپنے آپ کو خود سے اور اپنے پیار کرنے والوں سے دور مت کریں۔'' بابا روانی سے بولے جارہے تھے اور پھر وہی بات کہ میرے کچھ بولنے سے پہلے وہ بات ختم کر دیا کرتے تھے۔''مجھے ابھی بھی آپ سے کافی اُمیدیں ہیں انا اور میرا یہ یقین ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گی۔...... اب آپ جائیں آرام کریں جا کر''...... میں بنا کچھ کہے کمرے سے باہر آگئی۔ بابا اپنی ہر بات میں میرے سامنے زندگی کی ایک انجانی ڈگر رکھ چھوڑا کرتے تھے...... اس بات کا تو مجھے بھی یقین تھا کہ اب زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے کی باری میری ہے مگر اس میں قصور میرا بھی نہیں تھا کہ اس سے پہلے میں گھر میں سب سے چھوٹی تھی اور اب آہستہ آہستہ مجھے اس بات کا احساس ہو رہا تھا یا دلایا جارہا تھا کہ میں بڑی ہوگئی ہوں...... سب کچھ جانتے ہوئے بھی مجھے ایک انجانا سا احساس، کشمکش میں مبتلا کر دیا کرتا تھا، مگر بابا کی بات کہ اگر مصروفیت سے مشکلیں آسان اور سوچیں کم ہونے لگتی تو یہ تو بہت آسان ہوتا ہر ایک کے لیے، مگر نہیں ایسا تو ہرگز نہیں تھا۔......

رات انہیں سوچوں کے ساتھ نیند نے کس لمحے اپنے آغوش میں لیا، پتہ نہیں چلا۔ ویسے بھی کہتے ہیں کہ نیند اس بے درد دوست کی طرح ہوتی ہے جو بظاہر تو ہمدرد ہوتی ہے مگر حقیقت میں ہمیں ہم سے ہی جدا کر جاتی ہے...... جانے کیوں یہ معمول سا بنتا جاتا تھا کہ رات سونا ادھوری سوچوں کے ساتھ اور صبح آنکھ کھلنی ادھورے بھیگے خواب کے ساتھ..... اور اب تو حیرت

نہیں مگر اُلجھن سی ضرور ہوا کرتی تھی۔ جسم پر لگی اس خراش کی طرح جو دیکھنے میں تو ذرا سی محض خراش ہی ہے مگر اس کی جلن اور چبھن صرف وہی انسان جانتا ہے جسے لگی ہو کہ وہ کس حد تک تکلیف دہ ہوتی ہے۔

نماز کی ادائیگی میں نہ یقین تھا اور نہ ہی اطمینان و سکون۔ گھر میں بھی سب خفا ہی تو تھے۔ نماز پڑھنے کے بعد میں نے اپنی جیکٹ اور سکارف لیا۔ نیچے بھی سامنے کوئی نہیں تھا۔ باہر گئی تو ابھی ہلکی ہلکی روشنی تھی اور دھند نے چاروں اطراف کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ محبوب چچا عموماً جاگ کر باہر آجایا کرتے تھے۔ شاید مجھے گیٹ کے پاس دیکھا ہوگا۔ دُور سے آواز دی، ''بیٹا کہاں جانا ہے؟''۔ وہ اپنی چادر اپنے سر پر لیے ہوئے میرے پاس آئے۔ ''کچھ نہیں یہ گیٹ کھول دیں ذرا Walk کے لیے جانا ہے، مگر بیٹا یہ دھند اور ٹھنڈ لگ جائے گی گڑیا۔ بیمار نہ ہو جاؤ۔ کچھ نہیں ہوتا چچا آپ گیٹ کھول دیں۔ بس نزدیک ہی جانا ہے۔ امی نے پوچھا تو بتا دینا میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔ بوا سے کہیے گا کہ میرے لیے کافی بنا دیں آج''...... یہ کہہ کر میں باہر آگئی۔ ان کے مزید کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی...... دھند اتنی زیادہ تھی کہ حقیقت میں تقریباً 5 گز سے آگے کچھ نظر نہیں آتا تھا مگر اس دھند میں ایک ایسا احساس تھا کہ میں Walk کرتے کرتے قدرے اونچائی کی طرف چلی گئی اور اس جگہ میں تقریباً روزانہ Walk کرتے آ ہی جایا کرتی تھی یہ جگہ اس پورے علاقے میں واحد پہاڑی تھی جہاں سے سارے علاقے کا نظارہ بہت خوبصورت لگا کرتا تھا...... مگر اور آج مجھے سب اتنا دِل فریب اس لیے لگا، کیونکہ اونچائی پر نظر جاتی تو وہاں بھی بڑے بڑے مکان بنے تھے اور اگر نیچے نظر جاتی تو وہاں بھی بڑے بڑے مکان ہی نظر میں آیا کرتے تھے۔ میں اکثر یہ سوچا کرتی تھی کہ اگر یہ جگہ خالی ہو تو کیسی لگے اور آج میرے اس سوال کا جواب قدرت نے اپنے انداز میں دے ہی دیا تھا۔ دھند کی وجہ سے کوئی مکان کوئی عمارت کوئی گاڑی نظر نہیں آرہی تھی اور اس لمحے یہ احساس ہوا کہ اس دُنیا میں میں اکیلی ہوں...... دیکھنے میں تو بہت خوب صورت لگ رہا تھا کہ لمحوں میں قدرت اپنے کرشموں سے کیسے چیزوں کو اوجھل کر دیتی ہے کہ دُنیا کی تمام بدنمائی، چلو تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی مگر چھپ گئی تھی...... ہم انسانوں نے اس زمین پر آکر اسے کس حد تک بدنما کر دیا تھا۔ اگر وہ بدنمائی نہ ہوتی تو ایسا ہی ہوتا جیسا کہ اُس وقت مجھے یہاں سے نظر آرہا تھا...... میں ابھی انہیں سوچوں میں تھی کہ اچانک کسی نے مجھے Excuse me کہہ کر مخاطب کیا۔ میں مڑی تو گارڈ موجود تھا۔ ''اتنی صبح اس موسم میں آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟''...... ہم جس جگہ رہتے تھے وہاں

ہر 50 گز کے فاصلے پر ایک گارڈ کھڑا ہوتا تھا۔ سیکورٹی اچھی تھی ہمارے علاقے میں...... ویسے بھی ہمارے علاقے کی تعریف اکثر باہر سے آنے والے لوگ یہ کہہ کر کیا کرتے تھے کہ یہ علاقہ تو پاکستان میں مِنی یورپ ہے، جو کہ مجھے کافی بُری لگا کرتی تھی۔ خیر دھند ہونے اور Early Morning آنے کی وجہ سے شاید وہ غریب مجھے مشکوک سمجھ بیٹھا ہوگا۔ ایک لمحے کے لیے تو مجھے بہت غصہ آیا کہ اس نے مجھے Disturb کیوں کیا ہے؟ مگر پھر احساس ہوا کہ وہ غریب تو اپنی ڈیوٹی کر رہا ہے۔ میں نے بڑے آرام سے اسے جواب دیا۔ ''بھائی روز بڑی بڑی عمارتیں دیکھتے دیکھتے تنگ آ گئی تھی، آج دھند تھی سوچا تھوڑی دیر کے لیے دیکھوں تو سہی کہ ہمارا شہر بنا عمارتوں کے لگتا کیسا ہے۔ میں تھوڑی دیر یہاں رُکنا چاہتی ہوں، آپ کو کوئی احتراز؟'' میں نے اس سے تحمل سے پوچھا اور وہ بڑے آرام سے بولا نہیں بی بی۔ ''آپ جتنی دیر چاہیں یہاں رُکیں...... آپ صحیح کہتی ہیں، ایسے دِن بہت کم ہی آیا کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا''...... اس کے جانے کے بعد میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ دور سے دیکھنے پر ایسا ہی لگ رہا تھا کہ آسمان اور زمین کا کوئی کنارہ نہیں۔ اس وقت تو دونوں ایک ہی ہو چکے تھے......

اس وقت میں اپنے رب سے بس یہ ہی سوال کر رہی تھی کہ یا رب جب یہ سب کچھ تیرا ہے۔ میں بھی تیری ہوں...... تو مجھے میرا اپنا آپ پرایا کیوں لگتا ہے؟ میری دعاؤں میں تاثیر نہیں۔ میری عبادت میں یقین نہیں۔ میرے سجدے میں جلد بازی کیوں ہے؟ یقیناً مجھ میں ہی کہیں نہ کہیں کمی ہے، مگر وہ کیا کمی ہے؟ میں یہاں کیوں ہوں؟ گھر میں بھی سب مجھ سے خفا ہیں اور حقیقت میں تو تو جانتا ہے کہ میں خود بھی خود سے راضی تو نہیں...... میری بے چینی کا سبب کیا ہے پروردگار۔ میری ادھوری نیند اور نیند میں میری ادھوری دعا؟ وہ ادھورا خواب؟ کچھ تو ہے جو سمجھنے سے میں ہی قاصر ہوں۔ جانے کیوں مجھے اللہ سے ایسے بات کرتے ایک سکون محسوس ہوتا تھا...... اور میں اکثر ایسے کیا بھی کرتی تھی مگر مجھے جواب کبھی نہیں ملا، یا ملتا ہو...... ہو سکتا ہے، مگر مجھے پتہ نہ چلتا ہوگا۔ انسان جو ٹھہری......

میں نے ایک گہری سانس لی...... کافی ٹھنڈ تھی، کیونکہ میرے ہاتھ تقریباً سن ہو چکے تھے اور میرا چہرہ بھی۔ مگر جب انسان کے اندر بے چینی کی آگ جلتی ہو...... تو کوئی بیرونی موسم اس پر اثر انداز نہیں ہوا کرتا...... شاید اس وقت میں بھی اسی کیفیت سے گزر رہی تھی...... ایک انجانا خوف تھا میرے اندر جو ہر لمحے بے چین ہی کیے جاتا تھا مجھے...... میں وہاں سے نیچے اُتری تو سامنے وہی گارڈ کھڑا تھا۔

جب میں اس کے پاس پہنچی تو جاتے ہوئے بولی "اب میں جا رہی ہوں۔" "وہ بڑی معصومیت سے بولا۔" بی بی میں یہاں اسی لیے کھڑا تھا۔ آپ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ موسم کافی خراب ہے"...... میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور تیزی میں واپسی کے سفر پر تھی۔ چلتے چلتے کافی دور نکل آئی تھی۔ مجھے سوائے میرے راستے کے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا اور جو نظر آ رہا تھا، وہ بھی چند فٹ پر ہی تو محیط تھا۔ میرے آس پاس ایک بھری دُنیا ہوئے ہوئے بھی سب کچھ خالی لگ رہا تھا۔ دِل فریب احساس تھا یہ۔ بعض دفعہ قدموں سے بچھڑتے سفر اور نامعلوم منزل پر جاتے ہوئے راستے بھی تسکین کا باعث ہوتے ہیں۔ اپنے خیال میں چلتے چلتے میں کس لمحے سڑک کے بیچ چلنے لگی، مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ ایک گاڑی کے منحوس ہارن نے مجھے چونکا دیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ غلطی میری تھی مگر میں اس گاڑی والے کو کوسنے لگی۔ وہ بے چارہ اگر بریک نہ لگاتا تو اُس وقت میری منزل کہیں اور بھی ہو سکتی تھی...... گھر پہنچی تو معمول کے مطابق بوا اور امی کچن میں تھیں۔ ساڑھے سات بج رہے تھے۔ میں نے سلام کر کے اپنی جیکٹ اُتاری تو بوا بولے بنا نہیں رہ سکیں۔ "گڑیا اتنی سردی ہوتی ہے، اگر بیمار ہو گئی تو جان ہلکان میری ہو جائے گی۔" میں نے مسکرا کر بوا کی طرف دیکھا اور بولی، "اچھا بوا تو میری بیماری سے زیادہ اپنی فکر ہے آپ کو"...... میں نے مذاق سے بوا کی طرف دیکھا...... "نہیں نہیں ایسا نہیں ہے بچے۔ بس اپنا خیال کیا کرو۔" میں نے امی کی طرف دیکھا جو کہ جان بوجھ کر مجھے نظر انداز کر رہی تھیں۔ اتنے میں زرقا بھابھی بھی کچن میں آ گئیں۔ انہوں نے سلام کیا۔ امی اور بوا سے پیار لیا اور مجھے آ کر پیار کیا۔ اشارے سے پوچھا کہ امی کا موڈ کچھ ٹھیک ہوا کہ نہیں۔ میں نے نفی میں سَر ہلا دیا...... تیزی سے بولی۔ ""انو" جلدی سے ناشتہ کرو۔ تمہارے بھیاء نے آج اسی طرف جانا ہے، تمہیں Drop کرتے جائیں گے۔" انہوں نے کہا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں اور پلیز جلدی آ جایا کرو۔ رات کو بھی ہم سب بہت پریشان ہو گئے تھے"...... یہ کہہ کر انہوں نے مجھے آنکھ ماری، "ہاں بھابھی آج جلدی آ جاؤں گی، پکا وعدہ۔" امی خاموش ہی تھیں مگر میرے سامنے ناشتہ بھی رکھ رہی تھیں۔ بھابھی جانتی تھیں کہ مجھے چاہنے کے باوجود روٹھے ہوئے کو منانا نہیں آتا اور میری خاموشی سے دوسرا اور غصے میں آ جاتا ہے۔ بھابھی نے ایسا کر کے امی کو یہ تسلی دے دی کہ وہ بھی امی کے ساتھ ہیں اور مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔ اس پر میں شرمندہ بھی تھی، تاکہ امی کا غصہ کچھ کم ہو جائے۔ زرقا بھابھی ہمیشہ ایسے موقعوں پر میری مدد کیا کرتی تھیں۔ جب زیادہ لوگوں میں کہیں جانا ہوتا تھا تو مجھے بچا لیا کرتی تھیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے، مَیں اور امی ہو آئیں

گے، کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ میں شادیوں اور اس قسم کے فنکشن میں ضرورت سے زیادہ ہی بور ہوا کرتی ہوں اور امی کی ڈانٹ سے تو اکثر و بیشتر واسطہ پڑا ہی رہتا تھا اور وہاں بھی وہی معاملہ رفع دفع کرایا کرتی تھیں۔ میں نے انگوٹھے کے اشارے سے انہیں Thanks کہا اور انہوں نے بھی اسی طرح مجھے جواب دیا...... پھر جلدی سے بولی۔ ''اٹھو جاؤ اب Change کر کے آؤ، ورنہ احسن پھر شور مچائیں گے۔'' وہ شاید اپنی موجودگی میں ہی مجھے کچن سے کھسکانا چاہتی تھیں۔ مَیں بھی موقع غنیمت جان کر وہاں سے نکل گئی۔

تھوڑی دیر میں، مَیں Change کر کے نیچے آ گئی۔ میں نے Black جینز کے ساتھ بلیک Highneck اور اوپر Black Long Coat پہنا، ساتھ گلے میں آج Dark Maroon Color کا سکارف ڈال لیا۔ نیچے آئی تو زرقا بھابھی نے کہا۔ ''شکر ہے آج سکارف تو Change کلر کا لے ہی لیا۔ شکر ہے۔'' میں شرارت سے بولی، ''جی ہاں یہ سکارف میری زرقا بھابھی میرے لیے لائی تھی۔ سوچا آج اس کو بھی شرفِ قبولیت عطا کروں۔'' احسن بھائی پیچھے کھڑے ہماری نوک جھوک سن رہے تھے اور بڑے آرام سے بولے، تم کیوں ٹوکتی رہتی ہو اسے ہر وقت۔ اچھا لگتا ہے اسے کالا رنگ تو کیا بُرائی ہے، اس میں۔ ''نہیں انا، اچھا لگتا ہے آپ پر Black Color۔ پہنا کرو۔'' مَیں نے بھابھی کی طرف شرارت سے دیکھا کہ سن لیا۔ وہ بھی اکتا کر بولی تم اور تمہارے بھائی، توبہ ہے۔ جاؤ اب۔ I think both of you are getting late now. اور ہاں بابا اور ابا جان لاؤنج میں بیٹھے ہیں، ملتے جانا۔ میں نے ایک دم احسن بھائی کی طرف دیکھا۔ وہ مُسکرائے۔ ''''انا'' بی بی، آپ کے ابا جان بھی وہیں ہیں، جہاں پر ہمارے ابا جان ہیں۔ Do not worry۔'' انہوں نے مجھے تسلی دی اور زرقا بھابھی ہنسنے لگیں۔ میں نے غصے سے بھابھی کی طرف دیکھا تو ایک دم سے انہوں نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ مَیں اور احسن بھائی لاؤنج کی طرف گئے۔ ابا اور بابا کسی بات پر Discussion کر رہے تھے۔ احسن بھائی نے کہا کہ اچھا ابا ہم جاتے ہیں۔ ''مجھے بھی آج ذرا جلدی جانا ہے۔ انا کو اس کے آفس Drop کر دوں گا۔'' اس سے پہلے کہ ابا بولتے، بابا بولے ٹھیک ہے، بچو جاؤ۔ ''انا آپ اپنی گاڑی میں خود ہی آ جانا۔ Ok، جاؤ۔ اللہ نگہبان۔'' احسن بھائی بھی جلدی سے اللہ حافظ کہتے ہوئے چلے گئے اور میں ان کے پیچھے جلدی سے باہر آئی۔ معمول کے مطابق میں آفس 10 بجے جایا کرتی تھی مگر آج جلدی اس لیے بھی جانا تھا کہ پتہ نہیں کام مکمل ہوا ہو گا کہ نہیں۔ گاڑی بھی آج دھند کی وجہ سے کافی آہستہ چل رہی تھی۔ احسن

بھائی تھے بھی محتاط۔ راستہ میں خاموشی ہی رہی، مگر پھر شاید احسن بھائی کو بھی احساس ہوا کہ شاید مجھے کافی زیادہ ہی ڈانٹ پڑ گئی تھی رات کو اور خاموشی توڑتے ہوئے بولے۔ ''انا رات کی باتوں کو دِل پر مت لینا...... سب آپ سے بہت پیار کرتے ہیں اور پھر اسی پیار کی وجہ سے فکر مند بھی ہوتے ہیں۔'' ''جی بھیاء مجھے معلوم ہے۔ غلطی تو میری ہی تھی۔ مجھے کُل کافی دیر بھی تو ہو گئی تھی۔''

ہائی وے روڈ پر کافی رش تھا اور مجھے میرے کام کی فکر بھی ہو رہی تھی۔ ''احسن بھائی پھر بولے آج تمہیں میری وجہ سے آفس بھی جلدی جانا پڑ رہا ہے۔'' ''نہیں بھیاء، ویسے بھی آج جلدی جانا تھا۔ وہ آج Project ہر حال میں مکمل کر کے Company تک پہنچانا ہے اور پتہ نہیں فرحان نے رات کو کام کیا بھی ہے کہ نہیں۔'' بھئی ''اس نے کہا ہے کہ کر دے گا...... تو کر دیا ہو گا نا......؟'' ''نہیں'' بھیاء، بڑا موڈی لڑکا ہے۔ اس کا کوئی بھروسہ نہیں'' ...... مجھے فکر ہو رہی تھی...... تھوڑی دیر میں گاڑی میرے آفس کی پارکنگ میں تھی۔ دھند کی وجہ سے کچھ بھی واضح نظر نہیں آتا تھا۔ احسن بھائی نے گاڑی پارک کی۔ میں نے گاڑی کی پچھلی سیٹ سے اپنا Bag اُٹھایا۔ احسن بھائی نے پوچھا'' ''انا'' یہ Black کار تو تمہاری ہے مگر یہ Blue Honda کس کی ہے، اتنی صبح کار Parking میں۔'' میں نے مڑ کے دیکھا......

''اوہ یہ تو فرحان کی گاڑی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ آج جلدی ہی آ گیا...... کمال ہے۔'' احسن بھائی بڑے آرام سے بولے، ''اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ رات بھر یہیں ہو۔ گھر گیا ہی نہ ہو'' ...... احسن بھائی سامنے دیکھتے ہوئے ہلکا سا مُسکرا رہے تھے۔ میں کچھ جھینپ سی گئی۔ میں نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا تو پھر ایک دم سے بولے، ''تم خواہ مخواہ فکر کر رہی تھی۔ تمہارا کام مکمل کر دیا ہو گا اُس نے۔ اچھا لڑکا ہے بے چارا، تم ویسے وی اس پر غصہ کرتی رہتی ہو'' ...... میں کچھ گھبرا گئی۔

ابھی کچھ لمحے گزرے ہوں گے کہ'' ''انا'' اب تم گاڑی سے اترو گی یا میرے ساتھ میرے آفس جانے کا پروگرام ہے۔'' احسن بھائی نے مصنوعی غصے سے میری طرف دیکھا۔ میں جلدی سے گاڑی سے اتری اور احسن بھائی کے گاڑی Reverse کر کے روڈ پر بڑھنے تک وہیں کھڑی رہی...... میں اندر گئی...... کہ یہ حیران کن صورتِ حال ہے کیا؟...... آفس کا دروازہ کھلا تھا۔ میں نے دیکھا فرحان کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو رہا تھا۔ ایک لمحے کو مجھے اس پر بہت ترس آیا، بے چارہ۔ کتنا پریشان کرتی ہوں میں اس کو۔ مجھ سے ضد کر کے بھی ہار جاتا ہے۔ چاہے کچھ بھی ہو ایک دو روز خوب شور مچائے گا اور تیسرے دن خود مجھے منا بھی لے گا اور سوری بھی بولے گا اور

اس کے سوری بولنے پر ہمیشہ مجھے شرمندگی محسوس ہوا کرتی تھی...... کیونکہ اس کی بھی غلطی تو نہیں ہوتی تھی...... میں نے اس کے لیے دوسرے کمرے میں جا کر کافی بنائی...... اور لا کر میز پر رکھ دی...... اس کے کندھے کو زور سے ہلایا...... ایک دم سے ہڑبڑا کر اُٹھا...... ''کیا ہوا''انا'' تم کب آئی؟''...... ''ابھی آئی ہوں، دس منٹ ہوگئے۔ تمہاری کافی۔'' میں نے Coffee کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔''Thank you''...... وہ اُٹھا۔ باہر گیا۔ Fresh ہو کر آیا اور میرے سامنے بیٹھ کر کافی پینے لگا۔ ''تم بھی عجیب خبطی انسان ہو۔ رات گھر نہیں گئے، اتنا بھی ضروری کام نہیں تھا فرحان۔ ہم ابھی بھی آ کر اس کو 3 بجے تک تو مکمل کر لیتے...... اتنی کیا ضرورت تھی۔'' میں نے اس سے ہمدردی جتاتے ہوئے پوچھا اور کافی پیتے ہوئے وہ مجھے گھور رہا تھا...... میں نے حیرت سے اس کی طرف اور پھر اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا۔ ''کیوں کیا ہوا۔ نیند میں ہو کیا؟'' میں نے اس کے سامنے ہاتھ ہلایا۔ بڑے آرام سے کافی کا سپ لیتے ہوئے بولا، ''ضروری تو تھا انا، تم کافی Concern تھی، اس Project کے ساتھ اور رات کو بس تھوڑا ہی کام باقی تھا۔ میں نے سوچا مکمل کر دوں اور ویسے یہ سکارف اچھا لگ رہا ہے تم پر۔'' میں نے سکارف کو گلے میں سیدھا کیا اور وہاں زرقا بھابھی نے لے کر دیا تھا۔ ''کبھی پہنا نہیں، آج سوچا Contrast کر لیتی ہوں۔ اچھا تم یوں کرو، کافی ختم کرو اور گھر جاؤ۔ ابھی انعم اور شعیب صاحب بھی آ جائیں گے۔ میں اِن سے مل کر اس کو کمپنی تک پہنچا دوں گی۔ کافی تھک گئے ہوگئے۔ کل آ جانا''...... ''جی نہیں مس انا، مَیں ٹھیک ہوں۔ آپ کو زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔'''' اچھا رات کو دبئی سے Call آئی تھی جو ہوٹل کی Film Project تھا، اس کا کیا کرنا ہے۔ وہ لوگ کافی Interest شو کر رہے ہیں اور Project بھی کافی بڑا ہے۔ میرے خیال سے کر لینا چاہیے۔ اس نے میری بات کو ٹالتے ہوئے بتایا۔''

میں نے Computer On کرتے ہوئے اس کو جواب دیا۔ ''ان سے کہہ دیتے کہ Hotel کی C.D بھیج دیں، اس کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ کس طرح کا Logo Design ہوگا اور ان سے پوچھو کہ اُن کو Web Site یا Short docomentary Film۔ میں روانی سے بولی جا رہی تھی۔'''' انا تم اپنے ہوش میں تو ہو، انہوں نے ایک مہینے میں Final Shots مانگے ہیں اور اس پر کام Live Presentation پر ہوگا۔ اس کا ڈیزائن ہم یہاں بیٹھ کر نہیں بنا سکتے۔ اس کی Photos جو ہر وقت کی چاہیے ہوں گی، وہ تمہیں کسی اور کی کھینچی ہوئی پسند آ جائیں گی؟ تمہیں تو میری Photography پر اعتراض ہوتا ہے اور یہ

ہماری زندگی کا سب سے بڑا Project ہوگا اور اس میں ہمیں ہمارا Best دینا ہوگا.....تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے ایک چھوٹی سی Add Film بنانی ہے جو ایک دو دن میں مکمل ہو جائے گی اور Mind It اگر یہ ایک Project ان کو پسند آ گیا نا تو پھر سوچ لو، Internationally ہماری Production hose Introduce ہو جائے گا اور ویسے بھی یہ ہزاروں اور لاکھوں کی بات نہیں.....کروڑوں تک کی Deal ہے اور اس کو ہم اتنا آسان نہیں لے سکتے۔ تم سمجھ رہی ہو جو میں تمہیں بتانا چاہ رہا ہوں.....اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے مجھے گھورتے ہوا کہا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے فرحان مگر، اس سے پہلے میں کچھ کہتی کہ شعیب صاحب اور انعم بھی آ گئے..... چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ آپ لوگ بھی آ گئے..... فرحان وہ دبئی والے Hotel Project کی بات Discuss کر رہا تھا..... ان کی رات کو Call آئی تھی۔ وہ لوگ ہم لوگوں سے یہی Film بنوانا چاہتے ہیں..... اب آپ بتائیے کہ کیا کرنا چاہیے؟ میں نے تو کہا ہے کہ ان سے C.Ds پر ساری Basic on for mation منگوا لیتے ہیں مگر فرحان صاحب اس سے اتفاق نہیں کرتے..... بقول ان کے یہاں سے جانا چاہیے، یہ سب کام Personally کرنا ہوگا۔'' انعم نے کہا، ہاں انا بات تو فرحان کی ٹھیک ہے کہ کچھ بھی ہو، یہ کافی High Project ہے۔ اس لیے اس پر ہم کسی دوسرے کے کام Basic Help یا Basic Thcme تو نہیں لے سکتے۔ شعیب صاحب اور فرحان چلے جائیں پھر..... ''نہیں ''انا'' میں تو نہیں جا سکوں گا۔ ایک تو میری اپنی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور دوسرا آج کل میرے گاؤں والے گھر پر کیس چل رہا ہے۔ مجھے وہاں Court بھی جانا ہوتا ہے۔'' شعیب صاحب نے تو ایک دم سے معذرت کر دی۔ اب رہ گیا فرحان بے چارہ اکیلا۔ انعم تو جائے گی نہیں۔ اس کا مجھے پتہ تھا..... کیونکہ اس کے آج کل رشتے کی بات چل رہی تھی۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد میں بولی، فرحان تم اکیلے چلے جاؤ نا۔ پندرہ بیس دِن کی تو بات ہے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میں نے ایک دم خوشی سے اپنے فیصلے کو فائنل بھی کر دیا اور انعم نے بھی میری تائید کی۔

شعیب صاحب بھی بولے ''ہاں یہ مناسب لگتا ہے۔'' ہم تینوں کو متفق دیکھ کر ایک دم سے فرحان بولا۔ ''Hello Hello۔ مس I am Sorry..... میں اتنی بڑی بے وقوفی کسی صورت میں نہیں کر سکتا۔ Thanks alot..... کیوں کیا ہوا؟'' انعم نے حیرت سے پوچھا.....

''انعم صاحبہ شاید آپ نہیں جانتی یہ جو چیز آپ کے سامنے بیٹھی ہے، یہ اتنی آسان نہیں ہے۔ میں نے 4 سال ان کے ساتھ پڑھائی کی ہے اور اب تقریباً 2 سال سے یہاں بھی ان کے ساتھ

ہوں...... یہ کافی مشکل چیز ہے۔‘‘ ’’کیوں کیا ہوا؟ میں نے تمہیں کیا تکلیف دی ہے؟ جو تم مجھے مشکل چیز کہہ رہے ہو‘‘...... میں غصے سے فرحان پر برس پڑی۔ ’’آپ کو یاد ہو یا نہ ہو، مگر میں کبھی نہیں بھول سکتا، جو تم نے لندن University کے Assingment پر میرا حال کیا تھا۔ میری اتنے دن کی محنت، منٹوں میں پانی میں ملا دی تھی...... اور رو رو کر آسمان سَر پر اُٹھالیا تھا...... یہ تو بھلا ہو بابا کا جنہوں نے میری جان چھڑائی تھی۔ 2 دن رہ گئے تھے۔ اور میڈم نے میری اور اپنی دونوں Assingment روک کر ایک دن کے اندر اندر یہ بابا کو لے کر London سے Black Born گئی تھی اور مجھے بھی ساتھ گھسیٹا...... وہاں جا کر اس نے خود Pictures بنائی تھی اور اپنی اور میری Assingment آخری Date پر Submit کرائی تھی۔ Uff God، دو دن اور دو راتیں۔ اس لڑکی نے جو میرا اور اپنا حشر کیا، توبہ۔ اس نے تو بابا کا بھی لحاظ نہیں کیا...... انہوں نے اسے کیسے برداشت کیا یا برداشت کرتے ہیں، یہ ان کی ہمت ہے۔‘‘ میری غصے سے آنکھیں تقریباً باہر آ ہی چکی تھیں۔ ’’ہاں تو اس پر نمبر کتنے ملے تھے۔ یہ بھی یاد ہونا چاہیے نا فرحان خان صاحب‘‘...... میں نے تنگ کر اسے کہا۔ ’’توبہ‘‘ ’’اَنا‘‘ جتنا تم روئی تھی اور جتنا شور مچایا تھا۔ اس فرسٹ پرائز سے بہتر تھا کہ میں صرف Passing Marks لے کر پاس ہو جاتا‘‘...... فرحان نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے یہ الفاظ کہے...... تو ہنستے ہوئے انعم بولی۔ ’’فرحان ویسے یہ تو ناشکری ہے۔ ایک تو Dead Line پر وہ آپ کو اپنا Best دے کر Top کراتی ہے اور دوسرا آپ اس کو ہی کوستے ہو‘‘...... انعم نے میری سائیڈ لیتے ہوئے کہا...... ’’یہ شروع سے ہی ناشکرا اور بدتمیز انسان واقع ہوا ہے...... اس کی باتوں کا کیا بُرا ماننا...... میں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔‘‘

شعیب صاحب ہنستے ہوئے بولے...... اچھا بچو۔ یہ ہنسی مذاق میں تم لوگ اصل بات تو بھول گئے، کرنا کیا ہے، حل کیا نکلا ہے، اس مسئلے کا۔ فرحان نہیں جائے گا تو کون جائے گا۔ انعم جلدی سے بولی۔ ’’فرحان اور اَنا تم دونوں چلے جاؤ...... دونوں اپنی مرضی سے Deal بھی کر لینا اور ضروری Basic Theme بھی خود ہی Design کر لینا۔ کسی اور کے کام سے واقعی کوئی بھی مطمئن نہیں ہوگا‘‘......

’’مَیں، مَیں کیسے جاسکتی ہوں...... کیوں تمہارے پاؤں میں مہندی لگی ہوئی ہے۔‘‘ ’’فرحان تیزی سے بولا۔ فرحان تنگ مت کرو۔ تم خود ہی manage کر لو نا‘‘ میں نے درخواست کے سے لہجے میں اس سے کہا مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ ’’نہیں میں نہیں جاؤں

گا۔ اگر تم نے نہیں جانا تو منع کر دو نہیں۔ کسی اور سے کروالیں وہ۔ میں تو اکیلے نہیں جاؤں گا۔ وہ بھی جس کام میں تم ساتھ ہو۔ توبہ توبہ میرے Dad کی توبہ۔'' فرحان تو واقع بہت خوف زدہ ہو چکا تھا۔ ''اچھا یہ بتاؤ کہ جانا کب ہے''، میں نے تنگ آکر پوچھا...... ''انہوں نے کہا ہے کہ جتنی جلدی ہم لوگ اس Project کو مکمل کر سکیں، اتنا ہی اچھا ہے...... ویسے انا، یہ ان کی بھی Demand ہے اور یہ ہماری بھی ضرورت ہے...... سوچ لو، اچھی طرح، پھر Done کر لینا۔ فرحان نے اس بار بڑی سنجیدگی سے اپنی صلاح دی۔'' میں سوچ میں پڑ گئی۔ ''اچھا چلو ٹھیک ہے۔ سوچتے ہیں ورنہ منع کر دینا انہیں''...... فرحان نے رات والے Project کی Final CD مجھے دکھانے کے بعد، شعیب صاحب کو دے کر بھیج دیا۔

انعم بھی دوسرے کمرے میں اپنا کام کرنے لگی۔ فرحان اپنے P.C پر کام کرنے لگا...... میں اُٹھ کر فرحان کے پاس گئی۔ ''فرحان''...... اس نے میری طرف دیکھا۔ میری سنجیدگی پر وہ مُسکرایا۔ ''اب پھر کوئی مصیبت ہو گی''، ان نے مذاق کی لہجے میں کہا۔ ''ویسے بڑے عرصے بعد تم نے یہ شکل بنائی ہے ''انا'''...... یہ کہہ کر وہ اپنا کام کرنے لگا۔ کیونکہ University میں جب بھی مجھے کوئی Problem ہوا کرتی تو میں فرحان کے پاس ایسی ہی شکل لے کر جایا کرتی تھی...... ''فرحان ہر وقت مذاق کے موڈ میں نہ رہا کرو نا، میری بات سنو، غور سے۔ میں نے اسے رات کی تمام بات بتا دی اور میرا ان حالات میں جانا یا اس متعلق بات کرنا بھی ممکن نہیں اور نہ ہی میں کروں گی۔ ابا ویسے بھی کافی خفا رہتے ہیں اور بابا میرے لیے کب تک ابا سے لڑتے رہیں گے...... میں اب بابا کو بھی پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ انہیں بھی میں بہت تکلیف دے چکی ہوں اور اکیلے تمہارے ساتھ جانے کا تو سوال ہی نہیں۔ مجھے تو بابا کے بغیر ایسے لگتا ہے کہ چلنا بھی نہیں آتا...... اس لیے بہتر یہ ہی ہے کہ تم ان لوگوں کو منع ہی کر دو...... ہم شاید یہ نہیں کر سکیں''...... ''مگر انا اس سے ہمیں کافی ترقی مل سکتی ہے۔ تم جانتی ہو نا کہ اس قسم کے Project، اس قسم کی Add Film کی ہم لوگ خواہش کیا کرتے تھے اور اب جب مل رہی ہے تو تم منع کر رہی ہو۔'''' نہیں فرحان میں گھر میں اور کوئی بدمزگی نہیں پیدا کرنا چاہتی اور نہ ہی بابا کو اپنے لیے اور تکلیف دے سکتی ہوں۔ پلیز''، میں یہ کہہ کر آفس سے باہر چلی گئی۔

شام ساڑھے پانچ بجے میں نے گھر جانے کے لیے تیاری کی...... فرحان بھی میرے ساتھ اُٹھ گیا اور انعم اور شعیب صاحب بھی ہمارے ساتھ ہی ہو لیے۔ انہیں راستے میں Drop کرنا تھا۔ فرحان نے انہیں اپنے ساتھ بیٹھا لیا۔ میں چھ بجے اپنے گھر کے پورچ میں

گاڑی Park کر کے اندر گئی۔ بابا لاؤنج میں ہی تھے۔ میں ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ بھابھی بھی وہیں آ گئی۔ بوا نے مجھے چائے کا کپ دیا۔ آج امی بھی سکون میں تھیں۔ تھوڑی دیر میں ابا بھی آ گئے۔ پورچ میں میری گاڑی دیکھ کر ان کو بھی اطمینان ہوا ہوگا۔ میں اپنے کمرے میں چلی گئی۔ رات احسن بھائی کے آنے کے بعد کھانا کھا کر میں پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ میں ابھی اپنے کمرے کی چیزیں ہی سمیٹ رہی تھی کہ میرا Cell Phone بجا۔ دیکھا تو فرحان کی Call تھی۔ ''انا'' ...... میں نے کہا، ہاں فرحان، سب ٹھیک ہے نا۔'' ہاں ''یار وہ تم آج پریشان تھی اور میں اپنی شرارت میں تمہیں تنگ کر رہا تھا۔ Sorry For That '' ......اس نے مجھ سے معذرت کی۔ ''نہیں فرحان ایسی کوئی بات نہیں اور اب ہمارا ایسا رشتہ تو ہے کہ ہم ایک دوسرے سے کھل کر مذاق کر سکتے ہیں۔ مجھے دُکھ تو کافی ہے کہ ہم اتنا بڑا Project نہیں کر رہے، مگر کیا کر سکتے ہیں'' ...... ''تم پریشان نہ ہو۔ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا اور جو بھی ہوگا، اچھا ہی ہوگا۔ یہ Deal تو ضرور ہوگی اور یہ Project کرو گی بھی تم ہی۔ اب دیکھو کیا مناسب صورت نکلتی ہے۔ بس تم پریشان مت ہو۔ Ok۔ اس نے مجھے تسلی دی اور فون بند کر دیا۔''

فرحان ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا۔ مَیں اُن چند خوش نصیب لوگوں میں سے تھی جن کے دوستوں کی تعداد بہت کم تھی مگر میرے دوست میرے ساتھ مجھ سے زیادہ مخلص تھے۔ دو ہی تو دوست تھے میرے۔ ایک میرے بابا اور دوسرا فرحان......

بابا سے دوستی میں ایک عمر کا لحاظ آجاتا تھا اور ساتھ ساتھ کیونکہ وہ میرے بابا ہیں، اس احترام کی ایک دیوار ہمیشہ میرے اور ان کے درمیان حائل رہتی تھی، جس دیوار کو نہ تو گرانے کی میں نے کبھی کوشش کی اور نہ ہی بابا نے کبھی مجھے ایسا احساس دلایا کہ ہمارے درمیان یہ دیوار نہیں ہونی چاہیے۔ کہیں نہ کہیں وہ دیوار بابا نے خود ہی حائل کر رکھی تھی۔ لاکھ مذاق اور (Frankness) بے تکلفی ہونے کے باوجود بھی میں چاہ کر بھی یہ یاد نہیں کر سکتی تھی کہ کبھی وہ لمحہ آیا ہو جس لمحے بابا نے مجھے ''آپ'' کر کے نہ بلایا ہو......

مگر فرحان کے ساتھ یہ بات نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ہم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ بے تکلفی تھی۔ ایسی بے تکلفی جس میں کہیں نہ کہیں ایک حد تھی ایسی حد جو دوستوں کے درمیان ہونی چاہئے اور اس حد کو پار کرنے کی کوشش نہ فرحان نے کبھی کی اور نہ ہی میں نے کبھی سوچا۔ فرحان ایسا ہی کیا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے، لٰ ن میں پڑھائی کے دوران بھی جب کبھی مجھے کوئی مشکل ہوا کرتی یا Teachers سے کچھ ڈسکس کرنا ہوتا تو ہمیشہ میرے لیے فرحان ہی کیا کرتا

تھا...... بابا کے بعد یونیورسٹی میں فرحان ہی تھا جس نے مجھے وہاں اپنے ہونے کا احساس دلایا اور میرے اندر تحفظ اور اعتماد کو بحال کیا تھا۔ چاہے کتنی ہی مشکل صورت بن جائے، اس کی تسلی نے ہمیشہ میری دِل جوئی کی تھی۔ ہمت بڑھائی تھی، جتنا مجھے فرحان کے ساتھ پر یقین تھا، اتنا ہی فرحان کو بھی میرے ساتھ پر تھا اور یہ یقین بھی ہمارے رشتہ کو دِن بدن مضبوط کرتا رہا۔ ہم دونوں میں بہت سی باتیں مشترک تھیں اور سب سے بڑی بات ہم دونوں میں کافی بحث بھی ہوا کرتی تھی مگر ان سب لڑائی اور بحث کے باوجود ہم دونوں کا ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ ہمارے لیے انتہائی قیمتی تھا۔ جتنی کے ہماری زندگی...... مگر ہم دونوں نے کبھی گزرے وقت کو دُہرایا نہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی تھی کہ ہم دونوں کو اس بات کا یقین تھا کہ ہمیں وہ وقت یاد ہے...... اور جب یادیں مضبوط ہوں تو انہیں دُہرانے کی ضرورت نہیں پڑتی...... مختصر لفظوں میں اگر کہوں تو فرحان صحیح معنوں میں میرا ''سچا دوست تھا...... اور ہمیشہ رہے گا......

مَیں نے اکثر لوگوں کو اپنی زندگی میں ''دوستی'' جیسے رشتے سے نالاں دیکھا ہے۔ کبھی وہ بے اعتباری کی شکایت کرتے ہیں تو کبھی دھوکے کی، یا دوستی میں خلوص نہیں، صرف دکھاوا ہی دکھاوا ہے، یا کبھی کسی کی دوستی پر بھروسہ مت کرو، پتہ نہیں لوگ ایسے کیسے کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کو زندگی نے یہ تلخ تجربہ دیا ہو، مگر میں اپنی تقدیر پر سے اس معاملے میں بہت خوش ہوں کہ مجھے میرے دوست سے ایسی کوئی شکایت نہیں تھی۔ میرے خیال سے لوگ ''دوستی'' جیسے پاکیزہ رشتے کو بناتے ہی یا تو ڈھیروں اُمیدیں لگا بیٹھتے ہیں یا انہیں اس بات کا خوف ہوتا ہوگا کہ کوئی نہ کوئی ایسی صورت نہ بن جائے جس سے ان کا رشتہ کمزور ہو جائے یا ٹوٹ جائے اور اپنے خود ساختہ خوف کی وجہ سے وہ ضرورت سے زیادہ عدم تحفظ کا شکار ہو کر چھوٹے چھوٹے یا شاید بڑے بڑے جھوٹ گھڑنے لگتے ہیں اور اپنی اصل ذات کو چھپا کر ایک خیالی کردار بنا لیتے ہیں...... غلطی کہیں نہ کہیں وہ خود کرتے ہیں۔ اپنے رشتے کو کمزور وہ خود کرتے ہیں اور الزام سارا ''رشتے'' پر اور وہ بھی دوستی جیسے پاکیزہ رشتے پر آجاتا ہے۔ میرے اور فرحان کے رشتے میں یہ صورتِ حال کبھی نہیں بنی۔ ہمیں نہ تو ایک دوسرے سے کوئی خوف تھا اور نہ ہی کوئی اُمید تھی...... ہم دونوں جیسے تھے، ایک دوسرے کے سامنے بالکل ویسے ہی تھے...... ہمیں ایک دوسرے سے نہ تو کبھی کچھ چھپانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ ہی اپنی خامی کی وجہ سے کبھی ہمیں اس کا ڈر ہوا کہ اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ میں کم گو تھی...... مگر میری خاموشی میں بھی اگر وہ کچھ پوچھتا تو میں اسے بتا دیا کرتی۔ اسی لیے نہ تو اسے میری خاموشی سے اُلجھن ہوا کرتی تھی اور نہ ہی میرے

غصے پر وہ ناراض ہوا کرتا تھا......

ہماری دوستی کو تقریباً پانچ چھ سال گزر چکے تھے......اور ہماری دوستی بھی پختہ عمر میں ہوئی تھی......اکثر ہم دونوں نے یہ بات بھی کئی بار سنی تھی......کہ ایک لڑکے کی ایک لڑکی سے کبھی دوستی نہیں ہوسکتی......وہ دوستی وقت کے ساتھ محبت میں ضرور بدل جاتی ہے......ایک مرتبہ ہماری یونیورسٹی میں ایک کلاس فیلو تھی، اس کا نام Anita تھا، وہ اکثر مجھے اور فرحان کو اکٹھے کنٹین میں بیٹھے یا اکٹھے پڑھتے دیکھتی تو ہمارے پاس آجایا کرتی......اور اس کا یہ بیان تھا کہ دیکھنا فرحان اگر تم لوگ ایسے ہی رہے تو تم دونوں کو ایک دن ایک دوسرے سے محبت ضرور ہوگی اور اس بات پر میں نے اور فرحان نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر Anita کی طرف دیکھا......اس دن ہم دونوں جتنا ہنسے تھے، شاید آج تک ہم اتنا نہیں ہنسے اور ہماری ہنسی سے پریشان ہوکر وہ اُٹھ کر جانے پر مجبور ہوگئی تھی۔

اکثر فرحان مجھے اس بات پر چھیڑا کرتا تھا......اور میں ہمیشہ اسے مذاق میں یہ ہی کہا کرتی تھی۔ ہاں اس صورت میں جب دُنیا میں صرف اور صرف ہم رہ جائیں گے اور باقی سب لوگ ختم ہو جائیں گے، ہے نا؟......ہاں مگر اس صورت میں ہم دونوں سے محبت کرے گا کون؟

''انا''؟ فرحان حیرت سے منہ بنا کر اس وجہ کو بھی ختم کر دیا کرتا تھا......اور ہم پھر ہنسنے لگے......

اس دن میں، فرحان اور شعیب صاحب آفس میں بیٹھے ایک فلم کے بارے میں Pictures اکٹھی کر رہے تھے کہ انعم آ گئی۔ وہ ہمیں سلام کر کے خاموش ہوکر بیٹھ گئی اور ہم نے اپنی Discussion ختم کی تو احساس ہوا کہ وہ بے چاری شکل بنائے بیٹھی تھی، کچھ پریشان سی تھی۔ میں نے شعیب صاحب کی طرف دیکھا۔ انہوں نے گردن ہلا دی کہ مجھے کیا پتہ۔ پھر فرحان نے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا کہ ''پوچھو کیا ہوا؟''......میں نے انعم سے پوچھا، ''انعم کیا ہوا، سب خیر ہے نا''......اس نے بوجھل آنکھوں سے میری طرف دیکھا، کچھ دیر بعد بولی ''''انا'' میرا رشتہ ہوگیا ہے اور میری منگنی ہونے والی ہے''......یہ کہہ کر اس نے سر جھکا لیا......''لو، پاگل...... اتنی خوشی کی خبر اتنی اُداسی سے سنا رہی ہے۔'' میں نے اسے گلے لگایا۔ فرحان نے بھی مبارک دیتے ہوئے ہاتھ ملایا اور شعیب صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی، ''مگر''......اس کی مگر نے ہم تینوں کو اچانک خاموش کر دیا۔ ''مگر کیا انعم......انعم؟'' ''وہ لوگ مجھے کام نہیں کرنے دیں گے۔ میری ملازمت پر انہیں اعتراض ہے......اور میرے والدین نے ان کی یہ شرط مان کر ہاں بھی کر دی ہے......'' وہ افسردگی سے یہ بتا رہی تھی......

''تم نے لڑکے کو دیکھا ہے؟ اس سے ملی ہو؟ تمہیں پسند ہے؟''......اس نے اثبات میں سر ہلایا......فرحان نے اس سے تجسس سے پوچھا۔

''انجینئر ہے، جدہ میں......فیملی بھی اچھی ہے مگر انہوں نے یہ عجیب سی شرط رکھی ہے۔ مجھے اس بات پر اعتراض ہے، مگر ممی کہتی ہیں کہ اب پاپا نے زبان دے دی ہے......اور اب انکار کی صورت نہیں''......''تمہارا دماغ خراب ہوا ہے انعم......تم صرف اس بات پر رشتہ نہیں کرنا چاہتی کہ اس نے تمہیں Job کرنے سے منع کر دیا ہے''......میں نے حیرت سے انعم کی طرف دیکھا......اس نے جواب دیا ''ہاں ''انا''۔ میں نے اتنی پڑھائی کی۔ ایک تو میری شادی اتنی جلدی کر رہے ہیں......اور اس پر یہ شرط بھی''......''دیکھو انعم اگر تمہیں اس بات پر اعتراض ہے کہ تم ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی ہو تو یہ اور بات ہے......لیکن اگر تمہارے اعتراض کی وجہ تمہاری ملازمت سے دلچسپی ہے......تو یہ تو سراسر حماقت ہے۔ اس میں تو مَیں کم سے کم تمہارے ساتھ نہیں۔'' یہ کہہ کر میں وہاں سے اُٹھ گئی......اور اپنے کمپیوٹر کے پاس آ کر C.Ds اکٹھی کرنے لگی......

''ہمیں آپ کے ساتھ کی ضرورت بھی نہیں''...... مجھے فرحان کی آواز آئی جو انعم کی حمایت میں اس کے پاس جا کر بیٹھا تھا......شعیب صاحب سامنے بیٹھے مُسکرا رہے تھے۔

''فرحان......''؟ میں نے اسے ٹوکنا چاہا مگر وہ فرحان ہی کیا جو خاموش ہو جائے۔ اسے بولنا تھا، اور وہ بولا، اور بھرپور بولا......''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔ اس نے اتنی پڑھائی اس لیے تو نہیں کہ ایک دن اچانک کوئی الو اسے حکم سنائے گا اور یہ خاموشی سے اندر بیٹھ کر ہانڈی روٹی کرے گی...... تم لڑکیاں بھی عجیب ہوتی ہو۔ پہلے تو اتنی لگن سے محنت کرتی ہو اور اتنی محنت کر کے جب کچھ سیکھ جاتی ہو تو بجائے اس پڑھائی سے کسی اور کا کوئی بھلا ہو یا کچھ Creative کام کر کے مُلک کا بھلا ہو یا چلو اس پڑھائی کا ہی حق ادا کرنے کا وقت آتا ہے تو گھونگھٹ میں منہ چھپا کر فرمانبردار بیوی کا Chapter کھول لیتی ہو۔ ایک کام پوری طرح سے مکمل کرتی نہیں اور دوسرا شروع اور اس سے بھی زیادہ مجھے حیرت ان والدین پر ہوتی ہے کہ جو اتنی پڑھائی کرانے کے باوجود اتنی فرسودہ روایت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں، اگر یہ ہی سب کچھ کرنا ہوتا ہے انہیں آخر میں تو پھر لڑکیوں کو اتنا پڑھاتے کس لیے ہیں۔ اَن پڑھ ہی رکھا کریں اور جس کھونٹے سے چاہیں باندھ دیا کریں۔ پہلے خود شعور دلاتے ہیں اچھے بُرے کا اور آخر میں اپنی مرضی بنا اولاد کی مرضی جانے اس پر تھوپ دیا کرتے ہیں اور ان گھٹیا لوگوں کو دیکھو، جو اس قسم کی شرطیں رکھ کر لڑکیوں کو بیاہنے

نہیں بلکہ خریدنے آتے ہیں، کہ اگر نوکرانی کی حیثیت سے لے کر جانا ہے تو پھر یہ ڈھونگ کرنے کی کیا ضرورت ہے...... ایک نوکرانی کو تنخواہ پہ رکھ لیں...... یہ اچھی بات ہے بھئی۔ Job نہیں کرنی...... تو شادی کریں گے، ورنہ نہیں کریں گے۔ اب وہ دور تو نہیں رہا جب لڑکیاں گھوڑے پر بیٹھ کر آنے والے شہزادے کے خواب دیکھا کرتی تھی...... اب تو ہر لڑکی لڑکے سے زیادہ Practical ہے...... اور اس پر اس طرح کی بے بنیاد شرطیں لگانا سراسر زیادتی ہے۔ جہالت ہے یہ تو...... کیوں صاحب شعیب صاحب؟'' فرحان نے شعیب سے اپنی بات کی تائید چاہی مگر انہوں نے مُسکرا کر سر جھکا لیا...... اور انعم بھی بوجھل چہرے کے ساتھ آنکھوں میں اٹکے ہوئے آنسوؤں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ ''نہیں انعم تم فکر نہیں کرو، میں خود انکل سے بات کروں گا...... یہ تو نہیں ہوسکتا...... ساری عمر پہلے بیٹی کو سَر اُٹھا کر جینے کی تربیت کرتے رہتے ہیں اور آخر میں آکر ایک انجان انسان اور اس کے گھر والوں کے لیے ساری زندگی، ان کی فضول شرائط کو مان کر سَر جھکا کر رہنے پر مجبور کر دیتے ہیں...... This is totally unfair فرحان بڑے جوش میں بولے جا رہا تھا۔ میں کرتا ہوں کچھ، تم فکر مت کرو'...... فرحان نے کرسی کے ساتھ ٹیک لگائی اور کچھ سوچنے کے انداز میں دیوار پر دیکھنے لگا۔ انعم پہلے سے زیادہ پریشان لگ رہی تھی اور شعیب صاحب میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کچھ لمحے کمرے میں خاموشی رہی۔ فرحان پھر بولا، ''اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری منگنی کب ہے؟'' ''پرسوں...... میں اصل میں آپ لوگوں کو یہ'' ...... اس نے انعم کی بات کاٹی، ''اچھا چلو آج ہی چل کر بات کرتے ہیں۔ فرحان ایک دم سے اُٹھا''، وہاں مجھے مجبوراً بولنا پڑا...... جو بات میں تحمل سے سمجھانا چاہتی تھی، مجبوراً مجھے وہ سب باتیں ڈانٹ کر کہنا پڑیں، کیونکہ فرحان جب بولتا تھا تو سوچے سمجھے بغیر، بولتا ہی جاتا تھا...... اس کی یہ پرانی عادت میں کئی بار بھگت چکی تھی جس میں Break یا Ful stop کہیں بھی نہیں ہوتا تھا۔

''فرحان جہاں بیٹھے ہو، وہیں بیٹھے رہو اور اب اگر تم ایک لفظ بھی اور بولے تو اس کمرے میں جتنی چیزیں پڑی ہیں، مَیں سب اُٹھا کر تمہارے سر پر دے ماروں گی اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ایسا کر سکتی ہوں...... حد ہوتی ہے کسی بات کی...... ابھی چپ ہوتے ہو، ابھی چپ ہوتے ہو...... مگر تمہاری تو بریک ہی نہیں...... اور اوپر سے فضول پٹیاں پڑھانے لگے ہوئے ہو۔ وہ بھی اس بے وقوف لڑکی کو...... میں نے غصہ سے انعم کی طرف دیکھا...... خبردار جو ایک آنسو بھی تمہاری آنکھ سے گرا تو...... اور غصے سے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا، کس بات پر

تمہیں رونا آرہا ہے۔ تمہاری مرضی کے خلاف شادی ہو رہی ہے تمہاری؟ عزت دار خاندان نہیں ہے کیا؟ لڑکا شکل کا بُرا ہے؟ جوا کھیلتا ہے؟ شرابی ہے؟...... یا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟ کسی اور سے محبت کرتی ہو؟ انعم مجھے فوراً ان سوالوں کے جواب دو، اگر ان میں سے ایک بھی وجہ ہے تو ہم سب تمہارے ساتھ مل کر تمہارے گھر والوں کو اس رشتے سے انکار کرنے پر مجبور کریں گے اور میرا تم سے وعدہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی برائی یا ایک بھی وجہ ہوئی تو میں تمہاری شادی یہاں کسی بھی صورت میں نہیں ہونے دوں گی۔ Now Tell me Quickly۔''

انعم کے آنسو جیسے غائب ہو گئے اور حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''نہیں ''انا'' ایسی کوئی بات نہیں ہے'' ...... یہ کہہ کر اس نے سر جھکا لیا، تو پھر تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اس رشتہ میں اگر کوئی خرابی نہیں، کوئی برائی نہیں۔ تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے معیار پر پورا اُترتا ہے اعتراض کی کوئی وجہ نہیں ...... اور اگر میں نے تمہارے منہ سے دوبارہ یہ سنا کہ تم Job کی وجہ سے اس رشتہ سے انکار کر رہی ہو تو وہی حالت تمہاری کروں گی جو ابھی میں نے فرحان سے کہا تھا...... تم نہیں جانتی، مگر میں ایسا کر سکتی ہوں، Ok۔ رشتے نہ ہوئے مذاق ہو گیا...... تم نے پڑھائی کی ہے، مانا کہ یہ Creative Field ہے مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم اپنے اَن دیکھے خوابوں کی کھوج میں اپنے والدین کے برسوں کے خواب اور ارمان مٹی میں ملا دو...... بہت بُری بات ہے انعم اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ جس Field میں ہم لوگ کام کر رہے ہیں، اس کا پاکستان میں تو کوئی خاص سکوپ ہے بھی نہیں۔ ہم لوگ خود باہر کے Project پر آس لگائے بیٹھے ہیں اور پنڈی، اسلام آباد میں تو بالکل بھی نہیں ہے۔ تمہارے پاس ایک ہنر ہے۔ اس کو تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ یہ تمہارے پاس ہی رہے گا تو تم اپنی Field میں بہت کام کر سکتی ہو مگر اس کا طریقہ فرق ہوگا۔ ضروری تو نہیں تم صبح 10 سے شام 6 بجے تک Office جاؤ گی تو ہی تم کچھ حاصل کر لو گی ...... مجھے تم سے یہ اُمید نہیں تھی انعم ......''

کمرے میں چند لمحے کے لئے خاموشی ہوئی۔

تم اس راستے کے لیے اپنی منزل کو ٹھوکر مار رہی ہو، جس کا تمہیں علم ہی نہیں، جس سمت کا تمہیں ادراک نہیں، اس کے لیے تم آنے والے وقت میں جڑی نہ صرف اپنی بلکہ اپنی گھر والوں کی خوشیوں کو ٹھوکر مار رہی ہو...... جس لمحے نہ صرف تمہارے والدین خفا ہوں گے، بلکہ تمہاری اس ناشکری سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہو گیا تو کیا کرو گی؟ تمہاری ابھی چھوٹی دو بہنیں ہیں۔ تمہارے والد کے علاوہ گھر میں اور کوئی نہیں کمانے والا۔ بھائی تمہارا نہیں ہے۔''

انعم ایک دم سے میری بات کاٹتے ہوئی بولی ......''ہاں یہ ہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ میں والد کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ان کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہوں، بیٹے کی طرح''......میں طنزیہ مسکرائی۔

''شکر کرو۔انعم کہ تم ان خوش نصیب لڑکیوں میں سے ہو کہ جن کی جوانی ماں باپ کے گھر کمائی کرتے کرتے نہیں کٹتی......اور عمر گزر جانے کے بعد ہمارے معاشرے میں لڑکی کے کیسے کیسے رشتے آتے ہیں، یہ تم مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہو اور ہمارا معاشرہ اکیلی لڑکی کو کس نظر سے دیکھتا ہے، یہ بھی ہم سب اپنی اپنی جگہ بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ میں نے فرحان کی طرف طنزیہ نظروں سے دیکھا اور اس بات کا دکھاوا تم کسی اور کو دینا کہ تم اپنے والد کی مدد کرنا چاہتی ہو......اگر تمہاری ایسی سوچ ہوتی تو ہم اس وقت بحث میں نہیں پڑے ہوتے۔ اللہ نے جو دیا ہے، اور جو دے رہا ہے، اس کا شکر ادا کرو اور خاموشی سے جیسا بڑے کہتے ہیں ویسا کرتی رہو۔ پڑھائی تمہاری ہے، تمہارے ساتھ ہی رہے گی۔ کہیں نہیں جائے گی۔ ہاں مگر تمہاری عمر...... تمہارے والدین کی زندگی......اور تمہاری بہنوں کی بڑھتی ذمہ داریاں...... جو صرف تمہارے والد کے کندھوں پر ہیں، ان کے بارے میں سوچو، جو شادی کے بعد اگر تم دونوں میں Understanding ہو جاتی ہے تو......اس کو Confidence میں لے کر، اعتماد میں لے کر Job بھی کر لینا۔ وہ صورت اپناؤ جس سے تمہاری نجی زندگی متاثر نہ ہو اور یہ Job، یہ پڑھائی وغیرہ، یہ ہمیں شعور دینے کے لیے ہے، نہ کہ ان کو حاصل کر کے ہم جاہلوں سے بھی بدتر زندگی گزارنے لگے۔انعم محبت کی، رشتوں کی قدر کرنا سیکھو۔ان مادی خواہشات پر انہیں قربان مت کرو، Ok۔بات کچھ سمجھ میں آئی''......انعم خاموش رہی مگر شعیب صاحب کے چہرے پر جو طمانت تھی وہ اس بات کی ضمانت تھی کہ میں نے جو کہا تھا، وہ ٹھیک تھا......

''اور فرحان صاحب آپ کی فضول تقریر جو آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں ہم سب کے سامنے جھاڑی ہے، نہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ کے پاس نہ تو عقل نام کی کوئی چیز ہے اور اتنے سالوں کی پڑھائی آپ کا کچھ بگاڑ سکی نہیں......فرحان تمہاری زندگی لاکھوں میں سے ایک کی ہوتی ہے، اس لیے تم یہ بات تو کبھی نہیں سمجھ سکتے کہ یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے......تم اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہو، نہ کوئی بھائی ہے اور نہ ہی بہن......تم بس سوچتے ہو اور وہ چیز تمہارے قدموں میں آجاتی ہے اور یہ کام جو تم کر رہے ہو، وہ اپنی مرضی سے کر رہے ہو، کسی مجبوری یا ضرورت کے تحت نہیں کر رہے اور ایک چیز ذہن میں ہمیشہ رکھنا، ہم لڑکیوں کی زندگی تم لڑکوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔تم نے جو باتیں کیں وہ تم نے انعم کو تصویر کا ایک رُخ دکھایا ہے

جو کہ نامکمل ہے۔ تمہیں کیا پتہ کہ والدین کے سَر پر اپنی اولاد کی خصوصاً بیٹی کی کتنی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے...... اور یہ جو تم والدین کو کوس رہے تھے کہ پہلے وہ پڑھاتے ہیں اور سَر اُٹھا کر جینے کی تربیت کرتے ہیں اور بعد میں خود ہی سر جھکا دیتے ہیں، ایسا نہیں ہے۔ یہ والدین کا احسان ہے اور اس پر ہم جتنا شکر ادا کر اپنے والدین کا اتنا ہی کم ہے۔ وہ ہمیں بہترین تعلیم و تربیت اس لیے دِلاتے ہیں کہ ہم اچھے بُرے کی پہچان کر سکیں، اس لیے نہیں، کہ ہم برے کو اچھا اور اچھے کو بُرا سمجھنے لگیں جو اس وقت انعم بی بی کر رہی ہیں...... اور سر اُٹھا کر جینے کی بات یہ ہے جناب کہ اگر زندگی میں کبھی آزمائش کا وقت آئے تو ہمیں کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے، اس لیے نہیں کہ ہم اس پڑھائی یا ڈگری کو سر کا تاج بنا کر کسی کو اپنے قابل ہی نہ سمجھیں اور یہ تم نے جو بات کی ایسے لوگوں کو گھر میں گھسنے ہی نہ دیں تو یہ پڑھائی اسی لیے ہے کہ تم لڑکے زیادہ پڑھ لکھ کر جب ڈگریوں کے مالک بنتے ہو تو کسی اَن پڑھ لڑکی سے شادی کیوں نہیں کرتے؟ تمہیں ایک پڑھی لکھی باشعور لڑکی چاہیے ہوتی ہے۔ والدین اس لیے بھی پڑھاتے ہیں۔ مجھے تو اس بات میں کوئی بُرائی نظر نہیں آتی کہ اگر ان لوگوں نے اس کی Job پر اعتراض کیا ہے، یہ تو اس کی خوش قسمتی ہے کہ اسے ایسے لوگ مل رہے ہیں جو اسے عزت کی روٹی گھر کی چار دیواری کے اندر دے سکتے ہیں اور ویسے بھی روزی کمانے کے لیے گھر سے باہر نکلنا عورت کی نہیں، مرد کی ذمہ داری ہے اور یہ میں نہیں ہمارا مذہب کہتا ہے۔ ہاں اگر بہت مجبوری ہو تو گھر سے باہر جا کر عورت اپنے لیے اپنے زندہ رہنے کے لیے کام کر سکتی ہے۔ مرد کو گھر کا سربراہ قدرت نے کس لیے بنایا ہے، اسی لیے نا؟...... انعم اور فرحان تم لوگوں کے سامنے میری مثال ہے۔ میں اپنے گھر میں اکیلی بیٹی ہوں، مجھے بھی اللہ کے فضل سے کسی چیز کی کمی تو نہیں اور میری ہر ضرورت میرے گھر میں پوری ہو سکتی ہے۔ میرے والد میرے اس کام سے اتنے خوش نہیں مگر نالاں بھی نہیں،...... میرے ''بابا'' کی رَضامندی سے میں اپنا کام کر رہی ہوں۔ کیا تم لوگوں کو لگتا ہے کہ مجھے یہ سب کرنے کی ضرورت ہے۔ نہیں نا...... اب سوچو میری فیملی میری خوشی کے لیے یہ سب کچھ کر رہی ہے...... اس میں بہتری ہے، بُرائی نہیں...... اور کل اگر میری فیملی کو میری ضرورت ہو، مجھ سے کچھ اُمید ہو اور میں اُن کی اُمید کو ٹھکرا کر اس کام میں لگی رہوں تو یہاں پر زیادتی میری ہو گی یا میری فیملی کی؟...... انعم ایک بات میں تمہیں اور بتا دوں۔ مرد کے بغیر عورت کچھ بھی نہیں...... مجھ پر میرے گھر والے بھروسہ کرتے ہیں اور میری طاقت میری فیملی ہے۔ 'میں سب کچھ خود کر سکتی ہوں جس دن میں یہ سوچ لوں گی تو میں دُنیا کی سب سے بے وقوف لڑکی ہوں گی' اور مجھے ان عورتوں پر ہنسی

آتی ہے جو یہ کہتی ہیں کہ ہم تو پڑھ لکھ کر مردوں کے شانہ بشانہ کام کرسکتی ہیں......عورت کی عقل بس یہ ہی ہے، جب وہ یہ سوچ لیتی ہے کہ وہ سب کچھ کرسکتی ہے۔ یہ میں کوئی کتابی بات نہیں کر رہی......میں تمہیں اپنی زندگی کا Experience بتا رہی ہوں......

میں اپنے بابا کے سہارے کے بنا ایک قدم اُٹھانے کی قابلیت نہیں رکھتی......اور نہ ہی ایسا سوچ سکتی ہوں کہ ان کے بنا میں کچھ ہوں۔ جب تک عورت کے ساتھ ایک مرد نہ ہو، وہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتی...... اگر عورت اکیلے چلنے کے قابل ہوتی تو ہمارا مذہب خاندان کی سربراہیت مرد کو کبھی نہیں دیتا۔ ایک خاندان کی کفالت کا بوجھ صرف مرد ہی برداشت کرسکتا ہے۔ چاہے وہ مرد آپ کا باپ ہو، بھائی ہو، شوہر ہو یا بیٹا لیکن اگر وہ عورت کے ساتھ ہے تو عورت کو دُنیا سے خوف نہیں آئے گا......تم خود اس کی مثال روز دیتی ہو شعیب صاحب کے ساتھ کیوں آتی ہو یا کبھی فرحان تمہیں Drop کیوں کرتا ہے کیونکہ جب تم ان کے ساتھ ہوتی ہو تو ایک احساسِ تحفظ تمہارے ساتھ ہوتا ہے......اور پھر اگر قدرت تمہیں ایک محرم عطا کر رہی ہے جو ساری زندگی تمہاری حفاظت کرے، تمہارے دُکھ سکھ میں تمہارے ساتھ ہو اور تمہارے والدین بھی سکون کا سانس لے سکیں تو اس میں تم کو کیا اعتراض ہے......'' انعم آنکھیں پھاڑے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''فرحان میں اپنے گھر میں اکیلی لڑکی ہوں اور میری امی ہر روز اسی انتظار میں ہوتی ہیں کہ میں کس دن شادی کے لیے ہاں کروں گی اور وہ مجھے رخصت کر کے اپنے فرض سے فارغ ہوں گی مگر وہ اس بات کا ذکر میرے بابا کی وجہ سے نہیں کرتیں، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ میں جب اس رشتے کو نبھانے کے لیے تیار ہوں گی تو کرلوں گی، اگر اتنے امیر والدین کی اکلوتی بیٹی ہوتے ہوئے میرے والدین کی یہ خواہش ہے تو خود سوچو کے انعم کے والدین کی خواہش کیا ناجائز ہے؟ یہ معاشرہ مردوں کا ہے اور اکیلی عورت اس معاشرے میں Servive کر ہی نہیں سکتی......اس لیے بہتر یہی ہے کہ ایک شریف انسان کے ساتھ زندگی عزت و آبرو کے ساتھ گزاری جائے، تاکہ والدین سکون کا سانس لے سکیں اور وہ دِل پر کوئی بوجھ لے کر اس دُنیا سے رخصت نہ ہوں......اس موقع پر اگر انعم ایسا کوئی قدم اُٹھائے گی تو وہ اس کے والدین اور اس کی بہنوں کے ساتھ سخت ناانصافی ہوگی۔ والدین کے احسان کو احسان مانو......ان کے ساتھ احسان فراموشی مت کرو'' ......''مگر ''انا'' وہ ابھی شادی کے لیے تیار نہیں ہے۔ فرحان نے پھر مجھ سے حجت کی'' ...... ''فرحان وہ شادی کے لیے رضامند تھی...... جب ہی اس کے والدین نے رشتہ

Pakistanipoint Waqar Azeem

پکا کیا ہے نا...... انعم نے رضامندی دی تھی تو بات یہاں تک پہنچی ہے نا؟''...... انعم نے اثبات میں سَر ہلایا...... ''ہاں اگر وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تو ٹھیک ہے۔ وہ کون سا ابھی شادی کر رہے ہیں...... سال دو سال بعد سہی، ابھی تو اتنی جلدی میں شادی ہو بھی نہیں رہی، ابھی تو صرف منگنی ہو رہی ہے۔ کیوں انعم کیا پروگرام ہے شادی کا'' ...... میں نے انعم سے ہر بات صاف اور واضح کرنا چاہی...... تو اس نے بھی یہ ہی کہا ''کہ ابھی نہیں۔ ڈیڑھ سال بعد شادی ہو گی۔'' ہاں تو کافی وقت ہے اس میں ابھی تو So Just take Light Now۔'' میں نے ساری بات کر کے اسے ظاہر کیا، جیسے کوئی بُری بات نہیں تھی مگر میرے خیال سے جو بات میں انہیں سمجھنا چاہتی تھی، وہ ان کی سمجھ میں آ گئی تھی شاید اسی لیے دونوں خاموش تھے۔ ہاں مگر اس سارے وقت کے بعد شعیب صاحب نے میرے پاس آ کر میرے سَر پر ہاتھ رکھا۔ ان کی آنکھوں کے کونے بھیگ رہے تھے مگر انہوں نے کچھ کہا نہیں، بس مُسکرا کر باہر چلے گئے۔ انعم اور فرحان کچھ شرمندہ بھی تھے، مگر انعم کچھ مطمئن لگ رہی تھی......

تھوڑی دیر میں شعیب صاحب ہم سب کے لیے چائے بنا کر لے آئے اور ہم چائے پینے لگے۔ چائے پیتے انعم نے بڑے سکون سے کہا کہ '''' انا'' پرسوں شام 5 بجے ہمار گھر پر ہی چھوٹا سا Function ہے۔ پلیز تم سب ضرور آنا۔ فرحان انٹی اور انکل کو لے کر آنا اور شعیب انکل کے تو گھر جاؤں گی وہاں آنٹی کو بھی کہنا ہے'' ...... تھوڑی دیر بعد انعم جانے لگی۔ میں نے بڑے آرام سے کہا، ''انعم ہو سکتا ہے میرا بات کرنے کا انداز کچھ تلخ تھا کیونکہ اس بدتمیز انسان نے اتنی فضول باتیں کی تھیں جس کی وجہ سے تھوڑا سا غصہ آ گیا تھا۔ پلیز بُرا مت ماننا......''۔ ''نہیں انا سوال ہی نہیں ہوتا، بلکہ اچھا ہوا کہ میں آج یہاں آ گئی، تمہیں نہیں پتہ کہ اب میں کتنے سکون میں ہوں۔ تمہاری باتوں سے مجھ جو دلیری ملی ہے، شاید کسی اور سے کرتی تو اتنی دلیری اور ہمت کبھی نہ مل سکتی......'' انعم نے مجھے گلے ملتے ہوئے پیار کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ فرحان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''انعم پلیز ایسے روتے ہوئے تو مت جاؤ۔'' ''آپ لوگ تو میری زندگی میں بہت اہم ہو گئے ہو اور آج کے بعد تو کچھ زیادہ ہی۔'' ''اچھا تو اس سے پہلے ہم غیر اہم تھے۔ فرحان نے ہنستے ہوئے گلہ کیا'' ...... اور انعم نے ہنستے ہوئے اپنے آنسو پونچھے۔

''انعم ایک بات کہوں!...... میں نے انعم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا...... میرے بابا اکثر مجھے پتہ ہے کیا کہتے ہیں؟'' فرحان اور انعم نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا...... میرے بابا ہمیشہ مجھے کہتے ہیں، ''مرد یہاں سے چاہے جتنا مرضی طاقتور ہو'' میں نے

اپنے ہاتھ کو اوپر اُٹھاتے ہوئے کہا...... ''مگر یہاں سے عورت اس سے ہزار گنا زیادہ مضبوط اور طاقتور ہوتی ہے''، پھر میں نے دِل کے اوپر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''اس لیے کبھی یہ مت سوچنا کہ تم کمزور ہو......بس یہ سوچو کہ اگر عورت کے دِل کی طاقت کے ساتھ مرد کی طاقت مل جائے گی تو پھر زندگی کے ہر امتحان ہر آزمائش سے تم بہت بہادری سے لڑ سکتی ہو......اور تمہارے لیے وہ ہاتھ انشاء اللہ تمہارے والد کے بعد تمہارے شوہر کا ہی ہوگا......اور تم بہت خوش رہو گی، انشاء اللہ......''

فرحان حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ انعم نے فرحان کو ہلایا۔ ''کیا ہوا فرحان؟'' ''یار انعم میں حیران ہو رہا ہوں کہ میں 6 سال سے اس کے ساتھ ہوں، اتنا تو یہ کبھی میرے ساتھ نہیں بولی جتنا تمہارے ساتھ بول گئی اور یہ تو کمپیوٹرز میں M.C.S کر کے آئی ہے یا فلسفۂ محبت پر۔ توبہ ہے ''انا''، اتنی مشکل باتیں کب کرنا سیکھیں تم نے''......فرحان اب پھر میرا مذاق اُڑانے کے موڈ میں تھا اور اس کا ہمیشہ یہ ہی انداز ہوتا تھا۔ خیر انعم کو شعیب صاحب اپنے ساتھ لے گئے تھے......اور ہم دونوں آفس میں واپس آ گئے۔ ''ابھی 4 بجے ہیں، تھوڑا کام کر لیں۔ 6 بجے تک نکلیں گے ہم...... میں نے فرحان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا'' ...... ''انا'' فرحان نے مجھے پکارا۔ میں کمپیوٹر پر کام کر رہی تھی۔ ''ویسے تمہیں Sorry کرنے کی ضرورت نہیں، I Know۔ پتہ ہے تمہارا قصور نہیں۔ تمہارے پاس دماغ کم ہے یا تم اس کا استعمال کم کرتے ہو''......وہ میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا، کیونکہ وہ جو کہنا چاہتا تھا۔ اس میں، مَیں نے اس کی مدد کر دی۔ ''اصل میں تمہارا قصور پتہ کیا ہے فرحان، اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا......تم دِل کے کچھ زیادہ ہی اچھے ہو''......اس بار شرارت کی باری میری تھی...... ''دیکھ لوں گا میں تمہیں''۔ وہ تیزی سے اپنے Table کے پاس جانے لگا......اور پھر ہم لوگ 6 بجے آفس سے اکٹھے ہی گھر کے لیے نکلے......

گھر پر آج ماحول پھر کچھ ناساز لگ رہا تھا۔ کافی خاموشی تھی اور ابا بھی معمول سے ہٹ کر گھر جلدی ہی آ گئے تھے۔ زرقا بھابھی بھی خاموش تھیں اور بوا بھی خاموشی سے کچن میں بیٹھی تھیں۔ میں نے آتے ہی وقت دیکھا۔ میں تو یہ ہی سوچ رہی تھی کہ میں تو وقت پر آ گئی ہوں، پھر سب کا موڈ کیوں آف ہے...... میں کیچن میں میں چلی گئی۔ آج تو زرقا بھابھی بھی میرے پاس نہیں آئی تھیں۔ بوا نے مجھے چائے دی اور پوچھنے پر پتہ چلا کہ منیر بھائی اور نعمان بھائی دونوں اس سال نہیں آ رہے......اور اس پر ابا کا موڈ کافی خراب ہو چکا تھا اور معمول کے مطابق بابا نے جب ان کی طرف داری میں بولے تو ابا نے اس بار اُن سے بھی اختلاف کر دیا......اور اکثر ایسا ہی ہوا کرتا تھا، مگر زرقا بھابھی بھی اپنے ان رشتوں میں اس قدر محتاط رویہ رکھتی تھیں کہ انہوں نے آج تک نعمان بھائی اور منیر بھائی کے متعلق کبھی کچھ نہیں کہا تھا......اس بات سے ہم سب واقف تھے کہ منیر بھائی مصروف تھے مگر سعدیہ بھابھی کے کہنے پر ان کی مصروفیات ضرورت سے زیادہ بڑھ جایا کرتی تھیں جس پر ابا کو اختلاف ہوا کرتا تھا کہ بس 10 دن کے لیے ملنے تو آنا ہوتا ہے انہیں اور وہ بھی یہ بہانے تراشتے رہتے ہیں اور اس بار تو نعمان بھائی بھی اپنی مصروفیات کا عذر ہی دے رہے تھے۔ وہ بھی اس طرح کہ اگلے سال ہمیں چھٹیاں زیادہ مل سکتی ہیں اور عید پر ہم سب اکٹھے ہوں گے۔ بات تو ٹھیک بھی تھی مگر ابا جان کا غصہ!......ابا جان اُس پل تو کسی کی نہیں سنتے تھے۔ احسن بھائی کے آنے کے بعد ہی کچھ ہوسکتا تھا، کیونکہ ایسی صورت میں احسن بھائی ابا کو تھوڑی تسلی دے سکتے تھے اور احسن بھائی کے آنے پر انہیں میں نے خود بتایا تھا......احسن بھائی بھی بابا کے بیٹے تھے۔ بات کو صورتِ حال کو اچھی طرح سنبھال لیا کرتے تھے۔ انہوں نے ابا کے سامنے ایسے بات کی جیسے انہیں نعمان بھائی کا فون آیا تھا اور انہوں نے ساری صورتِ حال انہیں خود بتائی تھی اور پھر انہوں نے اپنے طور پر سے ان کی مجبوری کو بڑی معصومیت سے ابا کے سامنے رکھ دیا اور ساتھ ہی اس بات کا یقین دلایا کہ اگلی بار وہ عید ہم سب کے ساتھ کریں گے۔

اس بار انہیں چھٹیاں بھی تھوڑی مل رہی تھیں۔ اگلی بار انہیں ڈیڑھ مہینے کی چھٹی مل جائے گی تو زیادہ دِنوں کے لیے آئیں گے......ابا بھی احسن بھائی کی کوئی بات نہیں ٹالا کرتے تھے۔

اس پل ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اگلی بار ہم خوشیوں کے لیے اکٹھے ہو رہے تھے یا کسی اور وجہ کے لیے، کیونکہ بابا کی بات صحیح تھی۔ زندگی اور تقدیر کس لمحے آزمائش پر اُتر آئے، کوئی نہیں جانتا...... بہر حال ابا کا موڈ رات تک بہتر ہو چکا تھا اور گھر کا ماحول بھی بہتر ہو چکا تھا۔ میں نے ''احسن بھائی سے کہا ''Bhai you are great''۔ وہ بھی مُسکرانے لگے اور زرقا بھابھی بھی ہاں ہاں۔ضرورت سے زیادہ تعریفیں ہو رہی ہیں بھائی کی'' ......

اس وقت بیٹھے بیٹھے مجھے خیال آیا تو بھابھی کو بتا دیا کہ ''بھابھی پرسوں شام کو انعم کی منگنی ہے۔ میں اور آپ چلیں گے، اس کے گھر پر ہی چھوٹی سی تقریب ہے'' ...... بھابھی نے احسن بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔''واہ جی، آج تو میری ''انو'' خود کسی فنکشن پر جانے کے لیے تیار ہو رہی ہے۔ضرور چلیں گے بھئی''۔''کہاں جانا ہے''۔احسن بھائی نے مجھ سے پوچھا...... ''بھائی اسلام آباد ہی میں رہتی ہے۔ شام 7 بجے کے بعد جانا ہوگا۔ٹھیک ہے''۔''پرسوں شام میں نے بھی اپنے کام سے جانا ہے۔تم لوگوں کو Drop بھی کر دوں گا، پھر جب Free ہو جاؤ تو بتا دینا میں واپسی پر لیتا جاؤں گا''۔''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔'' بھابھی ایک دم سے بولیں...... ''ٹھیک ہے۔ میں نے بھی آرام سے جواب دیا''......اگلے دو دن آفس میں معمولی کے مطابق گزرے۔ فرحان دبئی والی Deal کے متعلق کچھ پریشان تو تھا مگر اس نے کچھ مجھ پر ظاہر نہیں کیا۔ کام کا بوجھ اس قدر بڑھ چکا تھا کہ ایک پروجیکٹ میری کوشش ہوا کرتی تھی کہ ایک دِن میں مکمل کرلوں، جس پر فرحان مجھ سے اُلجھتا ہی رہتا تھا۔ بہر حال ان دِنوں کچھ Short add پر کام تھا جو مکمل ہو چکا تھا اور آج انعم کی منگنی پر جانے کا پروگرام تھا۔''فرحان نے مجھ سے پوچھا، شعیب صاحب تو اپنی بیگم کے ساتھ چلیں جائیں گے، تم کیسے آؤ گی؟'' ......''بھابھی سے کہا ہے احسن بھائی Drop کر دیں گے۔ واپسی پر اگر وہ نہ آسکے تو تم Drop کر دینا۔ تمہارے ساتھ گھر سے آئیں گے'' میں نے فرحان سے پوچھا۔''پتہ نہیں جاؤں گا تو ممی سے بات کروں گا، اگر ان کی کوئی اور Comitment نہ ہوئی تو شاید وہ آئیں میرے ساتھ۔'' ''ٹھیک ہے۔ میں تقریباً ساڑھے 7 بجے تک وہاں پہنچ جاؤں گی۔ تم بھی کوشش کرنا جلدی آنے کی۔ دیر سے آنا بُرا لگتا ہے۔'' میں نے احتیاطاً فرحان کو بتایا......تو وہ شرارت سے بولا، ''اگر آپ کہیں تو 5 بجے نہ چلا جاؤں۔ سارے کام، برتن وغیرہ بھی لگوا دوں گا۔ 7 بجے آجانا، کوئی نہیں میں دیر سے آؤں گا۔''

''بھاڑ میں جاؤ، جب مرضی آؤ۔ مجھ پہ کیا احسان ہوگا تمہارا''...... میں نے جل کر جواب دیا اور اپنا کام کرنے لگی۔

☆

شام کو میں اور بھابھی دونوں انعم کے گھر جانے کی تیاری کرنے لگےاور اسی دوران امی نے مجھے بلایا، زرقا بھابھی بھی وہیں پر تھیں۔ میں پاس گئی تو کہنے لگیں کہ''اس کے لیے لے کر کیا جاؤ گی؟''میں حیرت سے دیکھنے لگی۔''اماں منگنی پر تو کچھ خاص نہیں دیا جاتا۔ہاں جب شادی ہو گی تو پھر کچھ ضرور دوں گی''۔اس پر امی نے میرے سر پر ہلکے سے تھپڑ مارا،''کبھی کہیں جاؤ، لوگوں میں اُٹھو بیٹھو تو تمہیں پتہ بھی ہو کہ کس موقع پر کیا دینا ہے اور کیا نہیں''۔امی نے زرقا بھابھی کو ایک لفافہ دے دیا۔''اس میں 5 ہزار روپے ہیں......اور ساتھ ایک پھولوں کا گلدستہ لے جانا۔باقی شادی پر جو اللہ توفیق دے گا، ویسا کریں گے''

میں مُسکرا کر باہر آگئی اور تیاری کرنے لگی......جب نیچے گئی تو زرقا بھابھی گرے کلر کی ساڑھی، جس پر گرے کلر کے موتیوں کا ہلکا سا کام ہوا تھا......اور بالوں کا جوڑا بنائے ہلکے میک اپ کے ساتھ ان کی نکھری رنگت ان کے حسن کو دگنا کر رہی تھی۔''Wow میں نے دیکھتے ہی کہا''......تو انہوں نے مُسکرا کر اندر کی طرف اشارہ کیا جیسے کسی بات سے منع کر رہی ہوں۔ان لاؤنج کی طرف ابا اور بابا بیٹھے تھے۔ میں بھی خاموش ہوگئی، مگر انہوں نے بھی آنکھوں کے اشارے سے میری تعریف کی......میں نے شاید کافی دنوں بعد میک اپ کیا تھا، اس لیے کچھ زیادہ ہی تیار لگ رہی ہوں گی......بہر حال بابا نے اپنے پاس بلایا، میں پاس گئی......تو بڑے آرام سے بولے۔وہ اچھی لگ رہی ہیں......ابا بھی مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔میں نے شکریہ بابا کہہ کر وہاں سے نکلنا چاہا مگر میرے پیچھے بوا کچھ پلیٹ میں لیے کھڑی تھی، جس میں سے ایک عجیب طرح کی بو تھی اور اس سے میں اچھی طرح سے واقف بھی تھی''بوا for heave sake۔کیا ہوگیا اب......وہ ہندوؤں کی طرح دھوائیں کے ساتھ میرے آگے پیچھے گھوم رہی تھیں''......اور ساتھ کچھ پڑھ بھی رہی تھیں۔بوا کی ایسی حرکتوں کا پتہ نہیں کوئی حقیقت سے واسطہ تھا کہ نہیں مگر ان کی ایسی حرکتیں ہمارے ساتھ ان کی محبت کا ایک انداز تھا اور ایسے کرنے پر کبھی بھی انہیں کسی نے نہیں ٹوکا تھا۔

یہاں تک کہ ابا اور بابا بھی ان کے سامنے مسکراتے ہوئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے، کیونکہ ایسا کرنے سے ان کے دِل کو یہ تسلی ہو جایا کرتی تھی کہ اب ہمیں کچھ نہیں ہوسکتا۔شاید وہ

نظر وغیرہ نہیں لگتی...... ہاں مگر ایک بار سعدیہ بھابھی نے انہیں بُری طرح سے ڈانٹ دیا تھا......
مگر اس کا بُرا بوا نے تو نہیں مگر گھر میں سب نے ضرور منایا تھا اور اس بات پر سعدیہ بھابھی کو سمجھا بھی دیا تھا اور جب بھی گھر سے کوئی بھی تیار ہو کر کسی خوشی کی تقریب میں جایا کرتا تو اسے پہلے بوا کے اس دھوئیں کی سلامی لینی پڑتی تھی اور اب باری احسن بھائی کی تھی کیونکہ وہ بھی سامنے سے گرے سویٹر اور بلیو جینز پر گرے Long coat کے ساتھ آ رہے تھے۔ کافی ڈیشنگ لگ رہے تھے۔ ''ایک دم سے بولے بوا میں تو meeting میں جا رہا ہوں، شادی پر تو نہیں۔ آپ انا اور زرقا کی نظر اُتاریں، پلیز۔'' تو بوا نے بنا بولے گردن کے اشارے سے انہیں نہیں نہیں کر کے منع کیا اور اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔ احسن بھائی کو مجبوراً کھڑا ہونا پڑا......

پھر اللہ اللہ کر کے بوا سے رخصت ہو کر نکلے...... گاڑی میں بیٹھتے ہی احسن بھائی نے زرقا بھابھی سے کہا کہ ''آج تو آپ نے انا کو ٹوکا نہیں نا۔'' بھابھی نے مسکرا کر بھائی کی طرف دیکھا اور بھائی مسکرا کر مجھے بیک مرر سے دیکھ رہے تھے۔ پھر بھابھی نے مصنوعی غصہ سے کہا نہیں ''جی، آپ جائیں اور انا جانے۔ آپ دونوں کسی کی سنتے ہیں ...... ہاں آج اتنا ہے کہ Black کے ساتھ اس نے کچھ زیادہ Contrast کر لی ہے'' ...... تقریباً پونے گھنٹے تک ہم انعم کے گھر پہنچ چکے تھے۔ انعم کا گھر چھوٹا سا تھا...... سب مہمان آ چکے تھے...... جوان کے خاندان کے ہی چند افراد تھے۔ انعم کی امی اور بہنیں تو بہت اپنائیت سے ملیں اور پھر وہ مجھے اور بھابھی کو اندر انعم کے پاس ہی لے گئی تھیں۔ انعم نے Seegreen رنگ کا سوٹ پہنا تھا اور ایک چھوٹی سی دُلہن لگ رہی تھی اور انعم مجھے دیکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اُف ''انا'' کتنی اچھی لگ رہی ہو...... میں نے ایک نظر خود کو پھر ایک نظر بھابھی کو دیکھا اور مسکرا کر اس کا جواب دیا'' کہ تم سے زیادہ اس وقت کوئی بھی خوب صورت نہیں لگ رہا۔ اب آرام سے بیٹھ جاؤ اور یہ میری سب سے زیادہ Sweet Bhabi ہیں۔'' انعم بھابھی سے پہلی بار مل رہی تھی...... میں نے Black کلر کی سادی شلوار کے ساتھ مسٹرڈ رنگ کی لمبی شرٹ پہنی تھی، جس پر کالے رنگ کے ستارے کی بیل بنی تھی اور Black ڈوپٹہ جس پر مسٹرڈ رنگ کی ستاروں کی بیل بنی تھی...... بال میرے Shoulder تک تھے۔ اس پر میں نے میچنگ جیولری اور میک اپ کیا تھا، مگر بال میں ہمیشہ سادگی کے ساتھ کھلے چھوڑ دیا کرتی تھی۔ مجھے تو نہیں لگ رہا تھا کہ میں اچھی لگ رہی تھی مگر سب تعریف کر رہے تھے تو بس سن رہی تھی، مگر حقیقت میں مجھے میرا وجود کبھی بھی اچھا نہیں لگا تھا، مگر میری پسند ذرا مختلف اور مہنگی ضرور تھی۔ شاید وہ ان چیزوں کی تعریف کیا کرتے تھے جو میں نے

پہن یا اوڑھ رکھی ہوتی ہوں گی..... ورنہ میں صرف واجبی شکل صورت کی مالک لڑکی تھی۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد میں نے انعم سے پوچھا کہ..... ''فرحان نہیں آیا کیا؟'' اس نے کہا، ''نہیں ابھی تک تو نہیں آیا'' ..... مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔ ''یہ لڑکا اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا کبھی۔''

انعم کے سارے عزیز رشتہ دار اسے ملنے اس ہی کمرے میں آرہے تھے اور مجھے کچھ گھبراہٹ ہو رہی تھی، کیونکہ انعم ہر ایک سے خاص طور سے میرا تعارف کرا رہی تھی..... کچھ دیر تک تو ٹھیک تھا مگر بعد میں مجھے زیادہ گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ میں نے بھابھی کے کان میں سرگوشی کی۔ ''بھابھی یہاں سے اُٹھیں باہر چل کر بیٹھتے ہیں۔'' کمرے میں لوگ بھی زیادہ ہو گئے تھے اور بھابھی بھی میری حالت سے واقف تھیں۔ میں اُٹھی ہی تھی کہ دندناتا ہوا فرحان کمرے میں داخل ہوا۔ اسے تو کسی طرح کی تمیز ہی نہ تھی۔ آتے ہی سب کو ایسے مل رہا تھا جیسے بچپن سے سب کو جانتا ہے مگر اس کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں اور وہ انعم سے آکر ملیں۔ انعم آج بہت خوش تھی۔ اس کے بعد اس نے مجھے آنٹی سے ملایا۔ میری اس سے پہلے آنٹی سے ملاقات لندن Convication پر ہوئی تھی اور اس کے بعد آج مجھے دیکھتے ہی، '''' انا'' بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' میں نے انہیں بھابھی سے ملایا۔ بہت نفیس خاتون تھیں۔ میں، فرحان کی امی اور بھابھی کمرے میں ہی ایک سائیڈ پر ہو کر بیٹھ گئیں اور وہ ہم سے باتیں کرنے لگیں۔

اچانک فرحان نے سرگوشی کے انداز میں بھابھی سے کہا۔ ''آپ کے ساتھ ''انا'' نہیں آئی کیا؟'' ..... بھابھی نے مُسکرا کر اسے دیکھا.....اور پھر مجھے دیکھا..... ''پھر شرارت سے بولی۔ جی ''انا'' میرے ساتھ بیٹھی ہے'' .....میں نے غصے سے فرحان کو دیکھا.....تو فرحان نے ایک دم سے کہا، ''اوہ یہ انا ہے؟۔'' انا'' یہ تم ہو۔ میں سمجھا کہ تم نہیں آئی۔ اصل میں آج انسان لگ رہی ہو۔ اس سے پہلے تمہیں ایسے حلیے میں دیکھا نہیں''، تو صائمہ آنٹی نے ایک دم سے فرحان کے کندھے پر تھپڑ مارا دو، ''کیوں ستا رہے ہو بے چاری کو۔ اتنی پیاری تو لگ رہی ہے'' ..... ''ہاں امی اسی تو حیران ہو رہا ہوں۔ یقین کر رہا ہوں کہ یہ وہ ہی ''انا'' ہے جو روزانہ آفس میں ملتی ہے مجھے اور By the way یہ ہر روز ہمیں جتنا تنگ کرتی ہے، اس کے مقابلے میں تو ابھی 1 فیصد بھی نہیں ہوا۔'' فرحان پھر چھیڑنے لگا..... میں بڑے آرام سے مگر غصے سے فرحان کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی، ''آنٹی چھوڑیں آپ اس کی باتوں کو، یہ شروع سے ہی بغیر سر پیر کے باتیں کرتا ہے۔ اس کا دماغ ذرا'' .....؟ بھابھی اور آنٹی ہم دونوں کی چھیڑ چھاڑ سے محظوظ ہو رہی تھیں۔

اتنی دیر میں انعم کی والدہ اس کے والد کے ساتھ اندر آئیں اور خاص طور پر ہمیں آ کر ملیں۔ وہ ضرورت سے زیادہ ہی بچھے جا رہے تھے جیسے ہم شاید کچھ زیادہ ہی خاص ہوں...... مگر فرحان نے انہیں بالکل بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ ایسی کوئی بات ہے کہ جس پر وہ ہمارے مشکور ہوں۔ کچھ دیر میں لڑکے والے بھی آ گئے......اور صحن میں باقاعدہ منگنی کی رسم ادا کی گئی۔ انعم بہت خوش لگ رہی تھی اور انعم کا منگیتر بھی اچھا لڑکا لگ رہا تھا۔ تمیز دار اور اس کی Family بھی کافی اچھی تھی۔ مگر رتبے میں واقعی ہی وہ لوگ انعم وغیرہ سے زیادہ ہی تھے، مگر یہ کہ ان کے گھر والے خوش اور مطمئن تھے......اسی تقریب کے دوران فرحان میرے پاس آیا اور میرے پاس آ کر کہا کہ ''انا'' ایک بات کہوں''، میں نے غصے سے کہا، ''ضرور کچھ فضول بولو گے''...... ہاں شاید......وہ کچھ لمحے کو رکا اور پھر بولا'' مگر......آج واقعی ہی تم بہت پیاری لگ رہی ہو''...... یہ کہہ کر وہ انعم کی طرف چلا گیا اور میں ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی......تقریباً مزید 2 گھنٹے کی تقریب تھی کہ ''احسن بھائی کا فون آیا کہ میں باہر ہوں، گاڑی میں آپ لوگوں کی کتنی دیر ہے۔ میں باہر wait کر رہا ہوں آ جانا۔''میں نے فرحان کو بتایا کہ'' جاؤ باہر احسن بھائی ہیں، ان کے پاس جاؤ، ہم بھی بس اب ان لوگوں سے اجازت لے کر رخصت ہوں گے۔'' میں نے بھابھی کو بتایا۔ فرحان تو باہر چلا گیا...... جانے کب انعم کے والد نے فرحان کو باہر جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے باہر چلے گئے۔ میں نے انعم سے جو کہ Stage پر بیٹھی شرما رہی تھی مگر ساتھ ساتھ مُسکرا بھی رہی تھی۔ اس سے کہا کہ اب ہمیں جانا ہے۔ احسن بھائی آ گئے ہیں۔ اس نے صاف منع کر دیا ''کہ کھانا کھائے بغیر آپ لوگ نہیں جا سکتے''......میرے اسرار پر انعم کی والدہ بھی آ گئی اور انہوں نے سختی سے مجھے اور بھابھی کو جانے سے منع کر دیا کہ ''ہم غریب لوگوں کے گھر آئے ہو، چاہے ایک نوالہ ہی سہی مگر کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔''

بھابھی نے امی کی طرف سے وہ لفافہ آنٹی کے ہاتھ پر رکھا، مگر انہوں نے یہ شرط رکھ دی کہ ''اگر کھانا نہیں کھاؤ گے تو میں بھی یہ لفافہ نہیں لوں گی۔'' ابھی ہم اسی بحث و تکرار میں لگے تھے کہ میری نظر فرحان اس کے پیچھے احسن بھائی اور ان کے پیچھے انعم کے والد پر پڑی۔ وہ سیدھے ہمارے پاس ہی آ گئے اور اپنی بیوی کو بتانے لگے'' کہ یہ ہم لوگوں کے غریب خانے سے باہر ہی تشریف لیے جا رہے تھے۔ بڑی زبردستی، ضد کر کے اندر لایا ہوں۔ بس پانچ منٹ میں کھانا تیار ہے......ایک نوالہ ہی سہی ہماری خوشی اور مان کے لیے۔'' احسن بھائی نے بے بسی سے زرقا بھابھی کو دیکھا اور زرقا بھابھی بولیں۔ ''انکل آپ ہمیں شرمندہ کر رہے ہیں...... ایسی کوئی

بات نہیں...... اپنے گھر والی بات ہے'' کیونکہ احسن بھائی بھی میری طرح لوگوں کو چاہنے کے باوجود جواب نہیں دے سکتے تھے...... وہ خاموش کھڑے مُسکرا رہے تھے۔فرحان نے آگے ہوکر انعم کی والدہ سے احسن بھائی کا تعارف کرایا تو وہ ایک دم سے بولی کہ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ ''آپ ہمارے بیٹے کی حیثیت سے ہی رُک جائیں۔انعم کے بھائی ہیں اور بنا خالی منہ میں آپ کو کیسے جانے دوں گی۔'' ان کی اس بات نے ہم سب کو لاجواب کر دیا تھا۔احسن بھائی بھی بے بس ہو کر رُک گئے۔زرقا بھابھی نے احسن بھائی کو فرحان کی امی سے ملا دیا...... اور وہ آپس میں باتیں کرتے رہے۔فرحان سارا وقت مجھے تنگ کرتا رہا...... مگر میں نے نوٹ کیا کہ فرحان کی والدہ مجھے کافی گھور رہی تھیں۔ہم لوگ آدھے گھنٹے میں فارغ ہو چکے تھے۔ان سے اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہونے والے ہم سب سے پہلے مہمان تھے۔فرحان اور اس کی امی بھی ہمارے ساتھ ہی اجازت لے کر آ گئے۔انعم کے والد ہمیں باہر گاڑی تک چھوڑنے آئے...... پھر احسن بھائی اور زرقا بھابھی نے صائمہ آنٹی کو گھر آنے کی دعوت دی اور انہوں نے میری طرف دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے مُسکرا کر کہا،''اب تو ضرور آنا پڑے گا''...... ان کا معنی خیز انداز میں نظر انداز کر گئی اور ہم لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر چلے گئے۔راستے میں زرقا بھابھی احسن بھائی کو منگنی پر ہونے والے تمام واقعات کی ڈائری دے رہی تھیں۔رات کے تقریباً 11 بجے تھے، جب ہم گھر آئے۔احسن بھائی بھابھی کی باتیں سنتے اور ان کا جواب دیتے رہے، مگر میں خاموش رہی، کیونکہ ان کی باتوں میں جانے کیوں فرحان اور اس کی والدہ کا ذکر زیادہ تھا۔

میری چھٹی حس نے مجھے اشارہ تو کر دیا تھا مگر میں ابھی کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ احسن بھائی کچھ دیر ابا اور اماں کے پاس بیٹھا کرتے تھے اور زرقا بھابھی بھی...... انہوں نے بھی امی کو بتانا تھا کہ وہاں کیا ہوا۔بابا میں نے بابا کا پوچھا۔امی نے بتایا کہ وہ کافی دیر پہلے ہی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔بوا چونکہ ہمارے انتظار میں ہوا کرتی تھیں، وہ ہمیں دیکھ کر اپنے کوارٹر میں چلی گئی۔میں نے بھی امی اور ابا سے اجازت لی اور پہلے بابا کے کمرے میں گئی۔آرام سے دروازہ کھولا...... ایک مدہم روشنی میں میں نے اندر جھانکا، میرا خیال تھا کہ بابا اپنے Study area میں ہوں گے مگر وہاں کی لائٹ آف تھی۔میں نے بیڈ کی طرف دیکھا...... تو بابا کی پشت تھی میری طرف۔وہ بیٹھے شاید کچھ کر رہے تھے۔میں دَبے قدموں کمرے میں داخل ہوئی......

میں بابا کے قریب گئی تو بابا اپنے ہاتھ پر ٹشو رکھے بیٹھے تھے اور ان کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا...... میں نے ایک دم سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ ''بابا جان کیا ہوا؟ کیسے چوٹ لگی'' ...... وہ مسکرانے لگے...... ''آپ کب آئیں بیٹا؟'' ......''ابھی آئی ہوں''۔ میں نے جلدی سے بہت سارے ٹشو ان کے ہاتھ پر رکھے۔ ''کیا ہوا بابا......اور آپ نے بلایا کیوں نہیں کسی کو۔ ایک منٹ میں، تیزی سے بھاگی اور اپنے کمرے سے First aid بکس لے کر آئی۔ بابا مُسکرا رہے تھے۔ ''کچھ نہیں ہوا بیٹا۔ اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ الماری سے کپڑے نکالنے لگا تھا کہ اس سے لکڑی باہر نکلی تھی۔ اچانک سے ہاتھ میں لگ گئی۔ مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔'' میں نے جلدی سے اپنے کانپتے ہاتھوں سے بابا کا زخم صاف کیا اور اس پر پٹی باندھنے لگی...... ''بابا آپ بھی نا...... انتظار کر لیتے۔ میں نے تو آنا ہی تھا نا۔ آپ بھی بہت Careless ہو گئے ہیں'' ...... میں نے جلدی سے تمام ٹشو ان کے پاس سے اُٹھائے اور پھر کمرے سے باہر چلی گئی۔ ''بیٹا میری بات تو سنو! بابا نے مجھے بلایا۔ میں نے آتی ہوں بابا ایک منٹ'' ...... میں نیچے گئی تو احسن بھائی پانی لینے کے لیے کچن میں تھے۔ میں نے جلدی سے fridge میں سے دودھ نکالا اور گرم کرنے لگی۔ احسن بھائی نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ ''''انا'' کیا ہوا۔ تم نے ابھی تک Change نہیں کیا...... اور آج خود دودھ گرم کر رہی ہو...... طبیعت تو ٹھیک ہے نا'' وہ مجھے چھیڑنے کے انداز میں بولے۔ میں نے جلدی سے دودھ گلاس میں ڈالا...... اور جلدی سے بولی، ''بھائی بابا کے ہاتھ پے چوٹ آئی ہے۔ کافی Bleeding بھی ہوئی ہے۔ ان کے لیے لے کر جا رہی ہوں'' ......

''What ?'' احسن بھائی تیزی سے اوپر کی طرف بھاگے۔ ان کے بھاگنے کی آواز سے زرقا بھابھی کمرے سے باہر آئیں۔ احسن بھائی کی اجلت دیکھ کر وہ بھی ان کے پیچھے اوپر آ گئیں۔ میں نے دودھ کا گلاس بابا کو دیا۔ بابا پہلے یہ پئیں پھر باقی بات کریں گے۔ احسن بھائی پریشانی میں بابا کے پاس بیٹھے، زرقا بھابھی بھی۔ ''بابا جان یہ سب کیسے ہوا۔ میں گاڑی نکالتا ہوں، چلیں

آپ کو ہسپتال لے کر چلتے ہیں۔'' بابا نے میری طرف دیکھا اور بولے۔ ''دانش اور سائرہ کو بھی بلا لاتی آپ......اور محلے والوں کو بھی اطلاع کر دیتی نا''......

''احسن بھائی آرام سے بولے نہیں بابا میں کچن میں ہی تھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ آپ چلیں......'' ''احسن کچھ نہیں ہوا۔ لکڑی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں لگ گیا تھا۔ ''انا'' نے پٹی کر دی ہے، پریشانی کی بات نہیں...... یہ تو اس لڑکی کی فطرت ہے کہ ضرورت سے زیادہ پریشان ہو جائے گی۔'' ''بھابھی بولیں نہیں بابا مگر آپ ہسپتال سے ہو آئیں تو اچھا ہے۔''

''نہیں بیٹا۔ صبح تک ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ لوگ جاؤ، آرام کرو۔''

''اب بوڑھے لوگوں کو چوٹیں نہیں لگیں گی تو کسے لگی گی۔ ہمارا تو وقت ہی ایسا آ گیا ہے۔ انہوں نے مُسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا''......

میں خاموشی سے انہیں شکایت کی نظروں سے دیکھتی رہی۔ بابا نے دودھ کا گلاس ختم کر کے زرقا بھابھی کو دیا'' اور کہا جاؤ بیٹا آرام کرو۔ آپ لوگ تھک گئے ہو گئے۔ میں ٹھیک ہوں، ضرورت پڑی تو میں آپ کو بلا لوں گا۔''

احسن بھائی اُٹھے مگران کے چہرے پر فکر تھی...... پریشانی تھی......

احسن بھائی اور بھابھی تو چلے گئے اور میں وہیں بابا کے پاس بیٹھ گئی۔ چوٹ کی وجہ سے ان کا ہاتھ کافی سوج چکا تھا۔ میں نے ان کا ہاتھ دوبارہ دیکھا تو انہیں بخار بھی تھا۔ میں نے ماتھے پر ہاتھ لگایا تو ماتھا بھی گرم تھا...... ''بابا آپ کو تو بخار بھی ہے''...... ''ہاں بیٹا شام سے کچھ سستی سی محسوس ہو رہی تھی...... صبح تک ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ فکر نہ کرو۔ جاؤ! آرام کرو...... میں بھی اب تھوڑی دیر میں سو جاؤں گا...... ہاں مگر آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کا Function کیسا رہا۔ سب کچھ ٹھیک ہو گیا نا؟''......انہوں نے لحاف اوپر لیتے ہوئے کہا...... ''جی بابا اچھا تھا...... میں نے بھی بیزاری سے جواب دیا کیونکہ بابا آج کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہے تھے، مگران کی طبیعت کی وجہ سے میں نے ان سے کچھ پوچھا نہیں...... میں خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی......ابھی بیٹھی ہی تھی کہ فرحان کا فون آ گیا...... ''کیوں فرحان اس وقت تمہیں کیا آفت آ پڑی اب''...... میں نے بیزاری سے فون پر ہیلو کرنے کے بجائے اس سے یہ ہی پوچھا......''تو شرارت سے بولا کیوں کیا تمہیں بھی کسی آفت نے گھیر رکھا ہے؟''......میں نے کہا......''ہاں''

''فرحان بابا کچھ ٹھیک نہیں۔ ہاتھ پر چوٹ بھی لگی ہے اور بخار بھی ہے۔'' ڈاکٹر کے پاس بھی نہیں گئے...... میں ابھی ان کے کمرے سے آئی ہوں...... میں نے اسے ایک سانس کی

طرح تمام صورت سنادی۔

''اوہو......انا پریشان مت ہو، صبح لے جانا انہیں ڈاکٹر کے پاس''......اس نے مجھے تسلی دی۔

تم نے فون کیوں کیا تھا......

''یاروہ تمہیں بس اتنا بتانا تھا کہ......تم آج بہت پیاری لگ رہی تھی۔''

''اُف فرحان خدا کے لیے، تم تو ایسے Formal مت ہوا کرو۔ تمہیں Suit نہیں کرتا''......میں نے اسے ڈانٹ ہی دیا۔

''نہیں ''انا'' تم غلط سمجھ رہی ہو......تم میری دوست ہو اور دوست ایک دوسرے کی تعریف بھی کیا کرتے ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تم اتنی سڑو دوست ہو کہ تم نے میری تعریف کبھی کی ہی نہیں۔'' اس نے مجھ سے گلہ کیا......

''ہاں اس لیے کہ تم میں تعریف والی کوئی بات مجھے کبھی نظر نہیں آئی، جب آئے گی تو تعریف کردوں گی''......

''ہاں سڑو جو ہو''......اور ویسے بھی تم جیسی لڑکی شاید ہی کسی کی تعریف کرتی ہوں۔ میں نے اسے ڈانٹنے کے انداز میں کہا......''اچھا ابھی تو جاؤ''......اچھا سنو۔ اس نے مجھے روکتے ہوئے کہا......

کیا ہے بکو......

''میں صبح آفس''......میں اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''Do not tell me کہ تم صبح آفس ہیں آرہے۔''

''اُف اللہ کی بندی کسی کی سن تو لیا کرو......میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں صبح آفس ذرا لیٹ آؤں گا تو تم جلدی چلی جانا......اور میرے Table پر جو فائل ہے، وہ شعیب صاحب کے ہاتھ......Holidayinn dubai، Post، register کروادینا ضروری ہے۔ باقی میں آکر دیکھ لوں گا''......''مگر فرحان بابا ٹھیک نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں کل آؤں ہی نہیں''......

''نہیں ''انا'' تم صبح تھوڑی دیر کے لیے چلی جانا......جب میں آجاؤں، پھر تم واپس آجانا۔ میں ایک بجے تک پہنچ جاؤں گا۔ Please اتنا تو Manage ضرور کرلینا، Ok۔''

''اچھا ٹھیک ہے......میں کرلوں گی......Do not worry''

فرحان نے فون رکھا......میں اُٹھی۔ میں نے جیولری وغیرہ اُتاری، وضو کیا اور پہلے

نماز پڑھی......نماز پڑھ کر میں بابا کے کمرے میں چلی گئی۔ آرام سے دروازہ کھولا کہ بابا جاگ نہ جائیں......میں اندر گئی تو بابا سو چکے تھے۔ میں نے آہستہ سے ان کے ماتھ پر ہاتھ رکھا۔ بخار پہلے سے زیادہ تھا۔ مجھے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ میں کروں تو کیا کروں......میں بابا کے پلنگ کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گئی اور جو قرآن سورتیں مجھے یاد تھیں، وہ پڑھ پڑھ کر بابا پر پھونکنے لگی......کیونکہ بابا بھی تو میرے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے......تو مجھے سکون ملتا تھا......میں نے بھی یہ ہی سوچا کہ اگر میں بھی ایسا کروں گی تو انہیں بھی سکون ملے گا۔

بابا کا زخمی ہاتھ میرے سامنے تھا۔ پہلے سے زیادہ سوجن تھی اس پر...... یہ بات بھی حقیقت بن کر میرے سامنے آگئی کہ ''آپ جس سے محبت کرتے ہو اس کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے......اور چاہے محبت جتنی بھی شدید ہو، آپ جس سے محبت کرتے ہو......اس کا درد محسوس تو کر سکتے ہو......مگر اسے کم نہیں کر سکتے۔ ہزار کوشش کے باوجود آپ اس کا درد اپنا نہیں سکتے۔''

چاہے اس وقت وہ ایک معمولی چوٹ ہو گی مگر......اس تکلیف کا درد جو بابا محسوس کر رہے تھے، وہ میں چاہنے کے باوجود بھی نہیں کر سکتی تھی یہ اور بات ہے کہ میں اس وقت میں بابا سے زیادہ کرب ناک حالت میں تھی......یہی سوچتے سوچتے میں زمین پر بیٹھے ہی بابا کے پلنگ پر سر رکھ لیا اور جانے کس لمحے نیند میں چلی گئی......کیونکہ نیند تو ہمیشہ......چوروں کی طرح ہی تو آتی ہے......کچھ وقت ہی گزرا ہو گا کہ اچانک میں ہڑبڑا کر اُٹھ گئی، جیسے کسی نے میرے سر پر ہاتھ رکھا ہو۔ نیند میں تھی، اس لیے ایک دم سے پہچان نہیں پائی، جب حواس بحال ہوئے تو میرے سامنے احسن بھائی سفید شلوار قمیض میں ملبوس بیٹھے تھے......''میں ہوں انا سرگوشی میں بولے۔ ڈر گئی تھی تم؟'' میں نے اپنی آنکھوں کو تیزی سے رگڑ دیا۔''''جی'' بھائی۔'' وہ سرگوشی میں بول رہے تھے۔''تم یہاں کیوں سو رہی ہو؟......اپنے کمرے میں جا کر سو جاتی، بابا تو سو رہے ہیں۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو''......میں نے آرام سے سرگوشی میں کہا،''وقت کیا ہوا ہے۔''

''ساڑھے تین بجے ہیں''...... انہوں نے جواب دیا۔

''تو ساڑھے تین بجے آپ یہاں کیا کر رہے ہو......آپ بھی سو جاتے نا؟''

تو وہ مُسکرانے لگے اور بولے......''بے چین تھا۔ بابا کا خیال آرہا تھا۔''

یہ ہی تو بات ہے احسن بھائی......''جن سے محبت ہو، ان کی تکلیف میں چین نہیں آتا......اس لیے میں یہاں ہی آگئی''......

صبح بابا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔''انہیں بخار بھی ہے۔'' ہم دونوں سرگوشی

میں ہی باتیں کر رہے تھے۔ ''ہاں میں بھی یہ ہی سوچ رہا تھا''...... ''میں صبح آفس نہیں جاؤں گا...... بابا کا مکمل چیک اپ کرواؤں گا''...... ''تم جاؤ۔ تم نے تو ابھی تک Change بھی نہیں کیا جاؤ جا کر کپڑے بدل کر آرام کرو۔ میں بابا کے پاس ہی بیٹھا ہوں۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ...... تھوڑی دیر سو جاؤ...... جاؤ شاباش''...... انہوں نے میرے کندھے کو ہلکا سا تھپتھپایا...... میں نے ایک نظر بابا کی طرف دیکھا......

''''انا'' پاگل...... جاؤ۔ I promise، میں یہیں ہوں...... Do not worry......''

میں آہستہ سے اُٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اپنے کمرے میں گئی۔ Change کیا، مگر وہ ہی بات تھی کہ چین نہیں آ رہا تھا...... میں نے شال اپنے گرد لپیٹی۔ اپنے لیے اور احسن بھائی کے لیے Coffee بنائی اور دوبارہ کمرے میں آ گئی۔ سردیوں کی راتیں اس قدر طویل اور اندھیرا اس قدر گہرا ہوتا ہے...... جس سے ایک انجانا سا غم کا سناٹا اور شور سنائی دیتا ہے۔ دُکھ اور درد کا طویل وقت اور سردیوں کی طویل راتیں، یہ دونوں جب مل جائیں تو پھر کرب کی شدت کا اندازہ کرنا ناممکن ہی تو ہوتا ہے......

میں نے دھیرے سے دروازہ کھولا تو احسن بھائی میری والی جگہ پر پلنگ پر سر رکھے بابا کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کمرہ کافی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ میں نے ان کے پاس کافی کے دونوں مگ رکھے...... اور ہیٹر آن کرنے لگی۔ وہ مجھے دیکھ کر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے گرد چادر ٹھیک طرح سے لپیٹ لی...... میں ہیٹر آن کر کے اس کے قریب ہی بیٹھ گئی اور سرگوشی میں بولی...... ''بھائی ادھر آ جائیں ہیٹر کے پاس۔'' احسن بھائی بھی ہیٹر کے قریب بڑے صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ کافی کا گھونٹ بھر کر بولے۔ ''تمہیں بھی آرام نہیں۔ میں نے کہا تھا نا کہ سو جاؤ...... میں بیٹھا ہوں''...... ''نہیں بھائی۔ نیند نہیں آ رہی تھی...... سوچا کافی پی لیتی ہوں، آپ کے ساتھ۔ ویسے بھی ہم لوگ تو بہت کم اکٹھے بیٹھتے ہیں''...... ''چلو ایسے ہی سہی''...... میں نے بابا کی پریشانی احسن بھائی کے چہرے پر دیکھ رہی تھی اور مجھے معلوم تھا کہ جب تک بابا بالکل ٹھیک نہیں ہو جائیں گے تو وہ اسی بے چینی میں رہیں گے اور ویسے بھی میری اور احسن بھائی کی یہ عادت ایک جیسی تھی...... جب کچھ بھی ہو...... کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ Pretend یہی کرتے تھے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چاہے اندر سے خود ٹوٹ رہے ہوں اور بابا کے معاملے میں تو احسن بھائی ضرورت سے زیادہ ہی Sensitive تھے...... اور کیوں نہ ہوتے، ان کے

لیے تو بس تھے ہی بابا...... اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد احسن بھائی کو بھی باہر جانے کی بہت سی Opportunities ملی تھیں مگر انہوں نے سب کو منع کر دیا...... انہوں نے ہمیشہ پہلی ترجیح اپنی Family کو ہی دی تھی...... اور ہر رشتے کو جس خوب صورتی سے نبھایا تھا...... اتنا نہ منیر بھائی کر سکے اور نہ ہی نعمان بھائی...... احسن بھائی میں بابا کا عکس نمایاں تھا...... اور حقیقت میں ان میں ایک حساس انسان موجود تھا مگر انہوں نے آج دن تک کسی کمزور لمحے کو اپنے چہرے، اپنے رویے پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ وہ ابا کے ساتھ خاندان کے رواج بھی پورے کرتے تھے اور بابا کی طرح گھر کی ذمہ داری بھی اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا خلوص اور پیار۔ میں نے آج دن تک احسن بھائی کو زرقا بھابھی سے اونچی آواز میں بات کرتے نہیں سنا تھا...... زرقا بھابھی بھی کبھی کبھی اُلجھ جایا کرتی تھیں مگر احسن بھائی کبھی بھی نہیں۔ ضرورت سے زیادہ صبر تھا ان کی ذات میں۔

ہم دونوں ساری رات ایسے بیٹھے رہے، بابا کے پاس۔ سرگوشی میں کوئی بات احسن بھائی کر لیں تو کر لیں...... میں نے اس دوران تین چار مرتبہ اُٹھ کر بابا کا بخار دیکھا۔ احسن بھائی سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھتے تھے مگر صبح فجر کے وقت بخار کم تھا...... احسن بھائی کمرے میں ہی موجود تھے۔ میں نے آہستہ سے کہا کہ ''میں نماز پڑھ کر آتی ہوں...... آپ بیٹھیں...... ''انا سنو'' میں ان کے پاس گئی...... تم آرام کر لو...... نماز پڑھ کر گھنٹہ ایک تو سو جاؤ۔ کل سے جاگ رہی ہو''...... احسن بھائی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ میں نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''بھیاء ''بابا'' کی ''انا'' اتنی کمزور نہیں کہ ایک دو راتیں جاگنے سے تھک جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں نماز پڑھ کر ابھی آتی ہوں''...... وہ حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے۔ میں کمرے سے باہر نکل آئی۔

نماز پڑھ کر جب میں کمرے میں دوبارہ گئی تو احسن بھائی صوفے کی پشت کے ساتھ سر لگائے شاید اونگھ رہے تھے۔ میں آرام سے پاس جا کر بیٹھ گئی اور سورۃ یٰسین پڑھنے لگی۔ اتنی دیر میں بابا نے کروٹ بدلی، میں اُٹھ کر ایک دم سے بابا کے پاس گئی اور احسن بھائی میرے پیچھے کھڑے تھے...... بابا کی نظر ان پر نہیں پڑی تھی...... میں نے بابا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ انہوں نے تھکی آواز میں کہا۔ ''انا'' ''آپ یہاں کیا کر رہی ہو...... ابھی رات ہے یا صبح ہو گئی؟'' وہ ابھی بھی بخار میں تھے...... انہیں اندازہ نہیں تھا...... وقت کا...... ''احسن بھائی نے میرے کان میں آرام سے کہا کہ کہو، رات ہے۔ ورنہ ایسی حالت میں اُٹھ کر نماز کے لیے چلے جائیں گے۔'' میں نے ایک نظر مڑ کر احسن بھائی کی طرف دیکھا۔ انہوں نے مجھے اشارہ کیا...... میں نے کہہ دیا، ''بابا ابھی رات ہے۔ میں بھی اپنے کمرے میں جا رہی ہوں...... آپ آرام کریں''...... ''اچھا

بیٹا آلارم لگا جانا۔ نماز کے اُٹھنا ہے مجھے۔ٹھیک ہے بابا۔'' وہ دوسری طرف، کروٹ بدل کر پھر آنکھیں بند کرلیں۔ بابا اس قدر نڈھال تو کبھی نہیں ہوئے تھے یا شاید ہوئے ہوں مگر انہوں نے کبھی اپنی حالت ہم پر ظاہر کی ہوتو ہمیں معلوم ہوتا نا......

میں نے احسن بھائی کی طرف دیکھا۔ انہوں نے بھی میری طرف فکر مندی سے دیکھا......اور جا کر صوفے پر بیٹھ گئے......ہم دونوں اس کے بعد خاموشی سے بیٹھے رہے۔ میں بابا کے پاس ہی تھی۔ احسن بھائی صوفے پر تھے......صبح کے تقریباً ساڑھے سات بجے کا وقت ہوا تھا......امی اور زرقا بھابھی ہمیں ڈھونڈتے بابا کے کمرے میں آ گئے...... دونوں پریشان تھیں۔ کمرے میں اندھیرا ہی تھا......ہم دونوں کو بابا کے پاس بیٹھے دیکھا تو ایک دم سے ہمارے پاس آ گئیں۔ ''احسن بھائی نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا......

دونوں نے سرگوشی میں پوچھا......زرقا بھابھی نے گلہ کیا احسن بھائی سے کہ آپ نے مجھے کیوں نہیں جگایا۔ اکیلے ہی رات بھر یہاں جاگتے رہے اور ''انا'' تم بھی''......اور امی نے پریشانی سے بابا کی طرف دیکھا......اور جلدی سے باہر چلی گئیں۔ کچھ دیر میں ابا، بوا اور محبوب چچا بھی کمرے میں موجود تھے اور اتنی ساری سرگوشیوں سے بابا کی آنکھ کھل گئی......

''یہ کیا ہو رہا ہے یہاں پر؟......کیا ہو گیا ہے۔'' دانش تم یہاں

بابا نے سب سے پہلے ابا کو پکارا......ابا ایک دم سے بابا کے پاس چلے گئے......''جی بھائی صاحب''......میں نے کمرے کے پردے سائیڈ پر کیے اور لائیٹ بھی آن کر دی......

بابا نے جب سب کو اپنے پاس دیکھا تو گھبرا کر اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

''کیا ہوا ہے سب خیریت ہے، تم سب میرے کمرے میں کیا کر رہے ہو؟''......

بابا نے تھکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ زرقا بھابھی نے آگے ہو کر بابا کے پیچھے تکیے رکھے......

''بھائی صاحب آپ کی رات کو طبیعت خراب تھی اور آپ نے بتایا بھی نہیں اور یہ نامعقول نالائق اولاد ہے جو میری انہوں نے بھی نہیں بتایا۔''

ابا نے غصے سے میری طرف اور پھر احسن بھائی کی طرف دیکھا......

احسن بھائی نے کچھ کہنا چاہا تو ابا نے غصے سے انہیں منع کر دیا......''اب کسی صفائی کی ضرورت نہیں......خاموش رہو......''

''بھائی صاحب اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں۔ ابا نے فکر مندی سے پوچھا اور یہ

ہاتھ پر...... گھر کے نوکر، ہم سب مر گئے ہیں کیا۔ آپ کو ضرورت کیا تھی کچھ کرنے کی۔''
''میں دیکھ رہا ہوں کہ اس گھر میں ضرورت سے زیادہ لاپرواہی برتی جانے لگی ہے۔''
ابا نے غصے امی، زرقا بھابھی کی طرف دیکھا اور پھر چچا اور بوا...... ''تم لوگ کہاں تھے'' ...... ہم سب خاموش رہے...... ''حد ہوتی ہے لاپرواہی کی۔ بھائی صاحب کو کچھ کہنے کی ضرورت ہونی چاہیے...... میں تم سب سے پوچھ رہا ہوں'' ......؟ ابا بہت غصے میں تھے اس وقت......

دانش۔ دانش بابا نے ابا کا ہاتھ دبایا...... ''کیا ہوا...... کیوں اس میں ان سب کا کوئی قصور نہیں...... میں نے ہی نہیں بلایا تھا...... مگر عین وقت پر اَنا آ گئی تھی۔ اس نے رات کو پٹی وغیرہ کر دی تھی...... اور دوا بھی دی تھی۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں، بس تھوڑی سی نقاہت ہے، ٹھیک ہو جاؤں گا، مگر بھائی صاحب'' ...... ابا کو بولتے بولتے بابا نے ٹوک دیا...... ''اب تم ایک لفظ بھی نہیں بولو گے'' ...... ابا خاموش ہو گئے...... اب تم لوگ یہیں بت بنے کھڑے رہو گے یا کوئی ناشتہ وغیرہ بنائے گا بھائی صاحب کے لیے...... اور تمہیں کیا ہوا ہے۔ تم کیوں کھڑے ہو، جا کر گاڑی نکالو اور ڈاکٹر کا پتہ کرو...... وہ کتنے بجے آئے گا۔ بھائی صاحب کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے یا نہیں'' ...... احسن بھائی کو ڈانٹا...... امی اور زرقا بھابھی بوا کے ساتھ کچن میں چلی گئیں۔

ابا نے شاید نہیں مگر بابا نے احسن بھائی کے چہرے کی تھکن محسوس کر لی تھی۔ محبوب چچا کمرے سے باہر نکلے تو احسن بھائی ابھی کچھ قدم پیچھے تھے...... بابا نے آواز دی۔

''احسن'' ...... احسن بھائی مڑے۔ ''جی بابا...... یہاں آؤ'' ...... وہ بابا کے قریب آئے...... ''تمہارا چہرہ کیوں اُترا ہوا ہے...... یار بخار ہوا ہے، کوئی فکر کی بات نہیں۔ اس میں اتنے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... Relax بیٹا'' ...... بابا نے عجیب انداز میں احسن بھائی سے کہا...... بابا احسن بھائی کو پل پل نوٹ کیا کرتے تھے...... اس سے پہلے کہ احسن بھائی بولتے...... میں ایک دم سے بولی...... بابا احسن بھائی تمام رات آپ کے پاس ہی تھے...... ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سوئے...... بابا نے مسکرا کر انہیں دیکھا...... اور پھر احسن بھائی نے میری طرف دیکھا...... جیسے مجھے منع کر رہے ہوں مگر ابا کی ڈانٹ احسن بھائی کی نظر بھی ہو رہی تھی...... اس لیے بتانا ضروری تھا...... ''اچھا احسن بھائی نہیں سوئے تو کیا آپ سوئی تھیں...... بابا نے میری طرف دیکھا'' ...... بابا کا انداز ایسا تھا جیسے وہ یہ بتا رہے ہوں کہ جیسے انہیں معلوم ہو کہ ہم رات ان کے ساتھ موجود تھے...... میں اور احسن بھائی کمرے سے باہر آ گئے...... احسن بھائی نے فون اُٹھا کر ڈاکٹر کا پتہ کیا اور اس سے Appointment لے لی...... میں کچن میں گئی تو امی

نے وہ مجھے ڈانٹ دیا کہ تم نہیں بتا سکتی تھی، رات کو ساری رات بھائی صاحب تکلیف میں رہے ہیں......اور تم لوگوں میں سے کسی نے یہ ضروری نہیں سمجھا کہ ہمیں اطلاع دے دے‘‘......احسن بھائی امی کی آواز سن کر کچن میں آ گئے......اور آرام سے مگر قدرے سخت لہجے میں بولے......

’’اب اس بات کا End ہوگا کہ نہیں......آپ لوگ چند لمحے کے لیے اس تکلیف سے بچے رہے جس تکلیف میں تمام رات ’’انا‘‘ رہی ہے......وہ ساری رات بابا کے پاس بیٹھی رہی......میں تو تین بجے اُٹھ کر اوپر گیا تھا......اور یہ وہاں بیٹھی تھی ان کے پاس۔ اس وقت تک اس نے Change بھی نہیں کیا تھا۔ میں وہاں بیٹھا تو اس نے جا کر Change کیا......تھوڑا سا اولاد کو سمجھنے کی کوشش تو کیا کریں امی......بابا کو بخار رہا ساری رات......زرقا کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے اسے بھی نہیں بلایا......اگر جگا دیتے تو آپ لوگ کے جاگ کر پاس بیٹھنے سے ان کا بخار ٹھیک ہو جاتا کیا؟......بتائیں مجھے۔ ہاں مگر آپ اس تکلیف سے بچے رہے کچھ وقت جس میں ’’انا‘‘ اور بابا رہے۔‘‘

’’9 بجے کا ٹائم ہے، میں Change کر کے آتا ہوں، آپ بابا کو ناشتہ دیں، پھر میں اور ابا، بابا کو ساتھ ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے......جلدی کریں اب۔ زرقا میرے لیے صرف Coffee بنا دو۔ مجھے ناشتہ نہیں کرنا‘‘......بھائی نے جاتے جاتے یہ تمام ہدایت کی۔

امی بابا کا ناشتہ کمرے میں لے گئیں۔ انہوں نے ناشتہ کیا اور پھر وہ ابا کے ساتھ نیچے آ گئے۔ احسن بھائی، ابا اور محبوب چچا بابا کے ساتھ ہسپتال چلے گئے......زرقا بھابھی نے جا کر بابا کا کمرہ ٹھیک کرایا......میں نے فرحان کو فون کیا کہ بابا ہسپتال گئے ہیں......وہ بھی پریشان ہو گیا......’’اچھا......میں بھی ہسپتال جاتا ہوں......تم فکر مت کرو......بس Office جا کر وہ فائل شعیب صاحب کے حوالے کر آؤ اور انہیں سمجھا دو۔ میں اب ہسپتال جا رہا ہوں۔ میں احسن بھائی سے فون پر Contact کرتا ہوں۔‘‘

بابا بچوں کی طرح آخری لمحے تک ہسپتال نہ جانے کی ضد اور ٹال مٹول کرتے رہے......مگر اس بات ابا سامنے تھے جو اس بات کو کسی صورت بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے......

میں نے اُن کے جانے کے بعد امی کو بتایا کہ ’’میں تھوڑی دیر کے لیے آفس جا رہی ہوں۔ صرف کچھ چیزیں سمجھانی ہیں شعیب صاحب کو‘‘......’’امی نے کہا ٹھیک ہے جلدی آ جانا‘‘......

میں یہ کہہ کر آفس گئی......فرحان مجھے ساتھ ساتھ میسج پر صورتِ حال سے آگاہ کرتا رہا......میں نے آفس سے فارغ ہو کر احسن بھائی کو فون کیا کہ ’’بھیاء میں وہاں آ جاؤں تو

''انہوں نے مجھے منع کر دیا۔ نہیں ہم بس تھوڑی دیر میں آتے ہیں اور فرحان بھی یہاں ہے ہمارے پاس'' ...... مجھے اس بات پر حیرت ضرور تھی کہ فرحان اس قدر فکر مند بھی ہو سکتا ہے...... میں نے اسے ہمیشہ ایک لاپرواہ انسان کے روپ میں ہی دیکھا تھا مگر وہ ایسا نہیں تھا۔ خیر...... بابا وغیرہ کے گھر پہنچنے سے پہلے میں گھر پہنچ چکی تھی اور مجھے فکر ہو رہی تھی۔ یہ لوگ شام چار بجے واپس آئے۔ فرحان ساتھ نہیں تھا۔ بقول احسن بھائی کہ اس نے وہیں سے اپنے کسی کام سے جانا تھا، اس لیے ہم گھر کے لیے نکلے اور وہ وہاں سے اپنے کام کے لیے چلا گیا......

بابا کچھ تھکے تھکے لگ رہے تھے......اور ان کی ہارٹ بیٹ نارمل نہیں تھی۔ ڈاکٹرز نے مکمل طور پر Rest کے لیے کہا تھا......کوئی بھی Stress لینے سے منع کر دیا......

ابا کے چہرے پر پہلے سے زیادہ غصہ اور پریشانی نمایاں تھی جس سے ہم سب مزید پریشان ہو گئے تھے۔ امی کے پوچھنے پر ابا نے کہا۔ ''کیا یہ کم ہے کہ ڈاکٹر نے یہ کہہ دیا کہ ان کو کسی قسم کا صدمہ نہیں دینا اور مکمل آرام دینا ہے۔ میری تو سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ بھائی صاحب اس قدر لاپرواہی اپنی ذات کے ساتھ کیوں کرتے ہیں اور اوپر سے میری نالائق اولاد جو یہاں ہے وہ بھی اور جو باہر ہے وہ بھی۔'' بابا احسن بھائی کے ساتھ اپنے کمرے میں جا چکے تھے، مگر ابا کا غصہ اپنی جگہ بدستور قائم تھا......شاید ایک طرح سے وہ ٹھیک بھی کہہ رہے تھے کہ کہیں نہ کہیں اس لاپرواہی کے ذمہ دار ہم سب ہیں...... جو کہ نہیں ہونی چاہیے تھی......

احسن بھائی نے ابا کو آ کر سمجھایا کہ ''ابا فکر مت کریں اتنی فکر کی بات نہیں ہے۔ معمولی سی restlessness ہے۔'' ''برخودار تمہارے لیے یہ کہنا آسان ہو گا۔ میرے پاس صرف میرا ایک ہی بھائی ہے اور کوئی بھائی نہیں......اور میں اسے کسی قیمت پر نہیں کھونا چاہتا۔ سمجھے۔''

ابا شاید ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو رہے تھے اور وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے سامنے احسن بھائی تھے......ابا کی اس بات پر ہم سب کو دھچکا لگا۔ امی نے احسن بھائی کی طرف دیکھا اور احسن بھائی نے امی کی طرف...... مسکرا کر بولے

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ابا جان بالکل''......

''زرقا بابا کے لیے سوپ بنا دو......انا بابا اوپر بلا رہے ہیں تمہیں......!''

یہ کہہ کر احسن بھائی نے ابا کی طرف دیکھا اور خاموشی سے سر جھکائے کمرے سے باہر چلے گئے......

''میرے خیال سے احسن کے بھی ایک ہی والد ہیں۔'' امی نے طنزیہ کہا۔ ''آپ بھی

کچھ تو خیال کیا کریں...... آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ احسن کس قدر حساس طبیعت کا مالک ہے۔
امی نے گلہ کے انداز میں کہا...... اور احسن بھائی کے پیچھے چلی گئیں...... ابا خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ شاید انہیں احساس ہو چکا تھا کہ احسن بھائی سے ایسا نہیں کہنا تھا......
میں اوپر بابا کے پاس جانے لگی...... کہ بھابھی آرام سے بولیں۔ ''انو'' احسن بھی آج کل کچھ زیادہ غصہ کرنے لگے ہیں''......
نہیں بھابھی احسن بھائی ٹھیک تھے۔'''' ''ابا'' کچھ زیادہ جذباتی ہو رہے ہیں''۔ خیر آپ سوپ لے کر اوپر ہی آجانا۔''میں جا رہی ہوں، یہ نہ ہو کہ ہمیں بھی ڈانٹ پڑ جائے''......
بھابھی نے مجھے مسکرا کر دیکھا اور میں بابا کے کمرے میں چلی آئی۔
بابا اپنے بستر پر لیٹے کچھ سوچ رہے تھے جب میں اجازت لے کر کمرے میں داخل ہوئے تو میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے ان کی طبیعت پوچھی...... ''میں ٹھیک ہوں بیٹا...... آپ سب لوگ میری وجہ سے اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو''......؟
میں نے آرام سے کہا۔''بابا بات تو پریشانی کی ہے نا''...... ''نہیں بیٹا، بس ذرا سی تھکاوٹ کی وجہ سے بخار ہو گیا اور آپ سب لوگوں نے جانے کیا سے کیا بنا لیا اور دانش کا تو لگتا ہے دماغ چل گیا ہے۔ اتنا غصہ پہلے تو نہیں کیا کرتا تھا۔ اب جب اس میں صبر زیادہ ہونا چاہیے تو وہ ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو رہا ہے۔''
''ہاں بابا ابھی احسن بھائی کو بھی ابا نے ڈانٹ دیا......''
بابا خالی نظروں سے میری طرف دیکھتے رہے...... ''بابا کیا سوچ رہے ہیں''؟......
میں نے بابا کی عجیب کیفیت سے اندازہ لگایا...... کیونکہ کچھ روز پہلے وہ واقعی کچھ کھوئے سے لگ رہے تھے......
''بابا آپ کچھ دنوں سے اُلجھے سے لگ رہے ہیں...... اور آپ جانتے ہیں کہ اسی وجہ سے آپ کی ہارٹ بیٹ بھی Stable نہیں ہے اور اسی وجہ سے ڈاکٹرز نے مکمل آرام کے لیے کہا ہے اور اسی وجہ سے ہی ابا بھی پریشان ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ یہ بلاوجہ نہیں ہے۔ میں نے ہر لفظ پر زور ڈال کر ان سے کہا''...... تو مسکرانے لگے۔

تنگیِ دِل کا گلہ کیا یہ تو وہ کافر دل ہے
جو تنگ نہ ہوتا تو پریشان ہوتا

بابا نے بڑے مزے سے یہ شعر کہہ دیا

بابا صرف ایک شعر کی مدد سے آپ اس بات کو ختم نہیں کر سکتے...... کیا بات ہے۔ مجھے بھی نہیں بتائیں گے'' ...... میں نے معصومیت سے کہا۔

''اچھا۔ تو کیا آپ مجھے سب بتاتی ہیں جو میں آپ کو سب کچھ بتا دوں''۔ بابا نے ایک بار پھر بڑی آسانی سے بڑی مشکل بات کر دی...... مگر اس بار میں حیران تھی کہ اب ایسی کون سی بات ہے جو میں نے بابا کو نہیں بتائی۔ کوئی ایسی خاص بات تو تھی بھی نہیں۔

میں نے پھر حیرت سے بابا سے پوچھا۔ ''بابا میں نے تو آپ سے کبھی کچھ نہیں چھپایا۔''

''نہیں بیٹا جان۔ آپ چھپاتی تو ہو...... یہ اور بات ہے کہ مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ دونوں باتوں میں کافی فرق ہے۔'' ''ہاں اس بات سے مجھے انکار نہیں میرے پوچھنے پر آپ نے کبھی جھٹلایا نہیں، کیونکہ شاید آپ ایسا کر ہی نہیں سکتی...... اور میں بار بار آپ سے یہ ہی کہتا ہوں کہ خود سے ہر کوئی، ہر کسی کی، ہر بات نہیں سمجھ سکتا...... آپ جب تک کہو گی نہیں کسی کو پتہ نہیں چلے گا...... مگر آپ؟ بابا کیا جانے کب تک ہیں......؟''

میں نے ایک دم سے بابا کی بات کاٹی، ''Please بابا۔ اس وقت میری نہیں، آپ کی بات ہو رہی ہے اور آپ پریشان بھی ہیں اور ہم سب سے کچھ چھپانے کی کوشش بھی کر رہے ہیں'' ...... ''نہیں بیٹا، میں کسی سے کچھ نہیں چھپا رہا۔ آج کل آپ کی تائی ماں مجھے کافی یاد آ رہی ہیں...... اور وہ کچھ پریشانی ظاہر کرتی ہیں۔ میرے خواب میں ہر رات آ کر کچھ کہنے کی کوشش تو کر رہی ہیں مگر میں سمجھ ہی نہیں پا رہا ہوں...... سوائے احسن کے نام کے...... احسن کا نام لیتی ہیں وہ اور پچھلے دس دنوں میں تقریباً چھ بار ایسا ہو چکا ہے۔ میں اس بات سے گھبرا رہا ہوں'' ...... اتنی دیر میں زرقا بھابھی بھی ایک دم سے بولی...... ''بابا جان، احسن تو بالکل ٹھیک ہیں اور آپ کے سامنے ہیں۔ انٹی اگر آپ کے خواب میں آ کر ان کا ذکر کرتی ہیں تو وہ ان کو یاد کر رہی ہوں گی۔ اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔'' بھابھی نے بڑے سادہ الفاظ میں خواب کی تعبیر کو بھی مکمل کر دیا...... وہ کس وقت کمرے کے اندر موجود تھیں، ہمیں پتہ ہی نہیں چلا اور انہوں نے بابا کو سوپ کا کپ دیا اور اُن کے پاؤں کی جانب بیٹھ گئیں۔

''ہاں بابا بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں...... اصل میں آپ اور احسن بھائی سے بہت زیادہ Concern ہیں...... اور آپ کو تائی ماں بھی یاد آتی رہتی ہیں تو دونوں باتیں مکس ہو کر خواب میں ایسے دیکھائی دیں آپ کو...... آپ فکر نہ کریں، سب ٹھیک ہو گا۔ آپ نے ویسے ہی چھوٹی سی بات دِل کو لگا لی ہے'' ...... میں نے لاپرواہی سے کہا!

حالانکہ میں جانتی تھی کہ یہ محض ایک خواب نہیں......

بابا کسی چھوٹی یا سطحی بات پر اتنے پریشان نہیں ہو سکتے......

مگر اس وقت کا تقاضا یہ ہی تھا کہ میں اس بات کو ہلکا ہی ظاہر کرتی۔

میں نے یہ سوچتے سوچتے بھابھی کی طرف دیکھا...... جو اس وقت مجھے ہی دیکھ رہی تھیں۔ ہم دونوں کی نظریں ٹکرائیں تو جواباً ہم دونوں نے ایک دوسرے کو ایک ہلکی سی مُسکراہٹ دی، مگر وہ مسکراہٹ ہم دونوں کی جھوٹی تھی اور اس بات سے بھی ہم دونوں واقف تھیں۔

بابا نے سوپ پینے کے بعد سونے کی خواہش ظاہر کی۔ بابا کی آنکھ لگتے ہی میں اور بھابھی کمرے میں ایک ہلکی لائیٹ آن کر کے کمرے سے باہر آگئیں۔ ''انو'' تم بھی کچھ کھا لو'...... ''نہیں بھابھی۔ بس چائے پیوں گی۔ آپ پئیں گی، آپ کے لیے بھی بناؤں۔'' ان سے پہلے میں نے انہیں چائے کی آفر کر دی......تو انہوں نے مُسکرا کر حامی بھر لی۔

میں چائے بنا رہی تھی اور کچن میں ہم دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا......

''انو مجھے کبھی کبھی بابا کی باتیں اُلجھا دیتی ہیں''

میں نے چائے بناتے بناتے مڑ کر بھابھی کی طرف دیکھا''کیوں بھابھی اب کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں مگر بابا تم جانتی ہو، ایسے ہی تو پریشان نہیں ہوئے ہوں گے نا''......

میں نے ایک آہ بھری اور بھابھی کی بات کی تصدیق کی......

جانے کیوں اس پل بھابھی بھی کچھ تھکی تھکی سی لگ رہی تھیں۔ میں نے چائے کا کپ بھابھی کے سامنے رکھا اور ان کے پاس ہی بیٹھ گئی...... ''کیوں بھابھی آپ نے کیا Feel کیا۔

اَنو، نا جانے کیوں، مگر مجھے احسن میں ایک عجیب سا خلاء محسوس ہوتا ہے......کچھ کمی محسوس ہوتی ہے، مجھے ان کی زندگی میں، مگر آج دن تک ان 3 سالوں میں مجھے اس بات کے بارے میں جس کا ایک حد تک یقین ہونے کے باوجود، جانے کیوں میں ایک گمان ہی تصور کرتی ہوں......مگر انو کچھ تو ہے جس کی کمی احسن کی زندگی میں ہے۔''

بھابھی کے چہرے پر ایک عجیب سا خالی پن تھا...... اور میرے چہرے پر حیرت!

''کیسا خالی پن بھابھی......ان کا تو مزاج ہی ایسا ہے۔ آپ کو کچھ کہا انہوں نے؟'' ''نہیں انو انہوں نے کبھی کچھ نہیں کہا......سوائے اس کے کہ ہم بہت اچھے دوست ہیں اور ہمارے اس میاں بیوی کے رشتے میں پہلے دوستی ہوگی اور بعد میں کچھ اور!۔ پہلی رات انہوں نے مجھے تحفے میں اپنی دوستی ہی تو دی تھی جسے ابھی تک میں نبھا رہی ہوں اور ان کے خیال کے مطابق انسان کی

زندگی اس وقت تک نہیں شروع ہوسکتی، جب تک ان کی زندگی میں دوستی میں Practical Understanding نہ ہو اور تین سالوں سے ہم دونوں ایک دوسرے سے دوستی اور ایک دوسرے کو Understand کرنے کی ہی تو کوشش کر رہے ہیں......! مجھے اس بات کا دُکھ نہیں کہ احسن کے اور میرے بیچ ابھی تک مضبوط ازدواجی رشتہ نہیں بن سکا......مگر مجھے دُکھ اس بات کا ہے کہ انہوں نے خود مجھے اپنا دوست بنایا اور پھر مجھ سے اپنا دُکھ اپنا خالی پن کیوں چھپاتے ہیں......''

''بھابھی What are you talking about، آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں انو یہ سچ ہے اور احسن کے اس رویے نے ان کی عزت میرے دل میں اور زیادہ بڑھا دی ہے کہ وہ ہوس پرست انسان نہیں۔ ایک باشعور اور عقل کے ساتھ فیصلہ کرنے والے انسان ہیں۔''

''آپ نے کبھی ان سے پوچھا؟''

''ہاں بارہا پوچھا مگر وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی ایسی پیاری بات کر کے مجھے خاموش کر دیتے ہیں کہ مجھے حقیقت میں اپنی سوچ بس ایک گمان، ایک خیال ہی لگتی ہے کہ شاید ایسا نہیں جیسا میں سوچتی ہوں اور ہمیشہ اپنی سوچ کو غلط کہہ کر سر جھٹک دیتی ہوں، سوائے اس کے مجھے ان سے اور کوئی شکایت نہیں......انہوں نے میری ہر خواہش کو میرے کہنے سے پہلے مکمل کیا ہے، مگر اس بات پر اکثر مجھے اُلجھن ہوتی ہے۔ انو کیا شادی سے پہلے ''احسن'' کی زندگی میں کوئی اور لڑکی تھی؟''......ایک اور بم شل مجھ پر گرا......

''اور ساتھ ہی میری ہنسی چھوٹ گئی''......

''بھابھی! آپ بھی نا''......میں نے اپنی ہنسی کو روکتے ہوئے بولی بھابھی چونکہ بالکل سنجیدہ تھیں، اس لیے میں نے ان سے Sorry کہا......

''کیسی باتیں کرتی ہیں بھابھی آپ! احسن بھائی اور لڑکی......توبہ توبہ......ایسا کچھ بھی نہیں، کبھی بھی نہیں، ہو ہی نہیں سکتا......اس بات پر تو آپ بےفکر ہو جائیں......اگر ایسا ہوتا تو امی کے بار بار پوچھنے اور اصرار کرنے کے باوجود احسن بھائی نے امی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر یہ کہا تھا کہ امی آپ جس کو پسند کریں گی، میں شادی کر لوں گا۔ Please یہ سوال مجھ سے دوبارہ مت پوچھئے گا اور ایک بار تو احسن بھائی نے غصہ میں آ کر شادی سے انکار بھی کر دیا تھا کہ اگر ایسے ہی پوچھتے رہنا ہے تو Please مجھ سے شادی کے Topic پر کوئی بات نہیں کریں۔ مجھے شادی

کرنا ہی نہیں ہے......

احسن بھائی نے تو کبھی کسی لڑکی سے دوستی تک نہیں کی اور ان کی جتنی کولیگ تھیں، ان سب سے میں واقف تھی جو احسن بھائی کو پیغام دینا ہوتا تھا۔ میرے نمبر پر یا مجھے بلا کر دیا کرتی تھیں۔ احسن بھائی اتنے Reserve تھے کہ ان کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی، ان سے کچھ پوچھنے کی......اور آپ کہہ رہی ہیں کہ ان کی زندگی میں کوئی لڑکی؟......میں پھر ہنسی!''......

''ہاں انو، اس بات کا تو مجھے بھی یقین ہوتا ہے کہ احسن کی زندگی میں کوئی اور لڑکی ہے تو نہیں......اور نہ ہی انہوں نے میرے ساتھ اپنا پل کی بھی بے وفائی کی......کسی لمحے۔ کسی پل! نہیں......ان کے اسی رویے کی وجہ سے ہی تو میں ہمیشہ اپنی سوچ، اپنے خیال کو جھٹلا دیتی ہوں، مگر ان کا خالی پن تو بتدریج قائم ہے۔ وہ میرے پاس ہیں مگر مجھے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے ساتھ نہیں......حالانکہ یہ بات ایک اٹل سچ ہے کہ ان سے اچھا خاوند ہو ہی نہیں سکتا......اور نہ ہی ان سے اچھا دوست!......مگر کبھی کبھی دوستی محبت کی جگہ لے لیتی ہے اور پھر محبت کے لیے جگہ ہی نہیں رہتی''......

''اُف بھابھی! Please احسن بھائی آپ کا دوست بھی ہیں اور محبت بھی تو پھر یہ سب کیا ہے؟

آپ بھی وہم لے کر بیٹھ گئی نا! احسن بھائی پڑھے لکھے انسان ہیں......اور جو کچھ بھی ہو رہا ہے، آپ دونوں کی باہمی رضامندی سے ہو رہا ہے نا......ہاں ایک بات ہے کہ آپ کا ایک روایتی ازدواجی تعلق نہیں بنا مگر اس سے آپ ناراض بھی تو نہیں ہو تو پھر ان سب باتوں سے خوف زدہ کیوں ہو رہی ہیں آپ!؟''

''انو بابا کی بات، ان کا خیال، اُن کا خواب جانے کیوں ان سب باتوں کی طرف ہی تو اشارہ کر رہا ہے!'' بھابھی نے ایک گھبراہٹ کے ساتھ کہا۔

''بھابھی وہ بابا کا خواب ہے۔ ٹھیک ہے، کسی حد تک ہو بھی سکتا ہے، مگر آپ اس کو اتنا Serious کیوں لے رہی ہیں۔ Just take light نا!......آپ اپنی خواہش کا احسن بھائی سے اظہار کیا کریں......تو وہ ضرور پوری کریں گے۔'' میں نے بڑے سادہ انداز میں کہا......''انو میری جان، میری ایسی کوئی خواہش ہے ہی نہیں جسے مجھے ''احسن'' سے کہنا پڑے، وہ میرے کہے بغیر ہر بات، ہر خواہش کو پورا کر دیتے ہیں......مجھے بس ان کا خاموشی کبھی کبھی چبھتی ہے اور کچھ بھی نہیں''......

''وہ شروع سے ہی ایسے ہی ہیں، خاموش خاموش...... نعمان بھائی اور منیر بھائی کی طرح وہ بالکل بھی نہیں...... نہ کچھ شکایت کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی خواہش بس ایسے ہی رہتے ہیں...... مجھے یاد ہے، آپ کے آنے سے پہلے تو ان کی تمام Shoping بھی امی ہی کیا کرتی تھیں...... احسن بھائی بہت Simple انسان ہیں۔ ہاں مگر اس بات کا میں اعتراف کرتی ہوں کہ سادے لوگ...... مشکل ہوتے ہیں...... اور احسن بھائی بھی مشکل انسان ہیں، جنہیں صرف آپ میری Sweet بھابھی ہی آسان کر سکتی ہیں'' ...... میں نے پیار سے اپنی بانہیں ان کی گردن میں ڈال کر انہیں پیار کیا اور تسلی دی......

''بھابھی Please آپ تو پریشان نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب ٹھیک کر لیں گے اور آپ بھی ایسے پریشان رہو گی تو میرا اور احسن بھائی کا کیا ہوگا''۔ میں نے پھر بھابھی سے شرارت کی۔ ''میں جانتی تھی کہ بات اتنی آسان نہیں تھی اور ویسے بھی زندگی میں مشکلیں بھی نہ ہوں تو انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ شاید ایسا ہی سب کچھ ہمارے ساتھ چل رہا ہے''۔ میں نے ہلکا پھلکا مذاق کر کے بھابھی کا موڈ کچھ ٹھیک کیا...... کہ باہر سے محبوب چچا نے آکر بتایا کہ ''فرحان صاحب اور ان کی والدہ اور والد آئے ہیں'' ...... بھابھی نے میری طرف مُسکرا کر دیکھا...... مَیں نے بھابھی کی مسکراہٹ کو نظر انداز کیا اور محبوب چچا کو انہیں Drawing Room میں بٹھانے کا کہا۔ محبوب چچا باہر گئے تو میں نے بھابھی سے کہا، ''اس میں اتنی خوشی کی کیا بات ہے جو آپ مسلسل مُسکرانے لگی ہیں۔'' بابا کو دیکھنے آئے ہوں گے۔

''تو میں نے کب کہا کہ ''انو'' وہ تمہارے لیے آئے ہیں'' ...... بھابھی نے پھر معنی خیز انداز میں مجھے چھیڑا اور باہر چلی گئی۔ مجھے ان کے رویے پر عجیب سا احساس ضرور ہوا...... مگر اس سے پہلے کہ میری سوچ اور آگے بڑھتی، محبوب چچا کے بتانے پر بوا کچن میں آ چکی تھی اور چائے کا انتظام کرنے لگیں...... میں نے انہیں ضروری ہدایات دیں اور خود بھی باہر چلی گئی......

Drawing Room میں بھابھی اور امی ان سے متعارف ہو چکے تھے۔ یہ میری فرحان کے والد سے دوسری ملاقات تھی...... انہوں نے بڑی اپنائیت سے میرے سَر پر ہاتھ پھیرا۔ آنٹی سے بہر حال میری گاہے بگاہے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ میرے اندر جاتے ہی بھابھی اُٹھ کر باہر آ گئی اور تھوڑی دیر میں ابا بھی اندر آ گئے۔ میرے گھر والے پہلی مرتبہ فرحان کے والدین سے مل رہے تھے۔ فرحان سے تو سب واقف تھے مگر اس کی Family سے میرے والدین کی پہلی ملاقات تھی۔ ہاں ''بابا'' انگلینڈ میں ہماری Conviction پر ان سے مِل چکے

تھے، کیونکہ یہ دونوں فرحان کے لیے انگلینڈ گئے تھے اور وہیں پر صائمہ آنٹی اور راشد انکل سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں ابا کا اور انکل کا تعارف کرانے کے بعد باہر آ گئی...... کچن میں بھابھی اور بوا لوازمات تیار کرنے میں مصروف تھیں۔ بھابھی بڑی تیزی سے تمام تیاری میں لگی تھیں اور ساتھ ساتھ بوا کو بھی ہدایات دے رہی تھیں۔ ان کے رویے میں ایک خوشی اور جذباتیت تھی...... مجھے کچھ اندازہ تو تھا کہ ان سب معنی خیز مسکراہٹوں اور باتوں کا مطلب کیا تھا مگر مجھے اس سے ایک بے چینی تھی کہ یہ بات مَیں اور فرحان بڑی اچھی طرح سے جانتے تھے مگر کیونکہ کسی نے واضح طور پر کبھی کوئی بات کی نہیں، اس لیے قبل از وقت کسی بھی بات کا جواب دینا مناسب نہیں تھا۔ خیر اسی تیاری میں لگی بھابھی نے اجلت میں مجھے کہا کہ ''جاؤ ''انو'' دیکھو احسن مہمانوں کے پاس پہنچے کہ نہیں۔ Please ذرا انہیں جا کر بتا آؤ، وہ سو رہے تھے میں نے انہیں جگایا تو تھا مگر شاید وہ دوبارسو گئے۔'' میں اُٹھی اور احسن بھائی کے کمرے میں گئی مگر وہ اپنے کمرے میں تھے ہی نہیں۔ میں نے واپس آکر بتایا کہ بھابھی وہ تو کمرے میں نہیں ہیں...... بھابھی نے بوا کو ہدایت دی کہ تمام چیزیں Dinning hall میں لگائیں۔ چائے وغیرہ وہیں سرو کریں گے۔ ''میں نے بھابھی سے کہا کہ بھابھی اتنا سب کرنے کی کیا ضرورت ہے''......

''نہیں ''انو'' فرحان کے والدین پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں، بُرا لگتا ہے اور ویسے بھی تمہیں کیا پتہ ایسے موقعوں پر مدارت اچھی ہونی چاہیے، تم ابھی بچی ہو۔'' بھابھی نے ایک بار پھر مجھے چھیڑا...... پاس کھڑی بوا کیسے پیچھے رہتی...... ''ہاں بیٹا تجھے نہیں پتہ یہ نازک معاملات ہوتے ہیں اور ویسے بھی مجھے تو یہ بچہ اتنا اچھا لگتا ہے، اتنا معصوم ہے...... اللہ اسے خوش رکھے۔'' بوا اپنی دھن میں فرحان کو دُعائیں دینے لگی ''بوا Please آپ کو تو ہر ایک بہت معصوم لگتا ہے۔ یہ اتنا معصوم ہے نہیں جتنا نظر آتا ہے''...... میں نے چڑ کر کہا۔

''ارے بیٹیا تجھے کیا پتہ میری ان بوڑھی آنکھوں نے بڑے زمانوں کو دیکھا ہے اور لوگوں کی بڑی پہچان ہے تیری بوا کو۔'' بوا نے نصیحت کے انداز میں کہا۔ اچھا اچھا بوا ٹھیک ہے۔ ''انو جاؤ تم، Please احسن کو دیکھو وہ کہاں ہیں، فرحان بور ہو رہا ہوگا۔ بڑوں میں اسے کچھ تو Company دے دیں۔'' بھابھی نے بات کو رفع دفع کرتے ہوئے کہا...... پھر میں باہر آئی تو احسن بھائی سیڑھیوں پر سے ''بابا'' کو تھامے ہوئے نیچے لا رہے تھے۔ میں نے آگے ہو کر بابا کا دوسرا ہاتھ تھاما۔ ''بابا آپ نیچے کیوں آ رہے ہیں۔ میں اُن کو اوپر ہی لے آتی نا، احسن بھائی۔'' میں نے سوالیہ نظروں سے احسن بھائی کی طرف دیکھا......؟ تو انہوں نے میری بات کو سُنی اَن

سُنی کر دیا۔ ’’’’بابا‘‘ دھیرے سے بولے نہیں بیٹا میں ٹھیک ہوں اور وہ لوگ پہلی مرتبہ ہمارے گھر آئے ہیں، بدتہذیبی ہوتی یہ تو‘‘...... یہ کہہ کر انہوں نے اپنے کندھوں پر سے چادر ٹھیک کی اور Drawing Room کی طرف چل پڑے۔ میں اور احسن بھائی بابا سے ایک قدم پیچھے تھے۔ بابا کو دیکھتے ہی سب لوگ احتراماً کھڑے ہو گئے اور سب لوگ بڑے پیار سے ملے......اور راشد انکل نے بھی یہ ہی کہا کہ آپ نے تکلیف کیوں کی۔ ’’آپ آرام کرتے، ہم اوپر آجاتے آپ کے پاس...... یا دوبارہ آجاتے۔ ہماری وجہ سے آپ کو زحمت ہوئی......انہوں نے بڑے اخلاق سے بابا کی مزاج پُرسی کی۔‘‘ یہ احسن بھائی اور انکل کی بھی پہلی ملاقات تھی۔ احسن بھائی فرحان کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد سب کو Dinning hall میں لایا گیا اور بھابھی، بوا اور میں نے سب کو چائے Serve کی۔ صائمہ آنٹی نے تمام تر لوازمات کو بہت پسند کیا اور بار بار زرقا بھابھی کی تعریف بھی کیے جا رہی تھیں......فرحان وغیرہ چائے پینے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھے اور پھر انہوں نے اجازت لی کہ ’’ابا‘‘ اب آپ آرام کرلیں، پھر آپ سے ملاقات ضرور ت ہو گی......ان کے جانے کے بعد سب لوگ lounge میں ہی آ کر بیٹھ گئے۔ ’’بابا‘‘ نے بابا سے کہا کہ بھائی صاحب آپ آرام کرلیں۔ اب کافی دیر سے بیٹھے ہیں‘‘۔ ’’نہیں یار، ادھر ہی بیٹھو، ابھی مجھے تم سب لوگوں سے کچھ بات کرنی ہے اور ویسے بھی مَیں نے کافی آرام کرلیا ہے‘‘۔ ’’ابا‘‘ نے پریشانی سے پوچھا، ’’خیریت ہے نا بھائی صاحب‘‘۔ ’’ہاں یار خیریت ہے، ایک تو تم پریشان بہت جلدی ہو جاتے ہو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ یہاں میرے پاس‘‘......ہم سب لوگ lounge میں ہی بیٹھ گئے۔

کچھ دیر گھر والوں نے فرحان اور اس کے گھر والوں کے متعلق اپنی اپنی رائے دی اور بظاہر وہ سب کو کافی پسند بھی آئے تھے......اور امی اور زرقا بھابھی تو ضرورت سے زیادہ ہی تعریفیں کر رہی تھیں، لیکن میں اور احسن بھائی دونوں خاموش، سب کی باتیں سن رہے تھے۔ احسن بھائی بس بھابھی کے پوچھنے پر ان کی ہاں میں ہاں ملا دیا کرتے تھے......

اچھا بھئی بات کچھ ایسے ہے......’’’’انا‘‘ بیٹے آپ جاؤ۔‘‘ ’’بابا‘‘ نے اچانک مجھے وہاں سے جانے کے لیے کہہ دیا اور میرا شک یقین میں بدل گیا کہ ضرور یہ میرے اور فرحان کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں اور شاید بابا اسی متعلق کوئی بات کرنا چاہ رہے ہیں۔

میرے اُٹھ جانے پر احسن بھائی نے حیرت سے مجھے دیکھا اور بھابھی کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی......

مجھے بھی ایک طرح کا جھٹکا ہی تو لگا تھا کہ مجھے اور کوئی نہیں ''بابا'' اُٹھ کے جانے کو کہہ رہے تھے۔ اس وقت میں کوئی حُجت کرنا چاہتی بھی تو نہیں کر سکتی تھی مگر میں نے ''بابا'' کی طرف ایک نظر دیکھا، اُٹھ کر میں کچن میں گئی، بوا برتن سمیٹنے میں لگی تھی...... ''میں نے بوا سے کہا کہ بوا پلیز ایک کپ Coffee بنا کر مجھے میرے کمرے میں دے دیں گی'' ...... بوا نے پیار سے کہا، ''ہاں چندا جا جا اپنے کمرے میں آرام کر، میں لے آتی ہوں۔'' میں اوپر آ گئی...... مگر یہ انسان کی فطرت ہے کہ اسے ہر اس بات پر تجسس ضرورت ہوتا ہے جس سے اسے چھپایا جائے۔ مجھے بھی تھا اور اس بار تو کچھ زیادہ ہی تھا، کیونکہ میرے ذہن میں بار بار گھر والوں کی فرحان کے بارے میں رائے اور ان کی مُسکراہٹیں تھیں، حالانکہ میں جانتی تھی کہ فرحان ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا مگر اس وقت میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ میری دِل کی دھڑکنیں ہی مجھے بے چین کر رہی تھیں مگر ان تمام تر خدشات کے ساتھ مجھے ایک یقین تھا کہ ''بابا'' ایسا کچھ نہیں کہہ سکتے اور وہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں کریں گے جس میں میری رضامندی نہ ہو...... اور ویسے بھی اُس وقت یہ ہی احساس تھا کہ اب کیا ہوگا؟ اور میں ان سب کے سوالوں کا کیا جواب دوں گی۔ ایک پل کے لیے خیال آیا کہ فرحان کو فون کروں مگر فرحان کو فون کر کے کہوں گی کیا؟ اپنے کمرے میں بیٹھی اسی کشمکش میں تھی کہ بوا کافی لے کر آئی اور ان کے چہرے پر کچھ پریشانی تھی۔

میں نے سوالیہ نظروں سے بوا کی طرف دیکھا، انہوں نے کپ میرے قریب پڑے Table پر رکھا اور میرے پاس ہی زمین پر بیٹھ گئی۔ اپنے مخصوص انداز میں سر پر چادر لیتے ہوئے انہوں نے بڑے آرام سے مجھے کہا، ''ارے گڑیا تو دبئی جا رہی ہے؟'' بوا کا یہ کہنا تھا کہ میرے سَر پر جیسے کسی نے ہتھوڑا برسا دیا۔ میرے منہ سے بے اختیار نکلا آپ کو کس نے کہا۔ ''ارے گڑیا بڑے صاحب۔ چھوٹے صاحب سے کہہ رہے ہیں کہ تو اکیلی جا رہی ہے۔ میرا تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ بھلا تو نازک سی بچی اتنے دور اکیلے کیسے جا سکتی ہے...... بڑے صاحب بھی نا جانے کیسے اتنی دلیری کی باتیں سوچتے ہیں۔ ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا بھیاء'' ...... بوا نے یہ کہہ کر اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ مجھ سے رہا نہیں گیا، بوا کو کسی بات کا جواب دیئے بغیر میں اپنے کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی، کیونکہ لاونج میں بیٹھے باتیں کرتے ہو تو سیڑھیوں تک تو آواز بمشکل آ ہی جاتی تھی۔

''بابا'' کو کیسے پتہ چلا کہ میرا دبئی کا کوئی پروگرام ہے۔ کہیں فرحان نے تو ان سے کسی بات کا ذکر نہ کر دیا ہو۔ میرا خیال ایک دم سے فرحان کی طرف گیا اور میری چھٹی حس نے مجھے

اس بارے میں ایک اشارہ پہلے بھی کر دیا تھا..... مگر بابا ابا سے کیا بات کر رہے تھے اور انہوں نے مجھے کیوں باہر جانے کو کہا۔ فرحان بھی نہ، اس الو کو تو کوئی سلیقہ نہیں کسی سے بات کرنے کا۔ بڑے بزرگوں کا احترام اسے کبھی بھی نہیں کرنا آیا مگر فرحان نے بابا سے یہ بات کی کب؟ اور اس بات کا ذکر بابا نے مجھ سے کیوں نہیں کیا پہلے..... کیا اسی لیے بابا مجھے کہہ رہے تھے کہ میں ان سے باتیں چھپاتی ہوں۔ کیا اسی بات کا بابا مجھ سے گلہ کر رہے تھے.....؟ میری سوچیں ابھی آپس میں اُلجھ ہی رہی تھیں کہ ابا کی آواز آئی۔ ''بھائی صاحب یہ کیسے ہوسکتا ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا..... بھائی صاحب آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے کبھی آپ کی کسی بات کی نفی نہیں کی۔ آپ نے ہمیشہ جس طرح کہا، اسی طرح کیا اور یہ آپ بھی اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ میں کس حد تک کس بات کے لیے راضی تھا اور کس حد تک اس کے خلاف۔ آپ کے کہنے پر میں نے نعمان اور منیر کو باہر جانے دیا، انہیں باہر سیٹل ہونا تھا۔ آپ نے کہا میں نے مانا۔ آپ نے ''انا'' کی مزید تعلیم کے لیے کہا، میں نے روکا؟ یہاں تک کہ آپ اسے باہر بھی ساتھ لے گئے۔ میں خاموش رہا اور مطمئن بھی کہ وہاں آپ اس کے ساتھ ہیں، نعمان تھا اور پھر واپسی پر اس نے اپنی ایجنسی چلانی چاہی جو آپ جانتے ہیں کہ مجھے آج بھی پسند نہیں مگر پھر بھی میں خاموش ہوں۔ اب اس کا اکیلے باہر جانا، ملک سے باہر، میں تو اس کی اس پڑھائی کے ہی خلاف تھا اور آپ اسے اب اس کے لیے اسے مزید باہر بھیج رہے ہیں۔ بھائی صاحب..... کچھ تو آپ میرا بھی خیال کریں۔ احسن سُن رہے ہو تم وہ نامعقول لڑکی ہر دفعہ ہم دونوں بھائیوں کے بیچ تناؤ کا باعث بنتی ہے اور مجھے ہمیشہ اس نے بھائی صاحب کے سامنے لا کر نافرمانی کی اور تکرار کی صورت میں کھڑا کر دیا ہے۔ آج دن تک ہم دونوں بھائیوں کے درمیان جب بھی تکرار ہوئی تو اس کی وجہ صرف ''انا'' بنی ہے۔ وہ خود کو اتنا ہوشیار سمجھتی ہے اور اپنی چالاکی سے وہ ہمیشہ آپ کو میرے خلاف Use کرتی رہی ہے، مگر اب نہیں بھائی صاحب۔ وہ آپ کی بیماری کا فائدہ اُٹھا رہی ہے، اسے ذرا بھی احساس نہیں، ذرا بھی پرواہ نہیں، کس قدر خودغرض بن چکی ہے اور یہ سب آپ سب کے بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ ہے۔ اس کی جرأت کیسے ہوئی کہ وہ اس طرح آپ کو مجبور کرے۔ بلاؤ اسے احسن میں خود اس سے آج دوٹوک بات کرتا ہوں۔ یہ تماشا کب تک کرائے گی وہ۔''

''ابا'' کا ایک ایک لفظ میرے دِل پر نشتر کی طرح وار کرتا رہا اور میرا وجود برف کی طرح جم چکا تھا..... مجھ میں اتنی بھی ہمت نہیں رہی کہ میں سیڑھیوں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں جا سکوں..... میرے ''ابا'' مجھ سے آج دن تک اس لیے دور رہے..... یہ کیسا سچ تھا؟ جس نے

مجھے ایک طرح سے مار ہی تو دیا تھا۔ میرے ابو مجھے اپنے اور بابا کے درمیان دیوار سمجھتے رہے اور میں ابا کی بے رخی کو ہمیشہ ان کے مزاج کی سختی ہی سمجھتی رہی اور اسے نظرانداز کرتی رہی۔ ''بابا ٹھیک ہی کہتے تھے کہ ہر بات کا جاننا ضروری نہیں''۔ میری زندگی کا ایک اور عذابِ آگہی...... بوا میرے پاس سے کس وقت نیچے چلی گئی تھی، مجھے پتہ ہی نہیں چلا...... میں برف کی طرح وہیں جمی رہی...... ابا کی آواز نے دوبارہ خاموشی کو توڑا...... ''احسن میں نے تم سے ''انا'' کو بلانے کے لیے کہا ہے''...... احسن بھائی دھیمی آواز میں بولے۔''''ابا'' Please آپ شاید بات''...... احسن بھائی کی بات کو بابا نے ٹوکا۔''احسن خاموش رہو تم۔ اسے جو کچھ کہنا ہے کہنے دو......''

''ہاں دانش تم کچھ کہہ رہے تھے، بھائی صاحب آپ خود دیکھیں، اس گھر میں آپ کی اور میری بحث ہمیشہ ''انا'' کی وجہ سے ہوئی ہے اور میں یہ اب ان حالات میں بالکل برداشت نہیں کرسکتا...... مجھے آپ سے گستاخی پر ہمیشہ اس نے مجبور کیا ہے اور آپ بھی یہ بات بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔'' ''بابا'' ایک دم سے بولے...... ''نہیں میں نہیں جانتا تھا اور مجھے اس بات کا ابھی پتہ چلا ہے، تم نے اس وقت جو کچھ بھی کہا، مجھے اس سے پہلے ان سب باتوں کا بالکل بھی علم نہیں تھا، بلکہ مجھے اندازہ بھی نہیں تھا کہ تم اس طرح بھی سوچ سکتے ہو، اگر سچ پوچھو تو مجھے دُکھ ہوا ہے تمہاری اس سوچ پر...... تم نے اپنے اندر خود سے اندازہ لگا لیا اور کسی کو اپنے سخت رویہ سے نظر انداز کرتے رہے۔ بہت افسوس کی بات ہے دانش......!''

''بھائی صاحب آپ ابھی بھی نہیں سمجھ رہے، میری بات کو۔'' ابا نے پھر بابا کے سامنے کوئی بات رکھنی چاہی، جس پر بابا نے انہیں چپ رہنے کا کہا......

''دانش! مجھے بہت افسوس ہوا ہے کہ تم میرے بارے میں یہ رائے رکھتے ہو''......

''بھائی صاحب میں آپ کو نہیں، اس نافرمان لڑکی ''انا'' کے بارے میں کہہ رہا تھا۔'' ابا نے پھر اپنی صفائی دینی چاہی۔

''ہاں تو ''انا'' کون ہے۔ بابا نے ''ابا'' سے سوال کیا؟ بتاؤ دانش ''انا'' کس کی بیٹی ہے؟ اس کی پرورش کس نے کی ہے؟ بولو دانش...... وہ 8 ماہ کی تھی تو میری گود میں آئی تھی...... اس دن سے لے کر اب تک وہ میری نظر سے ایک لمحے کے لیے بھی اوجھل نہیں ہوئی تو پھر یہ بات تم کس کے متعلق کر رہے ہو، کیا یہ الزامات واقعی تم صرف ''انا'' پر ہی لگا رہے ہو؟''......

ابا خاموش رہے......

''بابا'' میری زبان سے اس لمحے صرف یہ ہی نکل پایا...... بابا ٹھیک ہی کہتے تھے کہ وہ

کہاں کہاں میرے لیے بولیں گے اور کب تک؟ اس وقت مجھے فرحان پر اس قدر غصہ آرہا تھا کہ اس نے یہ بات کی کیوں تھی جبکہ اسے منع بھی کیا تھا میں نے......

مجھے اس بات سے کوفت ہوتی تھی اور میں نے فرحان کو اسی وجہ سے سختی سے منع کیا تھا کہ مجھے "بابا" کو مزید پریشان نہیں کرنا تھا۔ مجھے انہیں اپنے لیے کٹہرے میں کھڑا نہیں کرنا تھا اور پھر اس موقع پر جب وہ بیمار تھے...... میری دُعائیں میری تقدیر سے اتنی دور کیوں رہتی ہیں؟ میں نے دِل میں پھر اپنے اللہ سے سوال کیا، حالانکہ میں کبھی کسی ایسی چیز کے لیے دُعا تو دور خواہش بھی نہیں کرتی جو میری سوچوں کو ہی مناسب نہ لگے، مگر ہر وقت بہتری اور سکون کی دعا کرنا، خواہش کرنا، گھر والوں کی خوشی کی التجا کرنا تو کوئی بُری بات نہیں تھی تو پھر یہ دُعا قبول نہیں ہو پا رہی تھی۔ بظاہر تو سب ٹھیک تھا مگر کہیں نہ کہیں سب غلط تھا، ہمارے گھر میں۔ ایک بے چینی، ایک بے سکونی ہر لمحہ آنے والے لمحے میں کچھ کھو جانے کا ڈر ایسی Feeling میرے اندر بھی اب ضرورت سے زیادہ ہونے لگی تھی اور پھر ایسے حالات میں ایسے Issue پر بات تو ظاہر ہے گھر میں سب کو اُلجھن تو ہوگی، غصہ تو آئے گا اور ابا کا غصہ شاید اپنے طور پر ٹھیک ہی تھا مگر بابا اس موقع پر بات کیوں کر رہے تھے...... ابا کا مجھ سے غصہ ان کا "بابا" کے ساتھ بے حد پیار کا ہی تو ثبوت دے رہا تھا۔ میں انہیں سوچوں میں تھی کہ بابا کی آواز نے مجھے پھر چونکا دیا......

"دانش ہر بات کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔ اس بات کا اندازہ بعد میں ہوگا کہ وہ وجہ معقول ہے یا نامعقول۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں "انا" کی ذات سے کیوں اور کس بات پر اعتراض ہے۔ میں اس چیز کو، اس شکایت کو، اس وجہ کو دور کر دوں گا، جس نے تمہیں اپنی بیٹی اور میری ذات پر شک کرنے پر مجبور کیا اور Please مجھے میرے ہر سوال کا جواب چاہیے، اگر تم اس عام سی بات پر اتنا سخت ردِعمل کر سکتے ہو، مجھ پر اور میری "انا" پر اُنگلی اُٹھا سکتے ہو تو مجھے بھی اس بات کا پورا حق ہے کہ میں تمہاری غلط فہمی دور کروں یا اس طرح سمجھ لو کہ میں صفائی پیش کروں، حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ میرے لیے کتنا ضروری ہے؟

اور اس کمرے میں موجود جس کے ذہن میں میرے یا "انا" کے متعلق کوئی بھی سوال ہو، وہ کر سکتا ہے مگر اس کے بعد میں کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ وہ مجھ پر یا میری ذات کے کسی حصے پر کوئی ایک حرف بھی کہے اور یہ بات آپ سب کو باور کرادوں کہ "انا" میری ذات کا سب سے اہم حصہ ہے"...... کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"بولو دانش تم سے پوچھ رہا ہوں!"

بھائی مجھے نہیں پتہ کہ آپ نے میری بات کو کیا سمجھا ہے۔ میں نے خدانخواستہ آپ کی ذات میں کسی گستاخی کا کبھی سوچا بھی نہیں مگر یہ بات میرے لیے ناقابلِ قبول ہے کہ میں اب انا کو اس کے نام نہاد Project کی وجہ سے کہیں بھی جانے دوں وہ بھی اس ملک سے باہر اور اکیلے، یہ ناممکن ہے بھائی صاحب۔ اس عمر میں لڑکیوں کی شادیاں ہو کر گھر بھی بس چکے ہوتے ہیں اور وہ اپنی فضول سی ضد لیے، اپنی پڑھائی کی آڑ میں آپ کے ذریعے آپ کی نرمی کا ناجائز فائدہ اُٹھا رہی ہے اور اپنی زندگی کو ضائع کر رہی ہے...... میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنا گھر بسا لے اور اگر نہیں تو کم از کم اس گھر میں رہے۔ مجھے یہ سب فضول خرافات پسند نہیں۔ اس نے جتنی تعلیم حاصل کرنی تھی کر لی۔ اب مزید ضرورت نہیں''......

''کسے ضرورت نہیں تعلیم حاصل کرنے کی، تمہیں یا ''انا'' کو؟''

بابا نے پھر ایک سوال ابا کی جانب پھینکا۔

شاید ہم دونوں کو......

''شاید نہیں وہم، گمان اور شک کے بَل بوتے پر کوئی بات یہاں نہیں ہو رہی ہے۔ یہاں بات یقین اور اعتماد کے بَل بوتے پر ہو رہی ہے۔ اس لیے جو بات بھی کرنی ہے یقین کی بنیاد پر کرو۔''

بابا نے ذرا سخت لہجے میں ''ابا'' سے کہا...... ''اس کی پڑھائی کی اسے ضرورت ہے یا نہیں، تمہیں ضرورت ہو یا نہ ہو مگر مجھے ہے اور میں زندگی میں اسے کسی مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں اور اب جب موقع آیا ہے اس کی تعلیمی صلاحیتیں دکھانے کا تو تم نے ایک روایتی باپ کی طرح اس کی زندگی میں رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کر دیں ہیں اور میں پہلے بھی تم سب سے کہہ چکا ہوں کہ جب اس کی شادی ہونی ہوگی، ہو جائے گی، کسی کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک چھوٹی سی بات تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں پر آ رہی۔ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''شادی کی نہیں جاتی، شادی ہو جاتی ہے''۔ بس اس بات پر اپنا ایمان رکھو۔ ''انا'' کے لیے جو لکھا جا چکا ہے، اسے وہ ہی ملے گا اور جس وقت ملے گا، ہم سب کو دکھائی بھی دے گا، جو وقت آیا نہیں اس سے پہلے اس کی فکر لے کر کیوں بیٹھ جاتے ہو، یار۔ اپنے دِل کو، اپنے مَن کو آزاد کیوں نہیں رہنے دیتے تم...... جو وقت سامنے ہے، اسے جیو، اسے سنوارو جو وقت آیا ہی نہیں، اس کے بارے میں سوچتے رہو گے اور وہ وقت آ کر گزر بھی جائے گا اور پتہ بھی نہیں چلے گا...... اپنی سوچوں کو طویل کرنے کی عادت چھوڑ دو۔ اسی میں بہتری ہے۔ دانش تمہیں ڈر

کس بات کا ہے؟ اور تم چاہتے کیا ہو؟ میں نے ایک سادہ سی بات کی ہے کہ ''انا'' کو اپنے Business Project کے سلسلے میں دبئی جانا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ جائے اور تم کبھی اس کے کردار میں کیڑے نکال رہے ہو، کبھی پڑھائی میں اور کبھی اس کی شادی کے Issue کو لے کر بیٹھ جاتے ہو۔ ایک بات کرو۔ ایک وقت میں ایک سوال کا جواب دیا جاتا ہے۔''

بھائی صاحب میں اتنی آزادی کا قائل نہیں ہوں اور ویسے بھی میں منیر اور نعمان کو باہر بھیج کر دیکھ چکا ہوں۔ اب میں مزید کوئی Risk نہیں لینا چاہتا۔ منیر اور نعمان نے باہر جا کر کیا حاصل کیا ہے۔ ہمیں کیا دیا ہے، ان دونوں نے سوائے جدائی اور تنہائی کے...... چلو وہ گئے تو اپنی Family کو لے کر گئے اور ویسے بھی مردوں کا باہر جانا اور بات ہے، اکیلی لڑکی کا باہر جا کر کام کرنا، اتنا آزاد خیال نہیں ہوا ہوں میں...... مجھے اس کی کمائی کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میں نے اس کے لیے اسے کوئی International Award ملنے کا کوئی خواب دیکھنا ہے...... یہاں پر جو کر رہی ہے، کرے۔ نہیں کرنا تو گھر بیٹھے''......

کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی......

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ ایک وقت میں ایک سوال کیا جاتا ہے اور ایک ہی کا جواب دیا جاتا ہے مگر تمہارے ذہن میں اپنی اختراعوں کے ڈھیر لگے ہیں، جنہیں تم اس معصوم کے سَر تھوپنا چاہتے ہو جو کم سے کم میرے ہوتے ہوئے تو ممکن نہیں ہے۔ تم منیر اور نعمان کے رویے کا بدلہ ''انا'' کے مستقبل سے لو گے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ تمہیں ''انا'' سے کیا شکایت ہے؟ تم نے مجھے ایک بار بھی اس سوال کا جواب نہیں دیا اور اس ایک سوال کے جواب میں تم نے اپنے تجربات اور اپنے خدشات میرے سامنے رکھ دیئے۔ اب خاموشی سے میری بات سنو اور اسے سمجھنے کی کوشش کرو......اور یہ باتیں آپ سب کے لیے سمجھنا ضروری ہیں۔

تم اتنی دیر سے مجھ سے بحث کر رہے ہو مگر ایک بار بھی تم نے مجھے ایک بھی ایسی وجہ نہیں بتائی کہ جس سے مجھے بھی لگے کہ ہاں ''انا'' کا باہر جانا ٹھیک نہیں...... دانش میاں آپ منیر اور نعمان کے گناہوں کی سزا ''انا'' کو دینے کی کوشش کر رہے ہیں......اور اگر اسی بات کو سامنے رکھیں تو بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ ''انا'' اور ''احسن''، ''منیر'' اور ''نعمان'' سے مختلف ہیں......اور ویسے بھی والدین کے لیے اگر بچے اپنی زندگی کو خوش اور مطمئن ہیں تو اس سے بڑی خوشی کی کوئی اور بات نہیں......اور اگر تم منیر اور نعمان کی خوشی سے مطمئن ہو سکتے ہو تو ''انا'' کی خوشی میں خوش کیوں نہیں ہو سکتے؟ اور اگر منیر اور نعمان اپنے اپنی بہتر زندگی کے لیے پردیس میں مقیم ہیں تو اس میں کوئی بُری

بات نہیں۔ہم کیا اولاد کی پرورش محبت اور تربیت اس شرط پر کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیشہ ہمارے پاس رہنا ہے۔ یہ تو اپنے اپنے احساس کی بات ہے۔ بندش کی نہیں......

اور ویسے بھی والدین کی محبت، !Infact کسی کی محبت میں بندش کی آمیزش، اس محبت کو کھوکھلا کر دیتی ہے اور والدین کا دِل اور گھر کا آنگن دونوں اپنے اندر ٹھنڈی چھاؤں لیے ہوئے ہیں کہ پنچھی جتنے لمبے سفر سے تھکے پیاسے واپس آجائیں تو وہ انہیں راحت کا احساس اور سکون کی نیند ہی تو دیتے ہیں ......حقیقت تو یہ ہے دانش میاں......''۔ بابا نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے ابا کو پکارا

''تمہیں ''انا'' کی ذات سے کوئی شکایت، کوئی گلہ، کوئی شکوہ نہیں، کیونکہ یہ بات ہم سب بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ ''انا'' نے اب تک ایسا کوئی قدم نہیں اُٹھایا، کوئی ایسا کام نہیں کیا جس میں ہماری رضامندی نہ ہو، جس سے ہم خوش نہ ہوں اور آج تک ہم اس کے ساتھ زندگی میں جہاں تک چلے ہیں فخر سے چلے ہیں......شرمندگی سے نہیں۔

ایک پل کے لیے مجھے اپنی اپنی جگہ ہر کوئی یہ سوچ کر یاد کر کے بتائے کہ ہم میں سے کسی کے لیے بھی ایک پل، ایک لمحے کے لیے شرمندگی کا باعث ''انا'' ہے؟''......

سب خاموش رہے......

آپ سب کی خاموشی، اعتراف کر رہی ہے کہ میری یہ بات صحیح ہے۔ حالانکہ منیر اور نعمان کی پرورش ''انا'' سے زیادہ اچھی ہوئی ہے اور اس پرورش میں زیادہ بھروسہ اور زیادہ خود اعتمادی شامل رہی ہے۔ اس کے مقابلے میں ''انا'' کی پرورش میں آپ لوگوں نے اپنی خود اعتمادی کو بچا رکھا......پھر بھی منیر اور نعمان کو اپنی زندگی کے روشن راستے ہم سے ذرا دوری پر نظر آئے تو اس میں کوئی برائی بھی نہیں۔ انہیں اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا پورا حق ہے! ویسے احساس خود سے ہونا چاہیے کیونکہ احساس دلانے کے بعد احساس کی شدت میں کمی ہو جاتی ہے اور وہ بے فائدہ سا، بے معنی سا لگتا ہے۔ ''احسن'' کے لیے اس سے بہتر Options تھی باہر جانے کے لیے۔ اسے پوری آزادی بھی تھی مگر اس نے اپنی آزادی سے اپنا فیصلہ کیا۔ اس میں بھی میرا اور تمہارا کوئی کمال نہیں۔

بڑا انسان بننے کے لیے ضروری ہے دانش میاں کے اپنی گزری زندگی کے مثبت پہلوؤں کو سامنے رکھ کر حالیہ زندگی کے فیصلے کیے جائیں اور مثبت پہلوؤں کو ہی ہمیشہ یاد رکھنے کی ضرورت بھی ہوتی ہے کیونکہ منفی اور تکلیف دہ یادیں تو ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں۔ یہ تو بھلانے سے بھی

نہیں بھولتی مگر ضروری نہیں کہ اپنی زندگی کے منفی پہلوؤں کو اپنی شناخت بنا کر اپنی نسلوں تک منتقل کرتے رہیں...... اور آنے والے اچھے وقت کو اپنے ہاتھوں سے تکلیف میں بدل دیں۔ اگر اپنی نسلوں تک کڑواہٹ منتقل کرنی ہوتی تو دانش میری زندگی میں جتنی کڑواہٹ ہے، اس سے تم اچھی طرح سے واقف ہو...... اولاد جو Deserve کرتی ہے، اسے کم سے کم اتنا تو دینا ہی چاہیے۔ تم نے جو آزادی کے متعلق اپنا خیال ظاہر کیا۔ حیرت ہے کہ تمہیں ابھی تک آزادی کا مطلب ہی نہیں معلوم...... تمہیں آزادی کا مطلب آتا ہوتا تو تم ایسا کبھی نہ کہتے کہ میں اتنی زیادہ آزادی کا قائل نہیں ہوں...... تمہارا کیا مطلب ہے کہ میں ''انا'' کو باہر بھیج کر بہت زیادہ آزادی دے رہا ہوں۔ تمہارے خیال سے باہر گھومنا پھرنا، اپنی زندگی کے لیے کامیابی کے راستے تلاش کرنا، بُری بات ہے اور تم تو آزادی کے بارے میں ایسے بات کر رہے ہو جیسے آزادی بہت بُری چیز ہے یا شاید گناہ ہے؟

''بھائی صاحب مَیں نے کہا کہ میں آزادی کا قائل نہیں ہوں۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں کوئی ایسی غلط بات کر رہا ہوں تو شاید آپ کے سوچنے کا انداز غلط ہو۔ میں اور اگر میری باتوں سے آپ کو لگا کہ میں آزادی کے مخالف ہوں تو ہاں میں ہوں۔ میں اس طرح زندگی گزارنے کی اجازت کم سے کم بیٹی کو نہیں دے سکتا''......

''ابا'' نے اپنی بات بڑے کڑوے لہجے میں کہی''......

''دانش تمہارا دماغ چل گیا ہے!...... آج مجھے حقیقت میں تم پر افسوس ہو رہا ہے۔ ''بابا'' نے پھر بڑے ٹھہراؤ سے ''ابا'' کو جواب دیا...... ''یار'' تمہاری سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آ رہی کہ تمام بچوں میں، ان کی طبیعت میں، ان کی عادات میں فرق ہوتا ہے اور اس فرق کو پہچان کر، بچوں کو سمجھ کر ان کے ساتھ انصاف اور محبت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر ان کی زندگی کے فیصلے کیئے جاتے ہیں...... اور یہ بھی سچ ہے کہ تمہیں واقعی ہی آزادی کا مطلب نہیں معلوم۔ کیا مَیں نے تمہاری پرورش ایسے ہی کی تھی۔ جیسے تم کر رہے ہو۔

کیا فرق ہے انسانوں میں اور جانوروں میں۔ اپنی حیاتیاتی انگیزش Biological Drives کے مطابق تو دونوں ایک جیسے ہیں تو پھر ایسی کون سی چیز ہے، ایسی کون سی خاصیت ہے جو انسان کو جانور سے ہٹا کر معتبر اور محترم کرتی ہے۔ انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیتی ہے۔

''میرے بھائی انسان ایک ایسا جانور ہے جو آزاد رہنا پسند کرتا ہے''۔ یہ آزادی ہی ہے جو انسان کو دوسرے تمام جان داروں پر مقدم کرتی ہے اور آزادی کا مطلب وہ نہیں جو تم اس

وقت اپنے ذہن میں لیے بیٹھے ہو، یا جوادیب، یا اخبار نویس اپنے اخباروں میں لکھتے اور ان میں واہ واہ کماتے رہتے ہیں۔ آزادی کا مطلب ہے کہ انسان جب اپنی ذات کے تقاضے کے خلاف اپنی مرضی اور اپنے اندر کے فیصلے کے مطابق کام کرتا ہے۔ سب کچھ آپ کے اپنے اختیار میں ہونے کے باوجود آپ اس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتے ہو۔ جب ہمارے پاس اختیار بھی ہو، اجازت بھی ہو، طاقت بھی ہو اور پھر بھی آپ وہ کام نہ کرو، یہ آزادی ہے...... کہ آپ مختار ہو...... صحیح اور غلط کے، مناسب اور صحیح کے۔ اصل آزادی ایک مناسب اور صحیح راستے کے درمیان چناؤ کا نام ہے اور اس کی ایک مثال تمہارے سامنے ''احسن'' کی شکل میں ہے اور دوسری مثال جسے تم کوس رہے ہو، اوپر بیٹھی ہے۔ یہ تمہاری اپنی اولادیں ہی ہیں، مگر تم سب کو لگ رہا ہوگا کہ نعمان اور منیر آزاد زندگی گزار رہیں ہیں اور انہوں نے اپنی آزادی کو حاصل کر لیا...... نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ حقیقت میں انہوں نے اپنی آزادی کو حاصل نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی آزادی کا سودا کیا ہے اور انسان کو سب سے زیادہ دکھ اسی وقت ہوتا ہے جس وقت وہ اپنی آزادی کا سودا کرتا ہے۔ چاہے اس میں اس کی مرضی ہو یا نہ ہو...... اور جب انسان اپنی آزادی کا سودا کرتا ہے تو حقیقت میں اس سے آزادی چھین جاتی ہے اور جب انسان سے آزادی چھنتی ہے تو اس سے انسانیت بھی چھین جاتی ہے اور پھر اس کی تڑپ، اس کی تکلیف کا اندازہ ایک عمر گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔ اپنے اختیار میں ہونے کے باوجود ان بچوں نے اپنی زندگی کو گھر کے ساتھ جوڑ لیا ہے۔ کیا ہم نے کبھی انہیں مجبور کیا؟ کبھی احساس دلایا؟ لیکن کہیں نہ کہیں ان کے دماغ میں یہ بات گڑ چکی ہے، کیونکہ میں آزاد ہوں اور میں اپنی سچائی اور انسانیت کے معیار سے گرنا نہیں چاہتا تو میرے لیے زندگی میں سب سے زیادہ اہم میرا اپنا گھر اور گھر والے ہیں، اس لیے یہ دونوں بچے ہمارے پاس ہیں...... اور یہ اپنی زندگی، اپنی آزادی کے باوجود ہمارے اصولوں، ہماری حدوں کے اندر گزار رہے ہیں اور دانش کسی کی خوبی کو، کسی بڑائی کو Forgarnted مت لو...... جس بچے میں جو خوبی، جو صلاحیت ہو، اسے اس کے سامنے سراہو، اسے Appreciate کرو...... تاکہ وہ زندگی میں دِل کھول کر آگے بڑھ سکے، نہ کہ اس کشمکش میں'' کہ پتہ نہیں میرا یہ قدم میرے والدین کو پسند آئے گا بھی کہ نہیں؟' تم ابھی ''انا'' کی صلاحیت کو Forgarnted لے رہے ہو...... اس کی خوبیوں کو اس کے لیے ایک سوالیہ نشان بنا رہے ہو۔

میری نظر سے دیکھو تو تمہیں پتہ چلے گا کہ جو خوبیاں ''انا'' کے اندر پوشیدہ ہیں، وہ باقی تینوں بچوں میں نہیں، مگر وہ تمہیں نظر نہیں آ رہیں، کیونکہ تم نے اپنی آنکھوں پر ایک روایتی

باپ کی پٹی باندھ رکھی ہے اور تم ''انا'' سے صرف جذباتی محبت کرتے ہو۔ تمہیں تمہاری جبلت سے جو محبت ملی ہے، بس تم اس حد تک محبت کرتے ہو...... تمہیں لگتا ہے کہ ''انا'' میری نرمی کا یا میرے پیار کا فائدہ اُٹھا رہی ہے اور وہ مجھے تمہارے خلاف یا اپنے لیے استعمال کر رہی ہے۔ میں بھی باپ ہوں اور اولاد کو سمجھتا ہوں۔ میں نے اپنے تینوں بیٹوں سے جذباتی محبت بھی کی اور جبلی محبت بھی، مگر ''انا'' کے ساتھ میرا رشتہ تم سب سے الگ ہے، اس لیے نہیں کہ میں اس سے حد سے زیادہ محبت کرتا ہوں یا میں اپنی محبت پر قابو نہیں رکھ پا رہا۔ ایسا نہیں ہے۔ میں نے ''انا'' سے جذباتی محبت کے ساتھ ایک learn کی ہوئی، سوچی ہوئی، عقلی محبت بھی کی ہے اور یہ محبت کسی مجبوری سے نہیں کی جاتی، یہ بھی انسان اپنی آزادی کے ساتھ سمجھ کر سوچ کر کرتا ہے اور مجھے اس بات کا فخر ہے کہ مجھے میری اس محبت سے دوگنا زیادہ return ملا ہے......

دانش تمہیں یہ لگ رہا ہے کہ ''انا'' نے میری بیماری کو ڈھال بنا کر تم سے اجازت کے لیے کہا ہوگا اور میں تمہیں مجبور کر کے اُسے تم سے اجازت لے دوں گا...... ایسا کچھ نہیں ہے۔

اسے تو یہ معلوم بھی نہیں کہ مجھے اس بات کا پتہ ہے کہ اس کا دبئی کا کوئی پروگرام ہے بھی کہ نہیں، اور میری بات پوری سننے سے پہلے ہی تم نے اپنی بحث شروع کر دی اور میری بات ادھوری رہ گئی...... چلو اس سے مجھے یہ تو پتہ چل گیا کہ تمہاری سوچ کا معیار کیا ہے۔

خیر مجھے آج ہسپتال میں یہ بات فرحان سے معلوم ہوتی تھی کہ پچھلے ایک ماہ سے دبئی میں ایک ہوٹل فرم نے ان سے رابطہ کیا اور وہ اپنے Tower کی Film اور Website بنوانا چاہتے ہیں اور انہوں نے اس کے لیے ان سے کہا ہے۔ انہیں ہماری ''انا'' کا کام پسند آیا ہے اور وہ اس انتظار میں ہیں کہ ''انا'' اُن کے لیے یہ تیار کرے اور اس کے لیے بقول فرحان، کام کے بہترین معیار کا تقاضا یہ ہے کہ ''انا'' خود وہاں جا کر تمام Design دیکھے اور ان کی Pictures وغیرہ اکٹھی کرے...... کیونکہ ''انا'' کے کام کا طریقہ میں فرق ہے...... جس پر فرحان اسے کبھی مطمئن نہیں کر سکتا، جبکہ ''انا'' نے فرحان سے کہا کہ تم جا کر تمام معلومات وہاں سے لے آؤ مگر فرحان نے اکیلے جانے سے انکار کر دیا۔ اس کے کہنے پر کہ ''انا'' خود جا کر اگر یہ وہاں تیار کرے گی تو اس سے بہت ممکن ہے کہ Internationally ان کی Production کو کافی نام ملے گا...... اور یہ ہی ایک سنہری موقع ہے، ان بچوں کے آگے بڑھنے کا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ ''انا'' اور فرحان کو ان کے کام کے لیے وہاں جانے دیا جائے اور فرحان کے ساتھ سوالیہ نشان لگانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ جتنا مطمئن میں احسن کے ساتھ ''انا'' کو بھیج کے ہوتا

ہوں، اتنا ہی اطمینان مجھے فرحان کے ساتھ بھی ہوگا کیونکہ انگلینڈ میں یہ دونوں بچے میرے سامنے ہی رہے ہیں اور فرحان کی شرافت پر مجھے کیا، کسی کو بھی کوئی شبہ نہیں...... جبکہ دوسری طرف ''انا'' نے فرحان کو اس بات پر سختی سے نہ صرف منع کر دیا بلکہ انکار کر دیا کہ میں نہیں جاؤں گی۔ میں ''بابا'' کو اپنے لیے مزید کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتی اور میری اس بات کے صرف ذکر سے ہی میرے ''ابا'' کوفت اور اُلجھن کا شکار ہوں گے اور میں اپنی وجہ سے گھر کے ماحول کو خراب نہیں کرنا چاہتی اور اس نے اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کیا اور نہ ہی اپنے رویے سے ظاہر کیا کہ وہ کسی ذہنی اُلجھن کا شکار ہے۔ کیوں زرقا بیٹی تم سے ''انا'' نے کسی بات کا ذکر کیا؟'' بابا نے زرقا بھابھی سے پوچھا۔

''نہیں بابا جان۔ اس نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا'' بھابھی نے جواب دیا۔

احسن تم سے تو کوئی بات کی ہوگی۔ بابا نے پھر احسن بھائی سے پوچھا۔

''نہیں بابا۔ اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی''...... احسن بھائی نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔

''کیوں دانش صاحب۔ یہ آزادی ہے ''اصل آزادی'' جس کا استعمال ''انا'' تمہاری اور میری اجازت کے بغیر کر رہی ہے۔ شاید ایسی آزادی کے خلاف تو تم نہیں ہو گے؟

یہ ''انا'' کا پاسپورٹ ہے۔

میں نے زبردستی کبھی کسی پر کوئی فیصلہ نہیں تھوپا اور نہ ہی تھوپنا چاہوں گا۔ تم ''انا'' کے باپ ہو۔ میرا تو پھر بھی اس سے دوسرا رشتہ ہے...... مگر ایک بات یاد رکھنا، جب تک والدین اولاد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کریں گے، انہیں اولاد کا ہر قدم ناجائز اور جذباتی ہی لگے گا لیکن اگر خود کو اولاد کی جگہ پر رکھ کر سوچو تو تم تمہیں بہتر فیصلہ کر سکتے ہو، اور میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میرے نزدیک بیٹے اور بیٹی کی کوئی تفریق نہیں اور نہ ہی میں اس تفریق میں پڑ کر اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی ضائع کرنا چاہتا ہوں۔

مجھے نہ اس دُنیا کا بھروسہ ہے، نہ وقت کا، نہ لوگوں کا اور نہ زمانے کا۔ مگر......

مجھے بھروسہ اپنے اللہ پر ہے اور مجھے بھروسہ میری اولاد اور اس کو دی ہوئی میری محبت اور تربیت پر ہے اور مجھے بھروسہ میری ''انا'' پر ہے...... اور یہ بھروسہ میرے لیے کافی ہے اور یہ بھروسہ، یہ اعتماد اس قدر مضبوط ہے کہ دُنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی اس میں بال برابر بھی دراڑ نہیں ڈال سکتی...... جب اولاد ماں باپ اور بزرگوں کی روایتوں پر پوری اُترتی اور ایک بار

بھی شکایت کے موقع نہیں دیتی تو ان کے لیے اس دُنیا کی سب سے بڑی طاقت صرف ان کے والدین کا اعتماد ہی ہوتا ہے......اور دانش تم یہ اعتماد نہ کر کے ''انا'' کے ساتھ بہت زیادتی کر رہے ہو......اور یاد رکھو......شاید میرے مر جانے کے بعد یہ بات تمہارے کام آئے...... بابا نے سخت لہجے میں کہا۔

خیال کی طاقت بڑی طاقت ہوتی ہے۔

صرف تمہاری مثبت سوچ، تمہاری دی ہوئی خود اعتمادی، تمہاری اولاد کی سب سے بڑی طاقت ہے اور مَیں ایک بات تم سب کو بتا دوں کہ تم لوگوں کے اس رویے کی وجہ سے ''انا'' بزدل ہو چکی ہے۔ ڈرتی ہے وہ لوگوں سے، ہم سے، دنیا سے، بس اتنا سوچو کہ جب ہم نہیں رہیں گے، جب وہ اکیلی ہوگی تو کیسے لڑے گی اس دُنیا سے؟ میں اس کے لیے جتنا کر سکتا تھا کیا اور جب تک زندہ ہوں، کروں گا، مگر ہمارے گھر میں خدا کی رحمت صرف ''انا'' کی شکل میں موجود ہے......اس رحمت کی ناشکری مت کرو اور دانش تم سے بہتر اس بات کی کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ جب والدین اولاد کی طاقت نہ بنے تو ساری دُنیا سے لڑنے کے باوجود بھی ہر فتح حاصل کرنے کے باوجود ان بچوں میں احساسِ ناکامی کبھی ختم نہیں ہوتا......ہم نے اپنے بچوں میں کامیابی کا، دلیری کا، بہادری اور انسانیت کا بیج بویا ہے اور اسے پھل دار درخت بننے سے روک بھی ہم ہی رہے ہیں۔

یہ بات بھی حقیقت ہے کہ اولاد کی طاقت اگر والدین ہیں تو والدین بھی اولاد کے بنا کمزور ہی ہیں......آگے تم لوگ کی مرضی، جیسے تم اور سائرہ چاہو، کرو۔ فرحان نے کہا تھا کہ تین دن کے اندر ہمیں وہاں پہنچنا ہوگا، اگر نہیں تو اسے بتا دینا، وہ انہیں منع کر دے گا، جبکہ ''انا'' کو یہ ہی معلوم ہے کہ فرحان نے اس کمپنی کو انکار کر دیا ہے''......

کمرے میں کچھ دیر خاموشی رہی،......اور پھر ''بابا'' نے احسن بھائی سے کہا۔

''احسن مجھے کمرے تک چھوڑ آؤ......زرقا بیٹی مجھے ایک گلاس دودھ کا دے دینا، میں کھانا نہیں کھاؤں گا''......

اتنا سننا تھا کہ میں بڑی احتیاط سے سیڑھیوں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

میں نے کمرے کو اندر سے lock کر دیا کہ یہ نہ ہو کہ کوئی اچانک میرے کمرے میں آ جائے۔ اس وقت میں شاید خود پر قابو نہیں رکھ پاؤں گی......بابا ٹھیک ہی کہتے تھے کہ اگر جاننا چاہو تو زندگی میں آنے والا ہر پل کچھ نہ کچھ بتا کر جائے گا اور زیادہ تر جاننا دُکھ کا باعث ہی ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ ہمارا چھوٹا سا گھر ہے اور اس چھوٹے سے گھر میں چند افراد کے

دِل میں کس قدر دُکھ اور کس قدر خدشات پوشیدہ تھے۔ انجانے میں ہی سہی مگر آج مجھے ''ابا'' کی ذات میں چھپی ان کی سخت مزاجی کی وجہ بھی معلوم ہوگئی تھی۔ میرے ''ابا'' نعمان بھائی اور منیر بھائی کی باہر رہائش پر خفا تھے۔ نالاں تھے مگر انہوں نے اس بات کا کبھی برملا اظہار نہیں کیا تھا۔ آج میری وجہ سے ہی سہی مگر انہوں نے اس بات کا اظہار تو کیا......اور میری ذات سے ان کی ناراضگی بھی غلط نہیں تھی۔ اپنے طور پر وہ کہیں نہ کہیں Insecurity کا شکار ہی تو تھے......وہ اپنے اندر ایک تکلیف لیے ہوئے تھے مگر وہ بھی تو اس بات کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔ واقعی اس بات کا احساس تو خود ہی ہونا چاہیے کہ ہمارے والدین ہم سے کیا چاہتے ہیں......اور پھر ان کی خواہش کوئی غلط بھی نہیں تھی کہ وہ بس یہ ہی تو چاہ رہے تھے کہ ہم اکٹھے، سب ساتھ رہیں......نہ جانے کیوں مجھے ''ابا'' کی یہ خواہش اس قدر معصوم لگی کہ اس وقت ابا میرے بارے میں جو بھی سوچ رہے تھے، وہ سب بالکل ٹھیک تھا......اور اب مجھے واقعی اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ میں یہ Project کروں یا نہ کروں......اگر ابا مجھے نہ بھیجنے پر مطمئن اور خوش تھے تو یہ خوشی ان کا حق تھی۔

مگر بحیثیت ایک بیٹی مجھے یقین تھا کہ بابا جیسی سوچ کے والدین اس دُنیا میں بہت کم ہیں......اور میں یا ہم چاروں احسن بھائی، منیر بھائی، نعمان بھائی اور میں اس دُنیا کے خوش نصیب ترین انسان ہیں کہ ہماری پرورش بابا جیسے انسان نے کی مگر اس لمحے مجھے حقیقت میں نعمان بھائی اور منیر بھائی پر حیرت تھی کہ وہ ایسے بزرگوں کی محفل اور سرپرستی سے خود کو محروم کیے ہوئے تھے......شاید میری حیرت سے زیادہ یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ وہ ایسی زندگی بسر کر رہے تھے......میں اپنی انہیں سوچوں میں گم تھی کہ میرے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی، اسی لیے دستک پر میں ایک دم سے ڈر گئی۔ دستک دوبارہ ہوئی۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے احسن بھائی کھڑے تھے۔

''سوگئی تھی کیا؟'' احسن بھائی نے آرام سے پوچھا......

''نہیں تو جاگ رہی تھی۔ کیوں خیریت ہے احسن بھائی۔ بابا ٹھیک ہیں؟''

''ہاں ٹھیک ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر تم سو نہیں رہی تو ان کی بات سن جاؤ''......

یہ کہہ کر وہ میرا جواب سنے بنا ہی مڑ گئے اور پھر ایک لمحے کو رُکے ''جیسے کچھ یاد آیا ہو......میری جانب مڑے ''انا'' کہہ کر وہ پھر رُکے۔ جیسے کچھ کہنا چاہ رہے تھے، مگر پھر ایک دم سے بولے۔ ''''انا'' جاؤ بابا کے پاس جاؤ۔ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' مجھے احسن بھائی بھی کچھ اُلجھے سے لگے، مگر آج دن تک میں نے احسن بھائی سے کبھی ایسے کسی بات کی وجہ نہیں پوچھی تھی اور آج بھی

ہمت نہیں پڑی، جبکہ وجہ کسی حد تک میں جانتی بھی تھی کہ وہ ضرور ''ابا'' یا ''بابا'' کی گفتگو سے کچھ Distrub تھے۔ خیر میں بابا کے کمرے میں گئی تو بابا اپنے بستر پر نیم دراز تھے اور وہ واقعی ہی میرا انتظار کررہے تھے۔

مجھے اس وقت اپنا آپ ایک مجرم ہی کی طرح لگ رہا تھا، کیونکہ حقیقت میں، مَیں نے بابا سے بات تو چھپائی تھی اور میں نہ تو انہیں اس لمحے کوئی صفائی پیش کرسکتی تھی اور نہ ہی ان سے یہ پوچھ سکتی تھی کہ انہیں ان سب سے یہ باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں......

مگر اس وقت ایک احساسِ شرمندگی ہی تھا میرے اندر، کیونکہ اس سے پہلے ایسا احساس میرے اندر کبھی نہیں ہوا تھا اور اس سے پہلے مَیں نے کبھی بابا کو کچھ بتائے بغیر فیصلہ بھی نہیں کیا تھا مگر اس فرحان نے سب گڑ بڑ کردی۔ میں دروازے کے پاس کھڑے ان ہی خیالوں میں گم تھی کہ بابا کی آواز پر چونک گئی اور ایک دم سے آگے بڑھی، کیونکہ ان پر اس وقت تو بالکل بھی یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ میں کچھ جانتی ہوں۔

''جی بابا آپ نے بلایا تھا''...... میں نے بابا کے کچھ اور کہنے سے پہلے اپنا سوال رکھ دیا اور ویسے بھی...... جس انسان سے دُنیا میں سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اگر ایسا کوئی وقت آئے تو سب سے زیادہ شرمندگی بھی اسی انسان کے سامنے محسوس ہوتی ہے اور میرا یہ طریقہ میرے خیال سے ان کے سامنے اپنی شرمندگی چھپانے کا ایک بہانہ ہی تھا...... یا پھر ایک فضول کوشش...... یا محض میرا خیال......

''آپ سو تو نہیں گئی تھیں؟ میں نے احسن سے کہا تھا کہ اگر آپ سو گئی ہو تو نہ جگائے''...... بابا نے تھکے ہوئے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔ بابا کے چہرے پر ابا سے کی گئی باتوں کے اثرات اب تک موجود تھے۔

''بابا جان میں تو جاگ ہی رہی تھی۔ کچھ کام کررہی تھی۔ ایک Project پر تو اسی کی File تیار کی تھی......سوئی تو نہیں تھی''...... میں نے بابا کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا اور بابا ''آپ نے کچھ کھایا، ابھی اور کچھ لیں گے''؟...... ''نہیں بیٹا ابھی احسن نے دوا دے دی ہے۔ میں اب سو جاؤں گا، بس آپ کو دیکھنا چاہتا تھا، اس لیے بلایا تھا''...... آج بابا مجھے مزید کوئی بات نہیں کہنا چاہتے تھے اور میں بھی یہ ہی چاہتی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے میں اس وقت بابا کے سامنے سے چلی جاؤں۔ جانے کیوں بابا کے چہرے پر موجود تھکن مجھے چبھ رہی تھی۔ اپنے آپ سے نفرت ہو رہی تھی اور اس سے زیادہ مجھے فرحان پر غصہ آرہا تھا...... کہ اس نے بابا سے ہسپتال میں ان کی

بیماری کو جان کر بھی ان سے بات کی......اس سے پہلے کہ میں بابا سے کچھ کہتی...... ''بابا نے مجھے خود ہی کہا کہ جائیں بیٹا آرام کریں......صبح آپ کو آفس بھی جانا ہوگا۔ میں اب بہت بہتر ہوں'' اور پھر میرے دل کی بات بابا نہیں جانیں گے تو کون جانے گا۔ میں نے بابا کا ہاتھ تھاما اور اسے چوم لیا......اور بنا کچھ کہے میں کمرے سے تیزی سے باہر نکل آئی۔ میں کمرے باہر نکلی تو جانے کب میری آنکھیں برس پڑیں، میرا من رو رہا تھا یا میری آنکھیں، اس کا مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا۔کافی دیر میں روتی رہی......اور پھر میں نے فرحان کو Call کی......

کافی دیر بعد اس نے فون اُٹھایا۔''ہاں ''انا'' سب خیریت ہے۔ بابا ٹھیک ہیں۔'' اس نے ہیلو کے بجائے مجھ سے یہ سوال کیا۔اس لمحے نہ جانے میں شاید بھلا بیٹھی تھی کہ میں بابا کی بیٹی ہوں اور مجھے صبر سے کام لینا چاہیے تھا مگر میں نے تہذیب اور تمیز کو بالائے طاق رکھ چھوڑا تھا...... ''تم نے کوئی کسر تو نہیں چھوڑی تھی۔تمہیں کس نے بڑا بنایا تھا...... میں نے تمہیں منع کر دیا تھا کہ میں کسی ایسے Project کے لیے Interested نہیں ہوں جو میرے گھر والوں کے لیے اُلجھن کا سبب بنے۔تمہاری وجہ سے آج میرے بابا پھر کٹہرے میں میری بے گناہی بیان کرنے، میرے حق میں صفائی دینے کے لیے کھڑے ہو گئے، لیکن تمہیں ان رشتوں کی کیسے پرواہ ہوسکتی ہے۔تمہارے پاس ایسے رشتے ہوں تو تمہیں ان کے تقدس کا احساس ہو۔ بابا ہسپتال میں تھے اور تم نے انہیں وہاں بھی پریشان کر دیا اور اس وقت گھر میں ہوئی تمام تلخ کلامی کے ذمہ دار تم ہو۔ میں تمہیں اپنا ہمدرد سمجھتی تھی فرحان مگر تم نے انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ تمہیں اگر اس Project کی اتنی ضرورت ہے اور اگر تمہیں دولت اور نام کمانے کا اتنا شوق ہے تو خود کرو۔ مجھے اور میری Family کو شامل مت کرو اور تمہیں ایسا کرنے کا کوئی حق نہ کبھی تھا اور نہ کبھی ہوگا۔اس لیے بہتر ہے فرحان کہ تم اپنی حد میں رہو...... کیونکہ ہر رشتے کی ایک حد ہوا کرتی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ ہمارا رشتہ ہماری حدوں کے اندر ہی رہے، کبھی بھی اس سے تجاوز نہ کرے......اس وقت تم میرے لیے دُنیا کے سب سے بُرے انسان ہو'' ......میں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ میں یہ سب باتیں کس دھن میں کہتی گئی، مجھے خود بھی اندازہ نہیں ہوا...... اس سے پہلے میں نے فرحان سے اس لہجے میں اور اتنے سخت الفاظ میں کبھی بات نہیں کی تھی۔

میرا سر پھٹ رہا تھا، میرے فون رکھنے کے فوراً بعد فرحان کی Call آئی۔فون بجتا رہا مگر میں نے Call racive نہیں کی۔اس لمحے حقیقت میں وہ مجھے دُنیا کا سب سے بُرا انسان لگ رہا تھا۔اس نے جب تیسری بار Call کی تو میں نے recive کی...... آگے سے بڑے

آرام سے بولا، میں نے Call اس لیے کی ہے کہ ہوسکتا ہے تم کوئی بات کہنا بھول گئی ہو، اگر بھول گئی ہو تو ابھی کہہ لو، ویسے ہم صبح آفس میں بھی ملنے والے ہیں، کوئی کسر رہ گئی ہو تو صبح پوری کر لینا بلکہ ایسا کرنا کہ ساتھ پستول لے آیا۔ کیا پتہ تمہیں ضرورت پڑے جائے...... دُنیا کے سب سے بُرے انسان کو مارنے کی۔ ابھی فِل حال ایک گلاس ٹھنڈے پانی کا پیو اور سو جاؤ۔

اور مس ''انا'' ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، اس دُنیا میں ہمارا رشتہ ہی ان چند رشتوں اور لوگوں میں سے ایک ہے جو مکمل طور سے اپنی جائز حدود کے اندر ہے اور یہ بات آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں کہ فرحان خان نے اپنی حدود کو پار کرنے کی کوشش تو دور، اس بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں۔ Any ways see you tomorrow & good night۔ یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور میں کافی دیر فون کو ہاتھ میں پکڑے گھورتی رہی...... وقت پر نظر پڑی تو رات کے 2 بج رہے تھے۔ ایک دم سے بابا کا خیال آیا کہ انہیں دیکھ آؤں مگر فرحان کے الفاظ کی بازگشت میں سنتی رہی...... اور بابا کے کمرے کی طرف چل دی۔ آہستہ سے ان کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ کمرے میں دھیمی سے روشنی تھی...... تھوڑا آگے بڑھی تو احسن بھائی بابا کے پاس زمین پر بیٹھے تھے اور انہوں نے سر بابا کے پاس پلنگ کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ وہ سامنے دیوار کو گھور رہے تھے، انہیں میرے آنے کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ میں بھی پاس جا کر خاموشی سے کھڑی ہوگئی...... وہ کافی دیر دیوار کو گھورتے رہے...... اور اچانک ان کی آنکھ سے آنسو نکلا جو اس مدہم روشنی میں چمک رہا تھا...... یہ دیکھ کر مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ احسن بھائی کی آنکھ میں آنسو...... وہ آنسو ان کی آنکھ سے نکل کر بڑی تیزی سے ان کے کان پر سے ہوتا ہوا، ان کے بالوں میں گم ہوگیا، مگر آنسو اتنی روانی میں تھے کہ وہاں ایک لائن سے بن چکی تھی...... اچانک میرے کانوں میں بھابھی کی آواز گونج رہی تھی کہ ''ہماری دوستی نے ہماری محبت کی جگہ لی تھی''...... اس وقت جانے کیوں مجھے احسن بھائی وہ نہیں لگے جو وہ نظر آتے تھے...... احسن بھائی نے اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور سیدھے ہو کر بیٹھے تھے کہ ان کی نظر مجھ پر پڑ گئی تو وہ ایک دم سے جھینپ گئے...... ''''انا'' تم اس وقت سوئی نہیں''، انہوں نے سرگوشی کے سے انداز میں پوچھا۔ میں نے ان پر اس وقت یہ ہی ظاہر کیا جیسے میں ابھی آئی ہوں۔ جی بھائی بابا کو دیکھنے آئی تھی...... آپ جا کر سو جائیں، صبح آفس جانا ہوگا۔ میں بابا کے پاس ہی ہوں''...... وہ کھڑے ہوگئے۔ ''نہیں ''انا'' تم جاؤ، میں نے آفس سے چھٹیاں لے لی ہیں...... آفس نہیں جاؤں گا، جب تک بابا ٹھیک نہیں ہو جاتے۔ تم آرام کرو۔ تم نے کل رات بھی آرام نہیں کیا اور دن کو بھی جاگتی رہی

اور پھر صبح آفس جانا ہوگا، میں تو گھر ہی ہوں گا اور بابا ٹھیک ہیں۔ میں نے دیکھا ہے، انہیں بخار بھی نہیں...... احسن بھائی مجھ سے نظریں چرا رہے تھے"! مگر...... اگر مگر...... کچھ نہیں، تم جاؤ۔ آرام کرو۔" انہوں نے قدرے سخت لہجے میں مجھے حتمی طور پر جانے کے لیے کہہ دیا تھا...... میں نے ان سے مزید بحث نہیں کی...... اور خاموشی سے کمرے سے نکلنے لگی۔ دروازے کے پاس جا کر میں نے ایک بار مڑ کر دیکھا تو احسن بھائی میری جانب ہی دیکھ رہے تھے...... میں نے ایک نظر انہیں دیکھا اور ایک نظر بابا پر ڈالی جو واقعی آرام سے سو رہے تھے، مگر ان دو دنوں میں بابا کافی کمزور لگنے لگے تھے۔ میں کمرے سے باہر آئی تو پھر خود کو اور فرحان کو کوسنے لگی کہ شاید احسن بھائی بھی میری وجہ سے دُکھی ہوئے کہ بابا کی اس حالت میں "ابا" اور "بابا" میں بحث ہوئی تھی اور اگر وہ ایسا سوچ بھی رہے تھے تو اس میں غلط تو کچھ بھی نہیں تھا۔ سب ٹھیک تھا......

وقت تو اپنی آب و تاب سے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، مگر وہ گزرتا وقت ہمیں کتنا پیچھے چھوڑ دیتا ہے، اس پر اعتراض نہ کبھی کوئی کر سکا ہے اور نہ ہی کبھی کوئی کر سکے گا۔

دوسری صبح میں آفس جانے سے پہلے بابا کے کمرے میں ہی تھے اور جاگ رہے تھے...... اخبار سامنے رکھے تھے اور احسن بھائی اور "ابا" دونوں ان کے پاس موجود تھے۔ "ابا" کو دیکھ کر میرے دِل کی دھڑکنیں ایک دم سے تیز ہوئیں...... اور ہمیشہ ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔ "ابا" نے میری جانب دیکھا اور خاموشی سے مجھے نظر انداز کر کے احسن بھائی سے بات کرنے لگے۔ میں نے ایک نظر احسن بھائی کی طرف دیکھا اور بابا بولے "'انا' بیٹے، آپ ابھی تک گئی نہیں۔ میرا تو خیال تھا کہ آپ آفس جا چکی ہوگی"۔ "بس "بابا" آپ سے اجازت لینے ہی آئی ہوں، اگر آپ کہیں تو میں نہیں جاتی ویسے بھی آج کل کوئی خاص کام نہیں ہے آفس میں اور جتنا ہے وہ فرحان اور شعیب صاحب دیکھ لیں گے"۔ میں نے ان کے قریب جاتے ہوئے کہا۔ "نہیں بیٹا آپ جاؤ۔ ویسے بھی ہر کام کو اس کے مقررہ وقت پر ہی کرنا چاہیے۔ اگر دیر ہو جائے تو پھر بہت دیر ہو جایا کرتی ہے۔ آپ جاؤ"، میں نے سر جھکایا تو بابا نے میرے سَر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا...... احسن بھائی نے ایک نظر میری طرف دیکھا...... میں نے پھر "ابا" کے سامنے سَر جھکایا تو انہوں نے بھی میرے سر پر ہاتھ پھیر دیا...... اور آرام سے بولے "جیتی رہو" میں اس وقت "ابا" سے نظریں نہیں ملا پائی۔ میں تیزی سے کمرے سے باہر نکل آئی اور کچن میں بھابھی اور امی کو بتایا کہ میں جا رہی ہوں۔ آج بھابھی اور امی کے تاثرات بھی کچھ عجیب تھے مگر اس وقت میں یہ نہیں جانتی تھی کہ ان کے یہ تاثرات میری حمایت میں ہیں یا مخالفت میں۔ بھابھی نے مجھے ناشتہ کرنے

کو کہا...... تو میں نے منع کر دیا۔نہیں بھابھی، میں ناشتہ نہیں کروں گی۔ آفس میں کچھ کھالوں گی۔ میں اپنا بیگ لیے پورچ میں آ گئی۔ محبوب چچا میری گاڑی صاف کر رہے تھے، انہوں نے گاڑی کی چابی مجھے دی۔ میں نے ابھی گاڑی پورچ سے باہر نکالی ہی تھی کہ زرقا بھابھی ہاتھ میں ایک ڈبہ لیے بھاگی آ رہی تھیں...... میں نے انہیں دیکھ کر گاڑی روک لی۔ ''شیشہ نیچے اُتارا۔ بھابھی کیا ہوا؟'' ...... ''''انو'' یہ لو کچھ سینڈوچز ہیں، آفس جا کر خود بھی کھا لینا اور فرحان کو بھی دے دینا'' ...... میں نے اُن سے ڈبہ لے لیا...... ''Have a great day'' ...... بھابھی نے مجھے Wish کیا اور میں نے مُسکرا کر گاڑی آگے بڑھائی......

میرے آفس پہنچنے سے پہلے فرحان آفس میں موجود تھا۔ شعیب صاحب مجھے Parking میں ہی مل گئے تھے۔ وہ اپنے کسی کام سے تھوڑی دیر کے لیے جا رہے تھے۔ میں آفس میں داخل ہوئی تھی کہ فرحان ایک دم سے بولا۔ ''ماشاء اللہ...... چشم ماہِ روشن دِل ماشادہ تشریف لائیں۔ مس ''انا'' آپ کی کمی شدت سے محسوس کر رہا تھا میں...... اور بندہ آپ کی مزید ڈانٹ، پھٹکار سننے کے لیے مکمل طور پر تیار ہے۔'' فرحان نے ہنستے ہوئے مخاطب کیا۔ ''Oh shut up تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو کہ میں نے تمہیں غلط ڈانٹا تھا۔'' ''میں نے کب کہا یہ۔'' فرحان اب سنجیدہ تھا...... میں بیگ Table پر رکھتے ہی اس پر برس پڑی ہی تو تھی۔ ''فرحان خودغرضی اور لاپرواہی کی ایک حد ہوتی ہے، تم نے تو تمام حدیں ہی پار کر ڈالیں...... تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی۔ ایسی بھی کیا خودغرضی فرحان کہ تم نے بابا کی صحت بھی نظر انداز کر دی'' ...... میرا اتنا کہنا تھا کہ فرحان بجلی کی سی تیزی سے اُٹھا اور میرے سامنے میرے اتنے قریب آ کر کھڑا ہو گیا کہ میں ایک دم سے سہم گئی...... میں اپنے میز کے پاس کھڑی تھی اور فرحان نے مجھے اس میز کے پاس ایسے گھیرے میں لیا کہ میرے لیے ذرا سی جنبش بھی محال تھی۔ ''بس ''انا'' مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں...... تم نے ہمیشہ ہر بات کو غیر اہم سمجھا اور میں ہمیشہ تمہارے اس رویے کو نظر انداز کرتا رہا...... مگر اب تم الزام تراشی پر اُتر آئی ہو اور وہ بھی ''بابا'' کے نام پر، جس بات کا پتہ نہ ہو، اس پر اتنے فتوے مت جھاڑا کرو...... بابا سے میری بات کن حالات میں ہوئی، یہ تم نہیں جانتی اور نہ ہی اس سب کے بعد میں تمہیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں...... اور مجھے اپنی صفائی تمہیں دینے کی ضرورت نہیں...... مگر اتنا یاد رکھو ''انا'' کہ میرا تمہارا رشتہ پاکیزگیوں کے حدوں کو چھوتا ہے، اور اس بے لوث رشتے کو بے لوث ہی رہنے دو...... میرے صبر کو مزید آزمانے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں خودغرض ہوتا، شہرت اور دولت کی ہوس مجھ میں ہوتی تو میں تمہارے ساتھ اس وقت

یہاں نہ ہوتا......مگر نہیں تم یہ سب نہیں سمجھ سکتی.....''

فرحان نے یہ سب باتیں میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اتنی سنجیدگی اور غصے سے کہیں کہ ایک لمحے کو میں حقیقت میں ڈر گئی تھی، کیونکہ یہ پہلی مرتبہ ہی تھا، جب فرحان نے مجھ سے اتنے غصے میں بات کی تھی.....''یہ تمہاری اپنی عظیم سوچ پر ہے انا۔ اس کے علاوہ میں تمہیں اور کچھ نہیں کہوں گا.....اور اگر میرے تمہارے اتنے سالوں کے ساتھ سے تم نے یہ ہی نتیجہ نکالا ہے تو اس پر بھی تمہارا شکریہ.....یہ تمہارا آفس ہے.....اور یہ تمہاری زندگی.....میرا یہاں ہونا ہی غلط ہے، کیونکہ میرا ہر کام، میری ہر بات تمہیں ہمیشہ سے ہی غلط لگتی ہے.....''انا'' ہو سکے تو اپنے نام کے اثر سے ہٹ کر سوچو.....تو سمجھ آ ہی جائے گا کہ حقیقت کیا ہے۔ اور Please اب میں اور زیادہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم مجھے forgranted لیتی رہو اور میں جان بوجھ کر خود کو forgranted بنواتا رہوں.....یہ کہہ کر وہ تیزی سے اپنے Computer Table کی طرف بڑھا اور کچھ Type کرنے لگا۔ میں سانس روکے وہیں کھڑی رہی.....کچھ دیر بعد اس نے غصے سے table پر ہاتھ مارا اور گلاس اُٹھا کر سامنے دیوار پر مار دیا۔ زوردار آوازوں سے میرا وجود ایک دم سے کانپنے لگا.....میری آنکھوں میں ایک دم سے آنسو آ گئے.....اس نے پھر table پر CDs کو جھٹکے سے زمین پر پھینکا.....تیزی سے اُٹھا.....میں نے Mail type کر دی ہے۔ تمہارے آفس میں Internet کی سروس نہیں آ رہی، تھوڑی دیر میں آ جائے گی تو mail کو send کر دینا.....تا کہ وہ Company کسی اور کو اپنا Project دے دے.....یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر چلا گیا۔ جاتے ہوئے اس نے دروازہ اتنی زور سے بند کیا کہ ایک مرتبہ پھر میرا دِل ہل گیا۔ میری آنکھوں سے آنسو میرا چہرہ بھگوتے رہے کہ اسی لمحے دروازہ کھلا۔ فرحان اندر آیا اور اپنے table کے دراز کو تیزی سے کھولا۔ وہ اپنی گاڑی کی چابی اور والٹ بھول گیا تھا۔ وہ لے کر دوبارہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس نے ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا.....میں نے اپنے چہرے کو صاف کیا اور اس کے table سے گری چیزوں کو اُٹھا کر table پر رکھا۔ ابھی میں نے کمپیوٹر سکرین کی طرف نہیں دیکھا تھا کہ سامنے پڑے گلاس کے ٹکڑوں پر میری نظر پڑی۔ میں نے وہ ٹکڑے اُٹھا کے ابھی کوڑے دان میں ڈالے تھے کہ باہر سے دو تین لوگوں کی باتوں کی آوازیں آنے لگیں.....

اس لمحے میں ابھی کھڑی ہی ہوئی تھی کہ فرحان مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں میں بس ذرا کچھ Dvds لینے جا رہا تھا۔ Please آئیں.....میں حیرت

سے دیکھ رہی تھی کہ یہ کس کو کہہ رہا ہے۔ابھی کچھ لمحے پہلے ہی تو بڑے غصے میں باہر گیا تھا......اور ابھی مسکرا کر کسی کو اندر آنے کی دعوت دے رہا ہے۔اس کشمکش میں تھی کہ احسن بھائی کمرے میں داخل ہوئے...... میں نے جلدی سے اپنے چہرے کو اپنی ہاتھوں کی پشت سے...... سے رگڑ دیا......اسی لمحے احسن بھائی کے پیچھے ''ابا'' اندر داخل ہوئے۔میری اس لمحے حیرت کی انتہا ہی نہیں رہی۔ مجھے ایک دم سے چکر سا آیا۔ میں نے میز کے سہارے سے خود کو سنبھالا......''ابا'' احسن بھائی۔ میں ساکت کھڑی انہیں دیکھتی رہی...... احسن بھائی نے آگے بڑھ کر مجھے پکارا ''''انا''۔'جی'......''ابا'' ''آپ خیریت سے ہیں، بابا خیریت سے ہیں''؟ کیونکہ اس وقت تو مجھے آفس پہنچے آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا...... ''کیوں''انا'' ہمارا تمہارے آفس میں آنا منع ہے کیا؟'' ''ابا'' نے نرم لہجے میں کہا...... ''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں، وہ آپ اچانک آگئے نا، اس لیے۔ میں اسی حیرت میں تھی کہ باہر سے شعیب صاحب بھی آگئے اور ان کا تعارف میں نے ابا سے کرایا۔احسن بھائی سے تو پہلے بھی مل چکے تھے۔کمرے میں سب اکٹھے ہوگئے۔فرحان نے آگے بڑھ کر بے دھیانی میں اپنی کرسی پر احسن بھائی کو بیٹھنے کے لیے کہہ دیا اور وہ بے خیالی میں وہاں بیٹھ گئے۔ میرے آفس میں چونکہ صرف میرے اور فرحان کے tables تھے، اس لیے وہاں زیادہ کرسیاں نہیں تھیں۔ابا میری کرسی پر بیٹھ گئے اور سامنے پڑی ایک کرسی خالی تھی۔ میں تو حیرت کے مارے جہاں تھی، وہیں سانس روکے کھڑی رہی......شعیب صاحب ملنے کے بعد یہ کہہ کر باہر چلے گئے کہ آپ کے لیے اچھی سی کافی لے کر آتا ہوں۔''فرحان بیٹے آجاؤ، یہاں بیٹھ جاؤ'' فرحان کمرے میں پڑے ہوئی اکلوتی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں اس وقت جس کشمکش میں تھی، اس وقت اس کیفیت کو میں خود بھی کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ خوشی، حیرت، بے چینی، دُکھ تمام تر کیفیات اکٹھی ہی تو تھیں۔ میں بالکل خاموش تھی اور احسن بھائی کی طرف جب دیکھا تو وہ مجھے ہی دیکھ رہے تھے...... جب میری نظر ان کی نظروں سے ٹکرائی تو انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ دی مجھے۔ میں ایسی کیفیت میں تھی کہ جواباً انہیں مسکراہٹ بھی نہیں دے پائی......

فرحان ''ابا'' سے باتیں کر رہا تھا۔ بابا کی خیریت دریافت کی۔ایسا ہی ہوتا ہے جب بہت ساری چیزیں اکٹھی مل جائیں تو انسان اپنی سمجھ بھی کھو دیتا ہے۔ میں اپنے table کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔ابا فرحان سے اس کے کام کے متعلق بات کر رہے تھے کہ اس دوران میرے فون پر massage کی tone بجی۔ میں نے اسے اُٹھنا ضروری نہیں سمجھا۔ میں، فرحان اور ''ابا'' کی باتیں سن رہی تھی، جبکہ احسن بھائی خاموشی سے کبھی میری طرف دیکھتے اور کبھی ابا کی طرف۔

اسی دوران میرے فون پر ring ہوئی، مجبوراً مجھے cell فون اُٹھانا پڑا، اس پر احسن بھائی کا نمبر display ہو رہا تھا۔ فرحان اور ابا اپنی باتوں میں تھے۔ میں نے ایک نظر احسن بھائی کی طرف دیکھ کر call کو reject کر دیا۔ اسی دوران انہیں کا massage سامنے آ گیا، جس میں لکھا تھا ''انا'' اپنا ہاتھ دھو کر آؤ۔ اس میں سے خون بہہ رہا ہے۔ میں نے ایک نظر احسن بھائی کی طرف دیکھا جنہوں نے ایک نظر مجھے دیکھا اور پھر ''ابا'' کی طرف متوجہ ہو گئے، جیسے جان بوجھ کر مجھے نظر انداز کیا ہو۔ میں نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا تو اس سے واقعی ہی خون بہہ رہا تھا۔ میں جلدی سے کمرے سے باہر چلی گئی...... اور واپسی پر شعیب صاحب کے ساتھ coffee لے کر اندر آئی۔ سب کو coffee دی اور سب coffee پینے لگے۔ شعیب صاحب اجازت لے کر اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ میں نے اپنے ہاتھ میں ٹشوز پکڑ رکھے تھے تاکہ اگر مزید bleeding ہو تو اسی میں جذب ہو جائے...... coffee پینے کے بعد ''ابا'' نے فرحان کو ہی مخاطب کر کے کہا، ''ہاں فرحان میاں وہ کل تم اپنے کسی Project کے متعلق بات کر رہے تھے، جو غالباً دبئی میں ہے اور تمہاری صلاح تھی کہ تم اور ''انا'' خود وہاں جا کر اس پر کام کرنا چاہتے ہو''...... فرحان کچھ لمحے خاموش رہا اور پھر بڑے آرام سے بولا۔ انکل وہ بات اصل میں یہ ہے کہ...... ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ احسن بھائی نے ایک دم سے اس کی بات کاٹ دی......

''یار فرحان تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ہمیں اس کے متعلق کچھ معلوم ہی نہیں...... واقعی وہ Project اور وہ Party بڑی Strong ہے اور حقیقت میں اگر تمہیں اس کی طرف سے Positive feed back ملا تو تم دونوں کے لیے بہت بہتر ہے بلکہ یہ تو international level پر جائے گا۔ ابا جان اسی میں تم دونوں سے آج بات کرنا چاہ رہے ہیں۔ فرحان نے حیرت سے احسن بھائی کو دیکھا''......

''ہاں ''انا'' میں اسی لیے آج آیا ہوں۔ سوچا آپ لوگوں کو دفتر میں ہی جا کر مل بھی آؤں۔ ابا نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہاتھ باہر نکالنے پر ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا پرزہ اور ایک عدد پاسپورٹ تھا۔ انہوں نے پاسپورٹ اور کاغذ میری جانب بڑھایا۔ یہ لو ''انا'' یہ تمہارا دبئی کا ویزا ہے اور تم دونوں کے ٹکٹ ہیں۔'' دو دن کے بعد کی تم دونوں کی فلائیٹ ہے۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بے نکلے۔ میں نے اپنا چہرہ جھکا لیا۔ احسن بھائی نے فرحان کے پاس جا کر کہا، ''یار ایسی offers روز روز نہیں ملا کرتی۔ تو بہتر ہے کہ تم دونوں اس پر کام کرو۔ ہوسکتا ہے یہ ہی تمہاری کامیابی کی پہلی سیڑھی ہو۔

یہ بھی قدرت کا عجب دستور ہے یا انسان کی فطرت کہ جب حد سے زیادہ خوش ہوتا ہے، تب بھی آنسو ساتھ ہوتے ہیں اور جب بے حد دُکھی ہوتا ہے تو بھی آنسو کا سہارا لیتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر ابا کے ہاتھ سے پاسپورٹ لے لیا۔ میں ایک لفظ بھی نہ بول سکی اور فرحان بھی اس سلسلے میں خاموش رہا۔ ابا نے آگے بڑھ کر میرے سَر پر ہاتھ رکھا اور بولے...... ''بیٹا اولاد والدین کی سب سے بڑی کمزوری بھی ہوتی ہے اور سب سے بڑی طاقت بھی۔ اب یہ اولاد پر منحصر ہے کہ وہ والدین کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھاتی ہے یا پھر ان کی کمزوری میں ان کے لیے طاقتور ڈھال بنتی ہے۔ اس سے زیادہ مَیں تم دونوں سے اور کچھ نہیں کہوں گا۔ اب ہم چلتے ہیں، گھر بھائی صاحب ہمارا انتظار کرتے ہوں گے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے دروازہ کھولا۔ احسن بھائی آگے ہو کر مسکرا کر فرحان سے گلے ملے۔ مجھے بس ایک نظر دیکھا ہی تھا اور خاموشی سے باہر چلے گئے۔ فرحان اور میں انہیں گاڑی تک چھوڑنے گئے۔ ان دونوں کے جانے کے بعد ہم اپنے آفس واپس آئے۔ فرحان خاموش تھا اور میں بھی۔ وہ اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا...... میں خاموشی سے اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔ میں نے ایک نظر فرحان کی طرف دیکھا، وہ اپنے ہاتھوں میں سَر لیے بیٹھا تھا، اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتی، فرحان نے بولا: ''''انا'' یہ تمہارا ذاتی اور صرف تمہارا فیصلہ ہے۔ اس وقت احسن بھائی اور انکل کے سامنے میں کسی بات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں Normal ہی رہا ہوں۔ مَیل لکھی تھی تم Please اسے forward کر کے گھر والوں کو منع کر دینا کہ ہمارا ایسا کوئی Program نہیں اور Please اس بار مجھے کوئی الزام مت دینا۔ انکل سے میں نے کوئی بات نہیں تم خود بتا دینا جو بھی مناسب سمجھو۔

☆

فرحان نے مجھ سے اتنا ہی کہا تھا کہ میں نے اگر بڑھ کر اس Mail کو delete کرنا چاہا، مگر جب میں کمپیوٹر کی سکرین کے سامنے گئی تو اُدھر لکھا تھا۔ (''لڑنا جھگڑنا زندگی کی علامت ہے مگر لڑائی جھگڑے میں اپنی زندگی کے اہم فیصلوں سے دست بردار ہونا اور زندگی کو روک دینے کا فیصلہ کرنا، زندگی جیسی نعمت کی توہین ہے۔ اپنی زندگی کے بہترین مقاصد کے حصول کے لیے بڑھتے ہوئے قدم پیچھے کرنا بزدلی ہے اور اتنا مجھے پتہ ہے کہ انا اور فرحان بزدل لوگوں میں سے نہیں۔ ''احسن''......)

فرحان یہ دیکھو! میں نے فرحان کو ایک دم سے بلایا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ احسن

بھائی نے تمہاری Mail پڑھ لی تھی''...... فرحان نے بھی وہ پڑھا،''اس لیے احسن بھائی نے میری بات کاٹ دی تھی، ورنہ میں اس وقت نکل کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ ہم نہیں جا رہے۔ He is a great man......فرحان نے میل پڑھنے کے بعد میری طرف دیکھا اور بولا۔ دیکھو کافی لوگ بہت Concern ہیں تم سے''انا'' اور اس کا ثبوت یہ ہی ہے۔ فرحان خاموشی سے وہاں بیٹھا رہا۔ میں نے اپنے Table پر جانے کے بعد اپنے ہاتھ سے ٹشو ہٹائے جو کہ اس وقت میرے ہاتھ سے چپک چکے تھے۔ میرے منہ سے ایک دم سے نا چاہتے ہوئے بھی آہ نکل گئی، جس پر فرحان نے میری طرف دیکھا۔''کیا ہوا''انا''؟'' میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا،''کچھ نہیں''......وہ اُٹھ کر میرے پاس آیا......اس نے میرا ہاتھ دیکھا۔''یہ کیا ہوا؟......وہ گلاس اُٹھاتے ہوئے میرے ہاتھ میں شاید لگ گیا، کانچ کا ٹکڑا، مگر اب ٹھیک ہے۔'' پاگل ہو گئی ہو اُٹھو ابھی چلو یہ Septic ہو جائے گا۔ ابھی چلو ڈاکٹر کے پاس۔'' فرحان نے مجھے فکرمندی سے کہا......''نہیں اس کی ضرورت نہیں، فرحان ٹھیک ہو جائے گا۔ ابھی تو خون رُک گیا ہے۔'' میں نے اس پر چپکے ہوئے ٹشو کو کھینچ کر اُتارا تو دوبارہ سے خون بہنے لگا۔'' پاگل ہو گئی ہو Its still bleeding۔ اُٹھو ابھی''انا'' میں کچھ کہہ رہا ہوں۔'' فرحان نے مجھے بازو سے پکڑ کر اُٹھایا۔''اس وقت کیوں نہیں بتایا، پاگل لڑکی''......اس نے جلدی سے شعیب صاحب کو آواز دی۔ شعیب صاحب میں''''انا'' کو یہ قریب ہی کلینک لے کر جا رہا ہوں۔ آپ Please ذرا خیال رکھنا''، تھوڑی دیر کے لیے وہ بھی پریشان ہوئے۔ میں نے انہیں تسلی دی کہ''اتنی بھی نہیں لگی، یہ تو ویسے ہی پریشان ہو جاتا ہے۔ نہیں بیٹا جاؤ Dressing کرا لو تو بہتر ہے۔''

فرحان نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی۔ میں اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کی یہ فکرمندی مجھے اُلجھا بھی رہی تھی اور اچھی بھی لگ رہی تھی کہ چلو اسی بہانے اس کا غصہ تو کم ہوا......ہسپتال جا کر اس نے ایمرجنسی میں میری Dressing کرائی۔ سامنے کھڑے ڈاکٹر سے وہ ضروری ہدایات لے رہا تھا۔ Blue کلر کی جینز پر Black سویٹر اور Black جیکٹ میں وہ کافی سمارٹ بھی لگ رہا تھا اور فرحان ان چند لوگوں میں سے تھا جو غصے میں زیادہ پیارے لگتے تھے......اور آج وہ واقعی بہت پیارا لگ رہا تھا۔ مجھے اس وقت احساس ہوا کہ میں نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کر دی۔ مجھے اس سے جھگڑنے کا تو حق تھا مگر اس پر الزام تراشی کا حق تو کسی کو بھی کسی پہ نہیں ہوتا تو میں اس پر الزام لگا کر حقیقت میں اس کے ساتھ زیادتی کر چکی تھی جس پر اب میں شرمندہ بھی تھی......مگر یہ بھی پہلی بار تھی کہ میں اسے ایک دم سے Sorry کہنے سے ڈر رہی تھی۔

ہم واپس آفس آئے۔ میرا ہاتھ زخمی تھا۔اس نے میرے لیے چائے بنوالی اور بھابھی کے دیئے ہوئے سینڈوچ میرے سامنے رکھ کر کہا’’ کچھ کھالو۔تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔‘‘ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک غصہ میں تھا۔ وہ میرے سامنے چیزیں رکھنے کے بعد اپنے table پر جا کر بیٹھ گیا...... میں نے ایک سینڈوچ لیا اور ڈبہ اُٹھا کر اس کے سامنے لے گئی۔

’’فرحان یہ بھابھی نے تمہارے لیے بھی بھیجے تھے۔تم بھی لو‘......اس نے انکار کر دیا۔’’نہیں مجھے بھوک نہیں ہے،تم کھاؤ‘‘......’’Please فرحان۔‘‘اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ اور کہتی،اس نے میرے ہاتھ سے ڈبہ کر لے کر اپنے table پر رکھ لیا۔’’جاؤ، مجھے جب بھوک لگے گی، میں کھا لوں گا۔ Do not worry‘‘......اس نے پھر مجھے نظر انداز کر دیا۔ میں خاموشی سے اپنے table پر چلی گئی۔ میں بار بار اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس نے مجھے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور شعیب صاحب کے ساتھ کام میں Busy کر لیا خود کو۔

شام کو گھر جانے کا وقت آیا تو اس نے خود مجھ سے پوچھا۔’’تمہارا ہاتھ زخمی ہے، Drive کر لو گی یا میں گھر چھوڑ آؤں‘‘...... میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔’فرحان‘...... میں اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔’’میں جو پوچھ رہا ہوں، اس کا جواب دو نا۔گھر خود چلی جاؤ گی، Drive کر سکتی ہو، یا میں Drop کر آؤں تمہیں‘‘......ایک پل کو مجھے پھر اس پر غصہ آ گیا۔

’’نہیں میں چلی جاؤں گی۔ Thanks، مجھ پر مہربانی کرنے کی ضرورت نہیں۔‘‘

’’میں نے جل کر کہا‘‘۔

’’Ok۔ٹھیک ہے تو پھر چلی جانا۔ میں جا رہا ہوں...... Bye۔‘‘ میں اسے دیکھتی رہی اور وہ مجھے دیکھے بغیر کچھ کہے بغیر چلا گیا۔فرحان نے ایسا پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔اس کا مطلب یہ ہی تھا کہ اگر وہ ایسا React کر رہا تھا تو کہیں نہ کہیں اس کی ذمہ دار میں ہی تھی۔ میں اس پر پشیمان بھی تھی اور مجھے طریقہ بھی نہیں آ رہا تھا کہ میں اس کو مناؤں گی کیسے، کیونکہ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھا کہ مجھے منانا نہیں آتا تھا۔اپنی غلطی کو ماننے کے باوجود میں روٹھے ہوئے کو منا نہیں سکتی تھی...... نا جانے کیوں مگر میں اس کوشش میں ہمیشہ ناکام رہتی تھی۔ دوسرا فرد یہ ہی سمجھتا رہتا تھا کہ میں ’’انا پرست‘‘ ہوں، مگر اسے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس کو ناراض کر کے خود میں اس سے زیادہ تکلیف میں ہوں۔اپنی جگہ جلتی رہتی ہوں مگر مجھے دوسرے کو منانے کا طریقہ آج دن تک نہیں آیا......اور اپنی اسی خامی کی وجہ سے میں بہت کم گو ہو گئی اور اب تو مجھے واقعی

لوگوں سے بات کرنے کا سلیقہ بھی بھول چکا تھا۔ میں عام بات چیت کی تہذیب اور طریقہ بھول چکی تھی۔ اس لیے مجھے ہر لمحے کسی نہ کسی کے سہارے کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ کبھی بابا کی شکل میں، کبھی بھابھی کی شکل میں، کبھی احسن بھائی کی شکل میں اور کبھی فرحان کی شکل میں......

میرے ساتھ شروع سے زندگی نے ایسا ہی کیا تھا۔ کبھی مکمل خوشی مجھے نہیں دی تھی...... خوشی ملتی تھی مگر ادھوری۔ آج میری زندگی کا سب سے اہم دن تھا۔ آج میرا آفس بننے کے بعد ابا پہلی مرتبہ اتنی دیر کے لیے میرے آفس میں بیٹھے تھے اور انہوں نے مجھے اتنے بڑے فیصلے میں اجازت بھی دی تھی مگر فرحان کی وجہ سے میری یہ خوشی بھی ادھوری رہ گئی۔

میں گھر چلی گئی۔ گھر جانے پر بھابھی اور امی مجھ سے زیادہ خوش تھیں اور بھابھی نے کہا کہ ''تمہاری Shopping کرنی ہے تو اس لیے بازار جانا ہوگا۔'' میں ان دونوں کی خوشی سے بھی حیران تھی۔ امی نے میرے سَر پہ ہاتھ پھیر کر کہا۔ ''میری بیٹی کو کامیابی ضرور ملے گی۔ میری دُعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں اور مجھے اس بات پر بھی پورا یقین ہے کہ میری بیٹی کبھی ہماری شرمندگی کا سبب نہیں بنے گی''......

مجھے احساس تھا کہ والدین کے اندر اپنی اولاد کے لیے ایک انجانا خوف ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔ اس لیے مجھے ابا اور امی کا محتاط رویہ اور جملے بُرے نہیں لگ رہے تھے مگر مجھے اس بات کا ڈر ضرور تھا اور پہلے سے زیادہ احساسِ ذمہ داری بڑھ گیا تھا کہ انجانے میں مجھ سے کبھی کچھ بھی ایسا نہ ہو جوان کے لیے واقعی شرمندگی کا باعث بنے...... میں لاونج میں بھابھی اور امی کے پاس ہی تھی کہ احسن بھائی آ گئے۔ انہوں نے ایک تفصیلی نظر مجھ پر ڈالی اور پھر میرے ہاتھ کی طرف غور سے دیکھا جو کہ میں نے ابھی تک اپنے کوٹ کی جیب سے باہر نہیں نکالا تھا۔ احسن بھائی کو دیکھ کر مجھے کسی حد تک شرمندگی ہوئی، مگر اس وقت دفتر میں ہوئی کسی بات کا ذکر نہیں کرنا چاہ رہی تھی...... انہوں نے بھی یہ ہی ظاہر کیا کہ جیسے سب نارمل ہے...... انہیں دیکھتے ہی میں نے وہاں سے نکلنا چاہا کہ ''میں بابا کو مل کر آتی ہوں'' ...... امی نے ایک دم سے کہا، ''ہاں جاؤ...... میں تمہارے لیے چائے بنواتی ہوں'' ...... ہاں '''' انو'' سنو بازار کب جانا ہے، ابھی یا کل؟...... ''بھابھی Please کوئی Shopping نہیں کرنی۔ بہت کپڑے ہیں۔ انہیں میں سے کوئی Slect کرلوں گی اور ویسے بھی میں وہاں کام کے سلسلے میں جا رہی ہوں۔ میرے کپڑے کوئی نہیں دیکھے گا'' ...... بھابھی نے شرارت سے کہا ''جسے دیکھنے ہوں گے، وہ دیکھ لے گا۔ تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ کون دیکھے گا اور کون نہیں...... بس تم چلو اور Shopping کے لیے تو

تمہیں جانا ہی ہوگا، چاہے ابھی چلو یا کل۔ سنا لیا''...... بھابھی نے فیصلہ سنا کر مسکرا کر امی کی طرف دیکھا۔ امی نے اپنی مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دباتے ہوئے مجھے کہا تم جاؤ بابا کو مل کر آؤ۔ احسن بھائی خاموشی اور سنجیدگی سے یہ سب دیکھتے رہے......میں وہاں سے چلی گئی......

بابا اپنے کمرے میں تھے، مگر ابھی وہ Bed پر نہیں تھے۔ اپنی Study سے کوئی کتاب لینے کے لیے اُٹھے تھے شاید میں نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا......انہوں نے میرے ماتھے پر پیار کیا۔ ''کیسی ہے میری بیٹی اب......سنا ہے بھئی آپ کہیں جارہی ہیں......بھئی اس بار تو آپ کے ابا سے ہی معلوم ہوا۔ آپ نے خود کچھ بتایا ہی نہیں''......میں نے حیرت سے بابا کی طرف دیکھا کہ بابا مجھ سے اس بات کو چھپا رہے ہیں، جبکہ میرے ذہن میں تھا کہ میں بابا سے یہ ضرور پوچھوں گی اور اس پر سب سے بڑی بات یہ کہ بابا کی بیماری کی حالت میں مَیں کیسے جاسکتی ہوں۔

اس پل بابا مجھ پر یہ ظاہر کیوں نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ مجھے نہیں پتہ تھا مگر میں نے یہ بات خود سے بابا سے کرنا مناسب نہیں سمجھی......مگر میں نے بابا سے یہ ضرور کہہ دیا کہ ''بابا ضروری نہیں کہ میں جاؤں......آپ بتائیں کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ دوا کھائی۔ دوبارہ بخار تو نہیں ہوا؟''تو بابا نے مجھے مسکرا کر اس کا جواب دیا۔ ''بیٹا جان آپ کے بابا اب اتنے بھی کمزور نہیں ہیں کہ ذرا سے ہاتھ کی خراش اور ذرا سے بخار سے میں بستر پر پڑ جاؤں گا۔ ابھی تو بالکل Fit ہوں، دیکھو لو آپ کے سامنے ہوں''؟......میں نے مسکرا کر انہیں دیکھا......''اللہ کا شکر ہے۔ چلیں میں Change کر کے آتی ہوں، پھر بیٹھ کر گپ شپ کریں گے۔'' میں بس اتنا کہہ کر کمرے سے باہر آگئی، اگر بابا مجھ سے اس بات کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے تو ضرور کوئی وجہ ہوگی، کیونکہ میں نے بھی وہ سب چھپ کر ہی تو سنا تھا۔ اس لیے خود سے بتانے کی ہمت مجھ میں بھی نہیں تھی۔ میں نے کمرے میں آکر کوٹ وغیرہ Change کیا......اس وقت یہ ہی خیال تھا کہ فرحان کا موڈ بھی نہیں اور ویسے بھی اس trip کی وجہ سے اتنی بدمزگی گھر میں ہو چکی تھی......اس لیے بہتر تھا کہ میں اس trip کو Cancel ہی کر دوں۔ میں نے بڑے بازو والی سویٹر پہن لی تھی، جس میں میرا ہاتھ چھپا رہے کیونکہ اس وقت میں اس موڈ میں تو بالکل بھی نہیں تھی کہ میں اپنے ہاتھ کے Issue کو disscuss کرتی پھروں۔ جب میں نیچے گئی تو احسن بھائی، بھابھی اور امی لاؤنج میں ہی چائے پر میرا انتظار کر رہے تھے۔ جب میں لاؤنج میں داخل ہوئی تو بھابھی نے ایک دم سے پھر کہا۔ ''چلو''انو'' بتاؤ کب چلنا ہے۔ ابھی یا کل چلیں اور ویسے بھی ایک دن میں تو Shopping نہیں ہوگی۔ کچھ آج کر لیتے ہیں، باقی کر لینا۔''

''بھابھی جان میرا تو ابھی جانے کا Program بھی final نہیں ہوا اور آپ Shopping کی تیاری کر رہی ہیں۔'' اس سے پہلے کہ امی یا بھابھی مجھ سے کچھ پوچھتی، ''احسن بھائی نے سخت لہجے میں مجھ سے پوچھا کیوں اب تمہیں کیا اعتراض ہے؟ ان کی آواز میں سختی تھی۔ میں نے ایک دم سے ان کی طرف دیکھا۔'' کچھ نہیں وہ بابا کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے اور میں آج سے پہلے کبھی اکیلے کہیں نہیں گئی تو اب میں اکیلے کیسے جاؤں اور اس حالت میں بابا کو چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں، اگر ان کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو بھی سوچ سکتی تھی مگر اب ان حالات میں اور ویسے بھی وہ Project اتنا بھی ضروری نہیں۔''

میرے خیال سے ان تمام تاویلوں کی ضرورت نہ تمہیں ہے اور نہ ہی ہمیں...... بابا کی صحت ٹھیک ہے اور بابا کا خیال رکھنے والے اس گھر میں تمہارے علاوہ اور بھی بہت لوگ ہیں اور رہ گئی تمہارے اکیلے جانے کی بات تو تم اکیلی تو نہیں جا رہی، فرحان ہے تمہارے ساتھ اور وہ کافی سمجھ دار ہے...... تیسری بات کہ تمہارے لیے یہ Project ضروری ہو یا نہ ہو مگر یہ بات تمہارے لیے تمام باتوں سے زیادہ ضروری ہونی چاہیے کہ تمہیں ابا نے آفس میں جا کر جانے کے لیے کہا ہے۔ خود انہوں نے تمہارا ٹکٹ لیا...... اور اب ''ابا'' کی خواہش ہے کہ تم جاؤ۔ تو تم جاؤ گی۔ اس معاملے میں تو کوئی رعایت نہیں۔'' احسن بھائی نے یہ تمام باتیں کافی سخت لہجے میں کہیں جن پر میرے علاوہ امی اور زرقا بھابھی بھی حیرت سے دیکھنے لگیں...... ''احسن!'' ''بھابھی نے انہیں پکارا، جی فرمائیں۔ آپ کے پاس بھی کوئی تاویل ہوگی؟'' بھائی نے غصے سے بھابھی کی طرف دیکھا مگر وہ خاموش رہیں اور احسن بھائی کمرے سے باہر چلے گئے۔ ہم تینوں خاموش رہیں...... ''احسن کو بھی کبھی کبھی پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے۔'' بھابھی نے ہلکی آواز میں شکایت کے سے لہجے میں کہا۔ آج کھانے کے میز پر بھی یہ ہی باتیں تھیں مگر کسی نے اس بارے میں ''ابا'' سے کوئی بات نہیں کی کہ میں نہیں جانا چاہ رہی۔

میں عشاء کی نماز کے بعد بابا کے کمرے میں گئی کیونکہ وہ ایسا وقت تھا جب مجھے اُمید تھی کہ بابا اکیلے ہی ہوں گے۔ میں کمرے میں داخل ہوئی تو سامنے کرسی پر بابا اکیلے بیٹھے تھے۔ میں خاموشی سے جا کر بابا کے پاس کشن آگے کر کے بیٹھ گئی۔ اپنے ہاتھ کے بارے میں کافی محتاط تھی کہ اگر اسی کو پتہ چلا تو سب لوگ کافی پریشان ہو جائیں گے اور گھر والوں کی مزید پریشانی کا سبب کم سے کم مجھے نہیں بننا چاہیے۔ سردی کی وجہ سے میرا معمول تھا یہ کہ میں زیادہ تر بڑی بازوں والی سویٹر ہی خریدا کرتی تھی جن کے بازو لمبے ہوا کرتے تھے اور انہیں میں زیادہ تر دستانوں کی

جگہ ہی استعمال کیا کرتی تھی۔ جس پر امی مجھے ہمیشہ ٹوکا کرتی تھیں کہ اچھی بھلی سویٹروں کا بیڑا غرک کر کے رکھ دیتی ہے یہ لڑکی۔ ان کی بازو میں کھینچ کھینچ کر۔ اس لیے ابھی تک تو گھر میں کسی کو اس بات کا شک نہیں ہوا تھا کہ میرے ہاتھ پر کسی طرح کی کوئی چوٹ بھی لگی تھی۔ ''جی بیٹا جان آپ کا کیا پروگرام ہے پھر...... آپ کو جانا ہے یا نہیں۔''؟

''نہیں بابا جان میں ان حالات میں تو نہیں جا سکتی اور آپ کو تو بڑی اچھی طرح سے معلوم ہے کہ آج دن تک میں اکیلے کہیں نہیں گئی اور آپ کے بغیر بھی کہیں نہیں گئی تو اس بار میں اکیلے کیسے جاؤں گی۔ مجھے تو بابا آپ کی انگلی پکڑ کر چلنے کی عادت ہے۔ آپ کے بغیر تو مجھے ایک قدم بھی چلنا نہیں آتا...... پھر میں اکیلے فرحان کے ساتھ کیسے جا سکتی ہوں اور اگر چلی بھی گئی تو وہاں پر اس توجہ سے مجھ سے کام نہیں ہوگا۔ بابا آپ تو جانتے ہیں کہ میں''...... میں نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک احسن بھائی کی آواز پر میرا دِل دہل گیا۔ احسن بھائی بابا کی Study میں موجود تھے۔ کیا فضول باتیں کر رہی ہو ''انا'' میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ تم ایسے دوبارہ بات نہیں کرو گی۔ تمہیں اگر اکیلے چلنا نہیں آتا تو اس کا کیا مطلب ہے کہ تمہارے ساتھ بابا ساری زندگی ہاتھ پکڑ کر تمہیں چلاتے رہیں گے...... تمہارے ساتھ فرحان جا رہا ہے اور ''انا'' انسان زندگی میں ہر کام پہلی مرتبہ ہی کرتا ہے اور تب ہی سیکھتا ہے اور تم ہو کہ اس کی ناشکری کر رہی ہو۔ دماغ خراب ہے تمہارا۔'' احسن! بابا نے احسن بھائی کو اونچی آواز میں ٹوکا...... ''تو کیا تمہارا دماغ ٹھیک ہے، جو تم اس سے ایسے بات کر رہے ہو اور وہ بھی میرے سامنے۔ شرم آنی چاہیے تمہیں''...... اور میں نے چہرہ جھکا لیا...... ''مگر بابا یہ بھی تو غلط کہہ رہی ہے نا۔ اس کے پاس جا کر ابا نے انہیں دعائیں بھی دی اور اجازت بھی اور اب یہ خواہ مخواہ فضول میں نخرے کر رہی ہے۔ ٹھیک ہے کچھ نہیں کہتا جو مرضی کریں آپ اور جو مرضی کرے یہ''۔ احسن بھائی نے کتاب table پر بابا کے نزدیک دور سے رکھی اور خود کمرے سے باہر چلے گئے۔ بابا تھوڑی دیر کے لیے سر کو ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئے......

میں نے اپنے چہرے پر سے آنسو صاف کیے۔ بابا یہ جان چکے تھے کہ میں رو رہی ہوں۔ ''نہیں بیٹا ایسا نہیں کرتے''...... بابا نے شفقت بھرا ہاتھ میرے سر پر رکھا...... ''بابا جب سے میں آفس سے آئی ہوں۔ احسن بھائی غصہ کر رہے ہیں''...... ''بیٹا میں جانتا ہوں کہ اس کا طریقہ غلط ہے مگر اس کی بات غلط نہیں...... ہم زندگی میں جو بھی کام پہلی بار کرتے ہیں وہ نیا ہوتا ہے اور ہر نیا کام کرنے سے پہلے گھبراہٹ بھی ہوتی ہے اور ڈر بھی لگتا ہے مگر یہ گھبراہٹ اور ڈر اگر ہمارے راستے کی رکاوٹ بن جائے تو زندگی میں کامیابی بہت دور چلی جاتی ہے...... ہمیں ہر

قدم میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش تو کرنی چاہیے اور اس کوشش میں ہمارے ساتھ سب سے زیادہ سہارا ہمارے خدا کا ہوتا ہے جو ہم دعا کر کے اپنے ساتھ محسوس کرتے ہیں اور آپ اس بار تنہا نہیں ہو۔ ہم سب کی دعائیں، ہم سب کا یقین، اعتماد آپ کے ساتھ ہے اور بیٹا جان اگر گھر والوں کا آپ سے محبت کرنے والوں کا یقین اعتماد اور دعائیں آپ کے ساتھ ہوں تو آپ کے لیے یہ سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے تو میری بھی آپ کو یہ ہی صلاح ہے کہ آپ اپنے اللہ پر یقین اور بھروسہ کرو، ہم سب کی دعاؤں کو اپنا مانو، یقین کے ساتھ کیونکہ جب اللہ کی ذات پر بھروسہ کیا جائے تو وہ اس بھروسہ کو کبھی نہیں ٹھکراتا اور دعا میں یقین ہو تو وہ ضرور پوری ہوا کرتی ہیں...... آپ میری بیٹی ہو اور آپ کو میرے لیے اس Project کو کامیابی کے ساتھ مکمل کرنا ہے۔ آپ جاؤ گی اور کامیابی کے ساتھ واپس آؤ گی، انشاء اللہ یہ میرا میرے خدا کی ذات پر بھروسہ اور اس کی محبت پر یقین ہے کہ وہ آپ کو ضرور کامیاب کرے گا اور آپ اپنے بابا کا مان ہو، یہ تو آپ جانتی ہونا؟''...... بابا نے میرے چہرے کو اپنی جانب اُٹھایا۔ میری آنکھوں میں ابھی بھی آنسو تھے، مگر بابا کی باتوں سے میرے اندر واقعی ایک عجیب سی طاقت آ گئی تھی۔ ایک ہمت، کچھ کر دیکھانے کی لگن، میں نے مسکرا کر بابا کی گود میں سر رکھ دیا اور بابا نے میرے سر پر اپنا شفقت بھرا ہاتھ جو میرے لیے اس دُنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی اور مجھے ایک بار پھر پُرسکون کر دیا۔

☆

دوسرے دن آفس میں فرحان سے ملاقات ہوئی۔ اس نے رسمی سی سلام دُعا کے بعد اپنے کام میں مصروف ہونے کا ہی عذر ظاہر کیا اور میں بھی اسے مزید پریشان نہیں کرنا چاہ رہی تھی مگر میرے لیے یہ جاننا بھی ضروری تھا کہ وہ میرے ساتھ جائے گا بھی کہ نہیں؟ اس بات سے بھی مجھے انکار نہیں تھا کہ میں نے اس کے ساتھ زیادتی کر دی۔ وہ خاموشی سے اپنا کام کر رہا تھا...... میں کچھ وقت گزرنے کے بعد اس کے پاس گئی۔ اس نے مجھ پر یہ ہی ظاہر کیا کہ وہ کافی Busy ہے اور ہلکا سا کرسی کو موڑ لیا جیسے میری طرف پشت کر رہا ہو...... ''فرحان مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ میں اس کے پاس کھڑی تھی مگر اس نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا......

''فرحان خان میں تم سے کچھ بات کرنا چاہ رہی ہوں''...... اس نے دوسری بار بھی مجھے نظر انداز کر دیا...... ''مجھے صرف اتنا پوچھنا ہے کہ تم میرے ساتھ جاؤ گے یا نہیں''؟...... ہمارے پاس صرف آج کا دن ہے اور کل صبح دس بجے کی فلائٹ ہے۔ تم چل رہے ہو یا نہیں''...... میں وہیں کھڑی رہی، اس نے اپنا فون اُٹھایا اور تھوڑی دیر بعد وہ اپنی امی سے کہہ رہا

تھا۔ ''ممی Please میری Packing کرا دیجئے گا میں کل صبح 10 بجے کی فلائٹ سے دبئی جا رہا ہوں...... ہاں تقریباً مہینہ یا ڈیڑھ مہینہ لگ جائے گا۔ آپ سے ذکر تو کیا تھا نا کہ مجھے کسی Project کے سلسلے میں جانا پڑے گا''...... دوسری طرف اس کی والدہ تھیں...... اس کے جواب سے یہی لگ رہا تھا کہ جیسے انہوں نے پوچھا ہو کہ ''انا'' کے ساتھ جا رہے ہو، جس کے جواب میں اس نے یہ ہی کہا تھا کہ...... ''جی ہاں اسی کے ساتھ جانا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے پروگرام Final ہوا ہے تو سوچا آپ کو بتا دوں۔ میں شاید دیر سے آؤ تو پلیز آپ کرا لینا، کچھ ضروری چیزیں بازار سے لینی ہیں، وہ میں خود لیتا آؤں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا مگر مجھ سے بات نہیں کی...... ''فرحان''!...... میں نے اسے پھر بلایا...... ''''انا'' Please مجھے کام کرنے دو...... تمہیں کل کے پروگرام کے بارے میں پتہ تو چل گیا ہے نا''...... اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا...... میں خاموشی سے پھر اپنے table کے پاس چلی گئی۔ وہ مجھے بُری طرح سے نظر انداز کر چکا تھا اور اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی صورت بھی نہیں تھی کہ میں اس سے مزید بحث کرتی۔ گھر احسن بھائی کا غصہ اور یہاں اس کا...... جانے وہاں جا کر کیا ہوگا۔ میں مکمل طور سے اُلجھن میں تھی۔ شعیب صاحب کو میں نے اپنی غیر موجودگی میں آفس با قاعدگی سے آنے کا تو کہہ دیا تھا مگر انہیں اس بات پر بھی سختی سے منع کر دیا تھا کہ ہمارے آنے سے پہلے کسی بھی کمپنی سے کوئی Advance مت لیں۔ انہیں مہینے بعد کی Date دیں۔ انعم سے میں نے فون پر بات کی تو اس نے بھی کافی دعائیں دیں مگر وہ ملنے کے لیے نہیں آسکتی تھی...... گھر میں Shopping کے سلسلے میں مصروف تھی، مگر آواز سے خوش لگ رہی تھی۔ اس نے فرحان سے بات کرنے کے لیے کہا...... میں نے آگے بڑھ کر فرحان کو اپنا Cell Phone دیا تو میری طرف دیکھے بغیر اس نے فون مجھ سے چھیننے کے انداز میں لے لیا...... مگر انعم سے بہت خوشی سے بات کی۔ اس کا مطلب یہ ہی تھا کہ اس کا غصہ صرف اور صرف میری حد تک ہے...... اور شاید وہ ٹھیک بھی تھا...... اس بار واقعی میں نے الزام اس کی ذات پر اس کے کردار پر لگایا تھا اور اگر وہ غصہ ہے تو اپنی جگہ ٹھیک تھا......

ابھی چار ہی بجے تھے کہ بھابھی کی کال آگئی۔ ''''انو'' تم نے گھر کب آنا ہے، کل تم نے جانا ہے اور ابھی تک تمہاری کوئی Packing نہیں ہوئی۔ Shopping نہیں ہوئی، کیا کر رہی ہو؟ تم نے جانا بھی ہے یا نہیں۔ کیا ایسے ہی منہ اُٹھا کر چلی جاؤ گی؟'' ''بھابھی...... Shopping کی کیا ضرورت ہے۔ بہت کچھ ہے اسی سے کام چل جائے گا'' بکومت اور گھر

آؤ فوراً میں اور کچھ نہیں سننا چاہتی ہو۔ اچھا بھابھی اب آپ تو ناراض مت ہوں، ویسے بھی بہت سارے لوگ ناراض ہیں مجھ سے...... آپ بھی خفا ہو جاؤ گی تو میرا کیا بنے گا...... میں آتی ہوں، بس آدھے گھنٹے تک پہنچ جاؤں گی۔''

''بس جو کام جہاں ہے، وہیں چھوڑ کر پہنچ جاؤ فوراً'' بھابھی نے سختی سے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے فون بند کرنے کے بعد فرحان کی طرف دیکھا...... وہ اپنے کام میں Busy تھا۔''فرحان ساتھ کون سا کیمرہ لے کر جانا ہے۔ میں تو اپنا یہ...... کیمرہ ساتھ لے کر جاؤں گی، تمہارے کیمرہ کا lense ٹھیک نہیں تھا نا؟...... وہ ٹھیک کروالیا کیا تم نے...... میں نے اس سے پوچھا''...... اس نے کچھ لمحے بعد کمپیوٹر پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔''نہیں میں نے فون کر کے پوچھ لیا تھا، ابھی یہاں سے جاتے ہوئے لے لوں گا''۔''اس کے علاوہ Please وہ Website کی File رکھ لینا...... اور تمہاری وہاں بات ہوگئی تھی نا...... کیونکہ مجھے اس بارے میں کچھ بھی علم نہیں، وہاں کون ہوگا؟...... کس سے ملنا ہے''؟......''تمہیں ضرورت بھی نہیں تھی ان سب معلومات کی، اس لیے تم کچھ نہیں جانتی۔ انسان جس چیز کو جاننا چاہتا ہے، اس کے متعلق جاننے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور پھر اس کے متعلق معلومات بھی مل جایا کرتی ہیں۔ بہر حال میری بات ہوگئی تھی۔ کل شام 4 بجے ان سے meeting ہے...... وہاں جا کر تمہیں سب پتہ چل جائے گا اور اگر خود معلوم کرنا چاہو تو میں فون نمبر اور Contact ان کے تمہارے نمبر پر send کر دوں گا، خود بھی پتہ کر لینا۔ میری بات پہ اعتبار نہیں ہوگا تمہیں''...... فرحان نے جل کر یہ تمام جملے بنا میری طرف دیکھے کہہ دیئے...... میں نے اپنا hand bag اُٹھایا، کوٹ پہنا، ''نہیں ضرورت، مجھے تمہیں معلوم ہے یہ ہی کافی ہے میرے لیے۔ میں جا رہی ہوں۔ کل 8 بجے تک Airport پہنچ جانا۔ یہ کہہ کر میں اس کا جواب سنے بغیر ہی کمرے سے باہر آ گئی۔ گھر پہنچنے پر بھابھی بالکل Stand by mode پر کھڑی تھیں،''چلو''انو'' جلدی کرو۔ بازار جانا ہے۔ احسن کب سے تمہارا wait کر رہے ہیں۔''''احسن بھائی' سن کر ایک دم سے مجھے گھبراہٹ ہوئی کہ انہوں نے تو پھر ڈانٹ دینا ہے۔''''ہاں وہ ساتھ جائیں گے۔ صبح سے گھر بابا کے ساتھ ہیں، ابھی ابا آئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں اب ان کے پاس ہوں تم سب لوگ جاؤ۔ اسی بہانے ساتھ میں تمہارے ساتھ آخری Dinner بھی کر لیں گے''......''توبہ کریں بھابھی۔ آخری Dinner کیوں بھلا......''''بھئی تمہارے جانے سے پہلے کا تو آج رات کا کھانا آخری ہی ہوگا نا۔ اچھا چلیں میں بس بابا کو مل کر آتی ہوں، پھر چلتے ہیں'' اور''''ابا'' بھی وہیں پر ہیں، بھابھی

نے مجھے بتایا'' ......اچھا...... یہ کہہ کر میں اوپر گئی......ابا، بابا اور احسن بھائی بابا کے کمرے میں ہی تھے۔ شاید کوئی بات کر رہے تھے۔ میرے داخل ہوتے ہی خاموش ہو گئے......میں نے بابا اور ابا کو سلام کر کے ان کی خیریت دریافت کی۔ آج بابا کافی مطمئن لگ رہے تھے اور ابا بھی معمول سے ہٹ کر کچھ مسکرا رہے تھے، جو میرے باعث مسرت تو تھا مگر باعث حیرت بھی۔ کیونکہ ابا میری موجودگی میں بہت کم ہی مسکرایا کرتے تھے......میں ابھی چند لمحے ہی رُکی تھی کہ احسن بھائی کمرے سے باہر نکلنے لگے تو بابا نے یہ کہہ کر روکا کہ ''احسن تم ان لوگوں کے ساتھ جا رہے ہونا''؟

''جی بابا''......''ہاں تو بس ٹھیک ہے ''انا'' بیٹے آپ بھی جاؤ۔ رات کو گپ شپ کر لیں گے۔ آپ نے ابھی Packing بھی کرنی ہے اور ضرورت کی تمام چیزیں رکھ لینا، تا کہ وہاں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو''......جی بابا یہ کہہ کر میں اور احسن بھائی اکٹھے کمرے سے باہر نکلے......میں ان سے ایک قدم آگے ہی تھی......اچانک انہوں نے مجھے پکارا۔ ''''انا'' میرے اور ان کے درمیان کل سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی......کل سے ڈانٹنے کے بعد انہوں نے ابھی مجھے خود ہی بلایا اور اس لمحے مجھے خود تھوڑا سا ڈر لگا شاید ابھی پھر ڈانٹ دیں گے، مگر میں نے مڑ کر صرف جی کہنے پر ہی اتفاق کیا......''تمہارے ہاتھ کا زخم کیسا ہے اب؟'' یہ بات میرے لیے حیرت سے کم نہیں تھی......کہ میرے ہاتھ کے زخم کے بارے میں مجھے خود بھی یاد نہیں تھا مگر احسن بھائی نے جب اچانک مجھ سے پوچھا تو مجھے بھی خیال آیا...... مجھے حیرت تو ہوئی تھی مگر میں نے ظاہر نہیں کیا۔

''جی ابھی تو کافی بہتر ہے۔ کل فرحان کے ساتھ جا کر Dressing کرائی تھی۔ ہلکا سا کٹ تھا، کل تک ٹھیک ہو جائے گا''......میں نے انہیں وضاحت پیش کر دی......تا کہ وہ مطمئن ہو جائیں۔

''اچھا کیا فرحان نے جو اس پر پٹی وغیرہ کرا دی۔ ورنہ زیادہ تر Infection ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔'' وہ یہ کہتے ہوئے نیچے چلے گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے چل دی۔ بھابھی تیار تھیں، بس ہمارے آتے ہی انہوں نے جانے کے لیے کہا۔ راستے میں بھابھی تو مسلسل باتیں کرتی رہیں جس میں مَیں نے ان کا بھرپور ساتھ دیا مگر احسن بھائی صرف ہاں ہوں میں گزارا کر رہے تھے۔ میں نے بھابھی کے کہنے پر صرف 2،3 عدد کرتے اور 2 عدد جینز لے لیں تھیں، کیونکہ وہاں تو موسم سرد نہیں تھا اور میرے لیے یہ کافی تھا......میں نے تو یہ بھی لینے سے منع کیا مگر بھابھی نے اس کے ساتھ میرے لیے ایک دو شلوار سوٹ لے لیے۔ ''کیا پتہ ''انا'' تم کب ہمارے ساتھ Shopping کرو۔ یاد کرو گی۔ کسی بھابھی نے Shopping کرائی تھی''......''ہاں بھابھی ویسے آپ جیسی بھابھی کو کبھی کوئی بھول ہی نہیں سکتا......اس لیے ہمیں یاد

کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔'' بعض دفعہ انسان کو اس بات کا اندازہ تو دور ایک خام خیال بھی نہیں ہوتا کہ محض مذاق میں کہی گئی باتیں آپ کے آنے والے وقت میں آپ کی زندگی کی کڑی اور ناقابلِ فراموش حقیقت ہی تو بننے والی ہوتی ہیں...... اگر غیب کا علم بھی انسان کو ہو جاتا تو شاید اس کی زندگی میں سے پچھتاوے کا لفظ کبھی پیدا ہی نہیں ہوتا...... ہمارے ساتھ بھی زندگی کچھ ایسا ہی کرنے والی تھی جس کا اس وقت ہم تینوں کو رتی برابر بھی علم نہیں تھا...... میں نے احسن بھائی سے کہہ کر بازار میں الیکٹرانک کی دکان پر رُکنے کے لیے کہا کہ مجھے یہاں سے کچھ Lads (تاریں) لینی ہیں تو اور کچھ Blanks Dvds جن کے بارے میں شبہ میں تھی کہ پتہ نہیں وہاں سے اس معیار کی ملیں گی بھی یا نہیں...... احسن بھائی نے اس دکان کے سامنے گاڑی پارک کر دی...... میں گاڑی سے اُترنے لگی تو زرقا بھابھی نے ایک دم سے کہا احسن آپ بھی ساتھ جائیں...... ایسی دُکانوں پر تو لوگ لڑکیوں کو دیکھ کر قیمت ایک دم سے تین گنا بڑھا دیتے ہیں تو احسن بھائی بھی میرے ساتھ Shop تک چلے گئے۔ میں نے اپنی ضرورت کا سامان لیا جو تقریباً میرے کیمرے کی ہی Assoriess تھیں۔ احسن بھائی نے میرے ساتھ ہو کر وہ چیزیں لیں...... اور دُکان کے کاؤنٹر پر جا کر مجھے کہا، تم جاؤ گاڑی میں، مَیں لے آتا ہوں۔ Bill Pay کر کے...... پھر احسن بھائی نے ایک ہوٹل کے باہر گاڑی روکی...... بھابھی کے کہنے پر ہم نے وہاں کھانا کھانا تھا...... مگر کیونکہ مجھے سڑک پر بچھی چار پائیوں والے ہوٹلز میں جن کو عموماً ڈرائیور ہوٹل کہا جاتا ہے، وہ بہت پسند تھے اور وہاں کھانا کھانا اور چائے پینا میرا محبوب مشغلہ تھا۔ میں نے کہا کہ ''اگر ہم یہاں سے کباب بنوا لیں اور گھر لے جائیں تو سب مل کر کھانا کھائیں گے۔ بابا اور ابا کے ساتھ...... تو زیادہ مزہ آئے گا۔'' اس چوک کے کباب ہمارے گھر میں سبھی پسند کرتے تھے...... احسن بھائی نے گاڑی کے Back mirror سے مجھے ایک نظر دیکھا اور ہلکی سی مسکراہٹ دے کر زرقا بھابھی کی طرف دیکھا...... ''جی بیگم صاحبہ آپ کا کیا حکم ہے''؟

''ہاں ٹھیک ہے۔ کیونکہ بابا ساتھ نہیں ہیں اور انو کو بابا کے بغیر کہیں کچھ اچھا تو لگتا نہیں...... میں تو پریشان ہوں کہ وہاں ایک مہینہ فرحان کا کیا حال کرے گی...... اللہ خیر ہی کرے''...... بھابھی نے ایک بار پھر مجھے چھیڑا۔ احسن بھائی گاڑی سے نکل گئے...... اور دروازہ بند کرنے کے بعد شیشے کے سامنے ذرا جھک کر بولے۔ ''یہ انا اور فرحان کا مسئلہ ہے اس میں ہم کچھ نہیں کر سکتے''...... بھابھی نے ایک شرارت والی مسکراہٹ بھر دی اور احسن بھائی بغیر مسکرائے دکان سے کباب بنانے کا آرڈر دینے لگے...... مجھے ان سب اشاروں کا مطلب کسی حد تو سمجھ آ ہی گیا تھا۔

مگر اس وقت کوئی بھی براہِ راست مجھ سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا...... اس لیے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی...... ہم رات کھانے سے پہلے گھر پہنچ چکے تھے اور ابا کے کہنے پر ہم نے رات کا کھانا بابا کے کمرے میں ہی کھایا تھا۔ بعد میں بھابھی نے میرے ساتھ مل کر میری Packing کرائی...... ابا اور امی بیٹا ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ ضرور رکھ لینا، وہاں کسی طرح کی پریشانی نہ اُٹھانی پڑے۔ احسن بھائی اپنے کمرے میں ہی تھے۔ مگر زرقا بھابھی نے ایک ایک چیز میرے ساتھ ہو کر Pack کرائی اور ساتھ ساتھ زبردستی بھی کرتی رہی کہ نہیں یہ رکھو، یہ ضرورت پڑ سکتی ہے...... ''بوا ہمارے لیے coffee بنا کر لے آئی تھیں'' ...... اور وہ بھی میرے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی...... وہ کچھ پریشان تھیں۔ ''میری بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر دانش میاں کو ہوا کیا۔ بڑے صاحب کی تو طبیعت ہی فرق ہے...... ان کا میں کیا کہوں، مگر دانش میاں سے مجھے یہ اُمید نہ تھی ہرگز۔ کیا ہوا بوا۔'' بھابھی نے فکرمندی سے پوچھا۔ بوا نے پر ہاتھ رکھے زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ چچ چچ کرنے لگی۔ میں نے مسکرا کر بھابھی کی طرف دیکھا تو بھابھی بھی پوچھنے پر مجبور ہوئی، ''بوا آپ کچھ بتاؤ گی بھی یا بس چچ چچ کرتی رہیں گی۔'' ''میں کافی کا کپ لے کر بوا کے پاس زمین پر ہی بیٹھ گئی، کیا ہوا بوا جان کیوں پریشان ہیں آپ۔'' میں نے بڑے پیار مگر شرارت سے پوچھا۔ میری شرارت سے بھابھی تو واقف تھیں مگر بوا نہیں۔ انہوں نے پیار سے میرا چہرہ ہاتھ میں لے کر بولی۔ ''ہائے میری نازوں سے پلی بچی دیکھو تو کتنی معصوم ہے۔ انہوں نے میرا ماتھا چوما تو میں نے حیرت سے کہا، کیوں بوا اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' ...... میری بات پر بھابھی ہنسی مگر انہوں نے اپنی ہنسی ہونٹوں میں دبا لی۔ میں بظاہر بوا کے سامنے بڑی سنجیدہ اور فکرمندی سے بیٹھی تھی، کیونکہ مجھے اور بھابھی کو اس بات کا اندازہ بڑی اچھی طرح سے تھا کہ ضرور کوئی معمولی سی بات ہو گی جو بوا کے لیے اتنی فکر کا باعث بنی ہوئی تھی۔

''دیکھو تو بہو کتنی ناانصافی ہے، اس معصوم بچی کے ساتھ۔ ہمارا تو دِل دہل جاتا ہے جب یہ گاڑی چلا کر اپنے دفتر اکیلے جاتی ہے...... اور معصوم اکیلی بچی کو کیسے بڑے صاحب اور دانش میاں سمندر پار وہ بھی جہاز میں بھیج رہے ہیں جو سواری نہ زمین میں ہو اور نہ آسمان میں، جس کا پتہ ہی کچھ نہیں اور وہاں میری بچی رہے گی کہاں، کھائے گی کیا...... یہاں تو پھر بھی ہم ہیں، اس کے خیال کے لیے۔ پردیس میں کون خیال کرے گا۔ لڑکی ذات ہے۔ کیا پتہ بھلے لوگ ہوں یا بُرے''۔ ''بوا وہ اپنی پڑھائی کے سلسلے میں ہی تو جا رہی ہے اور اپنی مرضی سے جا رہی ہے۔'' ''ہم زبردستی تھوڑا ہی بھیج رہے ہیں اس کو'' ...... ''لو بھلا زبردستی ہی تو ہے، بچی اکیلی بے چاری

اور ہم نے تو نہ ایسی پڑھائی کبھی دیکھی اور نہ سنی۔ بھیاء یہ اچھی پڑھائی ہے جس میں بچوں کو خود سے دور بھیج دو۔ ان کی زندگی صحت کی پرواہ کیے بغیر“...... ”بوا، میں نے کافی کا کپ نیچے رکھ کر بوا کے کاندھے پر سَر رکھ دیا۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ ایک مہینے کی بات ہے آجاؤں گی نا“۔

”ارے بیٹیا بچیاں ایک پل کے لیے بھی دور ہوں تو ماں باپ کلیجہ منہ کو آتا ہے اور تو تو سمندر پار جارہی ہے۔ تیری پڑھائی یہاں نہیں ہوسکتی گڑیا، یہیں رہ کے پڑھ لے بچہ۔“ بوا نے پیار سے میرے چہرے کو سہلایا۔ مجھ سے جیسے التجا کر رہی ہوں...... میں نے بھابھی کو آنکھ ماری کہ بوا کو کسی طرح تسلی دیں۔ ”بوا Please آپ اب زیادہ جذباتی نہ ہوں۔ اس طرح ”انا“ فیل ہو کر آجائے گی تو کیا آپ خوش ہوں گی کہ وہ اتنی دور گئی بھی اور کامیاب بھی نہیں ہوئی۔ آپ اس کو دعا دیں کہ جس کام اور مقصد کے لیے جارہی ہے اللہ اس کو کامیابی عطا کرے اور اکیلی نہیں ہے، فرحان ساتھ ہوگا نا“ ”ارے کیا فرحان بابو بھی جارہا ہے اس کے ساتھ“...... بوا نے حیرت سے پوچھا۔ ”ہاں بوا وہ ساتھ ہوگا اور آپ جانتی ہو کہ وہ کتنا ذمہ دار شخص ہے۔“ بوا جیسے بچوں کی طرح بہل گئیں ہو۔ ”نہیں نہیں میری بچی تو ضرور جا اور پاس ہوکر ہی آنا۔ واپس آئے گی تو اپنا نتیجہ اپنا ساتھ لانا اللہ کرے تو اوّل آئے اپنی جماعت میں“...... بوا معصوم سی تھیں جتنی جلدی ان کی فکر بڑھتی تھی، اس سے آدھے وقت میں ختم بھی ہوجایا کرتی تھی...... یہ کہہ کر بوا گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اُٹھی اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی ”جاؤں بیٹا تم لوگوں نے صبح جانا بھی ہے۔ میں time سے زرا لیٹ جاؤں، یہ نہ ہو کہ صبح تڑکے آنکھ ہی نہ کھلے اور دُلہن بیگم تو مجھے جگاتی نہیں...... بوا امی سے شکوہ کرتی چلی گئیں......

بوا کے جانے کے بعد بھابھی نے بڑے پیار سے کہا۔ ہماری پیاری بوا۔ اس دُنیا کی شاید سب سے سادی خاتون ہیں۔“ جتنی جلدی روٹھتی ہے، اس سے زیادہ جلدی مان بھی جاتی ہے...... میں نے مُسکراتے ہوئے کپ کو table پر رکھا اور bag کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ ”بھابھی کافی رات ہوگئی ہے۔ آپ Please جا کر آرام کرلیں۔ نہیں ”انو“ آج تو نہیں“...... بھابھی نے میرے میک اپ بیگ کو کھول کر چیک کیا اور اسے بڑے اٹیچی کیس میں رکھنے کے لیے اُٹھیں۔ ”بھابھی احسن بھائی کیا سوچتے ہوں گے“۔ ”کچھ نہیں سوچتے وہ“۔ بھابھی نے تیزی سے میری بات کاٹی...... ”انہیں کچھ سوچنے کی ضرورت بھی نہیں۔ وہ خوش ہیں اور میں بھی مطمئن ہوں اور اس لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ تم نے باہر چھوڑ دیا نا...... وہ میرا جیولری کا چھوٹا سا بیگ table پر سے اُٹھاتے ہوئے بولیں، اب یہ کہہ دو کہ

ضرورت نہیں...... بہت لاپرواہ لڑکی ہو''...... انہوں نے بڑی بے نیازی سے میری بات کو کاٹ کر اپنی بات کو جاری رکھا اور ''سنو جو کیمرے کی لیڈز لائی ہو، وہ رکھی ہیں اپنی Kit میں''......

''اوہ وہ تو بابا کے کمرے میں ہی پڑی ہیں، میں لے کر آتی ہوں''...... ''اُف'' ''اُنو'' تمہارا کیا بنے گا۔'' انہوں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ میں نے تیزی سے پلنگ پر سے دوپٹہ اُٹھایا۔ ''یہ سب آپ کا قصور ہے بھابھی جان۔ آپ کے آنے کے بعد ہی یہ سب ہوا ہے اور چڑھائیں مجھے سر پر۔ مجھے کیا آپ نے تو سارے گھر کی ذمہ داریاں اپنے سر پر ایسے لے لی ہیں کہ حقیقت میں بھابھی میں تو آپ کے بنا اب کچھ اکیلے کر بھی نہیں سکتی۔ تو ابھی آپ ہمیں کچھ مت کہیں، سب آپ کا قصور ہے۔'' بھابھی مسکراتے ہوئے مجھے دیکھتی رہیں اور میں ان کا جواب سنے بنا ہی کمرے سے باہر نکل گئی۔

میں تیزی سے چلتی ہوئی بابا کے کمرے میں چلی گئی اور بنا دستک دیئے ہی آرام سے دروازہ کھولا...... تو سامنے احسن بھائی بیٹھے تھے...... انہوں نے ایکدم سے میری طرف دیکھا، انہیں دیکھ کر میں ایک دم سے ٹپٹا گئی۔ ''بھیا، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں اور بابا کہاں ہیں''...... میں بابا کو کمرے میں نہ دیکھ کر گھبرا سی گئی۔ انہوں نے دھیمی آواز میں کہا، ''وہ سامنے نماز پڑھ رہے ہیں''...... میں نے حیرت سے دیکھا، اس وقت نماز...... تو بابا سٹڈی میں نماز پڑھ رہے تھے۔

''ہاں۔ اس وقت پڑھ رہے ہیں اور تم سوئی نہیں؟'' ''وہ میں لیڈز یہاں بھول گئی تھی، وہ لینے آئی ہوں''...... میں وہاں بابا کے سلام کرنے تک رُکی رہی...... بابا نے سلام کیا تو میں جلدی سے ان کے پاس گئی...... ان کے سامنے اپنا چہرہ رکھا تو ایک دم سے انہوں نے میرے چہرے پر پھونک ماردی...... میں نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ انہوں نے مجھے اشارے سے جانے کا کہا۔ میں کمرے سے نکلنے لگی تو ایک دم سے پلٹ کر احسن بھائی کو دیکھا تو وہ مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ایک سختی تھی جیسے میں نے نظر انداز کرتے ہوئے ان سے مذاق کیا۔ ''آج بھابھی میرے پاس ہیں تو آپ کا بھی اپنے کمرے میں دِل نہیں لگ رہا کیا''......؟ جس کے جواب میں انہوں نے مجھے ایک دم سے جواب دیا۔ ''میرے دِل کو جس سے لگنا تھا، لگ چکا۔ اب اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ میرے قریب ہے یا مجھ سے دور۔ بس میرے دِل میں ہونا چاہیے اسے اور وہ ''وہ ہے'' ہمیشہ کے لیے''...... اوہ میں نے لمبی سے اوہ کر کے گردن سے زور کو ہلایا، جس پر احسن بھائی کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، بس وہی سختی تھی جو بات کرنے سے پہلے تھی۔ میں نے دروازہ بند کیا اور جلدی سے اپنے کمرے میں گئی۔ بھابھی

میری تمام پیکنگ کر چکی تھیں۔انہوں نے میرے ساتھ میرے کیمرے وغیرہ بھی پیک کرائے۔ میں جلدی سے کمرے میں جاتے ہوئے بولی۔''بھابھی میں نے کہا تھا نا کہ احسن بھائی غصہ میں ہوں گے۔'' انہوں نے بڑے تحمل سے میری جانب دیکھا۔''وہ بابا کے کمرے میں بیٹھے تھے''......اور میں نے ان کے الفاظ دوہرا دیئے تو بھابھی نے مُسکراتے ہوئے یہ ہی کہا۔ میں نے کہا تھا نا تو انہوں نے ٹھیک کہا نا''''انو''۔میں نے بھی تو تم سے یہ ہی کہا تھا نا کہ انہیں کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں......اور نہ ہی وہ کچھ سوچتے ہیں''...... بھابھی نے مُسکراتے ہوئے میری باقی چیزیں اندر رکھوائیں۔میری الماری کو ٹھیک کیا......اور پھر میرے لیے صبح کے کپڑے نکال دیئے اور ساتھ بولیں''آج تم میری پسند کے کپڑے پہن کر جاؤ گی۔''میں نے مسکرا کر ان کے گلے کے گرد بانہیں ڈال دیں۔حکم کریں میری جان بھی حاضر ہے......تو انہوں نے میرے چہرے پر ہلکی سی چپت لگادی......''ایسا نہیں کہتے۔تمہیں پتہ ہے،اس گھر کے لیے تم کتنی پیاری ہو اور مجھے معلوم ہے کہ اس گھر کے تمام افراد تمہارے لیے جان سے زیادہ پیارے ہیں۔بس میری دُعا ہے،سب خوش رہو۔بہت خوش رہو۔''انہوں نے الماری سے میرے کپڑے نکالتے ہوئے ساتھ ساتھ یہ الفاظ بھی کہہ دیئے۔

انہوں نے میرے لیے لائیٹ پنک کلر کا سوٹ نکالا اور اس پر شاکنگ پنک کلر کی سویٹر اور اسی رنگ کی بڑی شال نکالی۔''بھابھی کیا ہو گیا ہے۔میں یہ پہنوں گی کیا...... میں کسی تقریب پر تو نہیں جا رہی۔''میں نے ان سے التجا کی تو انہوں نے پیار سے مجھے گھورا۔کیا''''انو'' سادہ سا تو لباس ہے۔تمہیں اس میں بھی مسئلہ ہے۔''''بھابھی؟'' میں خاموش ہوگئی...... ''لڑکیوں کا لباس شلوار قمیض ہی ہے اور وہ اس میں زیادہ پیاری لگتی ہیں اور پلیز وہاں اتنی برف نہیں پڑتی کہ تم یہ کوٹ اور جینز وغیرہ پہن کر جاؤ، یہ ٹھیک لگے گا، بلکہ بہت اچھا لگے گا۔مجھے بھی تو پتہ چلے کہ تم ان ہلکے رنگوں میں کیسی لگتی ہو......اتنے پیار سے تو آپ جان بھی مانگیں تو وہ بھی دے دوں۔میں اکثر سوچتی تھی کہ احسن بھائی آپ کی کسی بات سے انکار کیوں نہیں کرتے؟...... اب مجھے آپ کا یہ راز بھی پتہ چل گیا......ورنہ احسن بھائی کے نخرے تو آسمان چھوتے تھے''...... میں نے پیار سے بھابھی کو چھیڑا......تو ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شرماتے ہوئے بولیں۔''اچھا بکو مت۔تمہیں تو موقع چاہیے کہ بات کو گھما کر احسن اور مجھ پر لے آتی ہو......اچھا چلو...... یہ دیکھو یہ Pink کوٹ شوز۔'' بھابھی میری الماری سے کوٹ شوز نکال کر لے آئی......''او خدا کا واسطہ ہے بھابھی کیا ہو گیا...... میں کوٹ شوز پہن کر ائیر پورٹ جاؤں گی اور وہاں سے دبئی،توبہ

تو بہ۔فرحان میرے ساتھ Project کرنے جا رہا ہے۔ میری ٹوٹی ہوئی ہڈیاں سنبھالنے نہیں ۔کیا ہوگیا ہے۔''میں نے جلدی سے اُٹھ کر شوز ایک سائیڈ پر کر دیئے۔''بھابھی دیکھیں، جا کر سو جائیں، ڈھائی ہو گئے ہیں رات کے......آپ کو نیند آرہی ہے۔''''بکومت انا......کوئی نیند نہیں آرہی''......انہوں نے پھر مجھے اپنے بناوٹی غصے سے ڈانٹ دیا''مگر بھابھی میں یہ شوز پہن کر اتنا زیادہ نہیں چل سکتی نا......کوئی فلیٹ شوز پہن لوں گی نا......پلیز بھابھی''۔''انو''انسان بنو......نہیں کوئی نہیں''......ابھی میں بچوں کی طرح ضد ہی کر رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ہم دونوں اپنے شوز پہ ہی تکرار کر رہی تھیں۔ دروازے پر دوبارہ ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے اُٹھ کر ایک دم سے دروازہ کھولا۔احسن بھائی سامنے کھڑے تھے۔ میں نے پھر ایک دم سے شرارت کے سے لہجے میں کہا......''میں تو بھابھی سے کب سے کہہ رہی ہوں جائیں،مگر یہ میری سنیں تب نا۔دیکھا بھابھی احسن بھائی بلانے آگئے۔''میں نے ہنستے ہوئے کمرے کا دروازہ کھولا چھوڑا کہ احسن بھائی اندر آجائیں......اور بھابھی احسن بھائی کو دروازے میں کھڑے دیکھتے ہی ان کی طرف گئی اور ہاتھ میں شوز اُٹھائے ہوئے تھے۔''دیکھیں احسن یہ کتنی بے وقوف لڑکی ہے۔آپ بتائیں کہ یہ شوز اچھے لگیں گے نا اس dress کے ساتھ۔بھابھی نے انہیں بازو سے پکڑ کر کمرے کے اندر آنے کا کہا''......احسن بھائی اندر تو آگئے تھے مگر ان کے چہرے پر سخت تاثرات بدستور قائم تھے......مجھے ایسا لگا جیسے ابھی احسن بھائی ڈانٹ دیں گے......میں ان کے جواب کی منتظر تھی،مگر انہوں نے کچھ نہیں کہا۔''یہ''انا''تمہارے کیمرے کے سیل میرے پاس تھے۔تم دکان سے نکلتے ہوئے بھول گئی تھی۔یہ بھی ساتھ رکھ لو،کبھی ائیر پورٹ پر روک لیتے ہیں،کبھی جانے دیتے ہیں......بہر حال یہ لے لو۔انہوں نے سیل میرے پلنگ کی طرف اُچھال دیئے''......''احسن بتائیں نا، میں کچھ پوچھ رہی ہوں''......احسن بھائی نے بڑے آرام سے مگر بھابھی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا......''یہ آپ لوگوں کا شعبہ ہے، جو مرضی ہے وہ کرلیں۔آپ اُس کی خوشی پوری کر دیں اگر وہ آپ کی خوشی پوری نہیں کر پا رہی ہے تو''......بھائی نے یہ الفاظ بڑی سادگی سے کہے کیسی ایک تو بات ماننی پڑتی ہے وہ یہ کہہ کر کمرے باہر چلے گئے''......''میں نے بھابھی کو اشارہ کیا۔دیکھا ان کا موڈ آف ہے۔بھابھی پلیز آپ جائیں اب......وہ بولتے نہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی نرمی کا ہم عورتیں ضرورت سے زیادہ فائدہ اُٹھانے لگ جائیں۔''''انو''بھابھی نے میرے ساتھ حجت کرنے کی کوشش کی تو میں نے جلدی سے ان کے ہاتھ سے شوز لے لیے۔''جیسے آپ نے کہا ہے، بالکل ویسے ہی کروں گی۔وہ

یہی پہنوں گی، مگر ابھی آپ جا کر آرام کر لیں، صبح بھی پھر آپ کو جلدی اُٹھنا ہوگا، پلیز بھابھی۔ میں نے ان کے گال پر پیار کیا اور انہیں کمرے سے باہر دھکیلتے ہوئے شب بخیر کہا'' تو وہ مسکرانے لگی...... میں جانتی تھی کہ اگر میں ایسا نہ کرتی تو بھابھی نے رات ادھر ہی گزارنے کا پروگرام بنا رکھا تھا...... میرے دِل سے ان دونوں کے لیے دعا نکلی...... کہ اللہ ان کو کبھی دُکھ نہ دینا...... پَر ایسا کہاں ہوتا ہے کہ ہر انسان کی ہر دعا قبول ہو جاتی...... بابا کہتے تھے کہ ''دُعا جب تک دِل سے نہ کی جائے، اس وقت تک قبول نہیں ہوتی''...... مگر میں نے جب بھی کی تھی۔ ہر دُعا دِل سے ہی کی تھی بلکہ کوئی بھی جب بھی دُعا کرتا ہے تو دِل سے ہی کرتا ہے...... زندگی کا یہ فلسفہ بھی میں نے وقت کے سپرد کر دیا تھا...... مگر میں یہ بھول گئی تھی کہ وقت کے سمجھانے کا طریقہ سخت اور کرب ناک ہوتا ہے، مگر یہ بھی سچ ہے کہ وقت کی سمجھائی بات حتمی ہوا کرتی ہے اور ساری زندگی کے لیے سمجھ آ جاتی ہے......

بہر حال میں کمرے میں سامان وغیرہ سمیٹ کر لیٹ گئی۔ جانے کب آنکھ لگی مگر جب کھلی تو نماز کا ہی وقت تھا...... آج خواب میں بارش تھی مگر آج باہر بھی ہلکی ہلکی بوندا باندی تھی...... اور سردی کی شدت میں بھی قدرے اضافہ تھا۔ میں نماز وغیرہ پڑھ کر تیار ہو کر نیچے چلی گئی۔ بوا اور اماں کچن میں تھی...... بوا نے مجھے پیار کیا اور ان کی آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے۔ ''ارے بوا'' ابھی تو چھے ہوئے ہیں۔ مجھے ابھی کافی وقت ہے جانے میں۔ اماں دیکھیں نا''...... اماں بھی قدرے اُداس تھیں۔ اب انہیں میں کیا دِلاسا دیتی۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا تھا، اسی لیے تو بس ایک پچھتاوا رہ جاتا ہے ہمیشہ، کہ نیکی کرنے کے اتنے چھوٹے چھوٹے مواقع میرے ہاتھوں سے ریت کی طرح سے پھسل جاتے ہیں...... اور ان کا ثواب میرے حصے میں نہیں ہوا کرتا...... میں بابا کے کمرے میں جا رہی تھی...... کہ سامنے سے زرقا بھابھی اور احسن بھائی تیار ہو کر آ رہے تھے۔ بھابھی نے مجھے دیکھتے ہی Wow کے الفاظ کہے۔ کیونکہ میں بالکل ان کی ہدایات کے مطابق تیار تھی۔ ''دیکھا کتنی پیاری لگ رہی ہو''، اس رنگ میں...... احسن بھائی مجھے نظر انداز کر کے آگے چلے گئے۔ ویسے ان سے مجھے کسی comment کی اُمید ہوتی بھی کم ہی تھی...... بھابھی نے ایک دم سے میرے پاؤں کی طرف دیکھا...... تو میں نے ابھی تک گھر کے سلیپر ہی پہنے تھے۔

''جی میں جا رہی ہوں، آپ فکر نہ کریں''...... انہوں نے مجھے مُسکراہٹ دی اور میں وہاں سے اوپر چلی گئی۔ بابا کے کمرے میں گئی تو وہ شال اوڑھ رہے تھے۔ بابا کے چہرے پر ایک سکون تھا۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے مڑ کر میری جانب دیکھا۔ ''یہ رنگ اچھا لگ رہا

ہے...... انہوں نے عجیب طرح سے تعریف کی تو میں بچوں کی طرح گھوم گئی، اُن کے سامنے جیسے میں بچپن میں فراک پہن کر اُن کے سامنے گول گول چکر لگانے لگتی تھی اور پھر ایک دم سے بولی، ''بابا رنگ اچھا لگا رہا ہے یا اس رنگ میں مَیں اچھی لگ رہی ہوں'' تو پیار سے انہوں نے میرے سَر پر ہاتھ رکھا اور بولے ''میری بیٹی آپ تو ہر رنگ میں اچھی لگتی ہیں''۔ یہ رنگ آپ نے پہنا ہے تو اچھا لگ رہا ہے۔ ''اُف بابا'' جانتی ہوں دِل رکھتے ہیں میرا اور ویسے بھی اپنی اولاد کو کون بُرا کہتا ہے۔ وہ تو ہر حال، ہر روپ میں اچھی لگتی ہے...... اچھا چلیں...... میں آپ کو لینے آئی ہوں''...... ہاں بیٹا چلو۔ انہوں نے میری بات کو نظر انداز کر دیا اور کمرے سے باہر نکلے۔ میں بابا کے ساتھ نیچے گئی۔ نہیں لاؤنج میں بیٹھا کے میں نے رحمان چچا کو بلایا۔ چچا اوپر ایک سوٹ کیس ہے، پلیز وہ نیچے لے آئیں...... رحمان چچا میرے ساتھ میرے کمرے میں آئے۔ انہوں نے سوٹ کیس اُٹھایا اور ایک چھوٹا بیگ، وہ لے کر نیچے آگئے اور میں شوز پہن کر ان کے پیچھے پیچھے جانے لگی۔ ابھی شوز پہن کر چلنا شروع کیا تھا کہ ٹِک ٹِک کی آواز سے مجھے خود اُلجھن شروع ہوگئی۔ اُف بھابھی یہ ٹِک ٹِک، ان جوتوں کے پہننے کا کیا فائدہ، اتنا شور۔ مجھے شور سے اُلجھن ہوتی تھی اور ہمارا گھر بڑا ہونے کے باوجود اتنا خاموش تھا کہ مجھے اپنے جوتوں کی آواز گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کچھ پل کے لیے مجھے خیال آیا کہ انہیں اُتار دیتی ہوں مگر نہیں بھابھی کا خیال آگیا اور میں آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے اُتر رہی تھی تو سامنے ڈائننگ ہال میں احسن بھائی بیٹھے تھے۔ انہوں نے نظر اُٹھا کر میری جانب نہیں دیکھا مگر ان کے پاس کھڑی بھابھی نے چہرے پر بھرپور مسکراہٹ سے ابھی مجھے سراہا ہی تھا کہ میں سیڑھیوں پر سے ہلکی سی سلیپ ہوئی، مگر دیوار پر لگی گرل کو پکڑ لیا...... ''''انو'' دیکھ کر''...... تو احسن بھائی نے چونک کر میری جانب دیکھا...... بچ گئی...... میں نے بھابھی کو گھورتے ہوئے دیکھا۔ میں اسی ٹِک ٹِک کے ساتھ کچن میں گئی تو ''امی بھی بولیں، ایسے کپڑے پہنا کرو، ہر وقت نا جانے کیا پاگلوں والے حلیے میں پھرتی رہتی ہو۔ کتنی اچھی لگ رہی ہے میری بچی، ان کپڑوں میں...... بھابھی بھی میرے ساتھ کھڑی تھیں''۔ میں نے مُسکرا کر بھابھی کو دیکھا اور شرارت سے بولی۔ ''یہ میری نہیں آپ کی تعریف ہو رہی ہے'' کیونکہ...... ایک دم سے امی بولیں، ''مجھے معلوم ہے اتنا عقل تم میں نہیں ہو سکتا...... میری بیٹی ہو، میں جانتی ہوں''......

بابا کے اور امی کے تعریف کے انداز میں کس قدر فرق تھا...... میں کچن سے باہر لاؤنج میں آئی کہ بابا کو ناشتہ کے لیے بلاؤں۔ بابا کے پاس ابا بھی بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے کہا

''کہ آپ ناشتے کے لیے کیوں نہیں آ رہے۔ چلیں آئیں پلیز۔'' اتنا کہنا تھا کہ رحمان چچا نے اچانک اندر آ کر بتایا صاحب جی فرحان صاحب اور ان کے گھر والے آ گئے جی۔ بابا اور ابا ایک دم سے کھڑے ہوئے، ''بلاؤ بھئی بلاؤ، انہیں اندر۔ انہیں کا انتظار تھا''...... میں حیرت سے ان کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ فرحان اور اس کے گھر والے ہمارے گھر۔ ''انہیں تو ایئرپورٹ آنا تھا نا؟'' میں نے بھابھی کے پاس جا کر پوچھا...... ''نہیں'' ''انو'' بابا نے انہیں یہاں ہی آنے کا کہا تھا کہ یہاں سے سب اکٹھے جائیں گے، آپ لوگوں کو ایئرپورٹ چھوڑنے۔''

میں حیرت سے ابھی نکلی نہ تھی کہ فرحان، اس کی ممی اور اس کے پاپا...... بابا، ابا اور اماں کو مل رہے تھے۔ میں بھی ان سے ملی۔ سب نے مل کر ناشتہ وغیرہ کیا۔ مجھے کچھ گھبراہٹ تو تھی اور فرحان نے صرف مجھے سلام ہی کیا۔ وہ ابھی بھی مجھ سے ناراض تھا۔ ایک چیز جو اس ساری صورت میں میرے لیے شرمندگی کا باعث تھی، وہ تھی میرے جوتوں کی ٹِک ٹِک، جو مجھے بہت بُری لگ رہی تھی۔ پھر جانے کا وقت آیا تو بابا نے کہا، اب میرے خیال سے جانا چاہیے، وقت پر ان کو روانہ کرآئیں...... سب لوگ گاڑیوں میں پہنچ چکے تھے۔ میں اوپر سے اپنا ہینڈ بیگ اور کیمرے کا بیگ لے کر آئی۔ گاڑیوں کی طرف سب لوگ جا رہے تھے تو میرا سامان احسن بھائی کی گاڑی میں تھا اور میں کیمرے والا بیگ بھی گاڑی میں رکھ کر مڑی تو ایک بار پھر میرا پاؤں میرے جوتوں کی وجہ سے سلیپ ہوا...... جیسے ہی میں پیچھے ہوئی تو اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پائی، مگر اس بار کسی کے مضبوط ہاتھوں نے مجھے بازو سے یک دم پکڑ لیا اور میں نے خود کو سنبھالا ہی تھا۔ سنبھالنے پر میں نے نظر اُٹھائی تو میرے پیچھے احسن بھائی تھے...... بڑے آرام سے بولے۔ ''سنبھل کر'' ''انا'' یہ کہہ کر وہ اپنی گاڑی کے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گئے۔ بھابھی ایک دم سے میرے پاس آئیں ''انو'' لگی تو نہیں......'' میں نے ایک گِلے کے سے انداز سے انہیں دیکھا ''جی نہیں ایک بار پھر بچ گئی ہوں''...... فرحان اور اس کے والدین اپنی گاڑی میں تھے اور ابا، اماں اپنی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے...... میں نے بابا کو دیکھا جو پورچ میں کھڑی اپنی مرسڈیز کے پاس کھڑے میرا انتظار کر رہے تھے...... میں نے دروازے پر کھڑی بوا کی طرف دیکھا جو ہاتھ میں وہی تھالی لیے کھڑی تھیں مگر شاید فرحان اور اس کے گھر والوں کی وجہ سے گھبرا رہی تھی۔ بوا حقیقت میں بہت پیاری اور معصوم تھیں...... سب اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے اور آج بھی موسم میں دھند کافی تھی...... میں بوا کی طرف بڑھ گئی۔ مجھے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر انہیں ایک اطمینان کا سا احساس ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی تسلی کی اور پھر مجھے سینے سے لگا کر رونے لگی۔

میری بھی آنکھیں بھیگ گئی۔ ''بوا پلیز چند دنوں کی بات ہے، پلیز ایسے مت کریں''...... بوا کو ایسے دیکھ کر رحمان چچا ایک دم سے ہمارے پاس آ گئے۔ ''نیک بخت جانے دے بی بی کو اب۔ ایسے نہ رو''...... انہوں نے ڈانٹ کے سے انداز میں بوا سے کہا۔ بوا نے تب مجھے خود سے الگ کیا اور مجھے اشارے سے روکا۔ بوا مستقل کچھ پڑھ رہی تھی، پھر انہوں نے اپنی چادر کے کونے میں بندھی ہوئی چیز کھولی تو چند نوٹ تھے، جنہیں انہوں نے میرے اوپر وارا اور پھر مجھ پر پھونک مار کر وہ پیسے رحمان چچا کے ہاتھ میں دے دیئے کہ ''کسی غریب کو دے دینا''...... جا بیٹی...... تجھے اپنے رب کے حوالے کیا''۔ میں رحمان چچا کے ساتھ گاڑی کی طرف بڑھی، سب سے آگے احسن بھائی کی گاڑی تھی اور اس وقت احسن بھائی میری جانب ہی دیکھ رہے تھے۔ میرے دیکھنے پر انہوں نے نظریں پھیر لیں اور میں جلدی سے بابا کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی کیونکہ سب جانتے تھے کہ میں نے بابا کی گاڑی میں ہی بیٹھنا ہوتا تھا، جب بھی ایسے کہیں جانا ہوتا تو۔ رحمان چچا نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور میں گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ہماری چاروں گاڑیاں ایئر پورٹ کی طرف بڑھ چکی تھیں...... ایئر پورٹ پر میں بہت احتیاط سے چل رہی تھی کیونکہ اب میں مزید پھسلنا نہیں چاہ رہی تھی...... گھر تک تو ٹھیک تھی مگر ائیر پورٹ پر پہنچنے کے بعد میرا دِل جانے کیوں ڈوبا جا رہا تھا۔ ان سب سے دور جانے پر، ان سے دور جانے پر، حالانکہ میرا اپنا فیصلہ اور کچھ دنوں کی بات تھی، مگر اس وقت مجھے ان لوگوں پر حد درجہ افسوس ہوا کہ لوگ کیسے، کیسے میرے بھائی، اپنوں سے دور رہ رہے ہیں...... کیسے دور جاتے ہیں...... میں آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ فرحان اور احسن بھائی نے رحمان بابا کی مدد سے سامان ٹرالی پر رکھا۔ ہمارا سارا سامان ایک ہی ٹرالی پر آ گیا تھا۔ احسن بھائی نے میرے کیمرے والا بیگ میری طرف بڑھایا۔ میرے پاس اس وقت دو بیگ تھے۔ ایک میرا پرس اور ایک کیمرے والا...... میں امی اور ابا کو ملی۔ امی کی آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے...... ابا نے بھی افسردگی سے میرے سَر پر ہاتھ رکھا اور پھر مجھے سینے سے لگا لیا...... ان کے ساتھ، فرحان کے والد اور والدہ بھی کھڑے تھے۔ انہوں نے بھی مجھے پیار کیا۔ فرحان بھی سب کو مِل رہا تھا...... میں زرقا بھابھی کی طرف آئی تو بجائے کہ وہ مجھے ملتیں، انہوں نے اپنے بیگ سے ایک پیکٹ نکالا اور اس میں پڑے میرے فلیٹ شوز نکالے اور انہیں میرے پاؤں میں رکھ دیا۔ ''جلدی سے یہ پہن لو۔ میں نہیں چاہتی، وہاں فرحان کو تمہیں ہسپتالوں میں لیے لیے پھرنا پڑے۔'' میں نے بھابھی کی طرف دیکھا اور ان کے گلے سے ایک دم لگ گئی، ''انہوں نے بھی مجھے زور سے بھینچا اور دعا دی، اگر تمہیں میری خوشی کا اتنا خیال ہے تو مجھے بھی تمہاری تکلیف کا

احساس ہے"انو جان" یہ پہن لو اور وہ مجھے دے دو، میں گھر لے جاؤں گی۔" میں نے وہیں کھڑے سب دیکھ رہے تھے شوز Change کر لیے...... احسن بھائی بنا کسی مسکراہٹ کے فرحان کو ملے...... "اور پھر انہوں نے مجھے wish کیا۔ good Lock انا اور اپنا خیال رکھنا" مگر ان کے چہرے پر ایک حتمی سنجیدگی تھی اور یہ ہی سنجیدگی ان کے چہرے پر اس سے پہلے میں نے اس وقت دیکھی تھی جب میں، بابا اور فرحان انگلینڈ جا رہے تھے مگر اس وقت مجھے کوئی احساس، کوئی ڈر، کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا، کیونکہ خدا کی ذات کے بعد اس دنیا کی سب سے بڑی طاقت بابا میرے ساتھ تھے، مگر آج میں اکیلے جا رہی تھی...... میں بابا کی طرف بڑھی تو اس وقت میرے ضبط کے تمام بند ٹوٹ چکے تھے۔ میرے آنسو اپنی حدوں کو پار کر چکے تھے اور جانے کب میں ان کے سینے سے لپٹی تھی اور اس وقت ایک پل کے لیے میں نے نا جانے کا فیصلہ کر لیا تھا......اور میرے سسکیوں کی آواز آنے لگی تھی...... بابا نے اپنی دھیمی آواز میں کہا۔ "بیٹا ایسا نہیں کرتے۔" وہ پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ "جاؤ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر آنا۔ میری دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں اور یاد رکھیے گا۔ بابا آپ کے ساتھ ہر حال میں ہیں۔ چاہیے آپ کامیاب ترین انسان ہو اس دُنیا کی یا ناکام ترین...... کسی بات کی فکر نہیں کرنی اور کوئی بھی مسئلہ ہو مجھے فون پر ضرور بتانا مگر ہمت نہیں ہارنی۔" میں یہ ساری باتیں بابا کے سینے سے لپٹی سنتی رہی کہ امی نے آگے بڑھ کر مجھے بابا سے الگ کیا اور زرقا بھابھی نے ایک دم سے میرے چہرے پر سے آنسو پونچھ دیئے۔ "پاگل لڑکی ایسے رو رہی ہے جیسے ہم تمہیں ہمیشہ کے لیے رخصت کر رہے ہیں۔" جبکہ بھابھی کی اپنی آنکھیں نم تھیں۔

انہوں نے میرے کانوں میں سرگوشی کے سے انداز میں مذاق کیا...... میں نے انہیں گھور کر دیکھا تو انہوں نے پھر مجھے گلے لگا لیا اور گال پر پیار کیا...... فرحان میرے پاس سے گزرتے ہوئے بابا کو ملا۔ بابا نے فرحان کو پیار کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹا اللہ کے بعد میں اپنی "انا" کو اس وقت تمہارے سپرد کر رہا ہوں، اسے بخیریت مجھ تک پہنچانا تمہاری ذمہ داری ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنی ذمہ داری کو بخوبی نبھاؤ گے"...... اس پر فرحان کے والد نے ایک دم سے کہا، آپ فکر نہ کریں جمال صاحب۔ "میرا بیٹا آج تک اپنی کسی ذمہ داری سے پیچھے نہیں ہٹا اور آپ کو اس سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی...... یہ میرا یقین ہے۔ اچھا بچو، اب چلو دیر ہو جائے گی ورنہ۔" میرا دل ایک دم پھر تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میں نے اپنے آنسو صاف کیے تو رحمان چچا مجھے پیچھے کھڑے نظر آئے۔ میں ایک دم سے ان کی طرف لپکی۔ انہوں نے میرے سر پر پیار

سے ہاتھ پھیرا، ''جاؤ بیٹیا رانی اللہ کے حوالے''...... سب کے چہرے پر ایک عجیب سی اُداسی تھی...... میں فرحان کے ساتھ سب کو ایک نظر دیکھ کر لاؤنج کی طرف بڑھی گئی۔ وہاں بنی گرل کے پاس پہنچی، اس ہال کی آخری حد تھی، اس کے بعد ان سب نے میری آنکھوں سے اوجھل ہو جانا تھا...... میں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو میری نظر احسن بھائی کے چہرے پر پڑی...... میں نے پھر منہ موڑ لیا، ابھی دو چار قدم آگے بڑھی ہوں گی تو میں ایک پل کے لیے پھر رُکی...... اور سب نے میری طرف ہاتھ کے اشارے سے الوداع کیا۔ جانے اس پل میں کیا تھا کہ میرے قدم آگے بڑھ ہی نہیں پا رہے تھے۔ میں نے بابا کی طرف دیکھا جو سفید کپڑوں میں ملبوس سفید بالوں اور ضعیف جسم، پُرنور چہرے کے ساتھ اپنی ذمہ داری پر مجھے میری خوشی اور میرے اعتماد کی خاطر خود سے دور بھیج رہے تھے اور میرے ساتھ آنے والے ہر حادثے کے لیے خود کو ذمہ دار ٹھہرانے کے لیے تیار تھے...... انہیں دیکھ کر ان کا چہرہ میری آنکھوں میں پھر پانی کے قطروں میں دھندلانے لگا اور بے قابو ہو کر میں بابا کی طرف بھاگی۔ مجھے اپنی طرف بھاگتے دیکھ کر بابا بھی تیزی سے آگے بڑھے اور میں بھاگتے ان کے سینے سے جا لگی...... انہوں نے مجھے سینے سے تو لگا لیا، مگر کمال ضبط سے بولے۔ ''''انا'' بیٹے ایسے نہیں کرو بیٹا...... ایسے آپ مجھے کمزور کر رہی ہو''۔ میں ان کے پاس ہی تھی کہ ایک دم احسن بھائی کی آواز نے مجھے بابا سے الگ ہونے پر مجبور کر دیا......

''''انا'' یہ کیا بے وقوفی ہے، جاؤ اب...... اپنے کام سے جا رہی ہو، چند دِنوں کے لیے۔'' ان کے لہجے میں عجیب سی سختی تھی...... ''اور یہ جہاز سارا دن تمہارا انتظار نہیں کرنے والا۔'' ''Now please go''...... ''احسن''۔ بھابھی کی ایک معصوم سی آواز میں بولی۔ ''Shut up زرقا...... ہر صحیح غلط بات پر اس کی طرف داری مت کیا کرو، Ok''۔ میں نے شرمندگی سے احسن بھائی کی طرف دیکھا اور پھر بابا نے میرے ماتھے پر پیار کیا۔ میں نے جاتے ہوئے ایک الوداعی نظر سب پر ڈالی اور اپنا بیگ اپنے کندھے پر جماتے ہوئے آگے بڑھ گئی...... فرحان بے چارہ وہیں کھڑا میرا انتظار کر رہا تھا...... میں تیز قدموں سے چلتی رہی اور جب لاؤنج کے دروازے کی طرف بڑھی تو میں نے ایک نظر پھر پیچھے مڑ کر دیکھا سب میری طرف اور فرحان کی طرف الوداعی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور ہاتھ ہلا رہے تھے۔ نا چاہتے ہوئے بھی میری نظر بابا سے ہوتے ہوئے احسن بھائی کی طرف تھی تو انہوں نے تیزی سے اپنا منہ سڑک کی طرف موڑ لیا، جیسے مجھ پر ظاہر کر رہے ہوں کہ وہ جا رہے ہیں یا شاید ان کا غصہ تھا...... اور میں پیچھے دیکھتی آگے بڑھ گئی۔ اس کے بعد میری نظر سے وہ تمام چہرے اوجھل ہو چکے تھے۔ ہماری بورڈنگ کارڈز،

پاسپورٹ چیکنگ سب فرحان نے ہی کرائی تھی۔اس وقت میرا ذہن کافی بوجھل تھا۔
''بابا ٹھیک کہتے تھے کہ جو بات ہمیں وقت سکھاتا ہے، وہ بہت پختہ ہوتی ہے۔ابھی میں یہ ہی سوچ رہی تھی کہ اپنوں سے دور جانے میں کتنی تکلیف ہوئی ہے جو بھی دور جاتا ہے، چاہے اپنی مرضی سے ہی جائے، وہ اس تکلیف کے مرحلے سے تو ضرور گزرا ہوگا، جس میں سے اس وقت میں اور فرحان گزر رہے تھے۔اس کا مطلب ہے منیر بھائی اور نعمان بھائی کو بھی ایسی ہی تکلیف ہوئی ہوگی، ہم سب سے دور جانے میں اور اس سے زیادہ تکلیف جن کو ہم پیچھے اپنا انتظار کرنے کے لیے چھوڑ کر آتے ہیں، انہیں ہوتی ہے جو دروازے پر آس لگائے ہر پل ہماری واپسی کی راہ دیکھتے رہتے ہیں۔ مجھے ایک دم سے پردیس بسے لوگوں اور ان کی زندگی اور ان کی سوچوں پر جھرجھری سی آنے لگی...... میں اپنی سوچوں میں کھوئی تھی کہ فرحان کی آواز نے مجھے چونکا دیا......'''' انا'' اس طرف آجاؤ۔'' اس وقت ہم دونوں آخری مسافر تھے، جنہیں بورڈنگ کر کے چیک ان کرنا تھا......

جہاز میں فرحان میرے ساتھ والی سیٹ پر موجود تھا اور کچھ لمحوں میں ہم زمین سے فضا میں بہت اونچائی پر تھے......مگر اس وقت میرا خیال میری فیملی میں اور ان سے دوری پر اور ان سے دوری کے فیصلے کے بارے میں سوچ رہا تھا...... جانے کیوں مگر مجھے یہ احساس آج مکمل طور پر حاوی ہو چکا تھا اور یہ میری زندگی کا ایک پختہ سچ بن چکا تھا کہ انسان اپنی زندگی میں پردیس، اپنی فیملی سے دوری اور ان کے دُکھ سکھ سے دوری کا سبب خود بنتا ہے، نصیب میں دوری، جدائی، پردیس انسان خود لکھتا ہے......اور میری نظروں میں اس وقت ''ابا''، ''بابا''، نعمان بھائی اور منیر بھائی کے چہرے گھوم رہے تھے...... میں آج دن تک تقدیر کو دوشی ٹھہراتی رہی کہ شاید نصیب میں لکھا تھا، اس لیے یہ دونوں بھائی ہم سے دور چلے گئے، مگر نہیں ایسا نہیں تھا......انہوں نے خود سے ہمیں خود ہی دور کیا تھا......اس طرح کی دوری انسان کی اپنی کوشش سے وجود میں آتی ہے اور جب بابا نے یہ کہہ دیا تھا کہ انسان دنیا میں آنے کے بعد خود مختار ہے تو پھر یہ خود مختاری تقدیر نے ان کی قسمت میں کر دی تھی۔وہ چاہتے تو رُک سکتے تھے۔ وہ چاہتے تو احسن بھائی کی طرح ہم سب کے ساتھ رہ سکتے تھے...... احسن بھائی کو بھی تو باہر جانے کے کئی مواقع ملے مگر انہوں نے ہر ایک کو منع کر دیا......اور خود کو اپنے بزرگوں سے، اپنے خاندان سے، ان کی خوشیوں اور غموں میں برابر کا شریک کر دیا مگر نعمان بھائی اور منیر بھائی ایسا کیوں کر رہے تھے......اچانک excuse

me کی آواز پر میں پھر چونکی تو ایئر ہوسٹس میرے قریب کھڑی مُسکرا رہی تھی۔ ''آپ چائے لیں گی یا کافی''...... میں نے فرحان کی طرف دیکھا جو مجھ سے پہلے چائے کا کپ ان کے ہاتھ سے لے چکا تھا میں نے اسے کافی کے لیے کہا اور وہ کافی کا کپ میری طرف بڑھا کر مُسکراتی آگے چلی گئی...... فرحان خاموش تھا۔ وہ ابھی بھی مجھ سے ناراض تھا اور ابھی بھی میں بے بس تھی، انجان تھی اور پریشان بھی کہ اس کو کیسے مناؤں گی وہ چائے کا سپ لیتا اور اپنی گود میں رکھے میگزین کے صفحے آگے پیچھے کر رہا تھا مجھے اس کے اس رویے سے گھبراہٹ ہو رہی تھی کیونکہ یہ پہلی بار تھا کہ وہ مجھ سے اس طرح سے خفا ہوا تھا...... میں تھوڑی دیر خاموش رہی اور پھر ہمت کر بولی۔

''فرحان ہم دبئی میں کہاں جا رہے ہیں؟ وہاں کے سارے انتظامات کا تمہیں پتہ ہے یا وہاں جا کر سب معاملات کو دیکھو گے۔ ہم رہیں گے کہاں، کیونکہ اس متعلق تو تم نے مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا...... وہ خاموشی سے اپنی چاہے کے گھونٹ بھرتا رہا اور بڑی آسانی سے مجھے نظر انداز کر گیا...... فرحان میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں''...... میں نے قدرے غصے سے اس سے پوچھا اور اس وقت مجھے حقیقت میں اس کے رویے پر اُلجھن ہو رہی تھی۔ ''فرحان'' نے اسے پھر آواز دی...... اس نے غصے سے میگزین بند کیا اور مجھے گھورتے ہوئے ناگواری سے بولا۔ ''انا''......

''میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔ جب وہاں پہنچ جاؤ گی تو دیکھ لینا اور Please اس وقت مجھ سے مت اُلجھو، Ok''...... میں اس کو خاموشی سے دیکھتی رہی اور اس نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد سیٹ کی پشت کے ساتھ سر لگا کر آنکھیں بند کر دیں اور میں اس وقت کچھ کر تو سکتی نہیں تھی، اس لیے جہاز کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی...... اور فلائیٹ پہنچنے کا انتظار کرنے لگی...... تقریباً 3 گھنٹے بعد ہم دبئی انٹرنیشنل ایئر پورٹ سے باہر آ رہے تھے، وہاں ایک ریاض نامی لڑکا ہمارے نام کا calling board لیے ایئر پورٹ پر ہمارا انتظار کر رہا تھا...... فرحان نے اس سے بڑی خوش اخلاقی سے ملا...... دیکھنے میں اور بولنے کے لہجے سے وہ اردو سپیکنگ نہیں لگ رہا تھا مگر اس نے ہم سے اردو میں بات کی...... پردیس میں کوئی ہم زبان مل جائے تو یہ ایک طرح سے خوش قسمتی ہی ہوتی ہے۔ جب ہم ایئر پورٹ سے باہر نکلے تو ایک بڑی کار ہمارے انتظار میں کھڑی تھی۔ اس لڑکے نے جس نے اپنا نام ''ریاض'' بتایا تھا، ڈرائیور سے عربی میں سامان گاڑی میں رکھنے کے لیے کہا اور ہمیں اس گاڑی میں بیٹھ جانے کا کہا......

''آپ اس کے ساتھ جائیں میں اپنی گاڑی میں آتا ہوں''...... میں فرحان کے ساتھ ساتھ ہی

تھی...... وہاں کا موسم پاکستان کے موسم سے بالکل مختلف تھا۔ اس وقت میرے خیال سے تقریباً ایک بجے کا وقت ہوا ہوگا گاڑی ہمیں لیے دبئی کی بڑی مگر رش سے بھری سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ راستے میں مجھے ماحول کافی خوشگوار لگا۔ سڑکوں کے اردگرد خوب صورت پھولوں کی سجاوٹ، ایک منظم طریقے سے ٹریفک کے قانون کی پیروی کرتے لوگ، یورپ کے مقابلے کا تو نہیں مگر اگر اپنے ملک سے اس کا موازنہ کرتی تو دبئی پاکستان سے ٹریفک قوانین میں کافی آگے بڑھ چکا تھا۔ ہم لوگ تقریباً 35، 40 منٹ کی دوری پر تھے ایئر پورٹ سے۔ خیر گاڑی سے اُترتے ہی میری نظر ریاض پر پڑی جو ہمارے انتظار میں کھڑا تھا...... اس نے مسکرا کر ہمیں اپنے پیچھے آنے کے لیے کہا اور ڈرائیور کو سامان لانے کے لیے...... میں نے اپنے کیمرے والا بیگ بھی اُٹھا رکھا تھا اور چھوٹا ہینڈ بیگ بھی۔ ریاض نے میرے ہاتھ میں جب دو بیگ دیکھے تو بڑی تمیز سے ایک بیگ خود پکڑنے کی گزارش کی۔ میں نے فرحان کی طرف دیکھا، جس نے مجھے نظر انداز کرتے ہوئے بھی چہرے کے تاثرات سے مجھے یہ سمجھا دیا کہ بیگ اسے پکڑانے میں کوئی مذائقہ نہیں۔ میں نے بیگ اس لڑکی کی طرف بڑھا دیا۔ ہم لوگ جب ہوٹل کی ریسپشن پر پہنچے تو مجھے سامنے لکھا نظر آیا۔ ہم لوگ اس وقت Holiday Inn کی ریسپشن میں کھڑے تھے۔ ریاض نے ہی تمام ہوٹل فارملیٹی پوری کی اور ہمیں ہوٹل کے کمرے میں چھوڑ کر شام چھے بجے ملنے کا کہہ کر چلا گیا......

فرحان کا کمرہ میرے کمرے کی بائیں جانب تھا...... فرحان نے ویٹر کی مدد سے میرے کمرے سے اپنا سوٹ کیس وغیرہ اُٹھایا اور اپنے کمرے میں جانے لگا۔ فرحان: میرے آواز دینے پر وہ رُکا مگر اس نے پلٹ کر میری طرف نہیں دیکھا۔ ''کیا بات ہے'' ''انا'' جلدی بولو'' ''گھر بات کر لیں''؟...... میں نے ڈرتے ڈرتے اس سے پوچھا۔ تو اس نے ایک بار پھر بنا پلٹے بڑی کرخت آواز میں مجھے جواب دیا۔ ''''انا'' گھر کا نمبر تمہیں معلوم ہے یا میں بتا دوں''...... میں نے کہا، ''ہے میرے پاس''...... تو بس ہوٹل کے فون سے گھر کے نمبر پر کال ملواؤ اور بات کر لو۔ کل تک میں یہاں اپنی sim لے لوں گا۔ تم وہ cell نمبر اپنے پاس رکھ لینا...... ابھی مجھے جانا ہے، کیونکہ میں رات بھی نہیں سویا، تھوڑی دیر آرام کر لوں...... شام چھے بجے میں تمہیں لینے آؤں گا، تیار رہنا''...... یہ کہہ کر وہ زور سے کمرے کا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ میں نے کمرے میں موجود فون اُٹھایا اور پاکستان بابا کے موبائل نمبر پر کال کروائی۔ دوسری طرف چوتھی بار گھنٹی بج رہی تھی۔ مجھے معلوم تھا بابا ذرا دیر سے ہی فون اُٹھایا کرتے تھے...... میں اپنے خیال میں تھی کہ آگے سے ہیلو کی

آواز آئی...... مجھے جیسے ایک دم سے جھٹکا لگا...... کہ میں کچھ بولنا ہی بھول گئی تھی۔ دوسری بار قدرے اونچی ہیلو کی آواز پر میرے حواس سنبھلے...... ''احسن بھائی ''انا'' بات کر رہی ہوں''...... جانے کیوں میں اس پل احسن بھائی کی آواز سن کر سہم گئی تھی اور دِل کی دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں۔ ''او ''انا'' تم لوگ خیریت سے پہنچ گئے''...... ''جی میں اس وقت ہوٹل روم سے بات کر رہی ہوں اور holiday میں رُکے ہیں''...... ایک اور جھٹکا میرے لیے۔ ''خیر کل تک فرحان Mobile نمبر لیگا، وہ بھی آپ کو دے دوں گی۔ بابا کیسے ہیں؟''...... ''ہاں یہ بات کرو میرے پاس ہیں۔'' انہوں نے فون بابا کو دے دیا تھا......

''السلام علیکم بیٹا جان!...... ''بابا جی آپ کیسے ہیں؟''...... ''بھئی دو چار گھنٹے ہی تو ہوئے آپ کو مجھے دیکھے...... کیا بدل جانا چاہیے ہمیں؟''...... یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگے۔ ''ہم سب یہاں بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ کچھ دیر آرام کرو اور پھر اپنا کام شروع کرو جس کام کے لیے گئی ہو اور فرحان کو زیادہ پریشان مت کرنا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ اسے کافی پریشان کرتی ہو اور اس بار بابا ساتھ نہیں ہیں، یہ یاد رکھنا...... یہ لو اپنی بھابھی سے بات کرو۔'' بابا نے میری بات سنے بنا ہی بھابھی کو فون پکڑا دیا...... ''''انو''...... جی بھابھی۔ ''انو'' گھر اتنا عجیب لگ رہا ہے، بس تم کام ختم کر کے جلدی آجانا...... مجھے تو یہ احساس ہی کاٹ رہا ہے کہ تم ہم سے اتنی دور چلی گئی ہو''۔ ''تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے''...... مجھے احسن بھائی کی آواز سنائی دی جیسے وہ بھابھی کو ڈانٹ رہے ہوں۔ میں نے بنا کچھ کہے فون رکھ دیا...... اور میرا چہرہ میرے آنسوؤں سے کب مکمل طور پر بھیگ چکا تھا، مجھے پتہ ہی نہیں چلا...... میں کافی دیر کمرے میں اسی طرح بیٹھی رہی...... گھر سے، اپنوں سے، پیار کرنے والے سے، دور کوئی کتنی دیر رہ سکتا ہے اور دُوری، جدائی۔ ان الفاظ سے میری روح تک کانپ جاتی ہے...... اور بابا اپنے گھر، اپنے پیار کرنے والے رشتوں اور اپنے رشتوں سے دور کیے گئے تھے۔ وہ اتنے سال جدائی میں ناکردہ گناہ کی سزا بھگتتے رہے اور پھر بابا کا تو اپنی زندگی میں جدائی سے زیادہ اور ملن سے کم ناطہ رہا تھا۔ پہلے والدین اور بھائی سے جدائی، پھر بیوی سے جدائی اور اب بیٹے سے جدائی۔ ''اتنی برداشت کیسے ہو سکتی ہے؟''...... ایک انسان پر آزمائشوں پر آزمائشیں کیسے آسکتی ہیں۔ خدا کی یہ ناانصافی ہی تو ہے...... مگر۔ اس سے، یہ بات بھی واضح ہوتی تھی کہ خدا ہر آزمائش سے پہلے انسان کو اپنے چنے ہوئے بندے کو صبر صمیم عطا کر دیتا ہے جو اس نے بابا کو عطا کر رکھا تھا...... وقت شاید پَر لگا کر اُڑا تھا یا تھم گیا تھا کہ

دروازے پر دستک سے میں چونک گئی...... come in، میں اپنے بیڈ پر فون کے پاس ہی بیٹھی تھی کہ میرے سامنے فرحان کھڑا تھا۔ نیلے رنگ کی جینز اور سفید رنگ کی بہت خوب صورت کاٹن کی شرٹ نما کرتا میں کافی ہینڈسم لگ رہا تھا...... اس نے اپنا بیگ جس میں اس کی کی کیمرہ کٹ وغیرہ تھی، میرے بیڈ پر رکھا...... اور میری طرف حیرت سے دیکھا۔ ''''انا'' تم نے چلنا نہیں۔ اس وقت سے ایسے ہی بیٹھی ہو۔'' فرحان نے میری آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی محسوس کر لی تھی...... ''6 بجے ہماری میٹنگ ہے، ان لوگوں سے۔'' میں نے سر جھکا لیا اور اپنی انگلیوں سے آنکھوں کے کونے رگڑ لیے...... وہ سامنے کھڑکی کی طرف چلا گیا۔ '' کچھ کھایا تم نے، چائے وغیرہ پی'' ...... میں خاموش ہی رہی...... ''اچھا چلو اُٹھو fresh ہو جاؤ۔ ریاض صاحب آتے ہوں گے، ہمیں لینے کے لیے...... ان لوگوں سے ملنے جانا ہے۔'' میں اُٹھی، fresh ہو کر میں نے صرف سویٹر وغیرہ اُتار دیا کیونکہ وہاں سردی نہیں تھی اور چادر میں نے change کر لی تھی...... کیونکہ وہ بھی کافی گرم تھی...... میں ابھی بال ٹھیک کر رہی تھی کہ فرحان کی آواز آئی، ''لٹس گو''انا'' ریاض اِہیئر۔'' میں بالوں کو ایسے ہی باندھ کر ان کے ساتھ چلی گئی۔

ریاض صاحب کے ساتھ تقریباً ہم نے مزید گھنٹے کی ڈرائیور کی ہو گی انہوں نے گاڑی جس عمارت کے سامنے کھڑی کی، وہ ساحل سمندر کے کنارے پر واقع تھی اور گاڑی سے نکلنے کے بعد مجھے کافی اوپر غور کرنا پڑا تو مجھے اس عمارت کا آخری سرا نظر آیا دبئی کی شامیں دن سے زیادہ خوشگوار احساس لیے ہوئے تھیں وہ ہمیں اس ٹاور کے اندر لے گئے جس کی ہر ہر چیز اپنی اندر مہارت کی داستان چھپائے ہوئے تھی اور پھر ہم ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ ہم سمندر کے نیچے سے گزر رہے ہوں تقریباً پندرہ منٹ چلنے کے بعد ایک لفٹ پر ہم تقریباً 30 فلور پر گئے۔ ایک لمبے کوڑی ڈور جس کے دونوں جانب پینٹنگ کی جو collection لگی تھی، اس نے پل بھر کے لیے مجھے رُکنے پر مجبور کر دیا۔

فرحان نے مجھے آواز دی اور آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ اس بڑے کوڑی ڈور کو عبور کرنے کے بعد ایک خوب صورت دروازے سے جب ہم اندر داخل ہوئے تو ایک ہال نما کمرہ تھا جو مجھے تو مکمل ہال ہی لگا تھا مگر غور کرنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ آفس ہے اور اس کے سامنے دیوار سے تقریباً پورے دبئی کا ویو سامنے تھا۔ پوری دیوار پر شیشہ آویزاں تھا جہاں سے اور جس کی اونچائی سے ہر شہر کی خوب صورتی اور آفس کے مالک کے ذوق کا اندازہ بخوبی لگا سکتے تھے۔ ریاض

صاحب نے ہمیں وہاں بیٹھنے کا کہہ کر اس ہال نما کمرے کے اندر بنے ایک کمرے کے اندر چلے گئے اور پانچ منٹ بعد ان کے ساتھ 2 آدمی جنہوں نے عربوں والے سفید لباس پہن رکھے تھے، چہرے پر کالی ڈاڑھی اور سر پر عربوں والی کالی پٹی کے ساتھ ان کے سکارف تھے۔ ایک کی عمر تقریباً 60 کے لگ بھگ ہوگی اور دوسرا تقریباً 40 یا 45 سال کی لگ بھگ ہوگا۔ دونوں نے سلام کیا اور ہمارے سامنے بیٹھ گئے۔ ریاض نے ہمارا تعارف کرایا اور تعارف کے بعد ان کے بارے میں ہمیں پتہ چلا کہ یہ اشخاص ہی وہ ہیں جنہوں نے اپنے پروجیکٹ کے سلسلے میں ہمیں مدعو کیا تھا۔ انہیں انگریزی آتی تھی، اس لیے ہمارے لیے بات کرنا بہت آسان تھا، ورنہ مجھے ان کے تیز تیز عربی بولنے سے عجیب سی گھبراہٹ ہوتی تھی مگر وہ لوگ آپس میں عربی میں ہی بات کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ہم سے رسمی سے گفتگو جاری رکھی اور ہمیں کچھ دیر انتظار کرنے کا کہا۔ شاید کسی اور کا بھی انتظار تھا انہیں۔ ریاض نے ہمارے لیے وہاں قہوہ منگوایا...... مجھے گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی مگر فرحان کی دلیری کو میں نے اپنے اندر محسوس کر لیا تھا اور وہ ہر بات کا جواب خود ہی عقل مندی سے دے رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بولنے کے معاملے میں مَیں تو کسی بھی عقل مندی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔ ابھی ہم انہیں رسمی گفتگو میں مصروف تھے کہ دروازہ کھلا تو تین مزید حضرات کمرے میں داخل ہوئے، جنہوں سفید لباس کے اوپر بڑے قیمتی اور خوب صورت سلک کے گاؤن پہن رکھے تھے۔ وہ آئے اور رسمی سی بات چیت کی، ان کی عمریں بھی تقریباً 60 یا 65 کے لگ بھگ ہوں گی۔ انہوں نے کام کی نوعیت پر بات شروع کی تو ان میں سے ایک جس نے گولڈن رنگ کا گاؤن پہن رکھا تھا اسے انگریزی بولنی تو نہیں آتی تھی مگر وہ سمجھتا تھا۔ فرحان کو دیکھنے کے بعد اس نے عربی میں بڑے غصے سے اپنے ساتھیوں سے کوئی بات کی اور اس پر جو دو حضرت پہلے موجود تھے، انہوں نے قدرے شرمندگی سے ہمیں دیکھا...... اور پھر جیسے وہ آپس میں کوئی بحث کر رہے ہوں...... ریاض صاحب نے بھی شرمندگی سے ہمیں دیکھا...... اور ہلکی سی مسکراہٹ پر اتفاق کیا...... ان کی اس بحث سے صاف لگ رہا تھا کہ جیسے ان کے درمیان ہمارے متعلق کوئی تلخی چل رہی ہے۔ فرحان نے دھیمی آواز میں ریاض صاحب سے اردو میں پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے...... تو ریاض صاحب نے مسکرا کر خاموشی سی اختیار کی...... اور کچھ وقفے کے بعد ان میں سے ایک جو سب سے پہلے ہمیں ملا تھا۔ اس نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ یہ Project اتنا بڑا ہے اور ہمارے پاس اس بات کی یا آپ کے کام کی کوئی گارنٹی نہیں اور نہ ہی

ہمارے پاس اتنا وقت ہے مزید کہ ہم آپ کو Project دینے کے بعد پسند نہ آنے کے بعد کسی اور سے یہ کام کرا تک کا انتظار کر سکیں‘‘......فرحان کے چہرے پر ناگواری کا ایک تاثر سا آیا......

’’اور اس نے صاف الفاظ میں ان سے کہا تو یہ تو آپ کو ہمیں یہاں بلانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ ہمارے پاس بھی اتنا فالتو وقت نہیں کہ ہم ہر کسی کے بلانے پر ایسے ہی چلتے پھریں گے۔‘‘ میں نے فرحان کا ہاتھ دبایا...... کیونکہ وہ قدرے تلخ ہوا جا رہا تھا......اور مجھے کچھ گھبراہٹ ہو رہی تھی...... کیونکہ میں جانتی تھی کہ فرحان کو اس قسم کی صورتِ حال میں خود پر قابو نہیں رہتا......

نہیں اصل میں انہیں آپ لوگوں کو دیکھ کر کچھ اعتراض سا ہوا ہے کہ شاید آپ اپنا کام پوری ذمہ داری سے نہ کر پائیں......اس نے ایک بار پھر شرمندگی سے اپنا مدعا ہمارے سامنے رکھا......فرحان ایک دم سے کھڑا ہو گیا۔’’آپ کو کیا لگتا ہے کہ ہم اتنی دور کام کرنے آئیں یا اپنی غیر ذمہ داری دکھانے یا اس کا امتحان دینے آئیں ہیں۔‘‘اس پر ریاض نے ایک دم سے فرحان کو اُردو میں کہا۔’’آپ تھوڑی دیر خاموش رہیں۔ یہ باقی سب ایک رائے پر متفق ہیں، بس ایک ساتھی ہے جس کو اعتراض ہے۔ آپ ذرا صبر سے کام لیں۔‘‘میں نے فرحان کا بازو پکڑ لیا، جانے کیوں ہزار ضبط کرنے کے باوجود بھی ایسا لگا رہا تھا جیسے میں بچوں کی طرح رونے لگ جاؤں گی......مگر پھر بھی میں نے فرحان کو آرام سے بٹھایا...... کچھ دیر خاموشی سے ہم بیٹھے رہے اور ریاض صاحب نے ان کے ساتھ عربی میں کوئی بات کی جس پر باقی سب کے چہرے کے تاثر سے ایک اطمینان اور سکون نظر آ رہا تھا اور پھر آخر میں اس آدمی نے غصے table پر ہاتھ مارتے ہوئے کچھ کہا اور خود کمرے سے باہر چلا گیا......اس کے جاتے ہی وہی شخص بولا۔ ٹھیک ہے، یہ کام آپ ہی کریں گے، مگر اس کے لیے ہم آپ کو Advanced Payment تو کچھ نہیں کریں گے سوائے اس کے جو آپ کی رہائش ہو گی اور جو کام سے متعلق جو بھی چیزیں اور مشین اور کچھ عملہ درکار ہو گا، وہ ہمیں بتا دیں، وہ ہم آپ کو دے دیں گے اور آپ کا سارا کام اسی آفس میں ہو گا......اس آفس سے باہر نہیں ہو گا۔

فرحان نے اپنے بیگ میں سے ایک کاغذ کا ٹکڑا انہیں تھما دیا۔’’یہ سارا سامان کل تک اس آفس میں منگوا کر ہمیں کال کر دیجیے گا اور اس کے علاوہ جب تک ہمارا کام مکمل نہیں ہو جائے، اس وقت تک نہ تو ہم آپ کو اپنا کام دیکھائیں گے اور نہ ہی آپ لوگوں میں سے اس میں کوئی دخل اندازی کرے گا۔ آپ اگر کل تک مجھے یہ تمام اشیاء یہاں سیٹ کر کے دیں گے تو مجھے

اُمید ہے کہ آپ کے دیئے ہوئے وقت سے پہلے آپ کا کام مکمل طور آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔"

انہوں نے وہ کاغذ کا پرزہ لے لیا اور وہ تمام لوگ ہماری اس بات پر متفق ہو چکے تھے کہ وہ ہمارے کام میں دخل اندازی نہیں کریں گے...... ان میں سے ایک نے فرحان سے اور مجھ سے اپنے ساتھی کی بدتمیزی کے لیے معذرت کی، جس کے جواب میں فرحان نے اسے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے کہ میں اور میری ساتھی جلد از جلد کام مکمل کر کے یہاں سے جانا چاہتے ہیں...... جس پر وہ لوگ پہلے سے زیادہ شرمندہ ہوئے تھے...... یہ کہہ کر فرحان نے ان سب سے ہاتھ ملائے بغیر آفس سے باہر آیا مگر میں نے ان کے سلام کا جواب مسکراہٹ کے ساتھ دیا......

ریاض صاحب ہمارے ساتھ باہر آ گئے اور اس وقت رات کے 10 بج چکے تھے...... انہوں نے ہمیں کھانے کے لیے پوچھا جس پر فرحان نے بڑی بے زاری سے یہ کہہ دیا، "نہیں ریاض صاحب ابھی تو آپ ہمیں ہوٹل ڈراپ کر دیں اور پھر تمام انتظامات کے بعد آپ ہمیں آگاہ کر دیجئے گا...... ابھی تو کافی تھکن ہو رہی ہے۔ ہم ہوٹل میں ہی کھانا وغیرہ کھا لیں گے"...... اسی دوران ہم گاڑی میں بیٹھ گئے اور ریاض صاحب ہمیں drop کرنے جا رہے تھے...... انہوں نے کہا کہ کل آپ کے لیے گاڑی، ڈرائیور اور موبائل نمبرز کا انتظام ہو جائے گا۔ فرحان نے کچھ دیر بعد ریاض صاحب سے پوچھا، "آپ نے اس وقت تو مجھے نہیں بتایا مگر اس کو کس بات پر اعتراض تھا...... وہ کیوں ایسا کہہ رہا تھا"...... ریاض صاحب نے ایک بار پھر مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ وہ "ان سب سے بڑا ہے اور اس ہوٹل کے Project میں بہت concern ہے۔ اس نے کہا کہ تم لوگوں کو اتنے بڑے Project کے لیے یہ چھوٹے چھوٹے بچے ملے تھے، کام کرانے کے لیے۔ اصل میں اسے اعتراض آپ دونوں کی کم عمری پر تھا کہ آپ دونوں اتنے کم عمر ہو تو شاید آپ اپنا کام ذمہ داری اور پختہ ذہنی سے نہ کرو اور وہ اسی بات پر اُلجھ رہا تھا کہ شاید آپ لوگوں نے جو promoss بھیجے تھے، وہ آپ کے تھے بھی یا نہیں۔ بس اس بات سے وہ خوف زدہ تھا"...... جس پر مجھے اور فرحان کو کافی حیرت ہوئی۔

ریاض صاحب کے ان الفاظ کے ساتھ مجھے بابا کے الفاظ یاد آ گئے...... بیٹا جب دُنیا کے سامنے جاؤ تو برداشت کے ساتھ جانا، کیونکہ یہ دُنیا صرف برداشت کرنے کی چیز ہے" ہر قدم، ہر لمحہ اور اگر تم نے اسے برداشت کر لیا تو کامیاب ہو جاؤ گی...... تو میرے ہونٹوں پر ایک بار پھر مسکراہٹ آ گئی اور رات کو سڑک پر تیزی سے چلتی گاڑی میں شیشے سے باہر دبئی کو برداشت

کرنے کی نیت کر چکی تھی...... اور مجھے اب یہ Project نہ صرف اپنے لیے world introduction level پر face کرنا تھا بلکہ اب یہ میرے لیے ایک challange بن چکا تھا......صرف اس انسان کی وجہ سے، جو اگر میری قابلیت پر شک کرتا تو مجھے ذرا بُرا نہ لگتا مگر اس نے میرے دوست کی قابلیت پر شک کیا تھا۔ فرحان شاید یہ Project میری وجہ سے کر رہا تھا مگر آج کے بعد یہ اس Project کی کامیابی میرے لیے صرف اور صرف فرحان کی قابلیت اس عربی پر واضح کرنی تھی...... جس نے پہلی ملاقات میں ہی فرحان کو اس قدر مشتعل کر دیا تھا...... ورنہ فرحان جیسے ٹھنڈے اور نرم مزاج آدمی کو غصہ بہت کم آیا کرتا تھا اور اس کی سب سے بڑی گواہ میں خود تھی...... میں نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے فرحان کو پیار اور غرور کی نظر سے دیکھا تھا...... مجھے اس وقت فخر ہو رہا تھا کہ فرحان جیسا شخص میرا دوست ہے۔ ریاض صاحب ہمیں drop کر کے جا چکے تھے اور ہم لوگ اپنے اپنے کمروں کی جانب جا رہے تھے......

......✿......

فرحان! میں نے اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے جا کر فرحان کو پکارا جو مجھ سے دو قدم آگے بڑھ چکا تھا اور اپنی ناراضگی پر بدستور قائم بھی تھا...... ''فرحان ہم کھانا اپنے کمرے میں ہی منگوا لیں...... صبح سے کچھ نہیں کھایا اور بھوک بھی کافی لگی ہے''...... ''ہاں ٹھیک ہے تم منگوا کر کھا لو، مجھے بھوک نہیں''...... یہ کہہ کر فرحان آگے بڑھ گیا...... ''فرحان تم جانتے ہو کہ مجھے اکیلے کھانا کھانے کی عادت نہیں، تم Please میرے ساتھ کھانا کھا لو''...... فرحان نے بنا میری جانب دیکھے بڑے سرد لہجے میں کہا، ''بہت سی عادات انسان کو وقت کے ساتھ بدلنی پڑتی ہیں...... سو یہ وقت تمہاری اس عادت کے بدلنے کا ہے شاید۔ good night''......

یہ کہہ کر اس نے اپنے کمرے کا دروازہ زور سے بند کر دیا فرحان اس طرح سے مجھ سے کبھی ناراض نہیں ہوا تھا اور اب مجھے اس کی ناراضگی تنگ کر رہی تھی غلطی بھی میری تھی اور مجھے منانا بھی نہیں آ رہا تھا ورنہ ایک دن بعد فرحان خود ہی نارمل ہو جایا کرتا تھا۔ میں وہیں کھڑی رہی تو مجھے پھر بابا کے الفاظ یاد آ گئے۔ ''ناراضگی کو وقت، اور خاموشی کو اگر طویل کر دیا جائے تو فاصلے اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ ان کو ختم کرنا یا کم کرنا بھی ہمارے بس میں نہیں رہتا''...... اور محبت میں دوستی میں وقت کا تعین صرف اب اسی وقت ہی ہوتا ہے ورنہ پھر کبھی نہیں ہوتا...... بابا کہاں کہاں میری رہنمائی کریں گے...... میں بنا کچھ سوچے سمجھے اپنے کمرے میں جانے کی بجائے فرحان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی...... میں نے دروازے پر دستک دی تو اس نے شاید یہ ہی سمجھا ہوگا کہ روم سروس سے کوئی ہوگا...... اس نے آرام سے جواب دیا ''کم اِن''...... وہ سامنے اپنی کرسی پر بیٹھا تھا...... شاید دن بھر کی تھکاوٹ تھی یا پھر آج کی میٹنگ کا اثر تھا، وہ کافی تھکا ہوا لگ رہا تھا...... فرحان نے مجھے دیکھا...... بولا ''کیا بات ہے ''انا'' میں نے کہا نا کہ مجھے بھوک نہیں ہے تم کھا لو...... مجھے سونا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے کمرے کے کونے میں رکھے اپنے سوٹ کیس کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

''فرحان مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' میں نے اس سے گزارش کے سے انداز میں کہا...... ''مگر مجھے تم سے فل حال کوئی بات نہیں کرنی۔''انا'' میں کافی تھک چکا ہوں اور صبح سے ہم نے ہوٹل کے Project پر کام بھی شروع کرنا ہے۔اس کے متعلق سوچو اور جا کر آرام کرو''......اس نے جیسے مجھے ٹالنا چاہا...... میں اس کی پشت کے دوقدم کے فاصلے پر کھڑی تھی،وہ جیسے ہی مڑا تو جیسے مجھ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔اس نے خود کو بڑی مشکل سے روکا۔''کیا بے وقوفی ہے...... ابھی چوٹ لگ جاتی تمہیں اور مصیبت میرے سر''۔''فرحان''......''''انا'' پلیز مجھے ہوٹل کی film کے بارے میں کچھ تو سوچنے دو۔وہ لوگ ویسے بھی ہمیں یہاں بلا کر پچھتا رہے ہیں''......وہ ابھی بول رہا تھا کہ میں نے اس کی بات قدرے اونچی آواز میں کاٹ دی۔

بھاڑ میں جائیں وہ اور بھاڑ میں جائے ان کی film اور یہ Project......Ok۔ Just listen to me فرحان خان...... تمہیں کیا لگتا ہے تم ایسے رہو گے اور میں تمہیں ایسے رہنے دوں گی؟''

افسوس!غلطی ہے تمہاری اور تم اس Project کے بارے میں concern کیوں ہو رہے ہو!اس میں تو سارا ذمہ میرا ہے نا؟ کوئی بات نہیں ہم نہیں کریں گے تو کوئی اور کرلے گا، کس کو فرق پڑتا ہے! مجھے؟ تمہیں؟...... یا پھر ان کمپنی والوں کو؟......کب سے منانے کی،معافی مانگنے کی کوشش کر رہی ہوں۔مانتی ہوں کہ میں نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ سب بہت،بہت زیادہ غلط تھا...... میں شرمندہ ہوں......مگر اب نہ تو میں اس وقت کو واپس لاسکتی ہوں اور نہ ہی اپنے الفاظ واپس لے سکتی ہوں......اگر کچھ کر سکتی ہوں تو وہ صرف یہ کہ تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں......کہ مجھے معاف کر دو اور رہی بات اس فضول project کی تو مجھے اس کی کوئی پراوہ نہیں اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی فرق پڑتا ہے۔مجھے ان لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا کوئی شوق نہیں جو میرے کام سے پہلے میرے دوست کی قابلیت پر اُنگلی اُٹھائیں۔میرے لیے ایسے لوگوں کے لیے کوئی وقت نہیں۔مجھے یہ Project نہیں کرنا تم برائے مہربانی کل کی ٹکٹیں بک کرادو،ہم واپس جائیں گے...... یہ جانیں ان کا کام جانے۔ہم لوگ یہاں ان کا کام کرنے آئیں ہیں نہ ان کے سامنے اپنی صفائیاں پیش کرنے۔''فرحان خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا اور میں یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔اس وقت واقعی مجھے ان لوگوں پر شدید غصہ آرہا تھا...... کیونکہ واقعی انہوں نے ہمارے ساتھ انجانے میں ہی سہی یا پھر وہ اپنا محتاط رویہ دیکھا رہے تھے،مگر یہ رویہ بدتہذیبی میں ہی آتا تھا......

میں نے اپنے کمرے میں جا کر اپنا سامان کھولا، نہا کر نماز پڑھی اور سامنے لگے بڑے سے پردے کی طرف بڑھ گئی۔ جانے سارے دن میں شاید وقت ہی ایسا تھا کہ مجھے کمرے کی طرف دیکھنے کا خیال ہی نہیں رہا۔ میرے کمرے میں داخل ہوئے ہی دائیں طرف دیوار پر بڑی کھڑکی تھی جو کہ پردے سے ڈھکی ہوئی تھی ......اور سامنے والی دیوار کے آگے ایک سادہ مگر خوب صورت پلنگ بچھا تھا جس پر سفید رنگ کی شیٹ بچھی تھی۔ کمرے میں تمام آرائش لائٹ براؤن اور سفید رنگ کی ہوئی تھی اور میرے بیڈ کے سامنے سفید رنگ کے دو عدد صوفہ نما کرسیاں رکھی تھیں۔ کمرے کے ایک کونے میں ٹیلی ویژن اور سائیڈ پر چھوٹا فریج تھا جس میں میری ضرورت کی اشیاء رکھی جا چکی تھی۔ کمرے میں مدھم روشنی اس وقت اچھی لگ رہی تھی۔ سامنے کھڑکی جو سارا دن پردے کی آڑ میں تھی میں نے اس کے پردے کو پیچھے سرکایا......تو سامنے سے جھل مل کرتا شہر جیسے میری کھڑکی سے اندر آنے کو تیار تھا...... کافی روشن اور دِل فریب منظر تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے آسمان کے ستارے زمین پر اُتر آئے ہوں۔

میرا کمرہ اس ہوٹل کی دسویں منزل پر تھا......اور اتنی اونچائی سے نیچے سڑک پر چلتی گاڑیاں مجھے جگنوؤں کی مانند لگ رہی تھیں۔ مجھے اُس وقت گھر والے بھی یاد آرہے تھے اور فرحان کا رویہ بھی......اور میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں یہ Project نہیں کروں گی۔

حقیقت میں! اگر زندگی کے ایسے چھوٹے چھوٹے فیصلے جن سے ہمارے پیاروں کی عزت نفس مجروح ہوتی ہو، ایسے فیصلو کو ترک کر دینا ہی بہتر ہوتا ہے، ورنہ اس طرح کے سطحی فیصلے پوری زندگی پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ میں خود فرحان سے چاہے جتنا مرضی لڑ لیا کرتی، جتنا مرضی اسے بُرا بھلا کہتی مگر میرے سامنے کوئی فرحان کو کچھ کہہ دے، مجھے بہت بُرا لگا کرتا تھا......اور اس وقت فرحان ان لوگوں کی وجہ سے بھی پریشان تھا......اور جو مجھے اس لیے بُری لگ رہی تھی کہ اس وجہ سے فرحان پریشان تھا۔

میں انہیں سوچوں میں گم تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی، میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو سامنے ویٹر ٹرالی لیے کھڑا تھا...... اس نے بڑے مہذب انداز میں کہا، ''dinner mam''......

''مگر میں نے تو''......ابھی یہ الفاظ میں کہنے ہی والی تھی کہ دائیں طرف سے فرحان میرے سامنے آیا، کھانا اندر لے آئیں...... یہ کہہ کر فرحان کمرے کے اندر داخل ہو چکا تھا......

میں خاموشی سے ویٹر کو تمام سامان رکھتے ہوئے دیکھتی رہی اور فرحان سامنے پڑی

کرسی پر جا کر براجمان ہو چکا تھا..... ویٹر کمرے سے جا چکا تھا مگر میں وہیں کھڑی فرحان کو دیکھتی رہی جو کچھ دیر کے بعد بولا۔ ''اب وہیں پر کھڑے رہنا ہے یا آ کر کچھ کھانا بھی ہے۔'' میں اس کے قریب پڑی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی، اس نے ایک پلیٹ میرے سامنے رکھی۔ ''تم لڑکیوں کے پاس یہ سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے، اپنی بات منوانے کا کہ بھوک ہڑتال کر کے بیٹھ جاتی ہو''..... میں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی..... اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا..... ''اچھی خاصی emotional black mailing آتی ہے تمہیں۔ مجھے نہیں پتا تھا''..... اس کے بات کرنے کے سے انداز پر مجھے ہنسی آ گئی..... اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی میرے کمرے میں پڑے فون پر ring ہوئی..... میں نے اُٹھ کر فون اُٹھایا تو بھابھی تھیں۔ ''انو'' کیسی ہو، کیا کر رہی ہو؟..... ''انہوں نے بڑے پیار سے پوچھا.....بس بھابھی ابھی فرحان آیا ہے اور ہم کھانا کھانے لگے تھے.....او، ہو Candle light dinner۔'' انہوں نے مجھے چھیڑنے کے سے انداز میں کہا..... ''نہیں بھابھی اپنے کمرے میں ہی کھانا منگوایا ہے..... صبح سے دونوں بھوکے تھے۔ شام meeting تھی..... اس لیے وقت نہیں ملا نا''..... میں نے انہیں صفائی دی..... ''اچھا چھوڑو میں اور احسن ابھی تمہیں یاد کر رہے تھے، سوچا ذرا پتہ کریں کیا ہو رہا ہے..... اچھا میری فرحان سے بات کراؤ''..... انہوں نے بڑی تیزی سے فرحان کو بلانے کے لیے کہا۔ مجھے حیرت ہوئی مگر میں نے فرحان کو بلایا، ''فرحان بھابھی سے بات کرو''..... فرحان نے فون پر سلام کے بعد کچھ دیر بعد اچانک ''جی'' کہا، مگر بھابھی! آپ..... جی ٹھیک ہے۔'' مجھے اس کی بات سے کچھ اندازہ تو نہیں ہوا تھا..... کہ بھابھی نے اسے کیا کہا! مگر اس کے چہرے سے اس کی حیرت اور کچھ گھبراہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ پھر اس نے جواب دیا..... ''خیریت سے ہیں بھائی۔ انا بھی ٹھیک ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ اگر کچھ Problem ہوئی تو آپ کو ضرور بتاؤں گا..... خدا حافظ۔''

''احسن بھائی بات کر رہے تھے؟ میری بات کراتے۔ میں نے اس سے پوچھا جس پر اس نے کہا کہ انہوں نے فون رکھ دیا۔ میں کیا بات کراتا''.....

''اچھا چلو کھانا کھائیں، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ کھانا کھاتے کھاتے فرحان نے میری جانب دیکھے بغیر کہا، جس طرح نماز کے لیے پُرسکون ہو جاتی ہو..... اس حلیے سے تو ایسا ہی لگتا ہے کہ زندگی میں غصہ اور ناراضگی تو تمہارے قریب بھی کبھی بھٹکی نہیں ہو گی..... اس طرح ہر وقت نہیں رہ سکتی..... ویسے ایسے دوپٹہ اوڑھے اچھی لگتی ہو مگر اچھے لگتے ہوئے نظر لگنے کا بھی ڈر ہوتا ہے۔'' میں نے اسے دیکھا۔ ''یہ تم میری تعریف کر رہے ہو یا طنز کر رہے ہو۔ میں نے ایک گِلے

کے انداز میں پوچھا..... مُسکراتے ہوئے بولا۔

میں تو جو کر رہا ہوں، سو کر رہا ہوں۔ تمہیں جو سمجھنا ہے وہ سمجھ لو۔"

"ویسے غصہ تو تم ہمیشہ ہی سے کرتی ہو مگر غصے کی حالت میں اتنے بڑے بڑے فیصلے لینے کی عادت کافی مہنگی پڑا کرتی ہے اکثر"......

"کیا مطلب"...... میں نے پوچھا۔

"یہ ہی کہ تم یہ Project نہیں کرو گی اور کل واپسی کی تیاری۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم یہاں محض وقت گزارنے آئے ہیں کہ میں اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے تمہیں واپس لے جاؤں گا؟"

اس نے مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو میں نے بھی شرارت سے کہا۔ "تو تم کیا سمجھتے تھے کہ میں تمہارے ایسے ہی گو بھی سے منہ کے ساتھ یہاں ایک مہینہ کام کرلوں گی۔ Never فرحان صاحب، اگر یہ کام ہوگا تو "انا" اور فرحان جیسے ہمیشہ سے کام کرتے آئے ہیں، ویسے ہی ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا اور میں کوئی مذاق بھی نہیں کر رہی تھی۔ فرحان یہ سچ ہے کہ ہم دونوں کو مالی طور پر تو اس کام کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں تو بس اپنے تجربے کے لیے ہی Projects کرنے ہیں نا...... تو وہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں اور جو چاہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ ویسے بھی ان لوگوں نے جس طرح سے ہمارے ساتھ بات کی ہے مجھے ان کا رویہ بھی کچھ پسند نہیں آیا..... جیسے ہم اُن کے غلام ہوں۔" میرے چہرے پر ایک دم سے ناگواری کے آثار پا کر فرحان بولا۔

"نہیں یار۔ ان میں سے ایک ہی کو اعتراض تھا اور وہ بھی ہماری کم عمری پر..... شاید اسے معلوم نہیں اور ویسے بھی "انا" لوگ ظاہر پر زیادہ اعتبار کرتے ہیں۔ اب ہمارے چہرے یا ہماری عمروں سے تو انہیں یہ شک کچھ غلط بھی نہیں تھا۔ آخر ان کے ہوٹل کی ساکھ کا معاملہ ہے۔" فرحان میری تسلی کے لیے ان کی سائیڈ لے رہا تھا۔ مجھے بے زاری سی ہوئی، اس کی اس صفائی پر تو میں نے کہا "اچھا چھوڑ اب ان کی صفائی تو مت دو...... مجھے معلوم ہے انہیں کس بات کا ڈر تھا"......

"اچھا تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ کل دیکھتے ہیں کہ وہ میری شرائط کے مطابق کام کرواتے ہیں کہ نہیں۔ اگر نہیں تو ہم واپس چلے جائیں گے۔ اس میں فکر کی تو کوئی بات نہیں۔ اب مزید مت سوچو تم۔" فرحان نے ایک بار مجھے پھر تسلی دی...... اور خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

"فرحان"...... میں نے دھیرے سے اسے پکارا۔

اب کیا بات ہے۔ "انا"

''مجھے معاف کر دو نا...... میں نے تمہیں بہت غلط کہا۔ تمہارا دِل دکھایا نا''......

تو اس نے مُسکرا کر میری طرف دیکھا......اور بولا......

''جانتی ہو ''انا'' ہم انسانوں کی زندگی کے فلسفے بہت عجیب ہوتے ہیں۔ ہم انہیں لوگوں کو دکھ دیتے ہیں جو ہمارے سب سے زیادہ اپنے ہوتے ہیں یا شاید جن پر ہم اپنا حق سب سے زیادہ جتاتے ہیں اور ایک طرح سے یہ صحیح بھی ہوتا ہوگا......مگر میری زندگی کا فلسفہ اس سے بالکل مختلف ہے......

میں نے آج دن تک ان لوگوں کو دکھ نہیں دیا، تلخ کلامی نہیں کی، بدتمیزی نہیں کی جن کو میں اپنا بہت اپنا سمجھتا ہوں کیونکہ میرا دِل اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں جس انسان سے پیار کرتا ہوں، مِیں اس پر غصہ کروں''......

''میں اس کی بات کاٹتے ہوئی بولی تو تم تو پھر ایک نارمل انسان نہیں ہونا اگر تم غصہ نہیں کرتے۔''

''میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ میں غصہ نہیں کرتا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں ان پر غصہ نہیں کرتا جن سے مَیں پیار کرتا ہوں جو میرے اپنے ہیں اور آج دن تک مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی ممی، ڈیڈی یا تمہاری کسی بات کا غصے میں جواب دیا ہو یا کبھی تلخ کلامی کی ہو مگر ایسا ضرور ہوتا ہے کہ جب تم لوگ مجھے تنگ کرتے ہو تو وہ غصہ کہیں اور نکل جاتا ہے۔ اس دِن میری کسی نہ کسی سے لڑائی ضرور ہوتی ہے۔ چاہے گاڑی چلاتے ہوئے سڑک پر ہو جائے یا کبھی سامان خریدتے بازار میں......مگر ہوتی ضرور ہے۔ کوئی اور جیسے میں نہیں جانتا اور جو بے چارہ مجھے نہیں جانتا، اس پر یہ غصہ نکل جاتا ہے اور میں Normal ہو جاتا ہوں۔''

''ہم غصہ اپنوں پر کیوں کریں اور وہ اپنے جن کے بغیر ہم نامکمل ہیں...... مجھے نہیں معلوم کہ میری یہ تھیوری ٹھیک ہے یا غلط ہے مگر ہے'' میں حیرت سے فرحان کی طرف دیکھتی رہی......ابھی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ میرے کمرے میں دوبارہ فون بجا......میرے فون اُٹھانے پر دوسری جانب ریاض صاحب تھے......''مس ''انا'' میں نے فون اس لیے کیا ہے کہ میں نے ایک اردو سپیکنگ ڈرائیور اور گاڑی نیچے ہوٹل کی پارکنگ میں بھجوا دی ہے، آپ نمبر نوٹ کر لیں، آپ کو جب بھی ضرورت پڑے، اس نمبر پر فون کر کے ڈرائیور کو بلوا لیجئے گا۔ وہ آپ کو جہاں جانا ہوگا وہاں لے جائے گا اور صبح 11 بجے آپ کی Meeting ہے۔ ہوٹل کے Project کے سلسلے میں آپ کو اور فرحان صاحب کو اسی جگہ جانا ہے جہاں آپ آج گئے۔ آپ لوگ چلے

جائیے گا۔ ڈرائیور وہاں لے جائے گا''......اس نے مجھے نمبر نوٹ کرایا اور فون بند کر دیا......

فرحان نے کھانا کھانے کے بعد...... کچھ سوچتے ہوئے مجھ سے کہا۔ ''انا'' زرقا بھابھی نے تم سے کچھ کہا...... میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا، ''کس بارے میں''...... کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا '' کچھ نہیں''......ایسے ہی......خیر......اب تم بھی آرام کرو۔ میں بھی چلتا ہوں۔ صبح بھی اُن لوگوں سے ملتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ کیا ہوتا ہے مگر تم پریشان نہیں ہونا''۔

فرحان اپنے کمرے میں چلا گیا اور میں دوبارہ اس کھڑکی کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی...... عجیب سی کیفیت تھی۔ ایک تو نئی جگہ ہونے کی وجہ سے نیند بھی مجھ سے کوسوں دور تھی اور تھکن کی وجہ سے طبیعت کچھ بے زار...... میرا خیال تیز رفتار چلتی گاڑیوں کی تعداد پر تھی، جواب قدرے کم ہو چکی تھی...... ایک دم سے مجھے دوری کا احساس ذِچ کرنے لگا۔ ہمارے والدین اور ہم...... کہاں پہنچ چکے ہیں؟ ہماری زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ...... جیسے ہم سب جھیل رہے تھے...... میں نے اپنے بیگ میں سے فون نکالا اور اس پر سے نعمان بھائی کا نمبر دیکھ کر ان کے گھر کے نمبر پر اپنے ہوٹل کے نمبر سے کال ملائی۔ آگے سے بھابھی نے فون اُٹھایا۔ میری آواز سن کر کافی خوش ہوئیں اور جب انہیں یہ پتہ چلا کہ میں دبئی میں اپنے Project کے سلسلے میں آئی ہوا، تو ایک طرح سے انہوں نے مجھ سے ہلکا سا گلہ بھی کر دیا کہ ہم لوگوں کو بتایا ہی نہیں...... میں نے مسکراتے ہوئے نا چاہنے کے باوجود جانے کیسے یہ گلہ کر دیا، ''بھابھی کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ سے میں دوری پر تو ہوں نا۔ چاہیے وہ دوری یورپ سے پاکستان کی ہو یا یورپ سے دبئی تک...... سن تو ہم ایک دوسرے کی آواز ہی سکتے ہیں''...... جس پر شاید وہ تھوڑی ذِچ ہوگئی اور میرے کہنے پر انہوں نے نعمان بھائی کو فون پر بلا دیا...... اور نعمان بھائی خیریت جاننے کے بعد اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگے کہ میں نے اچھا کیا جو اپنی پڑھائی کو ضائع نہیں کیا۔ وہ مجھے سراہ رہے تھے اور یہ بھی ذکر کر دیا کہ ہاں ''مجھے معلوم تھا احسن نے سرسری سا ذکر کیا تھا کہ تمہارا کوئی ایسا پروگرام بن رہا ہے...... مگر تم اتنی جلدی چلی جاؤ گی، اس کا پتہ نہیں تھا۔ خیر سکون سے اپنا کام کرنا، کسی چیز کی فکر مت کرنا''...... ''جس پر میں نے ان سے کہا...... بھائی فکر تو ہے اور پُرسکون بھی نہیں ہوں۔ لگتا ہے اس کام میں کامیابی مشکل ہی ہے اس بار تو......؟''

تو انہوں نے استفسار کیا، ''کیوں ''انو'' کیا ہوا؟ مجھے بتاؤ...... سب خیر ہے نا'' میری خاموشی پر وہ اُلجھے......'''' انو' بولتی کیوں نہیں ہو بیٹا۔ بتاؤ ''انو''' جانے کیوں میری آواز کانپنے لگی!...... بھیا، جی...... میں یہ کہہ کر پھر رُک گئی......

''انو'' میری جان نکالو گی کیا۔ کیا ہوا ہے، بتاتی کیوں نہیں، اس بار بھیاء کا لہجہ قدرے سخت تھا۔

بھیاء آپ واپس آجاؤ، چھوڑ دو پردیس...... یہاں سب بہت اُداس ہیں۔ آپ کو اور منیر بھائی کو سب بہت یاد کرتے ہیں۔ کہتے نہیں مگر گھر میں اماں، ابا، بابا، احسن بھائی سب آپ کے بنا ادھورے ہیں، اگر وہ خاموش ہیں تو صرف آپ دونوں کی خوشی کی وجہ سے، ورنہ اگر ان کے بس میں ہوتو وہ سب ایک لمحہ بھی آپ سے دور نہ ہوں۔ بھیاء میں نے اس کرب کو محسوس کیا ہے۔ میں اس پل میں سے آج دوسری مرتبہ گزری ہوں...... جب میں ان سب کی آنکھوں میں ایک آس کا دیپ جلائے انہیں ایئر پورٹ پر بھیگی آنکھوں کے ساتھ چھوڑ کر آگے بڑھ رہی تھی تو ان کی آنکھوں میں محض مجھے الوداع کہنے کے لیے آنسو نہیں تھے۔ ان آنسوؤں میں منیر بھائی اور آپ بھی شامل تھے...... کیوں بھیاء، کیوں آپ لوگوں نے ہم سب کو تنہا چھوڑ دیا۔ کیوں محض کاغذ کے چند ٹکڑوں کے عوض آپ اپنا درد، اپنی خوشی، اپنا غصہ ہم سے بانٹ نہیں پاتے اور کیوں آپ انہیں کاغذ کے پرزوں کے لیے ہماری زندگیوں میں اپنی جدائی کو رقم کر چکے ہو...... ایسے کیسے خوش رہ سکتے ہو آپ دونوں۔ بھیاء دن میں ایک بار کم از کم ایک بار تو آپ کو گھر والے، کسی نہ کسی موقع پر کسی لمحے پر ٹوٹ کر یاد آتے ہوں گے۔ ان کی ضرورت، اُن کے پیار بھرے جملے اور شفقت بھری گود یاد آتی ہوگی۔ بھیاء کیوں آپ بابا اور ابا کا چہرہ بھلا چکے ہو۔ کبھی اس بارے میں سوچا ہے کہ کل اگر وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے تو آپ آخر وقت آکر انہیں لحد میں اُتار کر خود کیا مطمئن زندگی گزار سکو گے...... نہیں بھیاء۔ اس جیل سے نکل آؤ اور منیر بھیاء کو بھی نکال لاؤ...... کب تک ہم اپنے جذبوں کو، اپنے پیار بھرے رشتوں کو، ان کے احساس کو اور سب سے بڑھ کر ان کے آخری سفر کو پاؤنڈز اور ڈالرز پر قربان کرتے آئیں گے...... بھیاء انہیں صرف آپ کی موجودگی کا احساس زندہ رکھے ہوئے ہے، مگر وہ اپنی زندگی کو بھرپور طریقے سے جئیں گے، جب آپ لوگ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوں گے۔ بابا اور ابا اپنے پوتے پوتی سے کھیلنے کے لیے ترس رہے ہیں۔ ابا تو پھر بھی غصہ کر کے دِل کا غبار نکال لیتے ہیں مگر بابا کو تو آپ جانتے ہو۔ انہوں نے ہمیشہ ہم سب بچوں کی خواہشات کو دُنیا کی ہر چیز پر ترجیح دی ہے۔ بھیاء Please آپ لوگ واپس آجاؤ...... آگ لگا دو سب چیزوں کو بس اپنے گھر اپنے رشتوں اور سب سے بڑی بات پیار کرنے والوں کو سنبھال لو...... رشتے سب کے پاس ہوتے ہیں مگر محبت سے بھرے رشتے، خود کو اپنی خواہشات کو دوسروں پر قربان کرنے والے رشتے ہر ایک کی قسمت

میں نہیں ہوتے''...... جانے کیوں یہ سب باتیں کرتے ہوئے میرے لہجے میں اتنی تلخی کیوں آ گئی کہ میں نے بنا کچھ سنے، بھیاء کا جواب جانے بغیر ہی فون کو بند کر دیا۔

شاید اس وقت مجھ سے بھیاء کی کسی بھی مجبوری کا بہانا سننے کی ہمت نہیں تھی...... وہ رات میرے لیے انتہائی بوجھل رہی اور میں تقریباً ساری رات وقتاً فوقتاً اپنا چہرہ اپنی چادر سے پونچھتی رہی......اور ویسے بھی آنسوؤں پر، محبت پر اور بُرے وقت پر کسی کا اختیار تو ہوتا نہیں اور نہ ہی یہ ہم سے پوچھ کر یا ہم سے اجازت لے کر آتے ہیں اور اس حقیقت کو میں اب مان چکی تھی...... رات اتنی اکیلی بھی ہوتی ہے۔ اس کا اس سے پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا...... کیونکہ یہ میری زندگی کی پہلی رات تھی جو میں اپنوں سے دور، بہت دور اکیلے بیتا رہی تھی...... صحیح معنوں میں، تنہائی کیا ہوتی ہے، مجھے آج معلوم ہوا تھا...... جدائی محبت کو اور زیادہ مضبوط کرتی ہے اور میرے نزدیک شاید میری زندگی کا پہلا اور آخری موقع ہوگا کہ میں اپنے گھر والوں سے جدا ہوں گی۔ آج رات یہ وعدہ خود سے تو میں نے کر لیا تھا کہ زندگی کی ہر مشکل، ہر کڑے وقت کے ساتھ سمجھوتہ کر لوں گی مگر اپنے اور اپنے پیار کرنے والوں کے درمیان جدائی سے سمجھوتہ کبھی نہیں کروں گی......اور خاص طور پر زندگی میں موجود خود سر جدائی کو تو کبھی قبول نہیں کروں گی...... اپنی اس ادھیڑ بن میں لگی تھی کہ فجر کی اذانیں ہونی لگیں۔ میں نے نماز ادا کی اور اپنا بکھرا سامان کمرے کے ایک طرف رکھا۔ جب کیمرے کا بیگ اُٹھانے لگی تو اچانک ایک خیال آیا جس نے مجھے فون کے قریب جانے پر مجبور کر دیا۔ باہر ابھی اندھیرا تھا مگر رات اپنے ختم ہونے کے آثار بتا رہی تھی...... دوسری جانب سے آواز آئی۔''عامر بات کر رہا ہوں فرمائیں۔ عامر صاحب میں ''انا'' ہوں شاید آپ کو ریاض صاحب نے بتایا ہوگا، جی جی محترمہ فرمائیں...... آپ ابھی آ جائیں، مجھے ذرا سائیڈ پر جانا ہے۔ میں نے جلدی سے کہا، مگر محترمہ ابھی تو صبح بھی نہیں ہوئی...... عامر صاحب مجھے روشنی ہونے سے پہلے سائیڈ پر پہنچا ہے، آپ Please جلدی سے آ جائیں، میں بس 2 منٹ میں Parking میں پہنچتی ہوں، یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا''......

یہ کہہ کر میں نے اپنے کیمرے کا بیگ اُٹھایا اور چادر کو اپنے گرد لپیٹا۔ باہر جانے پر ہلکی سی سردی کی لہر تھی مگر پاکستان جیسی سردی کا تو نام ونشان بھی نہیں تھا۔ مجھے ابھی مشکل سے تقریباً 5 منٹ ہی car parking میں کھڑے ہوئے ہوں گے کہ ایک سفید رنگ کی کار میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ سامنے کھڑے ہوتے ہی اُس نے احتیاطاً پوچھا، مس ''انا'' میں نے اثبات میں سر ہلایا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس وقت سڑک پر معمول کے مطابق رش بھی نہیں

تھا۔ میں نے اسے گاڑی تیز چلانے کا کہا...... اور اس نے تقریباً 15 منٹ میں مجھے اس ہوٹل کے باہر اُتارا جہاں میں کل آئی تھی...... ہوٹل کے سامنے سمندر تھا۔ وہ گاڑی سے نکل کر باہر کھڑا ہوگیا کہ میں اتنی صبح کیا کروں گی۔ میں نے اپنا Bag کھولا...... اس میں سے کیمرہ نکالا اور پہلے اس tripod پر سیٹ کیا۔ بیگ کی چھوٹی پاکیٹ کھولی تو بیچ میں سیلوں کا وہ پیکٹ پڑا تھا جو احسن بھائی نے رات آ کر خاص طور پر میرے حوالے کیا تھا کہ وہاں جاتے ساتھ ہی اگر ضرورت پڑ گئی تو کہاں ڈھونڈتی پھروں گی۔ اسے دیکھ کر میرے چہرے پر مُسکراہٹ آ گئی...... میں نے جلدی سے کیمرہ آن کیا...... اور صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ساتھ میں نے ہوٹل کے آؤٹ ڈور، ویوز لینے لگی۔ میں نے تقریباً...... آٹھ بجے تک اس ہوٹل کے چاروں جانب سے تمام ویوز کی تصویریں بنالیں...... اور اس دوران سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ ساتھ اس ملگجے اندھیرے میں کچھ ویوز اور Pictures لیں جن سے میں خود مطمئن تھی۔ کیمرے میں ان تمام ویوز پر کام کرنے کا اس وقت تک ہماری اس شعبے کا پتہ نہیں چلتا جب تک ہم اسے کمپیوٹر پر ایک بڑی سکرین پر نہ دیکھیں...... خیر اس کے بعد میں اس ہوٹل کے top پر چلی گئی اور صبح کے مناظر top پر سے لیے اور ہوٹل کے اندر بڑے ہال جن میں شادی ہال، میٹنگ ہال اور دوسرے اہم شعبہ جات پر (مشتمل) ہال پر ایک recording بنالی تھی...... بعد میں جاتے جاتے میرا گزر اس loby میں سے ہوا جہاں سے بالکل سامنے وہی دفتر تھا...... جس میں ابھی تھوڑی دیر بعد ہماری میٹنگ تھی۔ مجھے جانے کیوں اس loby میں لگی ان پینٹنگ میں ایک کشش محسوس ہوئی اور میں نے ان printing کے Pictures بنالی۔ اس سارے کام میں وقت کیسے گزرا، مجھے کچھ اندازہ نہیں ہو پایا تھا...... اور مجھے خبر اس وقت ہوئی جب ریاض صاحب اور فرحان میرے پیچھے کھڑے تھے اور میں ہوٹل میں بنی lobby میں کھڑکی پر سے نیچے ہوٹل کی پارکنگ کے شارٹ بنا رہی تھی۔ میں جیسے ہی پیچھے مڑی تو فرحان کو دیکھ کر میں ایک دم سے ڈر سی گئی، فرحان تم یہاں...... اس وقت پھر میری نظر ریاض صاحب پر گئی جو مسکرا رہے تھے۔ ''مس انا ساڑھے دس بج چکے ہیں اور آپ کی میٹنگ ہے۔'' میں نے حیرت سے فرحان کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر غصے کے کچھ آثار نمایاں تھے۔ ریاض صاحب نے دفتر کی طرف جانے کا اشارہ کیا تو فرحان کے قریب سے گزرنے پر فرحان نے آہستہ سے کہا، ''تمہاری خبر تو میں بعد میں لوں گا۔ پہلے میں ان سے نپٹ لوں، یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا اور مجھے اندازہ ہوگیا کہ فرحان کسی بات پر مجھ سے غصہ ہے۔ ہم لوگ آفس میں گئے تو اس بزرگ جس کو ہماری قابلیت یا شاید ہمارے کام

کے معیار پر بھروسہ نہیں تھا اور اس کے ساتھ وہ شخص جس نے سب سے پہلے ہم سے بات کی تھی شاید ہمیں بابا بھی اسی نے تھا، دونوں موجود تھے...... ہم ان کے جواب کے منتظر تھے مگر انہوں نے ہمیں بولنے کی پیشکش کی، جس پر فرحان نے اپنی شرط کو دوبارہ دوہرایا...... اور وہ عربی مسکرانے لگا۔ مسکراتے ہوئے اس نے ہمارے بات کو عربی ترجمے میں اپنے باس کو بتایا...... جس نے میری طرف حیرت سے دیکھا...... اور پھر اس کا سوال ہمارے سامنے آیا کہ ''یہ لڑکی کیا کردار ادا کرے گی اس کام میں''...... جس پر فرحان نے انہیں بتایا کہ ''اصل کام یہ لڑکی ہی کرے گی۔ میں صرف اس کو اسسٹ کرتا ہوں۔ اس کی ہدایت پر میں کام کرتا ہوں، جس پر میں نے حیرت سے فرحان کی طرف دیکھا......

شاید یہ دُنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے کہ انسان اپنی قابلیت کو کسی دوسرے کے نام سے منسوب کر دے یا اپنی قابلیت اور اہمیت سے انکار کر کے دوسرے کو اس کا تمام تر ذمہ دار ٹھہرا دے۔ یہ فرحان کا آج نیا روپ میرے سامنے عیاں ہوا تھا۔

مجھے اپنی تقدیر اور فرحان کی دوستی پر ایک بار پھر رشک آنے لگا...... اور قدرت کا قانون میری سمجھ میں وقت کے ساتھ ساتھ آ رہا تھا کہ مرد کا دل اور اس کی برداشت اگر حدوں کو پار کرنے پر آئے تو بہت وسیع ہو جاتی ہے...... اسی لیے تو قدرت نے مرد کو ہی گھر کا سربراہ مقرر کیا ہے...... اور شاید اسی لیے بابا نے فرحان کو اس وقت گھر سے باہر میرے سربراہ کی حیثیت سے ہی بھیجا تھا...... اچانک میرے نام پکارے جانے پر میں اپنے خیالات سے باہر نکلی، اس وقت وہ سب کھڑے تھے۔ شاید وہ ہمیں کہیں لے جانا چاہتے تھے...... فرحان نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا کہا...... اور ہم ان کے پیچھے چل دیئے اور وہ اس ہال نما کمرے کے اندرونی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ میرے خیال سے اس کے اندر بھی ایک کمرہ ہوگا مگر نہیں ایسا نہیں تھا وہاں سے پھر ایک لوبی شروع ہوگئی اور اس لوبی کے اردگرد شیشے کی دیوار تھی، یعنی بیچ میں چلتے ہوئے ہمیں اس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ہم بس ایک ڈنڈی کے اوپر یا ایک پل کے اوپر سے گزر رہے ہیں، کیوں کہ دائیں بائیں شیشے کی اتنی شفاف دیوار تھی جسے صرف چھو کر اس بات کا یقین ہوتا تھا کہ ہم محفوظ ہیں...... میں نے جیسے ہی اس جگہ کو دیکھا تو ایک دم سے جیسے میرا سانس سا رُک گیا، کیونکہ وہ بہت پتلی سی نفیس سی گلی تھی۔ میں تھوڑی دیر کے لیے وہاں ٹھہر گئی جب کہ فرحان آگے چلتا جا رہا تھا۔ چند قدم آگے جا کر اس نے اچانک رُک کر پیچھے دیکھا تو مجھے خود سے کافی فاصلے پر پایا...... میرے چہرے کی گھبراہٹ سے اسے اندازہ ہو گیا تھا جیسے میں ڈر رہی

ہوں۔ تیزی سے پیچھے آیا اور میرا ہاتھ تھام لیا، بنا کچھ بولے......اور میں دونوں جانب سے نیچے یعنی عمارتوں اور دوا چلتی گاڑیوں اور تقریباً اس لمحے مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میرا اگلا قدم سمندر کے بیچ ہی پڑے گا۔ تقریباً 15 بیس فٹ بھی اس گلی سے گزرنے کے بعد ایک دروازہ کھلا اور ہم لوگ اس کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ وہ کمرہ بھی اپنے اندر فن ماہرات کا منہ بولتا ثبوت تھا......مگر وہ پچھلے دفتر سے قدرے چھوٹا تھا......اور اس کے ایک طرف آہنہ نما دیوار تھی......اس دیوار میں اسی طرز کا دروازہ کھول کر ان موصوف نے ہمیں اندر آنے کا کہا جس کے تینوں اطراف ہمارے ضرورت کی تمام چیزیں آراستہ تھیں، جنہیں دیکھ کر ہمیں اس بات کا اندازہ ہوگیا کہ یہ Project ہمیں مل چکا ہے۔ فرحان نے میری طرف دیکھا اور پھر اس شخص سے بات کی، مجھے امید ہے......کہ یہ بات آپ اچھی طرح سے سمجھ چکے ہیں کہ ہمارے کام کے دوران کسی قسم کی دخل اندازی ہمارے اصولوں کی سخت خلاف ورزی ہوگی‘‘......’’اور اس بات کا یقین مجھے تو ہے، آپ بھی تسلی کر لیجئے کہ 20 دن بعد آپ کی اُمید سے بڑھ کر آپ کو اپنی Short film اور website ملے گی‘‘......

انہوں نے مسکرا کر فرحان سے ہاتھ ملایا......اور اس عربی نے عربی میں ہمیں کچھ کہا مگر ہم نے سوالیہ نظروں سے دوسرے کی جانب دیکھا......تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ سر یہ کہہ رہے ہیں کہ ’’اس بات کی تسلی تو مجھے اسی وقت ہوگئی تھی کہ آپ کام کافی ایمان داری سے کرنے کے اہل ہیں جب صبح میں نے منہ اندھیرے ان صاحبہ کو یہاں کیمرے اُٹھائے تصویریں لیتے ہوئے دیکھا تھا......ہاں یہ بات اور ہے کہ آپ کا کام مجھے پسند آئے گا یا نہیں‘‘، اس بارے میں میں قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتا......یہ سن کر فرحان نے میری جانب دیکھا اور میں نے سر جھکا لیا......یہ کہہ کر وہ دونوں عربی کمرے سے باہر جا چکے تھے اور ریاض صاحب نے ہمیں باقی ہدایات دیں اور ساتھ ہی اپنے کوٹ کی جیب سے دو موبائیل نکال کر دیئے......ایک مجھے اور ایک فرحان کو۔ ’’یہ کمپنی کی طرف سے آپ کو دیئے جا رہے ہیں کہ ضرورت پڑنے پر وہ لوگ آپ سے رابطہ رکھ سکیں......اس کے علاوہ آپ اپنی ذاتی استعمال میں بھی ان کو رکھ سکتے ہیں۔ اپنے گھر والوں کو بے شک یہ نمبر دے دیجئے......کیونکہ آج صبح کے حالات دیکھنے کے بعد مجھے نہیں لگتا کہ آپ لوگ انہیں ہوٹل کے نمبر پر میسر ہوں گے‘‘۔ اس نے مسکرا کر ایک بار پھر میری طرف دیکھا......اور موبائل میری جانب بڑھا دیا......

ان کے جاتے ہی میں ذہنی طور پر فرحان کی ڈانٹ کے لیے تیار تھی......فرحان نے

میری طرف دیکھا...... اور سامنے جا کر کرسی پر بیٹھ کر مجھے گھورنے لگا۔ میں نے ایک نظر میں کمرے کا جائزہ لیا جو کہ ہماری ضرورت اور آسانی کے مطابق سیٹ کیا تھا۔ کمرے کے باہر ایک چھوٹی سی بالکونی تھی جہاں دو تین کرسیاں اور ٹیبل بچھا تھا...... کیونکہ یہ جگہ ساحل سمندر پر واقع تھی، اس لیے میں ہر طرف سے سمندر ہماری آنکھوں کے سامنے تھا...... میں وہاں سے سب دیکھ کر ابھی اندر آئی تھی تو فرحان اسی حالت میں بیٹھا تھا...... ''کیا ہوا فرحان ایسے کیوں بیٹھے ہو......؟'' ''انا'' ''میں تمہیں کیا کہوں اب'' ......اس نے انتہائی لاچاری سے مجھے دیکھا...... تم ایک طرف انتہائی محتاط رویے کی مالک ہو اور دوسری طرف تم اس قدر کم عقلی اور بے وقوفی کا ثبوت دیتی ہو کہ میں کچھ لمحوں کے لیے یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ تم ہو کیا؟...... اب یہ سب کرنے کے بعد میں تمہیں کیا کہہ سکتا ہوں، بچی تو تم ہو نہیں کہ میں تمہیں ڈانٹوں...... اور نہ ہی بے وقوف کہ میں تمہارے سامنے ہر بات کی dictation رکھوں جیسے تم نے یاد کر اگلا قدم اُٹھانا ہو گا مگر مجھے تم سے اس احمقانہ رویے کی اُمید ہرگز نہیں تھی'' ...... ''کیا ہو گیا فرحان کچھ ہوا تو نہیں نا بابا'' ......میں نے لاپرواہی سے اسے جواب دیا، جس پر اس کا غصہ شدید ہو گیا ''انا'' تم سمجھتی کیا ہو...... خود کو؟...... کچھ ہو گا تو ہمیں فکر مند ہونا چاہیے یا ہمیں اپنی زندگیوں میں کچھ برے ہونے کا منتظر رہنا چاہیے کہ کچھ برا ہو گا تو ہی ہم اسے ٹھیک کریں گے۔ کیا یہ غلط ہے کہ برا ہونے سے پہلے ہی ہم اُسے روک دیں۔ ایک انجان ملک جہاں تم زندگی میں پہلی بار آئی ہو، جہاں کی زبان تمہیں نہیں آتی اور جہاں تم کسی کو جانتی نہیں، اس ملک میں مجھے بتائے بغیر تم ایک غیر انسان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر منہ اندھیرے باہر سڑکوں پر گھوم رہی ہو...... اور میں بے خبر سو رہا ہوں یہ تو اچھا ہوا کہ اس ڈرائیور نے ریاض صاحب کو فون کر کے اسی وقت بتا دیا، جس وقت تم یہاں تصویریں لے رہی تھی اور ریاض صاحب نے مجھے اسی وقت نہ صرف اطلاع دی بلکہ مجھے لینے کے لیے ہوٹل آ گئے اور ہم تمہارے یہاں پہنچنے کے بیس منٹ بعد تمہارے ساتھ تھے...... مگر تم اپنے کام میں اس حد تک مگن تھی کہ تمہیں یہ احساس بھی نہیں تھا کہ تمہارے آگے پیچھے کون ہے...... ''انا'' میں تمہیں یہاں آنے سے روکتا نہیں اور نہ ہی کام کرنے سے منع کرتا اور نہ ہی یہ کہتا کہ کل چلیں گے، تم اپنے کام میں مگن تھی کیا تمہیں اندازہ نہیں کہ برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں اور چلو سب کو چھوڑ بھی دو تو کیا بھروسہ ہے اُس ڈرائیور کا جس کے ساتھ تم منہ اندھیرے یہاں آئی تھی...... وہ اگر تمہیں یہاں لانے کی بجائے کہیں اور لے جاتا تو؟ اس وقت تو کسی کو یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ اتنی صبح تم کہاں جا رہی تھی...... یہاں تک کہ تم نے رات تک مجھ سے اپنے

اس پروگرام کے بارے میں کوئی ذکر بھی نہیں کیا تھا، اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں تمہیں کہاں ڈھونڈتا...... کس سے کہتا اور کیا کہتا...... اور پھر تمہارے گھر والے، جنہوں نے خدا کے بعد تمہیں میرے سپرد کیا تھا، انہیں کیا جواب دیتا...... اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر کچھ ہو جاتا تو میری ساری زندگی، زندگی رہتی کیا؟ ''

''خود بتاؤ'' انا'' سوچو اس لمحے اس بات کی نزاکت کو سمجھو کہ اگر میں تمہاری ذمہ داری پر ہوں اور تم اپنے کمرے میں سو رہی ہو اور مجھے میرے کمرے میں ہی آ کر کوئی مار جائے یا کوئی اور حادثہ ہو جائے جس میں تمہارا کوئی قصور بھی نہ ہو تو کیا تم ساری زندگی خود کو معاف کر پاؤ گی؟ تمہیں معلوم ہے اس وقت تم کس قدر لاعلم تھی، اپنے اردگرد کے ماحول سے...... اور ایک یہ تمہارا ipod، میں اس ipod سے سخت تنگ ہوں...... تم دُنیا سے بے خبر ہو کر اپنے لیے ایک الگ دُنیا میں کام کرنا، اس حد تک تو ٹھیک ہے مگر جب اکیلے کام کرنا ہو...... تو انسان اس قدر لاپرواہی نہیں برتتا...... اور ویسے اس Ipod پر بنا لفظوں کے جو کچھ تم سنتی رہتی ہو، میری سمجھ میں تمہارا یہ فلسفہ کبھی نہیں آیا...... مگر خیر یہ تمہارا انتہائی ذاتی معاملہ ہے جس میں میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتا مگر میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ Please جب تک تم میرے ساتھ ہو، میری ذمہ داری ہو اور مجھے خیریت سے تمہیں تمہارے گھر والوں تک واپس پہنچانا ہے اور مہربانی کر کے میری اس درخواست کو مذاق سمجھنے یا میری جذباتیت سمجھنے کی غلطی مت کرنا...... اور دوبارہ جب بھی جہاں بھی جانا ہو، مجھے بتا کر احسانِ عظیم کر دینا''...... فرحان نے اس انداز سے بات میرے سامنے واضح کر دی کہ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میں غلطی پر تھی...... پر مجھے اس بات کی حیرت بھی تھی کہ آج کل غلطی پر غلطی مجھ سے کیوں ہو رہی تھی...... اور ہر بار میری غلطی کی زد میں فرحان ہی کیوں آ رہا تھا اور وہ ہر بار مجھے احساس دِلا کر معصومیت سے آگے بڑھ جاتا تھا۔

اس نے آج دِن تک کبھی مجھے میری غلطی کے لیے ذمہ دار نہیں ٹھہرایا، بس اتنا کہہ دیا کرتا تھا کہ تم ایسا نہ کرو...... اور اب واقعی ایسی صورتِ حال میں مجھے اس کے سامنے مزید شرمندگی ہو رہی تھی...... اور میں اس سے کتنی بار اور کس کس بات پر معافی مانگتی۔

وہ کمرے میں رکھے کمپیوٹر سسٹم کے سامنے جا بیٹھا تھا...... اور ان کو آن کر کے ان کی Powers اور status چیک کر رہا تھا...... انہوں نے ہماری ضرورت کے مطابق دو production suite رکھے تھے...... جو ہمارے مکمل کام کے لیے کافی تھے...... میں نے صبح کے لیے ہوئے snap shots کمپیوٹر میں transfer کیے اور اسے فرحان کے

system پر لگائے......لیکن ایک اور اضافی چیز جو انہوں نے ہمارے کمپیوٹرز کے ساتھ سیٹ کر دی تھی وہ سامنے ساری دیوار پر لگی 40 انچ کی سکرین تھی جسے ہم اپنا ہر مرحلہ پورا کرنے کے بعد اس پر بھی دیکھ سکتے تھے۔ میں نے وہ تمام کام جو صبح کچھ اندھیرے، کچھ روشنی اور کچھ دونوں وقتوں کے ملتے وقت کی تصویریں، جب اس سکرین پر دیکھیں تو مجھے خود بہت اچھی لگیں یعنی ہمارے کام میں ایک مرحلہ فوٹوگرافی کا ہوتا ہے اور اس کا تقریباً میں نے 5 سے 8 فی صد حصہ آج صبح ہی مکمل کر لیا تھا......اور فرحان دیکھنے کے بعد ملے جلے تاثرات میں میری تعریف بھی کر چکا تھا......مگر اس کے چہرے پر تصویریں دیکھتے ہوئے کچھ ناگواری سی بھی تھی......مگر اس نے مجھے اگلے مراحل کے بارے میں بتانے لگا کہ ان لوگوں سے پوچھ کر آرکیٹیکٹ سے ملنا ہے اور ان سے بلیو پرنٹ لینے ہیں۔ خیر یہ کام میں کر لوں گا، تم ان سب کی visually explaination تیار کر لینا بلکہ میں ابھی ان کو فون کر کے ان سے ملنے کا وقت مقرر کر لیتا ہوں اور وہاں ان کے interiordecorator سے بھی بات کر کے ان کی رائے لے لیں، پھر آخر میں سٹاف سے ایک سرسری سا جائزہ لے کر اس کو combine کر لیں گے، لیکن تب تک تم نے جتنی تصویریں وغیرہ بنائی اور ان کو compose کر لینا......اس کی باتوں کے دوران ہی میں نے اس سے کہہ دیا کہ فرحان رات تقریباً 12 بجے کے قریب مجھے ہوٹل کے top floor سے کچھ تصویریں لینی ہیں اور وہاں سے مجھے کچھ visuals بھی لینے ہیں......تم میرے ساتھ رُکو گے نا۔ ٹھیک ہے میں ریاض صاحب سے کہہ دوں کہ پہلے وہ ان لوگوں سے یعنی Architect اور designer سے meeting تو arrange کروا دیں، تا کہ ان کا کام ختم کریں۔ فرحان ان لوگوں سے مل لو، میں یہ سنبھال لوں گی، کیونکہ جتنا جلدی ہو سکے، ہم نے اس کام کو ختم کرنا ہے اور گھر واپس جانا ہے۔ مجھے ایک دن میں ہی یہاں وحشت ہو رہی ہے......''فرحان گھر والوں سے دور رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے نا''......جانے کیوں میری آواز پھر رندھ سی گئی......''اوکم آن ''انا'' کیا ہو گیا ہے۔ ابھی تو ایک دن بھی پورا نہیں ہوا اور تم ایسے کر رہی ہو......وہ تھوڑا سا پریشان ہوا۔ اچھا تم فکر نہیں کرو، اگر اللہ نے چاہا تو ہم اس کو دس دن میں ختم کر لیں گے۔ بس جن لوگوں سے ہمیں ملنا ہے۔ ان سے ملنا ضروری ہے۔ تم نے جو آج Snap shots لیے تھے۔ ان کو ایک بار graphics پر لگا کر بھی دیکھ لو، ہو سکتا ہے وہاں سے ایک نیا ڈائزین بن سکے......تم بس پریشان نہیں ہو، ہم جلدی واپس چلے جائیں گے۔'' میں نے بچوں کی طرح آنکھیں مل کر صاف کیں......اور بچوں کی طرح اپنے کام کو تیزی سے ختم کرنے کے بارے میں

سوچنے لگی۔ فرحان کچھ لمحے میرے سامنے کھڑا مجھے تکتا رہا اور پھر بولا...... بابا ٹھیک ہی کہتے ہیں...... ''اس دنیا میں اگر کوئی رشتہ جو سب سے زیادہ نفیس اور سب سے زیادہ محبت سے بھرا ہے تو وہ رشتہ باپ اور بیٹی کا ہے۔ انا جس لمحے ''بابا'' سے میں نے تمہارے جانے کی بات کی تھی تو لمحہ بھر کے لیے ان کی آنکھیں بھی نم ہوئی تھیں...... حالانکہ میں نے انہیں کبھی اتنا کمزور کبھی نہیں پایا تھا...... تم بیٹیاں بھی خدا کی عجیب تخلیق ہو...... والدین کی طاقت بھی بنتی ہو اور ان کی سب سے بڑی کمزوری بھی'' ......اس کی ان باتوں سے میری آنکھیں دوبارہ بھیگنے لگی......اور میں نے جلدی سے ہاتھوں سے آنکھوں کو رگڑ دیا۔

''جانتی ہو 'انا' اکثر ڈیڈی اپنے گھر میں بیٹی کی کمی کو بہت محسوس کرتے ہیں اور ممی ہمیشہ انہیں کہتی ہیں کہ آپ کو تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اتنی بڑی ذمہ داری سے بچا رکھا ہے اور ڈیڈی جواب دیتے ہیں کہ تمہیں کیا پتہ کہ خدا کی کتنی بڑی رحمت سے خود کو محروم سمجھتا ہوں......اور جب میں انہیں اس محبت کو ختم کرنے کا کہتا ہوں تو ڈیڈ مجھے یہ کہہ کر چپ کرا دیتے ہیں کہ یہ سب باتیں تم ابھی نہیں سمجھ سکتے فرحان لیکن قدرت جب تمہیں صاحب اولاد کرے گی تو تمہاری سمجھ میں ہماری یہ بحث خود بخود ہی آجائے گی...... اچھا میں بھی کن باتوں میں لگ گیا میں ذرا ان لوگوں کا پتہ کر کے آتا ہوں۔''

فرحان کے جانے کے بعد میں اس کی باتوں کو سوچتی رہی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وقت بہت ساری باتوں کو ہمارے بنا چاہیے۔ بنا کہے سمجھا جاتا ہے...... وقت سب سے بڑا استاد ہوتا ہے۔ یہ جملہ میں نے بارہا سنا اور کئی لوگوں سے سنا تھا، مگر اب ہر آنے والے لمحے میں اسے اپنی ذات پر اثر انداز ہوتے ہوئے دیکھ بھی رہی تھی۔

فرحان کے جانے کے کچھ دیر بعد میرے موبائل پر جو مجھے ریاض صاحب دے کر گئے تھے، کال آئی۔ دیکھا تو بابا کا نمبر تھا...... میں نے کال جھٹ سے رسیو کی۔ ''ہماری بیٹی خیریت سے ہے نا؟'' ...... بابا کے الفاظ تھے یا ان میں پنہاں اُن کے لہجے کی تاثیر کہ میں خود پر قابو نہیں رکھ پائی۔ میری کپکپائی آواز نے شاید بابا پر میری تمام حالت عیاں کر دی تھی......اور بابا تو وہ ہستی ہیں، میری زندگی میں جنہیں بتانے کے لیے مجھے کبھی الفاظ کی محتاج نہیں رہی...... خود سے ہی انہوں نے کہہ دیا ''بس بیٹا جلدی سے اپنا کام مکمل کرو اور آجاؤ...... یہاں بھی سب لوگ تمہیں بہت یاد کر رہے ہیں اور ایک دن ہمیں ایک سال محسوس ہو رہا ہے۔ یہ لو تم احسن سے بات کرو'' ...... میں نے بابا کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا...... احسن بھائی فون لے کر کچھ لمحے تو

خاموش رہے......اور پھر بولے

"جانے والے کو نہ روکو کہ بھرم رہ جائے
تم پکارو بھی تو کب اُس کو ٹھہر جانا ہے"

یہ کہہ کر انھوں نے فون بند کر دیا...... یہ میرے لیے حیرت کا ایک اور جھٹکا تھا......اسی دوران فرحان اور ریاض صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ میری آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں...... جنہیں میں نے فوراً ہاتھوں کے پشت سے رگڑ دیا......فرحان نے شام کا وقت بتایا تھا، ان لوگوں سے ملنے مگر وہ اکیلے ہی جائے گا ان سے ملنے اور تمام ضروری معلومات لینے کے لیے۔ اگلے پانچ چھ دنوں میں مَیں نے اور فرحان نے مل کر تمام ضروری معاملات پر تقریباً کام شروع کر دیا تھا...... اب صرف Blue Prints اور Visuall explantion رہ گئی تھی اور میری ہر طرح سے کوشش تھی کہ ان 2 دِنوں میں مَیں صرف اس کام کو مکمل کر کے ان کے حوالے کر دوں۔

اگلے دو دِنوں میں ہمارا کام تقریباً 90 فی صد ہو چکا تھا......اور یہ 8 دس دن میرے اور فرحان کے درمیان سوائے کام کے اور کوئی بات نہیں ہوئی تھی مگر ان دِنوں میں جو ایک بات بدستور قائم تھی، وہ تھی زرقا بھابھی سے بات اور ان کے بات بات پر مجھے فرحان کے نام سے چھیڑنا اور اب ان کی چھیڑ چھاڑ میں ایک یقین کی مہک آنے لگی تھی...... میں نے بارہا سوچا کہ فرحان سے اس متعلق کچھ ذکر کروں مگر ہمارا کام ہم دونوں پر اس حد تک حاوی ہو چکا تھا کہ سوائے کام کے ہمیں کسی اور دِن بات کرنے کا خیال آتا بھی تو اسے ہم فل وقت ٹال جایا کرتے تھے اور پھر آخر وہ وقت بھی آ گیا جس کا ہم دونوں کو بے چینی سے انتظار تھا...... وہ دن تھا ہماری Presentation کا دن، جب ہم نے مکمل فلم اور website بنالی تھی اور آج ہم نے وہ فلم انہیں دکھائی تھی۔ میں جتنی مہارت سے ان لوگوں کے سامنے اس پیش کر سکتی تھی، میں نے کرنے کی کوشش کی۔ وہ ہمارے کام شروع کرنے سے لے کر اس پل تک پندرواں دِن بنتا تھا......اور وہ سب لوگ اسی ہال نما کمرے میں ہمارا انتظار کر رہے تھے اور 40 انچ کی ایک سکرین وہاں لگائی گئی تھی...... اور ان پانچ چھ افراد کے علاوہ 10 لوگ اور بھی تھے، وہ کون تھے ہم ان سے ناواقف تھے۔ فرحان نے اپنا اور میرا تمام کام سکرین پر چلانا شروع کر دیا اور اس سے پہلے اس کام کی چھپے بریف کاپیاں ان چھے لوگون کے ہاتھ میں دے دی تھیں جن کے تحت ہم اس Program کو Arrange کیا تھا......تقریباً 20 منٹ کی ایک اور دس منٹ ایک کی دو مختلف coverages ان کے سامنے چلائی گئیں، جن میں ان کی ہوٹل پارکنگ سے لے کر

سٹور روم تک اور صبح صادق سے لے کر رات کے پچھلے پہر تک تمام اوقات کو قید کر دیا گیا تھا اور ان کے تمام انجینئرز سے لے کر ہوٹل کے ادنیٰ سٹاف تک ان کے خیالات کو بیان کیا گیا تھا...... لیکن جب یہ تمام کام اپنے اپنے اختتام کو پہنچا تو ہال میں ایک عجیب سا سناٹا تھا...... جس سناٹے سے مجھے اور فرحان کو ایک دوسرے کی طرف حیرت سے اور سوالیہ انداز سے دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا...... ابھی ہم اسی شش و پنج میں تھے کہ ہال میں ایک شخص کھڑا ہو کر تالیاں بجانے لگا اور چند لمحوں میں تمام ہال تالیوں کی گونج سے جیسے اڑنے لگا ہو...... میں نے آسمان کی طرف سر اُٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا اور آنکھیں بند کر کے بابا کو یاد کیا۔ میری آنکھیں جس لمحے بھیگنے لگیں...... تو میں نے فرحان کی آواز اپنے بہت نزدیک سنی "We won"۔ میں نے اسے ستائشی نظروں سے دیکھا اور میری نظر ہال میں موجود اس عربی کو ڈھونڈنے لگی جس نے ہماری پہلی ملاقات پر فرحان کی قابلیت پر اُنگلی اُٹھائی تھی...... تو وہ شخص میری اور فرحان کی ہی طرف آ رہا تھا...... اور اس سے پہلے ریاض صاحب ہمارے پاس پہنچ چکے تھے تا کہ اس کی بات ترجمے کے ساتھ ہمیں سمجھا سکیں...... میں نے پہلے فرحان اور پھر اسے دیکھا اور شاید وہ میری نظروں میں چھپے طنز کو سمجھ گیا تھا لیکن آج اس نے کسی بھی تلخی اور تعریف میں کسی طرح سے بھی کنجوسی سے کام نہیں لیا...... بقول اس کے کہ اسے اپنی غلطی کا اندازہ اسی دن ہو گیا تھا جس دن اس نے منہ اندھیرے سے صبح تک ہوٹل کی مختلف زاویوں سے تصویریں لیتے اور فرحان کو میرے ساتھ کھڑے دیکھا تھا...... لیکن اسے اس بات کا یقین اب ہوا کہ ہمارے کام میں محنت اور تجربہ کتنا پختہ تھا......

اور اس کے بعد کیا تھا...... وہی جس کی ہمیں اُمید بھی نہیں تھی۔ وہ اسی دن ہمیں دو Projects کی آفر امریکہ اور 3 اگلے 5 مہینے بعد ابوظہبی میں نامکمل ہوٹلز کی فلم کی ہو چکی تھی...... یعنی ابھی یہ ہماری پہلی کوشش تھی اور اس کا معاوضہ ملنے سے پہلے ہمارے لیے کامیابی کے اور بہت سے دروازے کھل چکے تھے مگر اس وقت فرحان نے کسی Project کے Papers پر کوئی دستخط نہیں کیے...... اور نہ ہی کوئی agreement لیا...... بقول اس کے کہ اُن لوگوں سے بعد میں وہ خود رابطہ کرے گا اور اسی خوشی میں شام کو اسی ہوٹل کے خوب صورت ہال میں ایک شان دار پارٹی کا اہتمام بھی کیا گیا...... اس سے فارغ ہو کر ہم نے اپنے اپنے گھروں میں فون کر کے اپنی کامیابی کی خبر دے دی، اسے پتہ نہیں اتفاق کہنا چاہیے یا شاید گھر والوں کا سوچا سمجھا Plane کہ جب فرحان نے اپنے ممی ڈیڈی کو فون کیا اور میں نے "بابا" کو تو معلوم ہوا کہ وہ سب اکٹھے ہی تھے...... اور ہمارے گھر موجود تھے۔ اس وقت تو ہم نے اس بات کو نظر انداز کر

دیا، کیونکہ ہمیں اپنی خوشی کے آگے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا...... ''انسان جب خوش ہوتا ہے تو زندگی کی تلخی اور بدصورتی بھی انتہا درجے کی حسین نظر آنے لگتی ہے، یعنی خوشی ایک ایسا آسیب ہے جو انسان کی تمام ظاہری و باطنی خامیوں اور بدصورتیوں کو ایسے بدل دیتی ہے جیسے کوئی آسیب انسان کی نظر اور سوچ کو باندھ دیتا ہے اور اس لمحے ہماری خوشی نے میری اور فرحان کی نظر کو باندھ رکھا تھا...... ہاں اگر گھر میں کسی سے بات نہیں ہوئی اور کوئی موجود نہیں تھا تو وہ احسن بھائی تھے...... بقول بھابھی کے کہ آج کل ان کے بھی باہر سے کچھ انجینئرز آئے ہیں اور وہ بھی ضرورت سے زیادہ ہی مصروف ہو چکے ہیں......

ہم ہوٹل واپسی پر اپنے اپنے کمروں میں گئے اور وہ شاید چند گھنٹے تھے کہ جب سے ہم آئے تھے، میں نے اور فرحان نے کچھ لمحے آرام کیا ہوگا۔ تقریباً سات بجے فرحان کی call میرے موبائل پر آئی کہ ''انا'' تیار ہو جاؤ، بس آدھے گھنٹے تک نکلیں گے پارٹی کے لیے۔ وہ لوگ انتظار کر رہے ہیں...... میں جلدی سے اُٹھی، آج مجھے زرقا بھابھی پر بہت پیار آیا کیونکہ میرے بیگ میں پڑا۔ ان کے ہاتھوں سے رکھا وہ سوٹ، جو ہلکے کاسنی اور گرے رنگ پر مشتمل تھا اور انہوں نے خاص ہدایت کی تھی کہ جس دن تمہیں تمہاری کامیابی کی پارٹی ملے، اس دن یہ کپڑے اور جیولری پہننا۔ ایسا میک اپ کرنا وغیرہ وغیرہ......اور میں ان کی ہدایت کے عین مطابق تیار ہوئی تھی۔ تقریباً چالیس منٹ بعد میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی...... اور میرے اجازت دینے پر فرحان کمرے کے اندر آ چکا تھا......آج اس نے بھی کالے رنگ کا ٹو پیس سوٹ اور گرے رنگ کی ٹائی، کالی قمیض کے ساتھ لگائی تھی......فرحان خوش شکل ہونے کے ساتھ خوش لباس بھی تھا اور باذوق بھی...... میں نے اسے بڑی ستائشی نظروں سے دیکھا......اور واقعی میں اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکی...... مگر بجائے کہ وہ میری تعریف کرتا جو کہ کمرے کا دروازہ کھلتے ہی میں اُمید کر رہی تھی اس نے ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ گھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، مجھے چلنے کے لیے کہا۔ میں اپنی کلائی میں بریسلٹ جو کہ ہمیشہ میری کلائی میں ہوا کرتا تھا، اس کو بند کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر فرحان نے اس قدر جلدی ڈالی کے میں نے اسے فل حال ہاتھ میں پکڑ لیا کہ گاڑی میں بند کر لوں گی اور فرحان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ فرحان معمول سے ہٹ کر کچھ اُلجھا ہوا تھا......اور غیر معمولی طور پر خاموش بھی......اور فرحان کی خاموشی......ضرور کسی پریشانی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی تھی۔ آگے لوبی میں ریاض صاحب ہمارا انتظار کر رہے تھے، جنہیں دیکھ کر میں چونکی کہ آپ یہاں؟ جی آج آپ کے لیے خاص سواری کا انتظام ہے......

انہوں نے بڑی خوشی اور مغرورانہ انداز میں کہا اور جب ہم پارکنگ میں پہنچے تو......اور کالے رنگ کی Lamozeen ہمارے انتظار میں کھڑی تھی۔ آگے بڑھ کر ایک گارڈ نے دروازہ کھولا۔ میرے بعد فرحان اور فرحان کے بعد ریاض صاحب۔ وہ گاڑی تھی یا پوری suite...... پتہ چلا کہ مالکوں نے آج ہمیں خاص طور پر مدعو کیا ہے اور ہمارے کام کی کامیابی کے لیے اعزازی پارٹی ہے، اس لیے وہ کچھ خاص ہی ہے۔ فرحان سارے راستے صرف ریاض صاحب کی باتوں کا ہاں، ہوں میں جواب دیتا رہا......اور فرحان کے اس رویے کی وجہ سے میری طبیعت بھی بوجھل ہونے لگی۔ بے صبری ہو کر میں نے گاڑی میں ہی فرحان سے پوچھ لیا۔ ''فرحان گھر پر تو سب خیریت ہے نا؟'' ......اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور تسلی کے انداز میں کہا، ''سب خیر ہے، فکر کرنے کی ضرورت نہیں'' اور پھر ہم ہوٹل پہنچ گئے......اور وہ تقریب واقعی شاہانہ انداز سے ہی سجائی گئی تھی...... جیسے ہم اکثر عربوں کی مہمان نوازی اور ان کے اعلیٰ ذوق کے بارے میں سنتے آئے تھے۔ آج ان سب کی سچائی میرے سامنے واضح تھی......اور کسی بھی طرح سے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی اور ان میں پیش پیش ہماری مہمان نوازی میں وہی حضرات تھے جنہوں نے پہلی نظر میں ہمیں یا ہمارے کام کو نظر انداز یا ناپسند کیا تھا......اور وہ ہی ریاض صاحب کی مدد سے تمام لوگوں میں ہمیں متعارف کروا رہے تھے اور ہمارے کام کو سراہ رہے تھے۔

جس دن کا فرحان کو مجھ سے زیادہ انتظار تھا اور اس دن کی کامیابی کے لیے فرحان مجھ سے بہت زیادہ بے چین بھی تھا...... وہ آج وہاں موجود ہوتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر خوشی کے وہ تاثر نہیں تھے جو ہونے چاہیے تھے......تو فرحان ان لوگوں میں سے تھا جو چھوٹی سی خوشی کو ایک بڑے event میں بدل دیا کرتا تھا اور کوئی ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا، جیسے وہ بھرپور انداز میں مناتا نہیں تھا اور آج اس موقع پر اس کی یہ بے چین کیفیت......میری سمجھ سے باہر تھی۔

رات کافی دیر سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے ہمیں اپنے ہوٹل میں باقی دِن قیام کرنے کی دعوت دی جسے فرحان نے بڑی خوب صورتی سے تاکہ ان کو دُکھ نہ ہو، ٹال دیا...... یہ کہہ کر کے ابھی بس ہم دو، چار دن مزید رُکیں گے، مگر اگلی مرتبہ آپ کے پاس ضرور قیام کریں گے۔ انہوں نے فرحان کی بات مان لی اور پھر ریاض صاحب اسی دیوہیکل گاڑی میں ہمیں ہمارے ہوٹل تک چھوڑنے آئے......اور فرحان نے loby میں ہی مجھے کہہ دیا'' ''انا'' آرام کرو، میں بھی کافی تھک گیا ہوں''۔ صبح ملاقات کریں گے۔ وہ تھکے قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور جب تک اس کے کمرے کا دروازہ بند نہیں ہوا، میں اسے دیکھتی رہی۔ آج اس کے

قدموں کی تھکن میں جسمانی تھکن نہیں تھی......آج نہ جانے کیوں مجھے وہ ہارا ہوا، اندر سے تھکا ہوا لگ رہا تھا......کیونکہ بابا کے بعد واحد فرحان ہی تھا جو ''''انا'' کو جانتا تھا''......تو کہیں نہ کہیں ''انا'' بھی تو فرحان کی فطرت اور عادت سے غیر واقف نہیں تھی، بلکہ اس کی شکل کا ہر زاویہ اس کی حالت کو بیان کر دیا کرتا تھا......اور آج بھی ایسا ہی ہوا۔ میں بھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ changeوغیرہ کرنے کے بعد نماز پڑھی، کیونکہ آج سارے دن کی نمازیں میں نے رات کو ہی ادا کیں تھیں......اس وقت میرا حال اُس کسان کی طرح تھا جو دِن بھر اپنی زمینوں میں کاشت کاری کرنے کے بعد جب اس کی پیداوار کے ڈھیر اپنے سامنے دیکھتا ہے تو اسے اپنی محنت کا پھل ملنے کی اُس لمحے جتنی خوشی ہوتی ہے، اس بارے میں اس شخص سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا اور ساتھ ہی ساتھ وہ اچانک بارش کے خیال سے خوف زدہ بھی ہو جاتا ہے......اور یہ خوشی، حاصل اور خوف کی کیفیت چاہنے کے باوجود اسے نیند سے کوسوں دور لے جاتی ہے اور بے چینی کے بے حد قریب۔ میں بھی کچھ ایسی ہی کیفیت سے گزر رہی تھی......

کسی کروٹ چین نہیں تھا۔ جانے کیوں فرحان کی خاموشی مجھے اندر سے زخمی کر رہی تھی......رات جیسے گزرنے کا نام ہی نہیں لیتی ہو......پھر خیال آیا کہ فرحان کو فون کر کے بلا لوں۔ مگر یہ بھی صحیح تھا کہ وہ مجھ سے بات ہی نہ کرتا، مگر فون کرنے پر اس کا cell آف تھا......میں آہستہ سے اُٹھی اور ہمت کر کے فرحان کے کمرے کی طرف چل دی۔ ہلکی سی دستک دی! جس پر اگلے ہی لمحے مجھے جواب موصول ہوا......تو مجھ پر یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ وہ سو نہیں رہا تھا......

میری جانب سے خاموشی پر اس نے خود اُٹھ کر دروازہ کھولا......اور سامنے مجھے دیکھ کر ایک دم سے ہکا بکا رہ گیا......''''انا'' تم اس وقت، خیر ہے نا؟''......اس کے چہرے پر تھکن جو آثار آج موجود تھے، وہ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے اور اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، ''فرحان؟''......میرے لہجے پر اس نے آنکھیں جھکا لیں اور دروازہ کھولا چھوڑ کر اندر چلا گیا......

میں نے دروازہ بند کیا......وہ بیڈ پر جا کر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے صرف اپنی جیکٹ اُتاری تھی......

اس کی کھلی ٹائی اور سلوٹوں بھری وہی شرٹ اور ٹراوزر......اس کی حالت زار کا پتہ دی رہی تھیں......اس نے الجھ کر اپنا سر اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا......اور ہلکی سی آواز میں بولا''Please ''انا'' یہاں سے چلی جاؤ......مجھے تم سے اس وقت بات نہیں کرنی، بلکہ مجھے تم سے کبھی بھی کوئی بات نہیں کرنی۔ سو جسٹ لیو می آلون''......میں حیرت سے اسے دیکھتی رہی......اور پھر میں نے کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے کر دی اور اس کے بہت قریب بیٹھ چکی تھی......میں نے

دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما...... جس پر اس نے میرا ہاتھ غصے سے جھٹک دیا...... "Do not touch me"...... فرحان میرا ہاتھ کبھی ایسے جھٹکے گا اور مجھ سے اسے لہجے میں بات کرے گا، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا...... مگر میں فرحان کو اتنا جانتی تھی کہ مجھے اس بات کا یقین تھا...... کہ وہ اپنی اور میری وجہ سے تو ایسا نہیں کرسکتا، ضرور کوئی تیسری وجہ ہے۔ کوئی بات ہے جس کی وجہ سے فرحان ایسا کر رہا ہے اور اس وقت میرے لیے یہ بات سب سے زیادہ ضروری تھی کہ اس نے ہماری زندگی کا اتنا اہم دن ضائع کیوں کیا اور ایسی کیا بات ہے جو وہ مجھ سے چھپا رہا ہے اور مجھ ہی پر خفا ہو رہا ہے۔ خیر مجھ پر خفا ہونے کا تو مکمل طور پر حق دار بھی تھا...... اور واقعی وہ مجھ سے خفا ہونے کا مکمل حق رکھتا ہے...... کیونکہ اس نے میری ہر اس وقت میں ڈھارس بندھائی، میری دادرسی کی اور مجھے مضبوط کیا...... اور آج پہلی بار، پہلی بار پچھلے چھ سات سالوں میں پہلی بار فرحان نے میرے ساتھ اس لہجے میں اور اس طرح سے بات کی تھی اور آج چاہے وہ مجھ سے جتنی مرضی بدتمیزی کر لے، میں نے اس کے ہر رویہ کو برداشت کر کے، اس کے پیچھے چھپی وجہ کو جاننا تھا...... میں اُٹھی جگ سے گلاس میں پانی ڈال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے گلاس میرے ہاتھ سے لے لیا...... شاید اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں، جنہیں وہ مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا...... میں نے اس کی طرف ٹشو بھی بڑھا دیا...... اور کچھ دیر وقفے سے بولی۔

"فرحان تمہیں جتنا رونا ہے رو لو...... مگر جب تک تم مجھے اپنے رونے کی وجہ نہیں بتاؤ گے، تب تک میں یہاں سے نہیں جاؤں گی اور تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں ایسا کرسکتی ہوں...... فرحان Please میرے صبر کو مت آزماؤ، بتاؤ کیا ہوا ہے۔ کیا بات ہے کہ جس نے تمہیں میرا ہاتھ جھٹکنے پر مجبور کر دیا؟"...... فرحان خاموش تھا...... "فرحان تمہیں ہماری پاک دوستی کا واسطہ...... تمہیں اس دوستی کا واسطہ جس پر ہم دونوں کو فخر ہے۔ بتاؤ کیا بات ہے"...... میرا اتنا کہنا تھا کہ فرحان کے ضبط کے تمام بند جیسے ٹوٹ گئے...... اور وہ چلا کر بولا...... "دوستی۔ کون سی دوستی؟" جو اس وقت میرے اور تمہارے بیچ ہے...... یہ پاک دوستی ہے "انا"۔ کیا یہ واقعی پاکیزہ رشتہ ہے؟...... کس کے لیے یہ پاک ہے؟ کس کے لیے اس رشتے میں احترام اور عزت ہے؟ کون سمجھتا ہے کہ ہم دونوں ایک پاکیزہ اور اٹوٹ رشتے میں سالوں سے بندھے ہیں......؟ بتاؤ، انا۔ بولو...... وہ بچوں کی طرح سے مجھ سے ایسا سوال پوچھ رہا تھا جس کا جواب سالوں سے وہ بھی جانتا تھا اور میں بھی...... پھر جانے کیوں؟...... "مگر فرحان میں اور تم اس بات کو جانتے ہیں تو پھر دوسروں کی بات کا کیا مطلب"۔ میں نے اسے سرسری سا جواب دیا...... آج تم یہ سب باتیں کیوں کر رہے ہو؟۔ کیا

ہوا ہے؟۔کیا میں نے پھر کوئی غلطی کر دی، جس کی وجہ سے تمہیں اتنا دُکھ ہوا؟''......

میرے کہنے کا انداز اسے اچھا لگا...... یا میری بات! پتہ نہیں، پر اُس وقت اس نے مسکرا مجھے دیکھا، جیسے کوئی بہت خرناٹ قسم کا شخص کسی معصوم بچے کی کسی غلطی پر اچانک سے مسکرا دے اور ارد گرد کو حیران کر دے، میرے لیے اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ، ڈوبتے کو تنکے کے سہارے جیسے لگی ''شکر ہے، جناب کا پارہ کچھ تو نیچے آیا......اور اب مہربانی کر کے احسانِ عظیم یہ بھی کر دیں کہ آپ کا پارہ کس بات پر چڑھا ہوا ہے......اس سے پہلے کہ میرا پارہ چڑھے، آپ شرافت سے مجھے بتا دیں''۔ یہ کہہ کر میں قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئی اور اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگی......

کچھ توقف سے فرحان بولا......''تم سے ''بھابی'' احسن بھائی یا بابا میں سے کسی نے ہمارے متعلق کوئی بات کی؟''......''ہمارے متعلق؟۔کس بارے میں؟...... ہمارے متعلق کسی بھی بارے میں اس نے میری بات کا میرے ہی انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا''......اور یہ کہہ کر وہ کچھ دیر کے لیے پھر خاموش ہو گیا......اس کی خاموشی اس لمحے مجھے بھی چبھنے لگی......''فرحان اب کچھ بولو گے بھی یا یوں ہی پہلیاں بجھاتے رہو گے؟''......

''''انا'' میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں بات کہاں سے شروع کروں''......وہ پھر خاموش ہو گیا......اور اس بار میں نے بھی اسے کچھ وقت دیا۔ بابا کی بات میرے ذہن میں گھوم گئی کہ بیٹا ہر بات کے لیے ایک موزوں آغاز ضروری ہوتا ہے، ورنہ بات اپنی اصلیت کھو دیتی ہے......میں اپنے ہاتھ میں پکڑے موبائل سے کھیلنے لگی......کچھ لمحوں بعد فرحان کے الفاظ نے تھوڑی دیر کے لیے مجھے ساکت کر دیا تھا......''اور پھر میں پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی......

''انا'' مجھ سے شادی کرو گی!؟......

ان الفاظ پر پہلے میں ساکت رہ گئی اور پھر میری ہنسی نے میری اپنی آنکھیں بھگنے لگیں......اور وہ میری جانب بڑی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا، جیسے میرے خاموش ہونے کا انتظار کر رہا ہو......میں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اُسے بڑے پیار سے کہا......''کیوں کیا دُنیا میں لڑکیاں ختم ہو گئیں ہیں فرحان صاحب'' اور یہ کہہ کر میں پھر ہنسنے لگی......فرحان نے اپنی بات دوبارہ دوہرائی......

''''انا'' تم مجھ سے شادی کر سکتی ہو؟''......میں مذاق نہیں کر رہا اور تم میری بات ابھی سنجیدگی سے سنو گی یا نہیں؟......مجھے پہلے میرے اس سوال کا جواب دو۔''مجھ سے شادی کرو

گی؟'' اس بار اس کا لہجہ قدرے سخت اور چہرہ سپاٹ تھا...... میں ہنسی سے قابو پاتے ہوئے بولی۔
''فرحان مجھے فضول بکواس کا جواب دینے کی عادت نہیں...... اور نہ ہی تمہیں اس طرح کے سوالات کی ضرورت ہے...... یہ سوال ہمارے لیے بنا ہی نہیں...... اور اس بات سے تم مجھ سے زیادہ اچھی طرح واقف ہو...... مجھے وہ بات بتاؤ جس کی وجہ سے تم پریشان ہو اور جس کی وجہ سے تم نے اپنی اتنی بڑی کامیابی کی خوشی تک نہیں منائی...... اور اس بار کوئی بکواس نہیں سننا مجھے'' ...... یہ کہہ کر میں نے بھی پانی کا گلاس اُٹھالیا اور ابھی میں نے پانی کا ایک ہی گھونٹ بھرا تھا کہ اس کی آواز دوبارہ میری سماعت سے ٹکرائی......

''''انا'' یہ مذاق نہیں ہے اور میں اس طرح کا بھونڈا مذاق نہیں کر سکتا بلکہ سوچا بھی نہیں سکتا کبھی یہ حقیقت ہے۔ سچ ہے...... اس لیے تم سے پوچھ رہا ہوں''......

میں دوبارہ مسکرائی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی...... ''جس بات کے بارے میں تمہیں سوچنے کی بھی ضرورت نہیں...... یعنی تمہارا دِل تمہیں سوچنے کی بھی اجازت نہیں دیتا، وہ بات تم اپنے لبوں پر لا کر مجھ سے پوچھ کیوں رہے ہو پھر؟...... تمہارے سوال کا جواب تو تم نے ہی دے دیا نا!'' ...... میں یہ کہہ کر پانی پینے لگی......

''مِس ''انا'' دانش...... آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ بہت سی سوچیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ہم اپنی مرضی سے نہیں بلکہ دوسروں کی مرضی سے سوچنے پر مجبور ہو جاتے...... یا پھر دوسرے ہمیں مجبور کر دیتے ہیں'' ...... یہ کہہ کر وہ میرے سامنے آ کر پلنگ پر بیٹھ گیا...... اور اپنا سر اپنے ہاتھوں میں رکھ دیا...... ''میرا سر پھٹ رہا ہے...... اس کا یہ رویہ معمولی بات نہیں تھی اور اب مجھے بھی سنجیدگی سے اس بات کی تشویش ہونے لگی کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔

میں نے دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا...... اور اس بار اس نے میرا ہاتھ نہیں جھٹکا تھا...... ''فرحان کیا بات ہے۔ کیا کہنا چاہتے ہو...... فرحان تم مجھ سے ہر بات بنا کسی ڈر کے کہہ سکتے ہو...... کیونکہ تمہارے اور میرے رشتے میں جو ایک بات میرے لیے سکون کا باعث بنتی ہے وہ یہی تو ہے کہ مجھے تم سے ڈر نہیں لگتا...... اور میں نے آج تک تم سے کچھ نہیں چھپایا۔ جلد یا بدیر تمہیں بتا دیتی ہوں، کہہ دیتی ہوں اور یہ بھی نہیں سوچتی کہ تمہیں کیسا لگے گا...... اور جانتے ہو فرحان جو رشتے ڈر، خوف اور لالچ کے بِنا بنائے جاتے ہیں، ان کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ رشتے آپ سے جدا نہیں ہوتے۔ آپ سے ناراض نہیں ہوتے...... اور مجھے تمہاری اور اپنی دوستی پر فخر ہے...... اس لیے تمہیں جو بات کرنی ہے، وہ کھل کر کرو...... بتاؤ گے تو

پتہ چلے گا۔ میں اتنی نیک تو ہوں نہیں کہ تمہاری باتیں، تمہارے دِل کا حال مجھے الہام ہو جائے گا''۔ اسے میری باتوں سے کسی حد تک تو تشفی ہوئی...... تو اس نے اپنے دوسرے ہاتھ سے میرے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا...... اس کا سر ابھی بھی جھکا ہوا تھا...... اور میں نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ لیا...... پل بھر میں میرے ہاتھ کی پشت پر قطرے گرنے لگے...... فرحان کے آنسو میرے ہاتھ پر گر رہے تھے...... میں اُٹھ کر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی اور اب اس کا چہرہ مجھے صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ رو رہا تھا...... ''فرحان کیا ہوا ہے۔ کیوں ایسے کر رہے ہو۔ ایسی کیا بات ہوگئی ہے...... جس نے تمہیں اس حد تک دُکھی کر دیا۔ فرحان تمہیں ہماری اس دوستی کا واسطہ، مجھے بتاؤ کیا بات ہوئی ہے۔'' میں نے اپنے ڈوپٹے کے پلو سے اس کے آنسو صاف کیے۔ ''اب بتاؤ کیا بات ہے''۔

'''' ''انا'' ہماری دوستی، جس پر صرف تم فخر کرتی ہو۔ میں بھی اپنی اس دوستی کے رشتے پر پہلے دن سے بہت مغرور رہا ہوں اور ساری زندگی رہنا بھی چاہتا تھا مگر اب زندگی نے جس موڑ پر لا کھڑا کیا ہے، اس کے بارے میں مَیں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا...... یہ بات تم جانتی ہو کہ پہلی بار زرقا بھابھی نے جب مجھے فون کیا تو انہوں نے مجھ سے کیا کہا؟'' ...... 'کیا'...... ؟'' کہ میرے پاس اس سے بہتر موقع اور نہیں ہوگا کہ میں تم سے اظہارِ محبت کر دوں۔ تمہیں پرپوز کر دوں، اب ہماری عمر شادی کی ہو چکی ہے اور ان کی یہ بات مجھ پر بجلی کی طرح گری تھی...... خیر اس بات کو محض اُن کی ذہنی اور جذباتی اختراع سمجھ کر میں نے بھلا دیا...... مگر بھلانا اتنا آسان نہیں ہوتا اور مجھے نہیں معلوم کہ کب بڑوں نے ہمارے اس پاکیزہ رشتے کو ایک نیا نام، اور ایک نئی ڈگر پر چلانے کا فیصلہ کر دیا...... اس بات سے میں کیسے انجان رہا...... مجھے کیوں نہیں پتہ چل سکا۔ کہاں میری باتوں اور میرے رویے نے انہیں اس حد تک سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں نہیں جانتا...... کہ کل مجھے ممی ڈیڈی نے فون کیا اور یہ بتایا کہ وہ باقاعدہ تمہارے گھر والوں سے میرے رشتے کی بات کر چکے ہیں اور تمہارے گھر والوں نے بھی اس کی بھرپور حامی بھر لی ہے اور اب ہماری واپسی پر وہ ایک دن بعد منگنی کرنے کی پلاننگ بھی کر چکے ہیں، وہاں پر باقاعدہ تیاریاں بھی شروع ہو چکی ہیں۔ ایک سرسری سے بات بیچ میں حائل ہے اور وہ یہ کہ ''بابا'' نے تمام صورتِ حال کو جانتے ہوئے اپنی رضامندی ظاہر کرنے کے باوجود، یہ بات رکھی ہے کہ ہم دونوں کے آنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ ''بابا...... فیصلے میں ہماری رضامندی ہماری زبانوں سے سننا چاہتے ہیں کہ ''انا'' اور ''فرحان'' کی واپسی پر میں خود ذاتی طور پر ان سے بات کروں گا مگر گھر

والے اس حد تک پُراُمید ہیں کہ ہم دونوں کا جواب مثبت ہی ہوگا، اس لیے انہوں نے اپنی تیاریاں شروع کر دی ہیں، جس میں تمہاری بھابھی اور والدہ برابر کی شریک ہیں......اس سے پہلے کہ میں انہیں کچھ کہتا۔ ممی نے ڈھیروں ارمانوں کے ساتھ دعائیں دیں اور بنا کچھ سنے فون بند کر دیا......اب تم بتاؤ کہ ایسی صورتِ حال میں مَیں کیا خوشی منا سکتا تھا......میرا ذہن سن ہو چکا ہے اور کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا ہوں مگر میں نے اس کا حل سوچ لیا ہے''۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا......''وہ یہ کہ پرسوں کی ٹکٹ کرا دوں گا، تمہاری تم پاکستان چلی جانا اور میں دو ڈھائی مہینے کے لیے کنیڈا اپنے دوست کی طرف چلا جاؤں گا۔ دو ڈھائی مہینوں میں مَیں کسی طرح سے اپنے والدین کو بتا دوں گا کہ ایسا نہیں ہوسکتا......اور تمہارے اکیلے جانے سے انہوں نے جو یہ اچانک پروگرام بنا رکھا ہے، یہ بھی ملتوی ہو جائے گا اور بات آئی گئی ہو جائے گی''......

فرحان کی باتوں نے مجھے جیسے منوں مٹی کے اندر دبا دیا ہو اور میرے ہاتھوں نے یہ سنتے ہی فرحان کے ہاتھ چھوڑ دیئے کہ ہمارے گھر والے ہمارے بارے میں یہ سوچ رہے ہیں۔ میں فرحان کے قریب سے اُٹھ کر دور کرسی پر جا بیٹھی......کچھ دیر کے لیے میں بھی خاموش تھی۔ واقعی اس وقت میں بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو ہی تو بیٹھی تھی......کہ فرحان کی آواز نے مجھے چونکا دیا......''دیکھو کتنی عجیب بات ہے''......!

ہمارے گھر والے اپنی طرف سے ہمارے درمیان مزید قربت کا رشتہ بننا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں انہوں نے ہمیں ہمارے اس رشتہ سے ہی دور کر دیا؟......میں نے ایک بار پھر اسے حیرت سے دیکھا......''مطلب؟''......

''مطلب یہ ہی کہ میں نے زندگی میں جب سے تمہارے ساتھ تعلق جوڑا ہے، پہلی بار تمہارا ہاتھ جھٹکا......کیونکہ اس وقت میرے ذہن میں ان کی کہی باتیں گھوم رہی تھیں......اور تمہیں جب تک یہ معلوم نہیں تھا، اس وقت تم میرے بے حد قریب، میرا ہاتھ تھامے مجھے تسلی دے رہی تھی، لیکن جیسے ہی تمہیں اس بارے میں علم ہوا......تو تم مجھ سے کتنی دور ہوگئی۔ کتنے فاصلے پر جا بیٹھی......جس بات کے صرف سننے سے ہم دونوں میں اس قدر فاصلہ حائل ہوگیا......اگر کبھی اس بات پر عمل درآمد ہو جائے تو ہم دونوں ایک دوسرے کی ایک جھلک کو بھی ترس جائیں گے......''ہے نا''؟''......اس نے لاچاری سے میری طرف دیکھا......!

کچھ وقفے سے وہ دوبارہ بولا۔ ''بس ''انا'' جو میں نے سوچا ہے، ویسا ہی کریں گے۔

میں صبح جا کر تمہاری ٹکٹ کنفرم کراتا ہوں اور اپنے لیے بھی.....تم اکیلی جاؤ گی، پھر دیکھ لیں گے جو ہوگا''۔ ''تم پاگل تھے اور ابھی بھی پاگل پن ہی کا ثبوت دو گے، اس کا مجھے بڑی اچھی طرح سے اندازہ تھا۔ تم سے اسی قسم کی حماقت کی توقع تھی مجھے''.....مَیں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب ہے، حماقت۔ تمہارا کیا مطلب ہے کہ ہم یہاں سے جائیں گے اور ان کے اس بچگانہ فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ Never! یہ تو کبھی نہیں ہوسکتا.....میں کم سے کم اپنے اس رشتے کی توہین کے حق میں تو ہرگز نہیں ہوں.....وہ بولتا جا رہا تھا''.....اپنے دیوانے پن میں اور میں اس وقت اس کے خاموش ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اسے خود احساس ہو چکا تھا کہ وہ کافی بول چکا ہے۔ ''تم کیوں خاموش ہو؟'' اس نے مجھ سے اُلجھتے ہوئے مجھ سے گرج کر پوچھا!.....

''جب فرحان صاحب بول رہے ہوں تو کس کی جرأت ہے، ان کے آگے بولنے کی! حضور کی خاموشی کے انتظار میں ہوں''.....میں نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔ انا یہاں ہماری زندگیوں پر بنی ہوئی ہے اور تمہیں یہ بے تکا مذاق سوجھ رہا ہے؟.....''میں مذاق نہیں کر رہی۔ تمہارے خاموش ہونے کا انتظار کر رہی ہوں، کیونکہ ایک ہی وقت میں دو معقول لوگ تو بات نہیں کر سکتے.....اس لیے ہم دونوں میں سے معقولیت کا تم سے تو کبھی کوئی تعلق نہیں رہا، رہ گئی میں تو مجھے اس کا ثبوت خاموش رہ کر ہی دینا ہے نا''.....اور ایک بار پھر چڑ کر بولا.....''اچھا اب بولو بھی کیا کہنا چاہتی ہو''.....

''میری بات غور سے سنو۔ ہوسکتا ہے اس سے تمہاری پریشانی کسی حد تک تو کم ہو جائے.....پہلی بات تو یہ.....کہ ہم دونوں کی شادی کے متعلق بات ہو رہی ہے اور شادی دو فریقین کی رضامندی کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ شادی کرنے کے لیے دونوں میں سے کسی ایک کی بھی رضامندی شامل ہو تو کم سے کم 50% تو اس بات کی اُمید ہوتی ہے کہ زندگی گزر جائے گی۔ اچھی یا بُری بہرحال کسی طور تو.....اور اس وقت اس شادی کے لیے نہ تم راضی ہو اور نہ میں.....تو یہ شادی کیسے ہوسکتی ہے؟ دوسری بات یہ کہ تمہارے گھر والوں کی یہ سوچ مجھ پر تم سے بہت پہلے واضح ہو چکی تھی.....اگر میں غلط نہیں ہوں تو ''انعم'' کی منگنی پر ہی زرقا بھابھی اور انٹی کے درمیان کھچڑی پک چکی تھی.....اور مجھے اس بات کا اندازہ زرقا بھابھی کی چھیڑ چھاڑ سے ہوا کرتا تھا مگر بس اسے صرف مذاق اور چھیڑ چھاڑ کی حد تک ہی سمجھتی رہی، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ بات اتنی آگے نکل جائے گی اسی لیے میں نے تم سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا.....اگر مجھے ذرا برابر بھی

اس بات کی سنجیدگی کا علم ہوتا تو میں تمہیں ضرور بتاتی اور مجھے اس بات کی تسلی تھی کہ بابا میری رضا مندی کے بِنا کچھ نہیں کرنے دیں گے اور ایسا ہی ہوا اور ایک بابا ہی ہیں جو ہماری حمایت میں بولیں گے......

دیکھو فرحان میں مانتی ہوں کہ ہمارے گھر والوں کو یہ فیصلہ ہم سے پوچھے بغیر نہیں کرنا چاہیے تھا......مگر تم خود ہی سوچو......کہ ہمارا رشتہ اُن کے سامنے ایک بہترین رشتہ ہی تو ہے، ہم عمر ہیں...... ذہنی ہم آہنگی ہیں...... ایک دوسرے کو ہم برداشت کر سکتے ہیں...... اور عام طور پر والدین شادی کے لیے یہ ہی سب کچھ تو دیکھتے ہیں تو ہمارے والدین نے اگر سوچا تو کچھ غلط نہیں کیا......اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں الہام نہیں ہونا تھا کہ میرے تمہارے رشتے کی نوعیت کیا ہے......بجائے اس کے کہ تم سارا الزام گھر والوں پر دھر دو۔ اس معاملے کو غیر جانب داری سے سوچو گے تو شاید تم اتنے دُکھی نہ ہو، جتنے ابھی ہو رہے ہو اور پھر...... تمہیں کہیں کسی دوست کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ صبح جا کر اپنا اور میرا ٹکٹ کنفرم کراؤ اور وہاں جا کر تم نے خود ہی سب کو ہمارے رشتے کے متعلق بتانا ہے اور یاد رکھو فرحان، مجھے جتنا یقین اپنی تقدیر پر ہے، اتنا ہی یقین ''بابا'' پر بھی ہے اور اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم واپس جا کر بات کو کیسے سنبھالتے ہو کہ کسی کو دُکھی کیے بغیر تم اپنا مدعا ان پر واضح کر دو۔ فرحان حقیت کا سامنا کرنے میں عقل مندی ہے۔ اس سے دامن بچانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا'' ...... وہ بڑے غور سے میری باتیں سن رہا تھا......اور پھر کچھ دیر ہم دونوں خاموش رہے......اور پھر آہستہ سے فرحان بولا۔ ''''انا'' میرے خیال سے تم ٹھیک کہہ رہی ہو...... واقعی ہمیں حالات کا سامنا کرنا ہوگا۔ بھاگنے سے تو کچھ نہیں بنے گا۔ سوائے اس کے کہ سب اپنی اپنی جگہ غلط رائے قائم کریں اور پھر ہمارے بارے میں حتمی فیصلہ اپنی منفی سوچوں کے مطابق کریں، جس سے وہ بھی دُکھی ہوں اور ہم بھی۔ بہتر یہی ہے کہ ہم انہیں اپنے رشتے کی سچائی بتا دیں اور جیسے بھی ہو وہ ہمارے بڑے ہیں، ہمارے بزرگ ہیں۔ ابھی تک زندگی میں انہوں نے کچھ ایسا تو ہماری زندگی میں فیصلہ نہیں کیا جس میں ہماری مرضی شامل نہ رہی ہو تو پھر اب کیسے'' ......فرحان نے اپنے آپ کو اس لمحے بالکل بچوں کی طرح بہلایا......اور پھر مطمئن بھی ہو گیا۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو''انا'' میں واقعی ہی بہت بلکہ حد سے زیادہ Stupid ہوں...... خواہ مخواہ محض ایک خیال پر اتنا اُلجھا رہا...... پرسوں کی ٹکٹ کرا دوں نا؟'' ...... میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا...... ''ہاں کرا دو''۔ فرحان کافی سکون میں تھا...... میں اُٹھی اور اسے کہا کہ اب آرام سے سو جاؤ...... صبح ملتے ہیں، میں بھی اب جا کر آرام

کرتی ہوں...... میں دروازے تک پہنچی تو فرحان نے مجھے آواز دی ''انا'' میں رُک گئی اور مڑ کر اُس کی طرف دیکھا...... ''کیا ہوا؟''...... وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے میرے قریب آیا...... اور میرے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولا...... ''تم اس دُنیا کی سب سے اچھی دوست ہو''...... یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہوگئیں اور میں دھیرے سے اس کے ہاتھوں کو تھام کر چہرے سے ہٹاتے ہوئے اور مسکرا کر اسے سونے کے لیے کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی...... مجھے معلوم تھا کہ وہ دو دن سے کس ذہنی اذیت سے گزر رہا تھا، مگر شکر ہے کہ وہ اس لمحے کچھ پُرسکون ہو چکا تھا...... مگر چاہتے نہ چاہتے گھر والوں کی ان باتوں اور ان فیصلوں سے چاہیے وقتی ہی ہو مگر دِل کو کاٹ دینے والا احساس ہوتا ہے...... اور اب مجھے اس وقت کا بُری طرح سے انتظار تھا کہ کب ہم جائیں گے اور کب فرحان گھر والوں سے بات کر کے ان کے دِل و دماغ سے یہ خیال نکالنے میں کامیاب ہوگا......

وہ رات بھی میرے لیے بھاری تھی۔ ہزار کوششوں کے باوجود نیند مجھ سے کوسوں دور تھی۔ صبح نماز کے بعد نیچے ہوٹل کی lobby میں جا کر بیٹھ گئی۔ لوگوں کے آتے جاتے چہرے اپنے اندر ایک علیحدہ کہانی لیے تھے...... فرحان کو تنگ کرنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہ بھی شاید دو دن، دو راتوں بعد سویا ہوگا...... میں Loby میں ہی بیٹھی تھی کہ میرا موبائل فون بجا۔ دیکھا تو احسن بھائی کے نمبر سے call تھی مگر دوسری جانب زرقا بھابی اپنی چہکتی آواز میں مجھ سے مخاطب تھیں اور خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد انہوں نے اپنے مخصوص چہکتے انداز میں پہلے تو مجھے مبارک باد دی، ہوٹل پروجیکٹ کی کامیابی پر اور پھر انہوں نے مجھے کہا کہ تمہارے لیے میرے پاس تین سرپراز ہیں جو تینوں تمہیں یہاں آنے کے بعد ملیں گے۔

تو ان کے یہ الفاظ مجھے ایک بار پھر حیرت میں ڈوبا گئے...... ''تین سرپراز کون سے؟'' میں نے ان سے سرد لہجے میں پوچھا...... کیونکہ ایک سرپرائز کے بارے میں تو مَیں کسی حد تک جانتی تھی، مگر باقی دو سرپرائز کس نوعیت کے تھے۔ مجھے کسی حد تک حیرت ہوئی...... میرے دوبارہ پوچھنے پر انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا...... ''چلو ایک بتا دیتی ہوں۔ باقی دو تو تم یہاں آؤ گی تو ہی پتہ چلیں گے...... ''یہ ایک تو جب تم یہاں آؤ گی تو میں نے ہی تمہیں بتانا ہے تو ابھی کیوں نہ بتا دوں''...... وہ مجھے تنگ کرنے لگیں...... ''بھابھی پلیز بتانا ہے تو بتا دیں۔ مجھے ترسا کیوں رہی ہیں''...... میرے اس طرح استفسار پر وہ بول پڑی...... مگر ان کے الفاظ مجھے کہاں سے کہاں لے گئے، یہ مجھے اندازہ نہیں تھا...... ''انسان کی زندگی میں آنے والا ہر لمحہ اپنے

ساتھ حیرت زدہ طوفان لے کر آتا ہے۔ اس بات کو مجھ سے زیادہ کون جان سکتا تھا......

''''انو'' میں نے تمہیں ''احسن'' کے بارے میں بتایا تھا نا...... ہاں بھابھی بتایا تھا تو کیا ہوا؟...... ''انو'' وہ بات صحیح تھی۔ مجھے اس بات کا یقین اب ہوا کہ عورت کی چھٹی حس مرد کے مقابلے میں بڑی تیزی ہوتی ہے تقریباً 4، پانچ دن پہلے، احسن میرے پاس آئے اور وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے تھے......اور جانتی ہو انہوں نے مجھے کیا کہا؟'' ......''کیا بھابھی Please مجھ سے کچھ پوچھیں مت، بس بتاتی جائیں''......

''انو مجھے حیرت اس بات کی ہوتی ہے کہ امی نے کبھی اس بات کو یا ''بابا'' نے یا ''ابا'' نے، تم میں سے کسی نے بھی ''احسن'' کے جذبات کو پرکھے بغیر، جانے بغیر ان کی زندگی کا فیصلہ کیسے کر دیا...... کہ آج شادی کے تین سال بعد وہ میرے سامنے ایک شرمندگی لیے آئے اور شرمندگی بھی اس بات کی جس میں اُن کا سراسر کوئی قصور تھا ہی نہیں'' ......''توبہ ہے بھابھی! یوں تمہید باندھتی رہیں گی یا کچھ بتائیں گی بھی کہ کیا ہوا کیا ہے؟''۔ میں اب بُری طرح سے اُلجھنے لگی تھی اور مجھے انتظار اور تجسس سے جس قدر چڑھ تھی، جتنا زیادہ میں انہیں ناپسند کرتی تھی، اتنا ہی یہ میرے سامنے آتے تھے۔ رات فرحان اور اب بھابھی، نہ جانے سب میرے ہی صبر کو آزمانے کیوں لگے تھے۔

''''انو'' پتہ نہیں مجھے تم سے یہ بات کرنی چاہیے یا نہیں، مگر بنا کچھ سوچے سمجھے جانے کیوں میں تم سے اپنی زندگی کی اس تلخ حقیقت کو بانٹنا چاہتی ہوں، اس لیے کہ تم صرف مجھے عزیز ہو بلکہ میری ہم راز بھی ہو اور اس بات کو ہم پہلے discuss کر چکے ہیں۔ کچھ دِنوں سے ''احسن'' ایک عجیب سی کشمکش میں تھے۔ ضرورت سے زیادہ ہی خاموش تھے اور مجھ سے ان کی یہ تکلیف دیکھی نہیں جا رہی تھی اور میرے اصرار پر انہوں نے نہ صرف مجھ سے اس بات کی معافی مانگی بلکہ مجھ سے آئندہ آنے والے وقت میں مجھے کسی بھی شکایت کا موقع نہیں دیں گے اور مجھے ان سے شکایت تو کبھی تھی بھی نہیں اور اب مجھے ان پر فخر بھی ہونے لگا ہے اور اس دُنیا کے عظیم ترین انسانوں میں سے ایک ہیں...... جانتی ہو، وہ پچھلے بارہ سالوں سے کسی کی محبت میں گرفتار تھے۔ کوئی ہے جو مجھ سے پہلے ان کے دِل کی مالک بن چکی تھی اور اسی دِل کی ملکہ نے انہیں ان کی محبت کے بدلے میں زندگی بھر کا روگ اور خاموشی تحفے میں دی تھی مگر میں اسے مرودِ الزام نہیں ٹھہرا رہی، کیونکہ بقول ''احسن'' کے انہوں نے اسے کبھی نہیں بتایا کہ وہ اسے محبت کرتے ہیں اور نہ ہی وہ جان سکی......اور نہ ہی کبھی انہوں نے اُس لڑکی کو پانے کے لیے کوئی کوشش کی۔ ان کی

خاموش محبت نے ان کی ساری زندگی میں ایک تلخ خاموشی بھر دی اور اس بات سے بے خبر ان کے تمام گھر والے، یہاں تک کہ اُن کی بیوی بھی کبھی اُن کا درد بانٹنے سے قاصر رہی...... مگر انہوں نے برملا مجھ سے اس بات کا اظہار کر دیا کہ میں اپنی اس محبت کی وجہ سے تمہیں ایک اچھا دوست تو دے سکا مگر ایک اچھے شوہر سے دور رکھا اور تمہارے حقوق سے تمہیں محروم رکھا...... وہ کہتے ہیں کہ میری ذات میں منافقت نہیں ہے تو تم ہی بتاؤ کہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ میں دِل میں کسی اور کو بسائے تمہارے ساتھ ایسا تعلق روا رکھ لوں، جس کے بارے میں تم لاعلم ہو۔ وہ اپنی محبت کو گناہ گردانتے ہوئے اور خود کو گناہ گار سمجھتے ہوئے میرے سامنے اپنے اس درد کو عیاں کر رہے تھے۔ اس غلطی کو تسلیم کر رہے تھے جس میں اُن کا کوئی قصور تھا ہی نہیں اور اب وہ مجھ سے اس بات کی اجازت چاہتے ہیں کہ اگر اس حقیت کو جانتے ہوئے میں اُن کو اپنے شوہر کی حیثیت سے قبول کر لوں تو وہ مجھے اپنی آئندہ زندگی میں کبھی بھی کسی بھی طرح سے شکایت کا موقع نہیں دیں گے اور نہ ہی ہمارے رشتہ کسی قسم کی حق تلفی کا مرتکب ہو گا مگر اس شرط پر کہ میں ان سے اس لڑکی کے بارے میں کوئی سوال نہیں کروں گی کیونکہ وہ ان کے جذبات واحساسات سے بالکل لاعلم تھی اور اسی وجہ سے وہ ان کی دسترس سے باہر تھی“۔

بھابھی کی یہ باتیں مجھ پر بم شل کی طرح گری...... ”مگر بھابھی، ہمیں تو احسن بھائی نے کبھی کسی کے بارے میں نہیں بتایا اور اگر بتاتے تو آپ اچھی طرح سے جانتی ہو کہ امی ان کی یہ خواہش ہر حال میں پوری کروا کر ہی دم لیتیں۔“ ”میں نے صفائی پیش کی“...... تو وہ مسکراتے ہوئے بولی...... ”پاگل لڑکی، جس شخص نے اس لڑکی کو معلوم نہیں ہونے دیا جس سے وہ اس حد تک پیار کرتا ہے کہ اپنی بیوی کو چھونے سے بھی گریزاں ہے، وہ کیا زمانے بھر کو مطلع کرتا“...... اچھا تو پھر آپ نے کیا کہا......

”انو“ احسن جیسے شخص قسمت والوں کو نصیب ہوا کرتے ہیں اور اس بات سے ان کے اس اعتراف سے وہ میری نظر میں اور زیادہ عظیم ہو چکے ہیں اور خدا کی قسم مجھے اگر آج بھی پتہ چل جائے کہ وہ لڑکی کون ہے، ان کی محبت کہاں ہے تو میں کسی بھی طرح وہ لڑکی ان کی زندگی میں لے آؤں...... مگر انہوں نے مجھے مزید سوالوں سے منع کر دیا اور میں بھی ان کے زخم کریدنا نہیں چاہتی ہوں، اگر وہ دوستی اور ہم آہنگی سے آگے بڑھ کر ایک شوہر کے فرائض نبھانے کو تیار ہیں تو مجھے بھی وہ کسی صورت پیچھے نہیں پائیں گے اور میں نے انہیں اس بات کی اجازت اپنے دِل کی گہرائیوں سے دی ہے کہ اگر زندگی میں کبھی بھی آپ کو آپ کی محبت کے حصول پر دسترس

حاصل ہو جائے تو آپ اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے اور جواب میں انہوں نے مجھے اپنی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے سینے سے لگالیا۔

''انا'' احسن اس دُنیا کے سب سے اچھے انسان اور شوہر ہیں اور مجھے فخر ہے کہ میں اُن کی بیوی ہوں اور قدرت نے انہیں میری تقدیر میں لکھا..... مگر میں آج بھی قدرت سے دُعا گو ہوں کہ اگر ان کے دِل میں اُس لڑکی کی یاد درد بن کر موجود ہے تو ان کے درد کا مداوا کر دے۔ انہیں اُن کی محبت دے دے۔ ''انو'' اس دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی محبت کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ اسے اپنے ساتھ، اپنے قرب میں، مبتلا نہیں کرتے۔ انہیں محبت پانے، اسے حاصل کرنے کی بے چینی نہیں ہوتی اور میرے نزدیک ایسی خاموش درد بھری اور یکطرفہ محبت ہی ''اصل محبت ہے''۔ ''انو'' احسن نے اپنا ہر رشتہ محبت سے نبھایا..... ماں، باپ، عزیز رشتہ دار، بہن، بھائی، بیوی مگر وہ اپنی ذات کو ہی محبت نہیں دے پائے۔ اپنی ذات کو ہی محبت سے محروم کر دیا اور کہیں نہ کہیں اس کی ذمہ داران کی تقدیر بھی ہے..... میرا بس نہیں چلتا کہ میں احسن کے اندر چھپے ہر درد کو دور کر دوں..... انہوں نے ایک شوہر کے فرائض کو نبھا دیئے مگر تم خود سوچو کہ وہ اپنی ذات میں کس قدر تنہا ہوں گے۔ انہوں نے میرا درد محسوس کر کے خود کو میرے آگے گناہ گار تو ثابت کر دیا مگر حقیقت میں انجانے میں ہی سہی، ان کی محبت میں دخل اندازی کی ذمہ دار میں بھی تو ہوں نا..... باتیں کرتے کرتے بھابھی رو رہی تھیں اور مجھے بھی پتہ نہیں چلا کہ کس لمحے میرا چہرہ میرے آنسوؤں سے دھلنے لگا..... ''انو'' میری زندگی کا اب ایک ہی مقصد ہے کہ میں ''احسن'' کو پہلے سے بھی زیادہ خوشیاں دوں گی۔ میں اُن کی محبت کو اُن کے دِل سے نکال تو نہیں سکتی، مگر اس کی تکلیف کو کسی حد تک کم تو کر سکتی ہوں نا.....

اور میری جان میں یہ سب باتیں تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ ایک اچھا دوست ہی ایک اچھا بہت اچھا شوہر ثابت ہوتا ہے..... اور میں خوش قسمت ہوں کہ پہلے قدرت نے مجھے شوہر کے اندر ایک مخلص دوست عنایت کر دیا اور پھر اسی دوست کے اندر ایک باوفا شوہر..... مجھے میری زندگی سے کوئی شکایت نہیں۔ میری زندگی کا مقصد ''احسن'' کی خوشی اور اگر میں ان سے پہلے مر گئی تو بھی اُس جہاں میں بھی جا کر صرف احسن کی خوشی ہی طلب کروں گی..... اور مجھے یقین ہے کہ میرا رب مجھے کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا۔ مجھے اپنی جان دے کر بھی ''احسن'' کے لیے خوشی کے محض چند لمحے مِل جائیں تو میں جان دینے میں ایک منٹ بھی نہیں لگاؤں گی۔ بس تم اب جلدی سے آجاؤ..... کیونکہ تم یہاں زرقا اور احسن کو ایک ادھوری زندگی گزارتے ہوئے

چھوڑ کر گئی تھی اور تمہارے آنے پر وہ دونوں مکمل ہو چکے ہیں۔ ''احسن'' نے مجھے مکمل کیا اور میں بھی انہیں اب ادھوری زندگی گزارنے نہیں دوں گی۔ ''انشاء اللہ''۔

بھابھی اپنے جذبات اور محبت میں جانے کیا کیا بولتی رہی اور میں سنتی رہی اور میں اُن کی باتوں میں اس حد تک کھو چکی تھی کہ مجھے اندازہ بھی نہیں ہوسکا کہ فرحان کب میرے پاس آکر بیٹھ چکا ہے۔ ''اچھا تم مجھے یہ بتاؤ کہ کب تک آنا ہے۔ بھابھی نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے مجھ سے سوال کیا تو میں نے فرحان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا بھابھی بس ایک دو دن میں۔ آپ کو اطلاع دے دیں گے۔ آپ فکر نہیں کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور احسن بھائی کے دل کا ہر ارمان پورے کرے''۔ میں نے اتنا کہا اور بھابھی نے مجھے جلدی آنے کی ایک بار پھر تاکید کی، ''ان الفاظ کے ساتھ کہ ابھی دوسر پرائز یہاں تمہارا انتظار کر رہے ہیں، اس لیے جلدی سے آجاؤ اب اور اپنا خیال رکھو''۔ یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا اور میں فرحان کی طرف متوجہ ہوئی، جس نے میری طرف ٹشو بڑھا کر کہا کہ ''پہلے اپنا چہرہ صاف کرلو۔ پورے ہوٹل کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ پاکستان سے آئی ایک جذباتی لڑکی ہے'' اور میں نے جلدی سے ٹشو لے کر اپنے چہرے کو رگڑ دیا...... اور جلدی سے اس کی بات کو ٹالتے ہوئے بولی، ''اُٹھو کچھ کھاتے ہیں۔ ایک تو اتنی دیر سو کر آئے ہو اور کب سے تمہارا انتظار کر کے میرے پیٹ میں چوہے ناچ ناچ کر فوت ہو چکے ہیں''...... میں اس کے ساتھ ریسٹورنٹ کی طرف بڑھ گئی...... وہ خاموشی سے میرے ساتھ آگے بڑھا...... میری خاموشی اور اُلجھن سے وہ واقف تھا کہ کوئی بات ہے مگر وہ یہی سمجھا کہ ہماری شادی کے مسئلے کے بارے میں پریشان ہوں اور پھر وہ آرام سے بولا۔ ''مجھے تسلی دینے کے بعد خود کیوں پریشان ہوگئی ہو''...... میں اس کی آواز پر ایک دم سے چونکی۔ کیا؟...... میری بے دھیانی پر وہ مسکرا گیا...... ''کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ ''انا'' میں تمہارے اور اپنے رشتے پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا، بس تم مطمئن رہو''...... اس نے مجھے تسلی کے سے انداز میں کہا۔ نہیں میں پریشان تو نہیں ہو۔ ''اب مجھ سے تو جھوٹ مت بولو ''انا'' اپنا چہرہ دیکھا ہے اور تمہاری آنکھیں تمہارے دِل کے تمام حال کو بڑے آرام سے بیان کر دیتی ہیں...... میں نے اکثر یہ سنا تھا کہ انسان کی آنکھیں اس کی ذات کی آئینہ دار ہوتی ہیں اور اس بات کو آج میں پہلی بار تجربہ بھی کر رہا ہوں۔ اب مزید کسی صفائی کی ضرورت نہیں''...... میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا......

فرحان نے فون کر کے ریاض صاحب سے کل کے لیے ٹکٹ کنفرم کرنے کا کہہ دیا......

میں مکمل طور پر زرقا بھابھی کے الفاظ کو اپنے ذہن میں دہرا رہی تھی اور ''احسن'' بھائی

کا ایک نیا روپ میرے سامنے آیا تھا...... واقعی وہ محبت کتنی عجیب ہوگی جس میں انسان کو پانے کی خواہش ہی نہ ہو...... مگر، اگر ایسا تھا تو ''احسن'' بھائی کو کوشش تو کرنا چاہیے تھی...... ''احسن'' بھائی اگر مجھے یا ''امی'' کو بتا دیتے تو انہیں آج اس محرومی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور پھر وہ نعمان بھائی کے بھی تو بہت قریب تھے، انہوں نے کیا انہیں بھی کچھ نہیں بتایا تھا مگر انہیں کیا بتاتے، وہ تو سب کچھ چھوڑ کر پردیس میں خودغرضی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مجھے نعمان بھائی پر غصہ آنے لگا......

فرحان نے مجھے ایسے خیالوں میں کھوئے دیکھا تو کہا۔ ''انا'' نہ جانے وہ مجھے کتنی بار مخاطب کر چکا تھا مگر اس کی جس آواز پر سنا، وہ قدرے اونچی تھی...... میں نے اسے گھور کر کہا، ''کیا ہو گیا ہے۔ آہستہ بولو، تمہارے پاس ہی تو بیٹھی ہوں''۔ ''پاس کہاں ہو تم تو کہیں اور ہی ہو...... کیا ہوا؟'' کس سے بات کر رہی تھی، کوئی نئی بات ہوئی ہے کیا؟ فرحان نے مجھ سے فکرمندی سے پوچھا اور اس وقت میں اس حالت میں تھی کہ اگر میں فرحان کو اس پل نہ بتاتی تو شاید میں آنے والے کئی دن اسی اُلجھن میں رہتی۔ ایک احساسِ جرم مجھے بھی ہو رہا تھا کہ ہم لوگ ''احسن'' بھائی کو، ان کی خاموشی کو، ان کی محتاط روی کو اتنا عام کیوں لیتے رہے، کیوں نہیں سوچا کہ اس کے پسِ پردہ کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے اپنے اور زرقا بھابھی کے درمیان ہوئی ساری بات فرحان کو بتا دی...... اور تھوڑی دیر کے لیے وہ بھی گنگ ہو کر رہ گیا اور کچھ دیر بعد بولا '''' انا'' دیکھو تقدیر ہمیں کس موڑ پر کون سی آزمائش دے دے، ہمیں نہیں معلوم...... تو بس تم یہ ہی سمجھو کہ احسن بھائی کے لیے، وہ وقت جو انہوں نے اس لڑکی کے فراق میں گزارا، وہ ان کی آزمائش تھی اور زرقا بھابھی کے لیے وہ وقت جو انہوں نے ''احسن بھائی'' کی اپنائیت کے بغیر اور اب اگر ایسا ہو چکا ہے اور احسن بھائی کو احساس ہو چکا ہے اور انہوں نے زرقا بھابھی کو بتا کر دِل صاف کر دیا ہے تو پھر ایسی کوئی وجہ اب نہیں ہوگی جو ان کو خوش اور مطمئن زندگی گزارنے سے روکے۔ انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم اب اس بارے میں مزید پریشان نہ ہو۔ وہ دونوں ایک مکمل Practical life گزار رہے ہیں اور آئندہ آنے والے وقت میں وہ دونوں بہتر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کیا کرنا ہے''۔

فرحان یہ محبت میں اور زندگی میں اتنی آزمائشیں کیوں ہوتی ہیں۔ چلو زندگی کی آزمائشوں کی نوعیت تو سمجھ میں آتی ہے مگر محبت کے جذبے کو تقدیر کیا آزمائشوں سے آزاد نہیں کر سکتی......؟

''کیا مطلب؟'' فرحان نے مجھ سے استفسار کیا......؟

''میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے میں اور تم ہیں۔ ہماری زندگی میں کسی جذباتی محبت کی شاید کوئی جگہ نہیں، یا یوں کہہ لو کہ ابھی تک ہمیں اس آگ نے نہیں چھوا...... تو ہماری

زندگی میں جو بھی امتحان ہے، وہ تو اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ ہماری تقدیر میں آزمائش لکھی جا چکی ہے اور اب ہم اس پر پورا اترتے ہیں یا نہیں، یہ ہم پر منحصر ہے مگر وہ لوگ جو محبت کی آگ میں خود کو جھونک چکے ہیں، اپنے آپ کو فنا کر چکے ہیں۔ ان کے لیے کیا وہ آگ ہی کافی نہیں جس میں جلنے کے باوجود انہیں ٹھنڈک کا احساس زندہ رکھتا ہے تو کیا ضروری ہے کہ اُن پر مزید تقدیر کی آزمائشیں انگاروں کی طرح برستی رہیں'' ...... ''احسن'' بھائی کے بارے میں سوچو نا، انہوں نے اپنی ساری زندگی ہم لوگوں کی خوشی کے لیے تیاگ دی اور خود اپنی ہی محبت سے محروم زندگی گزار رہے ہیں۔ This is totally unfair ...... جانے کیوں، میرے آنکھوں میں آنسو پھر سے اُمڈنے لگے اور میں تلخ ہو گئی۔ مجھے تو محبت کے نام سے پہلے بھی نفرت تھی اور اب تو اس جیسا کرب ناک اور تکلیف دہ جذبہ میرے نزدیک اور کوئی بھی نہیں۔ میں تو دعا کرتی ہوں کہ اللہ دشمنوں کو بھی محبت جیسی مہلک بیماری سے محفوظ رکھے ...... میری بات سن کر فرحان ہنسنے لگا''۔

''انا'' جی یہ ایسی بیماری ہے جو نہ تو آپ سے پوچھ کر آپ کو لاحق ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا کوئی علاج ہے۔ یہ تو لاعلاج مرض ہے، جو ہر آنے والے وقت میں جسم میں ناسور کی طرح محبت کی جڑیں مضبوط کرتا چلا جاتا ہے اور پھر یا تو تکمیل کی حد تک پہنچا دیتا ہے اور یا پھر مکمل طور پر فنا کر دیتا ہے۔ اس انسان کو جو اس میں مبتلا ہوتا ہے، مگر اس کا کوئی علاج نہیں'' ...... فرحان مجھے چھیڑتے ہوئے بولا۔ ''تمہیں بڑا معلوم ہے کہ یہ کیا ہے؟ فضول بک بک نہ کرو، چپ بیٹھو۔ بڑے آئے محبت کے طرف دار ...... اچھا تو مجھ سے کیوں لڑ رہی ہو۔ میرا کیا قصور ہے، اس میں مَیں نے تو کچھ نہیں کیا'' اور اتنی دیر میں اس کا فون بجنے لگا۔

فون پر ریاض صاحب نے کل شام 6 بجے کی فلائیٹ کے بارے میں کنفرم ہونے کی اطلاع دی تھی اور ساتھ ہی بتایا کہ یہاں کے ہوٹل پروجیکٹ پر اس پارٹی نے آپ لوگوں کو اگلے مہینے پھر بلانے کا پلان بنا رکھا ہے تو فرحان نے اس بات پر ٹال دیا کہ ٹھیک ہے، آپ اس کے متعلق ہم سے وہاں رابطہ رکھیے گا اور آپ کل پھر ہمیں 4 بجے تک یہاں سے پک کر لیجئے گا۔ یہ کہہ کر فرحان نے ریاض صاحب کا فون رکھتے ہی مجھے بتانے سے پہلے پھر فون ڈائل کیا ...... ممی کل ہماری چھ بجے کی فلائیٹ ہے، یہاں سے ہم لوگ آ رہے ہیں، باقی باتیں وہاں آ کر ہوں گی ...... اور پھر اس نے اطلاع ''بابا'' کو دی اور ساتھ یہ بھی پوچھا کہ کوئی چیز چاہیے تو بتا دیں ...... انہوں نے بس دعائیں دے کر فون بند کر دیا ...... اور فون رکھتے ہی میں نے جلدی سے اُسے اُٹھنے اور میرے ساتھ بازار جانے کا کہا۔ کس کے لیے shopping کرنی ہے۔ ''تمہیں اب

یاد آئی ہے؟“...... ”مجھے سب کے لیے shopping کرنی ہے اور جناب فرحان صاحب آپ بھی اپنے ممی پاپا کے لیے اچھی سی shopping کر لیں“...... ok

پھر ہم دونوں دبئی کے بڑے بڑے مالز پر گئے اور میں نے اپنی طرف سے سب کے لیے یہاں تک کہ نعمان بھائی اور منیر بھائی، دونوں بھابھیوں، اُن کے بچوں کے لیے بھی تحفے لے لیے کہ اب جب وہ لوگ عید پر آئیں گے تو میں انہیں دوں گی، کیونکہ میری زندگی میں یہ میرا پہلا موقع تھا کہ میں گھر والوں سے دور گئی، وہ بھی اکیلے......اور وہاں پر مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کس کے لیے کیا لوں اور پھر میں نے سب کے لیے پرفیومز لینے کا فیصلہ کیا، کیونکہ وہاں پر جتنی ورائٹی میں پرفیومز تھیں اور کوئی چیز دِل کو بھاتی ہی نہیں تھی اور میں نے سب کے لیے پرفیومز ہی لے لی تھیں۔ صرف بچوں کے لیے کچھ کھلونے اور کپڑے لیے میں نے فرحان سے نظر بچا کر فرحان کے لیے اور اس کے ممی اور ڈیڈ کے لیے بھی خوب صورت کلون لیے اور جب فرحان نے مجھے وہاں بل ادا کرتے اور ان کی packing اُٹھاتے دیکھا تو بولا ”انا“ خدا کا خوف کر یار، دُکان لگانے کا ارادہ ہے کیا؟“

اس نے مجھے چھیڑتے ہوئے میرے ہاتھ سے سارے Packets لے لیے......

”بکومت، تمہیں تو توفیق ہی نہیں ہوتی نہ کسی کو کچھ دینے کی“......ہوٹل میں جا کر میں نے اپنی packing شروع کر دی اور پھر جو پرفیوم میں نے فرحان کے لیے لی تھی، وہ میں نے بیگ کی تہہ میں رکھ دیا......کہ وہاں جا کر آفس میں اسے دوں گی...... مجھے اس وقت جتنی خوشی جانے کی ہو رہی تھی، اس وقت میں اس خوف سے خود کو آزاد رکھنا چاہتی تھی جو میرے اور فرحان کی وجہ سے میرے دِل میں بس چکا تھا۔ صبح پہن کر جانے کے لیے میں نے بھابھی کی پسند کا جوڑا نکالا...... کیونکہ میں جانتی تھی کہ اگر انہوں نے مجھے اس طرح ٹراؤزر میں دیکھا تو ضرور شکل بنا لیں گی۔ میں نے اور فرحان نے رات کا کھانا اکٹھے ہی کھایا اور پھر میں نے فرحان کے ساتھ مل کر اس کی packing کرائی......ابھی کل کا سارا دن ہمارے پاس تھا کہ انسان کو جہاں جانے کی لگن اور پیاس ہو، اس سفر کی تیاری میں گزرتا وقت سب سے دلچسپ وقت ہوتا ہے اور شاید میں اور فرحان دونوں ہی اس دلچسپ وقت میں سے گزر رہے تھے، مگر ایک انجانے اندیشے کے ساتھ۔

دوسرے دن تقریباً 12 بجے ہوں گے کہ ریاض صاحب ان لوگوں کے ساتھ ہوٹل میں ہمیں ملنے آئے اور آج ان میں وہ بزرگ عربی بھی موجود تھا جس نے مجھے اور فرحان کو پہلی نظر میں ناپسند کیا تھا۔ انہوں نے عربی میں کہا ریاض صاحب نے ترجمہ کر کے بتایا کہ تم دونوں

سے ملنے کے بعد تو انگریزی کے اس مقولے کی کوئی صداقت نظر نہیں آتی کہ First Impression is the last impression، تم لوگوں کا پہلا impression تو مجھ پر بہت بُرا پڑا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تم لوگوں نے اپنا جو impression مجھے دیا ہے، اسے میں ساری زندگی یاد رکھوں گا۔ انہوں نے ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ کافی تحائف بھی دیئے اور پھر ہم سے دوبارہ ملنے اور کام کرانے کی خواہش ظاہر کر کے چلے گئے۔ ریاض صاحب نے بھی اپنے چار بجے آنے کا بتایا اور انہیں چھوڑنے چلے گئے۔ میں اور فرحان انہیں پارکنگ تک چھوڑنے آئے۔

دوپہر کے ڈھائی بج چکے تھے اور ہمارے یہاں سے جانے میں صرف ڈیڑھ گھنٹہ رہ گیا تھا۔ جیسے جیسے وقت قریب آرہا تھا، ویسے ویسے میرے دِل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں، وہاں جا کر گھر والے، اُن کی خوش فہمیاں، اُن کے اندازے، اُن کے گمان، ان سب کا جواب فرحان نے دینا تھا اور زرقا بھابھی اور احسن بھائی کا چہرہ بار بار آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا...... ہم نے اکٹھے چائے پی...... اور پھر فرحان change کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا اور میں نے نہا کر بھابھی کی ہدایت کے مطابق براؤن رنگ کی قمیض اور لائیٹ گولڈن کلر کی شلوار اور ڈوپٹے والے سوٹ کا انتخاب کیا، جو بھابھی نے بڑے چاؤ سے میرے سوٹ کیس میں رکھا تھا...... اور اب وہ روانگی کا وقت آن پہنچا تھا جس کے لیے ہم اتنے دِنوں سے بے چین تھے۔ ریاض صاحب کے پھولوں کے گلدستے کے ساتھ مجھے اور فرحان کو الوادع کیا اور ہم لوگ اپنے گھر جانے کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔

ہم جہاز میں بیٹھے تھے کہ میں نے فرحان سے کہا۔ ''فرحان زندگی بھی کتنی عجیب ہوتی ہے اور اس سے زیادہ عجیب اس زندگی کے سفر۔ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کون سا سفر کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں ختم...... مگر میری زندگی کا یہ تجربہ ہے کہ سفر کوئی بھی اچھا نہیں ہوتا''۔ فرحان نے حیرت سے میری جانب دیکھا۔ کیا مطلب کوئی بھی سفر اچھا نہیں ہوتا......؟ مطلب یہ کہ چاہے اُردو والا ''سفر'' ہو یا انگریزی والا ''sufer'' دونوں تھکا دینے والے ہوتے ہیں۔ توڑ کے رکھ دیتے ہیں انسان کو...... میں نے شرارت فرحان کی طرف دیکھا......

اس وقت بے دھیانی میں کہنے والے الفاظ مجھے کیا پتہ تھا کہ میری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت بن جائیں گے کہ اردو والے سفر کے ختم ہوتے ہی انگریزی والے suffer کا سفر شروع ہو جائے گا۔ میرے ذہن میں زرقا بھابھی کے سرپرائز والی بات گھومنے لگی اور جب میں

نے فرحان سے پوچھا تو اس نے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا، تھوڑا سا سفر رہ گیا ہے، وہاں پہنچ کر پتہ چل جائے گا کہ کون سے سرپرائز تمہارے انتظار میں ہیں۔ ''Now relax''

☆

جیسے ہی جہاز کے ٹائروں نے رن وے کو چھوا، میرے دِل کی دھڑکنیں اس جہاز کی رفتار سے زیادہ تیز دھڑک رہی تھیں...... میں اور فرحان تقریباً آدھے پونے گھنٹے بعد لاؤنج میں آچکے تھے اور سب سے پہلے میری نظر نے ''احسن'' بھائی کو دیکھا...... اور میں انہیں دیکھ کر ایک سکتے میں آگئی...... یہ احسن بھائی تھے؟ میں نے خود کو سنبھالا اور اب ان کے پاس کھڑے ابا کی آنکھیں ہمیں ڈھونڈتی ہوئی مجھ پر پڑیں تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں سے موتی جھڑنے لگے...... میں سب سے پہلے ابا کے پاس گئی اور ان کے پیروں کو چھو کر میں نے انہیں اپنی کامیابی اور ان کے اعتماد کی طاقت کی خوش خبری سنائی۔ انہوں نے مجھے اپنی بانہوں میں بھر کر ایسے بھینچا جیسے اب وہ ساری دُنیا سے مجھے چھین کر ایک محفوظ آغوش میں ہمیشہ کے لیے پناہ دینے والے ہیں...... ابا کی اس حالت پر میری آنکھیں بھیگنے لگی، پھر اماں، بھابھی، بوا، محبوب چچا، فرحان کے امی ابو، سب ہمیں ملے۔ بھابھی کا چہرہ پہلے سے زیادہ دمکتا ہوا لگ رہا تھا، ان کی آنکھیں ان کی خوشی کی عکاسی کر رہی تھیں اور اس سے پہلے کہ میں بابا کے بارے میں پوچھتی، میں نے دور پلر piller کے پاس بابا کو اپنے مخصوص پُراعتماد، شفاف، پُروقار چہرے کے ساتھ دیکھا، انہیں دیکھنے کے بعد میں ان کی طرف ویسے ہی بھاگی جیسے ایک بچہ بھیڑ میں گم ہو جانے کے بعد اچانک اپنی ماں کو دیکھ کر اس کی طرف لپکتا ہے۔ میں بابا کے پاؤں کو چھونے کے لیے جھکی ہی تھی کہ انہوں نے اپنی پوری طاقت سے مجھے پکڑ لیا۔ ''پاگل لڑکی'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر پیار کیا اور پھر وہ فرحان سے ملے اور بولے، ''مجھے یقین تھا کہ تم میری انا کے بہترین محافظ ثابت ہو گے اور آج تم نے میرے یقین کو پختہ کر دیا۔ جیتے رہو، سلامت رہو''۔ انہوں نے فرحان کو گلے سے لگایا اور پھر ہم گھر کے لیے روانہ ہوئے۔ اس دوران بس اگر کوئی شخص خاموش تھا تو وہ احسن بھائی تھے۔ میں معمول کے مطابق بابا کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھی اور سارا راستے بابا نے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں رکھا...... ''اور مجھ سے سفر کے متعلق پوچھتے رہے...... اور پھر اچانک بولے۔ محبوب یار یہ آج کل ''احسن'' نے گاڑی پھر سے تیز چلانا شروع کر دی ہے کیا۔ کچھ سالوں سے تو وہ بڑی اچھی ڈرائیو کرتا رہا ہے، مگر آج''......؟ بابا باتیں مجھ سے کر رہے تھے مگر اُن کی توجہ ہماری گاڑی سے آگے جاتی احسن

بھائی کی گاڑی پر تھی، کیونکہ بابا ہمیشہ جب کبھی اتفاق سے ہم اکٹھے جاتے تو اپنی گاڑی سب سے پیچھے رکھا کرتے تھے اور عموماً احسن بھائی کی گاڑی ہماری گاڑی کے ساتھ ذرا آگے ہوا کرتی تھی مگر آج وہ واقعی ہی کافی تیز گاڑی چلا رہے تھے۔ رحیم چچا شرارت سے بولے۔ ''آج احسن میاں خوش ہے نا اور خوشی میں کبھی کبھی ایسا کر دیتا ہے''۔ آج ہماری بیٹیا جو گھر آئی ہے۔ گھر میں پھر سے رونق ہو جائے گی، ورنہ یہ ایک مہینہ تو جیسے گھر کاٹ رہا تھا...... محبوب چچا نے بابا کو تسلی دیتے ہوئے کہا، تو بابا نے مُسکراتے ہوئے کہا، ''ہاں مگر کبھی کبھی ایسی خوشیوں میں کی گئی لاپرواہی بہت مہنگی بھی پڑ سکتی ہے۔ تم خود اسے سمجھا دینا محبوب''...... ٹھیک ہے بڑے صاحب، آپ فکر مت کریں اور جیسے ہی ہماری گاڑی گھر کے پورچ میں داخل ہوتی گئی تو مجھے اپنے اندر ایک سکون اور اطمینان محسوس ہوا کہ جیسے میں اس دُنیا کی سب سے محفوظ جگہ پر آ پہنچی ہوں اور ایک دم سے ایک بے خوفی یک سی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی...... زرقا بھابی تیزی سے اپنی گاڑی سے نکلی اور ایک دم سے بولی۔

''''اتو'' دوسرے سرپرائز کے لیے تیار ہونا؟''...... میں نے حیرت سے بابا کی طرف دیکھا...... اور اسی دوران فرحان بھی میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''کون سا سرپرائز بھابی جان''۔ اس سے پہلے کہ وہ فرحان کو کوئی جواب دیتی۔ ''میں نے فرحان سے پوچھا تم یہاں کیسے؟ گھر نہیں گئے تو اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکا کر کہا۔ ''نہیں ممی ڈیڈی نے کہا ہے کہ تم لوگوں کی طرف جانا ہے اور ویسے تمہیں مجھ سے کیا تکلیف ہے، خودغرض لڑکی، وہاں دبئی میں ایک منٹ بھی مجھے اکیلے نہیں چھوڑا اور یہاں آ کر کیسے آنکھیں بدل لی ہیں اس نے''...... سب ہماری اس چھیڑ چھاڑ سے محذوذ ہو رہے تھے۔

بابا نے آرام سے میرے سَر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''بیٹا آج یہ سب بھی ہمارے ساتھ رات کا کھانے کا لطف اُٹھائیں گے۔ اس لیے میں نے فرحان اور ان کے والدین سے یہاں آنے کی درخواست کی ہے''۔ اتنی دیر میں فرحان کی ممی نے مُسکرا کر میری طرف دیکھا اور میں نے مُسکرا کر اثبات میں سر ہلایا کہ ''اس سے اچھی بات اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی''...... ''اچھا بھابی آپ کون سے سرپرائز کی بات کر رہی تھیں''...... میں نے دوبارہ بھابی کی طرف رُخ کیا۔ ''اب سارے سرپرائز تمہیں یہاں پورچ میں تو دینے سے ہی رہی میں۔ اندر تشریف لاؤ گی تو پتہ چلے گا میڈم کو کہ سرپرائز کہتے کسے ہیں''۔ فرحان نے میری طرف اور میں نے فرحان کی طرف دیکھا اور اندر جاتے ہوئے دروازے کے پاس احسن بھائی۔ بلیو جینز پر ڈارک بلیو سویٹر

اور چہرے پر بڑھی شیو اور اُداسی کے ساتھ بھی بہت پیارے سے لگے تھے مجھے۔ میں نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا، ''احسن بھائی، آپ کیوں ایک جانب کھڑے ہیں، چلیں اندر'' کیونکہ احسن بھائی آج دِن تک مجھے کبھی بھی روایتی بھائیوں کی طرح نہیں ملے تھے۔ بس سلام کر کے ایک طرف ہو جایا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے جب میں انگلینڈ سے واپس آئی تھی، تب بھی ان کا ردِعمل کچھ ایسا ہی تھا، مگر اس وقت ان کے چہرے پر اس طرح کی اُداسی نہیں تھی۔ انہوں نے مجھے ٹالنے کے انداز میں کہا، ''تم لوگ چلو میں گاڑیوں سے سامان نکلوا کر آتا ہوں''۔ میں گھر کے اندر آ چکی تھی اور اپنے گھر کی مہک نے مجھے جیسے ایک نئی زندگی دی ہو یا ایسے جیسے اتنے دنوں سے میں نے سانس نہیں لیا تھا اور آج اپنے گھر آ کر جب سانس لیا تو زندگی کا احساس ہوا کہ میں زندہ ہوں...... ہم لوگ لاؤنج کی طرف بڑھے......

سب لوگ وہی اکٹھے تھے کہ بھابھی نے کہا ''انا'' تمہارے لیے سرپرائز امی ابو کے کمرے میں ہے''۔ میں نے اُلجھن سے بھابھی کی جانب دیکھا کہ کون سا سرپرائز ہے ایسا جس کے لیے مجھے اتنا تڑپایا جا رہا ہے...... میں اُٹھی اور ایک نظر فرحان کی طرف دیکھا۔ فرحان نے مجھے آنکھ کے اشارے سے جانے کے لیے کہا، میں نے کمرے کا دروازہ کھولا، کمرے میں بالکل اندھیرا تھا...... میں نے لائیٹ آن کی تو سامنے...... منیر بھائی، سعدیہ بھابھی مریم، مریم بھاگ کر میری جانب بڑھی اور اُسے اُٹھا کر پیار کیا اور منیر بھائی نے مجھے سینے سے لگایا، پیار کیا...... ''ہماری چھوٹی سے ''انا'' اتنے بڑے بڑے کام کرنے لگی ہے۔ اس کا اندازہ تو ہمیں تھا ہی نہیں۔ ہم تو آج تک اپنی ''انا'' کو اسی چھوٹے سے فراق پہنے منہ میں لالی پوپ اور بغل میں گڑیاں دبائے ادھر، اُدھر بھاگتے ہی دیکھتے تھے''...... میں نے ان کے سینے سے لگے لگے کہا، ''جی ''بھیاء'' اکثر چھوٹی سی ''انا'' ہی بہت بڑے بڑے کام کر جایا کرتی ہے، جس کا ہم انسانوں کو پتہ ہی نہیں ہوتا''...... امی ابو بھی اور زرقا بھابھی بھی اندر آ چکے تھے...... پھر میں سعدیہ بھابھی سے ملی۔ بظاہر تو سعدیہ بھابھی مسکرا رہی تھیں مگر جو خلوص اور محبت زرقا بھابھی کے ملنے کے انداز میں تھا، سعدیہ بھابھی تو اس کا ایک فی صد بھی نہیں تھا...... انہوں نے مجھے بڑے رسمی انداز میں مبارک باد دی واقعی زندگی میں رشتوں کے نام تو ایک سے ہوتے ہیں مگر ہر ہم نام رشتے کے پیچھے جذبات، احساسات، محبت دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں...... اور یہ فرق زرقا بھابھی اور سعدیہ بھابھی میں صاف عیاں تھا۔ میں منیر بھائی کے بازو میں بازو ڈالے کمرے سے باہر نکلی تو فرحان انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''what a pleasent surprise، منیر بھائی۔ آپ لوگ

اچانک کب آئے۔ یا رتین دِن پہلے ہی آئے ہیں، ''انو'' کا پتہ چلا تھا..... سوچا اسی بہانے تھوڑا آرام بھی مل جائے گا، ورنہ کام سے تو سر اُٹھانے کی فرصت نہیں ملتی''۔ منیر بھائی کو دیکھتے ہی میرا خیال نعمان بھائی کی طرف گیا..... کاش وہ بھی آجاتے تو ہم ساری فیملی اکٹھے ہوتے کتنا اچھا ہوتا مگر پھر میں نے دِل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ شکر ہے، منیر بھائی کا تو چہرہ دیکھنے کو ملا تھا۔ اس بار تو ڈیڑھ سال بعد بھائی کا چہرہ دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ سب اپنی اپنی باتوں میں مصروف ہوگئے، میں اُٹھ کر زرقا بھابھی کے پاس کچن میں چلی گئی..... جو بوا کے ساتھ مل کر کھانے کے انتظار میں مصروف تھیں۔ میں نے جاتے ہی ان کے گلے میں بازو ڈال دیئے۔ ''واؤ بھابھی جان آپ تو بڑے بڑے سرپرائز دینے لگی ہیں۔'' انھوں نے میرا چہرہ چوم لیا اور بوا نے آکر میری بلائیں لیں۔ ''شکر ہے بیٹیا رانی تم گھر آگئی، ورنہ اگر دو چار روز دیر ہوجاتی تو میں نے تو یہاں سے چلے جانا تھا'' ..... زرقا بھابھی نے بوا سے کہا، ''جب یہ کل اپنے گھر بیاہ کر چلی جائے گی تو کیا کریں گی بوا جی'' ..... ''ارے بیٹیا رانی اسے لمحے کے لیے تو والدین منتظر ہوتے ہیں..... ہماری گڑیا اپنے گھر کی ہوجاوے تو اور کیا چاہیے..... یہ تو سکون ہوگا نا کہ اپنے گھر گئی ہے'' کسی غیر ملک میں لوگوں کے حوالے یا سپرد تو نہیں ہوگئی نا۔ اپنے سر کے سائیں کے ساتھ ہوگی'' ..... میں نے بوا کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ فکر نہ کرو بوا جی میں کہیں نہیں جاتی، اپنی بوا کو چھوڑ کر اور جب جاؤں گی تو بوا کو بھی ساتھ لے جاؤں گی..... اور ہمیں نہیں معلوم تھا کہ احسن بھائی کھڑے ہماری تمام گپ شپ سن رہے تھے۔ اچانک ایک بھاری اور سخت آواز میں بولے تو میں نے اور بھابھی نے مڑ کر دیکھا..... ''جس کو جہاں جانا ہے وہ برائے مہربانی اکیلے جائے،'' بوا جی کو اس گھر سے لے کر جانے کا خیال ذہن سے نکال دیں تو زیادہ اچھا ہے۔ اکثر خیال پختہ ہونے کے بعد جب اچانک سے ٹوٹنے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے''۔ زرقا بھابھی نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور احسن بھائی کی طرف داری کرتے ہوئے بولی۔ ''بالکل ٹھیک احسن میں آپ کے ساتھ ہوں۔ جسے جانا ہے اکیلے جائے۔ بوا تو کہیں نہیں جائیں گی'' ..... اور احسن بھائی نے بھابھی کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا، ''زرقا آپ کا ساتھ ہی بہت ہے میرے لیے'' ..... یہ کہہ کر وہ باہر چلے گئے اور میں نے بھابھی کو آنکھ مارتے ہوئے کہا کہ واہ (کیا) جی اب تو کیا ہی بات'' ..... بھابھی کے چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ جو شرمیلا پن تھا وہ ان کے جذبات کی کھلی عکاسی کر رہا تھا..... جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھی کہ بھابھی اب پُرسکون اور مطمئن ہیں اور انہیں احسن بھائی سے حقیقت میں کوئی گلا نہیں..... مگر احسن بھائی کا اُکھڑا اُکھڑا رویہ اور یہ اُترا ہوا چہرہ مجھے اُلجھن

میں ضرور ڈال رہا تھا مگر پھر شاید یہ اُن کی محبت کے خاتمے کا سوگ ہی ہو۔ اس وقت مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ محبت نہیں مرتی...... بس جسم فنا ہو جایا کرتے ہیں اور اس بات کا اندازہ مجھے وقت کے ساتھ ساتھ ہوتا گیا...... بہر حال میں بے دھیانی میں آ کر لاؤنج میں جہاں سب بیٹھے تھے، بیٹھ گئی۔ بابا نے مجھے اپنے قریب بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا اور ہمارے گھر کا لاؤنج گول شیپ میں تھا اور گولائی میں ہی سارے صوفہ وغیرہ لگے ہوئے تھے۔ میں بابا کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ بے دھیانی میں سب اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے کہ مجھے اچانک آواز آئی ''انا'' ہم سے بھی مل لو...... میں نے چونک کر ہال میں بیٹھے سب کے چہروں پر نظر دوڑائی تو ایک کونے میں پڑے صوفے پر نعمان بھائی بیٹھے تھے اور مُسکرا کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور ہال میں سب ہنسنے لگے، میں آگے بڑھ کر نعمان بھائی کے سینے سے جا لگی اور ساتھ ہی صوفے پر نادیہ بھابھی بھی اُٹھ کر پُرخلوص طریقے سے مجھے ملیں۔ نادیہ بھابھی، سعدیہ بھابھی سے کافی سمجھ دار تھیں...... اور انہیں معلوم تھا کہ ہر رشتے کو نبھانے کا سلیقہ کیا ہوتا ہے۔ میں نے فائز کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ وہ اوپر سو رہا ہے۔

اس وقت خدا نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ سوچیں بھی خدا کے حکم سے آتی جاتی ہیں اور ہماری سوچوں کا علم خدا کی ذات کو بہت پہلے ہوتا ہے...... جب ہی تو میں انسان کو تقدیر کا کھلونا کہا کرتی تھی۔ آج بابا کے چہرے، امی، ابا، سب کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے...... اور زرقا بھابھی نے آ کر سب کے سامنے کہا، کیوں انو کیسے لگے سرپرائز......؟ میں نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا، اس سے بڑے اور خوب صورت سرپرائز تو ہو ہی نہیں سکتے...... اور دِل میں دعا کی کہ اے اللہ ہمارے گھر کو ہمیشہ ایسے ہی ہرا بھرا رکھ، خوشیوں سے، سکون سے، سب کے ایک دوسرے کے ساتھ سے، مگر کہتے ہیں نا کہ خدا کی ذات انسان کی بہت ساری دعاؤں کو جمع کرتی رہتی ہے اور میرے یہ دعا بھی اُسی کھاتے میں جمع ہوگئی اور ویسے بھی شروع سے لے کر اب تک میری زندگی میں میرے ساتھ ایک خاص بات یہ ہوا کرتی تھی کہ مجھے خوشی ملتی تھی مگر اس کے ساتھ ایک پریشانی بھی، ایک اُلجھن بھی، یعنی میری زندگی میں خوشی خالص کبھی نہیں آئی تھی، ہمیشہ ملے جلے احساسات ہوا کرتے تھے اور اب کی بار بھی ایسا ہی ہونے والا تھا...... جس کے لیے میں تیار تھی، مگر اس حد تک ہو جائے گا، اس کے لیے کبھی ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں بھی کبھی نہیں سوچا تھا...... کچھ دیر میں زرقا بھابھی کے امی ابو بھی آ گئے۔

کھانا زرقا بھابھی نے ڈائنگ ہال میں ہی لگوایا اور ہم سب جب ڈائنگ ہال میں

کھانے کے لیے گئے تو اس وقت وہاں اس قدر شور تھا، ہم لوگوں کی آوازوں میں ایک دوسرے کی آوازیں مل رہی تھیں اور جو رونق ہمارے گھر میں اس وقت تھی، وہ پچھلے چند سالوں میں جیسے ہم بھول ہی تو چکے تھے......سب نے ہنسی مذاق، گھل مل کر کھانا کھایا......کھانے کے دوران میں نے دو مرتبہ فرحان کو اشارے سے بات کرنے کا کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اس وقت وہ نعمان بھائی کو انٹرویو دینے میں مصروف تھا، مگر اسے اشارہ کر کے اچانک میری نظر جب احسن بھائی پر پڑی تو وہ مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اس بار ہمارے اس eye contect کو نظر انداز کرنے کے لیے مجھ سے سلاد کی پلیٹ بڑھانے کو کہا اور مَیں نے مُسکرا کر انہیں پلیٹ تھما دی......کھانے کے بعد ہم سب لوگ بھی لاؤنج میں چلے گئے اور زرقا بھابھی اب میرے اسرار پر کچن سے باہر آ چکی تھیں اور ساتھ بیٹھی تھیں۔ کچھ دیر میں بوا نے سب میں سبز قہوہ دیا۔ قہوہ پیتے پیتے فرحان کے والد قدرے اونچی آواز میں مخاطب ہوئے اور ابا اور بابا سے پوچھا کہ ''میرے خیال سے اب منگنی کا پروگرام بنالیں، کیونکہ اگلے ہفتے میرا یورپ جانے کا پروگرام ہے، اپنے بزنس کے سلسلے میں اور میں سوچتا ہوں کہ نیک کام میں دیری نہ کریں۔ اسی ہفتے کی کوئی تاریخ آپ سوچ کر بتا دیں اور ایک چھوٹا سا فنکشن کر لیتے ہیں۔ بس قریبی رشتہ داروں کو بلا کر''۔ ''بابا'' شاید ان کی اس بات سے قدرے متفق نہ تھے، انہوں نے دھیمی آواز میں کہا، وہ تو ٹھیک ہے ''راشد میاں مگر میں نے ابھی تک دونوں بچوں سے بات تو کی نہیں''۔ ابھی ان سے پوچھنا ہے، کیونکہ اس معاملے میں ان کی رضا مندی سب سے اہم ہے۔ میرے دِل کی دھڑکنیں اس لمحے رُک سی گئیں اور فرحان نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا......اور میری ساتھ ہی صوفے پر زرقا بھابھی اور ان کے ساتھ احسن بھائی تھے۔ بھابھی نے آہستہ سے میرے کان میں سرگوشی کی، سرپرائز نمبر 3۔ میں نے انہیں گھورا......اور فرحان کی طرف دیکھا جس نے مجھے دیکھ کر نظر انداز کر دیا۔ ''راشد انکل دوبارہ بولے تو بھائی صاحب دونوں سامنے ہیں، ابھی سب کی موجودگی میں پوچھ لیتے ہیں۔ ایک کام تو آج کے اس مبارک دن میں ہو جائے کہ آج ہم سب اکٹھے ہوئے ہیں'' ...... یہ کہتے ہوئے انہوں نے کچھ زیادہ جلد بازی کا مظاہرہ کر دیا...... ''ایک دم سے انہوں نے سامنے بیٹھے فرحان سے پوچھ لیا...... ''فرحان ہم سب بڑوں نے تم دونوں یعنی تمہارا اور ''انا'' کا رشتہ طے کر دیا ہے......اور یہ بات تمہاری ممی تمہیں فون پر بھی بتا چکی ہیں اور اس وقت تم نے ہمیں جواب نہیں دیا تھا مگر تم دونوں کی نیم رضا مندی کو سامنے رکھ کر ہی ہم نے اس رشتے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب تم دونوں بچے ہمیں اپنی واضح رضا مندی ظاہر کر دو، تا کہ اس نیک کام کو

خیریت سے سب کی دُعاؤں میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔''

اس ساری صورتِ حال میں، ابا اور ''بابا'' بالکل خاموش تھے، مگر ان کے چہرے پر ایک طمانیت ضرور تھی اور باقی ہال میں تمام لوگوں کے چہروں سے یہ بات واضح تھی کہ انہیں اس تمام صورتِ حال کا علم پہلے سے تھا اور وہ اس بات کے لیے رضامند تھے اور ہماری رضامندی کی اُمید بھی...... راشد انکل نے ایک بار دوبارہ فرحان کو مسکراتے ہوئے کہا، ''فرحان بیٹا ہم سب تمہارے کے جواب کے منتظر ہیں۔ وہ بھی صرف جمال بھائی صاحب کے دِل کی تسلی کے لیے، ورنہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں'' ...... فرحان نے نظر اُٹھا کر میری جانب دیکھا، اس سے پہلے کہ فرحان کچھ بولتا، احسن بھائی ایک دم سے اُٹھے اور وہ کمرے سے باہر جانا چاہ رہے تھے کہ ابا ایک دم سے بولے، ''احسن بیٹا تم کہاں چل دیئے''۔ ''وہ ابا ایک ضروری فون کرنا ہے، یاد آ گیا'' احسن بھائی کی آواز ذرا کپکپا رہی تھی تو ابا نے کہا ''بھئی ذرا رکو، اس سے زیادہ ضروری کیا ہوگا اور تمہاری موجودگی اس وقت یہاں ضروری ہے''۔ احسن بھائی بیٹھ گئے ...... میں اس وقت فرحان کے جواب کی منتظر تھی، کیونکہ جلد ہی سہی مگر یہ وقت بہتر تھا اس کے دوٹوک جواب دینے اور سب کے دِل سے غلط فہمی دور کرنے کا۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد صائمہ آنٹی بولی، ''فرحان بیٹا تم تو ایسے سوچ رہے ہو، جیسے ہم نے کوئی انوکھی بات کر دی ہے''...... ہم سب منتظر ہیں، انہوں نے قدرے سخت لہجے میں کہا تو فرحان بڑے آرام سے بولا۔

''حقیقت تو یہی ہے ممی کہ آپ نے میری زندگی کی سب سے انوکھی، اَن گھڑ، بات کی ہے''...... اگر آپ سب لوگ بُرا نہ مانیں تو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں ...... یہ حیرت تھی فرحان نے سب سے اجازت لی اور آج اس لمحے مجھے میرے بھائی یا بہن نہ ہونے کی کمی کا احساس ہو رہا ہے، جس پر جواب اسے صرف ''بابا'' کی طرف سے ہی ملا...... ''ہاں بیٹا تم جو کہنا چاہتے ہو، وہ کہو'' ...... ''بات اصل میں یہ ہے ''بابا'' جان کے بہت مرتبہ ہم لوگ جو کچھ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور کانوں سے سنتے ہیں، وہ بھی حقیقت نہیں ہوتا ...... حقیقت کچھ اور پسِ پردہ بھی ہوتی ہے۔ مجھے آپ سب بڑوں کا فیصلہ منظور ہے، کیونکہ آپ لوگوں نے جو کچھ بھی سوچا ہوگا۔ وہ میری اور ''انا'' کی بھلائی کو مدِ نظر رکھ کر ہی سوچا ہوگا۔ ''فرحان کے یہ الفاظ سن کر میری تو جیسے جان نکل چکی تھی'' اور میں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی جا رہی تھی اور میرا دل کر رہا تھا کہ میرے پاس کوئی چیز ہوتی تو اُٹھا کر میں اُس کے سَر پر دے مارتی کہ وہ یہ سب بکواس کر رہا تھا......

فرحان کے ان الفاظ کے سنتے ہی تقریباً سب لوگوں کے چہرے پر ایک مسکراہٹ اُبھری اور ساتھ ہی فرحان کی ممی نے تیزی سے کہا۔''زرقا مٹھائی لے آؤ اور سب کا منہ میٹھا کراؤ''...... ابھی بھابھی اُٹھی بھی نہ تھی کہ فرحان نے بھابھی کو اشارہ کیا''بھابھی Please ایک منٹ۔ میری بات ابھی ادھوری ہے''! تو بابا ایک تجسس کے ساتھ بولے،''بیٹا اپنی بات مکمل کرو۔''

آپ سب لوگوں نے میری اور''انا'' کی زندگی کا فیصلہ کیا...... یہ سوچ کر ہم دونوں میں ذہنی ہم آہنگی ہے، پیار ہے، ایک دوسرے کی بات سننے اور برداشت کرنے کی ہمت ہے اور پھر ہم لوگوں کا فیملی سٹیٹس بھی ملتا ہے اور ہم کافی عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔'' ہے نا ممی......؟''

''ہاں بیٹا اور کامیاب زندگی گزارنے کے لیے انہیں باتوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے، بلکہ ان سب باتوں میں سے ایک بات اگر مشترک ہو تو زندگی آسانی سے گزر جاتی ہے تم دونوں میں تو اتنی ساری عادتیں، باتیں مشترک ہیں۔امی نے صفائی دیتے ہوئے کہا''......

جی ممی' میں بھی تو یہ ہی کہہ رہا ہوں'' مگر ہماری آنے والی زندگی جس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے، اسے ذہن میں رکھ کر اس کو بہتر بنانے کے لیے آپ نے ہماری موجودہ زندگی، موجودہ وقت اور موجودہ رشتے کو نظر انداز کر دیا...... ''بابا'' جان آپ بتائیں، میرے ہر سوال کا جواب آپ ہی بہتر دے سکتے ہیں کیونکہ اس بھرے ہال میں مجھے بولنے کی اجازت صرف آپ نے دی۔ باقی سب حیران تھے اور میں اپنے والدین کی طرف دیکھوں گا تو شاید ایک لفظ مزید کہنے کی مجھے اجازت نہیں ہوگی، مگر پلیز ''بابا'' آپ میری اس اُلجھن کو سلجھا دیں۔ میں یہ شادی کر لوں گا!''...... جو دل میں ہے بیٹا وہ کہو، کچھ تمہیں کوئی نہیں روکے گا'' بابا نے اسے تسلی دی۔

میری اور انا کی زندگی کے ہمارے مستقبل کے فیصلے کے بارے میں آپ سب لوگوں میں سے کسی نے بھی ہماری ''دوستی'' کے بارے میں، ہماری ''دوستی'' کے اس رشتے کے بارے میں کیوں نہیں سوچا......؟

اس سارے چکر میں ہماری دوستی کہاں گئی؟ ہماری دوستی کا کیا ہوگا؟ ہماری شادی کے بعد...... میں اس وقت آپ سب کے سامنے اس بات کی حقیقت کو بیان کرنا چاہتا ہوں کہ میرا اور انا کا جو بھی رشتہ ہے، چاہے وہ اعتماد کا ہے، پیار کا ہے، عزت کا ہے، برداشت کا ہے جو بھی ہے وہ رشتہ دوستی سے شروع ہوتا ہے اور دوستی پر ہی ختم ہوتا ہے۔''میں فطری طور سے ایک انتہائی انفرادیت پسند انسان ہوں اور خالصیت کا اس حد تک قائل ہوں کہ نا خالص نفرت اور نا خالص الجھن اور آزمائشوں کو بھی انتہائی شدت کے ساتھ مسترد کر دیتا ہوں''۔

تو مجھے حیرت آپ سب پر نہیں مگر مجھے میرے والدین سے اس بات کی شکایت ضرور ہے کہ وہ میری اس کمزوری کو بڑی اچھی طرح سے جانتے تھے۔ ہاں اگر یہ بات ''انا'' کرتی تو میں اُس سے بھی شکایت کرتا مگر وہ تو اس بات سے اتنی انجان تھی جتنا میں تھا تو پھر آپ بتائیں ''بابا'' کہ مجھ جیسا انسان ایک خالص اور سچے رشتے کو چھوڑ کر ایک غیر خالص، جھوٹا اور عارضی رشتہ کیسے بنا سکتا ہے اور کیا اس طرح کے بنائے ہوئے رشتے پختہ ہوتے ہیں؟ اور کیا اس قسم کے رشتے میں وفا کر پاؤں گا؟ اگر آپ لوگوں کو یہ لگ رہا ہے کہ مجھے ''انا'' سے پیار نہیں تو یہ بات بھی غلط ہے۔ میں ''انا'' سے بہت پیار کرتا تھا اور کرتا ہوں، تا عمر کرتا رہوں گا مگر میرے پیار کی ابتدا دوستی کے پاکیزہ رشتے سے ہوئی تھی اور یہ رشتہ کم از کم میری زندگی تک تو رہے گا......اور میں ان لوگوں میں سے بالکل نہیں ہوں۔ کہ جو اپنے رشتے کی پاک بازی ظاہر کرنے کے لیے بہن یا سسٹر جیسے الفاظ کا چناؤ کر کے ساری عمر اپنے رشتے کی صفائی پیش کرتے رہتے ہیں اور نہ ہی میں رشتوں میں ملاوٹ کا قائل ہوں۔ میں انا سے پیار کرتا ہوں، اس کی عزت کرتا ہوں، اس کی پرواہ خود سے زیادہ رکھتا ہوں اور ہمیشہ اس کی حفاظت کرتا رہوں گا مگر اس طرح جس طرح ایک مخلص، سچے اور ہمدرد دوست کرتا ہے اور ان سب کے لیے، نہ تو مجھے خود کو ''انا'' کا بھائی بتانے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس کا ایک حقیقی بھائی موجود ہے اور نہ ہی ان سب کے لیے مجھے اس کا شوہر بننے کی ضرورت ہے اور اگر میں ''انا'' کا مخلص اور حقیقی دوست ہوں تو مجھے یقین ہے کہ اس بات سے ''انا'' بھی اتنی متفق ہو گی جتنا کہ میں ہوں۔

بابا کیوں ہمارے معاشرے کا یہ المیہ بن چکا ہے کہ ایک لڑکی اور لڑکا کبھی اچھے دوست نہیں ہو سکتے یا تو ان کی شادی ہونا ضروری ہے یا پھر ان میں محبت ہونا جواُن کی آنے والی زندگی کا روگ بن جائے؟ کیا خلوص کے ساتھ، سچی محبت، بنا کسی لالچ کے، بنا کسی اُمید کے، بے لوث محبت، دوست سے نہیں کی جا سکتی، جیسی میں ''انا'' سے کرتا ہوں کیا میں ''انا'' کا صرف ایک دوست نہیں ہو سکتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس بات کی اجازت مذہب دیتا ہے یا نہیں...... کیونکہ مجھے مذہب کے متعلق الف۔ ب بھی نہیں معلوم، مگر مجھے یہ پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دِلوں کو نیتوں کو جانتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ میرے لئے ''انا'' کیا ہے اور اس کے لیے میں' اور یہ آپ سب بھی بڑی اچھی طرح سے جانتے ہیں، اگر یہ تعلق خالص نہ ہوتا تو ''انا'' میرے ساتھ اتنی دور کا سفر اکیلے کبھی نہیں کرتی...... مگر ہماری دوستی سچی ہے اور ''بابا'' ہم ہمیشہ اچھے دوست رہنا چاہتے ہیں...... ہمارے لیے ہمارا یہ ''رشتہ'' کافی ہے اور ہم اپنے اس رشتے سے بے حد مطمئن ہیں......

اور اب اگر آپ بڑے ہمارے اس پاکیزہ رشتے کو ختم کر کے ایک نیا رشتہ بنانا چاہتے ہیں تو اچھی طرح سوچ لیں کہ کیا میں اور ''انا'' اس رشتے کو جھیل پائیں گے...... کیونکہ میرا اور ''انا'' کا شروع سے ایک سہیلی کا رشتہ ہے اور آپ مجھ سے میری سہیلی کو دور کر رہے ہیں...... میری ایک دوست جیسے آپ محض اپنی ذہنی اختراع کی وجہ سے مجھ سے اتنا دور کر دو گے کہ شاید مجھے اور میں اس کا چہرہ دیکھنے کے لیے ترس جائیں گے۔

بابا مجھے نہیں معلوم کے زندگی کی حقیقت کیا ہے اور رشتوں کی پاس داری کیا ہوتی ہے مگر کیا آپ سب کو یہ لگتا ہے کہ اس رشتے سے نکلنا اتنا آسان ہوگا؟ اور کیا آپ کو لگتا ہے کہ ہم دونوں اپنے نئے رشتے میں ایک دوسرے سے' یا پھر خود، اس نئے رشتے سے، وفا کر پائیں گے...... ہماری اس دوستی میں پیار ہے مگر ہمارے اس رشتے میں نہ پیار ہوگا اور نہ دوستی۔ صرف برداشت ہوگی، صبر ہوگا اور سمجھوتہ ہوگا! کیا زندگی محض پیار کو کھو کر اعتماد کو کھو کر صرف ایک سمجھوتے کے سہارے کامیابی سے گزر سکتی ہے؟...... کیا ہماری دوستی ہماری زندگیوں کے لیے مثالی دوستی نہیں بن سکتی ''بابا''...... یہ کہتے ہوئے فرحان کی آواز کپکپانے لگی، میرے لیے میری دوستی اور میری دوست دونوں بہت محترم ہیں، جس رشتے میں ''محبت'' سمجھوتے کا لبادہ اوڑھ لے، وہ رشتہ کس حد تک دیرپا ثابت ہوسکتا ہے......؟ ابھی میں اور ''انا'' ایک دوسرے سے آنکھ ملا کر بات کرتے ہیں...... مگر دو دِن پہلے جب مجھے ممی نے یہ بات بتائی تو میں ''انا'' سے بات کرنا تو دور اسے دیکھتے ہوئے بھی ایک شرمندگی، اپنے رشتے سے بے وفائی کی سی کیفیت میں تھا اور اس بات کی وجہ سے میں اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی اپنی Presentation پر چوروں کی طرح ''انا'' کے سامنے کھڑا تھا...... آپ سب لوگ ہمیں ایک نہیں کر رہے، آپ سب ہمیں ایک دوسرے سے ساری عمر کے لیے دور کر رہے ہیں اور ایک ایسی آگ میں جھونک رہے ہیں جو تمام زندگی ہم دونوں نہ مرنے دے گی اور نہ ہی جینے دے گی۔ ہم ہر پل جھلتے رہیں گے۔ مکمل طور سے جَل کر فنا بھی نہیں ہوں گے۔ آپ سب کے لیے ہماری دوستی کافی نہیں کیا؟...... دوستی کا مطلب تا عمر وفا ہے، شادی نہیں! یہ کہہ کر وہ کچھ لمحوں کے لیے رُکا۔ شاید اس وقت وہ رو رہا تھا...... اور پھر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھا اور ہال سے باہر چلا گیا اور ہمیں لان کی طرف کا دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز آئی......؟

میری آنکھوں سے بھی آنسو کافی دیر سے رواں تھے...... اور میں بے بسی کے عالم میں تک وہیں بیٹھی رہیں۔ زرقا بھابھی میرے پاس سے اُٹھی اور فرحان کے پیچھے باہر چلی گئی۔ ہال

میں مکمل طور پر خاموشی تھی...... اور سب لوگ ہکا بکا ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے یا پھر سَر جھکائے بیٹھے تھے۔ اسی دوران نعمان بھائی اُٹھے اور وہ بھی ہلکی آواز میں کہہ کر گئے کہ میں فرحان کو لے کر آتا ہوں...... سب کے چہرے پر ایک پریشانی تھی...... یا پھر شرمندگی، مگر بابا کے چہرے پر طمانیت تھی...... یا شاید انہیں کچھ حد تک اندازہ تھا۔ ہوسکتا ہے انہوں نے اسی لیے ہمارے آنے تک اس کو معاملے میں ذرا ایک لچک رکھی تھی۔ بابا نے ایک نظر ''ابا'' کی طرف دیکھا اور ابا نے انہیں دیکھ کر نظریں جھکا لیں...... اور بابا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کی ایک لہر آئی اور چلی گئی......

کچھ توقف سے زرقا بھابھی، نعمان بھائی اور فرحان کمرے میں آئے۔ فرحان کا چہرہ سرخ اور آنکھیں سوج چکی تھیں۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے آنسوؤں سے دُھلا چہرہ، مَیں نے پہلی بار دیکھا تھا...... وہ حقیقت میں ایک خوب صورت انسان تھا اور خدا نے اسے ظاہری اور باطنی دونوں خوب صورتیوں سے بھرپور طور سے نواز رکھا تھا۔ راشد انکل اور صائمہ آنٹی تو مکمل خاموشی کی زد میں آچکے تھے...... اور ہال میں سمائی اس گہری خاموشی کو ''بابا'' کی آواز نے توڑا۔

''''جی'' راشد صاحب اور دانش صاحب، اب آپ لوگ بتائیں کہ اب آگے کیا فیصلہ کرنا ہے، کیونکہ فرحان کے والد آپ اور ''انا'' کے والد دانش صاحب ہیں''۔ بابا کے لہجے میں ایک طنز تھا۔ بابا شاید ''ابا'' پر طنز کر رہے تھے...... شاید ماضی میں کیے جانے والے ابا کے الفاظ کہ ''انا'' میری بیٹی ہے اور بابا کے بے جا لاڈ نے مجھے بگاڑ دیا وغیرہ وغیرہ اور اب بابا نے فیصلے کا حق ''ابا'' کو دیا......

''ابا'' نے دھیمی آواز میں ''بابا'' کو مخاطب کیا۔ ''بھائی صاحب آج تک بچوں کا ہر فیصلہ آپ کرتے آئیں ہیں اور ''انا'' آپ کی بیٹی ہے...... اور اس کا ہر فیصلہ آپ نے کیا ہے اور آج بھی یہ فیصلہ آپ ہی کریں گے اور مَیں آپ کو دوبارہ شکایت کا موقع نہیں دوں گا''...... ''ابا'' اپنی کہی ہوئی باتوں پر شرمندہ تھے اور بابا نے مسکراتے ہوئے ''ابا'' کی طرف دیکھا۔ ''سوچ لو پھر گلہ مت کرنا؟''...... بابا کے لہجے میں اب ہلکی سی شرارت تھی، جیسے اس لمحے وہی لوگ سمجھ سکتے تھے جنہوں نے بابا اور ابا کی وہ بحث سنی تھی...... تو زرقا بھابھی کے چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی...... بابا

جی راشد صاحب، یہاں تو فیصلے کا اختیار میرے سپرد کر دیا گیا...... ''اور خود آزاد ہوگئے''۔ اب آپ فرمایئے، آپ کا کیا فیصلہ ہے' تو انہوں نے بھی یہ ہی کہا...... ایسا تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ گھر میں ہر وقت ''انا'' کی باتیں کرنا، اس کا ان کی طرف جھکاؤ ذہن میں رکھتے

ہوئے ہی ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ ہم نے تو اپنی طرف سے انہیں خوشی دینی چاہی تھی مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہمارا یہ قدم ہمارے بچوں کو اتنی زیادہ ذہنی اذیت میں مبتلا کر دے گا۔ ہم نے اپنے بیٹے کی آنکھوں میں خوشی دیکھنا چاہی تھی اور ہم ہی نے اس کی آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر دیا۔ انکل کے لہجے سے ان کی شرمندگی ظاہر ہوا یسی تھی۔

والدین کی خوشی تو بچوں کی خوشی اور آبادی میں ہے اور اگر یہ خوش ہی نہیں ہوں گے تو ہم کیسے خوش ہو سکتے ہیں...... راشد انکل نے indirect طریقے سے اپنا مدعا تو بیان کر دیا تھا۔ مگر پھر بولے! یہ تو آپ کی برائی تھی کہ آپ نے بچوں کے آنے تک ہماری پیش قدمی کو روکے رکھا...... ورنہ ہم تو جانے کیا کیا منصوبے بنا رکھے تھے۔ انکل پشیمان تھے کافی۔ اب آپ ہی ہمارے بھی بزرگ ہیں۔ آپ ہی بتائیں کہ ہمیں آگے کیا کرنا چاہیے''۔ گویا انہوں نے بھی اپنا فیصلہ بابا کے سپرد کر دیا تھا...... اور اس وقت ہم سب بابا کے فیصلے کے انتظار میں بیٹھے تھے...... حالانکہ ہم سب جانتے تھے کہ بابا کا فیصلہ کیا ہوگا۔

''بھئی آپ دونوں نے فیصلے کا اختیار مجھے سونپ کر مجھے اپنا بزرگ تسلیم کیا جس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں...... مگر اس بات کا فیصلہ تو فرحان میاں نے ہمارے لیے اتنا سہل کر دیا کہ ہم سب اپنی اپنی جگہ سرخرو ہو گئے ہیں۔ میں نے اکثر اس قسم کے دوستوں کے بارے میں صرف کتابوں میں پڑھا تھا...... اور میرے بھائی صاحب مجھے اکثر کہتے ہیں کہ ''انا'' کی پرورش میں نے کی ہے، اس لیے اس کے اچھے برے اخلاق کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہے مگر آج میں اس بات کا اعتراف کر دوں، کے دوستی کے رشتے کے متعلق میں نے ''انا'' کو کبھی نہیں سکھایا...... اور نہ ہی بتایا، میرے نزدیک خدا کے ساتھ رشتہ جس بھی نوعیت کا ہو، وہ انسان کا اور اس کے خدا کے بیچ کی بات ہے اور یہ انسان کا انتہائی ذاتی معاملہ ہے جس میں کسی دوسرے کو دخل انداز کا کوئی حق نہیں...... اسی طرح دوستی اور محبت۔ یہ دو ایسے رشتے، ایسے بندھن ہیں جو انسان اس دُنیا میں آنے کے بعد خود اپنی مرضی و منشاء سے بناتا ہے اور اس میں بھی کسی کی دخل اندازی انتہائی غیر مناسب رویہ ہوگا اور میں ذاتی طور پر اس بات کے سخت خلاف ہوں کہ اسے معاملات میں بے جا دخل اندازی کی جائے، مگر آج آپ سب کے سامنے اس بات کا اعتراف کروں کہ مجھے اپنی ساری زندگی میں دوستی کے متعلق ہزار ہا چیزیں پڑھنے کو ملیں، جنہیں میں صرف ایک خواب کی طرح سوچتا، کتاب بند کرتا اور بس اسے ایک کتاب کی حد تک ہی دیکھا کرتا تھا مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ ہر کتاب کی، کسی ایک سطر میں تو زندگی کی حقیقت پوشیدہ ہے، بس

سمجھنے کی بات ہے جن لوگوں نے دوستی کو بیان کیا ہوگا، انہوں نے ویسی دوستی کی ہوگی یا دیکھی ہوگی..... اور میں ہمیشہ ایسی دوستیوں پر صرف کتابوں کی حد تک رشک کیا کرتا تھا..... مجھے کیا معلوم کہ دوستی کا خالص رشتہ گھر میں بھی موجود ہے جو اس رشتے کی پختگی اور خالصیت کو برقرار رکھنے کیلئے ہر مشکل صورت سے گزرنے کے لیے تیار ہیں" کیونکہ انسان کے لیے سب سے مشکل مرحلہ اس کے اپنوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور اپنوں کو اپنے نقطہ نظر پر قائل کرنا سب سے بڑی آزمائش ہے اور یہ کام آج بہادری سے فرحان نے کیا ہے۔ یہ ہمارے خاندان کی ایک مثال ہے جو ہماری آنے والی نسلوں تک منتقل کی جائے گی۔''بابا'' نے بھائیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا.....اور بھی بابا نے اُٹھ کر فرحان کو اپنے سینے سے لگا کر پیار کیا اور بولے بیٹے مجھے تم پر فخر ہے اور آج تم میری توقع سے بہت بڑھ کر ثابت ہوئے ہو.....فرحان کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں.....تو بابا نے بڑے آرام سے اسے کہا..... یہ تمہارے آنسو تمہاری سچائی کی ضمانت ہیں۔تمہاری وفا اور تمہارے رشتے کے تقدس کی ضمانت دے رہے ہیں اور میری دعا ہے کہ خدا تم دونوں کی دوستی ہمیشہ ایسے ہی رکھے اور خدا ہر ایک کو فرحان اور ''انا'' کی طرح دوستی کرنے اور اسے نبھانے، اس کو وفا کے آخری حد تک نبھانے کی توفیق دے..... تمہیں پریشان ہونے اور ''انا'' سے نظریں چرانے کی ضرورت نہیں۔ بابا نے ذرا سخت لہجے میں فرحان کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔تم اور انا یہ ہی سمجھو کہ ایسی کوئی بات ہوئی ہی نہیں''..... ''اس پر نعمان بھائی پہلی مرتبہ بولے! اور بابا جان ایک بات میں بھی کہنا چاہتا ہوں کہ آج کے بعد فرحان یہ کبھی مت سوچے کہ اس کا کوئی بھائی یا بہن نہیں ہے۔آج سے میں اس کا بھائی ہوں اور زرقا بھابھی اس کی بہن! راشد انکل میری آپ سے بھی یہ ہی درخواست ہے۔کیا آپ مجھے اور بھابھی کو فرحان کے بہن اور بھائی بننے کی اجازت دیتے ہیں''؟۔نعمان بھائی نے بڑی سادگی سے راشد انکل سے پوچھا جیسے کوئی بچہ تھوڑی دیر کے لیے کسی پارک میں جانے کے لیے اجازت لے رہا ہو تو راشد انکل نے اُٹھ کر نعمان بھائی کو سینے سے لگایا اور زرقا بھابھی کے سَر پر ہاتھ پھیرا۔امی، ابا، منیر بھائی، سعدیہ بھابھی، نادیہ بھابھی بالکل خاموش بیٹھے تھے اور میں ان سب کے چہروں پر ان کے تاثرات پڑھ رہی تھی جبکہ مریم وہی صوفے پر میرے قریب ہی سو چکی تھی۔

''صائمہ آنٹی نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ بھئی آپ سب اپنے اپنے چکروں میں میری بیٹی کو تو بھول ہی چکے ہیں۔فرحان نے تو پھر بھی اپنا غصہ ہم سب پر نکال لیا لیکن یہ تو اس وقت سے خاموش بیٹی ہے۔ یہ بھی تو اسی تکلیف سے گزری ہے نا جس سے فرحان گزرا ہے''۔انہوں

نے مجھے پیار کرتے ہوئے کہا تو بابا ایک دم سے بولے۔ ''یہ شکایت کریں گی بھی نہیں...... بس خاموش ہی رہیں گی۔ شکر ہے فرحان نے کچھ کہہ کر ہمیں اتنے بڑے غلط فیصلے سے روک لیا، ورنہ ان محترمہ کی خاموشی تو ہم سب کو ساری زندگی کا پچھتاوا دے جاتی۔ کیوں ''انا'' بیٹے، بابا نے مجھے چھیڑتے ہوئے کہا تو میں نے سَر جھکا لیا'' ...... کہ اچانک میرے سامنے فرحان کا ہاتھ آ گیا۔ میں نے چہرہ اُٹھا کر اس کی جانب دیکھا تو اس نے مجھے سب کے سامنے کہا، ''ویسے انسان کی زندگی میں اگر کوئی دوست نہ ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ دوست بنا بھی نہیں سکتا...... میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے دوستی کر لیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ میں آپ کا بہت اچھا دوست ثابت ہوں گا۔ یہ اور بات ہے کہ شکل سے میں لگتا نہیں ہوں، ویسے دوست بنانے کے لیے اتنا سوچنا اچھا نہیں کیونکہ یہ فیصلہ دل سے کیا جاتا ہے اور میرے خیال سے آپ کو یہ فیصلہ جلدی کرنا چاہیے''۔ یہ وہ الفاظ تھے جو یونیورسٹی کے پہلے روز فرحان میرے پاس آیا تھا اور اُس نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا تھا اور میں نے اس وقت بھی بنا سوچے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہوئے، اپنی رندھی آواز میں بولی...... ''ہاں اس وقت مجھ پاگل کو بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ میں اس دُنیا کے سب سے اچھے دوست سے دوستی کرنے جا رہی ہوں''...... فرحان نے مُسکراتے ہوئے میرا ہاتھ تھاما...... ''اور آرام سے بولا Thanks''......

ہمارے ہاتھ ملاتے ہی زرقا بھابھی بولی...... ''انا'' تم اب کھوگی نہیں، وہ گھسا پیٹا جملہ جو ہم اکثر سنتے ہیں کہ دوستی میں Sorry اور Thank you نہیں ہوتا''...... تو میں نے مُسکراتے ہوئے کہا، بھابھی۔ ''ہماری دوستی میں sorry بھی کافی زیادہ ہے اور Thank you بھی، کیونکہ میں انجانے میں اسے کافی دُکھی کر جاتی ہوں تو مجھے اس سے معافی بھی مانگنی ہوتی ہے کیونکہ ہماری زندگی میں چند ایسے رشتے ہوتے ہیں جو یہ الفاظ deserve کرتے ہیں۔ ہر کسی سے تو نہ انسان غلطی کرتا ہے اور نہ ہی کچھ اتنا بڑا کام کرتا ہے کہ ہر ایک کو Thank you کہتا پھرے میرے لیے فرحان ہی ان دونوں الفاظ کا سب سے زیادہ مستحق ہے''۔ فرحان نے اپنے ہاتھ سے میرے چہرے پر بہتے آنسوؤں کو پونچھ دیا...... اور یہ دن ہم دونوں کو ہمارے اپنوں کے سامنے سرخرو کر گیا...... کہ اب ہمارے اپنوں کے دِلوں میں اور ذہنوں میں کوئی غلط فہمی نہیں تھی۔ کوئی شک، کوئی خلش نہیں رہی۔ منیر بھائی نے آگے بڑھ کر مجھے اور فرحان کو پیار کیا...... ''اور پھر راشد انکل بولے، بھائی صاحب رات کے 2 بج رہے ہیں، اب ہمیں اجازت دیں، ان بچوں نے تو ہمیں اتنا زیادہ جذباتی کر دیا کہ ہم کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہے

''تو ابا نے کہا ایک منٹ راشد صاحب یہ کہہ کر ابا کمرے میں گئے اور ایک ڈبیہ اُٹھا کر لائے اس میں سے Rolex کی گھڑی نکالی اور فرحان کی کلائی پر باندھتے ہوئے، اسے پیار کیا اور دعا دیتے ہوئے کہا کہ آج میرے تین نہیں چار بیٹے ہیں اور مجھے فخر ہے کہ ''انا'' نے اس وقت تم سے ہاتھ ملا کر مجھے میرے ایک اور بیٹے سے ملا دیا تھا''...... فرحان مسکراتے ہوئے دوبارہ ابا کے سینے سے لگا اور پھر امی سے دعائیں لیں اور پھر انہیں چھوڑنے کے لیے ہم سب پورچ تک گئے اور ان کے جانے کے بعد نادیہ بھابھی بولی۔'' ''انو'' تم جا کر اب آرام کرو، بہت تھک گئی ہو گی مگر اس وقت خوشی کے احساس نے میری ساری تھکن دور کر دی تھی۔ میں نے پیار سے انہیں کہا نہیں بھابھی tall not a، میں تو بالکل fresh ہوں۔ اس پر امی بولی، نہیں بچے جا کر اب آرام کر لے، صبح گپ شپ کر لینا اور میں سب سے اجازت لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تو میری نظر احسن بھائی کے چہرے پر پڑی جواب بھی نا جانے کیوں مگر مجھے کرب زدہ لگ رہا تھا۔ میں نے انہیں مسکرا کر دیکھا مگر انہوں نے مجھے نظر انداز کر دیا۔ جانے کیوں مجھے اس پل احساس ہوا کہ پتہ نہیں گھر میں کوئی بات ہے جس کی وجہ سے وہ کچھ اُکھڑے ہوئے ہیں۔ خیر میں اپنے کمرے میں گئی، نہا کر نماز پڑھی لیٹ گئی۔ دو راتوں سے نیند نہیں کی تھی اور آج تو نیند خوشی کے احساس سے میرے پاس آئی تھی مگر میری صبح پھر اسی پرانے انداز میں ہوئی۔ سب کچھ تو بدل رہا تھا، سوائے میرے خواب کے۔ پتہ نہیں یہ کب بدلے گا...... ہر آنے والی صبح کا آغاز میری اسی سوچ کے ساتھ ہوا کرتا تھا......

دوسرے دن میں نے سب کو ان کی پرفیومز، جو میں لائی تھی، وہ دی۔ منیر بھائی اور نعمان بھائی دونوں حیران تھے کہ تمہیں پتہ تھا کہ ہم لوگ آچکے ہیں کہ تم ہمارے لیے یہ تحائف خریدتی رہی۔ نہیں بھائی معلوم نہیں تھا، بس آپ لوگوں کی یاد کافی آرہی تھی اور یہ سوچ کر لی تھیں کہ جب آپ آؤ گے تو دے دوں گی۔ سعدیہ بھابھی اور نادیہ بھابھی کو بھی دی مگر سعدیہ بھابھی نے مجھ سے لے کر بڑی ناگواری سے اسے اپنے بیڈ پر پھینک دیا۔ منیر بھائی دیکھ رہے تھے اور وہ کچھ شرمندہ سے ہو گئے۔ میں نے ایسا ظاہر کیا جیسے میں نے کچھ دیکھا ہی نہیں اور مریم کو اس کے کپڑے دے کر باہر چلی گئی۔ زرقا بھابھی تو معمول کے مطابق مجھے کچن میں ہی مل گئی تھیں تو انہیں میں نے اُس کی، احسن بھائی کی بوتل پکڑا دی تو انہوں نے احسن بھائی کی پرفیوم کی بوتل مجھے واپس کر دی کہ نہیں جاؤ وہ اپنے کمرے میں ہیں، ''انہیں خود جا کر دے دو۔ آج کل ویسے بھی کافی حساس ہوئے ہیں، کس وقت کون سی بات بُری لگ جائے، معلوم نہیں''۔ میں اثبات

میں سَر ہلا کر احسن بھائی کے کمرے کی جانے لگی تو مجھے خیال آیا کہ پہلے اماں اور ابا کو ان کی پرفیومز دے دوں۔

میں ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکا کر اندر داخل ہوئی تو احسن بھائی ابا سے کوئی بات کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی جیسے ان کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمایاں ہوئے۔ میں نے مسکرا کر سلام کیا تھا کہ ''وہ جلدی سے یہ کہتے کمرے سے باہر چلے گئے کہ ''ابا'' میں آپ سے اس کے متعلق بعد میں بات کروں گا''۔ میں نے انہیں روکنا چاہا مگر وہ اجلت میں باہر جاتے ہوئے دروازہ تیزی سے بند کر گئے ...... میں نے ابا کے آگے پرفیومز والا بیگ کر دیا...... ''کہ یہ میں آپ کے لیے اور امی کے لیے لائی ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ پسند کریں گے۔ ابا نے پیار سے میرے سَر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، ہماری بیٹی لائے اور ہمیں پسند نہ آئے، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' ''ابا'' نے اسی وقت پیکٹ کھول کر اپنے اوپر سپرے کیا اور پورے کمرے میں ایک ٹھنڈی سی مہک پھیل گئی...... بہت خوب، بہت اچھی ہے!...... ابا نے دِل کھول کر پہلی مرتبہ کسی بات کی تعریف کی۔ میں یہ احسن بھائی کو دے آؤ۔ آپ یہ امی کو بتا دینا، ٹھیک ہے نا''۔ میں کمرے سے باہر نکلی تو احسن بھائی سامنے کہیں نہیں تھے۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اُن کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ ابھی میں ان کے کمرے کے دروازے کے سامنے ہی تھی کہ دروازہ تیزی سے کھلا اور احسن بھائی مجھ سے ٹکراتے ٹکراتے بچے اور میرے ہاتھ سے پیکٹ گرتے گرتے''......

''O God کیا بات ہے'' ''انا'' انہوں نے ذرا اجلد بازی میں مجھ سے پوچھا...... جانے کیوں مجھے جب سے بھابھی نے ان کے متعلق بتایا تھا، مجھے ان کے رویے میں کچھ سختی سی محسوس ہونے لگی تھی اور مجھے ان سے ڈر لگنے لگا...... میں نے جھجکتے ہوئے کہا، ''احسن بھائی یہ آپ کے لیے لائی ہوں میں''۔ احسن بھائی نے میرے ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، ''کیا لائی ہو، آپ میرے لیے؟...... یہ پرفیومز سب کے لیے لائی ہوں اور آپ کے لیے مجھے یہ اچھی لگی، آپ دیکھیں کیسی لگتی ہے آپ کو'' ...... انہوں نے میرے ہاتھ سے پیکٹ نہیں لیا اور یہ کہہ دیا ''Thank you انا کہ تمہیں اتنی مصروفیت کے باوجود بھی میری یاد آئی...... خیر یہ میرے کمرے میں رکھ دو، میں واپس آ کر دیکھ لوں گا۔ ابھی میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر تیزی سے چلے گئے۔ مجھے ان کا یہ رویہ کافی خشک لگا کہ وہ مجھے ایسے نظر انداز کیوں کر رہے تھے، حالانکہ میں ان کے لیے کبھی اتنی اہم نہیں تھی مگر۔ انہوں نے مجھے ایسے نظر انداز بھی نہیں کیا تھا۔ جانے کیوں میری آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر میں نے بنا کچھ کہے ان کے کمرے

کے میز پر لفافہ رکھ کر باہر آ گئی۔ سامنے سے زرقا بھابھی آ رہی تھی۔ انہوں نے میرے پر اداسی دیکھ لی تھی اور مسکراتے ہوئے ان سے کہا کہ بھابھی میں ذرا آفس جا رہی ہوں، شعیب صاحب سے ملنا ہے۔ میں دو ڈھائی گھنٹے میں آ جاؤں گی۔ یہ کہہ کر پرفیومز کے پیکٹ گاڑی میں رکھوائے اور اپنے آفس کی طرف چل دی۔ آفس جانے پر پتہ چلا کہ شعیب صاحب دو دِن سے آفس نہیں آ رہے تھے، وہ کچھ بیمار تھے۔ میں نے چوکی دار سے دروازہ بند کرنے کا کہا اور وہاں سے پہلے شعیب صاحب کے گھر گئی۔ ان کی بیمار پُرسی بھی کی اور انہیں ان کا تحفہ بھی دیا اور پھر شعیب صاحب کے گھر کے راستے میں ہی انعم کا گھر پڑتا تھا۔ میں نے انعم سے بھی ملنا تھا۔ وہ اس وقت گھر پر ہی موجود تھی مگر اس کے سسرال والے آئے ہوئے تھے۔ میری اچانک آمد پر وہ کچھ گھبرا بھی گئی مگر وہ بہت خوش تھی۔ اس نے اور اس کے والدین نے مجھے چائے کے لیے روکنے کی بہت کوشش کی، بہت اسرار کیا مگر مجھے فرحان کی طرف جانا تھا۔ میں بس اسے مل کر فرحان کی طرف چلی گئی تھی۔ فرحان کے گھر میں دوسری مرتبہ جا رہی تھی، جب سے ہماری دوستی ہوئی تھی۔

فرحان کا گھر تھا یا محل تھا۔ مرکزی دروازے سے ایک سڑک نما راستہ پر گاڑی ڈالنے کے بعد کافی آگے جانے کے بعد ایک سرخ رنگ کی عمارت درختوں کے اندر سے جھانک رہی تھی اور اس کے اس محل نما گھر میں پورچ نام کی کوئی چیز نہیں بنائی گئی تھی۔ بس سامنے بڑے سے لان میں سرخ اینٹوں سے بنے فرش پر گاڑیاں کھڑی تھیں جس میں مجھے فرحان کی blue ہونڈا کھڑی نظر آئی اور اس کے علاوہ چھ سات مختلف مگر قیمتی گاڑیاں اس جگہ کے حُسن کو دوبالا کر رہی تھیں اور سرخ اینٹوں سے بنی اس قدیم طرز کی عمارت کو چاروں جانب سے بڑے بڑے سرو اور سفیدے کے درختوں نے گھیر رکھا تھا اور مجھے اس وقت چونکہ گھر کے دو اطراف نظر آ رہی تھیں جو کہ گھاس اور پودوں سے لدے ہوئے میدانوں پر محیط تھیں اور ان میدانوں کو پودوں، پھولوں، فواروں اور چھوٹی چھوٹی آبشاروں سے جس قدر خوب صورت اور دیدہ زیب بنایا جا سکتا تھا، اتنا بنایا گیا...... گھر کی سرخ عمارت کے سامنے کی دیوار پر سبز رنگ کی ایک بیل اس طرح سے لگائی گئی تھی کہ وہ گھر کی دیوار کو گھیرے جا رہی تھی اور تقریباً آدھی دیوار کے ساتھ چپک کر اسے سبز دار بنا چکی تھی...... سبز میدانوں میں تمام آرائشی اشیاء اور کیاریاں سفید رنگ کی لگائی گئی تھیں جو اس کی خوب صورتی کو دوبالا کر رہی تھیں۔

میں گاڑی پارک کر کے اتری ہی تھی کہ ایک سفید وردی میں ملبوس ایک شخص بڑی تمیز سے میری پاس آیا اور مجھے دیو قامت لکڑی کے خوب صورت نقاشی کے دروازے سے گھر کے

مرکزی ہال میں لے گیا...... جہاں تمام تر آرائش، سفید رنگ کی ہوئی تھی یعنی گھر سے باہر سے سرخ تھا اور اندر سے سفید اور پھر دائیں جانب مڑنے کے بعد ایک دوسرا ہال نما کمرہ جو کہ ان کا ڈائنگ روم تھا۔ اس میں مجھے بٹھا کر یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں صاحب کو اطلاع کرتا ہوں۔ کمرے میں کرسٹل کی چیزوں سے لے کر چھوٹے سے میز پر پڑے گلدان تک ہر چیز اپنی نفاست، مہارت، اعلیٰ ذوق، اور ہونے کی ضمانت دے رہی تھی۔

یہ عمارت باہر سے ایک قدیم عمارت نظر آرہی تھی، یعنی اسے باہر سے قدیم طرزِ تعمیر پر بنایا اور سجایا گیا اور اندر سے یہ انتہائی جدید طرز کی آرائش سے سجی تھی...... مجھے گھر بہت خوب صورت لگا، ابھی میں سامنے لگی دیوار پر آویزاں پینٹنگ دیکھ رہی تھی کہ انکل اور آنٹی ڈائنگ روم سے داخل ہوئے۔ او''انا'' آپ۔ ملازم نے جا کر بتایا'' کہ کوئی خوب صورت سی لڑکی ملنے آئی ہے اور فرحان کا پوچھ رہی ہے۔ ہمیں شک تو ہو گیا تھا کہ آپ ہی ہوسکتی ہو، کیونکہ فرحان سے ملنے کوئی لڑکی گھر آئے، اس بات کے لیے ہم دونوں ماں باپ کافی عرصے سے منتظر ہیں۔ خیر کہیے کیسے آنا ہوا۔ ہم تو رات دیر سے آئے، اس لیے آنکھ دیر سے کھلی اور وہ آپ کے دوست صاحب ابھی تک آرام فرما رہے ہیں''۔ انکل نے ساری رپورٹ بنا میرے پوچھے ہی دے دی اور آنٹی نے آگے بڑھ کر مجھے پیار کیا...... میں نے میز پر رکھے دو پیکٹ ایک آنٹی اور ایک راشد انکل کے ہاتھ میں تھما دیئے۔'' وہ انکل میں پہلی مرتبہ اکیلی باہر گئی تھی تو سب کے لیے چھوٹا سا تحفہ لائی ہوں اور آپ کے لیے بھی''۔ انہوں نے پیکٹ پکڑتے ہوئے بڑے پیار سے کہا، بھئی کوئی تو ہے جو ہمیں پردیس میں یاد رکھتا ہے...... انٹی نے تو کھول کر spray کر بھی لیا تھا۔ very nice بہت اچھی ہے۔ انہوں نے پھر آگے بڑھ کر مجھے پیار کیا اور انکل نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔''اور بیٹا وہ پیکٹ کس کا ہے''۔ معنی خیز انداز میں آنٹی نے میز پر پڑے تیسرے پیکٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔'' وہ دراصل میرا ایک ہی تو دوست ہے تو باہر گئی تھی تو اس کے لیے کچھ لینا کیسے بھول سکتی تھی اور ویسے بھی پتہ چلا کہ اس نے ایک بہت بڑے Project پر کام کیا اور اس پر اسے 100% کامیابی بھی حاصل ہوئی تو سوچا اس کو gift بھی دے آؤں اور اس کو treet کے لیے بھی کہہ دوں۔ اب ایسے تو نہیں چھوڑ دوں گی نا''۔ میں نے بھی شرارت سے آنٹی کو جواب دیا...... تو انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے کہا جاؤ، وہ اپنے کمرے میں سو رہا ہے، تم وہیں جاؤ، اسے بھی جگا دو۔ میں تم لوگوں کا ناشتہ وہیں بھیج دوں گی۔

میں کمرے سے باہر نکلی تو وہی باوردی ملازم میرا منتظر تھا۔ انٹی نے اُسے کہا میڈم کو

فرحان صاحب کے کمرے تک چھوڑ آؤ اور پھر ان کے لیے ناشتہ وغیرہ وہیں بھجوانا ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے محبت سے میری جانب دیکھا۔ سفید سنگ مرمر کی سڑھیاں چڑتے اوران کے سائیڈ پر سفید اور گولڈن رنگ کی خوب صورت گرل جس میں ذرا ذرا سے وقفے پر شیشہ سے اس طرح کاری گری کی گئی کہ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ہیرے جڑے ہوں۔ اوپر سیڑھیوں کے ختم ہونے پر ایک بڑا لاؤنج تھا مگر اس لاونج کے آخری سرے پر ایک باغیچہ نماں آرائش کی گئی تھی، جہاں قدرتی درخت اور پودے بڑی مہارت سے ایک آبشار کے ساتھ سجائے گئے تھے، یعنی اوپر کے پورشن میں بھی ایک چھوٹا سا باغ بنایا گیا تھا۔ مجھے فرحان، انکل اور آنٹی کو دیکھ کر بالکل اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ اس قدر اعلیٰ ذوق کے مالک ہیں، کیونکہ پہلی مرتبہ جب میں فرحان کے گھر آئی تھی تو باہر سے ہی اس کے مرکزی دروازے پر اسے drop کیا تھا۔ مجھے اس وقت اندازہ نہیں تھا کہ باہر سے نظر آنے والا یہ جنگل نما گھر قریب جانے پر شیشے کا شاہکار ہوگا...... ملازم کی آواز پر میں چونکی تو اس نے سامنے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، میڈم یہ فرحان صاحب کا کمرہ ہے۔ آپ تشریف لے جائیں، میں آپ کے لیے چائے لاتا ہوں...... یہ کہہ کر وہ چلا گیا......

مجھے ذاتی طور پر کچھ ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ ایک تو میں پہلی مرتبہ اس کے گھر ایسے آئی تھی اور دوسرا مجھے ذاتی طور پر نیند سے جگانا سخت بُرا لگا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے بچپن میں جب امی مجھے، نعمان بھیاء یا منیر بھیاء کو کالج یا یونیورسٹی کے لیے جگانے کو کہتی تو میں جھنجھلا کر انہیں کہتی کہ میں نہیں جگاتی۔ جانے اس پل وہ نیند کے کس حسین لمحے میں ہوں اور میں جا کر انہیں کالے پانی (یونیورسٹی) جانے کی سزا سنادوں۔ آپ خود جگالیں......

آج فرحان کے کمرے میں جاتے ہوئے مجھے اپنے بچپن کی بات یاد آ گئی اور ویسے بھی وہ اتنے دِنوں سے کافی ڈسٹرب بھی تھا...... آج سکون سے سویا ہوگا۔ ہر کوئی میری طرح تو نہیں کہ سکون ہو تو بھی نیند غائب اور نہ ہو تو بھی! میں نے دھیرے سے فرحان کے کمرے کا دروازہ کھولا...... یہ سوچ کر کہ اگر وہ سو رہا ہے تو میری آہٹ سے کہیں جاگ نہ جائے۔ میں نے اندر دیکھا...... مگر وہاں bedroom نما تو کچھ نہیں تھا۔ کمرے کے اندر ایک طرف فرحان کا کمپیوٹر سسٹم تھا، جس میں اس نے ہماری فیلڈ سے جڑی ہر چیز سیٹ کر رکھی تھی۔ کمرے میں آف وائٹ کارپٹ اور سامنے کی دیوار پر بنی لکڑی کی خوب صورت الماری میں فرحان نے گاڑیوں کے ماڈلز سجا رکھے تھے۔ یہ کمرہ بھی حال نما تھا مگر کمرے میں مدہم سی روشنی پورے کمرے کو اور بھی زیادہ دلکش بنا رہی تھی۔ سامنے آف وائٹ رنگ کا صوف اور سائیڈ کی دیوار پر خوب صورت

ریشمی آف وائٹ پردے میں ڈراک براؤن رنگ کی فرِل۔ میں نے کمرے میں داخل ہوتے پورے کمرے کا جائزہ لیا اور پھرایک کونے میں لکڑی کا چھوٹا سا زینہ بنا تھا...... جو کہ لکڑی کی الماری کے ساتھ تھا...... اس زینہ پرلکڑی کا اس قدر خوب صورت کام ہوا تھا کہ غور کرنے پر ہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ زینہ ہے...... اس کے قریب جا کر پتہ چلا کہ یہ زینہ اوپر کی طرف جاتا ہے، یعنی کمرے سے متصل ایک کمرہ اور تھا...... میں آہستہ آہستہ زینہ چڑھ کراوپر گئی تو سامنے دیو قامت پلنگ جو کہ ڈارک براؤن رنگ کا تھااوراس کے اوپر ہلکا سا آف وائٹ نقش نگاری کی گی تھی اور کمرے کے اس حصے میں بھی نیلے رنگ کی ہلکی روشنی، آف وائٹ نرم کالین پر براؤن پتنگ اور سامنے پڑی دوکرسیاں کمرے کوسادہ مگر مزید خوب صورت کررہی تھیں۔ سامنے کی دیوار پرآف وائٹ پردے لگے تھے، جیسے کمرے کے نیچے حصے میں لگائے گئے تھے۔ میں نے ایک پردے کا ایک کونہ ہٹا کر باہر دیکھا تو یہاں سے اس قدر خوب صورت منظر اس جگہ کا لگا کہ میں کچھ دیر یہاں مزید کھڑی رہی مگراسی دوران فرحان صاحب نے کروٹ لی اور سامنے مجھے کھڑا پایا...... نیند کی وجہ سے اور شایداس کی سوچ کے ہزارویں حصے میں بھی یہ بات نہیں ہوگی کہ میں اس طرح اس کے کمرے میں موجود ہوسکتی ہوں۔ کمرے میں مدہم روشنی ایسی تھی کہ صرف ہیولا دیکھائی دے پاتا تھا، چہرہ نہیں...... اور خود سے سرگوشی کرنے لگا۔ ''یار یہ لڑکی میرا نیند میں بھی پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ یہ کہہ کراس نے لحاف سرتک اوڑھ لیا'' ...... میں مسکرانے لگی۔ پہلے سوچا کہ خاموشی سے چلی جاتی ہوں مگر پھر سوچا نہیں، وہ خیال میں جانے کیا سوچے، کیونکہ ابھی اُس نے مجھے دیکھا تو ہے مگر پہچانا نہیں...... میں شرارت سے بولی۔ فرحان کے بچے، یہ لڑکی نیند میں نہیں، حقیقت میں تمہارے کمرے میں موجود ہے اور تمہارے جسم سے جان نکالنے کے لیے آئی ہے''۔ اس نے ہڑبڑا کر لحاف کو ہٹایا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ایک دم سے اپنے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر موجود لیمپ کو آن کیا۔ اس لیمپ کی بھی اتنی روشنی نہیں تھی۔ اس نے آنکھیں مَل کر یقین کرنا چاہا، مگر پھراس نے ہاتھ بڑھا کر اپنے بیڈ کے ساتھ لگے سوئچ کو آن کیا تو پورا کمرہ جیسے روشنی سے دمک گیا اور روشنی اس قدر تیز تھی کہ میر آنکھیں بند ہونے لگیں۔

وہ ایک دم چیخ کر بولا۔ ''Good God۔ ''انا'' تم یہاں، اس وقت،'' اس کی آواز قدرے وزنی تھی...... ''تم یہاں کیا کر رہی ہو''؟...... اس نے چونکتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔ میں وہاں سے چلتی کرسی کے قریب آئی اور آرام سے بیٹھ گئی...... ''تمہاری جان لینے آئی ہوں۔ فضول انسان ہو تم...... وقت دیکھا ہے، کیا ہوا ہے'' ...... وہ کچھ زِچ ہو رہا تھا۔ میں پہلی

مرتبہ اس کے گھر آئی ہوں اور وہ bed پر موجود ہے۔ مجھے اس کی اُلجھن سے اندازہ ہو رہا تھا...... ''ویسے اب مجھے پتہ چلا کہ تم ہمیشہ یونیورسٹی اور آفس دیر سے کیوں پہنچتے ہو'' ......اس قدر شان دار خواب گاہ جو بنا رکھی ہے۔ نیند نہ بھی ہو تو سونے کی جی چاہے اور تم تو ہو ہی نیند کے پجاری۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بال ٹھیک کیے اور بیڈ سے اُٹھتے ہوا بولا تم بیٹھو، ''میں فریش ہو کر آتا ہوں''۔ وہ اپنے شب خوابی کے لباس میں تھا...... وہیں سے اُس نے اپنے ڈریسنگ روم کی لائیٹ آن کی اور اس کے متصل ایک اور کمرہ تھا، شاید وہ باتھ روم ہوگا مگر ڈریسنگ روم میں بھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا......شاید وہ ایک چھوٹا کوری ڈور تھا اور اس سے آگے ڈریسنگ روم ہوگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکلا تو نیلی جینز اور سویٹر میں ملبوس تھا...... وہ میرے قریب پڑی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا...... ''اچھا یہ تو بتاؤ کہ کیسے آنا ہوا...... بلکہ آؤ نیچے چل کر بیٹھتے ہیں، یہاں تو میرے کمرے کی بے ترتیبی مجھے شرمندہ کر رہی ہے'' ......وہ نیچے اُترنے لگا اور میں اس کے پیچھے نیچے آ گئی۔ ہم اُسی کے کمرے میں ہی بیٹھے تھے......اُس نے ایک بٹن دبا کر اپنے کمرے کے نچلے حصے کا پردہ پیچھے کیا تو باہر سے وہی منظر آنکھوں کے سامنے پھر سے لہرانے لگا۔ آج موسم سرد مگر خشک تھا اور تیز چلتی ہوا میں سرو کے درخت لہراتے، بہت دل فریب لگ رہے تھے۔ ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ ملازم چائے اور لوازمات سے بھری ٹرالی کمرے میں لے آیا اور ہمیں چائے پئیں کہہ کر چلا گیا۔ فرحان چائے پیتے ہوئے بولا۔ اچھا اب بتاؤ، ''ایسی کیا آفت آن پڑی تھی کہ تم نے آنے سے پہلے مجھے ایک call کرنے کی بھی تکلیف نہیں کی'' ''وہ اس لیے جناب کہ سرپرائز بتا کر تھوڑی دیئے جاتے ہیں۔ مَیں تمہیں سرپرائز کرنا چاہتی تھی، سو میں نے کر دیا''...... ''ویسے مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اتنے باذوق انسان ہو......تمہارا کمرہ، تمہارا گھر، ماشاء اللہ بہت خوب صورت ہیں۔ شکل سے تو انتہائی فضول انسان لگتے ہو'' ......میں نے اسے چھیڑتے ہوئے چائے کا کپ اُٹھا لیا...... ''اچھا'' ......جی

''ہاں ٹھیک کہتی ہو......فضول انسان بھی ہوں اور باذوق بھی...... ویسے تمہیں اب پتہ چلا ہے۔ میرے خیال سے تو تمہیں آج سے 6 سات سال پہلے پتہ چل جانا چاہیے تھا۔'' ''جب تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا...... کہ کتنا فضول ہوں اور کتنا باذوق'' ......اس نے معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے میری طرف دیکھا...... ''او ہو تو اب جناب کو ذومعنی باتیں کرنا بھی آ گئی ہیں......واہ جی کیا بات ہے'' ......وہ مسکرانے لگا......

''ویسے میرا دوست دبئی سے کامیاب ہو کر واپس لوٹا ہے اور مَیں بھی باہر پہلی مرتبہ گئی

تھی تو اس لیے اپنے دوست کے لیے ایک تحفہ لائی تھی، وہی دینے کے لیے آئی ہوں''...... میں نے میز پر پڑے پیکٹ کو فرحان کی طرف بڑھایا...... ''تمہیں تو توفیق ہوگی نہیں کہ تم مجھے مبارک باد دیتے، تو میں نے سوچا کہ اپنی خوشی کو ہم اکٹھے ایسے ہی منا لیتے ہیں''...... اس نے کپ رکھتے ہوئے، تجسس سے پیکٹ کو میرے ہاتھ سے لے لیا...... فرحان کے لیے میں نے پرفیوم کی پوری کیٹ لی تھی اور اس پر best friend کا کارڈ بھی لکھ کر رکھا تھا...... اس نے لیتے ہوئے میری طرف پیار سے دیکھا...... Thanks ''بھئی خود ہی تو کہتی ہو کہ میں فضول انسان ہوں تو پھر مجھ سے اس قسم کی عقل مندی کی اُمید کیوں رکھتی ہو''...... اس نے دوبارہ میری بات کو دوہرایا...... ویسے فرحان Thank you...... اور شاید تمہیں اندازہ نہیں کہ تم نے مجھے کتنی بڑی اُلجھن سے آزاد کرایا ہے...... مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ ہم اپنے بڑوں کے سامنے اس بات کو کیسے ثابت کریں گے...... مگر تم نے جس عقل مندی اور مہارت سے، جس خوب صورتی سے بڑوں کا قائل کیا...... میں خود بھی حیران تھی کہ تم اتنے عقل مند کب سے ہو گئے...... مگر سب سے بڑی بات کہ ہمارے بزرگ خوش ہیں...... ان کے دِل پر کوئی بوجھ نہیں۔ وہ دُکھی نہیں۔ وہ ناراض نہیں اور یہ سب تمہاری وجہ سے ممکن ہوا ہے...... ورنہ مجھے تو یہ سب سنبھالنا بہت مشکل بلکہ ناممکن لگ رہا تھا''...... اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا...... ''انا'' زندگی میں جب مشکل پڑتی ہے تو کہیں نہ کہیں اس کا ایک حَل موجود ہوتا ہے۔ بس صحیح وقت میں اگر اس حَل کو تلاش کر لیا جائے تو پھر ایسے ہی نتائج سامنے آتے ہیں...... ویسے آپس کی بات ہے، اس وقت ڈر تو مجھے بھی بہت لگ رہا تھا''......!

مجھے تمہاری دوستی پر، تمہارے پیار پر ناز ہے مگر مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میرا دوست اس قدر حساس بھی ہے...... یہ عقد مجھ پر کل رات ہی کھلا......! میں اُس کی طرف دیکھ رہی تھی'' ہاں ''انا'' میں ذاتی طور پر حساس انسان ہوں مگر بعض اوقات ہماری حساسیت ہمارے اندر قید رہتی ہے اور ہم اسے عیاں نہیں کر سکتے اور جب جب کمزور پڑنے لگتے ہیں، تب تب اپنے اوپر سختی کا خول چڑھاتے جاتے ہیں اور تہہ در تہہ چڑھتے یہ خول ہماری حساسیت کو اندر ہی اندر دباتے جاتے ہیں...... اور یہ میں نہیں میرے خیال سے ہر فرد کے ساتھ ہی ایسا ہوتا ہوگا...... اسی لیے، تو مرد بظاہر بہت مضبوط نظر آتے ہیں، مگر سوچو تو ہوتے تو وہ بھی گوشت پوست کا ایک کمزور سا دِل لیے ایک انسان ہی اور تم نے خود ہی کہا تھا نا کہ تم عورتیں ہم مردوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہو۔ اندر سے ہم سے زیادہ برداشت، زیادہ ہمت اور صبر ہوتا ہے، جتنی طاقت ورعورت ہوتی

ہے، اتنا مرد نہیں اور چوٹ لگنے پر یا برداشت کر لیتی ہو اور یا کھل کر رو لیتی ہو۔ بیک وقت تم عورتیں بے حد حساس بھی ہوتی ہو اور طاقت ور بھی، مگر ہم مردوں کو تو رونے کی بھی اجازت نہیں اور یہ پابندی تم نے یا کسی اور کی، کسی معاشرے، سماجی یا مذہب کی لگائی ہوئی نہیں ہوتی...... یہ پابندی ہم فرد نہ جانے کب اپنے اوپر خود ہی لگا لیتے ہیں اور بھی ساری زندگی بظاہر نظر آنے والے ''انا'' کے اس سخت اور مضبوط مگر کھوکھلے بھرم کو اپنی سانسوں کے ساتھ سنبھالے رہتے ہیں۔

مگر ''انا'' یہ حقیقت ہے کہ کہیں نہ کہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا یہ خول کوئی اپنا، کوئی پیارا توڑ دے اور ہمیں اس سختی سے آزاد کرا دے اور ہماری حساسیت عیاں ہو جائے..... جب کوئی اپنا اس کو ممکن کر دیتا ہے تو محض کچھ دیر کے لیے ہماری حساسیت ہماری سختی پر غالب آجاتی ہے..... مگر پھر کچھ لمحوں بعد وہ حساسیت پھر اندر اپنی اندرونی انتہائی گہری کھائی میں چلی جاتی ہے اور ہماری سختی دوبارہ سے سامنے آجاتی ہے..... مجھ پر بھی کل وہ لمحہ آیا تھا، جب تمہاری دوستی نے میری سختی کی تمام تہیں توڑ دیں اور میں عیاں ہو گیا..... میں فرحان کی باتیں بڑے انہماک سے سنتی رہی..... اور جانے کیوں مجھے اس پل ''احسن'' بھائی کا خیال بار بار آرہا تھا..... ان کا سخت رویہ، ان کی بے رخی..... جانے ان کی کس حساسیت کو پردہ پوش کیے تھی..... اور بھی اچانک سے بولا، اوئے تم میرا مذاق اڑانے پر آئی ہو کہ تحفہ دینے'' اس نے شرارت سے بات کی سنجیدگی کو ختم کیا۔

پھر کچھ دیر بعد میں اور فرحان دونوں ہی انکل اور آنٹی کے سامنے تھے اور اسی وقت انکل نے فرحان سے treet کی بات کی اور پھر انہوں نے ایک دو دن میں ایک اجتماعی تقریب کا پروگرام بنایا۔ میں اجازت لے کر گھر آگئی..... گھر اللہ کے فضل و کرم سے بھرا پڑا تھا۔ نعمان بھائی، منیر بھائی، بابا، ابا لاؤنج میں تھے۔ میں نے زرقا بھابھی سے احسن بھائی کا پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ کسی کام سے باہر ہی میں صبح سے گئے ابھی تک لوٹے نہیں..... نادیہ بھابھی اور زرقا بھابھی کی تو کافی دوستی ہو چکی تھی مگر سعدیہ بھابھی ابھی بھی اپنے آپ کو سب سے الگ تھلگ کیے ہوئے تھیں۔ شاید انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں ان کا ہم سے گھل مل جانا، ان کے پیروں کی زنجیر نہ بن جائے..... کیونکہ وہ اپنے رویے سے یا کسی نہ کسی بات سے منیر بھائی پر یہ ظاہر کرتی رہتی تھیں کہ وہ یہاں خوش نہیں۔ اس ماحول میں ان کا گھل مل جانا ممکن نہیں۔ میں لاؤنج میں جا کر سب سے ملی..... اور بابا نے مجھے اپنے قریب بیٹھا لیا..... ابا خوش تھے۔ بہت خوش تھے اور ابا کی خوشی میرے دل کو ایک ابدی سکون دے جاتی تھی..... میں اپنے رب سے یہی دُعا کرتی کہ وہ ہمیں ہمیشہ ایسے ہی رکھے۔ سب اکٹھے..... مگر شاید سب دعائیں قبولیت کے درجے کو چھوتی

نہیں ...... ابا نے نعمان بھائی اور منیر بھائی نے اپنے اپنے تحفے کا ذکر بابا سے کیا اور ''بابا'' نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا...... ''بھئی یہ تو سَراسَر ناانصافی ہے کہ ہماری بیٹی ہمارے لیے کچھ نہیں لائی'' ...... ''نہیں بابا ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کے لیے کچھ نہ لاؤں۔ میرے کمرے میں پڑا ہے آپ کا تحفہ۔ آپ آرام کر رہے تھے اور میں نے مخل ہونا مناسب نہیں سمجھا'' ...... آپ کو دوں گی ...... '' منیر بھائی اور نعمان بھائی مجھ سے میرے project کی تفصیلات پوچھنے لگے اور میں نے انہیں تمام روداد بڑی تفصیل سے سنائی اور فرحان نے وہاں کیا کردار ادا کیا، وہ بھی بتایا اور پھر انہوں نے ہمیں کس طرح سراہا اور پھر ہماری دِل جوئی کی ......

میں دیکھ رہی تھی کہ بابا بار، بار ابا کی جانب ایک فخریہ نظر سے دیکھ رہے ہوں ...... جیسے اپنی نظر سے ''ابا'' کو کہہ رہے ہوں کہ دیکھا۔'' میں نے کہا تھا نا!'' ...... اور ابا کے چہرے پر مسلسل ایک مسکراہٹ جوان کی خوشی کو بیان کیے جاتی تھی ...... رات کھانے سے فارغ ہوکر اپنی coffee اور قہوے کا دور چل رہا تھا کہ ''ابا'' کے موبائل پر کال آئی ...... جس کے جواب میں ابا صرف یہ ہی کہہ رہے تھے۔ یہ تکلیف کس لیے جی، ہم خود بھی یہ چاہتے تھے مگر ...... اچھا تو جیسے آپ کی مرضی، جیسے آپ کی خوشی ...... کل کتنے بجے ...... ٹھیک ہے جناب، آٹھ بجے تک ہم آجائیں گے ...... cell بند کرنے کے بعد ابا نے سب کو بتایا کہ کل فرحان کے گھر ہم سب کی دعوت ہے۔ انہوں نے فرحان اور ''انا'' کی کامیابی پر کچھ تقریب رکھی ہے۔ بس ہم لوگ اور ان کے نزدیک کے دوست یار ہوں گے۔ ہم سب کو بلایا ہے۔ ابھی ابا بات کر رہے تھے کہ نعمان بھائی کا فون بجا ...... انہوں نے call recive کی تو آگے فرحان تھا ...... وہ انہیں دعوت دے رہا تھا ......

اور پھر زرقا بھابھی کو اس نے احسن بھائی کے موبائل پر call کر کے دعوت دی اور منیر بھائی کو ان کے نمبر پر اور خصوصی طور پر آنے کا کہا ...... سب اپنے اپنے موبائل فون پر ایک ہی دعوت نامہ وصول کر رہے تھے۔ امی زرقا بھابھی کے نزدیک ہی بیٹھی تھیں۔ انہوں نے بھابھی سے سرگوشی کی مگر چونکہ میں بھابھی کے نزدیک بیٹھی تھی تو مجھ تک ان کی آواز آگئی ...... کتنا سعادت مند بچہ ہے، اس کو ہر رشتے کو نبھانے کا سلیقہ آتا ہے ...... اور بھابھی نے ہنستے ہوئے کہا کیوں نہ ہو آخر ہماری انا کا دوست ہے۔ کوئی نہ کوئی خوبی تو اس میں ہے۔ تب ہی تو انا نے اسے دوستی کے لیے منتخب کیا نا۔ اب ہر کسی کو تو ''انا'' اپنی دوستی سے نواز نے سے رہی ...... میں نے مسکراتے ہوئے سامنے دیکھا تو احسن بھائی بالکل میرے سامنے بیٹھے تھے اور اپنے موبائل پر کچھ کر رہے تھے یعنی وہ ہم سب میں موجود تھے مگر ہم سب سے غافل تھے ...... کچھ دیر بعد بابا نے سب کو آرام کرنے کا کہا

اور خود اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے......ابا اور امی بھی اپنے کمروں میں چلے گئے۔ اب ہال میں بس ہم بہن بھائی بیٹھے تھے۔ میں، نادیہ بھابھی، زرقا بھابھی مسلسل باتیں کر رہے تھے۔ بچے تو پہلے ہی سو چکے تھے اور سعدیہ بھابھی اپنے مزاج کے ہاتھوں مجبور خاموش بیٹھی تھیں......میں اُٹھ کر بھابھی کے پاس چلی گئی اور ان سے رسمی سے بات چیت شروع کر دی مگر میری ہر بات کا جواب وہ قدرے ناگواری سے ہی دیا کرتی تھیں......اور منیر بھائی شاید نوٹ کر رہے تھے......تو مجھے وہاں سے اُٹھانے کے لیے بولے، ''انو بیٹا'' مجھے پانی تو پلاؤ، پلیز''۔ میں پانی لے کر آئی تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے پاس ہی بیٹھا لیا تھا......اور مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ نعمان بھائی اور احسن بھائی اپنی باتوں میں مصروف ہو چکے تھے۔ پھر میں نے کچھ دیر بعد ان سے اجازت لی کہ آپ لوگ آرام کریں۔ میں یہ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ نماز پڑھنے کے بعد میں نے بابا کا لایا ہوا گفٹ اُٹھایا اور ان کے کمرے میں چل دی......دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ ہی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی......بابا اپنے بستر پر جانے کے لیے چادر وغیرہ اُٹھا رہے تھے......میں نے آگے بڑھ کر ان کے لحاف ان کے بستر پر سیٹ کیا اور وہ اپنے بستر پر نیم دراز ہو کر تسلی سے مجھ سے مخاطب ہوئے۔

''تو ہماری بیٹی کو بابا کے یاد آ گئی آخر''۔ میں بابا کے قریب بیٹھی تھی۔ میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ''بابا کوئی بھولنے والی چیز ہیں کیا''......؟ جو انہیں یاد کرنے کی ضرورت پیش ہو گی......خیر بابا جان یہ آپ کے لیے میں نے تحفہ لیا تھا......اُمید ہے کہ آپ کو پسند آئے گا تو میں نے بابا کی طرف ان کی پسندیدہ خوشبو جو ہمیشہ ان کے ملبوس سے ان کے وجود سے مہکتی تھی، انہیں دی......''تو انہوں نے دیکھنے کے بعد میرا ماتھا چوما......جیتی رہیں آپ۔ خدا آپ کو سلامت رکھے اور زندگی کے ہر امتحان میں اسی طرح کامیاب کرے کہ اس کامیابی کا جشن ہم سب مناتے رہیں''۔ میں نے ان کے ہاتھ سے لے کر ان کے سائیڈ table پر رکھ دیا اور اپنی شال ٹھیک سے اوڑھ کر کمرے کا جائزہ لیتی رہی۔ بابا آپ کے کمرے کو اب redecoret نہ کیا جائے''......میں نے ایک دم سے تجویز پیش کی......تو بابا بڑے آرام سے بولے، جو جی کرتا ہے کر لیں، آپ کو کون منع کر سکتا ہے۔'' میں ہنستے ہوئے کمرے کا منصوبہ بنانے لگی......کہ اچانک بابا بڑے پیار سے بولے ''بیٹا جان آپ کا مستقبل کا کیا پروگرام ہے''، ''مستقبل کا؟......کیسا پروگرام بابا جان''۔ فی الحال تو میں ملک کے باہر کا کوئی Project نہیں لے رہی اور جو یہاں رہ کر سکتی ہوں وہ کام تو جاری رہے گا......بابا کچھ مسکرائے اور پھر تھوڑی دیر بعد دوبارہ

بولے، ''بیٹا جان مستقبل میں صرف آپ کے Project plane ہی نہیں آتے، زندگی کے بھی منصوبے ہوتے ہیں۔ کچھ سوچیں ہوتی ہیں، کوئی چاہت ہوتی ہے...... مجھے کسی حد تک اندازہ تھا کہ شاید کے ساتھ آپ کے رشتے کی نوعیت کچھ اور ہے، اس لیے میں اس بات کو تھوڑی دیر کے لیے ملتوی کر دیا اور اصل صورتِ حال ہمارے سامنے آ گئی، ویسے فرحان جیسے سمجھدار اس دُنیا میں بہت کم ہوا کرتے ہیں۔ وہ اپنی عمر سے زیادہ بڑی سوچ رکھتا ہے اور میں اس کی سوچ اور اس کے اندازِ فکر سے کافی متاثر ہوا ہوں......

مگر ''انا'' بیٹا ساری زندگی ایسے تو نہیں گزرے گی نا۔ آپ کی اور نہ ہی فرحان میاں کی۔''

''میں جانتی ہوں بابا آپ مجھ سے کیا کہنا اور کیا پوچھنا چاہتے ہیں اور مجھے اس حقیقت سے کبھی انکار نہیں رہا۔''بابا'' میں نے آپ سے یہ کہا کہ کچھ وقت دے دیں'' مگر بیٹا جان وقت گزر جانے کے بعد واپس نہیں لوٹا کرتا......اور آپ تو جانتی ہو کہ ہمارے''''میں نے بابا کی بات کاٹتے ہوئے کہا...... بابا میں جانتی ہوں۔ مجھے اندازہ بھی ہے کہ جوان بیٹی کے والدین کس تکلیف سے گزرتے ہیں۔ ہر گزرتا وقت بیٹی کی بڑھتی عمر کی تلوار ان کے سروں پر لٹکائے رکھتی ہے، مگر بابا جان مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ جانے کیوں، جب بھی شادی کے متعلق سوچتی ہوں، کبھی کبھی اپنے آپ کو تیار بھی کر لیتی ہوں، مگر بابا کوئی انجانی طاقت ہے جو مجھے اس سوچ سے ہٹا دیتی ہے، جیسے مجھے اس بارے میں سوچنے کا بھی حق نہیں......کوئی انجانی طاقت ہے بابا جو مجھے روکے ہے اور میں اس طاقت سے ہر پل لڑ رہی ہوں...... مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میں آپ کو اپنے اندر کی اس کشمکش کے بارے میں کس طرح بتاؤں۔ ایک عجیب سا خوف رہتا ہے مجھے۔ آپ لوگوں سے بہت دور جانے کا اور کبھی نئے رشتے کو، نئے انسان کو پوری وفا نہ دینے کا...... بابا مجھے کچھ وقت چاہیے۔ میں اس کشمکش کے ساتھ تو اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی، مگر آپ لوگ اگر میری وجہ سے اتنے پریشان ہیں تو جو فیصلہ آپ چاہیں مجھ سے پوچھے بنا کر سکتے ہیں۔ مجھے آپ سرِ تسلیم خم ہی پائیں گے''...... یہ کہہ کر میں نے سر جھکا لیا۔

اور بابا سے بہتر میری اُلجھن کون سمجھ سکتا تھا۔ بابا نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور بڑے پیار سے بولے۔ ''بیٹا...... زندگی میں ایسا ہوتا ہے اور ہم انسان کے ساتھ انجانا خوف اور ڈر کا رشتہ تو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ زندگی محبت کا نام ہے اور اگر اپنی اس محبت بھری زندگی میں قربانی اور سمجھوتے کو شامل کر لیں گے تو زندگی سہل ہو جائے گی لیکن اگر محبت کی جگہ نفرت،

سمجھوتے کی جگہ زبردستی، من مانی اور قربانی کی جگہ چھیننے جھپٹنے نے لی لی تو پھر زندگی زندگی نہیں کچھ اور بن جاتی ہے۔ محبت کرو گی تو قربانی دینا بھی آجائے گی اور وقت کے ساتھ اپنوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنا بھی، محبت سب سکھا دیتی ہے اور میں تو زبردستی کا بالکل بھی قائل نہیں ہوں۔ آپ جتنا وقت چاہو لے سکتی ہو مگر یاد رکھنا، وقت کے ساتھ ساتھ چلنا عقل مندی ہے...... سب پیچھے رہ جانے سے بھی نقصان اور بہت آگے نکل جانے سے بھی پچھتاوا رہ جاتا ہے اور میں یہ دونوں چیزیں آپ کی زندگی میں نہیں دیکھنا چاہتا‘‘...... میں ان کی طرف دیکھتی رہی اور پھر انہوں نے مجھے جا کر آرام کرنے کا کہا...... اور میں اپنے کمرے میں خالی ذہن کے ساتھ آ گئی۔ بابا کی بعض باتیں کبھی تو میرے لیے تشفی کا باعث ہوا کرتی تھیں اور کبھی کبھی مجھے اُلجھا بھی جایا کرتی تھیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ بابا کی کہی ہر بات میرے سامنے ضرور آیا کرتی تھی......

☆

اگلا دن گھریلوں مصروفیات میں گزرا اور شام کو سب گھر والے فرحان کی دعوت میں شرکت کے لیے مصروف ہو گئے۔ سب لوگ اپنی اپنی تیاری میں مصروف تھے۔ میں نے پہلے بابا کے کپڑے تیار کروا کر کمرے میں رکھوا دیئے اور پھر زرقا بھابھی کے پاس گئی کہ کہیں انہیں میری مدد درکار ہو تو میں اُن کی مدد کروں، مگر انہوں نے مجھے کہا کہ ’’جاؤ اور اچھی سی تیار ہو کر آنا اور خبردار جو سادے کپڑوں کو ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے بُرا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ پچھلے ہفتے میں نے تمہارے لیے ایک نیلا سوٹ بنوایا تھا۔ الماری میں استری کر رکھا ہے، وہ پہننا، سمجھ آئی...... میں گئی تو ان کی مدد کے لیے تھی مگر انہوں نے اپنا فیصلہ مجھے سنا کر چلے جانے کو کہا‘‘...... میں نے فائز اور مریم کو بھابھی کے ساتھ مل کر تیار کیا اور پھر جا کر خود تیار ہونے لگی...... میری الماری میں ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ لٹکا تھا جو ہلکے نیلے رنگ کے فراک پر ہلکے سے موتیوں کے کام تھا اور اس کے ساتھ ہلکے نیلے رنگ کا بڑا سا ڈوپٹہ جس پر وہی موتیوں کے بیل کے ساتھ کالے رنگ کی چھوٹی چھوٹی پٹی لگی تھی اور بلیک ٹراؤزر تھا...... میں مسکرائے بنا نہیں رہ سکی۔ اپنی مرضی کرتی تھی مگر ساتھ ساتھ میری کمزوری کو بھی سامنے رکھتی تھی۔ میں نے نہا کر وہی کپڑے پہنے اور ساتھ دوسری الماری میں نیلے اور کالے موتیوں سے جڑی جوتی بھی پڑی تھی۔ بھابھی نے میرے لیے shopping کر رکھی تھی۔ مجھے اپنی قسمت پر رشک ہونے لگا کہ اس دُنیا کی اچھی بھابھیوں میں سے ایک زرقا بھابھی ہیں جو میری زندگی میں بلکہ ہماری زندگیوں میں بہت اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ میں نے لائٹ میک اپ کے ساتھ بال کھلے چھوڑ دیئے۔ میں جانتی تھی کہ اگر باندھ دیئے تو بھابھی نے پھر بھی

کھلوا دیتے ہیں۔ آج سردی کی شدت میں کچھ کمی تھی، اس لیے میں نے کوٹ یا جیکٹ کے بدلے، آدھی آستینوں والی سویٹر پہن لی۔

میں نیچے گئی تو لاؤنج میں صرف بابا بیٹھے تھے اور باقی سب ابھی تیاریوں میں مصروف تھے۔ میں بابا کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ ابھی بیٹھی ہی تھی کہ سامنے کچن میں بوا اپنی روایتی تھالی لیے کھڑی تھی مگر آج قدرے گھبرائی ہوئی تھیں۔ میں نے بوا کو اپنے پاس بلایا اور بڑی فرمانبرداری سے سامنے کھڑی ہوگئی کہ ''بوا جی جو کرنا ہے، کرلیں، بندی حاضر ہے''۔ میں اتنا ہی کہہ رہی تھی کہ احسن بھائی سامنے سے آرہے تھے۔ وہ کسی فارمل لباس میں نہیں تھے۔ وہ Black جینز اور سفید شرٹ پر Black leather jacket پہنی تھی اور چہرے پر ہلکی سی شیو بڑھی ہوئی تھی...... اور آج انہوں نے چشمہ بھی نہیں اُتارا تھا، ورنہ عموماً وہ کسی دعوت وغیرہ میں جائے تو چشمہ اُتار دیا کرتے تھے یہ چہرے کی تھکن اور اِس look کے باوجود بھی اچھے لگ رہے تھے......
بوا نے اپنی تھالی کو میرے اردگرد گھمایا اور پھر اپنی مخصوص پھونک مار کر جانے کا کہا اور اب احسن بھائی کی باری تھی۔ احسن بھائی کی نظر اُتارنے لگی تو بابا نے حیرت سے احسن بھائی کو دیکھا اور ٹوک دیا، ''احسن تم ایسے جاؤ گے''۔ احسن بھائی نے گردن کو ہلا کر جواب دیا...... پر ''بیٹا یہ تو کوئی آداب نہیں کسی دعوت میں شرکت کے'' ...... بابا نے آرام سے کہا...... تو احسن بھائی لاپرواہی سے ان کے قریب آکر بیٹھ گئے اور آرام سے بولے۔ ''بابا میں بہت تھک گیا ہوں اور ان کپڑوں میں مَیں کافی comfortable محسوس کرتا ہوں اور وہاں جا کر انجوائے ہی تو کرنا ہے۔ مجھے کس نے دیکھنا ہے'' ...... ''بابا ہنسنے لگے اور بولے، ہم بوڑھوں کو دیکھنے والوں کی لائین لگی ہوں گی نا اس لیے ہم اتنا تیار ہوئے بیٹھے ہیں...... احسن بھائی بھی مسکرائے بنا نہیں رہ سکے۔
بوا تھالی لے کر بابا کے سامنے آئی تو بابا نے بیٹھے بیٹھے انہیں اجازت دے دی...... اور پھر بوا وہیں کھڑی ہوگئی، مگر ان کے چہرے پر ایک گھبراہٹ تھی۔ شاید وہ سعدیہ بھابھی کی وجہ سے پریشان تھی، کیونکہ انہوں نے پچھلی بار بھی بوا کی بُری طرح سے ٹوک دیا تھا۔ امی اور ابا آئے۔ ابا نے بوا کے ہاتھ میں پلیٹ دیکھی تو ہنسنے لگے۔ ''دُنیا سب کچھ بھول جائے مگر ہماری بوا جی ہمارے گھر سے باہر جانے سے پہلے ہمیں دھوئیں سے نوازنا نہیں بھولیں گی'' ...... اسی دوران زرقا بھابھی بھی تیار ہو کر آگئی۔ آج بھابھی نے سرخ رنگ کا جوڑا پہنا تھا...... جس میں اُن کی سفید اور گلابی رنگ نکھر نکھر رہی تھی اور سرخ رنگ کی کام والی بھاری چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ساتھ سرخ اور براؤن میک اپ پر کھلے گیسو اور ان کی چمکتی رنگت...... بابا نے بھابھی کو دیکھتے ہی کہا، ''ماشاء اللہ۔ آج تو

ہماری بہو نے بہت اہتمام سے تیاری کی ہے''۔''جی بابا جان آج اپنے اکلوتے بھائی کے گھر پہلی مرتبہ جا رہی ہوں۔اس کی خوشی میں شریک ہونا تو اسے میری تیاری سے لگنا چاہیے نہ کہ میں اس کی خوشی میں اس سے زیادہ خوش ہوں''۔ بالکل ٹھیک کہا بیٹے ہمارے رویے اور پہناوے دوسروں کی خوشی پر اور ان کی طبیعت پر بہت حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ بہت اچھا کیا......اس کے لیے کچھ تحفہ وغیرہ بھی لیا ہے یا ایسے ہی جا رہی ہو تو بھابھی نے اپنے پرس میں سے سونے کا keyring نکال کر بابا کے سامنے کیا جس پر farhan کا نام انگریزی میں کندہ تھا اور ساتھ پھولوں سے بھری دو عدد ٹوکریاں، یہ بھابھی اور احسن بھائی کی طرف سے۔اچھا تو آپ شام کو یہ سب لینے بازار گئی تھیں اور مجھ بتایا بھی نہیں''......''میں نے گِلے کے لیے انداز میں کہا زرقا بھابھی نے اتراتے ہوئے کندھے اچکائے......''بھئی اپنے بھائی کو تحفہ دینے کے لیے تم سے اجازت کی ضرورت نہیں اور آج میں تمہارے دوست کے گھر نہیں، اپنے بھائی کے گھر جا رہی ہوں۔''بوا نے آگے کر جلدی جلدی زرقا بھابھی کے گرد تھالی گھمانا شروع کیا۔ابھی وہ ان کی نظر اُتار ہی رہی تھیں کہ منیر بھائی اور سعدیہ بھابھی بھی لاؤنج میں آگئے۔سعدیہ بھابھی نے آتے ہی کھانسنا شروع کر دیا اور بنا کچھ کہے تیزی سے باہر لان کی طرف چلی گئی۔ بوا نے میری طرف دیکھا۔میں نے آنکھ کے اشارے سے''کوئی بات نہیں'' کا اشارہ کیا، پھر انہوں نے منیر بھائی کی نظر اُتاری جو ڈارک براؤن سوٹ پہنے بہت سمارٹ لگ رہے تھے۔ بھائی آج تو آپ واقعی ہی ڈاکٹر لگ رہے ہیں، ماشاءاللہ۔اسی اثناء میں نعمان بھائی نیوی بلیو سوٹ پہنے اور نادیہ بھابھی سفید ساڑھی پہنے آگئی......وہ بھی آسمان سے اُتری کوئی پری لگ رہی تھیں۔انہوں نے بھی مسکراتے ہوئے اپنے آپ کو بوا کے سامنے پیش کر دیا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے نادیہ بھابھی اور نعمان بھائی کی طرف اشارہ کیا کہ بہت پیارے لگ رہے ہیں......آج بوا کا یہ نظر اُتارنے والا فارمولا مجھے دِل سے اچھا لگ رہا تھا کہ خدا ہمارے گھرانے کو ایسے ہی سلامت رکھے۔

ہم لوگ پورچ میں کھڑی اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھ چکے تھے۔چوکی دار نے گیٹ کھول دیئے تھے اور آج منیر بھائی کی گولڈن ٹویوٹا اور نعمان بھائی کی mitsubishi, lancer اپنے اپنے گیراج سے باہر آچکی تھیں جو ان کے جانے کے بعد محبوب چچا اپنی نگرانی میں رکھتا ہے اور احسن بھائی اپنی Black Land cruiser میں بھابھی کے ساتھ، ابا اپنی Silver B.M.W میں امی کے ساتھ اور میں اپنے بابا کے ساتھ سفید مرسڈیز میں جو کہ محبوب چچا چلاتے ہیں۔ باقی سب اپنی اپنی گاڑیاں خود ڈرائیور کر رہے تھے۔سب سے آگے ابا کی

Bmw تھی، اس کے بعد منیر بھائی، پھر نعمان بھائی اور پھر احسن بھائی اور سب سے آخر میں بابا کی گاڑی تھی۔ ہم جب بھی سب یوں جاتے تھے تو سب اپنی ہی گاڑی میں ہوا کرتے تھے اور احسن بھائی کی گاڑی ہمیشہ بابا کی گاڑی سے آگے ہوا کرتی تھی.........اور بابا اپنی گاڑی سب سے پیچھے رکھوایا کرتے تھے۔ شاید یہ ابا اور بابا کے ذہنی سکون کے ہی تھا کہ ابا سب سے آگے اور بابا سب سے پیچھے اور بیچ میں تینوں بھائی......آج بھی ایسے ہی ہوا تھا۔ سب لوگ آرام سے اپنی اپنی سائیڈ پر جا رہے تھے، مگر دو تین بار احسن بھائی نے گلی گاڑی کو بائیں جانب سے اورٹیک کیا، بابا نے پھر محبوب چچا سے پوچھا، ''بھئی یہ لڑکا کیا کر رہا ہے، آج کل یہ بڑی بُری طرح سے ڈرائیو کرتا ہے، تم نے اسے سمجھایا تھا کیا''......''جی مالک وہ صاحب مجھے ملے ہی نہیں تھے''۔ بابا نے مجھے کہا کہ فون ملاؤ اسے، میں نے بابا کو ٹالنا چاہا......''بابا وہ Drive کر رہے ہیں، فون کیسے Receive کریں گے''۔ ''زرقا کے نمبر پر کرو'' اُٹھا لیں گے''۔ میں نے اپنے موبائل سے call ملائی تو بھابھی نے فون اُٹھایا۔ ہاں ''انو'' کیا ہوا......''یہ بابا سے بات کریں'' اور بابا نے فون لیا۔ ''زرقا احسن سے کہو کہ گاڑی سنبھل کر چلائے......ہمیں وہاں ڈنر پر جانا ہے، چلتے جہاز میں نہیں بیٹھنا''۔ کوئی جلدی نہیں۔'' ''جی بابا''......اس کے بعد احسن بھائی کی گاڑی ہمارے ساتھ ساتھ ہی رہی، جس دن سے بابا نے اپنے خواب کا ذکر کیا تھا، اس دن کے بعد سے بابا احسن بھائی کے بارے میں ضرورت سے زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔ بس ظاہر نہیں کیا کرتے تھے اور اگر کچھ ایسا ہوتا تو وہ بنا کسی توقف کے انہیں ٹوک دیا کرتے تھے۔ میں نے بابا کو تسلی دی......''بابا آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔ آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے احسن بھائی پہلی بار ڈرائیو کر رہے ہوں۔نہیں بیٹا، بس ایک لمحہ ہی ہوتا ہے جب سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور جب تک میں ہوں میرے بچے مرا خاندان کا کوئی دُکھ خدا مجھے نہ دکھائے اور اگر میں ایسا سوچتا ہوں تو اس میں کیا برائی ہے۔ تھوڑی احتیاط سے چلائی جائے۔ بابا کچھ گھبرائے بھی تھے مگر انہوں نے بتایا نہیں تھا۔ میں آج واپس آ کر اس سے خود بات کروں گا......

ہم لوگ فرحان کے گھر والی سڑک پر پہنچ چکے تھے اور گھر کی سفید روشنیوں سے سجایا گیا تھا اور مرکزی دروازے سے لے کر ان کے گھر کے آنے تک ایک ایک ڈنڈی پر سفید رنگ کی چھوٹی بڑی مدہم سے روشنی جھلملا رہی تھیں۔ گھر کے بیرونی دروازے پر آنٹی، انکل اور فرحان کھڑے تھے......فرحان نے گرے بلیزر کے ساتھ بلیک ٹراؤزر اور بلیک شرٹ پہن رکھی تھی۔ ہم لوگ اپنی اپنی گاڑیوں سے نکلے اور انہوں نے ہمیں پُرتپاک استقبال دیا......اور گھر کے اندر لے

گئے...... گھر میں بس انٹی، انکل کے چند قریبی جاننے والے تھے، ان سے انہوں نے ہم سب کو متعارف کرایا...... زرقا بھابھی نے بڑے سارے گل دستے فرحان کے ہاتھ پر رکھے، جو اس نے ملازموں سے کہہ کر سامنے پڑے میز پر سجا دیئے اور پھر زرقا بھابھی نے اسے اس کا تحفہ دیا...... تو اس نے تکلف کرنے کی کوشش ہی کی تھی کہ زرقا بھابھی نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا کہ بہن بھی بناتے ہو اور تکلف بھی کرتے ہو، خبردار...... اس نے احتجاجاً احسن بھائی کی طرف دیکھا۔

''احسن بھائی نے اس کے کندھے کو دبا کر کہا کہ یار بہنوں سے بحث نہیں کرتے، بس جو وہ کہتی جاتیں ہیں وہ مانتے جاؤ'' ...... فرحان نے مسکرا کا تحفہ رکھ لیا، اب باری نعمان بھائی کی تھی۔ انہوں نے فرحان کے لیے ایک لیڈر جیکٹ لی تھی...... اور ساتھ پھولوں کا گلدستہ دیا۔ منیر بھائی نے فرحان کو قیمتی کلف لینک دیئے...... انکل نے آ کر سب سے کہا کہ آپ نے اتنا تکلف کس لیے کیا...... تو اس پر بابا نے کہا بھئی کمال کرتے ہیں راشد میاں۔ اب جب یہ ایک خاندان بن چکے ہیں تو تکلیف کیسا؟ بس آپ ان بچوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں، کیونکہ ان کے معاملات میں تو میں بھی دخل اندازی نہیں کرتا...... میری نظر اچانک سعدیہ بھابھی کی طرف اُٹھی اور وہ بڑی حیرت سے آنکھیں پھاڑے سارے گھر کو ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھیں......

ہم بیٹھے ابھی باتیں کر رہے تھے کہ فرحان نے آواز دی ''انا'' تو میرے سامنے انعم اور شعیب صاب کھڑے تھے۔ میں اُٹھ کر انہیں ملی۔ انعم سے اور شعیب صاحب سے میں نے منیر بھائی اور نعمان بھائی سے تعارف کرایا...... اور باقی سب لوگ تو واقف تھے...... میں زرقا بھابھی، نادیہ بھابھی، انعم اور سعدیہ بھابھی اکٹھے بیٹھے تھے۔ کرسٹل کے خوب صورت جار نما گلاسوں میں ہمیں جوس پیش کیا۔ فرحان بار بار آ کر ہم کو اور خاص طور پر زرقا بھابھی کو چھیڑ کر جاتا تھا کیونکہ آج وہ بہت پیاری لگ رہی تھیں...... یہ سب لوگ اکٹھے سامنے اپنی محفل جمائے تھے...... اور آج خلافِ توقع اور خلافِ معمول احسن بھائی فرحان سے بڑے پیار سے ہر بات میں حصہ لے رہے تھے...... سعدیہ بھابھی تھوڑی دیر بولی'' ''انا'' تم کتنی بے وقوف لڑکی ہو'' نا...... تو ہم تینوں نے چونک کر بھابھی کی طرف دیکھا کہ کیا ہوا۔ میں نے ہنستے ہوئے پوچھا کیوں ''بھابھی آپ کو میری بے وقوفی کا احساس اس وقت یہاں کیسے ہوا'' اگر تمہاری شادی فرحان سے ہو جاتی تو تم اس اتنے بڑے گھر کی اکلوتی وارث ہوتی نا...... اتنی بڑی جائیداد سے خود کو محروم کرنا بے وقوفی ہی تو ہے۔'' وہ لالچی نظروں سے گھر کو دیکھتے ہوئے بولی، تو بھابھی کی یہ بات بجلی کی طرح ہم تینوں پر گری...... زرقا بھابھی نے نادیہ بھابھی کی طرف دیکھا...... تو نادیہ بھابھی نے افسوس کے سے

انداز میں گردن کو ہلا دیا.....ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر میں دھیرے سے بولی.....نہیں بھابھی میں بڑی چالاک ہوں بے وقوفی کا سودا نہیں کرتی..... انہوں نے میری طرف حیرت سے دیکھا.....اچھا کیسے؟

''فرحان سے شادی نہ کر کے میں صرف اس جائیداد کی اکلوتی وارث بننے سے محروم ہوئی ہوں.....مگر فرحان سے شادی کر کے میں اپنے اکلوتے دوست سے محروم ہو جاتی اور اب آپ بتائیں کے اب فرحان تو میرا ہے اور ہمیشہ میرا ہی رہے گا تو اگر فرحان میرا رہے گا تو پھر اُس کی ہر چیز بھی تو میری ہوئی نا.....اب آپ خود بتائیں میں نے کیا گھاٹے کا سودا کیا؟ کہ اپنی دوستی کو بھی بچالیا.....اور فرحان کو بھی خود سے دور نہیں ہونے دیا.....ہوں نا ہوشیار؟'' انہوں نے میری طرف دیکھا۔شاید میری بات اُن کے سر کے اوپر سے گزر گئی.....زرقا بھابھی نے اپنی ہنسی کو اپنے ہاتھوں سے چھپایا.....اور نادیہ بھابھی فائز کو بلانے کے بہانے سے اُٹھ گئی اور اپنی ہنسی کو سعدیہ بھابھی کے سامنے عیاں نہیں ہونے دیا.....وہاں سب نے بہت اچھا وقت گزارا..... تھوڑی دیر میں اس ہال سے متصل ایک ہال میں کھانے کا انتظام کر رکھا تھا.....ہم سب نے اکٹھے کھانا کھایا.....کھانا کھانے کے دوران فرحان اور انعم میرے ساتھ ہی تھے اور زرقا بھابھی احسن بھائی کے پاس کھڑی تھیں.....کیونکہ یہ ہمارے گھر میں احسن بھائی اور ابا کی ایک خامی تھی یا خوبی کہ چاہے جہاں بھی ہوں، کچھ بھی ہو جتنے مرضی ملازمین کام کے لیے موجود ہوں بلکہ احسن بھائی میں یہ عادت ابا کی طرف سے منتقل ہوئی تھی، کیونکہ ابا کا ہر کام امی کے ذمے ہوتا تھا، اسی طرح شادی سے پہلے احسن بھائی کے تمام کام امی کیا کرتی تھیں، یعنی جب احسن بھائی کھانے کی میز پر ہوں یا اپنے کمرے میں ان کی تمام ضروریات کا خیال امی رکھا کرتی تھیں اور شادی کے بعد یہ ذمہ داری زرقا بھابھی کے ذمے آ چکی تھی۔

احسن بھائی اور ''ابا'' نے آج دن تک ملازمین کے ہاتھ سے پانی کا گلاس بھی نہیں لیا تھا اور ان کی موجودگی میں ان کے کمرے میں کسی بھی ملازم کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ بابا اور دونوں دوسرے بھائی اپنی ذات کے لیے اتنے سخت نہیں تھے.....مگر ابا اور احسن بھائی تو اس بات پر باقاعدہ غصہ کرتے تھے.....اس لیے اس وقت بھی زرقا بھابھی احسن بھائی کے قریب اور امی ابا کے قریب ہی تھیں۔ میں نے بیچ میں دو تین بار ''بابا'' کے پاس جا کر انہیں پوچھا کہ کچھ چاہیے، مگر راشد انکل بابا کے قریب ہی بیٹھے تھے۔ بیٹا جان آپ اپنے بابا کی فکر نہ کریں ہم سب ان کے پاس موجود ہیں۔آپ اپنا کھانا انجوائے کرو''.....میں دوبارہ فرحان کے پاس آ جاتی.....کھانا ختم

ہونے کے بعد، راشد انکل نے مجھے ایک گفٹ پیکٹ دیا کہ ''بیٹا گھر جا کر اسے کھولنا'' اور پھر زرقا بھابھی کو سب سے پہلے اور نعمان بھائی کو گفٹ پیکٹ دیئے، بھئی اب آپ فرحان کے بھائی بہن ہوئے تو ہمارے بھی بچے ہوئے نا اور آج آپ سب پہلی بار اس گھر میں آئے ہو، اس لیے یہ آپ کے لیے اور اس کے بعد نادیہ بھابھی، منیر بھائی، احسن بھائی کو گفٹ دیئے تو اسی دوران مریم نے جا کر فرحان کی ٹراؤزر پکڑ کر کہا، ''چاچو ہمارے لیے کچھ نہیں لائے آپ؟'' سب ہنسنے لگے..... تو فرحان نے اس کے گال پر پیار کرتے ہوئے کہا ''نہیں بھئی آپ تو ہم سب کی Princess ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو اور فائز کو کچھ نہیں دیں گے'' فرحان نے مریم کو ایک گڑیا کا سیٹ دیا جس میں ہر سائز کی گڑیاں تھیں اور فائز کے لیے ایک ریموٹ کنٹرول کار، کیونکہ کارز اسے بھی بہت پسند تھیں..... انہوں نے سب تحائف کے ساتھ ہمیں روانہ کیا تھا۔ ہم سب اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ رہے تھے..... میں اور بابا اپنی گاڑی میں بیٹھنے لگے تو فرحان ہماری گاڑی کے قریب آیا اور نیچے جھکتے ہوئے اس نے ایک چھوٹی سی مگر بہت خوب صورت ڈبیا میری جانب بڑھائی..... ''میں نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا یہ کس لیے؟''

فرحان نے ہنستے ہوئے بابا کی طرف دیکھا..... ''یہ اس دُنیا کی سب سے اچھی دوست اور میری سب سے عزیز انا کے لیے'' ..... میں نے اس کے ہاتھ سے لے لیا..... اور اس کے ہاتھ کے اشارے سے محبوب چچا کو گاڑی چلانے کا کہا..... سب گاڑیاں چل دی تھیں احسن بھائی اور زرقا بھابھی کی گاڑی چونکہ ہمارے ساتھ کھڑی تھی، اس لیے وہ مسکرا کر سب دیکھ رہی تھیں، دیکھتے ہوئے بولی..... ''ہم سے چھپا کر کیا دیا جا رہا ہے''۔ فرحان نے ہنستے ہوئے کہا..... آپ سے چھپا کر نہیں، ''اپنی دوست کو خاص الخاص دیا جا رہا ہے۔ اب ''انا'' کو تحفہ سب سے علیحدہ ہی کر کے دینا تھا نا، بھابھی جان سمجھا کریں نا'' ..... اس نے بھابھی کو آنکھ مارتے ہوئے کہا اور بھابھی اس کی آنکھ کے اشارے کا جواب لمبی سی اوو، ہو میں دیا۔ احسن بھائی نے فرحان کو ہاتھ کے اشارے سے الوداع کیا اور انہوں نے اپنی گاڑی ہماری گاڑی کے آگے دکھا..... ابا کی اور دونوں بھائیوں کی گاڑیاں ہم سے کافی آگے تھیں، احسن بھائی نے..... ابھی جاتے ہوئے کوئی خاص جلدی بازی نہیں کی مگر ایک جگہ انہوں نے مڑتے ہوئے سامنے آئی گاڑی کو نظر انداز کر دیا..... وہ گاڑی تیزی سے ہارن بجاتے ہوئے قریب سے گزری، اگر ایک بال برابر کے فرق سے احسن بھائی کی گاڑی اس گاڑی سے ٹکراتے ہوئے بچی.....

ہم سب لوگ گھر پہنچے تو بابا اپنے کمرے میں چلے گئے..... سب لوگ تھکے ہوئے

تھے...... میں بھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سب نے فرحان، اس کے والدین کے حسن سلوک اوران کے گھر کی بہت تعریفیں کیں، بلکہ سب سے حیرت کی بات تو یہ تھی کہ سعد یہ بھابھی نے بھی آج تعریف کر ہی دی...... اور یہ فرحان کی سب سے بڑی کامیابی تھی...... میں نے کمرے میں آ کر change کیا اور نماز وغیرہ پڑھ کر فرحان کی دی ہوئی خوب صورت ڈبیا کو دیکھا...... اسے کھولا تو اس کے اندر موتیوں سے جڑا ہوا اللہ لکھا ہوا تھا جسے ایک گولڈ چین میں لگایا گیا تھا...... میں نے اسے ہاتھ میں اُٹھا کر چوم لیا...... اور اسے قدرے اونچا کر کے دیکھا تو کمرے کی مدہم روشنی میں ہی اس کے اندر موجود سفید رنگ کے موتی اپنا رنگ بدلنے لگے...... میں نے فون اُٹھایا اور فرحان کو Call کر دی۔ اس نے ہیلو کہنے کے بجائے، ''مجھے کہا معلوم ہے بہت پسند آیا ہے اور آپ کی اطلاع کے عرض ہے کہ یہ اسی shop سے لیا گیا تھا جہاں سے آپ نے سب کے لیے پرفیومز لیں تھیں۔ ڈبیا کے پشت پر دکان کا نام درج ہے۔ مس ''انا'' صرف آپ کو ہی نہیں بلکہ ''اللہ'' نے مجھے بھی ایک بہترین دوست کے تحفے سے نوازا ہے اور میں اس لاکٹ کو ہمیشہ آپ کے گلے میں دیکھنا چاہوں گا۔ ابھی سو جاؤ کیونکہ مجھے بھی بہت نیند آ رہی ہے۔ اس نے مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا اور فون بند کر دیا''...... میں نے مسکرا کر فون کو دیکھا اور میرے زبان سے ''پاگل'' نکلا اور وہی پاگل میں نے text msg کر کے اس کے نمبر پر send کر دیا...... اور فوراً اس کا جواب ملا ''جو تم سمجھو، وہی ہوں میں''...... میں نے وہ لاکٹ اُٹھایا اور بابا کے کمرے کی طرف تیز قدموں سے چلنے لگی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ بابا ہی ہیں جو میری خوشی کو اس وقت میرے ساتھ بانٹ سکتے ہیں...... میں نے بابا کے کمرے کا دروازہ دستک دیتے ساتھ کھول دیا تو مجھے کچھ شرمندگی ہوئی، کیونکہ بابا کے سامنے احسن بھائی اور زرقا بھابھی بیٹھے تھے۔ ان کے درمیان کوئی ضروری بات ہو رہی تھی کہ میرے جاتے ہی بابا خاموش ہو گئے۔ میں نے ایک نظر تینوں کی طرف دیکھا۔ ''اوہ معاف کیجیے، مجھے معلوم نہیں تھا۔ آپ Please بات کریں میں بعد میں آ جاؤں گی''۔ ''بابا ایک دم سے بولے نہیں ''انا'' آپ آ جائیں۔ ایسی کوئی بات نہیں جو آپ سے پوشیدہ ہو۔'' میں نے ہچکچاتے ہوئے زرقا بھابھی کو دیکھا جو مجھے دیکھ کر چپکے سے مسکرا دی اور انہوں نے اشارے سے کہ احسن بھائی کو ڈانٹ پڑ رہی ہے۔

میں بابا کے پاس جا کر بیٹھ گئی...... ''ہاں بیٹے آپ کہیں کیسے آنا ہوا''؟...... ''بابا وہ Pendant ہے جو مجھے فرحان نے جاتے ہوئے دیا تھا۔ اس کا تحفہ میں کل صبح اسے گھر جا کر دے آئی تھی تو میں نے شکوہ کیا تھا کہ اس نے میرے لیے کچھ نہیں لیا تو اس نے یہ میرے لیے

پہلے سے ہی لیا ہوا تھا۔ یہ بھی اسی shop سے خریدا گیا تھا جہاں سے میں نے اس کا تحفہ لیا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ میرے تحفے سے وہ ناواقف تھا اور اُس کے تحفے سے میں، مگر ہم ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کے لیے تحفے خرید رہے تھے اور اس نے مجھے نہیں بتایا اور میں نے اسے نہیں بتایا تھا'' ...... دیکھیں کتنا پیار ہے نا۔ بابا نے دیکھا بہت خوب اور ساتھ ہی زرقا بھابھی کی طرف بڑھا دیا...... ''wow بھابھی نے دیکھتے ہی کہا اور پھر احسن بائی کی طرف بڑھا دیا۔ احسن بھائی نے ہاتھ میں لے کر دیکھا، ماشاء اللہ بہت پیارا ہے اور احسن بھائی کے ہاتھ سے گھومتا ہوا میرے ہاتھ میں آ گیا اور میں نے اسی وقت اسے گلے میں پہن لیا...... ''ہاں بیٹا جان ایسے ہی ہوتا ہے ہر سچے جذبے کی کشش اپنی نوعیت کی ہوتی ہے۔ بس اصل بات ہر جذبے میں سچائی، خلوص، نیک نیتی اور اُس جذبے کی شدت کی ہوتی ہے۔'' میں نے مُسکرا کر احسن بھائی اور زرقا بھابھی کی طرف دیکھا...... جس پر احسن بھائی نے کہا۔'' بابا ضروری تو نہیں کہ آپ کے سچے جذبے سے چاہی جانے والے چیز آپ و حاصل ہو ہی جائے...... اور زیادہ تر تو وہی چیزیں ہماری زندگی سے بہت دور ہو جاتی ہیں، جنہیں ہم سچائی اور شدت سے چاہتے ہیں''۔ احسن بھائی نے دیوار کی طرف گھورتے ہوئے بے دھیانی میں یہ الفاظ کہہ ڈالے جس پر تھوڑی دیر کے لیے مجھے اور زرقا بھابھی دونوں کو ایک جھٹکا سا لگا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا......تو بابا نے بڑے آرام سے کہا۔ بیٹے اس چیز کا حصولِ مقصد نہیں ہونا چاہیے۔ مقصد اس جذبے کا قائم رہنا، اس سے وفادار رہنا اور اس جذبے کی موجودگی کے ساتھ کسی دوسرے جذبے کی توہین نہ کرنا، تو اصل چاہت کا مزا آتا ہے کیونکہ ضروری نہیں کہ وہ چیز آپ کو مل جائے۔ ضروری یہ ہے کہ وہ چیز قائم رہے، چاہے آپ کی حد تک ہو یا اس دُنیا کی حد تک۔ اس کی بہتری، اس کی بقا ضروری ہے اور ویسے بھی جن جذبوں میں سچائی ہو، انہیں ہی قدرت اپنے طریقے سے آزماتی ہے اور اگر آپ اس آزمائش میں پورے اُترو، بعض اوقات کو قدرت انعام کے طور پر وہ چیز آپ کو عنایت کر دیتی ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو قدرت آپ کو یہ احساس ضرور دِلاتی ہے کہ خواہ وہ آپ کے پاس نہیں نہ سہی، مگر اس کا احساس ہمیشہ آپ کے ساتھ آپ کی سانسوں اور آپ کی دھڑکن کے پاس رہتا ہے۔ آپ کی چاہت کہیں نہ کہیں اپنا آپ منوا لیتی ہے۔ بابا نے احسن بھائی کو ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا'' ...... اس بار بھی احسن بھائی کچھ کہنا چاہتے تھے مگر اس لمحے انہیں احساس ہو چکا تھا کہ وہ بے دھیانی میں کچھ عیاں کرنے جا رہے تھے، جو قدرت نے عیاں ہونے سے پہلے بچا لیا...... تو احسن بھائی نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ بابا شاید احسن بھائی کی

پریشانی کی وجہ سے اس بات کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی اور انہوں نے اس بات کو مزید طول نہیں دیا اور پھر بولے ''بیٹا تمہیں میری روک ٹوک بری لگی ہوگی مگر آئندہ اس بات کا خیال رکھنا......

کیونکہ گاڑی چلاتے ہوئے اکیلے نہیں ہوتے ہو، تمہاری فیملی تمہارے ساتھ ہوتی ہے اور تمہاری کسی بے دھیانی سے میں ایک لمحے میں آپ کی ساری زندگی عذاب بن سکتی ہے۔ اور وہ ایک لمحہ آپ کی آئندہ زندگی پر حاوی ہو جائے تو نہ انسان جینے کے قابل رہتا ہے اور نہ ہی مرنے کے ......اور اس کا مطلب یہ ہرگز یہ نہیں کہ تم اکیلے میں لاپرواہی برتو، کیونکہ احسن اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو اپنے گھر والوں کے بارے میں سوچ لینا کہ ان کا کیا ہوگا۔ میرا، زرقا کا، تمہارے ابا کا، یا اس عورت کا جس نے تمہیں پالنے میں تمہاری پرورش میں اپنی اولاد تک کو بھلا دیا۔ کیا وہ تمہارا دُکھ برداشت کر پائے گی...... بیٹا ہمیں لگتا ہے کہ ہم اکیلے جیتے اور اکیلے مرتے ہیں......ہو سکتا ہے کہ زندہ انسان اپنے اندر ایک تنہائی کی دیوار حائل کر کے ساری زندگی تنہا گزار دے، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی انسان تنہا نہیں مرتا......اس کے ساتھ اس کے پورا خاندان، اس سے منسلک تمام لوگ اور اس کے پیاروں کی بھی موت ہو جاتی ہے۔

ہم کسی بھی صورت تنہا نہیں ہوتے۔ اللہ پاک کی ذات نے ہمیں اس دنیا میں اکیلے نہیں بھیجا ہمارے ساتھ کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی صورت ہر وقت موجود ہوتا ہے'' ......احسن بھائی نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ میں بھی انہیں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان کا اچانک میری جانب دیکھنا مجھے زچ سا کر گیا......اور میں نے ایک دم سے اپنی نظر دوسری جانب کر دی...... مجھے اس وقت احسن بھائی اور بھابھی پر ترس آ رہا تھا۔ کہ خدا نے ان کو کس کڑی آزمائش میں ڈال رکھا ہے...... دل سے ان دونوں کے لیے دعا نکلی خدایا ان کے کرب کو ختم کر ان کی آزمائش ختم کر دے ان کے حصے کی آزمائش مجھے دے دے۔ مگر مجھے اس پل یہ نہیں معلوم تھا کہ قدرت آغاز کرے گی بھی تو ایک کڑی آزمائش پر اس سے زیادہ کڑی آزمائش کی صورت میں۔

بس بیٹا احتیاط کیا کرو۔ جاؤ اب آپ سب جا کر آرام کرو...... مجھے بس یہ ہی کہنا تھا سو میں نے کہہ دیا......تو ہم تینوں اٹھے۔ اور باہر چلے گئے...... میں اپنے کمرے کی طرف مڑی تو بھابھی نے کہا'' ''انو'' کافی پینی ہے تو آجاء۔ کیونکہ ابھی ہمارا کافی کا دور چلنے والا ہے۔ بھابھی مسکراتے ہوئے مجھ سے پوچھا نہیں بھابھی جان آپ انجوائے کر لیں میں اب سونا چاہتی ہوں......صبح ملاقات کرتے ہیں'' ......

آج صبح نماز کے بعد میں نیچے نہیں گئی تھی۔ طبیعت پر کچھ بوجھ تھا جانے کیا کچھ سمجھ

نہیں آ رہا تھا۔ مگر کچھ الجھن تھی...... میں کچھ دیر ٹھہر کر جب Change کر کے نیچے گئی تو ذہن میں تھا کہ تھوڑی دیر کے لیے آفس سے ہو آؤں گی۔ مگر نیچے گئی تو حالات ہی بدلے ہوئے تھے۔ امی کیچن میں بوا کو کچھ ضروری ہدایات دی رہی تھیں۔ احسن بھائی باہر لاؤنج میں بھابھیوں چہرے پر تھکن اور گاڑی کی چابی کھڑے تھے میں نے انہیں سلام کیا۔ احسن بھائی خیریت ہے نا؟...... کہی جا رہے ہیں آپ اور امی؟ اتنی دیر میں زرقا بھابھی اپنا پرس اٹھائے تیزی سے آ رہی تھیں۔ ان کے چہرے کی گھبراہٹ دیکھ کر میری بھی ہوائیاں اڑ گئی وہ میرا چہرہ تھپکا کر ابو کے کمرے میں چلی گئی...... میں نے دوبارہ احسن بھائی سے قدرے سخت لہجے میں پوچھا! احسن بھائی! کچھ پوچھ رہی ہو کہ سب خیریت ہے آپ کہاں جا رہے ہو؟...... بتانا پسند کریں گے؟...... مجھ ان کے رویے پر غصہ آ رہا تھا۔ اور مجھے گھورتے ہوئے بولے...... الماس آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ہسپتال جا رہے ہیں اور کچھ؟ انہوں نے بھی جلے لہجے میں ہی جواب دیا! اتنی دیر میں امی ابو اور زرقا بھابھی تینوں باہر آ رہے تھے۔ میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا...... بھابھی کو آج اس گھر میں پہلی بار میں نے اس قدر پریشان دیکھا تھا۔ یہاں آنے کے بعد وہ تقریباً اپنے والدین کو بھول ہی تو چکی تھیں...... بحیثیت ایک بیٹی ان کے دل کا کیا حال ہوگا۔ مجھے اس کا اندازہ تھا...... امی نے مجھے کہا بیٹا میں جا رہی ہوں پیچھے گھر کا خیال رکھنا...... زرقا بھابھی نے کہا...... سب سو رہے ہیں...... ابھی پریشان مت کرنا...... میں وہاں جا کر فون پر رابطہ کرلوں گی''۔ ''انو'' کچھ کہتے ہوئے رک گئی احسن بھائی نے گاڑی سٹارٹ کی۔ زرقا بھابھی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھیں اور امی فرنٹ پر اور زرقا بھابھی ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھیں کہ جب بھی امی کئی ان کے ساتھ جاتی تو وہ امی کو ہمیشہ آگے بٹھایا کرتی تھیں...... وہ جب سے یہاں آئی تھیں انہوں نے ہمیشہ امی کو اہمیت دی ہر بات پر امی کی بات کو فوقیت دی اور آج ان کی ''امی'' میری نظر مسلسل زرقا بھابھی کے پریشان اور خاموش چہرے پر تھی...... میں اور ''ابو'' ان کی گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہونے تک وہی کھڑے رہے۔ اور جانے کیوں آج جب تک گاڑی اوجھل نہیں ہوئی تھی۔ زرقا بھابھی مسلسل میری آنکھوں میں اور میں ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہی مجھے جانے کیوں ایسے لگا جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہیں میں سمجھ نہیں پا رہی۔ گاڑی جیسے ہی آنکھوں سے اوجھل ہوئی۔ تو میں جیسے بے بس ہوگئی تھی...... ''''ابا'' مجھے بھی جانا ہے۔''

ابا Please مجھے بھی جانا ہے۔ ابا نے حیرت سے میری طرف دیکھا'' تو بیٹا پہلے کہتی تو ان کے ساتھ ہی چلی جاتی آپ''؟ ''اچھا احسن کو فون کرو وہ واپس آ جائے۔ نہیں ابا انہیں

جانے دیں میں اپنی گاڑی میں چلی جاتی ہوں...... ٹھیک ہے بیٹا جاؤ۔ میں جلدی آ جاؤں گی......
''ابا نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا''...... بوا نے مجھے چائے کے لیے کہا۔''نہیں بوا۔ میں واپس آ کر پی لوں گی آپ گھر کا دھیان رکھنا'' یہ کہہ کر میں اوپر بھاگی۔ اپنے کمرے سے اپنا پرس اور گاڑی کی چابیاں اٹھائی...... میں جانے سے پہلے بابا کے کمرے میں گئی تو بابا جاگ چکے تھے...... چادر اوڑھ رہے تھے۔ میں ان کے پاس گئی تو انہوں نے پیار کیا مجھے میں نے انہیں تسلی سے بتایا......
''اللہ خیر کرے گا۔ جاؤ آپ جاؤ۔ زرقا کو آپ کی ضرورت ہو گی...... بابا نے مجھے تسلی سے بھیجا۔ میں نے اپنی گاڑی نکالی۔ اور تیزی سے اسے سڑک پر ڈال دیا۔

ابھی گاڑی High way پر ڈالی ہی تھی کہ احسن بھائی کی گاڑی میری نظروں کے سامنے تھی میں نے گاڑی کی Speed ذرا تیز کر دی کہ ان کے قریب رہو۔ اور مجھے معلوم بھی تو نہیں تھا کہ وہ کس ہسپتال میں ہیں۔ راستے میں میں نے فرحان کو بتا کر دیا تھا۔ میری گاڑی احسن بھائی سے دو گاڑیاں پیچھے تھی کہ شاید احسن بھائی نے میری گاڑی کو Back mirror سے دیکھ لیا تھا...... کہ اسی دوران زرقا بھابھی کی Call میرے Cell پر آ گئی میں نے کال ریسو کی تو بھابھی نے پوچھا''''انا''تم آ رہی ہو احسن کو لگا جیسے تمہاری گاڑی پیچھے ہے''...... جی بھابھی مجھے آپ کی گاڑی نظر آ رہی ہے۔ بھابھی نے فون بد کیے بغیر احسن بھائی کو بتایا جی احسن وہ ہی ہے۔''احسن بھائی کی غصے سے بھری آواز آئی پاگل لڑکی ہے یہ بالکل''۔ اسے کہو گاڑی آگے کرے اپنی مجھ سے' بھابھی نے وہی الفاظ دوہرائے اور احسن بھائی نے انڈی کیٹر دے کر اپنی گاڑی کی رفتار قدرے کم کی اور مجھے آگے ہونے کا اشارہ کیا...... بھابھی کون سے ہسپتال جانا ہے۔ بھابھی نے مجھے ہسپتال کا نام بتایا اور میں نے جگہ ملتے ہی اپنی گاڑی کو احسن کی گاڑی سے آگے کر لیا...... مجھے Back mirror سے احسن بھائی نظر آ رہے تھے...... مجھے معلوم تھا کہ آج انہیں جلدی جانا ہے اور آج کل انہیں تیز گاڑی چلانے کی عادت ہی ہے۔ میں نے ایک بار پھر Mirror سے احسن بھائی کی طرف دیکھا اور Parking لائٹ کو چمکا کر گاڑی کی رفتار بڑھا دی...... اور میں تو ویسے بھی عادی تھی High way پر تیز Drive کرنے کی...... اس پل مجھے خیال نہیں رہا کہ میں کس گاڑی کو Right سے اوور ٹیک کر رہی تھی اور کس کو Lift سے اور احسن بھائی بھی اسی تیزی سے مجھے''Follow'' کر رہے تھے ہم لوگ تقریباً 20 منٹ میں ہسپتال پہنچ چکے تھے۔ اپنی اپنی گاڑیوں کو پارکنگ میں لگایا...... ہم لوگ اکٹھے ہوئے احسن بھائی نے میری طرف قدرے غصے سے دیکھا۔ ان کی نظر کو میں اس وقت نہیں سمجھ

سکی ہم لوگ تیزی سے الماس آنٹی کے کمرے میں پہنچ گئے تو بشیر انکل جو زرقا بھابھی کے والد تھے۔ہمیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔آپ سب لوگ۔الماس آنٹی بھی ہوش میں تھیں۔ بھابھی کی آنکھیں بھر آئی۔ انہیں ملتے ہوئے۔ انکل نے امی سے کہا۔''بھابھی آپ نے ویسے ہی تکلیف کی''۔نہیں بھائی صاحب گھر والی بات ہے''بلکہ آپ نے زیادتی کی ہے کہ خود رات سے ہسپتال میں ہیں۔اور ہمیں صبح بتا رہے ہیں۔اپنا نہیں سمجھتے نا''؟امی نے شکوے کے سے انداز میں کہا۔اور پھر احسن بھائی نے آگے ہو کر انکل اور آنٹی کو سلام کیا۔اور پھر انکل نے مجھے پیار کیا۔ ''بیٹا آپ کی کامیابی کی خبر ملی تھی''۔مگر آپ کی آنٹی کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی'' کوئی بات نہیں انکل اللہ آنٹی کو صحت دے۔بس یہ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں تو میں تو یہیں ہوں آپ کے پاس ہی''۔میں نے آگے ہو کر آنٹی سے دعائیں لیں۔

کچھ دیر بعد امی نے انکل بشیر سے کہا کہ''بھائی صاحب آپ گھر جائیں کچھ آرام کر لیں''۔ہم سب اب یہیں ہیں۔''نہیں بھابھی میں ٹھیک ہوں''۔نہیں''''ابو'' آپ جائیں امی ٹھیک کہہ رہی ہیں کچھ آرام کر کے فریش ہو کر آ جایئے گا......ہم لوگ یہیں ہیں اب۔آپ بے فکر ہو کر جائیں''......ہماری تسلی دینے پر احسن بھائی بولے انکل آپ جائیں میں بھی یہیں ہوں Donot worry''وہ مجبور ہو گئے جانے کے لیے......احسن بھائی انکل کو کار پارکنگ تک چھوڑنے گئے......''میں، واپسی پر ڈاکٹر سے ملتا آؤں گا زرقا''......احسن بھائی بتاتے ہوئے چلے گئے......ہم سب آنٹی کے پاس بیٹھ گئے۔آنٹی کو بخار تھا۔رات کو اچانک سے بے ہوش ہو گئی تھیں اور انکل انہیں ہسپتال لے آئے تھے۔میں نے فون کر کے تفصیل بابا کو بتائی۔اور اسی دوران فرحان کی Call آ گئی' میں نے اسے ہسپتال اور کمرہ نمبر بتا دیا......تھوڑی دیر میں احسن بھائی تمام تفصیلات لے کے آ چکے تھے۔کچھ مطمئن تھے۔فکر کی بات نہیں انٹی ابھی آپ کا بخار کنٹرول ہے بس دو تین دن آپ کو Observiation میں رکھیں گے پھر گھر جا سکتی ہیں۔بس کمزوری ہے اور وہ تو آپ کو خود ہی دور کرنا ہے نا''......''الماس آنٹی مسکرانے لگی''......ابھی اپنی باتوں میں تھے کہ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تو احسن بھائی نے دروازہ کھولا۔''تو سامنے فرحان کھڑا تھا'۔ ہاتھ میں پھول اور جوس اور فروٹ لیئے اور اس کے پیچھے بھی ایک آدمی نے یہ سب اٹھایا ہوا تھا۔احسن بھائی نے آگے ہو کر اس کے ہاتھ سے فروٹ کے لفافے لے لیے......فرحان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی زرقا بھابھی نے اٹھ کر اسے گلے سے لگایا۔ ''اوئے تم اتنی صبح یہاں کیا کر رہ ہو؟'' بھئی میری والدہ کی طبیعت خراب ہو اور میں گھر کیسے ہو سکتا

ہوں''.....اس نے سعادت مندی سے اپنا سر پہلے امی کے آگے کیا امی نے اسے پیار کیا اور پھر الماس آنٹی نے اسے پیار کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے بھابھی کی طرف دیکھا۔ بھابھی نے اس کے ساتھ اپنے رشتے کی نوعیت بتائی۔ تو وہ مسکرانے لگی۔ دروازے پر ابھی بھی ایک آدمی ہاتھ میں فروٹ اور جوس کے مزید ٹوکرے لیے کھڑا تھا۔''اف فرحان یہ سب کیا۔''

فرحان کے آتے ہی سارا کمرہ پھولوں سے مہک اٹھا۔ کمرے کے چاروں کونوں میں اس نے پھول رکھے۔''مریض کے اردگرد پھول ہوں تو اس کی آدھی بیماری تو انہیں دیکھتے ہی غائب ہو جایا کرتی ہے''۔''اور یہ اتنا فروٹ کس لیے''۔ بھابھی نے شکایت کے سے انداز میں پوچھا.....تو اس نے ٹوکرے میں سے سیب اٹھایا اور اسے دانتوں سے کاٹتے اور دوسرے ہاتھ سے ایک سیب احسن بھائی کی طرف اچھالتے ہوئے بولا''بیمار کی تیمارداری کرنے والوں کے لیے! اس کے شرارت بھرے لہجے نے سب کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی''.....اس نے جوس کا گلاس بھر کر ایک الماس آنٹی کو دیا.....اور ایک میری امی کو.....آنٹی کی چہرے کے تاثرات کچھ بہتر ہوئے۔ کچھ وقت گزرا تھا کہ امی نے مجھ سے کہا کہ''''انا'' تم گھر جاؤ.....ایک تو آنٹی کے لیے کچھ یخنی وغیرہ بنا کر لے آؤ.....اور گھر میں باقی سب بھی پریشان ہو رہے ہوں گے''میں نے زرقا بھابھی کی طرف دیکھا۔ آپ ٹھیک ہو نا بھابھی.....انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے جواب دیا.....''میں ٹھیک ہوں''انو''تم جاؤ.....اور تو کچھ نہیں چاہیے گھر سے میں آتے ہوئے لے آؤں گی''.....نہیں بس کھانے کا سامان بھی آنٹی کے لیے لے آنا ہمارے لیے تو فرحان یہ سب لے آیا ہے پاگل لڑکا''.....فرحان نے مجھے تسلی دی کہ تمہارے آنے تک یہیں ہوں احسن بھائی کے ساتھ Dont worry میں اللہ حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکلی تو ابھی میں کوری ڈور میں ہی تھی کہ فرحان میرے پیچھے باہر آیا۔''انا''اس نے پیچھے سے آواز دی.....میں مڑی تو بولا Thanks میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا.....اس کے لوکٹ کی طرف دیکھا۔ اچھا جی رات کو تو بولنے بھی نہیں دے رہے تھے اور ابھی ویسے میرے پاس اسی کی تو کمی تھی وہ تم نے پوری کر دی۔ میں نے اس کے پیچھے کو سراہتے ہوئے کہا اور اچھا جاؤ اور جلدی آنا اس نے مجھے جانے کے لیے کہا''.....''اور وہ واپس کمرے کی طرف بڑھ گیا اور میں کار پارکنگ کی طرف.....
ابھی میں نے بمشکل گاڑی کا دروازہ کھولا ہی تھا۔

میرے بیگ سے موبائل بجنے کی آواز آئی۔ میں نے موبائل نکالا تو اس پر احسن بھائی کا نمبر تھا۔ میں نے ڈرتے ہوئے کال ریسیو کی۔ کیونکہ ان سے مجھے سوائے ڈانٹ یا کبھی ملی جلی

بات کے اور کسی چیز کی امید بھی نہیں تھی۔ خاص طور پر ان دنوں میں نے ہیلو کیا تو بڑے آرام سے بولے'' ''انا'' گھر ہی جانا ہے یا کئی اور بھی؟'' میں نے چونک کر کہا۔'' جی؟'' سادہ سا سوال پوچھا ہے گھر ہی جا رہی ہو یا کئی اور بھی جانا ہے؟'' انہوں نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے انہیں دوہرایا...... ''نہیں تو گھر ہی جا رہی ہوں کہیں اور تو نہیں جانا مجھے میں نے الجھن بھرے لہجے میں انہیں جواب دیا'' ''ٹھیک ہے گاڑی آرام سے چلانا...... کسی جلدی کی ضرورت نہیں''۔ تو میری جان میں جان آئی۔'' جی بھائی۔ آرام سے جاؤں گی''......

انہوں نے بنا کچھ کہے فون بند کر دیا۔ میں خود سے بڑبڑاتے کیا تو بہ ہے پیار سے بات کریں گے تو بھی پہلے میری جان نکالیں گے۔ پتہ نہیں انہیں آج کل کیا ہوا ہے۔ ہر وقت اتنے اکھڑے اکھڑے رہتے ہیں۔ میں خود سے باتیں کرتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کر کے گھر کی طرف بڑھ گئی۔ گھر جا کر سب کو بتایا۔ نعمان بھائی۔ اور منیر بھائی۔ بھی دونوں بھابیوں کے ساتھ آنٹی کی بیمار پرسی کے لیے گئے۔ ان کے جانے تک فرحان وہی تھا...... اگلے دو دن احسن بھائی گھر نہیں آئے تھے اور نہ ہی زرقا بھابھی۔ امی رات کو گھر آ جایا کرتی اور صبح پھر چلی جایا کرتی تھی۔ بابا اور ابا بھی وقتاً فوقتاً جایا کرتے تھے۔ تیسرے روز آنٹی کو گھر لے گئے تھے۔ زرقا بھابھی ان کے ساتھ گھر چلی گئی تھی اور آنٹی کو گھر چھوڑا تو میں اور امی گھر آنے لگے رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ تو بشیر انکل بولے'' احسن بیٹا تم بھی اب گھر جاؤ''۔ دو دن سے مسلسل ہمارے ساتھ ہو آرام کرو جا کر اب تو یہ گھر آ گئی ہیں۔ فکر کی کوئی بات نہیں یہاں ملازم بھی ہیں اور ڈرائیور بھی۔ اور زرقا بھی تو ہے اب ہمارے ساتھ تم جاؤ''۔ احسن بھائی نے ابھی نہ رکنے کے لیے ضد کی''۔ مگر زرقا بھابھی اور آنٹی الماس کے اسرار پر انہیں جانا ہی پڑا...... آنٹی اب کافی بہتر تھیں۔ مگر زرقا بھابھی کی تسلی کے لیے انہیں چند دن نگہداشت کی ضرورت تھی۔ جو زرقا بھابھی سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ ہم لوگ کے کار پورچ میں پہنچے تو زرقا بھابھی نے مجھے پکارا'' ''انو'' بات سنو ذرا...... میں احسن کی طرف بھائی۔ احسن بھائی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔'' انو'' Please میری غیر موجودگی میں احسن کا خیال رکھنا...... الماری میں ان کے کپڑے ہیں استری کروا کر رات ہی ان کے کمرے میں رکھوا دینا اور Please کھانے کا خیال رکھنا دو دن سے بھوکے ہیں کچھ نہیں کھایا...... تم جانتی تو ہو کہاں معاملے میں کتنے ضدی ہیں یہ اور Please رات کو کافی بنا دینا۔ یہ کہیں گے نہیں کسی سے بھی امی کو اس لیے میں کہہ رہی کہ وہ ابا کے ساتھ مصروف ہوں گی۔ اور یہ اندر ہی اندر غصہ کرتے رہے ہیں''۔'' میں نے ان کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے چلے ہوئے

لہجے میں ہاں۔ اور آج کل تو انہیں غصہ آ بھی بہت رہا ہے نا اور چڑھائیں انہیں سر پر!..... تو بھابھی ہنستے ہوئے بولی نہیں''...... ''انو'' احسن بہت معصوم ہیں ہاں'' مگر بےضرر کچھ وقت تو لگے گا انہیں سمجھلنے میں Please تم دیکھ لینا''...... تمہارے علاوہ اس کی ذمہ داری کسی اور کو سونپ بھی نہیں سکتی نا''...... ''میں نے بے دھیانی میں کہا آپ فکر نہیں کریں بھابھی آپ کے آنے تک آپ کی ذمہ داری میں سنبھال لوں گی۔ مگر اس بات کا وعدہ کریں کہ مجھے جتنی ڈانٹ پڑے گی۔ اس کا حساب آپ واپس آ کر لیں گی ان سے تو بھابھی ہنسے لگی''۔ ''ہاں ہاں لے لوں گی'' اب جاؤ انہوں نے میرے گال پر پیار کیا اور میں تیزی سے گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی......

بعض اوقات قدرت انسان کی زندگی میں کیسے عجیب موڑ لاتی ہے۔ اور قبل از وقت ان کے بارے میں آگاہی بھی دیتی رہتی ہے۔ مگر ہم انسانوں کی سمجھ اس قدر محدود ہے کم ہے کہ ہم قدرت کے اشاروں سے غافل رہتے ہیں...... بظاہر نظر آنے والے چھوٹے چھوٹے حادثات' آنے والے کسی بڑے حادثے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں یہ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا۔ بلکہ میری سوچ کے کسی ہزارویں حصے میں بھی اس کا کوئی گمان تک بھی موجود نہ تھا...... لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے۔ کہ قدرت' آزمائشوں کے لیے اپنے بندوں کا انتخاب کر لیتی ہے۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کون کس وقت کی آزمائش کے قابل ہے......اور ویسے بھی اللہ تعالیٰ ہر دکھ سے پہلے برداشت کی طاقت انسان کو دے دیتا ہے...... مگر انسان ان تمام حکمتوں سے لاعلم ہی رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا......

اس دن واپسی پر احسن بھائی نے نہا کر کھانے کے لیے آئے تو میں امی کے ساتھ سب کے لیے کھانا لگا رہی تھی۔ میرے ذہن میں بھابھی کی باتیں تھیں مگر احسن بُھائی سے اب واقعی ہی مجھے ڈر لگنے لگا تھا...... کھانے کے دوران امی نے مجھے کہا۔ ''زرقا نے تمہارے ذمے جو کام لگایا ہے اسے اس میں کسی شکایت کا موقع نہیں دینا بیٹا''...... امی آپ جانتیں ہیں میں نے حیرت سے امی سے پوچھا...... ''ہاں میں سن رہی تھی۔ کہ وہ جو کہہ رہی تھی۔ میں، اس میں تمہارے ساتھ ہوں گی مگر زیادہ نہیں تم جانتی ہو کہ سعدیہ کی طبیعت کسی ہے یہ نہ ہو کہ وہ کچھ محسوس کرے اور احسن میرے لیے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ مگر وہ بھی تو مہمانی طور پر یہاں آئے ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ وہ دل میں ذرا سی بات کی گرہ باندھ لے۔ بیٹا رشتے بہت نازک ہوتے ہیں۔ اور انہیں بہت احتیاط سے سنبھال کر نبھانا پڑتا ہے''۔ میں امی کی مجبوری بھی سمجھ چکی تھی ہم سب نے کھانا شروع کیا۔ زرقا بھابھی کی کرسی آج خالی تھی۔ اور ان کی کمی بہت مجھے تو

بری طرح محسوس ہورہی تھی.....مگران کے لیے بھی ضروری تھا۔آخروہ ان کی والدہ تھیں۔سب نے کھانا شروع کیا۔پہلا قدم بابا نے ہی اٹھایا تھا۔کہ انہوں نے سالن کا ڈونگا احسن بھائی کی طرف بڑھایا.....انہوں نے کھانا شروع کیا۔اور ساتھ ساتھ میں ان کوسلاد چٹنی اور دوسری چیزیں ان کے مانگے بنا ہی دیتی رہی.....تو ابا نے ہنستے ہوئے کہا۔بھئی''زرقا'' کی جگہ تو''انا'' نہیں لے سکتی احسن میاں مگر خیر ہے فی الحال گزرا کرو۔احسن بھائی نے ہلکی سی مسکراہٹ پر ہی اکتفا کیا..... جی ابا جان۔زرقا بھابھی جیسی ہمت اور صبر ہم میں کہا؟ میں نے لاپرواہی میں بنا سوچے ایک بات کر دی.....جس پر احسن بھائی نے مجھے غصے سے دیکھا.....نعمان بھائی نے ساتھ لقمہ دیا۔''بھی زرقا بھابھی تو پھر زرقا بھابھی ہیں نا''۔کیوں احسن؟''.....تم لوگ خاموشی سے کھانا کھاؤ کیوں تنگ کررہے ہوا سے دو چار روز میں آجائے گی وہ بیچاری۔اس کے سر پر اتنی ذمہ داریاں ہیں اور وہ اکیلی سنبھالنے والی''.....نادیہ بھابھی نے فائز کے منہ میں نوالہ ڈالتے ہوئے کہاواقعی امی۔''زرقا بھابھی بہت ذمہ دار ہیں وہ ہرکام ہر ذمے داری کو اتنے خوبصورت طریقے میں نبھاتی ہیں۔کہ میں تو حیران رہ جاتی ہوں''.....نادیہ بھابھی نے دل کھول کر بھابھی کی تعریف کی..... بابا آرام سے بولے بیٹی میرے بچے میری بہوئیں اس گھر کی رونق ہیں..... جیسے آج زرقانہیں ہے تو تم سب کو گھر خالی لگ رہا ہے۔ایسے ہی جب سعدیہ اور نادیہ نہیں ہوتی تو ہمیں گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔بیٹا ہر انسان کی اپنی جگہ ہوتی ہے اور اس کی وہ جگہ وہ مقام کوئی دوسرا کبھی بھی نہیں لے سکتا''..... بابا نے شاید سعدیہ بھابھی کے چہرے کی ناگواری کو محسوس کرتے ہوئے دومعنی بات کر کے صورت حال کوسنبھال لیا.....اور کھانے کے بعد۔احسن بھائی اپنے کمرے میں چلے گئے.....ہم لوگ تھوڑی دیر کے لیے لاؤنج میں بیٹھے۔سعدیہ بھابھی تو مریم کو لے کر پہلے ہی اپنے کمرے میں جا چکی تھی.....منیر بھائی' بابا' نعمان بھائی اور ابا بیٹھے تھے۔کسی زمین کے مسئلے پر بات کررہے تھے۔امی بھی تھکن کے باعث اپنے کمرے میں جا چکی تھیں''۔''میں نے اور نادیہ بھابھی نے سب کے لیے قہوہ بنایا اور انہیں دے کر میں نے بھابھی سے کہا بھابھی آپ بھی آرام کریں میں بھی جاتی ہوں۔کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو مجھے بلا لینا..... بھابھی نے مسکرا کر مجھے جانے کے لیے کہا۔اور خود اپنے کمرے میں چلی گئی۔میں نماز سے فارغ ہوکر بابا کے کمرے میں گئی تو بابا اپنے کمرے میں آچکے تھے..... میں تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھی.....وہ کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔''میں نے آہستہ سے پوچھا بابا آپ کافی پئیں گے۔میں احسن بھائی کے لیے بنانے جارہی ہوں..... بابا نے سوالیہ نظروں سے

میری طرف دیکھا۔ ''اس وقت کافی؟'' ''جی'' ''بابا'' ''وہ رات سونے سے پہلے کافی پیتے ہیں۔ اور بھابھی نے مجھے خاص طور پر کہا تھا کہ رات انہیں بنا کر دے دوں اب اس وقت بوا تو ہے نہیں اور آپ تو اچھی طرح سے جانتے ہیں ابا اور احسن بھائی اس معاملے میں کیسے ہیں'' ...... ''نہیں بیٹا جان آپ اسے بنا دو۔ میں بس اب سونے لگا ہوں ٹھیک ہے'' بابا آپ آرام کریں میں نے آگے ہو کر ان سے پیار لیا...... اور باہر آ گئی۔ کیچن میں کافی کا مگ تیار کر کے احسن بھائی کے کمرے تک جانا مجھے عذاب لگ رہا تھا...... مگر کرنا بھی تھا...... میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ تو کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے دوبارہ دستک دی تو احسن بھائی کی آواز آئی۔ ''آئیں پلیز دروازہ کھلا ہے'' ...... میں نے آرام سے دروازہ کھولا ...... تو وہ لیٹے ہوئے تھے...... احسن بھائی آپ کے لیے کافی ......؟ مگر میں نے تو تمہیں کافی کا نہیں کہا ...... تو میرے چہرے پر ایک رنگ آیا اور ایک گیا۔ تو اسی دوران زرقا بھابھی کی Call احسن بھائی کے فون پر آ گئی۔

'''''انا'' کافی لے کر آئی ہے۔ حالانکہ میں نے اسے کہا بھی نہیں تھا۔ پھر سب کے سامنے کہتی پھرے گی کہ زرقا بھابھی کی ہمت ہے جو مجھ جیسے انسان کے ساتھ رہتی ہے''۔ احسن بھائی نے بڑے کڑوے لہجے میں بھابھی کو میری شکایت لگائی۔ انہیں کھانے کی میز پر کہی میری وہ بات کچھ زیادہ بری لگ گئی تھی۔ جس کا مجھے اندازہ بھی نہیں تھا۔ مگر اس وقت میں کچھ نہیں کر سکتی تھی...... میں نے کافی کا مگ میز پر رکھ کر آرام سے پوچھا احسن بھائی اگر'' صبح آفس جانا ہے تو میں آپ کے کپڑے تیار کر دوں؟ ...... انہوں نے موبائل ابھی تک کان سے لگا رکھا تھا۔ ان کے جواب سے لگا کہ بھابھی نے کہا ہو گا۔ ہاں ہاں بیگم صاحبہ آپ کو میرے علاوہ اس دنیا کا ہر انسان بہت Sweet لگتا ہے'' ...... یہ لیں بات کریں۔ انہوں نے فون میری جانب بڑھا دیا ...... پھر زرقا بھابھی نے مجھے بڑے پیار سے کہا۔ ''Sorry'' ''انا'' تمہیں میری وجہ سے ان کی یہ بے رخی برداشت کرنی پڑ رہی ہے۔ یہ تمہیں بس تنگ کر رہے ہیں تم ان کی باتوں کو محسوس مت کرنا'' ...... '' نہیں بھابھی جان۔ میں انسان کہاں ہوں جو محسوس کروں''۔ اس بار چوٹ لگانے کی باری میری تھی۔ پھر بھابھی مجھے فون پر بتاتی رہی اور میں نے الماری سے احسن بھائی کے کپڑے۔ جوتے ...... وغیرہ نکال کر سامنے رکھ دیئے رومال وغیرہ سامنے سنگھار میز پر رکھنے لگی۔ تو مجھے وہاں جیسے ایک جھٹکا سا لگا ...... جو پرفیوم میں احسن بھائی کے لیے لائی تھی۔ وہ جہاں میں رکھ کر گئی تھی ابھی بھی ویسے ہی بند پڑی تھی۔ اس کی پیکنگ بھی نہیں کھولی گئی تھی۔ جانے کیوں میری آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے۔ میں نے جلدی سے رومال وہاں رکھنے اور بھابھی سے کہا بھابھی''

آپ Please احسن بھائی سے بات کرو۔ میں شاید کچن کی لائٹ آن چھوڑ آئی‘‘...... میں فون تیزی سے احسن بھائی کو دے کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ مجھے خود بھی اندازا نہیں تھا کہ مجھے احسن بھائی کی بے رخی کیوں بری لگی تھی...... سب نے میرے دیے تحفے کی اتنی تعریف کی۔ بس احسن بھائی۔ اور سعدیہ بھابھی نے ایسے کہا تھا۔ سعدیہ بھابھی کی تو عادت سے سب واقف تھے۔ مگر احسن بھائی کی یہ سختی۔ میں نے سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف چل رہی۔ کمرے میں جا کر میں نے فرحان کو Call کی اور اسے آج سارے دن کی روداد سنا دی۔ اور احسن بھائی کے رویے کے متعلق بھی بتایا...... اس نے بھی میری بات کی تائید کی اور ساتھ مجھے وہ اپنے اندر ہی کچھ الجھن میں ہوں اس لیے ان کا رویہ قدرے سخت ہے۔ کچھ دن بعد ٹھیک ہو جائیں گے۔ زرقا بھابھی سنبھال لیں گی۔ اگلے آنے والے چھ سات دن میری روٹین میں احسن بھائی کی بے رخی بھی شامل حال رہی۔ مگر میں زرقا بھابھی سے کیا وعدہ ذہین میں رکھے اپنا کام کرتی رہی...... تاکہ بھابھی کو کوئی شکایت نہ ہو...... کہ ان کی غیر موجودگی میں میں نے اس سے وعدہ خلافی کر دی...... مگر احسن بھائی کی سخت روی بدستور قائم تھی۔ جیسے اپنی اپنی جگہ بابا‘ اور امی نے بھی محسوس کیا تھا۔

میں تھوڑی دیر کے لیے احسن بھائی کی غیر موجودگی میں آفس جاتی تھی۔ کیونکہ جب تک نعمان بھائی اور منیر بھائی یہاں تھے آفس کے کام کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ فرحان آفس جایا کرتا اور شعیب صاحب کی مدد سے جو کام رہ گیا تھا میری غیر موجودگی میں اسے مکمل کرواتا تھا...... اس دن آفس سے گھر واپس گئی تو میری تو خوشی کی انتہا ہی نہیں زرقا بھابھی۔ آنٹی الماس۔ اور انکل بشیر موجود تھے۔ مجھے تو جیسے پر لگ گئے ہوں۔ ’’شکر ہے خدا کا بھابھی آپ واپس آ گئی آپ کے بنا تو میرا برا حال ہو چکا تھا۔ بے شک دیکھ لیں‘‘...... ’’بھابھی مجھے پیار کرتے ہوئے بولی۔ ہاں ’’انو‘‘ مجھے اندازہ ہے۔‘‘ ’’ہاں بیٹا جان‘‘ ’’انا‘‘ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے احسن کے نخرے اٹھانا کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔ مگر تمہاری غیر موجودگی میں اس نے میرے خیال کے مطابق تو شکایت کا موقع ہیں دیا۔ اب اندر کا حال تو احسن بتا سکتا ہے۔ یا پھر ’’انا‘‘ ’’نہیں‘‘ بابا۔ اب احسن بھائی اتنے بھی برے نہیں‘‘۔ تو سب ہنسنے لگے...... وہ دن تو جیسے میرے لیے چھٹی کا دن تھا۔ رات کھانے تک بابا نے آنٹی اور انکل کو روکے رکھا۔ رات کا کھانا کھا کر آنٹی اور انکل چلے گئے۔ اور مجھے ایک لفافے میں موجود رقم کی صورت میں مبارکباد بھی دے کر گئے تھے۔ بیٹا اپنی پسند سے کچھ لے لینا۔ جو میں نے بڑی اپنائیت سے لے لیا...... آج کھانے کے بعد کی میرے

سر پر کوئی ذمہ داری نہیں تھی اور میں بڑی Relax نعمان بھائی اور منیر بھائی سے باتیں کر رہی تھیں...... ''منیر بھائی ۔نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا کہ ''انو' بیٹے اب ہمیں اجازت کب دو گی واپس جانے کی۔ کیونکہ اس بار تو ہم خاص طور پر تمہارے لیے آئے ہیں۔ کہ ہماری بہن اپنی زندگی کی اتنی بڑی کامیابی ہم سب کے ساتھ منائے۔ اور ویسے بھی آپ نے کہا تو ہم آ گئے مگر اب سعدیہ کی بھی چھٹیاں کم رہ گئی ہیں۔ اور میری بھی۔ ہم سوچ رہے ہیں کہ ہفتے تک اپنی ٹکٹ وغیرہ کنفرم کرالیں...... میرے بولنے سے پہلے ہی زرقا بھابھی ہاتھ میں قہوے کی ٹرے لیے بول پڑی ابھی تو نہیں بھائی جان۔ ایک ہفتہ آپ سب لوگ میری وجہ سے پریشان رہے ابھی تو ہم نے کوئی تفریح وغیرہ بھی نہیں کی۔ اتنی دیر میں احسن بھائی وہی آ گئے میں سوچ رہی ہوں کہ کل یا پرسوں 2 تین روز کے لیے سب پکنک پر جاتے ہیں۔ بچے بھی آئے ہیں کیا سوچیں گے چاچی چچا کہیں لے کر بھی نہیں گئے۔ آج کل ویسے بھی برف باری ہو رہی ہے کسی پہاڑی مقام پر چلتے ہیں...... کیوں انا میں نے اچھل کر کہا Very good بھابھی...... بابا بھی ساتھ جائیں گے...... میں نے جلدی سے کہہ دیا۔ ٹھیک ہے نا۔ کیوں احسن آپ کی تو کوئی خاص مصروفیت نہیں نا؟...... آپ چار دن کی چھٹیاں لے لینا نا...... احسن بھائی نے مسکرا کر کہا۔ ان بیویوں کے پاس باتیں منوانے کے کتنے طریقے ہوتے ہیں...... ٹھیک ہے جناب جیسے آپ کا حکم......''

نعمان بھائی اور منیر بھائی نے احسن بھائی کی بات کی تائید کی۔ ہاں یار ٹھیک کہتے ہو ہم تو بس حکم کے غلام ہی بن کر رہ گئے ہیں: نادیہ بھابھی نے ایک دم سے بات کاٹی آہا' غلام تو دیکھیں ذرا اپنی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی اٹھانے نہیں دیتے اور اب غلامی کا گلہ کر رہے ہیں۔ آج تو سعدیہ بھابھی نے بھی گلا کر دیا...... ہاں تو اور کیا بس حکم صادر کیا پاکستان جانا ہے۔ تو چلو......! نہ میری کوئی مجبوری دیکھی اور نہ ہی ضرورت''۔ انہوں نے شکایت کرتے ہوئے کہا۔ اس پر زرقا بھابھی مسکرا کر بولی...... نہیں بھئی یہاں تو سلسلہ ذرا مختلف ہے...... ''مجھے تو احسن نے کبھی کسی بات سے نہ ٹوکا ہے۔ اور نہ ہی زبردستی کسی بات کو مسلط کیا ہے''۔ ''اور اگر میں کچھ کہہ دوں تو مان بھی لیتے ہیں...... احسن بھائی نے زرقا بھابھی کی طرف دیکھا''...... ''تو اس پر میں ایک دم سے بولی۔ بھابھی جان آپ نے کبھی موقع دیا ہو تو آپ کو روکیں ٹوکیں نا''...... !ہاں! یہ بات بھی ہے۔ نعمان بھائی نے میری بات کی تائید کرتے ہوئے شرارت سے کہا...... ''نادیہ بھابھی ایک دم سے بولی زرقا بھابھی آپ ہو ہی اتنی سویٹ آپ کی بات کوئی کیسے ٹال سکتا ہے''۔ کیوں احسن بھائی تو احسن بھائی نے مسکرا کر کہا۔ ''جی بالکل''...... ''مگر یہ حقیقت ہے کہ زرقا

بہت کم کوئی Demand کرتی ہے۔ وہ بھی شاید جہاں سب کی موجودگی ہو یا ضرورت ہو۔ اپنے لیے تو کوئی بحث نہیں کرتی ہے۔ اور نہ ہی میری خاموشی سے تنگ ہوتی تھی''...... احسن بھائی نے معنی خیز نظروں سے زرقا بھابھی کو دیکھا۔ تو انہوں نے شرما کر سر جھکا لیا...... اچھا بس کریں آپ سب کیسے باتیں کر رہے ہیں ہم پروگرام بنا رہے تھے۔ ویسے بھابھی ایک بار بتائیں۔ آج کل آپ کچھ زیادہ حسین نہیں ہوتی جا رہی۔ نادیہ بھابھی نے زرقا بھابھی کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آج کل آپ کے چہرے پر ایک نیا نکھار سا آ رہا ہے۔ ایک چمک سی...... ہے نا ''انا'' تو میں نے شرارت سے کہا محبت کا رنگ ہے بھابھی۔ خاص قسم کا رنگ ہے''۔ میں نے چیڑاتے ہوئے۔ نادیہ بھابھی کو آنکھ ماری اور زرقا بھابھی نے قریب پڑا کشن اٹھا کر میری طرف پھینک دیا۔ ''انو تم اپنی شرارتوں سے باز نہیں آؤ گی''...... میں نے مسکراتے ہوئے احسن بھائی کی طرف دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی نظر جھکا لی...... ''ہائے ''انا'' کیا کرتی ہو......

دیکھو تو دونوں شرما گئے نادیہ بھابھی نے زور سے قہقہہ لگایا''...... تو ہلکی سی مسکراہٹ سعدیہ بھابھی کے چہرے کو بھی چھوئی...... احسن بھائی نے سنجیدگی سے کہا۔'' آپ لوگ نے کہیں جانے کا پروگرام بنانا ہے یا میں یہاں سے اٹھ جاؤں''تو نعمان بھائی ایک دم سے بولے ہاں بھئی احسن ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یہ چھیڑ چھاڑ بعد میں پہلے پروگرام بناؤ......

تو طے یہ پایا کہ کل صبح ہم سب سوات جائیں گے۔ صبح کیسے اس سے اگلے روز چلتے ہیں میں نے کہا''۔ نہیں صبح ہی جائیں گے احسن بھائی نے ایک دم سے غصے میں میری بات کو ٹوک دیا''۔ تو میں خاموش ہو گئی۔ منیر بھائی نے احسن بھائی کو ٹوکا۔'' تمہارا مسئلہ کیا ہے''۔ ہر وقت اس بیچاری پر رعب جھاڑتے رہتے ہو''...... میری آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے تھے...... میں بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا...... ٹھیک ہے۔ صبح امی اور ''ابا'' کو بھی تیار کرتے ہیں'' بلکہ انو'' تم فرحان کو پوچھو'' وہ سب بھی چلیں زرقا بھابھی نے ایک نئی تجویز پیش کی۔ بلکہ اپنا فون مجھے دو میں اسے کہتی ہوں''۔ سب چلتے ہیں۔ امی ابو کی طبیعت ٹھیک ہوتی تو انہیں بھی کہتی مگر نہیں اتنی دور نہیں لے کر جاتے۔ انہوں نے خود ہی ان کا پروگرام مسترد کر دیا۔ انہوں نے میرے فون سے فرحان کو کال ملائی تو اس نے فون جانے کیا کہا۔ کہ بھابھی نے جواب میں اسے کہا'' Best friend نہیں تمہاری بھابھی بول رہی ہوں ہر وقت Best friend ہی دماغ پر چھائی رہتی ہے''...... اچھا سنو' چھوڑو سوری وغیرہ کو۔'' انکل آنٹی گھر پر ہیں''......؟

اچھا تو ان کی کوئی مصروفیت تو نہیں ہے۔'' ان تین چار دنوں میں اچھا وری گڈ...... تو

پھر تم نے یوں کرنا ہے کہ کل اپنی گاڑی۔ انکل اور آنٹی کو لے کر 2 چار جوڑے کپڑوں کے رکھنے ہیں اور ہماری طرف آ جانا ہے۔ ہم سب لوگ جا رہے ہیں آؤٹنگ کا پروگرام ہے۔ اور مجھے کوئی اگر مگر نہیں سننی۔ انکل آنٹی کو لے کر آنا...... Ok کل ملتے ہیں''۔ بارہ بجے تک پہنچ جانا...... Bye...... بھابھی نے اس کے سننے بغیر فون بند کر کے میری طرف اچھال دیا...... چلیں احسن آپ جائیں اور امی اور ابو کو تیار کر لیں اٹھیں...... جلدی کریں...... جائیں نا...... اٹھیں پھر وہ سو جائیں گے۔ بلکہ نادیہ تم بھی جاؤ ساتھ بھابھی نے احسن بھائی کو بازو سے پکڑ کر کھینچا...... نعمان بھائی بولے''۔ اٹھ جاؤ یار یہ نہ ہو کہ باز و تمہاری یہاں ہو اور تم خود کہیں اور انہوں نے زرقا بھابھی کو چھیڑتے ہوئے کہا''۔ احسن بھائی ہنستے ہوئے اٹھے۔''امی ابو کے پاس نادیہ بھابھی اور احسن بھائی گئے''۔ اور تھوڑی دیر بعد۔ نادیہ بھابھی کے چہرے کی مسکراہٹ سے بات واضح تھی۔ کہ وہ مان چکے ہیں۔ اور کچھ''بیگم صاحبہ؟'' بھائی نے بھابھی کے سامنے جھکتے ہوئے کہا...... نہیں بس ابھی کے لیے اتنا ہی۔ بھابھی نے شرماتے ہوئے بھائی کو جواب دیا...... ''''انو'' اٹھو اور بابا کو جا کر تم تیار کرو۔ پھر ہم نے تیاری بھی کرنی ہے نا...... اٹھو جلدی جاؤ''۔ میں اٹھی بابا کے کمرے میں گئی۔ میں نے بابا کو سارا پروگرام بتایا...... تو بابا کچھ دیر کے لیے رکے۔ اور پھر میرے ساتھ نیچے آ گئے وہاں لاؤنج میں سب بیٹھے تھے۔ بابا کو دیکھ کر سب سیدھے ہو کر ادب سے بیٹھ گئے۔ ہاں بھئی بچوں کیا پروگرام بنایا جا رہا ہے۔ ہم سے چھپ کر۔''تو زرقا بھابھی نے کہا بابا چھٹیاں بھی ہیں اور ہم سب بھی کافی عرصے سے کہیں اکٹھے نہیں گئے۔ اور یہ پچھلا ہفتہ میری وجہ سے گھر میں کافی پریشانی بھی رہی تو میں نے سوچا کہ ہم سب چلتے ہیں کہیں 2 تین روز کے لیے سب کی آؤٹنگ بھی ہو جائے گی اور احسن کی بھی تھوڑی اسی بہانے Rest ہو جائے گی''...... بابا نے خاموشی سے ساری بات سنی پھر بولے کہاں جانا کیا ہے......

سوات کا پروگرام بنایا ہے بابا...... کیسے جاؤ گے؟...... اپنی اپنی گاڑیوں میں بابا جیسے ہمیشہ جاتے ہیں ہیں...... ہاں ٹھیک ہے مگر احسن کی گاڑی محبوب چلائے گا۔ اور میری گاڑی ''انا'' سب نے حیرت سے دیکھا...... احسن بھائی نے شرمندگی سے گردن جھکا لی۔ احسن بھائی کی شرمندگی کو سب نے محسوس کیا مگر بولا کوئی بھی نہیں...... بچوں آپ لوگ پروگرام تو بنا رہے ہو۔ مگر جانے کیوں مجھے کچھ پشیمانی۔ کچھ گھبراہٹ سی ہے۔ بابا نے کچھ الجھے لہجے میں کہا۔ بابا کی بات میں اور زرقا بھابھی سمجھ چکے تھے زرقا بھابھی میری طرف دیکھ کر بولی۔''اسی لیے بابا کہہ رہی ہوں۔ تھوڑی آؤٹنگ ہو جائے گا۔ آپ کا بھی دل بہل جائے گا۔ امی ابو بھی تیار ہیں اور میں نے

فرحان اور راشد انکل وغیرہ کو بھی کل آنے کا کہہ دیا ہے۔ بابا کچھ نہیں ہوگا آپ وہم نے کریں۔ بابا نے ایک نظر زرقا بھابھی کو دیکھا''۔ اور پھر کچھ دیر بعد بولے ٹھیک ہے۔ ''جیسے آپ بچوں کی مرضی۔ چلتے ہیں۔ اللہ مالک ہے''...... بابا یہ کہہ کر اٹھے اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑے بابا کی بات جانے کیوں ہزار خدشات میرے دل میں پیدا کر گئی۔ مگر میں بھی خاموش رہی تو بس ڈن ہوگیا۔ ''نعمان بھائی تیزی سے اٹھے...... اور نادیہ بھابھی سے کہا کہ بھئی تیاری کر لو اب سب لوگ اپنی اپنی......

اگلا دن اپنے معمول کے مطابق ہی شروع ہوا۔ مگر آج نماز کے بعد میں نے بابا کے اور اپنے دل کی تسلی کے لیے اللہ سے دعا مانگی...... میں اپنا بیگ وغیرہ تیار کر کے رکھ چکی تھی۔ اور میں نے اپنا کیمرے کا بیگ بھی ساتھ رکھا۔

میں اپنے کمرے سے نکل کر بابا کے کمرے میں گئی تو وہ کچھ پریشان تھے۔ میں نے جا کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا...... ''بابا کیوں پریشان ہیں آپ''...... میں نے بابا سے پوچھا۔ ''جانے کیوں بیٹا ایک انجانا سا خوف ہے جو دل کو کھائے جا رہا ہے۔ بابا فکر نہ کریں۔ آپ بھی تو ساتھ ہیں نا۔ بعض اوقات ایسے ہی محض خیال ہوتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں''۔ میں آپ کے کپڑے وغیرہ رکھ لیتی ہوں میں نے بابا کی ضرورت کی چیزیں اور کپڑے ایک چھوٹے سوٹ کیس نما بیگ میں رکھ لیے اور ان کی تمام دوائیں اپنے ہینڈ بیگ میں ڈال لیں تھیں میں بابا کو لے کر ہی نیچے گئی۔ اور محبوب چچا سے کہا کہ ملازم کو ساتھ لے جائیں اور اوپر سے سامان اتار لیں...... ہم سب نے ناشتہ اکٹھے کیا تھا۔ اور سب اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف تھے۔ میں نے فرحان کو فون کیا ناشتے کے میز پر بیٹھے ہی اچانک مجھے یاد آیا فرحان اپنے کیمرے کی Rechargeable بیٹری لے آنا...... یاد سے بھولنا نہیں...... زرقا بھابھی بھی تیز تیز تیاریوں میں مصروف تھیں۔ ہم سب نے ناشتہ کیا اور زرقا بھابھی بوا کو تمام ہدایات دے رہی تھیں۔ سب لوگ تیار تھے۔ اور اپنی اپنی گاڑیوں کو چیک کر رہے تھے۔ بابا بھی باہر لان میں جا چکے تھے۔ ویسے تو محبوب چچا کے ہوتے ہوئے تو یہ بات ناممکن تھی کہ کسی گاڑی کا کوئی کام ادھورا ہو یا نہ ہوا ہو...... مگر بابا کی ہدایات پر سب نے اپنی اپنی گاڑیاں دوبارہ چیک کی...... احسن بھائی بھی اپنی گاڑی دیکھ رہے تھے۔ بابا احسن بھائی کے پاس چلے گئے۔ اور ان کے ساتھ ہو کر ان کی گاڑی کے ٹائر وغیرہ کی ہوا خود ہاتھ لگا کر دیکھ رہے تھے۔ سب باہر تھے۔ مگر زرقا بھابھی نظر نہیں آرہی تھیں۔ امی اندر سے آرہی تھیں میں نے ان سے پوچھا۔ ''بھابھی کہاں ہے؟۔ امی نے بتایا اپنے کمرے میں ہی

ہے...... میں ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی...... دروازہ کھولا تو بھابھی تیز تیز کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔

اور احسن بھائی کے کپڑے الماری میں لگا رہی تھیں۔ ''بھابھی آپ کن چکروں میں مصروف ہیں انا ساری چیزیں سمیٹ لوں'' ...... ''واپسی پر تھکن اتنی ہوتی ہے کہ ہمت نہیں ہوتی اور پھر احسن تو بکھری چیزیں سخت ناپسند ہیں۔ واپس آئیں گے تو غصہ کریں گے۔ چیزیں سمیٹ رہیں گئی۔ کیونکہ انہوں نے آتے ہی نہانا ہوتا ہے۔ ان کا سلپنگ سوٹ بھی سامنے لگا دیتی ہوں۔ کہ آتے ساتھ شور مچا دیں''۔ اوہو بھابھی ابھی تو چار دن بعد آنا ہے۔ آپ تو ایسے کر رہی ہو کہ وہ ابھی آنے والے ہیں۔ نہیں ''انو'' پھر مشکل ہو جاتی ہے۔ اور اب تو مجھے بھی ان کے ساتھ رہتے عادت ہوگئی ہے ہر چیز اپنی جگہ پر ہوتا کہ واپس آ کر کچھ الجھن نہ ہو'' ...... بھابھی نے ایک ایک چیز اپنی جگہ پر رکھی ...... اور پھر اپنی شادی کی تصویر کو اپنے ڈوپٹے سے پونچھ کر ٹیبل پر صحیح کر کے رکھا۔ اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا۔'' اور کہا چلو: فرحان وغیرہ آئے کہ نہیں''؟۔ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بھابھی نے ایک آخری جائزہ لیا ...... میں نے بھابھی کو بازو سے پکڑ کر کھینچا بھابھی چلیں اب کمرہ ٹھیک ہے آپ کا! میں نے الجھتے ہوئے انہیں باہر کھینچا۔ اور جاتے جاتے بوا کو سمجھا رہی تھیں ...... باہر گئے تو فرحان وغیرہ بھی سب آ چکے تھے ...... ہم سب گاڑیوں میں بیٹھے ...... تو بوا نے ایک دم سے کہا۔ ''آپ لوگوں نے میرے ہاتھ پاؤں پھلا رکھے تھے۔ میں نے نظر بھی نہیں اتاری سب کی''۔ تو امی ے بوا کو تسلی دی بوا فکر نہیں بس دعا کریں۔ بوا نے کچھ پڑھ کر سب پر پھونک دیا۔ زرقا بھابھی فرحان کو ملنے میں مصروف تھیں۔ سب نے اپنا اپنا سامان اپنی گاڑیوں میں رکھا ...... اور سب اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے۔ مگر ترتیب وہی تھی۔ سب سے آگے ابا کی گاڑی اور سب سے پیچھے بابا کی گاڑی ...... میں نے گاڑی ڈرائیو کرنا تھی۔ اس لیے میں نے اپنی گاڑی ہی نکالی بابا کی مرسڈیز گھر پر ہی تھی۔

ہم سڑک پر تھے کہ فرحان کی Call میرے موبائل پر آئی۔ میں نے بابا ساتھ تھے اس لیے اپنے موبائل کے ساتھ Hands free لگا لی تھی۔ میں نے Call ریسو کی۔ تو اس نے پوچھا ''انا'' ''تم گاڑی ڈرائیور کر رہی ہو۔ محبوب چچا کہا ہے۔ وہ احسن بھائی کی گاڑی ڈرائیو کر رہے ہیں ...... بابا نے کہا ہے''۔ اچھا اس کی گاڑی نعمان بھائی کی گاڑی سے آگے تھی۔ س نے ایک طرف اپنی گاڑی روکی ...... تو راشد انکل نے وہ گاڑی Drive کی ...... اور فرحان بھاگتا ہوا میری گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا ...... اس نے مجھے گاڑی روکنے کا کہا ...... میں نے گاڑی روکی تو

اس نے مجھے گاڑی سے ہٹا کر خود گاڑی ڈرائیو کی...... گاڑی میں بیٹھتے ساتھ ہی بولا ''مجھے میرے بابا کی زندگی بہت عزیز ہے۔ میں کوئی Risk نہیں لینا چاہتا''۔ بابا اس کی نوک جھونک پر ہنسنے لگے...... بیٹا تمہاری گاڑی جی وہ ڈیڈی چلا رہے ہیں۔ اور پھر تمام سفر ایسے ہی گزرا راستے میں ہم ایک دوسرے کو فون پر رستے کا بتا دیتے اور جو اچھی جگہ نظر آتی وہاں اتر کر میں سب کی تصویریں بناتی...... احسن بھائی اور زرقا بھابھی کی تو میں نے بہت ساری تصویریں بنائی اور مریم تو ہر تصویر میں بیچ میں گھستی جاتی تھی...... ہم سب نے بہت انجوائے کیا...... فرحان نے کئی جگہ مجھ سے کیمرہ لے کر ہماری تصویریں بنائی۔ اسے معلوم تھا کہ احسن بھائی مجھ سے خفا تھے...... اس لیے اس نے زرقا بھابھی کے اور احسن بھائی کے ساتھ مجھے زبردستی کھڑے کر کے تصویریں وغیرہ بنائیں...... ساتھ ساتھ میں راستے میں مووی بھی بناتی جاتی...... بیچ میں سیبوں کے باغوں میں بھی ہم نے تصویریں بنائی...... ہم رات تقریباً 8 بجے تک ریسٹ ہاؤس میں پہنچتے تھے۔ احسن بھائی نے ایک پورا ریسٹ ہاؤس بک کروا رکھا تھا۔ اور وہاں دریا کے کنارے پر ہی ہمارا ریسٹ ہاؤس تھا...... اور اس دریا کے پانی کی آواز ہمارے کمروں میں آتی تھی۔ ہم لوگوں نے سب نے کچھ دیر سفر کی تھکان اتاری۔ باہر کافی زیادہ سردی تھی۔ اور کہیں کہیں برف بھی پڑی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود احسن بھائی نے کھانے کا تمام انتظام باہر لان میں ہی کروایا تھا۔ اور جہاں ہم نے بیٹھنا تھا وہاں چاروں کونوں میں بھی آگ جلائی گئی تھی اور بیچ میں بھی بہت خوبصورت انتظام کیا گیا تھا۔ ہم سب وہاں آگ کے قریب ہو کر بیٹھ گئے۔ احسن بھائی زرقا بھابھی کے ساتھ تھے۔ سب کپل کپل بیٹھے تھے اور بہت انجوائے کر رہے تھے۔ بابا کے چہرے کی فکر بھی اب قدرے کم تھی۔ پھر ااور انکل راشد اٹھ کر بابا کے پاس آ گئے۔ اور میں اور فرحان نعمان بھائی کے پاس جا بیٹھے۔ انجان جگہ تھی تھکن کے باوجود نیند کا آنا تو محال تھا...... اس لیے ہم سب خوش گپوں چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھے۔ میں نے تو ایک لمحے کے لیے بھی مویوی کیمرہ بند نہیں کیا تھا...... باری باری سب کی مووی بناتی جاتی...... کیونکہ مجھے پتہ تھا۔ نعمان بھائی اور راشد بھائی اب جائیں گے تو پھر دو سال تک ان کا چہرہ دیکھنے کو ترس جاؤں گی۔ مگر اس بار تو قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا...... محبوب چچا ایک کونے میں اپنی چادر میں خود کو چھپائے بیٹھے تھے۔ فرحان اٹھا اور انہیں زبردستی سب کے پاس لے آیا...... ''محبوب چچا کیوں ہمیں بوا سے پٹوانا ہے۔ انہیں پتہ چلا کہ آپ ایسے علیحدہ بیٹھے ہو تو ہم سب کو گھر سے پکڑ کر باہر نکال دیں گی زرقا بھابھی نے محبوب چچا کو چھیڑتے ہوئے کہا''۔ تو محبوب چچا چادر میں منہ چھپاتے ہوئے دھیرے سے بولے ''اونہ کرو جی'' اور وہ

اپنے مخصوص انداز میں شرمانے لگے۔ بڑے سب اٹھ کر اندر جا چکے تھے۔فرحان نے میرے ہاتھ سے کیمرہ لے لیا۔اور خود مووی بنانے لگا......

میں نے کئی بار سنا تھا۔کہ خوشی کے لمحے بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور یہ بہت جلدی سے گزر بھی جاتے ہیں...... ایسے جیسے آنکھ جھپکی اور پل غائب ہم سب کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا......ہم سب تقریباً 2 ڈھائی سال بعد ایسے آؤٹنگ پر نکلے تھے۔دوسرے دن صبح ہمارا پروگرام سامنے پہاڑ پر بنی آبشار پر جانے کا تھا۔مگر صبح گائیڈ سے پتہ چلا کہ ہم پہاڑ کی اونچائی تک نہیں جا سکتے بس نیچے دریا تک ہی پہنچنا ممکن ہے کیونکہ برف کی وجہ سے اوپر کے تمام راستے بند ہیں اور اس موسم میں کوئی گائیڈ اوپر جانے میں ہماری رہنمائی نہیں کرسکتا...... وہ نیچے دریا تک کا سفر بھی پیدل ہی کرنا ہے۔تو بڑے تو ہوٹل میں ہی رکے مگر ہم سب پیدل ہی چل پڑے۔سب سے آگے فرحان ہی تھا...... جو ہمارے گائیڈ کے فرائض سرانجام دے رہا تھا......ایک چھوٹی سی لکڑی کی پک ڈنڈی تک ہم پہنچے تو سعدیہ بھابھی اور نادیہ بھابھی نے آگے جانے سے انکار کر دیا......

میں زرقا بھابھی فرحان اور نعمان بھائی آگے تھے۔ پھر فرحان پھر زرقا بھابھی اور پھر احسن بھائی میں سب سے پیچھے تھے کیونکہ میں ان سب کی ویڈیو بنا رہی تھی...... ایک لکڑی کا پل سا آیا۔ جہاں سے سب آرام آرام سے جا رہے تھے میں نے رک کر سب کی مووی بنائی۔اور فرحان اپنے کیمرے سے تصویریں بنا رہا تھا......تقریباً دس مٹ کا وہ لکڑی کا پل تھا۔جب میری باری آئی تو فرحان پل کی دوسری طرف تھا......نعمان بھائی اور زرقا بھابھی بھی پل کراس کر کے جا چکے تھے۔اور احسن بھائی پل کے درمیان میں تھے۔میں پل کے قریب جا کر رک گئی......اس پل کے نیچے دریا ٹھاٹھیں مارتا بہہ رہا تھا...... احسن بھائی اپنے خیال میں جا رہے تھے۔کہ فرحان کی آواز آئی۔"احسن بھائی "انا" کو ساتھ لے آئیں"۔اس نے اونچی آواز میں کہا۔تو احسن بھائی نے مڑ کر دیکھا...... میں پل کی اس جانب رکی تھی۔میں نے وہی سے کہا نہیں بھائی آپ جاؤ۔ مجھے نہیں آنا...... میں نے اپنے قدم پیچھے کر لیے......"نہیں نہیں احسن بھائی اسے لے آئیں۔وہ ڈرتی ہے اونچائی سے اکیلے نہیں آسکے گی میں نے وہی کھڑے فرحان کو گھورا تو زرقا بھابھی بولی احسن "انا" کو ساتھ لے آئیں...... احسن بھائی آدھے راستے سے واپس آ گئے...... میرے قریب پہنچ کر انہوں نے کہا۔ہیلو

میں نے کہا نہیں احسن بھائی آپ جاؤ...... مجھے نہیں جانا......انا آ جاؤ کچھ نہیں ہوتا۔ فرحان وہاں سے بضد تھا مجھے بلانے میں احسن بھائی نے میرے ہاتھ سے کیمرہ لے کر اپنے

کندھے سے لٹکا لیا اور قدرے سخت لہجے میں بولے۔ ''تمہارے لیے اب ہیلی کا پٹر لانے سے تو رہا!'' چلو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا...... اور کچھ دیر کے لیے رک سے گئے...... پھر انہوں نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا...... میرے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر انہیں شاید مجھ پر ترس آ گیا ہوگا۔ نیچے پانی کی طرف مت دیکھنا۔ سامنے دیکھو جہاں زرقا اور فرحان کھڑے ہیں...... یقین کرو تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا'' ...... ان کے لہجے میں سختی کے ساتھ ساتھ ایک اپنائیت کی بھی تھی۔ یہ کہہ کر انہوں نے میرے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کر لی...... اور پل پر چلنے لگے میں ڈر کی وجہ سے ذرا آہستہ چل رہی تھی...... مگر اس لمحے مجھے جانے کیوں ایک انجانے سے تحفظ کا احساس ہوا تھا...... شاید احسن بھائی کا یقین تھا جس نے مجھے اطمینان کا احساس دلایا۔ ہم نے وہ پل پار کر کے ان کے پاس پہنچ گئے۔ زرقا بھابھی بولی۔ ''ڈرپوک'' ...... تو فرحان ایک دم سے میری صفائی میں بولا۔ نہیں بھابھی ''ڈرپوک تو نہیں ہے۔ بزدل ہے۔ اونچائی سے ڈرتی ہے...... اونچائی کا خوف ہے اسے'' ...... تو بھابھی نے ایک شرارت بھری نظر سے فرحان کو دیکھا۔ ''تمہیں بڑا پتہ ہے اس کا...... تو وہ کچھ زچ سا ہو گیا'' ...... پھر اپنے مخصوص شرارتی انداز میں ''بولا پتہ کیوں نہ ہو''۔ آخر میری Best friend جو ہے۔ لندن اور دوبئ میں بھی ایسی کوئی جگہ ہوتی تو بنا سہارے کے اس کے لیے Problam ہو جایا کرتی تھی۔ مگر اتنا بتا دوں یہ ڈرپوک نہیں۔ بہت بہادر ہے۔ بس کبھی کبھی خوف زدہ ہو جاتی ہے''۔ ہم نے وہاں پر کی تصویریں اور مووی وغیرہ بنائی۔ کچھ اضافی تصویریں اور Clips ہم نے Record کر لیے تھے جو کہیں نہ کہیں ہمارے کسی Project میں ہمارے کام آ سکتے تھے۔ واپسی پر بھی وہی سے گزرنا تھا اس لیے میں نے پہلے ہی نعمان بھائی کا ہاتھ پکڑ یا تھا...... ''اور ہم واپس آ گئے۔

ہمیں وہاں تیسرا روز تھا...... اور رات کھانے پر بابا نے کہا بچوں واپسی کا کیا پروگرام ہے۔ میرے خیال سے صبح واپسی کر لیتے ہیں تین روز ہو چکے ہیں۔ کل احسن کی چھٹی ہے ایک دن گھر ہی ریسٹ کرے گا''۔ ''ساتھ ہی انکل راشد بولے جی بھائی صاحب میری بھی پرسوں کی فلائٹ سے سینگا پور جانا ہے۔ مگر اگر آپ لوگوں کا یہاں رکنے کا پروگرام ہو تو شوق سے رکیں۔ میں اور صائمہ ہم واپس چلیں جائیں گے''۔ ''نہیں راشد میاں اکٹھے آئیں ہیں اکٹھے جائیں گے۔ کیوں بچوں تو ٹھیک ہے بابا جان جیسے آپ کی مرضی'' ...... لیکن ایک بات صبح جلدی نکلنا ہے۔ ''تم لوگوں کو پتہ ہے کہ میں رات کے سفر کے خلاف ہوں اس لیے صبح دس بجے تک یہاں سے روانگی ہو جائے تو بہتر ہے تا کہ ہم عصر تک یا کم از کم مغرب سے پہلے اپنے گھروں کو پہنچ

جائیں''۔اس بات کی تائید ابا نے بھی کی..... چنانچہ ہم نے رات کو اپنی روانگی کی تیاری کر لی تھی..... مگر وہ رات ہم سب نے پہلی رات کی طرح باہر لان میں آگ سیکتے اور گپیں لڑاتے گزاری تھی..... اچانک فرحان کو ایک شرارت سوجھی..... ''بھائی یہاں پر ماشااللہ تین خوبصورت کپل بیٹھے ہیں۔

''2 خوبصورت کپل تو اندر تشریف لے جا چکے ہیں۔اگر وہ یہاں ہوتے تو ان کے بھی خیالات سے آگاہی ہو جاتی..... آج یہ تینوں کپل اپنے اپنے ساتھی کے متعلق ایک ایک پیغام دیں یا کوئی وعدہ کر لیں''..... اچھا ایسے کرتے ہیں کہ سب سے پہلے میں اور''انا'' کیونکہ ہم لوگ بھی اس وقت کپل ہی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہم غیر شادی شدہ دوستی کا کپل (جوڑا) کہلاتے ہیں۔تو میں آج انا سے وعدہ کرتا ہوں۔کہ میں'''انا'' کا ہر برے' اچھے' خوشی' غم..... ہر حال میں ساتھ دوں گا۔ایک دوست' ایک ہمدرد' کی طرح اس وقت تک جب تک میری زندگی ہے''.....جی مس آپ کا میرے بارے میں کیا خیال ہے۔میں کچھ سوچتے ہوئے بولی..... میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ آج کے بعد تمہیں کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔اور جو غلطیاں میں پہلے کر چکی ہوں وہ دوبارہ کبھی بھی نہیں دوہراؤں گی جب تک میری زندگی ہے''۔تو سب نے ہمارے لیے تالیاں بجائیں۔لیجئے جی Demo تو ہم نے دے دیا۔اب آپ سب کی باری!

اب منیر بھائی کی باری ہے..... بھائی صاحب آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔منیر بھائی نے سعدیہ بھابھی کی طرف دیکھا اور ایک دم سے بولے۔''I love you,......And...... Its mean for ever......تو نعمان بھائی نے اونچی سی سیٹی بجائی......سعدیہ بھابھی کچھ شرما سی گئی......''واہ بھائی مزا آ گیا''...... احسن بھائی نے تالیاں بجاتے ہوئے کہا......اب بھابھی جان آپ کی باری ہے''...... بھابھی اپنے سرخ رنگت کے ساتھ کہا......میں منیر سے اچھی ڈاکٹر کبھی بھی نہیں بن سکتی......اور آج میں اس بات کا اعتراف کرتی ہوں''......سب نے تالیاں بجائی اور زرقا بھابھی نے بھابھی کو بیٹھے بیٹھے گلے سے لگا لیا......!جی نعمان بھائی......آپ کیا کہنا چاہتے ہیں......نعمان بھائی با قاعدہ کھڑے ہوئے اور جھک کر نادیہ بھابھی کے سامنے ڈرامائی انداز میں بولے۔''میں آج اپنی شریک حیات سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہمیشہ گھر جلدی آیا کروں گا۔اور اسے اس بات پر لڑنے کا موقع کبھی نہیں دوں گا''......ایک بار پھر شور ہوا......اور نادیہ بھابھی نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا......''اس سے بڑی بات تو میرے لئے اور کچھ ہو بھی نہیں سکتی......اور میں ان سے وعدہ کرتی ہوں کہ آج کے بعد جب یہ میچ دیکھ رہے ہوں گے تو میں

ان کو کبھی تنگ نہیں کروں گی۔اور نہ ہی چھٹی والے دن کبھی بازار جانے کی ضد کیا کروں گی۔ I Promiss''۔نعمان، تو نعمان بھائی نے ہاتھ اوپر اٹھا کر ہرے کا نعرہ لگایا...... اب تو موجیں ہو گئی ہماری اینڈ This credit goes to farhan...... ''ہاں جی......'' احسن بھائی آپ اپنی زوجہ محترمہ سے کیا کہنا چاہتے ہیں...... احسن بھائی کچھ سوچتے ہوئے بولے...... میں آج کوئی وعدہ کرنا نہیں بلکہ لینا چاہتا ہوں کیا زرقا سوچے بنا مجھ پر اعتبار کر کے مجھ سے وعدہ کریں گی''؟...... بھابھی نے حیرت سے احسن بھائی کی طرف دیکھا...... ''اوہو۔ یہاں تو دینے کے لینے پڑ گئے بھابھی جان سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا...... یہ نہ ہو کہ کچھ ایسا مانگ لیں جو آپ نہ دے سکو۔فرحان نے تنبیہی کے انداز میں چھیڑتے ہوئے کہا''۔''تو بھابھی نے شرماتے ہوئے لہجے میں کہا۔ جب اپنی زندگی ان کو دیتے ہوئے نہیں سوچا تھا۔تو اب وعدہ کرتے ہوئے کیا سوچنا...... وعدہ! آپ جو چاہتے وہ کہہ دیجئے''...... احسن بھائی۔ کچھ توقف کے بعد بھابھی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولے!......

''زرقا اگر مجھے زندگی میں کبھی کچھ ہو جائے۔اور میں تم سے کسی بھی وجہ سے جدا ہو جاؤں تو تم میری یادوں کو اپنی زندگی کی زنجیر نہیں بناؤ گی۔اور اگر زندگی میں کوئی ایسا دامن یا ہاتھ تمہارے لیے آگے بڑھا جو تمہیں محبت۔اعتبار۔اور خلوص دے گا تو تم اس ہاتھ کو نہیں جھٹکو گی''......تو زرقا بھابھی ایکدم سے پتھر کی ہو گئی...... ہم سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔مکمل سناٹا تھا...... مجھے بھی جیسے ایک جھٹکا سا لگا۔اور بابا کے الفاظ جیسے میری جسم میں ایک کرنٹ کی طرح ڈور گئے تھے۔''احسن بھائی...... میرے منہ سے اچانک نکلا...... میری آواز پر زرقا بھابھی نے میری طرف دیکھا اور ان کی آنکھوں سے دو موتی ان کے گالوں پر چمکنے لگے......احسن! بھابھی نے سوالیہ نظروں سے پہلے مجھے اور پھر احسن بھائی کو دیکھا...... شاید بھابھی بھی اسی کیفیت سے گزری تھیں جس میں سے میں گزر رہی تھی...... احسن کیسی باتیں کرتے ہیں آپ! فضول باتیں مت کریں''۔زرقا بھابھی نے اپنا ہاتھ غصے سے چھڑا لیا......تو احسن بھائی نے آگے بڑھ کر پھر زرقا بھابھی کا ہاتھ پکڑ لیا...... زرقا تم وعدہ خلافی کر رہی ہو...... تم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم مانو گی جو میں کہوں گا وہ مانو گی...... اور آج تمہیں سب کے سامنے میری یہ بات ماننی ہو گی''......

اور آپ سب لوگ میری اس بات کے گواہ رہو گے'' اس بار منیر بھائی اور نعمان بھائی کے چہرے پر بھی کچھ تشویش کے سے اثرات تھے۔''منیر بھائی تیزی سے بولے احسن کیا بے وقوفی ہے۔ مت تنگ کرواسے، نہیں بھائی...... اسے یہ وعدہ کرنا ہو گا مجھے ابھی اور اسی وقت اس نے مجھے اپنی

زندگی دی۔ میری ہر اچھی بری بات کو برداشت کیا۔ میری غلطیوں کو درگزر کیا۔ اور آج مجھ سے ایک وعدہ کر کے یہ مکر نہیں سکتی۔ وعدہ تو تم کر چکی ہو بس اس کی تائید بھی کرو زرقا‘......اور فرحان یہ Recording تم ہمیشہ Save رکھو گے۔ گواہی کے طور پر احسن بھائی کے چہرے پر عجیب طرح کے تاثرات تھے‘‘......جنہیں سمجھنے سے ہم سب قاصر تھے۔ زرقا بھابھی کا چہرہ آنسوؤں سے بھر چکا تھا۔ اور وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی مسلسل کوشش کر رہی تھیں......’’احسن Please میرا ہاتھ چھوڑ دیں اور بند کریں اپنی فضول باتیں احسن بھائی نے مزید اپنی گرفت بھابھی کے ہاتھ پر مزید مضبوط کر دی......’’بولو زرقا۔ زرقا بھابھی نے التجائیہ نظروں سے میری طرف دیکھا...... جیسے مجھے کہہ رہی ہوں کہ کچھ کرو...... میں اٹھ کر احسن بھائی کے پاس گئی اور انہیں کندھے سے پکڑ کر ہلکا سا جھنجوڑا‘‘......احسن بھائی ہوش کریں آپ کو پتہ ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں......تو انہوں نے غصے سے بھری نظروں سے مڑ کر میری طرف دیکھا......میرے خیال سے یہ میرا اور میری بیوی کا مسئلہ ہے تمہیں بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں سمجھی تم...... میں حیرت زدہ ہو کر ایک قدم پیچھے ہو چکی تھی......فرحان کی طرف دیکھا......تو اسے نے مجھے خاموش رہنے اشارہ کیا...... میرا اترا چہرہ دیکھ کر زرقا بھابھی نے ایک دم سے کہا، ٹھیک ہے۔ تو آپ کو بھی مجھ سے وعدہ کرنا ہو گا کہ اگر مجھ پر کوئی ایسا وقت آئے گا تو آپ بھی اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کر لیں گے۔ اگر آپ کے پاس کوئی ہمدرد ہاتھ آیا تو آپ بھی اسے نہیں جھٹکیں گے۔ بھابھی کے لہجے میں کڑواہٹ اور غصہ تھا اور آنکھوں سے مسلسل آنسو رواں تھے۔ احسن بھائی نے زرقا بھابھی کو گھورا......کیوں اب کیوں خاموش ہو گئے آپ مجھ سے یہ وعدہ کریں تو میں بھی آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ جیسا آپ نے کہا ویسا ہی کروں گی۔ اور آپ کو بھی ایسا ہی کرنا پڑے گا جیسا میں کہہ رہی ہوں......احسن بھائی خاموش رہے......زرقا بھابھی نے دوسرے ہاتھ سے احسن بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بتائیں احسن وعدہ کریں۔ اب......تو احسن بھائی نے مسکرا کر کہا ٹھیک ہے...... میں وعدہ کراتا ہوں۔ مگر تم بھی کرو۔ تو ٹھیک ہے میں بھی وعدہ کرتی ہوں۔ اور یہ وعدہ فرحان تمہاری اس کیسٹ میں اور اس وقت یہاں بیٹھے سب کے لوگوں میں رہے گا۔ اور وعدہ خلافی کی صورت میں آپ سب کو میرا ساتھ دینا ہو گا۔

زرقا بھابھی نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے سب کی طرف دیکھا......’’مگر زرقا تم یہ وعدہ لینے سے پہلے یہ اچھی طرح جان لو۔ کہ تمہارے بعد۔ میرے لیے ہمدردی، خلوص، پیار کسی کے دل میں نہیں ہو گا......تم ہی آخری عورت ہو جس نے مجھے برداشت کیا۔ واقعی اتنی ہمت

کسی میں نہیں کہ مجھ جیسے شخص کے ساتھ خشک شخص کے ساتھ پوری زندگی گزارے''......احسن بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا......تو بھابھی نے جلتے ہوئے لہجے میں کہا......''یہ تو وقت بتائے نا''...... یہ کہہ کر بھابھی تیزی سے کھڑی ہو گئی...... دو قدم چلنے کے بعد دوبارہ تیزی سے مڑی......اور بولی۔احسن صاحب آپ نے انجانے میں آج میرے ساتھ بہت بڑی زیادتی کر دی......آج آپ نے پہلی بار مجھے دل سے دکھی کیا ہے۔آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا''...... یہ کہہ کر زرقا بھابھی وہاں سے تیز قدموں سے چلی گئی۔نعمان بھائی تیزی سے اٹھے۔ بڑے افسوس کی بات ہے یار احسن تم سے اس قسم کی بے وقوفی کی اُمید ہرگز نہیں تھی''......اور نعمان بھائی زرقا بھابھی کے پیچھے چلے گئے......فرحان بھی خاموشی سے نعمان بھائی کے پیچھے چلا گیا منیر بھائی اٹھے:''یار تمہیں تو اس معصوم کے دل کا خیال بھی نہیں آیا......شرم آنی چاہیے تمہیں......منیر بھائی بھی ڈانتے ہوئے زرقا بھابھی کی طرف چلے گئے''......سعدیہ بھابھی اور نادیہ بھابھی بھی خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی......اب میں اور احسن بھائی بیٹھے تھے......احسن بھائی نے سر جھکا رکھا تھا......ان کے چہرے پر ایک کرب تھا......''انسان ہمیشہ اسی کو دکھ دیتا ہے جو اس کے سب سے قریب ہوتا ہے۔اور احسن بھائی۔زرقا بھابھی نہ تو آپ کی خاموشیوں کا سبب تھی۔اور نہ ہی آپ کی ناکامیوں کا سبب''......میں نے یہ کہا تو انہوں نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا میں ان کو دیکھے بغیر وہاں سے اٹھ کر چل پڑی......

زندگی ہمیشہ ہماری سوچوں سے مخالف سمت ڈورتی رہتی ہے۔اور ہمیں اس حقیقت کا پتہ ہوتے ہوئے بھی انجان رہتے ہیں......وہ رات ہم سب تو احسن بھائی کو اس بات کی وجہ سے بوجھل گزری۔نعمان بھائی' فرحان' اور منیر بھائی' زرقا بھابھی کو جا کر منایا......اور انہیں بتایا کہ اس کی باتوں کو دل پر مت لیں بنا سوچے سمجھے کہہ دیتا ہے دل کا برا نہیں زرقا بھابھی مسلسل روئے جا رہی تھیں......میں بھابھی کے سامنے گئی تو بھابھی ایک دم سے میرے گلے کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیے سعدیہ بھابھی آج پہلی مرتبہ خود سے بولیں تھیں زرقا He was just jocking'' بھول جاؤ۔ان مردوں کو ہم عورتوں کا دل دکھانے کے علاوہ اور آتا بھی کیا ہے۔''بھابھی نے منیر بھائی کو غصے سے دیکھتے ہوئے طنز کیا......تو منیر بھائی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے بولے''بھئی اس میں میرا کیا قصو ہے۔میں نے کیا کیا ہے۔یہاں تو ہر بات کا نشانہ میری طرف ہی لگا ہوتا ہے''۔فرحان تیزی سے بولا۔''Wow مزا آرہا ہے چھوڑیں بھابھی۔دیکھیں ابھی عہد کیا تھا ابھی دونوں لڑ رہے ہیں۔آپ سے بھی احسن بھائی نے ایسا ہی

وعدہ کیا اور دیا ہوگا۔ بھول جائیں سعد یہ بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔

بھابھی نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا نہیں فرحان......'' وہ ایسے کبھی نہیں کہتے''......تو زرقا بھابھی کے آنسو دیکھ کر نعمان بھائی نے تیزی سے گئے میں'' ابھی اس گدھے کو لے کر آتا ہوں تھوڑی دیر بعد نعمان بھائی کے پیچھے احسن بھائی چہرہ لٹکائے آرہے تھے......اوئے چل معافی مانگ اب جلدی کر......نعمان بھائی نے رعب جھاڑتے ہوئے کہا۔ منیر بھائی بھی اپنی جگہ سے چل کر احسن بھائی کے پاس آکر بولے دل دکھایا ہے اس کا تم نے مناؤ اسے اب''......احسن بھائی نے آگے ہو کر زرقا بھابھی کو اپنے سینے سے لگا لیا......اور ماتھے پر پیار دے کر کہا......میں نے تمہارا دل دکھایا اس کے لیے Sorry...... بھائی نے ان کے آنسو صاف کیے......اور پھر آرام سے بولے مگر وعدہ اپنی جگہ۔'' سب نارمل ہو گئے اور میں اور فرحان ان لوگوں سے ذرا فاصلے پر جا بیٹھے۔

فرحان بولا۔ دیکھو ''انا'' ہر انسان اپنی طرح سے خیال رکھتا ہے۔ اپنی طرح سے پرواہ کرتا ہے اور اپنی طرح سے محبت کرتا ہے۔ لیکن جانے کیوں مجھے نہیں پتہ میں ٹھیک ہوں یا غلط مگر زیادہ تر میں نے یہ ہی دیکھا ہے کہ جو لوگ محبت کرتے ہیں وہ یہ ہی چاہتا ہے کہ اور جس طرح وہ چاہتا ہے اس طرح دوسرا بھی محبت کرے۔ میرے خیال سے یہ تو ممکن ہی نہیں......کیونکہ محبت تو ازل سے آزاد ہے۔ تو پھر اپنے لیے خاص معیار اور حدود بنا کر ہم دوسرے انسان سے یہ کیوں امید لگا بیٹھے ہیں کہ وہ بھی ہم سے ہماری طرح محبت کرے؟ زرقا بھابھی کی محبت کا حصار اپنا اور احسن بھائی کی توجہ یا محبت کچھ بھی ہو اس کا حصار اس کا طریقہ یا ردعمل۔ ان کے اپنے انداز سے ہے۔ تو یہ احسن بھائی کے پیار کا اپنا انداز ہوا نا جو شاید بھابھی کو پسند نہیں آیا......اب احسن بھائی کو تو نہیں معلوم نا کہ ''بابا'' نے کہا خواب دیکھا ہے مجھے تو احسن بھائی کی بات بری نہیں لگی......تم سب نے Overe eact کر دیا......خواہ مخواہ......ذرا سوچو کہ اگر وہ کسی سے محبت کرتے تھے۔ جو بھی حادثہ ہوا......اس مرحلے سے نکلنے کے لیے احسن بھائی کو خود سے کتنا لڑنا پڑا ہوگا......اور پھر انہوں نے بھابھی سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ انہیں سچ بتایا اور اس کے باوجود وہ بھابھی سے اتنے قریب ہو گئے۔ احسن بھائی واقعی بہت دلیر ہیں قسم سے'' یار فرحان......میں نے حیرت سے اسے پکارا......اور بنچ کے اوپر ٹانگیں جوڑ کر بیٹھتے ہوئے اس کی طرف رخ کیا......اس نے جواباً میری جانب دیکھا......''یار فرحان میں ایک اور بات سوچ رہی ہوں میں نے تشویش سے اسے کہا......اب کیا سوچ رہی ہو تم ایک تو تمہاری سوچوں سے مجھے بڑا

ڈر لگا ہے"۔ بولو...... "اب کیا سوچ ہے اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا"...... "میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تم آج کل کچھ زیادہ عقل مند نہیں ہو گئے...... بہت بڑی بڑی باتیں کرتے رہتے ہو"...... میں نے اپنی مسکراہٹ کو چھپاتے ہوئے کہا...... تو اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا......
"کیا مطلب ہے 'عقل مند' ہو گیا ہوں۔ پہلے نہیں تھا کیا"؟ "نہیں اتنے عقل مند نہیں تھے نا جتنے اب ہو گئے ہو...... کیونکہ اب تم مجھے سمجھاتے ہو نا"...... اس لیے میں نے معصوم سے لہجے میں اسے دوبارہ چھیڑا...... "جی نہیں مس۔ میں پہلے بھی اتنا عقل مند تھا...... اور تمہیں پہلے بھی سمجھاتا تھا...... تمہاری عقل کئی سیر و تفریح کے لیے گئی تھی شاید اس لیے پہلے تمہیں میری باتیں سمجھ نہیں آتی تھیں...... اب عقل واپس آ چکی ہے اس لیے شاید میری باتیں سمجھنے لگی ہو"...... اس نے میرے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا...... اچانک سامنے دیکھ کر بولا...... "وہ دیکھو اپنی بھابھی اور بھائی صاحب کے کون کہے گا کہ ابھی چند لمحے پہلے یہ دونوں ایک دوسرے کو رُلا چکے ہیں......
میں نے مڑ کر دیکھا تو احسن بھائی اور زرقا بھابھی کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ اللہ انہیں ایسے ہی ہنستا مسکراتا رکھے (آمین) فرحان نے میری دعا کو آمین کہہ کر مکمل کیا...... تو ٹھیک ہے نا" تمہاری طرح تو نہیں ہیں نا جب ناراض ہوتے ہو تو ہفتوں منہ بنائے بیٹھے رہتے ہو۔ اور اتنے برے ہو فرحان تم! موقع بھی نہیں دیتے کہ Sorry کروں یا تمہیں منانے کی کوشش تو کروں"...... میں نے اسے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔ اچھا تو نہ کیا کرو ایسی حرکتیں...... بے وقوفوں والی"...... اچھا اب مزید لڑائی نہیں Please...... میں نے بات کو ختم کرتے ہوئے کہا...... اندر چلیں اب کافی ٹھنڈ ہو رہی ہے"...... فرحان ایک دم سے ہوں پھر بولا ایک منٹ۔ ان کے ایک دو کلپ بنا لیتا ہوں۔ انہیں پتہ نہیں ہے۔ بعد میں دیکھاؤں گا کیوں کہ لڑائی کے کلپس بھی ہیں میرے پاس"۔ اس نے شرارت سے دوبارہ زرقا بھابھی اور احسن بھائی کی مووی بانا شروع کر دی۔ وہ دونوں واقعی کسی بات پر بہت زیادہ ہنس رہے تھے۔ اور زرقا بھابھی ہنستے ہنستے تھوڑی دیر بعد احسن بھائی کے کاندھے پر اپنا ر کھا...... اور پھر باتیں کر رہی تھیں...... ہمیں اتنی دور سے ان کے مسکراتے چہرے نظر آ رہے تھے۔ اور دل سے ان کے لیے دعائیں بھی نکل رہی تھیں۔
سردیوں کی جاتی صحبتیں بھی کچھ تاریک ہی ہوا کرتی ہیں۔ اور بعض صبحیں تو انسان کے لیے ایسے بھیاک اور خوفناک اجالے کے ساتھ نمودار ہوتی ہیں کہ انسان کا چہرہ سورج کی تمازت سے جھلسنے لگتا ہے۔ اور جھلتے جھلتے جل کے کب کررا کھ کا ڈھیر ہو جائے کچھ پتا نہیں......
وہ ایک ایسی ہی صبح تھی جب سورج اپنے اجالے کے ساتھ سرخی میں لپیٹی ہوئی تاریکی لے کر ہم

سب طلوع ہوا تھا۔ایسی تاریکی جس میں سے روشنی کی ایک بھی کرن اندر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔جس کا کوئی درا کوئی کھواڑ باہر کی طرف نہیں جاتا تھا......اور ایسی تاریکیاں اکثر محبت کرنے والوں کے نصیب میں روزِ ازل سے لکھ دی جاتی ہیں۔

ریسٹ ہاؤس سے روانگی ہو چکی تھی۔میں بابا اور فرحان اپنی گاڑی میں تھے۔اور باقی تمام گاڑیاں ہم سے آگے تھیں اور معمول کے مطابق احسن بھائی کی گاڑی ہمارے ساتھ ساتھ تمام راستہ بابا خاموش رہے اور سفر سردی کی دھند میں لپٹا ہوا گزرتا رہا گاڑی میں بابا کے ہاتھوں میں تسبیح کے دانوں کے گرنے کی آواز کے علاوہ کوئی اور آہٹ نہیں تھی۔پھر اچانک آگے وقفے وقفے سے ابا وغیرہ کی گاڑیاں رکنے لگی......تمام سفر ہمارے بائیں ہاتھ پر گہری کھائی میں بہتا دریا اور دائیں ہاتھ پر خاموش چٹانیں ہمارا دل بہلاتی رہی......ہماری گاڑی ان سب گاڑیوں کو کراس کر کے آگے جا کر کھڑی ہوئی۔اور محبوب چچا نے اپنی گاڑی یعنی احسن بھائی وغیرہ ہم سے قدرے فاصلے پر تقریباً بیس فٹ کی دوری پر جہاں سڑک قدرے کشادہ تھی۔پارک کی......

تھوڑی دیر میں انکل راشد سے چلتے ہماری جانب آرہے تھے۔بابا نے گاڑی کا شیشہ نیچے کرتے پوچھا کیوں بھئی خیر ہے رکے کیوں ہو آپ لوگ"؟ تو راشد انکل مسکرا کر بولے۔بھائی صاحب گھنٹے سے ڈرائیو کر رہے ہیں۔"سوچا یہاں رک کر ذرا چائے وغیرہ پی لیں اور اپنی کمر سیدھی کر لیں"......بابا نے سر ہلا کر انہیں اجازت دی اور پھر ان کے جاتے ہی آہستہ سے بولے یہاں رکنے کی کیا ضرورت تھی؟ ان بچوں کا مزاج بھی میری سمجھ سے باہر ہے۔سردی کی شدت میں قدرے اضافہ ہو رہا تھا۔یا سب لوگ تھک چکے تھے شاید اس لیے اپنی اپنی گاڑیوں میں ہی بیٹھے رہے۔ابا اور انکل باہر کھڑے باتیں کرنے لگے......انہیں دیکھ کر منیر بھائی باہر پڑے بینچ پر آ بیٹھے اتنی دیر میں محبوب چچا بھی اپنی گاڑی سے باہر نکلے۔تو بابا نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا......ہاں بھئی محبوب بچے ٹھیک ہیں نا......جی صاحب احسن صاحب کچھ تھکے ہوئے ہیں اور زرقا بی بی نے چائے پینے کی خواہش ظاہر کی اس لیے صاحب یہاں رک گئے......وہ دونوں کچھ باتیں کر لیں میں اس لیے باہر آ گیا......زرقا بھابھی اور احسن بھائی اپنی گاڑی میں ہی موجود تھے......میں خاموش "پلوں" کی سرگوشیوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ فرحان کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔""انا" کیمرہ دینا دیکھو تو احسن بھائی کی گاڑی کے پاس کتنا خوبصورت ویو بن رہا ہے بادلوں کا......میں اسے ذرا اپنے کیمرے میں قید کر لوں"......میں نے سیٹ پر رکھا کیمرہ فرحان کی طرف بڑھایا......اس وقت اس حقیقت سے بے خبر کے بعض لمحوں کو قید کرنے

کے لیے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اپنے اندر ہمیں قید کرنے کی ایسی کرواہٹ بھرے ہوتے ہیں۔ کہ اس کا ذائقہ تمام عمر ہماری تمام تر حسیات کو اپنی اندر مکمل طور سے جکڑ لیتے ہیں۔ اور یہ وہی لمحہ تھا کہ جب فرحان نے گاڑی کا دروازہ کھولا تو جانے کہاں سے ایک ٹرک تیزی سے ہمارے قریب سے گزرا۔ اور ڈھڑاک کی آواز آئی...... وہ تھرک ہماری گاڑی کا دروازہ اپنے ساتھ لے چکا تھا یا فرحان کو؟ اور اس لمحے کے ہزارویں حصے میں میری نظروں نے فرحان کو ڈھونڈا مگر فرحان گاڑی میں ہی موجود تھا......ٹکرانے سے ہماری گاڑی تقریباً گھوم چکی تھی اس سے پہلے کہ انکل اور ابا ہماری طرف بڑھتے ......ٹرک چونکہ خالی تھا......اور اس کی رفتار اتنی تیز کہ اس کے ڈرائیور نے سامنے سے آتی کار کو دیکھ کر جلدی سے ٹرک کو بائیں طرف گھمایا یہ دیکھے بنا کہ آگے کیا ہے......اور اس کی اس بے خیالی نے ہم سب کی دنیا ہی اجاڑ دی......اور ٹرک سیدھا جا کر احسن بھائی کی گاڑی سے ٹکرایا......اور گاڑی ہوا میں کچھ یوں اچھلی ہوئی جس طرح ایک ہلکی سی ٹھوکر ایک گیند کو اچھالتی کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ ہم سب کی آنکھوں کے سامنے احسن بھائی کی گاڑی اچھلتی ہوئی نیچے کھائی میں جا گری......

میری سماعت سے آخری الفاظ بابا کے ٹکرائے۔ ''یا اللہ رحم'' یہ سب چند سیکنڈز میں ہوا تھا یا ہزار صدیوں میں اس کا مجھے اندازہ نہیں۔ فرحان کیمرہ پیچھے سیٹ کی طرف پھینک کر ٹرک کی جانب بھاگ کر ٹرک کا ڈرائیور کہاں گیا۔ کہاں ہے ہمیں کچھ ہوش نہیں تھا۔ سب لوگ اپنی اپنی گاڑیوں سے نکل کر اس کھائی کے قریب پہنچ چکے تھے......میں جلدی سے بھاگی آگے بڑھی کہ پیچھے سے امی کی چیخوں کی آواز' نادیہ بھابھی اور اب تو سعدیہ بھابھی بھی بھاگتی آرہی تھیں اس جگہ جہاں پر اب سے چند لمحے پہلے احسن بھائی اور زرقا بھابھی گاڑی سمیت موجود تھے۔ مگر اب وہ جگہ خالی تھی......میرے بچے۔ یا الٰہی میرے بچے نعمان بھائی نے ایک دم سے امی کو سہارا دے کر سڑک کے کنارے بیٹھا دیا۔ صائمہ آنٹی ان کے پاس بیٹھ گئی کوئی کچھ کرو۔ میرے بچوں کو بچاؤ۔ اوپر سے جب نیچے دیکھا تو کافی گہرائی میں ہمیں گاڑی بائیں سائیڈ پر الٹی پڑی دیکھائی دی۔ وہاں تک پہنچا کافی مشکل لگ رہا تھا غالباً وہ اس چھپر ہوٹل کا مالک تھا جہاں ہم چائے پینے رکے تھے...... بھاگتا ہوا آیا......اور بولا صاحب یہ بائیں طرف سے ایک خطرناک پگ ڈنڈی ہے یہاں سے ہم لوگ نیچے تو اتر سکتا ہے مگر راستہ کافی خطرناک ہے اگر آپ لوگ ہمت کرو تو میں آپ کو لے چلے گا؟ فرحان نے جلدی سے اسے چلنے کو کہا۔ اور نعمان اور منیر بھائی چاروں اس وقت پگڈنڈی سے آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگے۔ ہمارے دیکھتے ہی کبھی منیر بھائی

گرتے تو کبھی فرحان ابا تو جیسے سن ہو چکے تھے۔ میرے چاروں جانب بس چیخ و پکار ہی تو تھی...... اس وقت اگر کوئی اپنے ہواس میں تھا تو صرف راشد انکل کیسے انہوں نے بابا کو سہارا دے کر اپنی گاڑی میں بیٹھایا اور سامان وغیرہ محبوب چچا کی مدد سے دوسری گاڑیوں میں منتقل کیا۔ کس وقت انہوں نے ریسکیو ٹیم کو فون کیا۔ جب سائرن کی آواز ائی تو ہمیں پتہ چلا اور ایک کرین نما کوئی مشین تھی...... شاید...... مگر ہماری امید ابھی تک اس لیے بندھی تھی کہ گاڑی دریا تک نہیں پہنچی تھی۔ کافی اوپر درختوں میں گھری ایک چٹان تھی...... جہاں جا کر گاڑی پھنس چکی تھی...... کہتے ہیں کہ شدید اور اچانک صدمے آنسوؤں کو روک دیتے ہے۔ یہ بات ایک ہی وقت میں غلط بھی ثابت ہو رہی تھی اور صحیح بھی۔ میں اپنے اردگرد سب کو روتے ہوئے دیکھ رہی تھی...... جبکہ میں خود بالکل خاموش تھی...... نہ کوئی آنسو اور نہ کوئی چیخ بس ایک امید تھی کہ ابھی احسن بھائی اور زرقا بھابھی کو اپنے سامنے دیکھ لوں گی...... راشد انکل نے مجھے کھائی کے قریب خاموشی سے کھائی کو گھورتے دیکھا تو مجھے اپنے سینے سے لگا لیا...... انکل وہ بچ جائیں گے نا......؟ میں اس وقت اس حقیقت کو جھٹلا رہی تھی جیسے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی......

انہوں نے اپنی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا...... نادیہ اور سعدیہ بھابھی بھی روتے ہوئے سڑک کے کنارے زمین پر بیٹھ چکی تھی اور فائز اور مریم دونوں پہلے روتے چیختے ہوئے اپنی ماؤں کا ساتھ چھپکے تھے پھر شاید قدرت کو انکے حال پر رحم آیا ہو گا کہ روتے رتے دونوں بچے اپنی ماؤں کی گود میں ہی سو گئے...... راشد انکل نے محبوب چچا کی مدد سے بچوں کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لیٹا کر محبوب چچا کو ان کی نگرانی پر مقرر کر دیا...... میرا بچہ...... میرے بچے...... میری زرقا پھولوں سی نازک اس کھائی میں پڑی ہے...... امی تلملا کر چیختی ہوئی ابا کے گریبان کو چیرنے لگی کیوں کھڑے ہیں آپ یہاں کچھ کریں نا؟ میرے بچوں کو لے کر آئیں۔ انہیں کچھ ہو گیا تو میں کیا کروں گی۔ میں رخسانہ بھابھی کو کیا جواب دوں گی...... میں الماس بہن سے کیا کہوں گی؟ آپ بت بنے یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ کچھ کرتے کیوں نہیں؟ امی چیختی کبھی ابا سے جا الجھتی تو کبھی کھائی کی طرف دیکھتی میرے بچے صائمہ بہن دعا کرو! امی جیسے بھیک مانگ رہی ہوں ان معصوموں کا کیا قصور تھا...... مگر یہ بھی قدرت کا قانون ہے کہ سزا ہمیشہ بے قصور کو ہی ملتی ہے۔ ہمیشہ معصوم کو ہی آگ کے شعلوں پر چل کر اپنی معصومیت ثابت کرنی پڑتی ہے۔ میں مسلسل کھائی کو دیکھ رہی تھی جہاں سے مجھے ابھی بھی نعمان بھائی وغیرہ کے سر نظر آ رہے تھے...... اور وہ گاڑی کے پاس پہنچ چکے تھے...... امدادی کارکن ابھی قدرے فاصلے پر تھے......

ایک مرتبہ بیچ میں راشد انکل نے صائمہ آنٹی سے کہا کہ وہ امی کو اور دونوں بھابیوں کو لے کر گھر چلی جائیں...... مگر اس لمحے وہاں سے کوئی بھی ہلنے تک کو تیار نہ تھا...... کچھ دیر وہی کھڑے دیکھتے رہنے کے بعد مجھے نعمان بھائی اور فرحان نے گاڑی سے کسی کو نکالتے ہوئے دیکھائی دیئے۔ وہ کون تھا۔ زرقا بھابی یا احسن بھائی۔ مگر جو بھی تھا۔ سوائے خون کے اور کچھ نظر نہ آیا...... امدادی ٹیموں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر رکھی تھی اور پھر ایک کرین پر تختے کی مدد سے احسن بھائی اور زرقا بھابی کی خون میں نہائی ہوئی جسم ہمارے سامنے تھے۔ مجھے بس خون میں لتھا ہوا زرقا بھابی کا نازک ہاتھ نظر آیا...... جنہیں بڑے آرام سے اٹھا کر انہوں نے ایمبولینس میں ڈالا مجھ میں انہیں دیکھنے کی ہمت نہیں تھی ان کی یہ حالت دیکھتے ہی امی اپنے سینے پر ہاتھ رکھے، چیخنے لگی ابا نے آگے ہو کر انہیں روکا تو وہ جیسے ابا کی باہوں میں جھول گئی اور اگلے لمحے وہ زمین پر تھیں...... یا اللہ میں نے آگے بڑھ کر صائمہ آنٹی اور سعدیہ بھابی کی مدد سے امی کو ابا کی گاڑی میں ڈالا بھابی نے جلدی سے انہیں پانی پلا کر ہوش میں لانے کی کوشش کی...... وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی ویسے ہی تڑپ رہی تھیں جیسے ایک مچھلی بنا پانی کے تڑپتی ہے...... اتنی دیر میں فرحان، نعمان بھائی، اور منیر بھائی...... کھائی سے اوپر آ رہے تھے۔ راشد انکل اور محبوب چچا ایمبولینس کے پیچھے اپنی گاڑی لے کر جا چکے تھے...... میں نے ان تینوں کے ہاتھوں اور کپڑوں پر خون لگے دیکھا...... مگر میں خاموش تھی...... ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ ابا نے آگے بڑھ کر پوچھا بیٹا اتنا بتا دو کہ وہ زندہ تھے...... کہ نعمان بھائی کے صبر کا پیمانہ بھر کر ٹوٹ چکا تھا۔ وہ چیختے ہوئے ابا کے سینے سے لگ گئے...... کچھ نہیں پتہ ابا کچھ نہیں پتہ...... دونوں خون میں نہائے ہوئے پڑے تھے...... انہوں نے روتے ہوئے کہا۔ منیر بھائی چونکہ ڈاکٹر تھے۔ اس لیے انہوں نے خود پر قابو رکھے ہوا تھا...... وہ سیدھے بابا کے پاس چلے گئے۔ بابا نے سوکھے کانپتے پڑھتے ہونٹوں اور خالی آنکھوں سے فرحان اور منیر بھائی کی طرف دیکھا...... اور ان کے ہاتھوں اور کپڑوں پر لگے خون کے دھبے...... اور چہرے پر شکست...... دیکھ کر انہوں نے کچھ نہیں پوچھا......! ہم سب اس وقت اس ہارے ہوئے کھلاڑی کی طرح تھے۔ جس کے پاس سوائے امید کے اور کچھ نہیں ہوتا...... اور ہمارے پاس اس وقت امید صرف اور صرف خود کو تسلی دینے کی حد تک ہی تھی...... فرحان نے آگے بڑھ کر ایک گاڑی کا سٹیرنگ سنبھالا ہی تھا کہ امی پھر بھاگتی ہوئی منیر بھائی کی طرف لپکی...... مجھے بتا منیر...... میرا بیٹا زندہ تھا نا......؟ زرقا کی سانسیں چل رہی تھیں نا؟ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ تجھے خدا کا واسطہ...... تجھے تیری ماں کا واسطہ

مجھے میرے احسن کی خبر دے دے..... اس کی تھوڑی چوٹ آئی ہے نا؟ وہ ویسے ہی بے ہوش ہوا ہے نا؟ بتانا منیر وہ فریاد کر رہی تھیں کہ فرحان نے گاڑی سے نکل کر امی کو سنبھالا..... اس بار منیر بھائی بھی اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پائے..... امی ایسے مت کریں اللہ سب ٹھیک کرے گا..... منیر بھائی نے روتے ہوئے امی کو تسلی دی کہ اچانک امی نے کھینچ کر ایک زوردار تھپڑ منیر بھائی کے چہرے پر رسید کیا کیا مطلب ہے تیرا؟ تجھے ڈاکٹری کس لیے پڑھائی ہے۔ خود سے تجھے اتنے عرصے دور رکھا؟ کہ تو مجھے اتنا نہیں بتا سکتا کہ میرے بچے زندہ بھی ہیں کہ نہیں..... یاد رکھو میرے احسن کو کچھ ہوا نا تو میں تم دونوں کو کبھی معاف نہیں کروں گی..... نعمان بھائی اور فرحان نے امی کو سہارا دیتے ہوئے گاڑی میں بٹھایا..... اور ابو نے گاڑی چلا دی..... ابو کی گاڑی میں سعدیہ بھابھی اور دونوں بچے بھی انہیں کے ساتھ تھے..... فرحان بابا کی گاڑی میں تھا..... اور میں منیر بھائی کے ساتھ بیٹھی تھی..... نادیہ بھابھی۔ اور نعمان بھائی میری گاڑی ریسکو پولیس کے حوالے کر کے اپنی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

مجھے نہیں پتہ وہ سفر کیسے گزرا۔ راستے میں مجھے صرف منیر بھائی کی سسکیوں کی آواز اور بار بار وہ اپنی خون زدہ آستین سے اپنی آنکھوں کو رگڑ لیتے..... میں نے ایک بار مڑ کر ان کی شکستہ حالت کو دیکھا جو آج اپنے خون افشاں بھائی کو خون گشتہ حالت میں دیکھ چکے تھے۔ ہم سب نے اپنا سب کچھ کھو دیا تھا..... منیر بھائی اچانک بولے.....

انا دعا کر کہ کوئی معجزہ ہو جائے..... بیٹا۔ دعا کر..... وہ روتے جاتے اور مجھے کہتے جاتے..... میں نے خاموشی سے ان کی طرف پھر نظر بھر کر دیکھا..... وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ آپ سب لوگ ویسے ہی فکر مند ہو رہے ہیں دیکھنا دونوں ٹھیک ہو جائیں گے میں نے ایک امید کے سے لہجے میں کہا.....

اور وہ روتے ہوئے چیخے..... کچھ نہیں بچا ''انا'' کچھ بھی نہیں..... باہر ہلکی ہلکی بارش بھی ہونے لگی تھی اور گاڑی کی ونڈ سکرین پر بارش کے قطرے بہنے لگے..... اندر اور باہر دونوں طرف بارش تھی..... فرق صرف یہ تھا کہ اندر ایک خون بہ فشانی کا عالم تھا..... اور باہر قدرت ہمارا تماشہ دیکھ کر ہنس رہی تھی..... یا پھر شاید ہماری حالت زار دیکھ کر بادلوں کا بھی جی بھر آیا ہو اور اس کی آنکھیں بھی برسنے لگی تھیں۔ ہم سب ہسپتال پہنچے تو ہمارے جانے سے پہلے الماس آنٹی اور بشیر انکل بوا ہسپتال میں موجود تھیں..... امی کو دیکھتے ہی بوا اٹھ کھڑی ہوئی..... الماس آنٹی امی کے پاس آئی..... میری زرقا؟ ابھی انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ امی نے پھر چیخنا شروع کر دیا.....

ٹھیک کہتے ہیں اس دنیا میں سب سے زیادہ معصوم دل ماں کا ہی ہوتا ہے۔اور اس لمحے ان ماؤں کو صرف اور صرف اپنے بچوں کی فکر تھی۔اور میں اس لمحے الماس آنٹی میں اور امی میں صرف ایک ماں ہی کو دیکھ رہی تھی۔اور تمام دنیا کو یہ بھلا چکی تھی......بشیر انکل دیوار کے ساتھ چپکے ہوئے آنسو بہا رہے تھے۔ابا نے جا کر انہیں گلے سے لگایا......اس پر منیر بھائی قدرے سخت لہجے میں بولے خدا کا واستہ ہے......آپ لوگ خاموش ہو جائیں......دعا کریں ایسے مت کریں می خدا کا واسطہ ہے۔امی وہی فرش پر بیٹھ گئی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے اور بہتی ہوئی آنکھوں سے وہ آسمان کی طرف منہ کر کے کس طرح فریاد کر رہی تھیں......بابا بالکل خاموش سامنے رکھے بینچ پر بیٹھے تھے۔اور محبوب چچا بابا کے پاؤں میں بیٹھا آنسو بہا رہا تھا......آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلتے ہی کسی اچھی خبر کی امید میں، ہم سب کی آنکھیں اور کان اس دروازے پر لگے تھے......

ہم سب انتظار میں تھے......انتظار کا ذائقہ تو بہت پہلے سے ہی کڑوا زہر ہو گیا تھا۔مگر اب اس زہر نے اپنا اثر شروع کر دیا تھا......امید کی کرنیں بھی مدہم ہونے لگی تھی جیسے جیسے رات کا اندھیرا روشنی کو چھپانے میں مصروف تھا امید کی کرنیں بھی اس محبوبہ کی طرح ہو گئی تھیں جس کے دل میں کسی اور کا خیال آ جاتا ہے......شام کی اذان لاؤڈ سپیکر سے آنے والی آواز جانے کیوں دل میں اٹھنے والی ٹیسوں میں مزید اضافہ کر رہی تھیں......اور کوری ڈور کو مسلسل خاموشی اور سناٹے نے گھیر رکھا تھا۔اس وقت ہم سب اپنی اپنی جگہ احسن بھائی اور زرقا بھابھی کی طرح زندگی اور موت کی کشمکش میں تھے......ہمارے اطراف سناٹا مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا......اور اب اس وقت کوری ڈور میں کسی کی سانس لینے کی آواز بھی نہیں تھی......بہت غور کیا جائے تو دور سے ٹک ٹک کی ایک ہلکی سی آہٹ آتی شاید وہ بابا کی تسبیح کے دانے تھے......جو ہمارے اردگرد پھیلے سناٹے میں ''اللہ ہو'' کا ورد کر رہے تھے......میں اس کوری ڈور کے سب سے آخری کونے پر کھڑی تھی......اپنے اندر بالکل سنسنان حال......کہ ایک دم سے ڈھڑک کی آواز نے ہم سب کو ڈرا دیا تھا......میری طرح ہر کوئی اپنی جگہ پر تھوڑی دیر کے لیے اچھلا ضرور ہو گا......اس لمحے میرا دل بند ہو چکا تھا۔اور میرے علاوہ وہاں پر سب کا دل خستہ حالت ہی تھا......سامنے کوری ڈور سے ڈاکٹر کے بڑھتے قدم میری سانسوں کو میرے سینے میں قید کرتے جا رہے تھے۔کہ فرحان اور راشد انکل آگے بڑھے......اس وقت کسی میں ہمت نہیں تھی......اس نے دھیمے لہجے میں کیا کہا میں سن نہیں پائی......اور میں سننا بھی نہیں چاہتی تھی......ڈاکٹر نے کھڑے ہو کر چند جملے کہے اور پھر تیزی سے میرے قریب سے گزر گیا......

میں اس وقت صرف فرحان کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی...... کیونکہ فرحان کے چہرے کے تاثرات سے مجھے اندازہ ہو جاتا کہ کیا ہوا ہے۔ مگر اس لمحے مجھے فرحان کے چہرے پر سے کچھ سمجھ آ نہیں رہا تھا یا میں خود سمجھنا نہیں چاہتی تھی کہ منیر بھائی ڈرتے قدموں سے آگے بڑھے......

انکل...... منیر بھائی نے ایک امید سے انکل کی طرف دیکھا......؟ تو اس سے پہلے کہ وہ صرف منیر بھائی کو بتاتے انہوں نے ہمت اکٹھی کر کے قدرے اونچی آواز میں کہا کہ ایک بار ہی سب سن لیں۔ اس لمحے انہوں نے شاید یہ ہی سوچا ہوگا' اور اسی فارمولے پر عمل کرتے ہوئے کہ تیز دھار کی کاٹ سے کٹتے اتنی تکلیف نہیں ہوتی...... جتنی تکلیف آہستہ آہستہ کھردری'' دھار سے ہوتی ہے۔ حالانکہ تکلیف دونوں صورتوں میں ہے۔ کٹنا بھی دونوں صورتوں میں ہے۔ مگر...... مناسب یہ ہی تھا جو اس وقت انہوں نے کیا...... منیر بھائی کو کمر سے سہارا دے کر بولے......'' انا للہ وانا الیہ راجعون'' زرقا بیٹی اللہ کو پیاری ہوگئی...... اور احسن کی تشویش حالت ناک ہے۔ ڈاکٹروں کو کوئی امید نہیں...... ان کا یہ کہنا تھا۔ کہ الماس آنٹی ڈھرام سے زمین پر جاگری......نعمان بھائی نے روتے ہوئے انہیں سہارا دیا......

جو کوری ڈور ابھی چند لمحے پہلے سناٹے میں ڈوبا تھا۔ اب وہاں ایک کہرام مچا تھا۔ امی زمین پر ہاتھ مارنے لگی...... یہاں تک کہ ابا بھی زمین پر بیٹھ چکے تھے...... میں نے ایک نظر بابا کی طرف دیکھا...... جنہوں نے سر جھکا رکھا تھا سب کو اس قہر آمیز حالت میں چھوڑے فرحان میری طرف بڑھا...... اس کے کپڑوں پر ابھی بھی خون کے دھبے تھے...... اور چہرہ آنسوؤں سے چمک رہا تھا وہ میرے پاس آیا اور دھیرے سے'' بولا انا زرقا بھابھی چلی گئی''۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا!'' کہاں چلی گئی''......؟'' بھئی اندر کمرے میں ہی ہیں''...... میں نے اسے بڑے آرام سے کہا...... کہیں نہیں جاسکتیں وہ! فرحان مسلسل رو رہا تھا۔ کہ اچانک راشد انکل کی آواز پر فرحان آگے بڑھا...... اور نعمان بھائی اور فرحان نے الماس آنٹی کو سٹریچر پر ڈالا...... اس وقت ان کی قریب ایک لیڈی ڈاکٹر کھڑی تھی...... امی چیخ چلا رہی تھیں...... اور اس وقت وہ بابا کے پیروں میں بیٹھی آہو فریاد کر رہی ہوں......

''بھائی صاحب ہمارے گھر کی رونق چلی گئی...... ہمارے گھر میں اندھیرا ہو گیا...... میں کیا کروں گی اب میں کیا کروں گی''...... ابا نے بشیر نکل کو سینے سے لگا رکھا تھا...... جو بلک بلک کر رو رہے تھے...... منیر بھائی انکل راشد اور نعمان بھائی۔ سامنے آتے ڈاکٹر کے پاس چلے گئے اس نے کچھ تفصیلات دیں۔ نادیہ بھابی اور سعدیہ بھابھی نے امی اور الماس آنٹی کو سنبھال

رکھا تھا..... اور ایک بار پھر آہ وزاری میں زرقا بھابھی کے چہرے کو دیکھنے کے لیے ان کی میت کے انتظار میں کھڑے تھے..... فرحان وہاں سے واپس آ کر سیدھا میرے پاس آیا..... میں ویسے ہی کھڑی تھی جیسے وہ مجھے چھوڑ کر گیا..... جانے اسے کیا تشویش ہوئی کہ کچھ دیر میں نعمان بھائی میرے پاس تھے..... اس وقت کسی کو کسی کی ہوش نہیں تھی..... فرحان نے مجھے جھنجوڑا ''انا'' ہوش کرو''..... میں بابا کی طرف دیکھے جا رہی تھی..... وہ سر جھکائے خاموشی سے آنسو بہائے جا رہے تھے نعمان یار'' ''انا'' پتھر کی ہوگئی ہے..... '' کچھ کر یار''.....نعمان بھائی کو فرحان نے بتایا اور نعمان بھائی منیر بھائی کے ساتھ لیے میرے پاس آئے.....تھوڑی دیر کے لیے کوری ڈور میں دوبارہ سناٹا سا ہو گیا تھا..... ''انا'' میں نے حیرت سے منیر بھائی کو دیکھا۔ کہ ایک دم سے آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا..... اور اندر سے سفید چادر میں لپٹا ایک جسم سٹریچر پر پڑا کوری ڈور میں چھوڑ کر چلے گئے..... الماس آنٹی' امی' نادیہ بھابھی' ابو' سعدیہ بھابھی اپنے اپنے بچے اپنے سینے سے لگائے۔ محبوب چچا۔ بوا..... فرحان' نعمان بھائی منیر بھائی..... صائمہ آنٹی' راشد انکل..... مجھے رونے کی آوازیں چیخوں کی آوازیں آتی رہی..... پھر چیخ کی آواز آئی ''ہائے میری بچی'' زرقا کے ابا دیکھو ہماری زرقا ہے یہ..... پہچانی نہیں جاتی نا..... یہ میری بچی ہے زخموں سے چور ساری زندگی ایک خراش سے بچاتے رہے ہونا آپ اسے آج کیا ہوا..... کیوں چپ کھڑے ہو..... الماس آنٹی کی دہایاں میرے کانوں سے مسلسل ٹکراتی رہی..... میں نے بابا کو آہستہ آہستہ سٹریچر کے قریب جاتے دیکھا..... اور بابا کے قریب جاتے ہی..... سب لوگ تھوڑے پیچھے ہٹے۔

میں بابا کو دیکھ رہی تھی۔ جنہوں نے جھک کر بھابھی کا ماتھا چوما..... اور پھر بولے چلو گھر لے چلو..... اسے.....! راشد انکل اور صائمہ آنٹی ہسپتال ہی رکنے کا کہہ رہے تھے۔ فرحان تیزی سے آگے بڑھا وہی پر کھڑے کھڑے شاید فرحان نے پھر میرے بارے میں تشویش ظاہر کی..... تو منیر بھائی میری طرف بڑھے..... '' ''انا'' ہوش کر بیٹا'' ..... ''دیکھ تیری زرقا بھابھی ہم سب کو چھوڑ کر چلی گئی ہے''..... میں نے رکی آنکھوں سے منیر بھائی کو دیکھا شاید وہ اپنے ضبط کے تمام بندھن بھلا بیٹھے تھے کہ اگلے لمحے میرے چہرے پر زور سے ایک تھپڑ مارا ! ..جس سے میرا چہرے سے آگ نکلنے لگی..... میں نے دوبارہ اسی حیرت سے انہیں دیکھا..... ''فرحان نے آواز دی ''انا'' ہوش کرو..... کیا ہو گیا ہے..... کہ منیر بھائی کو کسی نے پیچھے دھکیلا''..... اور میرے سامنے اس وقت بابا کا چہرہ تھا..... بابا اس لمحے مجھے صدیوں سے تھکے ہارے شخص لگے۔ جس نے اپنی زندگی کی تمام بازیوں کو ہار دیا ہو..... انہوں نے مجھے کندھے سے پکڑ کر سہارا دیا..... اور

آہستہ آہستہ اپنے ساتھ چلاتے سٹریچر کے پاس لے جا رہے تھے میں نے دو قدم آگے بڑھائے تھے...... امی' الماس آنٹی' نادیہ بھابی سب مجھے دیکھ رہی تھیں۔ کہ میں نے بابا کا ہاتھ زور سے جھٹک دیا...... اور رک گئی...... کہاں لے جا رہے ہیں مجھے! میرے پیچھے منیر بھائی تھے انہوں نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے مجھے روکا...... اور بابا اس وقت اتنے تھک چکے تھے کہ ان میں مجھے سہارا دینے کی بھی ہمیت نہیں تھی...... انہوں نے کہا اسے لے آؤ یہاں زرقا کے پاس...... منیر بھائی نے مجھے زبردستی چلانے کی کوشش کی...... ''تو میں نے اپنی پوری طاقت سے انہیں خود سے دور کیا''۔ نہیں ایک لمحے کو وہ پیچھے ہٹے اور اگلے لمحے جیسے ایک بچے کو ماں اپنے بازوں میں گھیرتی ہے نعمان بھائی اور منیر بھائی مجھے اپنی باہوں میں لیے روتے جا رہے تھے...... بھائی مجھے نہیں دیکھنا مجھے مت لے جاؤ۔ وہاں۔ نہیں بھائی...... ان دونوں نے مجھے اپنی باہوں میں جکڑ رکھا تھا...... نہیں بھائی یہ بھابی نہیں ہے۔ مجھے نہیں دیکھنا بھائی...... بابا نے اشارہ کیا کہ قریب لے آؤ میں انہیں روکتی رہی...... اور سٹریچر کے قریب آ کر میں نے اپنا چہرہ نعمان بھائی کے سینے میں چھپا لیا تھا...... اس لمحے میں اس حقیقت کو نہیں ماننا چاہتی تھی...... مگر پھر انہوں نے جب میرے چہرے کو زرقا بھابی کی طرف موڑا تو سٹریچر پر پڑی زرقا بھابی اپنے چہرے پر معصومیت اور سکون کے ساتھ اپنے نصف چہرے کو پٹیوں سے ڈھانپے ہوئے تھی...... زرقا بھابی کا چہرہ میرے سامنے آیا تھا کہ جیسے میرے ادرگرد جیسے ایک گہری خاموشی تھی یا میں کسی کی آواز سن ہی نہیں رہی تھی...... بھابی...... بھابی...... اٹھیں۔ بھابی اٹھیں اب ''انو'' کہنے والی کبھی نہیں اٹھے گی بیٹا امی کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی...... میرے ضبط کے پیمانوں نے اپنے تمام بند توڑ دیئے تھے۔ اور میں بابا کے سینے سے چپکی آنسوؤں کے دریا میں بہہ رہی تھی...... جس حقیقت کو میں جھٹلانے میں سارے دن سے مشقت کر رہی تھی اس حقیقت نے اپنا آپ منوانے میں ایک منٹ بھی نہیں لگایا تھا...... زرقا بھابی بابا' میری زرقا بھابی...... اس کہرام کے ساتھ ہم لوگ کب اپنے گھر آئے اور کب وہ وقت آ گیا جب زرقا بھابی کو رخصت کرنا تھا...... آج زرقا بھابی نے صدیوں پرانہ وہ سبق بھی یاد کر کے سنا دیا بلکہ اپنے والدین کے ان الفاظ کی پیروی کر دی تھی جو ہر والدین اپنی بیٹی کو اپنے گھر سے رخصت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بیٹی اس گھر سے تمہاری ڈولی جا رہی ہے اور اُس گھر سے تمہارا جنازہ ہی اٹھے۔ زرقا بھابی نے اپنے شادی کے چار سالوں میں ہی اپنے والدین کے حکم کی بجا آوری کر دکھائی تھی: اور ایسی بجا آوری جو شاید بہت کم بیٹیوں کے نصیب میں آئی ہو گی...... اور بدنصیبی بھی! اتنی فرمانبردار بیوی کی حیثیت سے زندگی گزاری۔ کہ شوہر کو

ایک لفظ بھی شکایت کا نہ دیا اور شوہر وہ جس نے بیوی کی تمام خواہشات کا احترام کیا مگر قدرت کی ستم ظریفی اس سے کم کیا ہو گی۔ کہ زرقا بھابھی کی میت کو احسن بھائی کاندھا نہیں دے سکتے تھے...... اور نہ ہی زرقا بھابھی کا آخری بار چہرہ دیکھنے کے قابل تھے...... ڈاکٹرز کی رائے کے مطابق اگر انہیں 2 دن کے اندر ہوش نہیں آیا تو یا تو وہ قوما میں چلے جائیں گے۔ اور یا پھر ہمیشہ کے لیے زرقا بھابھی کے پاس۔

یہ خبر ہمارے لیے طوفان پر طوفان ہی تو تھی...... قیامت در قیامت...... زرقا بھابھی کی آخری رسومات ادا کی جا رہی تھی کہ بشیر انکل روتے ہوئے بابا کے قدموں میں بیٹھ گئے...... اور ہاتھ جوڑتے ہوئے بولے۔ کہ اگر بابا مناسب سمجھیں اور اجازت دیں تو وہ زرقا بھابھی کی آخری آرام گاہ اپنے خاندانی قبرستان میں بنانا چاہتے ہیں...... وہ نہیں جانتے تھے مگر انہیں یہ امید تھی کہ وہ مرنے کے بعد بھی اپنی بیٹی کو اپنے نزدیک ہی رکھیں گے بلکہ بشیر انکل نے تین قبریں اکٹھی تیار کروالی تھیں۔ زرقا بھابھی کے ساتھ ہی اپنی اور آنٹی الماس کی بھی...... بابا نے شکستہ نظروں سے ایک باپ کی محبت اور بے بسی کو دیکھا...... اور اس وقت بابا نے اپنے خاندان کی ایک اور بڑی روایت کو خود ہی توڑ دیا...... اور ابا کی ہلکی سی ''مگر'' کو انہوں نے صرف اتنا کہہ کر ختم کر دیا کہ اگر تمہیں زندگی میں اپنی زندگی میں ''انا'' کی میت کو کاندھا دینا پڑے...... اور تمہارے پیچھے تمہارا کوئی پرسان حال بھی نہ ہو تو۔ کیا کرو گے...... دانش؟ ابا بابا کی اس تاویل پر خاموش ہو گئے...... میں زرقا کو اس گھر میں اپنی بیٹی بنا کر لایا تھا۔ اور ایک باپ کی حیثیت سے میں بشیر صاحب کی اس بات کو کسی طرح بھی مسترد نہیں کر سکتا زرقا بھابھی کی قبر وہی شہر میں بشیر انکل کے کہنے پر ان کے آبائی قبرستان میں کی گئی...... اور یہ ہمارے خاندان کی پہلی بہو تھی۔ جس کو اس بات کی اجازت دی گئی تھی۔ اور آج خاندان کی ایک اور پرانی روایت ختم ہو گئی۔ جس پر ہمارے گاؤں کی ایک بزرگ عورت ''حنیفہ خالہ'' نے بابا سے آ کر بڑے حق سے باز پرس کی...... تو بابا نے بڑے سکون سے کہا...... ''کہ اگر زرقا کا خاوند ہوتا تو یہ فیصلہ اس کے ہاتھ میں تھا...... مگر یہاں زرقا کے والد سے اجازت مانگی جا رہی تھی سو میں نے دے دی۔ رہی احسن کی بات تو مجھے نہیں پتہ میں اس کا چہرہ زندہ دیکھ بھی سکوں گا یا نہیں...... مگر مجھے اتنا یقین ہے کہ وہ میری اولاد ہے۔ اور اس کا دل میرا دل ہے۔ آپ کو مزید اپنی جان ہلکان کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو اللہ کا حکم تھا وہی میری زبان سے نکلا ہے...... آپ جا سکتی ہیں'' ...... بابا نے یہ کہہ کر حنیفہ خالہ کو اپنے پاس سے اٹھا دیا۔

زرقا بھابھی کی میت کو اٹھانے کے لیے نعمان بھائی' فرحان' منیر بھائی اور ابا آئے۔ تو فرحان نے ایک بار جھک کر روتے ہوئے کہا۔ اب کسی کو بہن نہیں بناؤں گا۔ آپ نے اچھا نہیں کیا یہ کہ کر وہ سر جھکا کر بلک بلک کر رونے لگا۔ اور ابا نے روتے ہوئے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے حوصلہ دیا...... اور پھر اس لمحے زرقا بھابھی اپنے بابل کے سسرال سے اپنے پیاء کے گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہونے لگی تھی......

اس لمحے نہ کسی نے ہماری چیخ و پکار سنی اور نہ ہی آہ وزاری۔ الماس آنٹی گھر کے مرکزی دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ دوبارہ گر گئی...... کلمہ شہادت کی صدائیں بلند ہوئی...... اور زرقا بھابھی اپنے بھائی' اپنے باپ' اپنے سسر' اپنے دیور اور جیٹھ کے کاندھے پر سر رکھے رخصت ہو گئی...... کیا قیامت ٹوٹتی ہے اپنی جوان بیٹی' جوان بہن' جوان بہو' اور جوان بھابھی کو کاندھا دیتے وقت یہ اس وقت میں ان آنکھوں سے ٹپکتے پوشیدہ خون کی بوندوں میں دیکھ رہی تھی۔ الماس آنٹی کو سہارا دے کر اندر لائے۔ اس لمحے ہر آنکھ نم تھی...... امی کی چیخیں ابھی بھی ویسی ہی تھیں...... اور آواز پھٹ چکی تھی۔ روتے روتے امی نے کہا خدا دشمن کو بھی یہ دن نہ دکھائے۔ اولاد کا دکھ نہ دکھائے۔ میرے مولا کتنی عجیب صورت حال سے گزر رہی تھیں اس وقت یہ مائیں۔ ایک ماں کی گود ہمیشہ کے لیے اجڑ چکی تھی اور دوسری ماں اپنے اندر اپنی گود کو اجڑنے کے ڈر سے کانپ رہی تھی اس لمحے میں نے دیکھا۔ کہ عورت جب ماں بنتی ہے تو پھر اس کے باقی سارے روپ پس پست چلے جاتے ہیں۔ پھر وہ صرف ماں ہوتی ہے اور مرتے دم تک ماں ہی رہتی ہے۔ اس وقت امی زرقا بھابھی کو بھی روتی اور احسن بھائی کی زندگی کی دعائیں بھی کرتی اور الماس آنٹی جس کرب سے خود گزر چکی تھیں۔ اس درد سے ہر ماں کے دامن کو بچانے کے لیے التجائیں کر رہی تھیں......

شام مغرب کی نماز کے ساتھ سب لوگ گھر آئے۔ راشد انکل وہی سے ہسپتال چلے گئے تھے...... کیوں اس گھر کا ایک فرد ابھی زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا۔ امید کی ایک کرن ہم سب کے دلوں میں بسائے رکی رکی سانسیں لے رہا تھا...... اور شام کو گھر میں لوگوں کا ہجوم بھی کم ہو چکا تھا...... یہ بھی دنیا کا کیا خوب اصول ہے...... کہ دکھ میں کوئی بھی زیادہ دیر تک سہارا نہیں دیتا۔ اس وقت گھر میں چند افراد گاؤں سے آئے تھے جنہوں نے قل کے بعد جانا تھا...... اور باقی سب لوگ اپنے اپنے انداز و الفاظ میں ہمارے دکھ کو بانٹ کر جا چکے تھے...... اور اس لمحے ہم کسی کو روک بھی نہیں پائے...... کہ رکو تھوڑی دیر اور ہمارے دکھ میں شریک ہو جاؤ۔ نہیں ایسا کچھ نہیں ہوتا...... اور اس لمحے جب کوئی اپنا' کوئی پیارا' کوئی بہت محبت کرنے والا

ہماری زندگی سے ہمیشہ کے لیے چلا جائے۔ کہ اس کی ایک جھلک بھی دیکھنے کو نصیب نہ ہو۔ آواز کو سماعتیں ترس جائیں۔ اور ویسے بھی میں نے تو پہلی بار موت کو زندگی سے چند قدم کے فاصلے پر دیکھا تھا اور پھر موت کو زندگی پر حاوی ہوتے تمام تر جذبوں کو محتاج بناتے، روتے گڑگڑاتے۔ آنسوؤں کے طوفانکو نظر انداز کرتے بس اپنی من مانی کرتے ہوئے پہلی بار ہی تو دیکھا تھا موت ہوا کے ایک بگولے کی طرح آتی ہے اور سب کچھ تہس نہس کر کے ایسی واپسی جاتی ہے کہ اپنی نگر آنے والے ہر راستے کا نشان ختم کر دیتی ہے۔ اس لمحے ہم سب زرقا بھابھی کے دکھ سے نڈھال تھے یا احسن بھائی کی لاچاری سے۔ مجھے تو اتنا بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ہم اس وقت احسن بھائی کی زندگی کی دعا مانگ رہے تھے یا موت کی؟ زرقا بھابھی کے بعد احسن بھائی کی زندگی؟ کیا موت کا دوسرا روپ نہ ہوگی؟ میں نے سامنے بیٹھے بابا کے چہرے پر صدیوں پرانی تھکن دیکھی۔ جو اپنی آنکھوں کو اپنے چشمے کے پیچھے چھپائے شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کا دکھ پوشیدہ ہی رہے گا۔ ابا کے پاس تعزیت کے لیے لوگ آ رہے تھے اور چند لمحوں بعد ان کی ایک بڑی ذمہ داری ادا ہوتی اور وہ چلے جاتے......

جانے کیا ہوا کہ ابا تیزی سے اٹھے۔ محبوب چچا کو بلایا۔ کہ گاڑی نکالیں میں احسن کے پاس جا رہا ہوں...... امی نے نڈھال قدموں سے پاس جا کر رکنے کا کہا تو ابا گڑبڑا کر۔ لے سائرہ بیگم مجھے جانے دیں...... احسن کے پاس ہوں گا تو زرقا کو بھی تسلی رہے گی کہ کہ اس کے احسن کے پاس ہوں...... ورنہ وہ بھی ناراض ہو جائے گی: میں احسن کو زندگی نہیں دے سکتا...... مگر جب تک اس کی زندگی کا احساس باقی ہے۔ میں اسے اپنا وقت تو دے سکتا ہوں نا...... باہر سے اچانک بشیر انکل ابا کو ڈھونڈتے ہوئے آئے۔ دانش صاحب چلیں یں آپ کو لینے آیا ہوں...... ابا نے بوجھل آنکھوں سے پوچھا کہاں جانا ہے جناب...... دانش صاحب میری بیٹی تو اپنے اصلی مقام پر پہنچ گئی۔ اور جاتے جاتے میرے سپرد اپنی ایک چیز بھی تو کر گئی ہے نا...... احسن میاں کو تو ہم میں سے ابھی تک پوچھا بھی نہیں...... ایک نظر دیکھا بھی نہیں کیا پتہ احسن کے پاس جاؤں تو زرقا کا درد کم ہو جائے۔ ابا کچھ مطمئن ہوئے۔ اور پھر یہ سلسلہ اگلے چار روز تک چلتا رہا...... احسن بھائی کی دل کی دھڑکن تو چلتی رہی۔ مگر سانسوں کے رکنے۔ اور چلنے کا سلسلہ جاری تھا...... اور ڈاکٹرز ابھی تک ہمارے سامنے ایک سوالیہ نشان کا بورڈ لیے کھڑے تھے۔ کہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کوئی معجزہ ہو جائے تو ورنہ ہمیں کوئی امید نہیں...... اور ایسی حالت میں بقول منیر بھائی کے انہیں ملک سے باہر بھی نہیں لے جا سکتے تھے......

زرقا بھابھی کے قتل کے بعد گھر میں مہمانوں کے ہجوم میں تو کمی واقع ہوئی تھی۔مگر ہمارے دلوں کے سناٹے گزرتے وقت کے ساتھ' آنے والے ہر لمحے میں بڑھتے چلے جا رہے تھے...... آنے والا ہر لمحہ اپنے ساتھ ایک نیا نشتر لیے آتا تھا......اور روح کو اندر تک گھائل کرتا جاتا تھا۔

دکھ بانٹنے والے ختم ہوتے جا رہے تھے۔اور دکھ دن بدن شدت اختیار کر رہا تھا۔ ترکی کی ایک مشہور روایت ہے کہ موت ایک کالا اونٹ ہے۔جو ہر انسان کے دروازے پر ایک بار تو ضرور آ کر بیٹھ جاتا ہے'' میں نے اپنی آنکھوں سے اس اونٹ کو بھابھی کے لیے ہمارے گھر کے ہماری خوشیوں کے دروازے پر بیٹھے دیکھا تھا:

گزرتے وقت نے زرقا بھابھی کو ہم سے جدا کیے۔ہفتہ گزر چکا تھا۔اور احسن بھائی کی حالت بدستور قائم تھی۔اور اس دن الماس آنٹی اور بشیر انکل اپنے گھر گئے تھے۔

دوبارہ اپنی زندگی کے وقت کو پورا کرنے......اور ہمارے گھر میں جگہ جگہ۔ہر کونے سے کسی نہ کسی کی سسکی کی آواز ہر وقت آتی رہتی چاہے وہ سسکی امی کی ہو'ابو کی'بوا کی' محبوب چچا' بھابیوں کی'منیر بھائی کی یا نعمان بھائی کی' یا پھر خود میری......بابا نے تو خود کو دوبارہ اندھیرے میں گم کر دیا تھا۔اور ہمارا پورے گھر نے خاموشی کا لباس اوڑھ لیا تھا خود میری یہ حالت تھی کہ فائز یا مریم کے ہاتھ سے کوئی کھلونا گرتا۔یا وہ کھلتے ہوئے بھی چیخ مارتے تو میں بڑی طرح سے ڈر جایا رتی۔امی نے خود کو بس ہسپتال کی حد تک مقرر کر دیا تھا۔اور صبح شام احسن بھائی کے نام کے صدقے دیئے جا رہے تھے۔خدا سے رو رو کر دعائیں کی جاتی تھیں کہ خدا ان کو زندگی عطا کر دے۔انہیں ہم سب زندہ رہنے کی وجہ بنا دے......اور اس دعا میں الماس آنٹی۔اور صائمہ آنٹی پیش پیش تھیں۔بقول الماس آنٹی کے کہ میں احسن کی زندگی میں زرقا کو زندہ دیکھنے کا محض ایک گمان تو کر سکوں گی......ہم میں سے صرف منیر بھائی تھے جنہوں نے احسن بھائی کے پاس جا کر انہیں دیکھا......کیونکہ بحیثیت ڈاکٹر وہ ان کی حالت کو بہتر جان سکتے تھے۔مگر جب وہ بھی آ کر کوئی ایک الفاظ بھی تسلی کا نہ کہتے تو ہم لوگ ایک لمحے میں ہزار بار مرتے۔اور ہزار بار جیتے......

اس دوران میں صرف ایک بار ہسپتال گئی تھی۔اور احسن بھائی کو شیشے کی ایک کھڑکی سے پٹیوں اور مشینوں میں گھرے ہوئے دیکھا احسن بھائی کا چہرہ تو چھپ ہی چکا تھا......جگہ جگہ پٹیاں۔اور خون سر کی جانب ٹوں ٹوں کرتی مشین جوان کی زندگی سے آگاہ کر رہی تھیں......اس کے بعد میں نے ہسپتال جانے کی غلطی کبھی نہیں کی۔انسان جیسی عاجز چیز اس دنیا میں اور کوئی نہیں...بس یہ انسان کی ''میں'' ہے جو اسے اس عاجزی سے نکال کر سب سے علیحدہ کر دیتی

ہے..... اور حقیقت میں مجھے ہر وقت غصہ کرنے والا شخص۔ ہر ایک کے دکھ میں شریک اور خوشی میں خوش ہونے والا شخص جس نے کسی کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ آج اسے اتنا لاچار' اتنا بے بس' دیکھ کر میں اپنی نظروں میں گرنے لگی تھی......

مجھے قدرت کی ستم ظریفی پر حیرت تھی۔ کہ پہلے احسن بھائی کو والدہ محبت سے محروم کیا۔ پھر اس محبت سے جس کو وہ کبھی کوئی نام ہی نہیں دے پائے۔ اور اب جب وہ اپنی شریک حیات کے ساتھ۔ زندگی محبت سے گزارنے کے لیے تیار ہوئے ہی تھے کہ ان سے وہ محبت بھی چھین لی۔ ایسا کیا گناہ ہوا تھا احسن بھائی سے جس کی قدرت اتنی بڑی سزا دے رہی تھی؟ اور اگر یہ آزمائش تھی تو کیا اس کی کوئی حد بھی تھی......؟ اس کا کوئی انعام بھی تھا؟ میرے لیے زندگی نے پھر ہزاروں سوالوں کو بنا جواب کے سامنے لا کھڑا کیا تھا...... ساری ساری رات میری آسمان پر تکتے گزرتی...... اور پھر اچانک ایسے محسوس ہوتا جیسے زرقا بھابھی پکار رہی ہوں'' ۔''انو'' میں چونک کر ادھر ادھر دیکھتی مگر میرے ساتھ میری تنہائی بھی نہیں ہوا کرتی تھی......

مجھے نہیں پتہ کہ دین و مذہب اس بات کی اجازت دیا کرتے ہیں کہ نہیں مگر ہزار ناراضگی کے باوجود میں اپنے اللہ سے ہر بات کر لیا کرتی ہوں...... ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات۔ بلکہ اکثر ایسی باتیں بھی اللہ سے کر دیا کرتی جس کا خود اللہ نے بھی منع کیا ہے۔ اور اس پل میں اللہ سے جھگڑتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو آ جایا کرتے اور میں خاموش ہو جاتی۔

اللہ نے تو خود کہا ہے کہ انسان کو اس نے پیدا کیا ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ انسان کی روح کیا سرگوشیاں کرتی ہے۔ اور ان سرگوشیوں میں چھپی حقیقتوں سے بھی وہ واقف ہے جس میں انسان خود بھی واقف نہیں۔''

تو پھر اسے ہم سب کا رونا' آہ وزاری' چیخ و پکار سنائی نہیں دی رہی تھی...... مجھے اللہ سے دعا کرنے کا سلیقہ نہیں آنا تھا...... مگر جن کو آتا تھا خدا انہیں تو عطا کرتا...... تو کیا اگر مجھے کبھی بھی یہ سلیقہ نہیں آئے گا تو کیا خدا مجھے کبھی کچھ نہیں دے گا۔ اسے تو ہر کام کرنا آتا ہے۔ ہر بات ہماری سوچ سے پہلے اس کے علم میں ہوتی ہے۔ تو پھر ہمارے گھر کی تاریکی۔ دکھ' الم اس کے علم میں نہیں تھا۔ اپنے انہیں سوالوں سے الجھتی سر کو ہاتھوں سے تھام لیتی۔

وہ رات کا تیسرا پہر تھا جب میں اپنے کمرے سے متصل ٹیرس پر دیوار سے ٹیک لگائے اپنے آنسوؤں سے اپنے من کو دھونے کی کوشش میں معروف تھی۔ مگر میرے من کا میل کسی صورت ڈھلنے کو تیار نہیں تھا۔ اور زرقا بھابھی کی صدائیں۔ اور یادیں کوڑے برسا رہی تھیں کہ

اچانک نعمان بھائی۔انا‘انا‘ پکارتے ہوئے میرے پاس آ گئے ’’انا‘‘ تم یہاں ہو......چلو جلدی چلو ’’احسن‘‘ کو ہوش آ رہا ہے۔ہم سب رہے ہیں۔تم بھی چلو ابھی منیر بھائی کا فون آیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ احسن نے دو چار بار زرقا بھابھی کا نام بھی لیا ہے۔چلو......! میں نے انہیں انجانی سی اس خوشی میں دیکھا......اور پھر کچھ ٹھہر کر بولی نہیں بھائی‘ آپ لوگ جائیں‘ میں نہیں جاؤں گی۔What......تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔انہوں نے حیرت سے ترش لہجے میں کہا......

’’جی بھائی‘ میرا دماغ ٹھیک ہے۔آپ جائیں مجھے نہیں جانا......‘‘ میں نے قدرے سخت لہجے میں جواب دیا۔

’’کیونکہ میں احسن بھائی کو پل پل مرتے‘ یا پل پل زندگی کے طرف لوٹتے بے بسی کے اس عالم میں نہیں دیکھ سکتی......اور زندگی ملے گی بھی تو کیا ہوگا‘‘۔’’جب زرقا بھابھی نہیں ہیں ان کی زندگی میں۔وہ زندگی ہوگی یا موت؟‘‘......

مجھے اس حال میں نہیں دیکھا جائے گا۔مجھ سے انہیں بس یہ دیکھتے ہیں۔قدرت اور کتنی مہربانیاں کرتی ہے ہم پر؟ میں نے قدرے تلخ سے میں انہیں جواب دیا......’’انا‘‘ انہوں نے بے حد نرمی سے میرا ہاتھ تھام لیا......تو جانے کیا ہوا کہ میرا ضبط جواب دے گیا۔اور میں بے قابو ہو کر ان کے سینے سے جا لگی۔

نعمان بھائی‘ !نہیں دیکھا جاتا ایسے احسن بھائی کو کیسے بتائیں گے انہیں کہ زرقا بھابھی جن کی سانسوں سے ہماری سانسیں چلتی تھیں۔اس گھر کی سانسیں جڑی تھیں۔خود سوچیں احسن بھائی کیسے برداشت کریں گے‘‘۔یہ ضد نہیں بھائی مجھے نہیں جانا مجھے احسن بھائی غصہ کرتے۔ڈانٹتے ہی اچھے لگتے ہیں‘ ایسے بے بس‘ لاچار نہیں......اس لمحے بھائی نے مجھے اپنے سینے سے لگائے کس پر ہاتھ پھیرتے......اور رندھی آواز میں بولے۔’’انا‘‘ تم بھی ٹھیک کہتی ہو۔گھر اس میں ہم میں سے کسی کا کوئی قصور نہیں۔اس وقت احسن کی زندگی ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم ہے......اور قدرت کے کاموں میں ہم انسان دخل اندازی کرتے اچھے نہیں لگتے۔اور نہ ہی ہمیں کرنی چاہئے۔اور نہ ہی ہم اس قابل ہیں......بس جیسے جیسے قدرت حکم دیتی ہے۔ویسے ویسے ہم کرتے جاتے ہیں۔اس میں کیا مصلحت ہے۔ہمیں کچھ نہیں پتہ۔‘‘

’’کیا مصلحت بھائی‘‘۔’’میں نعمان بھائی سے الجھنے لگی‘‘۔’’زرقا بھابھی کی موت میں کیا مصلحت ہے۔احسن بھائی کی زندگی اجڑ گئی‘‘۔اس گھر کی خوشیاں برباد ہو گئیں الماس آنٹی اور انکل جیتے جی مر چکے ہیں۔اس میں کیا مصلحت ہے بھائی کوئی مصلحت نہیں ہے۔’’بس قدرت

ہماری بے بسی پر ہم پر ہمارا تماشہ دیکھ کر خوش ہو رہی ہے اور کچھ بھی نہیں‘‘

انہوں نے مجھے دوبارہ سینے سے لگایا۔’’نہیں بیٹا ایسا نہیں کہتے تم ابھی بچی ہو......اور کھونے کے عذاب سے پہلی بار واقف ہوئی ہو۔ اُس درد کا تمہیں پہلی بار احساس ہوا ہے۔ صبر سے کام لو۔ اللہ سب سے بڑا کارساز ہے۔ وہ ضرور بہتر کرے گا......

’’ہماری آزمائش سے پہلے اس نے ہمیں برداشت دے دی تھی...... بابا یہ ہی کہتے تھے نا بھول گئی......انہوں نے مجھے سمجھاتے ہوئے کیا تمہیں نہیں جانا مت جاؤ...... بابا بھی گھر پر ہی ہیں تم دعا کرو! چاہو تو بابا کے پاس چلی جاؤ۔ میں وہاں جا کر تمہیں فون پر اطلاع دیتا رہوں گا۔ سعدیہ بھابھی اور نادیہ میرے ساتھ جا رہی ہیں۔ اور بوا بچوں کے پاس ہیں...... بچے سو رہے ہیں۔ تم فکر نہیں کرنا‘‘۔ انہوں نے مجھے تسلی دی اور چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد میں اٹھی اور بابا کے کمرے کی طرف چل دی۔ بابا اپنے کمرے میں ہاتھ میں تسبیح لیے بیٹھے سامنے دیوار و تکتے جا رہے تھے۔ دروازے کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گئی انہوں نے ایک نظر مجھے دیکھا......اور پھر دیوار کو گھورنے لگے۔ آج بابا کے پاس میرے لیے کچھ الفاظ تھے اور نہ میرے پاس بابا کے ہے۔ پہلی بار ہم دونوں میں ایک طویل خاموشی حائل تھی......

یا ہم دونوں نے ایک دوسرے کو وقت کے رحم و کرم کے حوالے کر دیا تھا...... وہیں رات گزری اور صبح کی خبر فجر کی اذان نے دی تھی۔ فجر کی آذان سے لگتا تھا کہ صبح ہو گئی اور رات گزر گئی۔ ورنہ تو وہ تاریکی تو ہماری زندگیوں پر مکمل طور پر حاوی ہو ہی چکی تھی۔ بابا نے نماز پڑھی اور میں نے بابا کو نماز پڑھتے اور پھر سسک کر خدا نے کچھ مانگتے ہوئے دیکھا......اور پھر انہوں نے بلند آواز میں قرآنِ پاک کی تلاوت شروع کر دی اور دیر تک خدا کے حضور ہاتھ پھیلائے رکھے۔ اور اسی درد کے موسم کی سسکیاں بہتے آنسو‘ پھیلے ہاتھ اور لبوں پر صرف دعا بابا کے انداز سے اللہ کی محبت عیاں تھی۔ اور جانے کیوں ان کی دعا سے خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔ شاید درد۔ سسکیوں‘ آنسوؤں سے مل کر دعا کا موسم بنتا ہے۔ اور پھر اس موسم میں خدا اور محبت کا رنگ غالب آتا ہو گا اور پھر دعاؤں سے خوشبو جھڑتی ہو گی......؟ میرے ذہن میں پر سوالوں نے اپنے ڈیرے ڈالنے شروع کر دیئے...... کہ اسی دوران فرحان کی کال میرے موبائل پر آئی۔ اور اس نے بتایا کہ احسن بھائی کو بار بار ہوش آتا ہے۔ زرقا بھابھی کا نام لیتے ہیں۔ اور بے ہوش ہو جاتے ہیں ڈاکٹروں کو کچھ حد تک امید کی کرن دیکھائی دی ہے۔ مگر ابھی تک بھی وہ حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ بس یہ کہ اگر انہیں مکمل طور پر ہوش آ گیا تو انہیں فی الحال صدمے کی کوئی خبر نہیں رہتی۔ اور وہ لوگ سب

ہسپتال میں ہی تھے۔ بس ہماری خریت جاننا چاہتے تھے۔ میں نے بابا کو یہ اطلاع دی اور نیچے آ کر بچوں کو دیکھا۔ جو تمام دنیا کے دکھوں سے انجان۔ بے خبر۔ سکون کی نیند سو رہے تھے......

اور بوا بیچاری ان کے قریب زمین پر ہم نیم دراز اپنے بڑھاپے کے سبب مجبوراً نیند کے آغوش میں خود کو دے چکی تھی۔ عجب چیز ہے نیند بھی۔ تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی کم از کم انسان کو اس کی موجودہ صورت حال سے کچھ دیر کے لیے تو فرار مہیا کر دیتی ہے...... میں نے آہستہ سے کمرے کا دروازہ بند کیا تو میری نظر سامنے زرقا بھابھی اور احسن بھائی کے کمرے پر پڑی۔ میں آہستہ آہستہ چلتی ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ میں نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ لائٹ آن کی تھی کہ جیسے مجھے زرقا بھابھی نے اپنی بانہوں میں بھر لیا ہو۔ کیسے وہ اپنے کمرے کو سمیٹ رہی تھیں۔ جانے سے پہلے...... ایک ایک چیز...... اپنی درست جگہ پر رکھ کر گئی تھیں۔ کہتے ہیں کہ مرنے والے کو اس کی موت کی خبر انجانے احساس سے ہو جاتی ہے۔ زرقا بھابھی کی تمام باتیں میرے ذہن میں گھومنے لگی۔ احسن کے کپڑے یہاں ہیں وہ آئیں تو انہیں ڈھونڈنے نہ پڑیں...... انہیں کوئی مشکل نہ ہو...... وہ مجھے آوازیں نہ دیں وغیرہ مجھے پورے کمرے میں جیسے زرقا بھابھی وہ سارے کام کرتی تیز تیز بولتی نظر آ رہی تھیں...... اور ان کی آواز کی بازگشت جیسے مجھے مکمل طور سے اپنے حصار میں لے چکی تھی۔ سب کچھ گھوم گیا لمحوں میں اور جانے کون سا پل تھا جس وقت میری ہمت نے مجھے جواب دیا۔ اور میں دروازے کے بیچ و بیچ گر گئی۔ اور جس پل مجھے ہوش آیا۔ اس وقت۔ سعدیہ بھابھی۔ بابا اور محبوب چچا میرے گرد کھڑے تھے۔ سعدیہ بھابھی میرا بلڈ پریشر چیک کر رہی تھیں۔ اور بوا تیزی سے دودھ کا گلاس اٹھائے میری طرف بڑھ رہی تھیں۔

میں نے آہستہ سے آنکھیں پھر بند کر لیں تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے ہزاروں من وزن میرے سر کے ساتھ باندھ دیا ہو۔ بھابھی نے بڑے پیار سے کہا ''انا'' اٹھو ایک دو گھونٹ دودھ پی لو...... بہت Low ہے تمہارا B.P''۔ ''نہیں بھابھی ابھی نہیں!'' میں نے آہستہ سے جواب دیا اور آنکھیں پھر بند کر لیں''۔ ''نہیں ''انا'' یہ کچھ گھونٹ تو تمہیں پینے پڑیں گے۔ B.P بہت Low ہے۔ ایسے کیسے چلے گا۔ اگر تم بھی ہمت ہار جاؤ گی تو''۔ سعدیہ بھابھی سے اس طرح ہمدردی کی' مجھے امید نہیں تھی۔ مگر شاید دکھ کا اپنا ایک رشتہ ہوتا ہے۔ جو اس وقت بیچاری سعدیہ بھابھی نبھا رہی تھیں۔ ''بھابھی Please ابھی نہیں'' میں نے ان سے درخواست کی...... تو بابا آہستہ سے بولے جو کافی دیر سے خاموش تھے۔ '''' انا'' بیٹے اٹھیں' تھوڑا

سا پی لیں شاباش۔ ایسے نہیں کرتے''۔ بابا کے الفاظ تو نرم تھے۔ مگران کا لہجہ قدرے سخت تھا۔
بھابھی نے دودھ کے ساتھ مجھے گولیاں بھی دے دیں۔ اور پھر وہی لاؤنج میں مجھے لیٹا دیا۔ اور میرا سر دباتے بولی۔ ''سو جاؤ ابھی تھوڑی دیر تک نیند آ جائے گی میں نے نیند کی گولیاں دی ہیں۔ کچھ آرام کرو گی تو بہتر محسوس کرو گی''۔ ''محبوب بابا آپ Please بابا کے لیے ناشتہ لگوائیں۔ میں بس بچوں کو دیکھنے آئی تھی۔ ابھی پھر ہسپتال جانا ہے۔ پھر نادیہ آئے گی گھر''......! بھابھی کے یہ الفاظ میری سماعت سے ٹکرائے اور میں کچھ دیر کے لیے مصنوعی نیند کے غلبے میں آ چکی تھی:

کچھ دیر بعد جب میری آنکھ کھلی۔ کہ میرے سر کی جانب کرسی پر بابا بیٹھے تھے۔ اور سامنے زمین پر بوا بیٹی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ مگر جب آنکھ کھلی تو سر وزنی تھا مگر پہلے کی نسبت قدرے کم میں نے مڑ کر بابا کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کالے رنگ کی گرم شال شانوں پر ڈالے تھی اور چہرے پر سفیدی تھی یا نور مگر تھکاوٹ اور درد سے بھرا ہوا''......اور ہاتھ میں مسلسل حرکت کرتے تسبیح کے دانے: اور لبوں پر ہلکی سی حرکت تھی۔ میں نے ایک نظر بابا کو دیکھا اور پھر لیٹ گئی۔ بوا جو شاید کافی دیر سے کچھ پڑھ رہی تھیں۔ انہں نے مجھ پر پھونکا۔ اور پھر دھیرے سے بولی۔ ''میری چندا کچھ کھانے کے لیے لے آوں''؟......تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا......انہوں نے ایک نظر بابا کی طرف دیکھا جنھوں نے شاید میں بات کی تائید کی ہوگی۔ اس لیے بوا خاموش رہیں۔

شام کو امی اور نادیہ بھابھی فرحان کے ساتھ گھر آئیں غالباً سعدیہ بھابھی نے میرے متعلق بتایا ہوگا۔ مصیبت پر مصیبت آتی جا رہی تھی۔ اور ہم لوگ خاموش اس کا سامنا کرنے کے علاوہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ میں نے امی کی پریشانی کو کم کرنے کی خاطر انہیں تسلی دی......، ''اور فرحان سے پوچھا کہ احسن بھائی کے متعلق بتاؤ''۔ بقول اس کے کہ ''ہوش تو آتا ہے اور امکان تو ہیں کہ بہتری ہو جائے گی۔ مگر جب تک انہیں مکمل طور پر ہوش نہیں آتا اس وقت تک ڈاکٹرز کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور منیر بھائی خود بھی یہ ہی رائے رکھتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ 2,4 منٹ تک ہوش آتا ہے زرقا بھابھی کا نام لیتے ہیں اور پھر اسی بے ہوشی میں چلے جاتے ہیں۔ اس صورت حال میں ڈاکٹرز کیا کر سکتے ہیں''......میں نے یہ الفاظ سنے اوپر کی طرف دیکھا اور پھر اپنے خیالوں میں کھوگئی......

خدا اور بندے کا تعلق بہت مضبوط تعلق ہے اور بندہ بارہا اپنے رب کو چھوڑ دیتا ہے۔

کبھی صحیح کبھی غلط راستے پر چلتا ہے کبھی سلوک کی انتہا پر ہوتا ہے تو کبھی کفر کی ابتداء پر کبھی عبادات میں کثرت اور کبھی غفلت' بندے کا اپنے رب سے قربت کا رشتہ ٹوٹ سکتا ہے۔ مگر رب کا اپنے بندے سے یہ رشتہ قطع ہونا تو دور کی بات ایک پل کے لیے اوجھل بھی نہیں ہوتا۔ اور وہ بڑی جلد اپنے بندے کو اپنے پاس آنے۔ اپنے سامنے جھکنے پر آمادہ کر لیتا ہے مگر مجبور نہیں کرتا۔ اور پھر انسان کی رضا' اس کے اختیار میں سب کچھ رکھ چھوڑتا ہے۔ اور یہ ہی میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔ اور خدا نے کس طرح میری ناراضگی اور غصے کو میرے اندر پھر دفن کر دیا۔ اور مجھے پھر اپنے سامنے لے آیا...... مجھے پھر یہ احساس دلا دیا کہ اس کی مدد اس کے تعاون کے بنا میں کچھ بھی نہیں...... جب تک وہ مجھے ہمت عطا نہیں کرے گا اس وقت تک میں کچھ کرنے کے قابل نہیں مجھے میرے اور اپنے رب کے درمیان اس رشتے کی سمجھ نہیں آ سکی اور اس وقت تو بالکل بھی نہیں کہ وہ یہ سب مہربانی اور مجھ سے اپنا تعلق مضبوط سے مضبوط تر کیوں کر رہا تھا۔ اور ایسا میرے خیال سے ہر انسان کے ساتھ کم سے کم ایک بار تو ضرور ہوتا ہوگا۔

''جس وقت اس کے اور اس کے رب کے درمیان تعلق بہت گہرا ہو جاتا ہے''۔

زندگی میں جب کچھ پل خفا ہو جاتے ہیں تو بعض اوقات دعائیں بھی روٹھ جایا کرتی ہیں اور ہمارے گھر میں تو پوری زندگی ہی روٹھی چکی تھی۔ تو دعائیں کہاں راضی ہوتیں؟

ہماری تو زندگی کا ہر پل پرایا ہو چکا تھا اور دعائیں بھی ان سب کے بارے میں بس ایک گمان ہی تو تھا۔ احسن بھائی کی ایسی حالت کو تقریباً (15) پندرہ دن گزر چکے تھے''۔ ''اور اس دن ان کو ہوش قدرے زیادہ دیر کے لیے آیا۔ اور جیسے جیسے ان کی بے ہوشی میں کمی ہوتی جاتی۔ ویسے ویسے زرقا بھابھی کا ذکر زیادہ ہوتا جاتا...... اور پھر انہیں مکمل ہوش آنے پر ایک اطمینان کی سی کیفیت تھی۔ مگر ان کی چوٹیں اتنی شدید تھی۔ کہ ابھی تک ان کا علاج تو شروع بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ڈاکٹروں اور گھر والوں کی تمام تر توجہ محنت اور دعائیں ان کے ہوش میں آنے پر مرکوز تھیں۔ اور پھر جس دن انہیں ہوش آئے تقریباً تین دن ہو چکے تھے۔ اور مسلسل زرقا بھابھی کے بارے میں پوچھتے جس پر گھر والوں نے انہیں یہ کہہ کر تسلی دی تی کہ وہ کچھ زخمی ہوئی ہے اور ڈاکٹروں نے اسے گھر پر مکمل آرام کے لیے کہا ہے۔ اس لیے ہسپتال نہیں آ سکتی۔ یہ ہی بیان الماس آنٹی اور بشیر انکل نے بھی بڑی بہادری سے دیا۔ مگر حقیقت اپنا آپ سنائے بغیر کبھی کسی چوکھٹ سے نہیں ٹلتی لاکھ کوششوں کے باوجود بھی ہم حقیقت کو جھٹلانے میں ناکام ہی رہتے ہیں۔ اس وقت بھی ویسا ہی ہو رہا تھا۔ کہ جب احسن بھائی بمشکل الفاظ ادا کر پا رہے تھے کہ زرقا کو

بلاؤ۔ مجھے اسے ایک نظر دیکھنا ہے۔اسی صورت حال کا اس وقت گھر والے سامنا کر رہے تھے۔ جس سے میں سب سے زیادہ خوف زدہ تھی۔ اور جب نعمان بھائی نے فون پر مجھے ان تمام حالات سے آگاہ کیا......تو اس وقت میرے پاس کہنے کو ایک لفظ بھی نہ تھا میرے پاس ان کے سوالوں کا نہ تو کوئی جواب تھا اور نہ ہی کوئی حل۔ اور شاید انہوں نے مجھے بتایا بھی اسی لیے تھا کیوں کہ وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ اس صورت حال کے لیے قبل از وقت میں کس کیفیت سے گذر رہی تھیں۔ جس سے وہ بھی گزر رہے تھے۔

اس قدر زخمی ہونے کے باوجود احسن بھائی نے ضد کرنا شروع کر دی۔اور اسی ضد کی وجہ سے ان کی سانسیں اکھڑنے لگی تھی...... چہرے پر جگہ جگہ زخموں کے نشان یہاں تک کہ آنکھ کی بیرونی جھلی تک ٹانکے لگائے گئے تھے۔معجزتا بچی رہی۔ اور پھر وہ وقت آ گیا جب ڈاکٹرز نے کسی طرح سے گھر والوں کو ان کو بہلانے کی اجازت تو دی مگر صدمے سے مکمل طور پر دور رہنے کو کہا......سر پر چوٹ آنے کے باعث ان کی یاداشت پر تو کوئی ایسا اثر نہیں ہوا مگر انکا ذہن مزید کسی صدمے کو برداشت کرنے کے قابل بھی نہیں تھا۔ اور کسی بھی صدمے سے یا تو ان کی دماغ کی شریانیں پھٹ جانے کا اندیشہ تھا اور یا پھر مکمل طور پر پاگل ہو جانے کا......ایسی صورت حال میں کسی قسم کا کوئی بھی سخت لفظ ان کے سامنے ادا نہ ہو۔ ان کے ذہن پر اس حادثے کے اتنے سنگین نقوش موجود تھے۔ کہ وہ ابھی تک ان سے باہر نہیں نکلے تھے۔اور شاید اسی لئے وہ بار بار زرقا بھابھی پوچھتے تھے۔ ان کی بے چینی یا ان کا زرقا بھابھی سے ان کی مخلص رشتے کی کشش تھی جو انہیں کچھ بتا رہی تھی۔ مگر جیسے وہ مان ہی نہیں رہے تھے۔ یا پھر وہ سب جانتے تھے اور ہم سب سے اس کی تصدیق چاہتے تھے۔

پھر وہ دن آیا جس دن سب کی موجودگی میں احسن بھائی نے امی کے پاس آنے ان سے پوچھا۔''اگر زرقا بیمار ہے تو ''انا'' مجھ سے ملنے۔ مجھے دیکھنے کیوں نہیں آئی''۔ میں نے ایک بار بھی اسے اپنے پاس نہیں دیکھا......تو امی اچانک نعمان بھائی کی طرف دیکھا۔ اور دونوں پریشان ایک دوسرے کو دیکھنے لگے: اس وقت باقی تمام لوگ گھر آئے تھے۔اور جب نعمان بھائی نے انہیں ٹالنے کے لیے یہ کہا کہ ''وہ جب آتی ہے تو آپ سو رہے ہوتے ہو۔ اور گھر پر اسے زرقا بھابھی کا خیال بھی تو رکھنا ہوتا ہے نا۔ تو وہ زیادہ دیر یہاں رک نہیں سکتی۔''

''اس لیے جلدی چلی جاتی ہے''......تو احسن بھائی نے انہیں کہا۔''کہ آپ اس وقت ''انا'' کو بلائیں! سب لوگ گھر پر زرقا کے پاس موجود ہیں۔ اور میں بھی یہاں جاگ رہا

ہوں...... اسے کہیں کہ مجھے آ کر مل جائے'' ...... ابھی اور اسی وقت۔ یہ سب باتیں جب نعمان بھائی منیر بھائی کو بتا رہے تھے تو میں منیر بھائی کے پاس موجود تھی اور انہوں نے فون کا سپیکر کھول رکھا تھا جیسے جیسے یہ الفاظ میری سماعت سے ٹکراتے جاتے میرا جسم سن ہوتا جا رہا تھا۔ نعمان بھائی کے لہجے میں ایک عجیب سی بے بسی تھی۔ یار منیر بھائی۔'' آج احسن رویا ہے۔ یہ باتیں کہتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس وقت وہ زندگی اور موت سے متصل دروازے پر ہے۔ اور اسے کون سا لمحہ زندگی کی طرف لے آئے اور کون سا موت کی طرف یہ ہمیں نہیں معلوم منیر بھائی کچھ کرو یار مجھ میں اب مزید ہمت نہیں...... وہ کہتا ہے کہ ''انا'' کو بلاؤ مجھے معلوم ہے وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ مجھے اس کی بات پر اس کی آنکھوں پر یقین ہے۔ میں اسے دیکھوں گا تو جان جاؤں گا کہ زرقا کیسی ہے؟ کس حال میں ہے؟'' اب آپ بتاؤ میں کیا کروں؟'''' آپ ہسپتال آؤ جلدی میرے پاس احسن کے درد' آہوں' میں سمیٹے سوالوں کے جواب نہیں ہیں۔ منیر بھائی نے فون بند کیا اور میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔'''' ''انا'' اب کیا کریں''، تو میں نے ایک دم سے چڑ کر کہا۔'' مجھے کیا پتہ میں تو نہیں جا سکتی احسن بھائی کے پاس۔ مجھے انہیں کچھ نہیں بتانا...... پلیز بھائی مجھے تنگ نہ کریں''۔ میں نے یہ کہہ کر اپنا ہاتھوں سے اپنے سر کو پکڑ لیا...... تو سعدیہ بھابھی نے بھی منیر بھائی سے یہ ہی کہا کہ اس کی بھی حالت ٹھیک نہیں۔ آپ اسے پریشان نہ کریں''۔ کوئی اور حل سوچیں اس بات ا یہ بھی کافی الجھی ہوئی ہے۔ اور یہ بچی ہے۔ یہ تو آپ بڑوں کا کام ہے۔

'''' بہت سارے کام ایسے ہوتے ہیں جو بچے بڑوں سے زیادہ بہتر طریقے سے سرانجام دے سکتے ہیں''''۔ اچانک بابا کی آواز سے ہم تینوں چونک گئے...... بابا جانے کب سے کھڑے ہماری باتیں سن رہے تھے...... منیر بھائی کھڑے ہو گئے...... ''سعدیہ بیٹا۔ یہ کام ''انا'' ہی کرے گی''...... میں نے حیرت سے بابا کی طرف دیکھا۔ تو وہ میرے پاس آئے۔'' بیٹا جان احسن جانتا ہے کہ آپ زرقا کے بہت قریب رہی ہو۔ اور اسے آپ کے چہرے آپ کے بیان سے زرقا کی خریت کی امید ہے۔ آپ اسے جا کر تسلی دے آؤ۔ کچھ دنوں میں جب اس کا ذہن اس صدمے کو جھلنے کے قابل ہو جائے گا تو ہم اسے بتا دیں گے۔ ابھی تو صرف اس کی تسلی تک یہی بات کرنی ہے''۔'' مگر بابا اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ کچھ دنوں بعد پتہ چلنے پر احسن بھائی نارمل رہیں گے''؟ اس وقت بھی تو Shock کی وجہ سے انہیں کچھ ہو سکتا ہے نا؟'' میں نے غصے سے بابا سے سوال کیا۔'' بیٹا...... جان۔ وہ رکتے رکتے بولے...... کسی بھی بات کی ہم

انسانوں کے پاس ضمانت نہیں ہوتی۔ہمیں نہیں پتہ تقدیر نے مزید کیا لکھا ہے۔مگر جو بہتر ہے وہ تو کر سکتے ہیں نا...... آنے والے کسی لمحے کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ کچھ پتہ نہیں کہ اللہ نے ہمارے لیے کس لمحے کون سی آزمائش یا انعام رکھا ہے...... ہوسکتا ہے کہ وہ آنے والے کسی لمحے میں ہمیں انعام سے نواز دے۔ بحثیت مسلمان ''امید'' ''اچھی امید'' تو ہمارے ایمان کا بھی تقاضا ہے۔تو اگر ہم بہتری کی امید پر کوشاں ہیں تو اس میں کیا برائی ہے؟ آپ جائیں کپڑے بدلیں اور جا کر احسن سے مل کر اسے تسلی دے کر آئیں''......'' اس امید پر کہ اللہ آنے والے وقت میں گزرے ہوئے وقت کی کوئی پرچھائی بھی نہ ڈالے۔اور احسن کو زندگی۔صحت اور خوشی عطا کرئے ہم زرقا کو بچا نہیں سکے۔مگر احسن کی زندگی کے لیے کوشش تو کر سکتے ہیں نا۔''

میں اس لمحے بابا کی آنکھوں میں اپنے بیٹے کے لیے زندگی کی جدوجہد جذبات اور امید دیکھ رہی تھی...... کچھ بھی ہو۔ جتنے بھی بہادر بن جائیں مگر یہ محبت انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے اور اس وقت بابا بھی اپنے بیٹے کی محبت کے ہاتھوں مجبور تھے۔ اور جس سے جو بن پڑتا تھا وہ کرنے کے لیے تیار تھا...... بابا کے یہ الفاظ سن کر میں بوجھل قدموں سے اپنے کمرے میں گئی اور میں نے وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کی۔اور اللہ کے حضور گڑگڑا کے دعا کی اے میرے پروردگار ''احسن'' بھائی کی تکلیف کم کر دے۔اور اگر تو نے انہیں زندگی عطا کی ہے تو صحت کے ساتھ تھوڑی سی خوشی تھوڑا سکون بھی شامل کر دے۔ جانے ان کے لیے دعا کرتے ہوئے میرے دل کی ڈھڑنیں بے ترتیب کیوں ہونے لگیں...... میں دعا کر کے تیار ہو کر نیچے آئی اور منیر بھائی کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔

جاتے ہوئے بابا بیرونی دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔اور آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک لیے دھیرے سے بولے...... ''جاؤ بیٹا۔اللہ تم سے وہ ہی کہلوائے گا جس میں احسن کی بہتری ہو گی...... کچھ بھی ہو اس میں اللہ کی منشاء شامل ہو گی دل پر کوئی بوجھ مت رکھنا''...... میں خاموشی سے منیر بھائی کے ساتھ جا کر گاڑی میں بیٹھ گئی اور ہم اسی سڑک پر سے گزر رہے تھے جہاں سے کچھ دن پہلے احسن بھائی نے مجھے اپنے سے آگے نکلنے کا کہا تھا اور زرقا بھابھی ان کے ساتھ تھی۔مگر آج زرقا بھابھی ان کے ساتھ نہیں۔ اور وہ خود زندگی سے دور،ہماری زندگی سے دور،میری زندگی سے دور،موت کے نزدیک کھڑے تھے......

میں راستے میں اپنے ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسوؤں کو پونچھتی رہی۔اور ہر بار منیر بھائی مجھے دیکھتے رہے مگر اس وقت شاید وہ بھی اسی اذیت ناک کیفیت سے گزر رہے تھے جس میں سے

میں گزر رہی تھی۔

ہسپتال کے لمبے کوری ڈور کو کراس کرتے ہوئے مجھے اپنا ایک ایک قدم کر کرنے۔ پہاڑ کے برابر لگ رہا تھا۔اور پھر ہم ایک چھوٹے کوری ڈور سے گزر کر ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے اور سامنے شیشے کی بڑی سی دیوار کے اس پار احسن بھائی بہت ساری مشینوں میں گھرے پڑے تھے۔نعمان بائی نے مجھے دیکھتے ہی سینے سے لگالیا۔

''یہ بھی زندگی کی ایک تلخ حقیقت ہے کہ انسان جس چیز جس صورت حال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔قدرت وہی صورت حال نہ صرف اس کے سامنے لے کر آتی ہے بلکہ اس صورت حال کو اس انسان کی سب سے بڑی آزمائش بنادیتی ہے۔اور اس وقت میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہورہا تھا...... ابھی میں پیچھے ہی ہوئی تھی کہ امی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا ''انا'' میرے ''احسن'' کو بچانے میں میری مدد کر۔میں دو بچوں کی جدائی برداشت نہیں کر سکتی'' امی میرے سامنے بے بس کھڑی تھیں۔اس سے پہلے کہ میں امی کو تسلی کا کوئی حرف بولتی۔کہ بشیر انکل نے باہر کا دروازہ کھولا۔انہیں حالات کی ساز گاری کا اندازہ تھا......میرے پاس آکر بولے۔ ''''انا'' وہ شخص جو اندر زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔''وہ میری مرحومہ بیٹی کا شوہر نہیں۔ میرا زندہ بیٹا ہے۔اور میرے بیٹے کی زندگی کے لیے تم جو کچھ بھی کرو گی۔وہ تمہارا میرے اوپر احسان ہو گا۔مجھ پر احسان کر دو۔احسن کو اس صدمے سے بچالو......اسے زندگی کی طرف لے آؤ۔میں احسن میں اپنی زرقا کو دیکھتا ہوں'' ...... یہ کہتے ہوئے انکی آنکھوں سے آنسوؤں بہنے لگے میں نے اپنی آنکھیں صاف کیں اور بشیر انکل کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔''میں آپ کی بیٹی ہوں...... اور آپ میری ہمت ہیں انکل''۔میں نے ان کا ہاتھ تھاما اور انہیں اپنے ساتھ لیے احسن بھائی کے کمرے میں چلی گئی......امی اور بھائی بھی پیچھے کمرے میں داخل ہو گئے۔شاید احسن بھائی سو رہے تھے۔ان کا چہرہ تقریباً پٹیوں میں چھپا ہوا تھا......امی نے دھیرے سے کہا شاید سو رہا ہے۔ تم پاس بیٹھ جاؤ۔میں احسن بھائی کے پاس پڑے سٹول پر بیٹھ گئی کچھ لمحے گزرے ہوں گے کہ بستر پر پڑے رکھے ہاتھ جس کی پشت پر ڈرپ کی سوئیاں لگی ہوئی تھیں اور انگلی پر دل کی دھڑکنیں بتانے وال آلہ لگا ہوا تھا۔ان میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔اور پھر پٹیوں میں ڈھکی آنکھ نے ذراسی حرکت کی اس لمحے میرے دل کی دھڑکن تھم سی گئی تھی۔نعمان بھائی سانس روکے میرے ساتھ کھڑے تھے۔اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتی۔ایک ہلکی سی آواز جس میں تکلیف اور کرب کے علاوہ اور کچھ نہ تھا......''امی''انا''نہیں آئی کیا؟''...... احسن بھائی مڑ کر میری طرف دیکھ نہیں

سکتے تھے۔ ان کی گردن پر کالر لگا ہوا تھا۔ اس لمحے کسی میں کچھ بولنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں نے بے اختیار احسن بھائی کی کلائی پر اپنا ہاتھ رکھا...... تو بڑے آرام سے بولے ''''انا'' اس طرف میرے سامنے آؤ'' ...... میں نے حسرت سے سامنے کھڑے منیر بھائی کی طرف دیکھا جنہوں نے مجھے آنکھ کے اشارے سے دوسری جانب آنے کا کہا۔ جہاں سے احسن بھائی مجھے دیکھ سکتے تھے۔ میں نے ایک لمبی سانس لی اور پھر ان کے بیڈ سے گھوم کر ان کے دائیں جانب جا کر کھڑی ہوگئی۔ انہوں نے اپنی آنکھ کو بمشکل کھولا...... اور پھر اپنی تکلیف کو چھپاتے ہوئے بولے۔ ''انا'' میں ان کے نزدیک ہوگئی...... جی! ''انا'' میری زرقا کہاں ہے؟ کیسی ہے؟ ان میں سے کوئی بھی مجھے کچھ ٹھیک نہیں بتا تا تم بتاؤ!'' انہیں یہ بات مکمل کرنے میں کافی وقت لگا۔ اور وہ اپنی زخمی آنکھ سے مجھے دیکھ بھی رہے تھے۔ میں نے ایک لمحے کے لیے ان کی جانب دیکھا۔ اور پھر جانے کیا تھا۔ کہ مجھ میں واقعی اتنی ہمت آ چکی تھی یا پھر یہ قدرت کا معجزہ تھا...... مگر مجھے اپنے اندر سب کی دعاؤں کے بدلے میں ملنے والی طاقت محسوس ہو رہی تھی اور ویسے بھی کہتے ہیں کہ جب مشکل آپ کے بالکل قریب اور سامنے کھڑی ہو تو اس سے لڑنے کا حوصلہ اور آخری بار خود کو بچانے کے لیے انسان ایک آخری اور بھرپور کوشش ضرور کرتا ہے...... اور یہ میری کوشش تھی۔ میں نے دوبارہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا......

بس ایک خیال بار بار آ رہا تھا کہ میں ان سے جھوٹ بولوں گی۔ جو اس وقت صرف مجھ پر اعتبار کیے بیٹھا ہے......

زرقا بھابھی مکمل آرام کر رہی ہیں۔ اور اب انہیں کوئی تکلیف نہیں وہ سکون سے سو رہی تھیں جس وقت میں آئی تھی...... اور وہ اب بس اتنا چاہتی ہیں کہ آپ جلدی سے ٹھیک ہو کر گھر آ جائیں۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ ان کی خواہش کب پوری کرتے ہیں، آپ جتنے زیادہ دن یہاں رکیں گے۔ وہ اتنی ہی تکلیف میں رہیں گی۔ اور وہ دن رات آپ کی صحت کے لیے دعا گو رہتی ہیں''۔ یہ بات کہتے ہوئے میرا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ اور آواز ایک دم سخت مجھے نہیں معلوم کہ مجھ میں اتنی دلیری کہاں سے آ گئی......

''اور ایک بات یاد رکھیں...... کہ آپ کی صحت اور زندگی صرف آپ اور زرقا بھابھی کی نہیں بلکہ آپ کی زندگی کے ساتھ ہم سب کی زندگیاں جڑی ہیں۔ اور اگر آپ کو بھی کچھ ہو گیا تو ہم سب جیتے جی مر جائیں گے۔ اور احسن بھائی ہم ایسے مرنا نہیں چاہتے۔ پلیز ہمت کریں۔ ٹھیک ہو جائیں'' ...... میرا اتنا کہنا تھا۔ کہ احسن بھائی نے ایک گہری سانس لی۔ اور اپنی

آنکھیں بند کر دی...... وہ سانس تھی یا ہچکی تھی...... مگر ان کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ اور طاقت نہ ہونے کے باوجود مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ میرے ہاتھ سے ہاتھ چھڑوانا چاہ رہے ہوں اور پھر انہوں نے اپنی پوری قوت سے اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ سے چھڑوا کر بستر پر پھینک دیا۔ اور میں نے منیر بھائی کی طرف دیکھا...... منیر بھائی تیزی سے آگے بڑھے پہلے سامنے پڑی E.C.G کی مشین کو دیکھا اور پھر ان کی نبض کو چیک کیا...... اور پھر خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔ ہم سب سانس روکے کھڑے تھے...... کہ تھوڑی دیر بعد احسن بھائی کی آواز آئی۔ ''''انا'' اب جاؤ یہاں سے چلی جاؤ پلیز'' یہ کہہ کر جیسے وہ اپنا رخ بدلنا چاہتے ہوں۔ مگر اس وقت ان کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔

یہ کہہ کر بشیر انکل اور نعمان بھائی میرے ساتھ کمرے سے باہر آ گئے اور باہر آنے پر جیسے میرے ضبط کے تمام بند ٹوٹ چکے تھے۔ اور میں نعمان بھائی کے سینے سے لگ کر ایسے روئی جیسے میں اپنی زندگی کی تمام تر بازیاں ہار چکی ہوں...... اور پھر میں ان کی بانہوں میں جھول گئی۔

جب مجھے ہوش آیا اس وقت میں اپنے گھر میں اپنے کمرے میں موجود تھی اور میرے پاس دونوں بھابیاں بابا اور فرحان کھڑے تھے...... میری آنکھیں کھولتے ہی بابا نے میرے چہرے پر ہلکی سی پھونک ماری...... میں گھر کب آئی کیسے آئی مجھے کچھ ہوش نہیں تھا...... اور میری زبان سے ایک دم سے احسن بھائی کا نام نکلا...... تو بابا نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''مجھے معلوم تھا کہ میری بچی دلیر ہے۔ انا آپ کا جتنا کام تھا۔ اتنا آپ نے کر دیا۔ اب باقی قدرت کے ہاتھ میں ہے۔ اور میں نے جاتے وقت آپ سے یہ ہی کہا تھا۔ کہ اپنے دل پر کوئی بوجھ مت رکھنا۔ قدرت جو چاہے گی! آپ کی زبان وہ کہے گی اور ویسا ہی ہوا۔ آپ نے اسے تسلی دی۔ اب قدرت اسے زندگی دے یا موت اس میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔''

یہ کہہ کر بابا کمرے سے بارہ چلے گئے۔ اور نادیہ بھابھی نے کہا ''انا'' تمہارے لیے کچھ لے آؤں کھانے کے لیے وہ بھی بابا کے پیچھے باہر نکل گئی...... سعدیہ بھابھی نے آگے بڑھ کر میرا B.P چیک کیا...... اور پھر آرام سے بولی ''''انا'' تمہیں آرام کی بہت ضرورت ہے۔ اور دیکھو ہم سب بھی تو اسی کیفیت سے گزر رہے ہیں انہیں حالات کا سامنا کر رہے ہیں جن کا تم کر رہی ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تم زرقا کے بہت قریب تھی۔ بہت پیار تھا تم دونوں میں...... مگر ان سب میں کسی کا قصور نہیں تمہیں بھی ہمت کرنی ہو گی...... تم نے احسن کی ہمت بڑھائی اور خود ہمت ہار رہی ہو۔ ایسے تو نہیں چلے گا''۔ میں آنکھیں بند کیے بھابھی کی باتیں سن رہی تھی۔ مگر ان

کی کسی بات کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔فرحان تم بیٹھو اس کے پاس اسے کچھ سمجھاؤ''...... میں آتی ہوں یہ کہہ کر وہ بھی چلیں گئی۔اور فرحان میرے قریب آ کر بیٹھ گیا...... کافی دیر ہم دونوں کے درمیان ایک طویل خاموشی رہی مگر پھر فرحان بولا...... ''انا'' ''انا''...... میری طرف دیکھو اس نے بڑے آرام سے مجھے پکارا۔ میں نے آنکھیں کھول لیں اور ایک نظر اس کی طرف دیکھا...... ''کیا ہوا؟'' اس نے مجھے دیکھتے ہوئے بڑے آرام سے کہا...... ''کیا ہو گیا ہے ''انا'' ایسے مت کرو...... ہم سب نے اپنی اپنی جگہ کھویا ہے۔ہاں مگر تمہارے کھونے اور ہمارے کھونے میں کم یا زیادہ کچھ نہ کچھ فرق ہے...... مگر جیسے تم کر رہی ہو۔اس سے مشکل حل نہیں ہو گی۔تکلیف کم نہیں ہو گی وقت گزرنے کی رفتار تیز بھی نہیں ہو گی۔اور نہ ہی گزرا وقت واپس آئے گا۔ہاں اگر کچھ ہو گا۔تو صرف اتنا کہ ہم سب کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوتا جائے گا...... اور کیا تم سمجھتی ہو کہ ہم سب مزید پریشانی دکھ کا بھار اٹھانے کے قابل ہیں۔ابھی تو ہمیں احسن بھائی کی طرف سے بھی کوئی مثبت جواب نہیں مل رہا...... ہمارے سروں پر ان کی زندگی ختم ہونے کی تلوار لٹک رہی ہے۔اور اب تمہاری یہ حالت...... بابا' امی' ایوان میں کتنی ہمت ہے۔کتی برداشت ہے ان میں کہ تم ان کے صبر کو آزمانے لگی ہو...... کچھ ترس کھاؤ ''انا'' اور کسی کا نہیں تو بابا کے بارے میں ہی سوچ لو...... کیا وہ تمہیں اس حال میں دیکھ سکتے ہیں؟ جنہوں نے ابھی تک اپنے بیٹے کی شکل نہیں دیکھی اس خوف سے وہ ہسپتال نہیں جاتے: کہ اسے زخمی حالت تکلیف کی حالت میں نہیں دیکھ سکتے: اور ہم سب سے زیادہ تکلیف وہ خود کو گھر میں رہ کر دے رہے ہیں۔اور تم انہیں گھر میں اس سے بھی زیادہ اذیت دے رہی ہو۔Please انا ایسا مت کرو۔آخر اس گھر میں اب تم ہی ہو۔جس نے ان سب کو سنبھالنا ہے۔یہ کڑوا سچ ہے کہ تم اس گھر میں اکیلی رہ جاؤ گی۔منیر بھائی۔نعمان بھائی وغیرہ سب نے ایک دن تو جانا ہے۔اور پھر تم اکیلی ہو جس نے ان سب کا سہارا بننا ہے ان کی طاقت بننا ہے۔بجائے اس کے تم خود کو ان کی طاقت بناؤ۔انکی ہمت بڑھاؤ۔تم ان کو کمزور کر رہی ہو۔اور رہی سہی ہمت بھی ختم کر رہی ہو''۔

تمہیں ہمت کرنا ہو گی...... فرحان نے میرا ہاتھ تھام لیا۔بابا کے لیے احسن بھائی کے لیے جنہیں اس وقت تمہاری توجہ تمہارے پیار کی ضرورت ہے۔امی بزرگ ہو چکی ہیں ان میں ہمت نہیں۔اور ''بوا'' کس کس کو دیکھیں...... تم ان کا ساتھ دو گی تو ہی کچھ بن پڑے گا۔اور سب سے آخر میں میں خود...... تمہارے ساتھ کی عادت ہو چکی ہے مجھے اور تمہیں اس حال میں دیکھنے کے لیے تم سے دوستی نہیں کی تھی۔تمہاری ہر مشکل میں تمہارے ساتھ ہوں۔مگر تمہاری اس بے بسی

میں نہیں ...... تمہاری یہ بے بسی۔ مجھے تم سے زیادہ بے بس۔ اور لاچار بن رہی ہے۔ اور کچھ نہیں تو ہماری دوستی پر ترس کھاؤ...... مجھ پر ترس کھاؤ۔"

فرحان کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں جانے میرے دل کا بوجھ کم کر رہے تھے یا میری ہمت بڑھا رہے تھے۔ مگر اس وقت مجھے یہ احساس اپنی پوری شدت سے ہوا تھا۔ کہ یہ وہ وقت ہے جب اس گھر کو میری ضرورت شاید سب سے زیادہ تھی۔ اور شاید یہ ہی وہ وقت تھا۔ جب میں اپنی ذات کے ساتھ جڑا یہ گلا مٹا سکتی ہوں کہ میں نے آج تک اس گھر کے لیے کچھ نہیں کیا تھا...... زرقا بھابھی کی جگہ کوئی بھی نہیں لے سکتا تھا۔ ان کی کمی کو تو میں پورا نہیں کر سکتی تھی۔ مگر۔ اس وقت گھر میں موجود اس دکھ کی آگ کی تپش کو قدرے کم کرنے کا سبب تو بن ہی سکتی تھی...... میں نے فرحان کی طرف غور سے دیکھا...... جو اپنے اندر ایک انجانا سا خوف لیے میری طرف پر امید نظروں سے دیکھ رہا تھا...... میں نے اپنا ہاتھ کی گرفت فرحان کے ہاتھ پر مضبوط کر دی...... اس نے ایک نظر جھکا کر ہاتھوں کی جانب دیکھا...... اور کہ اسی اثنا میں نادیہ بھابھی کمرے میں ہاتھ میں سوپ کا پیالہ لیے آ گئی۔ اٹھو "انا" یہ تھوڑا سا لے لو'...... میں نے ایک نظر فرحان کی طرف دیکھا اور پھر اسی کے ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھی...... اور بنا کچھ کہے ان کے ہاتھ سے سوپ کا پیالا پکڑ لیا۔ انہوں نے ایک نظر فرحان کی طرف خوشی سے دیکھا۔ شاید انہیں بھی امید نہیں تھی کہ میں اتنی جلدی سوپ لینے پر راضی ہو جاؤں گی...... اور فرحان نے میری طرف دیکھتے ہوئے اپنی آنکھوں میں چمکتے آنسو اور چہرے پر چھپی مسکراہٹ کے ساتھ کہا Thanks...... اور میں نے آنکھ کے اشارے سے اس کا جواب دیا۔

قدرت کو ہم پر ترس آ گیا تھا...... یا گزرتا وقت خود بخود ہمارے زخموں پر مرہم رکھ رہا تھا۔ یا پھر صدیوں سے چلتا یہ سچ کہ خدا کی ذات اپنے بندے پر اس کی برداشت سے زیادہ دکھ کا بوجھ نہیں ڈالتی اسی لیے قدرت نے احسن بھائی کو زندگی دے کر ہمارے حال پر رحم کر ہی دیا......

گزرتے ہر وقت کے ساتھ احسن بھائی کی حالت میں سدھار آ رہا تھا...... دو مہینے کے طویل علاج کے بعد ڈاکٹروں نے احسن بھائی کو گھر جانے کی اجازت دے دی تھی مگر ان کے اعصاب اس قابل نہیں تھے کہ کسی بھی طرح کا بوجھ برداشت کر سکیں۔ جہاں یہ زندگی کا ایک بڑا سچ ہے کہ قدرت ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتی وہاں ہی میری زندگی میں ہی بات بھی نہ بدلنے والی حقیقت ہی بنتی جا رہی تھی کہ آنے والے ہر وقت پر آزمائش شرط ہے۔ زندگی قدم قدم پر آزماتی ہے۔ اور یہ ہی آزمائش ہم سب پر ایک بار پھر آ چکی تھی۔ جس وقت احسن بھائی کو ویل چیئر پر

ہسپتال سے گھر لایا جا رہا تھا۔ اور اس وقت سب کے ذہن میں ایک ہی سوال تھا کہ ان کے گھر پہنچنے پر زرقا بھابھی کی خواہش لیئے وہ گھر آ رہے ہیں مگر وہ ان سے اب زندگی بھر نہیں مل سکے گی۔ کون بتائے گا کہ زندگی نے تقدیر نے انہیں ایک بار پھر بالکل تنہا کر دیا...... اور اس کی اس تنہائی کا بدل اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تائی ماں کے جانے کے بعد امی نے احسن بھائی کی زندگی میں شاید ماں سے بڑھ کر اہم کردار تو ادا کیا۔ مگر تائی ماں کی جگہ تو امی کبھی نہیں لے سکتی تھیں۔ اور اب زندگی کے اس موڑ پر جب احسن بھائی اور زرقا بھابھی کے درمیان حائل ایک دوری کی کمزور سی دیوار بھی ختم ہو چکی تھی۔ تو قدرت نے ان کے درمیان زندگی اور موت کی کبھی نہ ختم ہونے والی دیوار حائل کر دی تھی۔ میں اور بابا گھر پر تھے...... باقی سب ان کے پاس ہسپتال تھے۔ بلکہ تھوڑی دیر کے لیے اس اذیت کو مزید ٹالنے کے لیے بشیر انکل نے یہ تجویز رکھ دی تھی کہ احسن کے گھر آنے پر اس کو یہ کہہ دیں گے کہ الماس آنٹی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی اور بھابھی ان کے ساتھ ہسپتال ہیں۔ اور بشیر انکل احسن بھائی کو گھر لے آئیں گے اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ انہیں بتا دیں گے۔

بابا آج اپنے بیٹے کو ڈھائی ماہ بعد دیکھنے جا رہے تھے۔ مگر دل میں وہی خوف لیے کہ پتہ نہیں اسے اور کتنے لمحے دیکھ پائیں گے۔ کیونکہ اس بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس خبر کے بعد احسن بھائی کا ردعمل کیا ہو گا۔ مگر یہ بات ہم سب کے لیے حیرت افزاء تھی کہ انہوں نے یہ دو ماہ زرقا بھابھی کے بارے میں کسی سے بھی نہیں پوچھا......

جس بات سے وقتی طور پر ہی سہی گھر والے اور ڈاکٹرز مطمئن تھے کہ کچھ دیر کے لیے سہی مگر ان کے سوالوں سے دامن تو بچا ہوا تھا انسان چاہیے جتنی مرضی کوشش کر لے۔ زندگی گزارنے کے لیے نا چاہتے ہوئے بھی ہمیں جھوٹے سہاروں کی مدد لینی ہی پڑتی ہے۔ اور اس وقت ہم بھی ایک جھوٹے سہارے کے بل بوتے پر اس وقت کو کاٹ رہے تھے اور جھوٹ کی مدت تو عارضی ہی ہوتی ہے۔ سو وہ مدت گزر چکی تھی۔ اور اب احسن بھائی کے ساتھ ہم سب کو بھی اس سچ کا سامنا کرنا تھا جس کے لیے ہم ذہنی طور پر تیار ہوتے ہوئے بھی تیار نہیں تھے۔

بوا پریشان حال میرے پاس آئی۔ ''انا بیٹیا کیا ہو گا...... احسن میاں کو کیسے بتائیں گے۔ ہائے میرے اللہ تو نے اتنا بڑا امتحان میرے بچے کے سر پر ڈال دیا'' بوا روتی جاتی اور [illegible] میں چیزیں سمیٹی جاتی میرے پاس اس وقت بھی بوا کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ [illegible] لاؤنج میں بیٹھے ''بابا'' جن کے ہاتھ میں حرکت کرتے تسبیح کے دانے اور ہونٹوں پر جنبش [illegible]

زندگی کی ہی علامت تھی جس دن سے یہ حادثہ ہوا تھا۔ میرے اور بابا کے درمیان بس ضرورتاً ہی بات ہوا کرتی اس کے علاوہ گھر کا ہر فرد اپنی جگہ خاموش ہی تھا...... اور آنکھوں سے بہتے آنسوؤں ہزاروں فریادیں سنا جایا کرتے تھے۔ مگر ہر لب خاموش تھا......

زندگی میں ساری زندگی ایک دوسرے کے سامنے گزارنے کے بعد بھی ہم دوسرے سے اس حد تک انجان ہوتے ہیں۔ کہ آنے والے وقت میں ایک نیا' بالکل انجانا پہلو ہمارے سامنے کب آ جائے ہمیں کچھ پتہ نہیں ہوتا...... مگر کہیں نہ کہیں وہ حقیقت قدرت نے جانے کب سے ہمارے اندر پوشیدہ رکی ہوتی ہے اور وقت آنے پر وہ انسان کو خود اس خوبی سے یا کمزوری سے آشنا کرا دیتی ہے۔ کہ تمہاری اصل یہ ہے...... الماس آنٹی کا فون آیا۔ یہ پوچھنے کے لیے کہ وہ لوگ گھر پہنچے کہ نہیں؟...... کیونکہ وہ مزید ایک اور جھوٹے سہارے کے لیے خود کو گھر میں نظر بند کیے بیٹھیں تھیں۔ صرف اور صرف احسن بھائی کی زندگی کے لیے۔

میں اور بابا کافی دیر انتظار کرتے رہے مگر جتنے وقت میں ان لوگوں کو آنا چاہئے تھا انہیں آنے میں کافی دیر ہو چکی تھی۔ مجھ سے رہا نہیں گیا تو میں نے نعمان بھائی کو فون کر دیا۔ پتہ چلا کہ وہ راستے میں ہیں آ رہے ہیں"...... یہ کہہ کر انھوں نے فون بند کر دیا ان کی آواز دھندی ہوئی سی لگی تھی۔ بابا نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں ہیں...... "خیر ہے ابھی تک آئے کیوں نہیں"...... بابا نے فکرمندی سے پوچھا۔ "وہ راستے میں ہیں بابا آ رہے ہیں"۔ اور پھر تقریباً گھنٹے بعد بوا بھاگتی اندر آئی۔ "احسن بیٹا آ گیا ہے۔" "انا" "جلدی آؤ"۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بیرونی دروازے کو کھولا۔ میں میں بابا کے ساتھ بیرونی دروازے میں پہنچ چکی تھے۔ سب سے آگے فرحان کی گاڑی تھی۔ فرحان اور آنٹی باہر نکلے اور ساتھ ہی پورچ میں دوسری گاڑیاں رکنے لگی۔ منیر بھائی کی گاڑی کے سامنے فرحان نے ویل چیئر کھول کر لگائی۔ اور فرنٹ سیٹ سے نعمان بھائی اور فرحان نے احسن بھائی کو سہارا دے کر کرسی پر بٹھایا۔ احسن بھائی کی ایک ٹانگ پر مکمل اور دوسری ٹانگ کے نصف حصے تک پلستر لگا ہوا تھا۔ چہرے پر ابھی بھی زخموں کے نشان اور چہرے پر بڑھی ڈاڑھی میں چھپا زردی مائل سفید رنگ ان کی معصومیت کی گواہی دے رہا تھا۔ سب کے چہروں سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ سب روئے ہوں۔ سعدیہ بھابھی اور نادیہ بھابھی اپنے ہاتھوں میں سامان لیے اندر جا چکی تھی۔ بابا نے جیسے ہی احسن بھائی کو دیکھا تو ان کی زبان سے "الحمدللہ" کے الفاظ نکلے۔ احسن بھائی نے مسکرا کر بابا کی طرف دیکھا...... اور نعمان بھائی ان کی کرسی کو دھکیلتے بابا کے پاس آ گئے۔ احسن بھائی بابا کے پاس پہنچتے ہی تھے کرسے سے جھکے اور

بابا کے پیروں کو چھونے لگے۔ بابا نے تیزی سے اپنے کانپتے ہاتھوں سے احسن بھائی کو روک لیا...... ''میرا بچہ'' بابا نے جھک کر انہیں اپنے سینے سے لگا لیا''...... اور ان کی آنکھوں سے جھڑی کس وقت شروع ہوئی اس کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوا جس وقت منیر بھائی نے بابا کو سہارا دے کر احسن بھائی سے الگ کیا...... سب لوگ اندر آ چکے تھے اور بیرونی دروازے کو بند کر دیا گیا۔ نادیہ بھابھی اور سعدیہ بھابھی کی آنکھیں نم تھیں۔ اور میرے دل میں ان سب کے چہرے کے یہ عجیب و غریب تاثرات اور مکمل خاموشی حیرت کا باعث تھی۔

احسن بھائی نے بڑے آرام سے نعمان بھائی سے لاؤنج میں وہیل چیئر کو لے جانے کے لیے کہا منیر بھائی نے احسن بھائی کو ٹوکا...... ''احسن تمہیں آرام کی ضرورت ہے''۔ تو اس وقت ایک بجلی سی گری میری سماعتوں پر جس وقت احسن بھائی نے جواب میں یہ کہا کہ ''بھائی آرام کے لیے مجھ جیسے لوگ نہیں ہوا کرتے...... اور ویسے بھی اگر سوچیں تو اب پوری زندگی آرام ہی تو کرنا ہے'' ان کے چہرے پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ تھی''...... ''ایک دم سے بولے۔ ٹھیک ہے بیٹا جہاں تمہارا دل کرے وہاں بیٹھو...... نعمان بھائی لاؤنج کی طرف چیئر کو گھما کر لے گئے...... اور سامنے پڑے صوفے کے ساتھ چیئر کو روک دیا۔ بابا احسن بھائی کے قریب پڑے صوفے پر جا بیٹھے...... احسن بھائی نے خالی چہرے خالی آنکھوں کے ساتھ گھر کی چار دیواری کو دیکھا...... جیسے پہلی بار اس گھر کو دیکھ رہے ہوں۔ سب لوگ خاموش کھڑے تھے مگر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یہاں تک کہ فرحان بھی رو رہا تھا۔ مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ وہ بھئی آپ لوگ رو کیوں رہے ہو خوشی کے آنسو بھی تھوڑی دیر کے لیے اچھے لگتے ہیں''...... آپ شکر کریں کے احسن بھائی خیریت سے گھر آ گئے''...... میں نے بمشکل ان الفاظ کو ادا کیا ہو گا' کہ امی اٹھیں اور بابا کے سامنے جا کر ان کے پیروں میں بیٹھ گئیں۔ اور ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بلک بلک کر رو رہی تھیں'' میری نظر ایک دم سے بابا پر گئی اور انہوں نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے وہ بھی پریشان ہو رہے ہوں کہ اس طرح رونے سے احسن بھائی کے لیے کوئی نیا سوال جنم نہ لے لے...... میں نے آگے بڑھ کر امی کے کندھوں پر ہاتھ رکھا...... اور احسن بھائی کی طرف ڈرتے ہوئے دیکھا......! ''امی کیا ہو گیا؟۔ سب ٹھیک ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں'' میں نے مڑ کر منیر بھائی اور نعمان بھائی کی طرف دیکھا...... جو اپنی اپنی جگہ کھڑے رو رہے تھے...... ابا نے اپنے ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا رکھا تھا...... ''امی' امی' میں نے ایک بار پھر احسن بھائی کی طرف دیکھا جو سامنے دیوار کی طرف دیکھے جا رہے تھے جیسے انہیں

امی کے رونے کی وجہ معلوم ہو۔ اور وہ یہ چاہتے ہوں کہ امی کو رونے دیا جائے..... میری دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں.....

بابا نے گھبرا کر آرام سے کہا۔ ''سائرہ۔ صبر کرو۔ اللہ کا شکر ادا کرو۔ ایسے نہیں روتے..... بس اس مالک کا شکر ادا کرو۔ جس نے احسن کو زندگی بخشی'' ..... امی بنا کے بولے روتی جا رہی تھیں..... کچھ دیر گزرنے کے بعد احسن بھائی نے آہستہ سے امی کو آواز دی ''اماں'' امی..... امی نے روتے ہوئے سر اٹھایا۔ تو بڑے تحمل سے بولے۔ ''امی رونے سے جانے والے واپس تو نہیں آتے نا'' ''اب بس کریں'' ..... احسن بھائی کے یہ الفظ مجھ پر اور بابا پر بجلی کی طرح گرے..... بابا نے ایک دم سے میری طرف دیکھا اور پھر بولے ''احسن'' یہ تم کیا کہہ رہے ہو! ٹھیک کہہ رہا ہوں ''بابا'' ان سب کے رونے سے زرقا نے واپس آنا ہوتا تو آ جاتی..... ابھی کیوں رو رہے ہیں..... انہیں چپ ہی تو کرا رہا ہوں''۔ اس لمحے مجھے ایسا لگا جیسے سارا ہال گھوم رہا ہو اور میرے پیروں سے زمین کسی نے اتنی تیزی سے کھینچی ہو کہ میرا خود پر قابو رکھنا ممکن نہ رہا ہو میں گرنے کے سے انداز سے زمین پر بیٹھ گئی۔ اور سوالیہ نظروں سے پہلے احسن بھائی اور پھر فرحان کی طرف دیکھا..... کمرے میں رونے کی آوازیں اب اونچی ہو چکی تھیں پھر بولے آپ سب لوگ کیوں رو رہے ہیں۔

امی نے اٹھ کر احسن بھائی کو سینے سے لگا لیا..... ''میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ میری ممتا کا صبر جواب دے چکا ہے۔ امی احسن بھائی کو اپنے سینے سے لگاتے روتی جا رہی تھیں..... آج تو ہم سے شکایت کر۔ ہم سے لڑائی کر۔ اتنا بڑا دل اتنا صبر کیسے آ گیا تجھ میں یہ میری پرورش نہیں۔ کہ رخسانہ بھابھی اور بھائی صاحب کی طرف سے ہی تجھے ملا ہے۔ بھائی صاحب اس سے کہیں کہ اتنا صبر بھی اچھا نہیں۔'' امی روتی جا رہی تھیں۔

''احسن تو نے آج دن تک میرے دل کی ہر بات بنا کہے سمجھی ہے اور آج بھی تو نے مجھے اس مشکل سے خود ہی نکال دیا' ..... بھائی صاحب یہ آپ کا بیٹا ہے۔ اس کا صبر۔ اس کا ضبط اس کا یہ اعلیٰ ظرف کہ اس نے یہ دو مہینے یہ دکھ اپنے اندر رکھا..... ہم سے ایک بار بھی کسی بات پر ضد نہیں کی..... ''یہ سب جانتا تھا۔ اسے سب پتہ تھا'' ..... کہ زرقا نہیں رہی اور یہ دو مہینے خود اپنی آگ میں جلتا رہا..... اپنی ماں کو بھی نہیں بتایا''۔ مجھ سے بھی اپنا دکھ نہیں بانٹا..... ''راستے میں آتے ہوئے اچانک صرف اتنا کہا کہ مجھے پہلے میری بیوی کی قبر پر لے جاؤ'' ..... ''بھائی صاحب مجھے نہیں پتہ تھا کہ میرے اس بچے کا دل اتنا بڑا ہے۔''

اس نے تو ہمیں تسلی دینے کا موقع بھی نہیں دیا...... امی روتی جاتی اور ساتھ ساتھ بتاتی جارہی تھیں۔بس کردے میرے مالک اس کے حال پر ترس کھا۔اس کی آزمائش کو اب تو ختم کر دے میرے مولا۔امی نے سر اٹھا کے فریاد کی'' ......سر جھکائے سب کچھ سنتے رہے...... ''بھائی صاحب آج احسن آپ کی جوانی کی تصویر بن کر سامنے آیا ہے۔جس لمحے بھابھی آپ نے زندگی سے جدا ہوئیں تھیں۔اس لمحے آپ بھی اس طرح ہی خاموش اور صابر تھے۔مجھے فخر ہے کہ میں نے احسن کی تربیت کی مگراس کی شخصیت کا یہ پہلو میرے سامنے آج آرہا ہے۔کہ اپنے دل میں طوفان چھپا کر بھی ہم سب کو تسلی دیتا رہا'' ......''اپنے درد کو ہم سب پر عیاں نہیں کیا'' ......امی بلک بلک کر رہ رہی تھیں کہ منیر بھائی نے آگے آکر امی کو سہارا دیا اور سامنے صوفے پر بیٹھا دیا میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی رواں تھی۔

آج ہم سب کے سامنے احسن بھائی کی شخصیت کا ایک اور عقد سر بستہ ہوا تھا...... جس نے اپنی اپنی جگہ ہم سب کو حیران کر دیا......اور احسن بھائی کی اس خوبی او اعلیٰ ظریفی کے سب قائل ہو چکے تھے۔بشیر انکل نے آگے ہو کر بابا کو گلے سے لگایا...... ''اور روتے ہوئے بولے'' ......''میں خوش نصیب باپ ہوں کہ میری بیٹی زرقا۔احسن جیسے شخص کے نام سے اس دنیا سے رخصت ہوئی۔آج میں اپنی بیٹی کی قبر کے کتبے پر زوجہ احسن جمال لکھا دیکھ کر فخر محسوس کر رہا ہوں۔اللہ اس بچے کی آئندہ آنے والی زندگی کے ہر لمحے کو خوشیوں سے بھر دے'' ......اس سب کے دوران احسن بھائی کی آنکھوں سے ایک آنسو گرا اور نہ ہی انہوں نے ایک بار بھی میری جانب دیکھا بس خاموشی سے وہل چیئر پر بیٹھے ہم سب کی باتیں سنتے رہے یہ وقت ہمارے لیے انعام کا تھا کہ آزمائش کا میں نہیں جانتی تھی مگر اس لمحے احسن بھائی کی زندگی کی اس محرومی کا ازالا ہم میں سے کوئی نہیں کر سکتا اس کا دکھ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ احسن بھائی جیسے انسان پر اتنی بڑی آزمائش......؟ مگر شاید احسن بھائی ہی اتنی بہادری سے اس آزمائش پر پورے اتر سکتے تھے۔اسی لیے اللہ نے ان کا انتخاب کیا ہوگا۔میرے سوال کا جواب بھی اسی وقت مجھے مل گیا تھا۔سعدیہ بھابھی نے آرام سے کہا۔''کہ منیر احسن کو آرام کرنا چاہئے۔کافی دیر ہوگئی ہے۔ایسے تو یہ تھک جائے گا۔اسے اس کے کمرے میں لے جائیں'' ......اس بار احسن بھائی خاموش رہے بابا نے ایک نظر احسن بھائی کو دکھ بھری نظروں سے دیکھا اور اپنی آنکھوں کو پوچھ ڈالا......منیر بھائی اور نعمان بھائی احسن بھائی کو ان کمرے کی جانب لے کر جانے لگے کہ میرے قدم بے اختیار ان کے پیچھے اٹھ گئے......ہم منیر بھائی نے آگے بڑھ کر احسن بھائی کے کمرے میں لائٹ آن کی

نعمان بھائی ان کو کمرے کے اندر لے کر داخل ہوئے ہی تھے کہ پیچھے سے الماس آنٹی کی آواز آئی انہیں شاید بشیر انکل فون پر تمام صورت حال سے آگاہ کر چکے تھے۔

''اور روتے ہوئے بے اختیار انہوں نے احسن بھائی کے ماتھے کو چوما شکر ہے خدا نے میرا بیٹا مجھے لوٹا دیا......''

الماس آنٹی بولی۔ اور انکل بشیر نے جس طرح احسن بھائی کو ہمت دلائی کہ ایک پل کے لیے بھی ان کے چہرے سے یہ تاثر نہیں ملا کہ انہیں بھابھی کے جانے کا دکھ ہو۔ ان کے چہرے پر صرف احسن بھائی کی صحت اور زندگی کی خوشی تھی۔ زرقا بھابھی ایسے والدین کی اولاد تھیں اسی لیے سارا گھر ان کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ آنٹی اور انکل بے مثال انسان تھے۔ مگر ایک انسان خود اس حد تک دکھی ہو کہ وہ اپنی زندگی کی تمام تر جمع شدہ پونجی کو گنوا چکا ہو۔ تو اس کے پاس دوسروں کے لیے حوصلہ افزائی کا اور صبر کا عنصر اس حد تک ہو کہ وہ اپنا دکھ ہی بھول جائیں صرف دوسرے کی زندگی کے لیے۔ زرقا بھابھی بھی تو ایسی ہی تھیں۔ ہم سب کی خوشی کے لیے وہ اپنا آپ بھلا ہی تو دیا کرتی تھی۔ ہماری خوشی میں خوش رہنے والی میں نے آگے بڑھ کر آنٹی کو گلے لگا لیا اس وقت انہوں نے ثابت کر دیا تھا۔ کہ ماں' صرف ماں ہوتی ہے۔ ''شکر ہے سائرہ بہن کی گود اجڑنے سے بچ گئی''......انہوں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کیا کہا۔ اور میں نے انہیں دوبارہ سینے سے لگا......احسن بھائی کو سہارا دے کر منیر بھائی اور نعمان بھائی نے بستر پر لیٹا دیا......ہمیں وہاں کھڑے ابھی کچھ لمحے ہی گزرے تھے کہ احسن بھائی بڑے آرام سے بولے آپ کچھ دیر کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دیں گے پلیز''......انہوں نے نظریں جھکائے ہم سب سے ایسے درخواست کی جیسے وہ ہم سے ہماری ہی کوئی قیمتی چیز مانگنے کو خواہش کر رہے ہوں۔ نعمان بھائی نے ایک دم سے کیا کیوں نہیں تم ابھی آرام کرو ہم تھوڑی دیر میں آ جائیں گے......''

گزرتے وقت کے ساتھ احسن بھائی کی تنہائی بڑھتی رہی۔ اور ہم بے بس ہو کر دیکھنے کے سوا کچھ نہ کر سکے۔ احسن بھائی کی دیکھ بھال میں ہم سب اپنا اپنا کردار ادا کر رہے تھے۔ مگر ان کے لیے کسی بھی چیز کی ضرورت ہوئی تو اب امی مجھے بلایا کرتی تھیں......''بقول امی کے زرقا کے ہاتھوں سے سنوارے کمرے میں جانے کی ان ہمت نہیں تھی''......اور میں بھی جب الماری کھول کر احسن بھائی کی ضرورت کا سامان نکالتی تو دل خون کے آنسو رویا کرتا تھا الماس آنٹی نے مجھے بار ہا کہا کہ ''اس الماری سے زرقا کی چیزیں نکال کر کسی صندوق میں رکھ دو''......مگر اس بات کو ماننے کی ہمت نہ میرے سوچ میں تھی اور نہ اتنی طاقت میرے ہاتھوں میں تھی کہ میں ان کی

چیزیں نکال دیتی...... اس لیے احسن بھائی کے کمرے میں زرقا بھابھی کا احساس بالکل ویسے ہی تھا کہ جیسے وہ ابھی تھوڑی دیر کے لیے کیچن میں ہوں مگر نہیں وہ بہت دور جا چکی تھیں۔

دو ہفتے گزر چکے تھے۔ اور احسن بھائی کی ایک ٹانگ پر سے پلاسٹر اتر چکا تھا۔ اور اب ڈاکٹر نے انہیں بیساکھیوں کی مدد سے چلنے کی اجازت دے دی تھی۔ اور ضروری تاکید کی تھی کہ وہ گھر تھوڑا بہت چلا کریں اور اسی دوران سعدیہ بھابھی نے اپنی واپسی کی درخواست۔ یا فیصلہ یہ وہ بہتر جانتی تھیں ہمارے سامنے دکھ دی تھی۔ جس میں پھر منیر بھائی کی رضا مندی حاصل تھی۔ ان کی ڈاکٹری کی نوکری اور مریم سکول دونوں میں کافی حرج ہو رہا تھا۔ گھر میں صرف میں اور ''ابا'' تھے جن کے چہرے پر ان کے جانے سے خفگی کے اثرات نمایاں ہوئے تھے۔ مگر ہم دونوں نے بھی کسی بات کا اظہار نہیں کیا۔ سعدیہ بھابھی جتنا رہی۔ جتنا انہوں نے ہمارا دکھ بانٹا یہ بھی ہمارے لیے بہت تھا اب ہم اپنے دکھوں کے ساتھ انہیں باندھ تو سکتے نہیں تھے۔ جس صبح انہوں نے اور مریم نے جانا تھا۔ گھر میں پھر ایک بار جدائی کا سا سماں تھا وہ احسن بھائی کے کمرے میں گئی تو احسن بھائی سو رہے تھے۔ مگر دروازے کی ہلکی سی آہٹ پر جیسے ایک بچہ ڈر کر اٹھتا ہے۔ ویسے وہ ہڑ بڑا کر اٹھ گئے۔ میں سعدیہ بھابھی کے ساتھ ہی تھی۔ مریم نے آگے ہو کر احسن بھائی کو پیار کیا۔ اور ایک چھوٹا سا بھالو جس پر (Get well soon) کا دعائیہ جملہ لکھا تھا۔ وہ دیا...... احسن بھائی نے مسکراتے ہوئے مریم کے ہاتھوں سے لے لیا اور اسے پیار کیا اور'' پھر بیٹھے بیٹھے ہی بھابھی کو ملے''۔ بھابھی نے ان کا ہاتھ تھام کر کیا۔'''' تمہیں تسلی دینے کے لیے اور تمہاری تعریف کے لیے میرے پاس کوئی لفظ نہیں''...... '' کیونکہ تمہاری یہ دونوں خوبیاں کسی لفظ کی محتاج نہیں۔ بس اتنی دعا ہے کہ تم پر زندگی میں خوشیاں مہربان ہوں''...... یہ کہتے ہوئے سعدیہ بھابھی کی انکھیں بھی نم تھیں۔ اور احسن بھائی نے انہیں دیکھتے ہوئے'' مسکرا کر کہا Thank you بھابھی آپ میری فکر مت کریں۔ میں ٹھیک ہوں''...... بھابھی نے احسن بھائی کے ہاتھ کو زور سے دبایا۔ اور پھر خدا حافظ کہ کر کمرے سے آنکھیں پونچھتی باہر آ گئی......ابا' نعمان بھائی' نادیہ بھابھی اور منیر بھائی انہیں ہوائی اڈے پر چھوڑنے کے لیے گئے تھے۔ میں نے مریم کو پیار کیا تو وہ بڑے پیار سے بولی۔'' پھپھو آپ جلدی ہمارے پاس آ جانا''......اس کے معصوم لبوں پر بظاہر ایک چھوٹی سی بات تھی۔ مگر اس میں چھپا اس پیار نے میری آنکھوں کو نم کر دیا...... بھابھی مجھ سے ملتے ہوئے کہا۔'' انا تم بہت بہادر ہو......ہم سب سے بہادر''...... یہ کہہ کر انہوں نے میرے گال کو چوما تو مجھے ایسے لگا جیسے زرقا بھابھی کی ایک جھلک میرے سامنے

سے گزر گئی ہو۔ جانے کیسے میں بے اختیار ان کے سینے سے لگ کر رونے لگی......اور پھر وہ میرا چہرہ سہلا کر گاڑی میں بھیگی آنکھ سے بیٹھ گئی۔ سعدیہ بھابھی ''یہاں جس دماغ اور سوچ کے ساتھ آئیں تھیں۔ اس سعدیہ بھابھی میں اور اور جو سعدیہ بھابی اس وقت جا رہی تیں اس کی سوچ میں کافی حد تک بدلاؤ آ چکا تھا......ان کے اندر کی خودغرضی اور سختی کافی حد تک کم ہو چکی تھی......ان کے اندر اپنوں کا دکھ بانٹنے کا احساس پیدا ہو چکا تھا۔ مگر وہ واپس جانے پر مجبور تھیں۔ اور یہ واپسی کی مجبوری ان کی عادت نہیں ان کی فطرت میں شامل تھی۔ جس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ پردیس کی ہوا اور پانی میں ایک ایسا زہر یلا مادہ پایا جاتا ہے۔ کہ میں کبھی بھی وہ چھو جائے وہ لاکھ چاہنے کے باوجود بھی پردیسی ہی رہتا ہے۔ شاید اسی لیے مجھے باہر سے پردیس سے ایک عجیب سی چیڑ تھی......اور میں ہمیشہ باہر نقل مکانی کے خلاف ہی ووٹ دیا کرتی چاہے وہ ووٹ مجھ اکیلی کا ہی کیوں نہ ہو' سعدیہ بھابھی کی گاڑی جا چکی تھی......میں اور امی کچن میں چائے پی رہی تھیں۔ کہ الماس آنٹی آ گئی......میں نے الماس آنٹی کو چائے دی اور خود احسن بھائی کے لیے ناشتہ تیار کرنے لگی۔

میرے ساتھ بوا نے احسن بھائی کا ناشتہ تیار کروایا۔ اور میں ان کے کمرے میں ناشتہ لے کر جانے لگی۔ تو الماس آنٹی نے مجھے آواز دی۔ '''انا'' بیٹی......میں نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا تو بڑی شفقت سے بولیں۔ بیٹا بہت نیکی کا کام کر رہی ہو۔ خدا تمہیں اس کا اجر ضرور دے گا''......تو امی ایک دم سے بولیں......''زرقا کوئی بات کہے اور ''انا'' نہ مانے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔ وہ خود ہی تو یہ ساری ذمہ داری اس کے سپرد کر کے گئی تھی''......تو آنٹی نے حیرت سے امی کی طرف دیکھا تو امی نے آنکھیں پونچھتے ہوئے میرے اور زرقا بھابھی کے درمیان ہوئی اس رات کی تمام بات بتائی جب آنٹی کی بیماری پر زرقا بھابھی وہاں رکی تھیں۔ میں خاموشی سے کچن سے باہر آ گئی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک دینے کے بعد کمرے میں گئی تو احسن بھائی زرقا بھابھی کی تصویر کو ہاتھوں میں لیئے ہوئے تھے میں نے ان کے سامنے ناشتہ رکھا انہوں نے بھابھی کی تصویر کو سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا......احسن بھائی نے تھکی آواز میں کہا۔ ''بس ایک کپ چائے دے دو اور میں کچھ نہیں کھاؤں گا'' میں نے ان کے لیے ٹوس پر مکھن لگاتے ہوئے کہا۔ ''جی نہیں کھانا تو آپ کو پڑے گا۔ کیوں ابھی آپ نے ڈھیر ساری دوائیں بھی کھانی ہیں''۔ تو بڑے آرام سے بولے ''انا ابھی نہیں کھاؤں گا۔ کچھ دیر مین لے لوں گا بس ایک کپ چائے کا دے دو''۔ ''اور تم تکلیف مت کیا کرو، ناشتہ وغیرہ لانے کی، کسی ملازم کے ہاتھ یا بوا کے ہاتھ بھجوا دیا کرو'......میں نے انہیں چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے کہا۔'' مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی......آپ جلدی

سے ٹھیک ہو جائیں تو پھر خود باہر آکر ناشتہ کرلیا کریں''......اس لمحے میں ان سے کسی بات پر ضد نہیں کرنا چاہتی تھی......اور ویسے بھی ان کے مزاج کی یہ سرد میری کچھ عجیب لگا کرتی تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ وہ مجھے ڈانٹ دیا کریں گے مگر اب نہ وہ میری جانب دیکھا کرتے تھے۔ اور نہ ہی کسی بات پر الجھا کرتے تھے۔ بس خاموش رہا کرتے تھے۔ ان کے مزاج سے غصہ ختم ہو چکا تھا۔

بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان تعلق مرتے ہوئے لوگوں سے زیادہ خوشگوار تھے نسبتاً زندہ لوگوں کے۔ کیونکہ اکے معمول میں روزانہ صبح زرقا بھابھی کی قبر پر جا کر گھنٹوں بیٹھنا اس بات کا ثبوت تھا وہ انہوں نے اپنے تعلقات کو مردہ لوگوں سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ اور ہر گزرتا لمحہ ان کے اس تعلق اس رابطے کو مزید مضبوط کرتا جاتا تھا اور اس بات سے گھر میں سب پریشان ہوتے تھے۔ اور اب تو الماس آنٹی بھی انہیں انکی سرد مہری پر ٹوک دیا کرتی اور شاید وہ بھی ان کے اس کرب کو محسوس کر رہی تھیں۔

مگر وہ ہر روک ٹوک کا جواب اپنی دکھ بھری مسکراہٹ سے دیا کرتے تھے جس دن ان کی ٹانگ کا پلاسٹر اترا تو ڈاکٹر نے انہیں چلنے کی اجازت تو دی تھی مگر مکمل طور پر کسی سہارے کے بنا چلنے سے منع کیا تھا۔ اس لیے اب وہ چھڑی کی مدد سے چلا کرتے تھے اور اس کے دوسرے روز صبح ناشتے کے بعد سب لوگ لاؤنج میں بیٹھتے تھے کہ احسن بھائی آئے کچھ دیر بیٹھنے کے بعد احسن بھائی نے نعمان بھائی اور منیر بھائی سے کہا کہ آپ لوگ واپس کیوں نہیں جاتے میں اب ٹھیک ہوں۔ اور یہ گھر جتنا میرا ہے اتنا ہی آپ کا بھی۔ مگر سعدیہ بھابھی وہاں اکیلی ہیں۔ منیر بھائی آپ کو واپس جانا چاہیے......موت سے ملی جدائی کو ختم کرنا ہمارے بس میں نہیں مگر زندگی کے ساتھ جڑی یہ جدائیاں ہم لوگ خود پیدا کرتے اور Please بھائی۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ آپ سب لوگ اپنی زندگی سے جہاں تک ہو سکے اس جدائی کو ختم کریں......نعمان تم کب تک نادیہ کو اس آزمائش میں اپنے ساتھ گھسیٹتے رہو گے......کسی کی خاموشی کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے......''بابا'' Please آپ ہی ان لوگوں کو کچھ سمجھائیں......اور ویسے بھی جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا......آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں''۔ احسن بھائی اپنے لہجے کو پختہ کیے بولے جا رہے تھے۔ اور سب لوگ خاموشی اور حیرت میں ڈوبے ان کے الفاظ کو سنتے جا رہے تھے۔

''آپ لوگوں کا ایسے خود کو پابند کر کے یہاں رہنا...... مجھے ایک احساس جرم میں مبتلا کیے رکھتا تھا......''انا'' اپنے آفس نہیں جاتی۔ اور آپ سب لوگ میرے اردگرد ایسے رہتے ہو جیسے میں مکمل طور پر مفلوج ہو چکا ہوں''......اس سے پہلے کہ احسن بھائی اور کچھ بولتے۔ الماس

آنٹی ایک دم سے بولی۔'' بھئی بات تو بالکل ٹھیک ہے۔ میں احسن بیٹا سے مکمل اتفاق کرتی ہوں...... وہ ٹھیک کہہ رہا ہے کب تک تم سب لوگ ایسے رہو گے ایک نا ایک دن تو آگے بڑھنا ہے۔تو پھر ابھی کیوں نہیں''......احسن بھائی نے الماس آنٹی کی طرف دیکھا۔تو انہوں نے انہیں حوصلے کے سے انداز میں دیکھا۔کیوں سائرہ بہن آپ کیا کہتی ہیں؟''۔جیسے ہی امی نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے آنکھ کے اشارے سے امی کو اپنی تائید کرنے کا کہا۔''جی بھابھی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ''......نعمان بھائی حالات کی نزاکت کو سمجھ چکے تھے۔نہیں احسن یار ہم لوگ تو اپنی مرضی سے یہاں رکے ہوئے تھے۔''تمہاری وجہ سے نہیں۔اور ویسے بھی میں اور منیر بھائی رات ہی پروگرام بنا رہے تھے کہ اب واپسی کرنی چاہیے...... ہے نا منیر بھائی''۔تو منیر بھائی نے اپنی آنکھوں کے کونوں کی بھیگنے سے روکتے ہوئے انگلیوں کی مدد سے آنکھوں کو دبا دیا......اور دلیری سے بولے''ہاں بالکل''......ابا' اور بابا خاموش تھے......''''تو بس ٹھیک ہے آپ لوگ اسی ہفتے میں اپنی سٹیں کنفرم کرالیں اور اپنے اپنے کاموں پر جائیں......اور''انا'' انہوں نے ایک دم سے مجھے مخاطب کیا......تم بھی میرا ناشتے کھانے اور دواؤں کی فکر چھوڑ دو اور آفس جایا کرو۔ میں اپنے کام خود کرلیا کروں گا''۔ یہ کہہ کر وہ ہلکے ہلکے قدم بھرتے لاٹھی کے سہارے لیے اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔اور ان کے جاتے ہی الماس آنٹی نے اپنی روتی آواز میں کہا۔''احسن کی خوشی اس میں ہے تو ایسا کرنے میں کوئی برائی بھی نہیں۔شاید وہ اس وقت ہماری وجہ سے کچھ Disturbe ہے۔منیر بیٹا اس کی بات بھی ٹھیک ہے۔سعدیہ کو وہاں تمہاری ضرورت ہوگی۔اور وہ اس بات کو محسوس کررہا ہے......وہ ذہنی طور پر مزید نہ الجھے اس لیے بہتری اسی میں ہوگی کہ وقت کے ساتھ ساتھ خود کو اپنی پرانی روٹین پر لایا جائے......کیوں بھائی صاحب''......الماس آنٹی نے ابا اور بابا کی طرف دیکھا جو بڑی دیر سے خاموش تھے اور پھر کچھ دیر بعد بابا بولے بچوں اگر زندگی کے حادثات سے وقت تھم جاتا تو زندگی کو روکنے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔مگر گزرتے وقت کے ساتھ رکی زندگی......ایک ادھوری موت ہی ہے۔اور یہ بھی ادھورا جذبہ ادھورا احساس زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔تم دونوں بھائی اپنی اپنی زندگیوں میں واپس لوٹ جاؤ احسن کے لیے جس نے یہ مشکل لکھی ہے وہ ہی اس کو آسان بھی کرے گا...... اور وہ ہی کرے گا بابا نے یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے اور ہال میں دوبارہ مکمل خاموشی چھا گئی اگلے چار روز میں منیر بھائی نے اپنی تیاری کر لی تھی اور اس وقت احسن بھائی۔ لاؤنج میں بیٹھے تھے......منیر بھائی نے احسن بھائی کو سینے سے لگایا......''اور بچوں کی طرح پھوٹ کر رونے

لگے مجھے نہیں پتہ تھا کہ میں اس طرح سے واپس جاؤں گا...... جب آیا تھا تو اس گھر میں خوشیاں تھیں اور جب جا رہا ہوں تو اس گھر کی ایک ایک اینٹ روتی، چیخیں مارتی محسوس ہوتی ہے۔ کاش میں تمہارا کچھ درد بانٹ سکتا''...... احسن بھائی نے خود کو منیر بھائی سے الگ کرتے ہوئے ان کے چہرے سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا...... ''بس سعدیہ بھابھی اور مریم کو خوش رکھیں اور میرا پیار دینا انہیں''...... احسن بھائی کی آنکھیں اس طرح خشک اور خالی ہو چکی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ساری دنیا کی ویرانی ان میں سما چکی ہو۔ اس قدر بنجر آنکھیں جن میں کسی آس، کوئی امید کی ایک جھلک بھی نمایاں نہیں تھی آنکھوں میں ویرانی اور لبوں پر مسکراہٹ احسن بھائی کا ایک نیا روپ ہی تو تھا......

منیر بھائی سب سے ملے اور پھر میری طرف بڑھے۔ مجھے اپنے سینے سے لگا کر ماتھے کو چوما ''''انا'' احسن کا خیال رکھنا...... اگر کچھ کہہ دے تو برا مت منانا...... جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم کچھ کر سکتی ہو''...... ان کی عجیب سی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ مگر میں نے ان کو دلاسا دینے کی خاطر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ اور پھر 'ابا' نعمان بھائی اور فرحان منیر بھائی کو پردیس روانا کرنے چلے گئے...... گھر میں ہر آتا دن اپنے ساتھ اس گھر کے سناٹے میں اضافہ ہی کرتا جاتا تھا اور میں بت بنے سب دیکھتی جا رہی تھی۔ ہر نئے دن میں احسن بھائی کے مزاج کی سرد میں اور آنکھوں کی ویرانی بڑھتی جاتی تھی۔ پھر وہ وقت آ گیا جب نعمان بھائی نادیہ بھابھی اور فائز کی واپسی تھی جاتے ہوئے میں نے سوالیہ نظروں سے نعمان بھائی کو دیکھا...... میں جانتا ہوں ''''انا'' تمہاری ان کہے سوال میں جانتا ہوں۔ ''اور میں واپس ضرور آؤں گا''...... مگر کب یہ ابھی نہیں بتا سکتا...... ہاں یہ جانتا ہوں کہ تم اس گھر کی طاقت ہو...... بس خود کو کمزور مت پڑنے دینا...... اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا''...... نادیہ بھابھی پاس کھڑی سب سن رہی تھیں۔ انہوں نے مجھے پیار سے اپنا گلے لگایا...... ''''انا'' اس وقت یہ ہی بہتر ہے کہ احسن کو اکیلے چھوڑ دیا جائے تاکہ اسے اپنے لیے راستہ تلاش کرنے اور زندگی کا صحیح فیصلہ لینے میں مشکل نہ ہو...... مگر یہ تم سے وعدہ میں کرتی ہوں کہ تم خود کو کبھی تنہا مت سمجھنا۔ تم بس یاد کر لیا ہم آ جائیں گے...... بس خود کو سنبھالے رکھنا۔ زرقا کے ساتھ تمہارا لگاؤ۔ محبت ہم سب سے چھپی نہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا''...... ان کا اتنا کہنا تھا کہ جانے کب میں بے اختیار ان کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ یہاں تک کہ میری آواز سے احسن بھائی اپنے کمرے سے باہر آ گئے...... ''نعمان کیا ہوا' بس یار ہم لوگوں کے جانے پر اداس ہے تم باہر کیوں آ گئے ہم تم

سے خود ملنے آ رہے تھے''...... میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے فائز کو اٹھا لیا اور پیار کرنے لگی......

ت ڑزت لـورا اا ٹھا کر باہر پورچ میں آ گئی۔ اور پھر کچھ دیر میں ہم سب نعمان بھائی نادیہ بھابھی اور فائز کو بھی الوداع کر کے اندر آ چکے تھے آج گھر مکمل طور پر خالی ہو چکا تھا آج کا دن لگا کہ اب اس گھر میں سوائے وحشت کہ اور کچھ بھی نہیں احسن بھائی اپنے کمرے میں بابا اپنے کمرے میں اب خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اور بوا اور امی کچن میں امی نے بوا کو کچھ سمجھایا۔ اور پھر امی کے کمرے میں جاتے ہوئے مجھے سامنے لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر میرے پاس آ گئی۔ ''انا'' احسن سے پوچھ لو اگر کھانا ھائے تو...... کھانا لگا دو''......''امی...... نے مڑ کر مجھے دیکھا کیا بات ہے؟''...... کچھ سوچتے ہوئے میں پھر خاموش ہو گئی کچھ نہیں میں پوچھتی ہوں ان سے'' یہ کہہ کر میں اٹھ کر احسن بھائی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی...... دستک دی کر اندر گئی تو احسن بھائی سامنے بیٹھے دیوار کو گھورے جا رہے تھے۔ سفید شلوار قمیض میں چہرے پر ڈاڑھی اور بڑھے ہوئے بال سفیدی مائل رنگ جس پر دکھ کا بھرپور سایہ ہونے کے باوجود بھی اس کے حسن میں کمی نہیں آئی تھی۔ اور خالی آنکھیں شاید میری دستک کا انہیں پتہ ہی نہیں چلا تھا میں کچھ دیر وہاں کھڑی انہیں دیکھتی رہی جانے کیوں مجھے میرا اپنا آپ ان کی طرف کھینچتا ہوا محسوس ہونے لگا عجیب سی لہر انجانی سی۔ جس سے میری روح تک کانپ چکی تھی مگر میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں انہیں دیکھتی رہوں۔ اور پھر اچانک ایک معصوم بچے کی طرح وہ ڈر گئے اور ان کی زبان سے ''زرقا'' کے الفاظ سے مگر مجھے سامنے دیکھ کر وہ ملی جلی کیفیت میں الجھ گئے......

ان کا چہرہ پسینے سے بھیگ چکا تھا اور چہرے پر جیسے کسی نے پیلا رنگ مل دیا ہو اس کے باوجود خود پر قابو پاتے ہوئے بولے۔ ''کیا بات ہے ''انا'' تم یہاں کیوں کھڑی ہو''...... وہ میں' اس وقت میں اپنے الفاظ ہی کھو چکی تھی...... ''''انا'''' انہوں نے حیرت سے مجھے دوبارہ پکارا...... تو کچھ سنبھلتے ہوئے کہا آپ کا کھانا لے آؤں کھائیں گے......؟

اس سے پہلے کہ میں کوئی تمہید باندھتی میں نے جلدی سے پوچھ لیا...... اور جواب میں معمول کے مطابق انہوں نے انکار کر دیا۔ نہیں میں ابھی نہیں کھاؤں گا...... بعد میں کھا لوں گا...... مجھے زرقا کے پاس جانا ہے''...... انہوں نے جلدی میں کہا جس پر میرے چونکنے پر انہوں نے اپنے جملے کو دہرایا...... ''کہ مجھے زرقا کی قبر پر جانا ہے''...... محبوب چچا سے کہو گاڑی نکالیں''۔ کیونکہ آج تک نعمان بھائی۔ یا منیر بھائی ان کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ اور آج محبوب چچا! میں باہر آئی تو ابا اور بابا لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے محبوب چچا کا پوچھا تو انہوں نے مجھ

سے ہی وجہ دریافت کر لی...... ''وہ احسن بھائی قبرستان جانا چاہتے ہیں'' جس پر بابا بولے۔ ''نہیں بیٹا آپ احسن کو لے جائیں۔محبوب نہیں جائے گا...... اس کے ساتھ احسن نہیں جائے گا۔آپ لے جائیں۔مگر بابا وہ'' ''مگر کیا؟''۔ ابا نے پوچھا...... ''شاید وہ میرے ساتھ نہ جائیں''۔''نہیں اسے جا کر کہو کہ میں نے کہا ہے اگر نہ مانے تو میں لے جاؤں گا''۔ ابا نے اپنی تیاری کا کہہ دیا میں دوبارہ ان کے کمرے میں گئی۔اس وقت میں بھی یہ ہی چاہ رہی تھی کہ ابا لے جائیں کیونکہ زرقا بھابھی کی قبر پر میں ہی تھی جو نہیں گئی تھی اور جب سب لوگ جاتے ہے۔تو میں ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنالیا کرتی تھی۔مگر آج کسی بہانے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

اور نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے ان کے پاس جا کر یہ بتانا پڑا کہ ''میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ'' پر انہوں نے بڑے تحمل سے حامی بھر لی جبکہ مجھے ان سے اس ردعمل کو توقع نہیں تھی۔ ''ٹھیک ہے انا گاڑی نکالوں میں آ رہا ہوں'' میں خاموشی سے جا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگی اور چند لمحوں بعد اس دنیا کا شاید سب سے زیادہ ہارا ہوا انسان میری گاڑی کی طرف اپنے ٹوٹے ہوئے قدموں سے بڑھ رہا تھا۔جس کی اس زندگی سے بے زاری اس کے چہرے سے صاف عیاں تھی۔مگر وہ اور ان کی خاموش آنکھیں...... بظاہر خاموش تھیں۔

کچھ ایسا تھا ان میں جو اپنے اندر ایک طوفان جیسی کیفیت چھپائے ہوئے تھا' مگر کیا؟ وہ میری گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے اور میں ان کی آنکھوں میں چھپی ان کہی داستان کی کھوج میں تھی۔وہ اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئے...... ''چلو' انا'' ایسا کہتے ہوئے وہ سامنے دیکھ رہے تھے...... جانے کیوں مگر اب وہ میری جانب نہیں دیکھا کرتے تھے۔جب کبھی بات بھی کرتے تو کسی دوسری طرف نگاہیں جمائیں ہوئے ہوتے تھے۔اپنے علاقے سے گاڑی باہر نکالتے ہوئے میں نے قصدا اُن سے پوچھا ''کس طرف جانا ہے''...... تو سامنے دیکھتے ہوئے ہی انہوں نے اس علاقے کا نام لے لیا...... اور میں نے گاڑی اس طرف موڑ لی آج بھی گاڑی میں تیز چلا رہی تھی مگر انہوں نے کچھ نہیں کہا۔اور خاموشی سے سامنے دیکھتے رہے۔بظاہر تو وہ میرے ساتھ بیٹھے تھے مگر ان کا ذہن ان کی سوچ کہیں اور تھی میں وقفے وقفے سے ان کی طرف دیکھتی رہی مگر وہ برف کی طرح جمے بیٹھے تھے مگر یہ کیسی برف تھی جو کسی طرح بھی پگھل نہیں رہی تھی۔اور ان کی دن بدن بڑھتی یہ کیفیت میرے اعصاب پر کیوں حاوی ہو رہی تھی۔اس کا اس وقت مجھے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ہم لوگ قبرستان پہنچے۔تو باہر نکلتے ہوئے انہوں نے بنا میری طرف دیکھے ہوئے پوچھا ''چلنا ہے تم نے''؟ میں نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر قبرستان

کی طرف تو جیسے میرے دل میں بڑھتے چھید اور ان سے بڑھتا درد میری آنکھوں سے برسنے لگا...... کہ اس دنیا کی سب سے محبت کرنے والی لڑکی اپنی محبت کو ادھورا چھوڑ کر اس جگہ سو رہی ہے۔ یہ جانے بنا کہ اس نے ہم سب کو زندہ ہی مار ڈالا تھا...... ایک بار پھر جیسے ''بابا'' کے الفاظ نے میرے کانوں میں سرگوشی کی ''ہم اکیلے نہیں مرتے'' واقعی ہی۔ مرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ بس وہ چلا گیا مگر حقیقت میں اس کی موت اس سے وابستہ ہر چیز ہر رشتے کی موت ہوتی ہے میں انہیں خیالوں میں تھی کہ انہوں نے دوبارہ مجھ سے پوچھا '''' انا'' چلنا ہے تم نے'' میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ نہیں آپ جائیں''۔ ''انہیں بس میری طرف سے اتنا کہہ دینا کہ ہم سب کے ساتھ انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ اپنا بنا کے پرایا کرنا تھا تو اپنا کیوں بنایا تھا......؟ جانے کیسے میری آواز میں عجیب سی ایک سختی آچکی تھی جیسے اس وقت تو میں نے محسوس نہیں کیا تھا مگر بعد میں مجھے اندازہ ہوا شاید میں کچھ تلخ ہوگئی تھی میں گاڑی ایک کو پارک کرنے کے بعد باہر نکل کر ٹہلنے لگی اور پھر نظر ان کا تعاقب کرتے زرقا بھابی کی قبر پر جا پڑی وہ ان کی قبر کے پاس بیٹھے تھے اور میں ایک جگہ ساکت انہیں دیکھنے لگی۔ کبھی وہ ان کی قبر پر ہاتھ رکھتے۔ کبھی دائیں سمت اور کبھی بائیں سمت جا کر بیٹھے جاتے۔

دور سے ایسے ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ان سے بہت ساری باتیں کر رہے ہوں...... جانے کیوں مجھے اس وقت ان کی حالت پر اس قدر ترس کیوں آ رہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ ایک مکمل طور سے ہاری ہوئی زندگی گزار رہے تھے۔ اور ان کا یہ درد ان کے چہرے سے ان کی آنکھوں سے صاف عیاں تھا مگر ان کی زبان سے ایک لفظ شکایت کا نہیں سنا تقریباً دو گھنٹے بعد وہ تھکے ہوئے قدموں سے میری جانب بڑھنے لگے۔ دور سے آتے ہوئے ''احسن جمال'' میں مجھے ''بابا'' کی کی شبہی نمایاں لگی اور پھر وہی ایک عجیب سی کشمکش جو مجھے ان کی طرف مقناطیس کی طرح کھینچتی جاتی تھی۔ اور چاہتے ہوئے بھی میں خود کو روکنے کے قابل نہیں رہی...... میں ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی اور پاس آتے ہوئے بولے '' چلیں ''انا'' اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی وہ گاڑی کی طرف بڑھ چکے تھے۔

میں نے گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔ اور اب وہ گاڑی کی سیٹ کی پشت کے ساتھ سر ٹکائے آنکھیں بند کیے ہوئے تھے۔ انکی تھکن واضح تھی گھر پہنچ کر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے الماس آنٹی امی کے پاس لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ اور میں بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی...... میری الجھن شاید میرے چہرے سے واضح تھی۔ کہ امی نے پوچھ لیا کہ ''انا'' کیا ہوا

''احسن'' ''ٹھیک تو ہے؟''۔ ''ہاں اماں وہ ٹھیک ہیں۔بس خاموشی سے جا کر بھابھی کی قبر کے پاس بیٹھ گئے تھے۔دو گھنٹے بعد اٹھے اور گھر آ گئے''......امی نے الماس آنٹی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا...... ''تو وہ بھی فکر مندی سے بولیں سائرہ بہن ایسا کب تک چلے گا''؟......تو امی نے خاموشی سے سر جھکا لیا دونوں کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں اور اس وقت میں بھی ان کو تسلی دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی کچن میں گئی اور بوا کے ساتھ کھانا لگایا ان کا کھانا ان کے کمرے میں لے گئی تو معمول کے مطابق وہ کرسی پر بیٹھے خاموشی سے خالی دیوار کو گھور رہے تھے۔اور میری کمرے میں موجودگی سے انجان تھے۔میں نے آگے بڑھ کر ان کے سامنے Table پر کھانا لگایا مجھے دیکھ کر انہوں نے ایک آہ بھری میں ان کے لیے پلیٹ میں کھانا نکالنے لگی تو بولے'' ''انا'' تم آفس کیوں نہیں جا رہی...... کافی عرصہ ہو گیا...... فرحان اکیلے کیسے سنبھالے گا اور کب تک''......؟ میں نے کھانا نکالتے ہوئے ہی انہیں جواب دیا۔''نہیں اتنا کوئی خاص کام نہیں ہے ان دنوں کہ مجھے خاص طور پر جانا پڑا اور جب ہو گا تو فرحان بتا دے گا...... میں چلی جاؤں گی۔آپ میری فکر چھوڑیں کھانا کھالیں اور پھر دوائیں لے کر کچھ دیر آرام کر لیں'' یہ کہہ کر میں ان کے کمرے کی چیزیں وغیرہ درست کرنے لگی۔حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔کیونکہ اب ان کے کمرے میں چیزوں میں بے ترتیبی نہیں ہوا کرتی تھی ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔مگر ان کی ذات میں ان کے روایے میں اور ان کی زندگی کی بے ترتیبی کو کیسے ترتیب دوں ایسا کیا کروں کہ ان کی زندگی کی ان کی ذات کی بے ترتیبی سلجھ جائے۔وہ آہستہ سے بولے۔

''مگر یہ تو کوئی جواز نہیں کہ کوئی خاص کام نہیں اس لیے تم آفس ہیں جاؤ گی کام کی نوعیت خاص ہو یا عام۔کام تو کام ہوتا ہے اور وہ کام چھوڑ کر تم گھر میں اتنے مہینوں سے میرے سامنے کھانا رکھنے اور لے جانے میں وقت برباد کر رہی ہو انہوں نے بڑی اپنائیت سے مجھے کہا آپ کو کس نے کہا کہ میں اپنا وقت برباد کر رہی ہوں۔اور ابھی آپ نے خود ہی کہا کہ کوئی کام خاص اور عام نہیں ہوتا۔تو یہ بھی تو کام ہے جو میں گھر میں کر رہی ہوں اور یہ کام اس کام سے زیادہ ضروری ہے''......مگر یہ کام تمہارے علاوہ اور بھی بہت لوگ کر سکتے ہیں امی ہیں۔ملازم ہیں او بوا بھی ہے...... مجھے اچھا نہیں لگتا اس لیے پلیز تم آفس جایا کرو''۔انہوں نے بڑی آسانی' بہت بڑی بات کر دی تھی...... مجھے سے جانے کیوں ایک پل کے لیے دکھ ہوا...... جانے کیوں مجھے ان کی بات سے اپنا آپ کا کٹتے ہوئے محسوس ہوا۔'' آپ کو اچھا نہیں لگتا کہ میں آپ کے لیے یہ سب کرتی ہوں؟ میں نے ان سے دوبارہ پوچھا......''ہاں مجھے اچھا نہیں لگتا۔اپنی زندگی اہم

معاملات کو چھوڑ کر تم یہ سب کر رہی ہوں میں غصے سے آگے بڑھی اور ان کے سامنے سے برتن غصے سے اٹھائے پانی کا گلاس بھر کر ان کے سامنے رکھا۔ اپنی دوائیں کھالیں'' ...... میں نے انہیں غصے سے دیکھا تو وہ پانی کے گلاس کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔ جانے کیوں ان کا ایسے مجھے نظر انداز کرنا مجھے اب ضرورت سے زیادہ چبھنے لگا تھا برتن وغیرہ کچن میں رکھ کر میں نے الماس آنٹی اور امی کو بتایا کہ میں آفس جا رہی ہوں۔ جانے کیسے میں آفس پہنچی مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا۔ فرحان آفس میں تھا وہ مجھے دیکھ کر چونک سا گیا میں نے آفس میں جا کر غصے سے Table پر گاڑی کی چابیاں پھینکی ''انا'' ''کیا ہوا خیر تو ہے؟۔ نا تم یوں اچانک آفس...... کیا ہوا''۔

اس کا اتنا پوچھنا تھا کہ جیسے میں اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پائی۔ ''کیوں اب تمہیں بھی میرا آفس آنا اچھا نہیں لگتا...... اب یہاں بھی نہ آیا کروں کیا'' ......؟ میں نے بڑی بدتمیزی سے فرحان کو جواب دیا...... اس نے حیرت سے دیکھتے ہوئے بڑے آرام سے کہا۔ '' ''انا'' مجھے تمہارا یہاں آنا برا کیوں لگے گا؟...... اچھا چھوڑو اس بات کو بیٹھ جاؤ۔ چائے پیو گی میں منگواتا ہوں۔ میں بھی ابھی چائے ہی پینے لگا تھا'' ...... اس نے میرے رویے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ شاید وہ جان چکا تھا کہ اس وقت کسی اور کا غصہ کسی اور پر نکل رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ باہر جاتا۔ میرے بلانے پر رک گیا...... میں دھیرے سے اس کے قریب گئی اس کا ہاتھ تھام کر بچوں کی طرح رونے لگی میرے ایسے رونے پر وہ واقعی میں پریشان ہو گیا تھا فرحان بھی عجیب انسان تھا۔ جتنا مرضی اس سے غصہ کر لوں۔ بدتمیزی کر لوں۔ اس پر اسے تکلیف نہیں ہوا کرتی تھی۔ مگر میرے رونے پر جیسے اس کی جان ہی تو نکل جایا کرتی تھی '' ''انا'' پلیز یہاں بیٹھو'' اس نے مجھے سہارا دے کر قریب پڑے صوفے پر بیٹھا دیا۔ جانے آنسو کیوں بہے جا رہے تھے...... ''کیا ہوا مجھے بتاؤ۔ بابا نے ڈانٹا کیا؟ گھر میں سب ٹھیک ہیں؟ اب بتاؤ بھی کیا ہوا ہے۔ ایسے تنگ مت کرو تم اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہوتا'' ...... اس نے اپنے ہاتھوں سے میرے آنسو صاف کیے اور پانی کا گلاس میری طرف بڑھایا ''اچھا بتاؤ کیا بات ہے شاباش!'' ...... ''آنسوؤں سے من ڈھل جاتا ہے مگر میرے آنسو ہمیشہ میرے من کو اور زیادہ بوجھل کر جاتے ہیں...... فرحان مجھے نہیں پتہ یہ سب کیا ہو رہا ہے ہمارے گھر میں کچھ بھی ٹھیک نہیں...... سب کچھ بکھر گیا ہے۔ اور میں کچھ بھی نہیں سنبھال پا رہی ہوں بابا مکمل طور سے خاموش ہو گئے ہیں۔ ابا اپنا دکھ اپنی سختی میں چھپا جاتے ہیں۔ امی ہر وقت روتی رہتی ہیں۔ اور ''احسن'' ان کے نام پر آ کر جانے کیوں ایک پل کے لیے رک گئی'' ......

"کیا ہوا احسن بھائی کو وہ ٹھیک تو ہیں نا"؟ میں اس لمحے جانے کیوں نہ چاہتے ہوئے بھی مگر وہ ایک احساس تھا جس نے مجھے فرحان کو کچھ بتانے نہیں دیا اور پھر نظریں چراتے ہوئے اسے میں نے ان کی کہی بات اور رویہ بتا دیا" ...... کہ انہیں اچھا نہیں لگا کہ میں ان کے لیے کھانا لاؤں۔ یا ان کی وجہ سے آفس نہ جاؤں ......" فرحان مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ زرقا بھابھی نے گھر کو ایسے سنبھال رکھا تھا۔ کہ ان کے جانے کے بعد سب کچھ بکھر گیا ہے۔ اور مجھ سے کچھ بھی سمیٹا نہیں جا رہا ...... سات ماہ ہو چکے ہیں۔ مگر ایک پل بھی ایسا نہیں جس پل میں نے اپنے گھر والوں کو بلاضرورت ایک دوسرے سے بات کرتے دیکھا ہو۔ فرحان قدرت نے یہ اچھا نہیں کیا۔ اور پھر ایک ہی شخص پر جو بے ضرر ہے۔ اسی پر اتنی آزمائش ...... میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا بعض اوقات تو ایسا لگتا ہے کہ دل پھٹ جائے گا۔ میں کچھ نہیں کر پا رہی" ...... میری ان باتوں کے بعد کمرے میں ایک خاموشی کی سی فضا قائم ہوگئی۔

"''انا'' بات اتنی بڑی نہیں جتنا تم نے اسے محسوس کر لیا ہے۔ گھر میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں کسی کا قصور تو نہیں اور جو کچھ بھی ہوا وہ تقدیر کے لکھے کے مطابق ہوا ہے۔ جیسے ہم کچھ بھی کر لیں بدل نہیں سکتے۔ سوائے دعا کے اور دعا ہی واحد ذریعہ ہے تقدیر کو بدلنے کا تو بہتر ہے کہ تم بھی دعا ہی کرو۔ بہتر صرف اللہ کی ذات ہی کر سکتی ہے۔ جہاں تک سوال ''احسن بھائی'' کے رویے کا ہے۔ تو وہ ایک فطری سی بات ہے ان کا رویہ غلط نہیں ہے ...... میں نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا ...... تو میرا ہاتھ تھام کر بڑے آرام سے بولا۔ ''دیکھو ''انا'' اگر میں خود کو احسن بھائی کی جگہ رکھ کر سوچوں تو میرا ردعمل شاید اس سے زیادہ شدید ہوتا۔ خود سوچوں ایک ایسا انسان جس کو تقدیر میں صرف محرومی ہی محرومی لکھی گئی ہو۔ چھ سال سے وہ اپنے عزیز ترین رشتوں سے محروم ہونے لگے۔ اور تم ہی تو کہتی ہو کہا یک لفظ شکایت ان کی زبان پر نہیں آیا۔ بچپن سے دکھوں میں گھیرے رہے۔ جوانی میں جسے چاہا اسے پانا تو دور اظہار محبت بھی نہ کر سکے ...... اور اس پر سارے گھر کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر رکھے دونوں بھائیوں کی غیر موجودگی میں بھی ان کی کمی کو محسوس نہیں ہونے دیا ...... گھر والوں کی خوشی کی خاطر شادی کی۔ اور پھر اتنے سالوں بعد جس لڑکی کو بیوی بنا کے لائے تھے۔ جب اس کے قریب ہونے لگے تو تقدیر نے ان سے وہ بھی چھین لی ...... اور اب تم یہ چاہتی ہو کہ انہیں دنیا سے امید ہو اور وہ دنیا والوں کی چلتی پھرتی ہمدردی کو قبول کریں گے ...... نہیں ''انا'' انہیں احساس ہمدردی کی ضرورت نہیں ...... اور نہ ہی تم ہمدردی جتانے کی کوشش کرو ...... انہوں نے ٹھیک کہا کہ انہیں یہ سب اچھا نہیں لگتا ...... اور انہیں اچھا لگنا

بھی نہیں چاہئے...... جب ان سے سب کچھ چھینا جا رہا تھا۔ اس وقت ہم سب بے بس تھے۔ کچھ نہیں کر سکے اور اب جو ہم سب کر رہے ہیں۔ اس سب کی انہیں ضرورت نہیں...... تم خود بتاؤ۔ تم صرف ان کی تیمارداری کر رہی ہو۔ اپنے سارے کام چھوڑ کر تم اپنی طرف سے انہیں اپنا Best دے رہی ہو۔ مگر انہیں اس سارے عمل میں اپنی بے بسی محسوس ہوتی ہو گی...... میں یہ نہیں کہہ رہا کہ تم غلط ہو۔ مگر وہ بھی غلط نہیں...... تمہیں صورت حال کو ٹھنڈے دماغ سے لینا چاہئے ضرور کوئی نہ کوئی تو حل ہے۔ جس تک ابھی ہم پہنچ نہیں پا رہے...... فی الحال تم اپنا روٹین ورک بھی کرو اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا خیال بھی رکھو۔ تاکہ انہیں یہ احساس نہ ہو کہ وہ تمہارے محتاج ہیں...... یا خود کچھ کر نہیں سکتے۔ انہیں زندگی کی طرف واپس لانا ہی سب سے اہم کام ہے۔ اور اس میں تمہیں میری مدد جہاں بھی درکار ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں بس تم صبر اور ہمت سے کام لو۔ ایسے رونے سے مسئلے حل نہیں ہوا کرتے۔"

مجھے فرحان کی باتوں نے ایک ڈھارس تو بندھائی مگر ابھی بھی کوئی واضح راستہ نظر نہیں آ رہا...... مگر اس نے ٹھیک کہا تھا۔ شاید میرے رویے سے وہ اپنے آپ کو لاچار اور بے بس سمجھتے ہوں۔ اس لیے بہتر تھا کہ صرف ان کی تسلی کے لیے میں ان کی نظروں سے کچھ وقت کے لیے ہی سہی اوجھل رہوں۔ "کیا سوچنے لگی"؟ مجھے خاموش دیکھتے ہوئے فرحان بولا نہیں "کچھ نہیں شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو...... مگر فرحان سچ میں ایسی حالت میں میں کوئی کام کرنے کے قابل نہیں ہوں میں آفس آ کر بھی کچھ نہیں کر سکوں گی"...... تو وہ مسکرانے لگا...... "پاگل لڑکی تمہیں اس بات کی فکر کرنے کی ضروری بھی نہیں۔ جو کام آج کل آ رہا ہے وہ میں اکیلے سنبھال سکتا ہوں اب اتنا بھی نالائق نہیں ہوں اچھا!" اس نے گلے کے سے انداز میں کہا "بس تم آفس کے لیے نکل آیا کرو تا کہ انھیں احساس ہو کہ تم اپنا کام کر رہی ہو اور پھر یہاں سے میں بھی کبھی کبھی تمہارے ساتھ چلا جایا کروں گا۔ اللہ سب ٹھیک کرے گا اس کی ذات پر بھروسہ رکھو۔ تم نے ہی تو بتایا تھا کہ جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہم وہ نہیں جانتے اس نے ضرور کچھ بہتری رکھی ہے کہیں نہ کہیں احسن بھائی کی زندگی میں...... اچھا یہ بتاؤ کہ ان کی طبیعت اب کیسی ہے...... اس نے بات بدلتے ہوئے پوچھا! "ٹھیک ہیں اب مگر ابھی کچھ جھجکتے ہوئے چلتے ہیں۔ ڈاکٹرز نے تو کہا ہے کہ جسمانی طور پر ٹھیک ہیں مگر فرحان وہ بالکل بدل گئے ہیں خاموش تو پہلے بھی رہتے تھے۔ مگر اب ایسے لگتا ہے کہ ایک برف کی سل ہے سامنے اپنے آپ کو ایک خول میں بند کر دیا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ خول دن بدن مضبوط اور تنگ ہوتا جا رہا ہے ان کے گرد بابا بھی کچھ نہیں کہتے امی اور ابو

پریشان ہیں۔امی کا دل الماس آنٹی کے آنے سے کچھ بہل جاتا ہے''۔''تو احسن بھائی آفس نہیں جاتے کیا؟''اس نے فکرمندی سے پوچھا''کیا بات کر رہے ہو آفس جانا تو دور وہ کسی سے بات ہی نہیں کرتے اپنا موبائیل انھوں نے اوپن ہی نہیں کرایا اور اگر گھر کوئی ملنے آجائے تو انکار کر دیتے ہیں۔کسی سے بات نہیں کرتے ابا کے ان کولیگ سے بات وغیرہ کر کے ان کی خریت بتا دیتے ہے مگر ان کی کمپنی ان کے انتظار میں ہے کہ جب وہ چاہیں اپنے کام کو شروع کر سکتے ہیں''......''وہ بقول ابا کے کہ ان آفیسرز ان سے اس قدر خوش ہیں ان جیسا آرکیٹیکٹ وہ کھونا نہیں چاہتے مگر فرحان وہ سارا دن اپنے کمرے میں رہتے ہیں سب رزقا بھابھی کی قبر پر جاتے ہیں اور واپس آ کر اپنے کمرے میں بند ہو جاتے۔بابا اور ابا انھیں کمرے میں جا کر ملتے ہیں اور جب کوئی بات پوچھیں تو اس کا جواب دے دیں گے مگر خود سے کچھ نہیں کہتے......ایسا کیسے چلے گا''۔''فرحان سب کچھ عجیب سا لگ رہا ہے اور بابا بھی بہت خاموش رہتے ہیں......کیا کروں......''انا'' تم بابا سے بات کرو ان کو تو کچھ تسلی دو اور احسن بھائی واقعی یاد یہ فکر کی بات ہے''۔''سچ فرحان کسی بات پر react نہیں کرتے کچھ بھی ہو جائے ایسے ظاہر کرے گے جیسے کچھ بھی نہیں ہے۔انھیں کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں''......میں نے فکرمندی سے ساری صورت حال فرحان کے سامنے رکھ دی......''چلو آج میں تمہارے ساتھ جاؤں گا بہت دن ہو گئے بابا سے بھی نہیں ملا......اور ہاں انعم کا فون آیا تھا۔اگلے ہفتے اس کی شادی ہے کہہ رہی تھی کہ تمہارے گھر خود کارڈ دینے آئے گی اور میرا کارڈ آفس ہی بھیج دے گی مگر شاید میں اس کی شادی کے دنوں میں یہاں نہ ہوں کراچی کی ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی سے call آئی تھی۔ مجھے ہو سکتا ہے کچھ دنوں تک کراچی جانا پڑے مگر وہ لوگ دوبارہ کال کریں گے تو پھر ہی کوئی پروگرام فائنل ہو گا تم جاؤ گی؟''......''ایسے حالات میں میں کیسے جا سکوں گی میں نے فکرمندی سے جواب دیا چلی جانا ایک دن کے لیے چلی جانا''......وہ اتنی concern تم سے اور تمہاری وجہ سے میں بھی cover ہو جاؤں گا اس نے مجھے سلام دیتے ہوئے کیا''اچھا دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے کسی ایک function پر تھوڑی دیر کے لیے ہو آؤں گی تم فکر نہیں کرو۔''

☆

شام سات بجے میں اور فرحان گھر گئے فرحان کے جانے سے سب کی طبیعت میں تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی مگر کچھ تو بدلاؤ آیا تھا۔بابا اور ابا سے باتیں کرنے کے بعد فرحان نے اجازت لی کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے احسن سے مل لے اور مجھے چائے احسن کے کمرے میں لانے

کے لیے کہہ گیا۔ تھوڑی دیر میں میں نے چائے کے لوازمات ان کے کمرے میں ہی لے گئی تو وہ دونوں باتیں کر رہے تھے فرحان نے قصداً میری موجودگی میں ہی انھیں باتوں باتوں میں میرے آفس جانے کی اطلاع بھی دے دی۔ میں نے انھیں چائے وغیرہ سرو کی اور خود بھی تھوڑی دیر کے لیے وہیں بیٹھ گئی اور پھر گھنٹے بعد فرحان چلا گیا اس کے جانے کے بعد میں نے ان کے کمرے سے برتن وغیرہ اٹھوائے۔ آپ کو کچھ اور چاہیے'' ...... ''نہیں کچھ نہیں' انھوں نے پھر سے مجھے نظر انداز کر دیا رات سب کاموں سے فارغ ہو کر میں اپنے کمرے میں جانے لگی تو فرحان کی بات میرے ذہین میں آئی۔ واقعی شاید صدیاں بیت گئی تھیں بابا سے بات کیئے ہوئے ان کے پاس بیٹھے ہوئے اور پھر انھوں نے بھی تو مجھے نہیں بلایا تھا اپنے پاس میں نے نماز پڑھی اور دعا کی اور دعا کرتے کرتے اللہ سے باتیں کرنے لگی ایک اعتراف جو میں اپنے رب سے کرنے لگی وہ یہ تھا کہ احسن بھائی سے ''احسن'' یا ''وہ'' اس بات کا پتہ مجھے فرحان سے بات کرتے ہوئے چلا تھا۔ جب اس سے بات کرتے ہوئے میں ''احسن'' کے نام پر رکی تھی اسے تو شاید اس بات کا اندازہ ہوا تھا۔ مگر یہ ایک عجیب سی کیفیت تھی جانے کیوں میں اب انھیں احسن بھائی نہیں کہنا چاہتی تھی ان کی طرف ایک انجانی سی کشمکش مجھے میرے اندر شرمندہ کیے ہوئے تھی اور ایک نئے جذبے اور نئے رشتے سے متعارف بھی کرا رہی تھی۔ مگر یہ سب کیوں ہو رہا تھا اور یہ سب کیا تھا اس بارے میں خود بھی نہیں جانتی تھی ایک انجانا سا جذبہ مجھے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔ یا اللہ میری مدد کر اگر یہ محض وقتی جذبہ ہے تو اسے ختم کر دے اور اگر اس جذبے میں سچائی اور بھلائی ہے تو میری رہنمائی کر اس گھر کے لیے اس گھر کے افراد کے لیے بابا کے لیے احسن کے لیے خوشیاں لے آ۔ مجھے سیدھا رستہ دیکھا دے میرے مولا ان الفاظ کے ساتھ میرے آنسوؤں سے میرا چہرہ بھیگنے لگا کافی دیر بعد اپنے ان خیالات سے اپنی باتوں سے اپنا دامن چھڑا کر میرے قدم بابا کے کمرے کی طرف اٹھنے لگے میں نے دھیرے سے بابا کے کمرے کا دورازہ کھولا تو بابا سامنے اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھے تھے ان کی پشت دروازے کی طرف تھی اور ہاتھوں میں حرکت کرتے تسبیح کے دانے ان کے جاگنے کی گواہی دے رہے تھے۔ ''بابا میں اندر آ جاؤں''؟۔

''ہاں بیٹا آ جائیں'' میں بابا کے پاس جا کر بیٹھ گئی...... بابا خاموش تھے۔ آج انھوں نے مجھ سے نہیں پوچھا تھا کہ اتنی رات گئے کیوں جاگ رہی ہوں اور ایک بار پھر الفاظ مجھ سے روٹھے روٹھے لگ رہے تھے...... کافی دیر اسی خاموشی کے حصار کو توڑنے کی غرض سے میں نے

بڑا بے تکا سا سوال کر دیا۔ ''بابا آپ جاگ کیوں رہے ہیں کافی رات ہوگئی سو جائیے'' ...... مجھے میرا یہ پوچھنا خود بھی عجیب سا لگا کہ اتنی دیر بعد اور اتنے دنوں بعد بلکہ مہینوں بعد میں بابا کے پاس آئی بھی تو کیا کہنے اور میری زبان سے نکلا کیا تھا بابا نے میری جانب دیکھا اور میرے سر پر دھیرے سے ہاتھ رکھ کر میرے سر کو اپنی گود میں رکھ دیا اور دھیرے سے بولے...... ''جب الفاظ ساتھ چھوڑ دیں تو خاموشی کی زبان بہترین ذریعہ ہوتی ہے اظہار کا بعض اوقات خاموش وہ سب بتا دیتی ہے جو ہمارے الفاظ نہیں کہہ پاتے'' ...... مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے میں نے ان کی گود میں سر رکھ لیا تو جیسے میری روح تک مسیحائی کی تاثیر اتر گئی ہو اور وہ پھر اس طرح میرا سر سہلانے لگے جیسے ماں اپنے روتے بچے کو اپنی گود میں رکھے اس سے وعدے کر رہی ہوتی ہے اور انھیں وعدوں اور دلاسوں میں وہ بچہ اپنی تمام ضد، تمام غصہ بھول جاتا ہے۔ میں بھی اس لمحے ایسے ہی بچے کی طرح تھیں۔ ''سو جائیں بیٹا تھوڑی دیر آنکھیں بند کر لیں ہو سکتا ہے کچھ پل آرام کا احساس ہی ہو جائے'' ...... اور اسی ایک پل میں حقیقت میں مجھے اپنی ذات کے اندر سکون محسوس ہونے لگا......

اور میری آنکھ اس لمحے کھلی جب میں اندھیرے اور بارش کی قید میں تھی۔ مگر آج میرے خواب میں بارش کافی تیز تھی...... میری آنکھ کھلی تو میں بابا کے پاس ہی تھی اور وہ صوفے پر آنکھیں موندے بیٹھے تھے۔ آج کے دن کا آغاز بھی معمول کے مطابق ہی ہوا...... ''بابا نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا بیٹا نماز پڑھ کر میرے لیے ایک کپ چائے کا بجھوا دیجئے گا'' میں اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔ نماز پڑھ کر بابا کے لیے چائے لے کر آئی تو اس وقت بابا بھی نماز پڑھ چکے تھے۔ ان چند مہینوں میں بابا کی صحت کافی گر چکی تھی اور ان کی تھکن اور کمزوری دن بدن بڑھتی جا رہی تھی میں نے بابا کے ساتھ چائے پی۔ ''بابا آپ نے اپنے چیک اپ کے لیے کب جانا ہے؟ ...... میں آج ہی آپ کی اپوائنٹمنٹ لے لیتی ہوں''۔ ''نہیں بیٹا میں ٹھیک ہوں کچھ خاص ضرورت نہیں'' ''مگر بابا'' ...... '''' اَنا'' میں نے کہا نا ابھی نہیں جب جانا ہوگا آپ کر بتا دوں گا''۔ بابا کا لہجہ اتنا حتمی تھا کہ ان سے اس وقت بحث یا تکرار کرنا بے فائدہ ہی تھا میں خاموش ہوگئی بابا نے اس کے بعد کوئی بات نہیں کی۔ میں نے برتن اٹھائے اور بوجھل ذہن کے ساتھ نیچے آ گئی۔ امی اور بوا ابا کے لیے ناشتہ تیار کرنے لگی میں نے آہستہ سے احسن کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ سامنے پڑے صوفے پر بیٹھے تھے۔ مجھے ان میں ایک دم سے بابا کی شبیہ نظر آئی جانے کیوں اس پل میری روح کانپ سی گئی جانے ایسا کیوں لگا تھا کہ وہ رات بھر سوئے نہیں تھے بجھے بجھے تھے'' ''اَنا'' کیا بات ہے''؟ ...... ان کی آواز پر میں کمرے کے اندر چلی گئی...... ''وہ

میں اس لیے آئی تھی'' یہ خیال لیے کہ وہ سو رہے ہوں گے۔ مجھے اس بات کا گمان ہی نہ تھا کہ وہ انھوں نے رات بھر بیٹھ کر کاٹی ہوگی سفید کرتے شلوار میں چہرے پر ایک بے چین سکون لیے وہ بابا کا عکس ہی تو لگ رہے تھے'''' انا'' کیا ہوا؟'' میں نے کچھ پوچھا ہے؟ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے ایک دم سے انھیں جواب دیا وہ ''میں اس لیے آئی تھی کہ میں نے دس بجے آفس جانا ہوگا تو آپ کو اگر زرقا بھابھی کی قبر پر جانا ہو تو میں ابھی لے جاؤں یا پھر شام کو آفس سے واپسی پر دن میں تو کافی گرمی ہو جاتی ہے اور اگر آپ ابا کے ساتھ جانا چاہیں تو آپ کی مرضی محبوب چچا کے ساتھ جانے سے تو بابا اور ابا نے منع کیا ہے میں نے خود کو نارمل رکھتے ہوئے اپنے آنے کا جواز رکھ دیا''...... اور وہ سوچنے لگے؟ ویسے بُرا نہ مانیں تو کچھ کہوں؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں ان سے پوچھا...... ''اب تو آپ خدا کے فضل سے ٹھیک ہیں خود چلے جائیں''؟...... اور یہ سوال پوچھنے کے بعد مجھے خود پچھتاوا ہونے لگا کہ میں نے یہ کیوں کہا...... ''میں خود؟''...... وہ خود کچھ سوچنے لگے...... ''اور پھر تھکے ہوئے لہجے میں بولے نہیں میں خود نہیں جا سکتا...... میرے تمام سفر ادھورے ہوتے ہیں۔ میرے راستے مجھ سے خفا ہیں وہ خود مجھے ادھورا چھوڑ جاتے ہیں میری زندگی میں اب کسی سفر پر چلنے کا کوئی راستہ نہیں...... اور نہ ہی میں اب کسی سفر پر چلنے کے قابل ہوں''...... ان کا ایک ایک لفظ درد کی انتہا تک پہنچا ہوا تھا اور میں ایک بار پھر خود کو ملامت کرنے لگی کہ میں ان ایسا کہا کیوں...... '''' انا'' تم ہی لے جاؤ'' مجھے وہ صوفے سے اٹھنے لگے۔ ''ٹھیک ہے آپ آ جائیں میں ناشتہ لگواتی ہوں آپ ناشتہ کر لیں پھر چلتے ہیں''...... یہ کہہ کر ان کا جواب سنے بنا ہی میں کمرے سے باہر آ گئی میری آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے تھے۔ میں نے آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا اور میز پر ناشتہ لگانے لگی میں ابھی ناشتہ لگا رہی تھی کہ وہ آ گئے۔'''' چلو'' انا'''' ...... ''ناشتہ کر لیں میں نے عاجزی سے کہا'' نہیں میں واپس آ کر کر لوں گا'' امی کچن میں تھیں ان کی آواز سن کر ایک دم سے باہر آ گئیں'' احسن بیٹا ناشتہ کر کے جاؤ چلو'' انا'' چائے ڈالو کپ میں'' امی کے سامنے وہ ویسے بھی نہیں بولتے تھے۔ اتنے میں'' ابا'' بھی باہر آ گئے اور انھوں نے اکٹھے ناشتہ کیا...... اس وقت میں انھیں ہی نوٹ کر رہی تھی چہرے پر تھکن اور رویے میں بے زاری امید کی ایک ہلکی سی کرن بھی ان کی چہرے پر نمایاں نہ تھی۔ میرا دل اس وقت ایک بچے کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا ایسے کیسے بسر کریں گے زندگی زرقا بھابھی نے سارے گھر کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا رکھا تھا کہ جیسے وہ گئی یہ گھر ان کے ہاتھ سے چھوٹا اور زمین پر گر کر کرچی کرچی ہو گیا میں ابا کے پاس کھڑی یہ سب سوچ رہی تھی اور اس الجھی زندگی کا کوئی سرا

ہاتھ لگ نہیں رہا تھا جسے پکڑ کر اسے سنبھالنے کی کوشش تو کروں ”چلیں اب میں نے ناشتہ کرلیا ہے“ انھوں نے بچوں کی طرح مجھ سے پوچھا کبھی ان کا یہ رویہ کہ ان کی ذات پر کوئی ترس نہ کھائے اور کبھی اس حد تک لاچارگی کہ خود کو اپنے سپرد کرنے کا وصلہ بھی کھو چلے تھے۔ میں انھیں قبرستان لے گئی اور پھر اسی طرح گزرے کہ میں قبرستان سے باہر کھڑے انھیں دیکھتی رہی اور وہ اپنی زرقا سے جانے کیا کیا باتیں کرتے رہتے مگر جب واپس آئے تو اس قدر نڈھال ہو چکے ہوتے کہ وہ اپنا آپ کس طرح سنبھال کر لے اپنے کمرے تک جاتے یہ یا وہ جانتے ہوگے یا ان کا خدا...... واپسی پر الماس آنٹی سامنے بیٹھی تھی میں ان سے ملی انھوں نے مجھے پیار کیا اور پھر احسن کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں کب تک ایسا کرتے رہو گے احسن بیٹا اگر تم تکلیف میں رہو گے تو زرقا بھی تکلیف میں ہوگی...... تمہارے کسی بھی سوال کا وہ جواب نہیں دیتی تو پھر کیوں جاتے ہو انھوں نے بہتی آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے کہا“...... ”نہیں آنٹی وہ جواب دیتی ہے بس میں ہی سمجھ نہیں پاتا...... وہ سب سن بھی لیتی ہے۔“

میں نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا تو بڑی خود اعتمادی سے جواب دیتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیئے اور میں انھیں دیکھتی رہی اور پھر زندگی ایسے ہی چلنے لگی اور صبح میں انھیں زرقا بھابھی کی قبر پر لے جاتی اور واپس لے آتی۔ فرحان کے کہنے کے مطابق میں ان کا خیال بھی رکھتی تھی اور ان پر ظاہر بھی نہ ہونے دیتی اور ہر گزرتا لمحہ میرے دل میں ان کا خیال بڑھتا جارہا تھا...... ایک عجیب انجانی سی کشمکش اور ایک احساس جرم بھی...... یہ خیال مجھے میرے اندر ہی توڑے جارہا تھا کہ میں اپنے احساسات محسوسات کو بابا اور فرحان سے بھی چھپا رہی تھی اور ان سے چھپانا میرے جرم کے احساس کو مزید بڑھا رہا تھا اور اب جیسے میری برداشت بھی ساتھ چھوڑ رہی تھی ہمت جواب دے رہی تھی اور آج تک میری زندگی میں کسی منصوبے یا سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت تو کچھ ہوا نہیں تھا۔ جو کچھ بھی ہوا جب بھی ہوا اچانک ہوا اور اس دن بھی میری زندگی میں اچانک سے یہ سب ہوگیا۔ جس کے بارے میں میں نے سوچا ہی نہیں تھا بابا کی بات صحیح تھی کہ انسان کی تقدیر کی ہوا جس رخ چاہے اسی رخ انسان کو اڑا لے جائے اور میری تقدیر کی ہوا نے اپنا رخ عجیب انداز سے بدلا تھا۔

☆

معمول کے مطابق میں ان کے کمرے میں جا کر چلنے کے لیے پوچھا! تو آج وہ بستر پر تھے اور چہرے پر جیسے کسی نے پیلا رنگ ڈالا ہو...... میں نے فکرمندی سے پوچھا ان کی طبیعت

کے بارے میں تو بات کو ٹال دیا۔تو مجبوراً میں نے ان سے کہا کہ ''اگر طبیعت ٹھیک نہیں تو آج نہیں جائیں آرام کرلیں کل تک طبیعت سنبھل جائے گی تو چلے گئے''......تو جانے کیوں میرا اتنا کہنا انھیں شاید بُرا لگا اور بڑے سخت لہجے میں بولے'''' انا'' تمہیں کوئی حق نہیں کہ تم مجھے زرتا کے پاس جانے سے روکو......اگر تمہیں لے کر جانے میں تکلیف ہے تو بتادو میں کوئی اور انتظام کر لوں گا ان کے ان الفاظ نے میرے دل کو جیسے کاٹ ہی دیا ہو میں نے حیرت سے انھیں دیکھا......اور پھر خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا''نہیں مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ میں گاڑی میں انتظار کر رہی ہوں آپ آجائیں یہ کہہ کر میں ان کے کمرے سے باہر آگئی......ان کے کمرے سے نکلنے کے بعد ایک چھوٹا کوری ڈور آتا ہے اور پھر بڑا لاؤنج شروع جاتا ہے۔کوری ڈور کے کونے پر امی کھڑی تھیں۔کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور انھوں نے شاید ساری بات سن لی تھی میں نے ان سے پوچھا''خیر ہے امی کیا ہوا یہاں کیوں کھڑی ہیں'' میں ان پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ کوئی بات ہوئی ہے تو انھوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا......''اور پیار سے بولیں''میری بچی میں کافی صبر آگیا'' ہے میں نے نظریں جھکالیں اور پھر پیار سے بولیں''اللہ تمہیں اس کا اجر ضرور دے گا۔جاؤ لے جاؤ اسے اپنے غموں سے نڈھال ہم پر غصہ نہیں کرے گا تو کس پر کرے گا۔اگر اپنی جان دے کر مجھے اس بات کا یقین ہو کہ بدلے میں میرے احسن کی خوشیاں ملیں گی تو ایک منٹ کی دیر کیے بنا اپنے خون کا ایک ایک قطرہ دے کر اپنے بچے کے لیے خوشیاں لے آؤں۔مگر میری بے بسی دیکھ کر میں کچھ نہیں کرسکتی'' امی کی آنکھیں بھیگنے لگی۔......''امی مجھے تسلی دیتی ہیں اور خود ہمت ہار رہی ہیں اللہ سب ٹھیک کرے گا اور پلیز اپنی آنکھیں پونچھ لیں ان کی طبیعت پہلے ٹھیک نہیں ہے آپ کو ایسے دیکھیں گے تو اور پریشان ہوں گے اور اپنی پریشانی اب وہ ہمیں نہیں بتائے یہ سن آپ بھی جانتی ہیں امی نے بچوں کی طرح ایک دم سے آنکھیں صاف کرلیں ہم کوری ڈور سے گزرتے ہوئے ڈائنگ ہال آگئے۔میں نے باہر جاکر ابھی گاڑی سٹارٹ ہی کی تھی کہ میری نظر ان پر پڑی......جانے کیوں ان کی حالت جانتے ہوئے بھی ان کی یہ باتیں مجھے دکھی کیوں کر جایا کرتی تھیں۔حالانکہ امی کو میں نے خود سمجھایا تھا مگر شاید جب انسان کسی کے لیے بہت کچھ محسوس کرتا ہے تو اس دوسرے انسان کی ذرا سی غلط فہمی یا ایک کڑوی بات ایسے ہی چبھتی ہے حالانکہ ایسی صورت حال میں قصور کسی کا نہیں ہوتا نہ اس کا جو اس احساس میں ڈوبا ہے اور نہ ہی دوسرے فریق کا کیونکہ وہ جانتا نہیں معمول کے مطابق راستہ خاموشی سے کٹا......اور قبرستان کے باہر میں انھیں دیکھتی رہی۔مگر اس دن مجھے وہاں ایک عجیب سی بے چینی تھی جانے کیوں آج

زرقا بھابھی کی یاد ضرورت سے زیادہ آ رہی تھی کیونکہ ان کے جانے کے بعد پہلی بار انھوں نے مجھے ڈانٹا تھا اور اگر کبھی ان کی موجودگی میں یہ کوئی ایسی بات کر دیے کرتے تھے تو زرقا بھابھی ہمیشہ میری سائیڈ لیا کرتی تھیں یا پھر انھیں ٹوک دیا کرتی تھی مگر آج؟ میں اب بالکل تنہا تھی میری طرف داری کے لیے کوئی تھا اور خود میں کس کے سامنے جا کر روتی۔ بابا نے بھی خود کو خاموشی کے خول میں بند کر رکھا تھا اور پھر فرحان...... فرحان کا نام ذہین میں آتے ہی جیسے میرے دل میں ایک ہلکی سی امید جاگی کچھ بھی ہو۔ مجھے ہمت کر کے فرحان کو سب کچھ بتانا چاہیے وہ میرے بارے میں کیا سوچے گا؟ اس سوال نے میرے بڑھتے قدم پھر روک دیئے اور میں الجھے من اور بوجھل خیالات کے ساتھ وہاں کھڑی رہی اور ان کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی۔

عجیب سی بے کلی تھی...... ایک خالی پن ایک ادھورا احساس جو پھانس کی طرح مجھے پل پل گھائل کر رہا تھا...... دو گھنٹے بعد آئے اور انھیں گھر چھوڑ کر میں آفس چلی گئی آج فرحان کچھ لیٹ آیا تھا اور میں اپنے آفس میں Table پر سر رکھے آنکھیں بند کیے اس کا انتظار کر رہی تھی اور وہ اچانک سے آیا اور دروازہ کھولتے ہی ایک دم سے بولا ''یار یہ تو غلط بات ہے ''اَنا'' مجھے کام میں الجھا کر خود آفس میں بھی آرام کر رہی ہو Not Fair میں اٹھ کر بیٹھ گئی''...... مگر اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا...... وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور...... کام کے متعلق مجھ سے پوچھتا رہا...... اور میں اسے جتنا مختصر جواب دے سکتی تھی اتنا دے دیتی کافی دیر بعد وہ کام ختم کر کے میرے قریب اپنی کرسی گھسیٹ کر آ بیٹھا۔ ''جی مس ''اَنا'' کیا مسئلہ ہے کوئی نئی بات ہوئی یا وہی پرانی دستان غم کا سوگ منا رہی ہیں آپ''...... اس نے میز پر اپنی کونی رکھ کر اس پر اپنا چہرہ ٹکا دیا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا سو اپنی جانب مبذول پا کر کچھ گھبرا سی گئی...... ''کچھ نہیں مجھے کیا ہونا ہے''؟...... ''میں ٹھیک ہوں''...... میں نے صفائی دیتے ہوئے کہا...... میں نے کب کہا کہ آپ خراب ہیں مگر کوئی بات تو ہوئی ہے جو آپ ایسے بیٹھی ہیں...... کیا بات ہے بتاؤ''...... اس نے مجھے چھیڑتے ہوئے کہا...... ''کچھ خاص نہیں''...... ''اچھا تو چلو عام ہی سہی بات تو ہے نہ شکر ہے تم یہ تو مانی...... اب عام بات ہی بتا دو اسی بہانے تم کچھ بولو گی تو سہی''...... احسن بھائی نے کچھ کہہ دیا کیا......؟...... میں نے سر جھکائے ہی اسے جواب دیا۔'' ہاں آج صبح مجھ پر غصہ ہوئے تھے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو میں نے کہہ دیا کہ آج قبر پر مت جائیں...... تو مجھے کہنے لگے کہ مجھے اس بات کا کوئی حق نہیں کہ میں انھیں زرقا بھابھی سے ملنے یا ان کی قبر پر جانے سے روکوں اور اگر مجھے ان کا لے جانا مشکل لگتا ہے تو وہ اپنے لیے کوئی اور

انتظام کر لیں گے۔ بس یہ بات مجھے بُری لگی مگر میں جانتی ہوں کہ وہ الجھے ہوئے ہیں اگر کبھی غصہ کر لیتے ہیں تو اس میں کوئی بُری بات نہیں۔"

''ہاں تو ٹھیک سوچا تم نے...... کوئی بُری بات نہیں ...... کبھی کبھی الجھن اور پریشانی میں انسان Hyper ہو جاتا ہے وہ بھی ہو گئے تو اس میں کوئی ایسی بات تو نہیں ہے'' اس نے میری بات کو سادہ الفاظ میں بیان کر دیا پھر میں نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں تھوڑی دیر بعد پھر بولا ''بس یہی بات تھی کہ کچھ اور بھی؟...... میں نے ایک دم حیرت سے اس کی طرف دیکھا ''کوئی اور؟'' ...... ''ہاں بھئی بس یہی بات تمہاری اداسی کا پریشانی کا سبب ہے یا کوئی اور بات بھی ہے؟ میں کافی دنوں سے دیکھ رہا ہوں تم کچھ عجیب سی لگ رہی ہو یہ بات صحیح ہے کہ تمہارے گھر میں پریشانی کا ایک دور چل رہا ہے مگر تمہارا رویہ اس پریشانی کی وجہ سے نہیں ...... کوئی اور بات ہے جو تمہیں تنگ کر رہی ہے اور تم نے مجھے نہیں بتائی ...... اگر بتانا چاہو تو مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی اور اگر نہیں بتانا چاہتی تو کوئی زبردستی نہیں ...... مجھے تمہاری ایسی صورت بھی نہیں دیکھنی''؟ اس نے اس بار قدرے سخت لہجے میں کہا...... اور پھر اپنے موبائیل کی طرف متوجہ ہو گیا اور پھر وہی لمحہ آ گیا میری زندگی میں جو ہمیشہ کی طرح اچانک آیا کرتا تھا...... ''تقدیر کی ہوا'' ......!

''فرحان'' ......!

میں نے اسے پکارا مگر اس وقت مجھے میری آواز کوسوں دور سے سنائی دے رہی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی گہری گھائی سے اپنی پوری طاقت لگا کر فرحان کو پکار رہی ہوں......

اس نے میری جانب دیکھا......

''کیا بات ہے ''اَنا'' سب ٹھیک تو ہے نا؟'' اس بار اسے کچھ تشویش ہوئی......

''فرحان تم میرے دوست ہو نا؟ سچے دوست'' ......؟ مجھے اس پل یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں اس سے کیا کہوں......

''ہاں کیوں تمہیں کوئی شک ہے میری دوستی پر...... اپنی سچی دوستی کا ثبوت میں بہت سارے لوگوں کے سامنے دیا تھا اور اب سب میری دوستی کی سچائی کے لیے اپنی گواہی دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کریں گے......

کیوں تمہیں کیا کوئی اور ثبوت چاہیے میری دوستی کی سچائی کو ماننے کے لیے'' ......؟

اس نے شرارتی انداز میں میری بات کا اچھا خاصا واضح جواب دے دیا تھا......

''فرحان!'' ...... میں پھر خاموش ہو گئی

''اَنا پلیز جو بات کہنا چاہتی ہو صاف صاف کہو ایسے میرے لیے سسپینس تو نہ بناؤ''......اس نے الجھن سے کہا......

''فرحان اگر میں غلطی کر دوں اگر کوئی گناہ کر دوں......کیا پھر بھی تم میرے دوست رہو گے یا مجھے چھوڑ دو گے؟''......

''اُف میرے خدا'' یہ کس قسم کی لڑکی ہے؟''......اس نے اپنی کرسی کی پشت کے ساتھ بے ذاری سے ٹیک لگاتے ہوئے اپنا سر پکڑ لیا......''اَنا'' اس کا جواب بھی تمہارے پاس ہے'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا......''میرے پاس''؟ میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

ہاں تمہارے پاس اگر میں کوئی گناہ سرزدہ کر دوں کوئی غلطی کر دوں تو کیا تم مجھ سے دوستی چھوڑ دو گی مجھے دوسروں کی طرح بُرا سمجھ کر دھتکار دو گی......یا ایک ہمدرد دوست کی طرح میرا ہاتھ تھام کر مجھے اس گناہ کی معافی دلاؤ گی......یا مجھے تماشہ بننے کے لیے دنیا کے رحم وکرم پر چھوڑ دو گی''......؟

''اَنا'' تم میری دوست ہو اور مجھے میری دوست اس دنیا میں بہت عزیز ہے اور میں دوستی تمہاری خوبیوں سے نہیں کی تمہاری ذات کے ساتھ کی اور ذاتی طور پر تم اس دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہو۔تمہارے کردار پر مجھے اتنا بھروسہ یقین ہے جتنا مجھے قدرت پر ہے اور اگر فرض کرو تم سے کوئی کام سرزد ہو بھی جاتا ہے تو......یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ غلطیاں گناہ انسان کے حصے میں ہی آئے ہیں اور انسان اپنی غلطیوں کی وجہ سے ہی پہچانا جاتا ہے اور جب وہ معافی مانگتا ہے تو وہ اللہ کے اور بھی نزدیک ہو جاتا ہے......اور ویسے بھی غلطیاں اگر انسان نہ کرتے تو وہ بھی فرشتہ کہلاتے......تم انسان ہو انسان ہی رہو اور پلیز مجھ سے سیدھی سیدھی بات کرو تم خود بھی بہت اچھی طرح سے جانتی ہو کہ تمہیں مجھ سے تمہیدوں کی ضرورت نہیں اب اس سے پہلے میرا سر پھٹ جائے اور میری موت کی ذمہ دار تم ٹھہرو پلیز جلدی سے بتا دو کہ کیا مسئلہ؟''......

''فرحان مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے اور ہو رہا ہے اور میں خود کو روک بھی نہیں پا رہی ہوں......مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا چاہ رہی ہوں کیا کر رہی ہوں اور میرے ساتھ ہو کیا رہا ہے''۔''بولتی جاؤ میں سن رہا ہوں......کیا گناہ کیا ہے تم نے۔''

میں چند لمحوں کے لیے رک گئی......اور پھر جانے کب میرے آنسو میرے چہرے کو بھگونے لگے......''او گاڈ Not Again......کیا ہو گیا ہے''اَنا'' کچھ بتاؤ گی تو میں کچھ کر سکوں گا نا......پہلے رو لو پھر بتا دینا اس بار وہ غصے میں تھا''......میں نے اپنے دوپٹے کے پلو سے اپنی

آنکھیں صاف کی مگر آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے فرحان نے اپنی آنکھوں کو اپنی ہتھیلی سے ڈھانپ لیا...... ""انا"" پلیز ایسا نہیں کرو تم جانتی ہو کہ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا...... تم مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہو اور میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں چاہے کچھ بھی ہو جائے چاہے میں اس دنیا کا اکیلا انسان کیوں نہ ہوں جو تمہارے ساتھ ہو گا اور یہ بات تم مجھ سے زیادہ بہتر سے جانتی ہو Now Please tell me کیا ہوا ہے۔؟''

فرحان مجھے احسن اچھے لگتے ہیں میں انھیں پسند کرتی ہوں اور خدا گواہ ہے مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب کیسے ہوا میں نے ''احسن بھائی'' سے ''احسن'' تک کا سفر کیسے طے کیا...... ان کی یہ حالت مجھ سے برداشت نہیں ہوتی مجھے نہیں پتہ میرے اس جذبے کا کیا نام ہے انجان ہوں اس بات سے کہ میرا یہ جذبہ میرے یہ احساسات اہمیت کے حامل ہیں بھی یا نہیں......

مگر یہ جذبہ دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے...... اور میں جانتی ہوں میں گناہ گار ہوں میری یہ سوچ غلط ہے۔ احسن کی بے رخی ان کی تکلیف اور ان کے اس غم نے مجھے ان کے قریب کب کیا، میں نہیں جانتی۔ میں جانتی ہوں کہ زرقا بھابھی مجھ اس بات پر خفا ہو گی مگر میں خود کو جتنا روکنا چاہتی ہوں جتنا خود کو پیچھے کرنا چاہتی ہوں ہر آنے والا لمحہ مجھے اس سے دس گنا زیادہ ان کی طرف دھکیل دیتا ہے۔

مگر اس سب کے باوجود میرا یہ احساس یہ جذبہ جس کا شاید کوئی نام نہیں میری ان کی طرف رغبت ان کی طرف جھکاؤ میں کوئی لالچ نہیں...... اور نہ ہی انھیں پانے کے لیے یہ سب کر رہی ہوں میں بس انھیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں ان کی زندگی پہ حاوی دکھوں کے ہر بادل کو ختم کر دینا چاہتی ہوں فرحان اس دن جب انھوں نے کہا کہ میرا ساتھ تو راستے ہی چھوڑ جاتے ہیں میری کوئی منزل نہیں اور نہ میں خود کو کسی سفر کے قابل سمجھتا ہوں...... تو میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا میرا دل چاہتا تھا کچھ بھی کر کے ان کی زندگی میں سکون اور خوشی لے آؤں بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتی۔ زرقا بھابھی کو تو ہم میں سے کوئی بھی واپس نہیں لا سکا مگر کیا احسن کی زندگی میں خوشی بھی لانا ناممکن ہے؟...... میرا یہ احساس گناہ ہے مجھے اعتراف ہے مگر میں جب یہ سوچتی ہوں کہ یہ سب میری مرضی سے نہیں ہوا سب اچانک ہوا۔ خدا کی قسم فرحان مجھے نہیں پتہ یہ سب کیسے ہو گیا۔ مگر ایک انجانی سے کشش مجھے ان کی طرف کھینچتی ہے اور جب وہ سامنے آتے ہیں تو ان کا مجھے نظر انداز کرنا میری طرف ایک بار بھی نہ دیکھنا...... مجھے بُرا نہیں لگتا مگر سچ بتاؤں! تو اچھا بھی نہیں لگتا...... میں چاہتی ہوں وہ مجھ سے اپنا دکھ بانٹیں جو وہ چاہتے ہیں بتائیں ہو سکتا

ہے میں کوئی سبب ہی بن جاؤں ان کی خوشی کا...... میں اپنے اس جذبے کو کبھی بھی ان پر ظاہر نہیں کروں گی...... بس ان کی خوشی میں میری خوشی ہے اور سارے گھر والوں کی بھی مگر یہ بھی سچ ہے کہ احساس گناہ بھی بڑھتا جارہا ہے جو ہر آنے والے لمحے میں میرے اندر ناسور بنتا جارہا ہے مجھ میں اب ہمت نہیں رہی ایسا لگتا ہے کہ دو مختلف طاقتیں مجھے مخالف سمت میں کھینچ رہی ہیں اپنی پوری طاقت سے اور عنقریب یہ ممکن ہے کہ میرا وجود میری روح دو حصوں میں تقسیم ہو جائے...... میں نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ فرحان کو ساری بات بتا دی...... اور پھر میں خاموش ہو گئی''......

''چند لمحوں بعد فرحان بولا بس کہ اور کچھ''...... میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا ''کوئی اور بات تو نہیں''؟ اس نے مجھ سے پوچھا ''نہیں یہ ہی بات ہے۔''

''مگر یقین کرو فرحان میرا اس سب میں کوئی قصور نہیں اور نہ ہی میں اپنی صفائی میں ...ں لفظ کہنے کے قابل ہوں...... انسان گناہ گار بھی ہو اور بے گناہ بھی...... بے قصور بھی ہو اور اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے قابل بھی نہ ہو۔ یہ صورت حال کس قدر تکلیف دہ ہے یہ میرے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا...... یہ کہہ کر میں خاموش ہو گئی''......

''بس؟...... کہ اور کچھ......''؟

میں نے ایک بار پھر اپنے آنسوؤں کو پونچھا...... ''نہیں ...عان اس کے بعد اور کیا ہو سکتا ہے کہ میں خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی''......

فرحان اپنی کرسی سے اٹھا اور میرے قریب آ ... میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا ''پاگل لڑکی''...... جانے کیسے میں بے اختیار ہو کر بیٹھے بیٹھے اس پر لپٹ گئی۔ ''مجھے میری سزا سنا دو فرحان مجھے اس شرمندگی سے اس گناہ کے احساس سے نجات دلا دو''...... میں روتی جارہی تھی...... اور اس نے میرے سر پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔ ''کس گناہ کی بات کر رہی ہو کس قصور کی سزا سنا دو تمہیں۔ محبت کرنے کی؟ تم اس بات پر شرمندہ ہو کہ تم محبت کے سمندر میں کو... چکی ہو اور یہ تو ایسا سمندر ہے جس میں کودنے کے بعد اس سے پہلے کے تمام گناہ خود ہی معاف ہو جاتے ہیں پاگل لڑکی اور تمہاری محبت تو بے لوث ہے...... محبت تو عبادت ہوتی ہے اور جس محبت میں خود غرضی ہو بعض دفعہ وہ محبت بھی انسان کو کاملیت کے درجے پر پہنچا دیتی ہے جو احساس محبت کی آخری زینے پر جا کر ہوتا ہے وہ احساس تمہیں محبت کے پہلے زینے پر ہو گیا''...... ''یہ خدا کی مہربانی نہیں تو اور کیا ہے؟ کس بات پر پریشان ہو کہ احسن بھائی کی خوشی تمہیں ہر چیز سے زیادہ عزیز ہو گئی''...... اور تم ان کے لیے راہ کو ہموار کرنا چاہتی ہو۔ ان کی زندگی

کو آسان کرنے میں ان کا ساتھ دینا چاہتی ہو کیا یہ گناہ ہے؟''......وہ میرے سر پر ہاتھ رکھے مجھے دلاسا دیتے ہوئے یہ سب کہتا جا رہا تھا'' ......''مگر فرحان زرقا بھابھی''......؟

کیا زرقا بھابھی؟ وہ انتقال کر چکی ہیں اس دنیا میں نہیں......تم ان کی موجودگی میں تو ایسی کوئی feeling نہیں رکھتی تھی......اور مرنے کے بعد جہاں تک مجھے علم ہے۔ نکاح کی شرائط لاگو نہیں ہوتی مرد پر نہ عورت پر! اگر بیوہ کو عدت گزارنے ک بعد نکاح کی اجازت ہے تو مرد کو تو زندگی میں ایک وقت میں چار شادیوں کی اجازت دی گئی ہے۔ بشرطیکہ ان میں انصاف کر سکے......اور احسن بھائی تو اب اکیلے ہیں بالکل تنہا اور یہاں بات شادی کی نہیں ہو رہی۔ یہاں محبت کے جذبے کی، محبت کے احساس کی بات ہے جو تمہیں زرقا بھابھی کے جانے کے بعد ہوا......اگر ان کی زندگی میں بھی ہو جاتا۔ تو احساسات پر جو ہماری مذہب نے کوئی قید نہیں لگائی کوئی سزا مقرر نہیں کی احساسات ہی تو ہیں جو اس کائنات میں مکمل طور پر آزادی کے حامل ہیں......''اَنا'' فرض کرو اگر...... جو صورت حال ابھی احسن بھائی کی ہے۔ وہ اگر زرقا بھابھی کے ساتھ ہوتا......اور وہ احسن بھائی کے جانے کے بعد پل پل زندہ ہوتے بھی مر رہی ہوتیں......

اور میں اگر ان کے لیے ایسی feeling رکھتا یا اگر میں انھیں پر پوز کر دیتا تو کیا یہ گناہ ہوتا''؟......کیا یہ زرقا بھابھی کے ساتھ زیادتی تھی یا احسن بھائی کے ساتھ زیادتی ہوتی؟......کیا احسن بھائی جانے کے بعد یہ چاہتے کہ ان کی بیوی پل پل مرتی رہتی......میرے پاس تو ثبوت recorde ہے''اَنا'' یاد ہے جب ہم سوات گئے تھے تو احسن بھائی نے اپنی زندگی میں بھابھی سے کیا وعدہ لیا تھا۔ حالانکہ اس وقت ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ صورتِ حال اس قدر سنگین ہو جائے گی؟......احسن بھائی واقعی ہی بہت عظیم انسان ہیں اتنی بڑی بات اپنی زندگی میں اپنی بیوی سے پوچھنا اور اسے اجازت دینا......بہت بڑی بات ہے''۔''میں لبرل انسان ہوں......اگر میری ذاتی رائے تو شاید میں یہ سوال اپنی بیوی سے کبھی نہیں پوچھ سکوں۔ اگر پوچھ بھی لوں تو شاید اپنی زبان سے اس کی اجازت کبھی نہ دوں......ہاں میرے مرنے کے بعد شریعت اسے یہ حق دیتی ہے وہ چاہے۔ اسے استعمال کرے چاہے تو نہ کرے۔ مگر اپنی زبان سے یہ اعتراف میرے لیے ناممکن ہونا اب تم خود سوچو کہ اس دن اس بات کے جواب میں زرقا بھابھی نے کیا کہا تھا......؟ جو لوگ اپنی اپنی زندگیوں میں ایک دوسرے کی خوشی کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہونے کو تیار تھے۔ وہ کیا...... جب وقت آئے گا یا وہ نہ رہیں گے تو کیا وہ اپنا حق جتاتے پھریں گے یا تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر تم نے کوئی ایسا قدم اٹھایا تو روز حشر زرقا بھابھی تم

سے اس بارے میں سوال کریں گی؟......نہیں!''اَنا'' اگر وہ وہاں سے یہ سب دیکھ رہی ہیں اور ان کا زندگی میں تم سے جو پیار جو تعلق تھا۔وہ اس احساس پر خوش ہو رہی ہو گی......وہ ناراض نہیں ہو گی''......''مگر فرحان یہ کیسے ممکن ہے؟''......میں نے جھجکتے ہوئے کہا......''اس سے پہلے میں کچھ اور کہتی......اس نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اپنی طرف کھنچا اور میں اس کے پیچھے چلنے پر مجبور تھی۔اس نے مجھے گاڑی میں بیٹھایا......''کہاں جا رہے ہو فرحان......مگر وہ اس وقت غصے میں بھی نہیں تھا اور مجھے کچھ بتا بھی نہیں رہا تھا۔ایک گھنٹے بعد وہ مجھے جہاں لے پہنچا تھا اس کے جواب میں میرے پاس کوئی لفظ نہیں۔

☆

گاڑی سے باہر نکل کر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گاڑی سے باہر نکالا......''نہیں فرحان میں بس یہی تک آتی ہوں۔اس سے آگے میں کبھی نہیں گئی جانے کیوں یہ سب کچھ ہونے کا ذمہ دار نا چاہتے ہوئے بھی زرقا بھابھی ہی ہیں''فرحان قبرستان کے باہر کھڑا ہو کر میری باتیں سن رہا تھا......او خدا کے لیے''اَنا اپنی بکواس بند کرو۔تمہیں تمہارے سوالوں کے جواب یہیں سے ملے گے۔چلو میرے ساتھ وہ مجھے کھنچتا ہوا زرقا بھابھی کی قبر پر لے گیا''......اور مجھے جا کر ان کے پاؤں کی سمت کھڑا کر دیا......قبر پر لگے کتبے پر مرحوم''زرقا احسن لکھا دیکھ کر میری آنکھیں دھندلا گئی......''بیٹھو''اَنا''یہاں بیٹھو ان کے پاس اور جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہہ دو۔سب کچھ انھیں بتا دو''زرقا بھابھی یہ آپ سے ناراض ہے کیونکہ آپ کے جانے کے بعد سارا گھر بکھر گیا اور یہ اکیلے اسے سمیٹ نہیں پا رہی......احسن بھائی کا مزاج آپ جانتی ہیں وہ روز آتے ہیں آپ کے پاس، بتاتے ہوں گے......مگر یہ آپ سے شرمندہ بھی ہے اور ناراض بھی ناراضگی کی وجہ آپ کو بتا دی ہے کہ آپ اسے اکیلا چھوڑ گئی......اور شرمندگی کی وجہ سے یہ ہے......''فرحان تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟''......میں نے ایک دم سے اسے روکنا چاہا کیونکہ وہ بالکل ایسے بات کر رہا تھا جیسے وہ حقیقت میں سامنے بیٹھی ہماری باتیں سن رہی ہوں اور ان کے جواب میں ہمیں کوئی نصیحت، کوئی صلاح، کوئی مشورہ دے گی۔اس نے ایک نظر مجھے گھورا اور پھر بولا''بھابھی آپ کے جانے کے بعد......اسے احسن بھائی سے محبت ہو گئی ہے۔دن رات ان کا خیال رکھتی ہے اور اپنی محبت کے بدلے میں احسن بھائی کی محبت بھی نہیں چاہتی اور اسی بات پر شرمندہ ہے۔آپ تو جانتی ہو بھابھی محبت اور موت تو بن بلائے مہمان کی طرح کب آجائیں کچھ نہیں کہہ سکتے......اسے اس بات پر شرمندگی ہے کہ اس نے ایسا محسوس کیوں کیا......اور اس احساس اس جذبے کی وجہ سے

کہیں یہ آپ کی کوئی حق تلفی تو نہیں کر رہی؟۔ کیا یہ صحیح ہے۔ آپ خود آج اسے بتا بھی دیں اور منا بھی لیں''...... یہ بات تو حقیقت ہے بھابھی کے آپ کے جانے کے بعد احسن بھائی تو تنہا ہوئے ہی ہیں۔ مگر شاید سب سے زیادہ تکلیف میں ''اَنا'' ہے جو دن رات گھر والوں کی خوشی کے لیے ایک مسکراہٹ کے لیے بے تاب ہے اور پھر یہ احساس محبت سے یہ تو انسان کو کرچی کرچی کر دیتا ہے...... وہ بھی ایسی محبت جس میں حاصل کرنے کی، پانے کی، لینے کی کوئی خواہش نہیں بس دینے کی ہے اور یہ دے رہی ہے مگر اسے صحیح راستہ نہیں معلوم''...... فرحان کا اتنا کہنا تھا کہ روتے روتے میری سسکیاں چیخوں میں بدل گئیں اور بھابھی کی قبر پر لپٹ کر میں بچوں کی طرح فریادیں لگانے لگی...... میرا دل چاہا کہ قبر کے ساتھ چپکی رہو۔ کافی دیر میں قبر پر لیٹی رہی اور روتی رہی اور اس دوران فرحان بھی نہیں بولا اور پھر کچھ دیر بعد آگے بڑھ کر اس نے مجھے اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا...... ''آج رولو...... دل کا سارا غبار نکال لو...... میں نے سب بھابھی کو بتا دیا ہے رولو ''اَنا'' رونے سے من بھی ڈھل جاتا ہے اور بوجھ بھی اتر جاتا ہے''...... میں نے فرحان کے سینے کے ساتھ لگی بے اختیار روتی رہی اور پھر جب میں خاموش ہوئی تو میں نے بھابھی کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ ''بھابھی آپ میرے لیے دعا کرنا کہ جو ذمہ داری آپ مجھے سونپ کر گئی ہو میں اسے مکمل طریقے سے نبھا سکوں'' دعا کرنا کہ میں آپ کے اور اپنے احسن کو اس کی پہلی محبت سے ملا سکوں...... دعا کریں کہ مجھ میں اتنی ہمت آجائے کہ میں ان سے اس کی بات کر سکوں...... کیونکہ اب اگر ان کی زندگی میں خوشی کی کوئی کرن آئے گی تو وہ اس لڑکی جوان کی پہلی اور ادھوری محبت تھی کی شکل میں آئے گی...... بھابھی دعا کرنا کہ میں اس لڑکی کی کھوج میں کامیاب ہو جاؤں۔ مجھے اس کا کہیں سے کوئی پتہ مل جائے میں اس کے پیروں میں گر کر کسی بھی طرح اسے احسن کی زندگی میں لے آؤں گی اور جس دن میں نے اسے احسن سے ملا دیا...... اس دن مجھے یقین ہو جائے گا کہ میرا یہ جذبہ سچا ہے میرا یہ بے لوث جذبہ جو قدرت نے میرے دل میں ڈالا اور اس کے رستے پر مجھے چلا دیا اس دنیا کا سب سے خالص اور پر خلوص جذبہ ہے پلیز بھابھی آپ کو میری مدد کرنا ہوگی...... اب مجھے مایوس مت کرنا''...... میں نے ایک نظر پھر بھابھی کی قبر پر لگے کتبے کو دیکھا اور فرحان کے ساتھ گاڑی میں آبیٹھی...... فرحان نے گاڑی کا A.C آن کیا...... کیونکہ دھوپ کی وجہ سے میرا چہرہ تقریباً جھلس چکا تھا اور ہاتھوں میں جلن ہو رہی تھی ماربل خاصا گرم تھا اس وقت تو پتہ نہیں چلا مگر اب کچھ تکلیف سی ہو رہی تھی میں نے گاڑی کی سیٹ کے ساتھ ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کر لیں۔ شاید فرحان ٹھیک ہی کہہ رہا تھا...... ''رونے سے من ڈھل جاتا

ہے بوجھ کم ہو جاتا ہے اور آج میری اور بھابھی کی صلح بھی ہو چکی تھی...... ایک عجیب سا اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔ آج محسوس ہوا کہ وہ یہاں اور کیوں آتے ہیں شاید وہ بھابھی سے وہ سب باتیں کرتے ہیں جو زندگی میں نہیں کر سکے اور پھر اپنے دل کا بوجھ دل کا غبار نکال لیتے ہیں۔ مگر کب تک وہ اپنے اس غبار کو بے حرف لفظوں اور بے آواز سی صداؤں کے سپرد کرتے رہیں گے فرحان نے میرے اس جذبے کو اس احساس کو محبت کا نام دے دیا تھا، جو میرے لیے ایک سوال تھا۔ میرا بچپن سے محبت کے رشتے سے ایک تعلق تو تھا میں نے اپنے اردگرد محبت کو ہر رشتے میں موجود پایا تھا۔ جب سے ہوش سنبھالا اس سے بھی پہلے جب مجھے پہلی مرتبہ بابا نے گود میں لیا تھا۔ تو اسی جذبے محبت کے تحت ہی لیا ہوگا...... مگر میرا یہ احساس جو احسن کے لیے تھا کیا یہ بھی محبت تھا؟ میں نے اپنی آنکھوں کو پوری طاقت سے کھولتے ہوئے فرحان کی طرف دیکھا جو خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا اور شاید اس وقت وہ بھی مجھے وقت دینا چاہتا تھا اس لیے قصداً خاموس تھا کچھ دیر میں ہم آفس پہنچ گئے...... فرحان نے اپنے لیے اور میرے لیے چائے منگوائی اب میری اس صورت حال سے فرحان کچھ پریشان تھا۔ ہم لوگ کچھ دیر خاموش رہے شعیب صاحب فرحان کے کراچی کے پروجیکٹ کے بارے میں بتا رہے تھے کہ اگلے ہفتے اس کراچی جانا ہوگا ضروری ہدایات دینے کے بعد فرحان کو بتا کر وہ چلے گئے۔

☆

''فرحان ایک بات بتاؤ گے؟'' ......''ہاں پوچھو'' ......

تم نے میرے اس جذبے اس احساس کو ''محبت'' کہا...... یہ محبت تو نہیں''......؟ میں نے اسے ایک نظر دیکھا۔ جو کرسی کے ساتھ ٹیک لگائے ہاتھ میں چائے کا کپ اٹھائے دیکھ رہا تھا۔ ''اچھا تو پھر کیا ہے'؟ تم بتا دو؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا...... اس کی سوالیہ نظریں مجھے کیوں الجھا گئی

کچھ دیر بعد میں نے کہا۔

''پتہ نہیں فرحان میرے پاس اپنے اس احساس اور تمہارے اس سوال کا کوئی نام نہیں کوئی جواب نہیں...... مگر محبت ایسی تو نہیں ہوتی نا؟'' ......

''اچھا تو پھر محبت کیسی ہوتی ہے یہ ہی تو پوچھ رہا ہوں تم بتا دو''۔ ''مجھے کیا پتہ میں کیا بتاؤں؟...... میں نے اسے الجھ کر قدرے غصے سے جواب دیا جس پر وہ مسکرانے لگا...... ''تو اگر پتہ نہیں ہے تو پوچھ لو اس میں ہچکچا کیوں رہی ہو؟'' ......

میں نے اس وقت اسے غصے سے دیکھا۔مگر حقیقت میں میں یہ جاننا چاہتی تھی اور یہ بھی چاہتی تھی کہ خدا کرے فرحان میرے اس جذبے کو محبت کا نام نہ دے کیونکہ مجھے ہمیشہ ''محبت'' سے خوف آیا کرتا تھا اور میں اپنے طور پر اس بات کو مکمل طور پر مان چکی تھی کہ میں نہ تو کبھی کسی سے محبت کروں گی اور نہ ہی اس جذبے کو اپنے نزدیک آنے دوں گی۔مگر یہ بات میں بھول گئی تھی کہ محبت پوچھ کر بتا کر سوچ سمجھ کر کسی منصوبے کی تحت ساتھ نہیں کی جاتی...... بقول بابا کے کہ یہ ایک فطری جذبہ ہے جو قدرت نے ہر انسان کے اندر روز اول سے ڈال رکھا ہے اور دل کے ایک کونے میں محبت کا ایک کمرہ ہوتا ہے۔جس کے متعلق انسان لاعلم ہوتا ہے ناواقف اور جب قدرت کا حکم اس کمرے کا دروازے کھل جاتا ہے......اور وہ کمرہ جو انسان کے دل کے ایک چھوٹے سے کونے میں پوشیدہ ہوتا ہے جس کے بارے میں انسان کو خود معلوم نہیں جب اس کا دروازہ کھلتا ہے تو پورے دل اور مکمل روح کو اپنے حصار میں لے لیتا ہے پھر کچھ باقی نہیں رہتا سوائے محبت' اور بے بسی کے' انسان محبت کے ہاتھوں اس قدر بے بس ہو چکا ہوتا ہے' کہ اختیار یا محبت ہو کر بھی' محبت کے سامنے اپنی بے بسی کو قبول بھی کر لیتا ہے اور اپنا آپ اس کے سپرد بھی کر دیتا ہے اور میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ دروازے میرے لیے کھلے جس کے کھلنے کے بعد میری بے بسی میری لاچاری سامنے آجائے اور میں محبت کے آگے گھٹنے ٹیک دوں'......

''کیا سوچنے لگی ہو؟''

فرحان نے مجھے سوچوں میں گم پا کر مجھ سے سوال کیا......

کچھ نہیں اپنی بے بسی کے بارے میں سوچ رہی تھی'' تم بتاؤ میرے سوال کا جواب نہیں دیا تم نے؟''

''''انا'' یہ محبت ہی ہے! جو کچھ تم جس طرح سے محسوس کر رہی ہو۔ میں تو اسے محبت ہی کہوں گا محبت کے بارے میں تو زیادہ نہیں جانتا مگر میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں'......اور جتنا تمہیں جانتا ہوں۔اس حساب سے تو تمہارا ہر احساس احساسِ محبت ہی ہے تم نے آج تک نہ کسی کے بارے ایسے بات کی اور نہ ہی ایسے فکر مند ہوئی اور نہ ہی تم نے خود کو کسی کی طرف کھنچتے ہوئے پایا...... خود بتاؤ۔ احسن بھائی کی طرف روز بروز تمہارا جھکاؤ...... کس بات کی علامت ہے......محبت ایسی ہی ہوتی ہے بن بلائے، پرکشش، مکمل طور پر اپنے حصار میں قید کر لینے والی کہ اگر چاہیں بھی تو اس سے باہر نہیں نکل سکتے اور اس میں کوئی قباحت کوئی برائی نہیں۔جس وہم میں تم مبتلا تھی! کم از کم اس وہم کی تو محبت میں کوئی جگہ ہے ہی نہیں تم بتاؤ احسن بھائی کے متعلق تم

جواب محسوس کرتی ہو وہ کیا پہلے یا زرقا بھابھی کی زندگی میں محسوس کیا تھا یا کبھی ایسا سوچا بھی تھا کہ آنے والے وقت میں کبھی ایسا کرو گی''......؟

مجھے حیرت سے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے خود ہی بولا ''نہیں! تم نے ایسا کبھی محسوس نہیں کیا تھا اور کسی کے لیے بھی نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کچھ سوچا تھا تو پھر اب کیوں؟ اگر یہ سب تمہارے اختیار میں تمہاری مرضی سے ہوتا تو کیا تم ایسا ہونے دیتی؟ نہیں! تم اب بھی ایسا کبھی ہونے نہیں دیتی۔

تو مطلب واضح ہو گیا کہ اس پر تمہارا اپنا ذاتی اختیار کچھ بھی نہیں یہ سب جس کی مرضی ومنشا سے ہو رہا ہے وہ ہی بہت جانتا ہے تو تمہیں اس بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں...... بس مطمئن رہو اللہ سب ٹھیک کرے گا''۔ اس نے مجھے دلاسا دیتے ہوئے کہا......

میں اس کی باتیں خاموشی سے سنتی رہی کچھ دیر بعد میرے ذہن میں پھر سوال آیا اور میں نے بے اختیار فرحان سے پوچھ لیا...... ''فرحان محبت کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟ تم کتنی عجیب بات کر رہے ہو۔ جس جذبے سے تمام عمر میں کوسوں دور رہی ہمیشہ اپنا دامن بچاتی رہی...... آج تم اس ہی جذبے کو میری ذات سے میری زندگی سے جوڑ رہے ہو اور پھر کہتے ہو کہ میں فکر نہ کروں''......!؟

فرحان نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور بولا

''''اَنا'' جو چیز تمہارے اختیار میں ہی نہیں اس سے کیسا بچنا...... کیسا بھاگنا...... ''محبت'' پر کس کا اختیار ہے...... اور تم جو مجھ سے پوچھ رہی ہو تو میں بھی محبت کو اتنا ہی جانتا ہوں جتنا تم جانتی ہو...... اور تم جو مجھ سے اس محبت میں بھی کوسوں دور ہی ہوں۔

میری اپنی ذاتی رائے یا ذاتی تجربہ محبت کے بارے میں کچھ نہیں جو محبت میں اپنے اللہ اور رسول ﷺ کے بعد اپنے والدین سے اور پھر تم سے کرتا ہوں۔ وہ محبت اس محبت سے کافی جدا ہے...... اور ویسی محبت کے لیے کسی صفائی کسی وضاحت کسی تاویل کی ضرورت بھی نہیں ہوتی ہاں جس کیفیت سے تم گزر رہی ہو اس کے بارے میں ذاتی رائے تو کچھ نہیں دے سکتا مگر میں نے آج سے تقریباً سال ڈیڑھ سال پہلے کسی کتاب میں پڑھا تھا۔ کسی عظیم انسان نے محبت کے بارے میں بڑا خوبصورت فلسفہ بیان کیا تھا جو مجھے کافی پسند آیا اور آج تمہاری حالت دیکھ کر میرے ذہن میں وہ الفاظ گھومنے لگتے ہیں جیسے میں ان الفاظ کو ایک حقیقت بنتے اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں...... یہ writer لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں۔

ہماری زندگیوں کے کٹھن لمحات، تلخ حقیقتوں کو کیسے خوبصورت لفظوں کے لباس اوڑھا کراپنی کتابوں میں سجا دیتے ہیں.....اس عظیم انسان نے محبت کے بارے میں بڑی خوبصورت رائے دی.....کہ محبت بھی انسان پر کسی دن کے پہروں کی طرح وارد ہوتی ہے اور محبت کا پہلا پہر ہمیشہ چبھن تشنگی لے کر آتا ہے اور یہ وہ دور ہوتا ہے جب ہمارا محبوب ہم سے دور ہوتا ہے اور ہمارے جذبے ہماری حد تک ہی محدود ہوتے ہیں اور یک طرفہ محبت کی یہ تڑپ ہمیں ہر لمحہ کانٹوں پر چلنے کا احساس دلاتی ہے.....

اور پھر اگر اظہار ہو جائے اور محبت قبولیت کا شرف پالے تو محبت کا دوسرا پہر شروع ہو جاتا ہے تب محبت کی اصلی ٹھنڈی چھاؤں اور ابدی سکون کا احساس ہوتا ہے۔

محبت کے تیسرے پہر کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ بہت کم خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں جو محبت کے پہلے دو پہر جھیل کر تیسرے اور آخری پہر تک پہنچ پاتے ہیں۔محبت کے تیسرے پہر میں پہلے پہر سے زیادہ شدید تشنگی اور شدید بے چینی ہوتی ہے۔لیکن یہ شدید پیاس پالینے کی پیاس ہوتی ہے اور یہ پالینے کی پیاس، جدائی کی پیاس سے کہیں زیادہ شدید ہوتی ہے..... جب آب حیات کا دریا سامنے بہہ رہا ہو تو کون ہوگا جو صرف ایک دو گھونٹ پر اکتفا کرے گا مگر یہ پیاس لگ جائے تو پھر ملن جدائی سے زیادہ اذیت ناک بن جاتا ہے۔لیکن افسوس ہماری محدود زندگی کبھی ہمیں اس دریا سے پوری طرح سیراب نہیں ہونے دیتی۔ہم ابھی چند گھونٹ ہی حلق میں اتار پاتے ہیں کہ جانے کا وقت آ جاتا ہے.....

میں حیرانی سے فرحان کی بات سنتی رہی اور ان ”محترم“ جنہوں نے محبت کو اتنے خوبصورت الفاظ میں پیش کیا، ان الفاظ پر غور کرتی جا رہی تھی۔ابھی فرحان کی بات ادھوری تھی.....

اور پھر ان تین پہروں کا انجام انھوں نے کیا خوب بتایا کہ کسی بھرپور دن کے تینوں پہر گزرنے کے بعد اس کا انجام بھی شام ہوتا ہے یعنی ” محبت کی بھی شام ہو جاتی ہے“..... خاموش ٹھہری ہوئی.....ایک خوبصورت شام“““۔

بات کرتے ہوئے فرحان کے چہرے پر ایک اعتماد تھا.....شاید محبت کے پہروں کو میرے اندر تلاش کر رہا تھا.....تلاش کیا؟۔ وہ تو واضح طور پر دیکھ رہا تھا.....اور پھر مسکراتے ہوئے بولا، محبت کے بارے میں یہ نظریہ مجھے کافی اچھا لگا اور یہ حقیقت بھی ہے۔”تمہارے ساتھ بھی تو یہ سب ہی ہو رہا ہے نا“.....؟

اس کے سوال پر میں خاموش رہی ۔کچھ الجھن سی تھی میرے ذہن

میں، محبت کی یہ وضاحت سننے کے بعد۔

''مگر فرحان مجھے یہ بات کچھ عجیب سی لگی ہے۔''

''وہ کیا''.........فرحان نے حیرت سے پوچھا۔

''محبت اور دن؟'

''کیا مطلب''فرحان نے پھر مجھ سے سوال کیا۔

''دیکھو فرحان

محبت کے پہلے پہر میں جب محبت یک طرفہ ہوتی ہے۔اس لیے اُس میں شدید تشنگی اور اذیت ہے......

دوسرے پہر میں اگر اظہار ہو تو سکون مل جاتا ہے اور تیسرے پہر میں پا لینے کی پیاس......اور یہ پیاس ملن کی پیاس ہے......اور پھر اس ملن کی پیاس میں جدائی سے سے زیادہ تشنگی اور اذیت ہے......پا لینے کی کیفیت کو آب حیات سے تشبیہ دیتے ہو اور پھر سارے مراحل کو یا کیفیات کا انجام ''شام'' وہ بھی ٹھہری ہوئی خاموش، اور خوبصورت شام......یہ سب کیسے ممکن ہے؟......وہ بھی محبت میں؟''۔

حقیقت میں مجھے فرحان کا یہ فلسفہ الجھا سا گیا......یا میری سمجھ سے بالا تر تھا......جانے میں اس وقت کس حال میں تھی، یا شاید فرحان کی طرح ان ساری کیفیات کا اگر اپنی ذات سے، اپنی محبت سے موازنہ کر رہی تھی تو میرا جواب نفی میں کیوں آ رہا تھا......جبکہ میرا تعلق فلسفے سے کبھی نہیں رہا تھا، یا شاید زندگی اور محبت سے گہرا تعلق اس لیے کچھ عجیب قدرے مختلف نظریہ تھا میرا اس احساس کے بارے میں۔

فرحان نے مجھے سوچوں میں گم پا کر مجھے دوبارہ پوچھا''''اَنا'' کیا سوچنے لگی؟ کھُل کر بات کر سکتی ہو مجھ سے''......وہ شاید مجھ سے میرا نظریہ جاننا چاہتا تھا......میں دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی!

''کچھ نہیں فرحان بس یہ سوچ ایسی تھی کہ محبت کسی دن کے چند پہر کیسے ہو سکتی ہے؟......اور پھر محبت کے ان چند پہروں کو جھیلا کیسے جا سکتا ہے؟......محبت جیسے جذبے کے لیے جھیلنا لفظ زیادتی نہیں ہے؟''......

''اچھا تو پھر''؟ فرحان نے ایک بار پھر قدرے لاپرواہی سے پوچھا!......

جانے کیوں مجھے اس کا یہ انداز کچھ پسند نہیں آیا۔

''فرحان صاحب ! تم نے خود کہا کہ میں ''محبت'' میں ہوں ...... اور محبت اپنی مرضی سے نہیں کی جاتی یہ تو ہو جاتی، ...... ہے نا؟''

''ہاں تو کیا غلط کیا میں نے؟'' ......

نہیں تم نے یہ تو غلط نہی کہا۔مگر اس کے بعد تم نے محبت کا فلسفہ مجھے دیا ہے وہ شاید میری سمجھ سے غلط ہے...... یا شاید میری سمجھ سے بالاتر ......۔

''محبت کسی دن کے چند پہر نہیں ہو سکتی ...... صرف کچھ لمحے، کچھ وقت۔'' یہ تو زندگی ہے'' ...... ایسی زندگی جس کے ہر پل کو جیاء جاتا ہے ...... ہر حال میں ...... یہ ایک بے اختیار فطری جزبہ ہے۔ جو ہماری دسترس سے باہر ہے۔ جو اپنی مرضی سے ہمیں روح سمیت اپنے حصار میں ایسے کر لیتی ہے کہ اس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ایک ایسا احساس ہے جو مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے ...... کیا جو لوگ مر جاتے ہیں ان کے مرنے کے بعد ان سے محبت بھی مر جاتی ہے؟ ...... یا جو لوگ نہیں مل پاتے، جدا ہو جاتے ہیں تو ان کی جدائی میں ان سے محبت ختم ہو جاتی ہے بلکہ جدائی تو محبت کو اور خالص، اور مضبوط کرتی ہے۔جدائی سے ہی محبت اور خوبصورت ہوتی ہے۔

یہ تو سالوں، لمحوں، فاصلوں کو سینے کا عمل ہے۔تو پھر یہ محض ایک دن کے چند پہر کیسے ہو سکتی ہے۔دن تو گزر جاتے ہیں ...... شامیں تو ڈھل جاتی ہیں اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جیسے محبت صرف اور صرف وقتی جذبہ ہو......۔

''کیا محبت فارغ وقت میں کرنے والا کام ہے؟''

''جو دن کے چند پہر گزرنے کے بعد ختم ...... ٹھہری، خاموش، شام میں کیا ہے؟ کیا اس ٹھہری شام گزرنے کے بعد انسان آزاد ہے...... اس سے آگے کیا ہے؟

شام کے بعد رات ہوتی ہے فرحان صاحب ...... گہری، کالی، سیاہ اور طویل رات......!

اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا تم نے؟......

اور پھر محبت میں پالینے کی پیاس کب ہوتی ہے؟......اور ایسی کون سے پیاس ہے جو آب حیات کے دریا سے چند گھونٹ پی جانے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتی؟ محبت میں پالینے کی پیاس نہیں ہوتی ...... محبت تو خود آب حیات جس کی ایک بوند انسان کی روح تک کو مکمل سیراب کر رہتی ہے اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے۔اور اگر پالینے کی چاہت پیاس بجھانے کی کیفیت ہے تو پھر یہ محبت نہیں ...... دیوانگی ہے ...... دیوانگی میں حاصل کر لینا، پالینا، جیت جانا...... اپنے

آپ کو فاتح کہلوانا یہ سب کیفیات محبت کا حصہ نہیں دیوانگی کی خاصیت ہے اور دیوانگی اور محبت میں کافی فرق ہے اور اگر پا لینے کی شرط پر محبت کرو گے تو پھر تو تشنگی ہمیشہ رہے گی ......اور وہ بھی، کبھی نہ ختم ہونے والی تشنگی'' ......

جانے کیوں میرے لہجے میں ایک عجیب سے تلخی آتی جا رہی تھی۔ جیسے میں خود محسوس کرتے ہوئے بھی روک نہیں پا رہی تھی۔

''محبت پا لینے حاصل کر لینے کی شرائط پر نہیں ہوتی اور نہ ہی بدلے میں محبت جیسا ردعمل ملنے کی شرط پر ہوتی ہے ......تم نے مجھ سے یہ بات کی کیونکہ تمہارے خیال سے میں محبت کے! پہلے پہر سے گزر رہی ہوں ۔مگر فرحان مجھے ابھی تک کے اس احساس میں ایک آس۔ایک امید کے ساتھ ایک درد بھی ہے اور اس درد میں ایک سرور سا ہے ......! ایسا سرور جو ہلکے ہلکے بخار میں ہوتا ہے......اور اگر ابتداء میں یہ سرور ہلکا ہے تو ہر آنے والے لمحے میں یہ بڑھتا بھی جائے گا......اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ میرے درد میں اذیت زیادہ ہوگی۔ مگر محبت میں سرور کو اذیت پر فوقیت ہوتی ہے......ایک ہلکی سی آہٹ......ایک ہلکا سا احساس درد کی شدت کو کافی حد تک کم کر دیتا ہے......اور پھر محبت کے درد سے کیسا گلہ......؟

اور ایسا کون سا ملن ہے جس میں جدائی سے زیادہ اذیت ہے؟ میری ناقص عقل کے مطابق ایسا کوئی ملن نہیں ...... جس میں اذیت ہو اور ایسا ملن جس کا تعلق۔جس کی بنیاد محبت ہو......تم ایک طرفہ محبت پا لینے کی بنیاد پر کرتے ہو اور اگر حاصل کر لو تو پھر اس میں بھی اذیت...... عجیب بات ہے نا'' ......

''کیوں محبت میں اذیت نہیں ہوتی وہ بھی ملنے کے بعد''؟ فرحان نے شاید قصداً مجھ سے یہ سوال کیا۔

''محبت میں اذیت ہوتی ہے......مگر اس صورت میں جب محبت صرف آپ کی حد تک محدود ہو......مگر بتایا نا کہ اس میں بھی ایک سرور ہے اور یہ بات میں اپنے ذاتی تجربے پر کہہ رہی ہوں ...... مجھے اذیت ہے کہ میں احسن سے محبت کرتی ہوں۔اسے معلوم نہیں مگر اس میں قصور ہم دونوں کا نہیں ہے فرحان ...... کیونکہ جس سے محبت کی جائے وہ بے چارہ انجان ہوتا ہے......اور جو محبت کرتا ہے وہ بے زبان ......

مگر ملنے کے بعد کوئی اذیت نہیں رہتی ......پاگل'' ......

ملن کے بعد تو تمام اذیتیں ختم ہو جایا کرتی ہیں۔محبت میں اگر ملن ہو جائے تو زندگی

مکمل ہو جاتی ہے...... جس آبِ حیات کا تم نے ذکر لیا کہ زندگی تمہیں موقع ہی نہیں دیتی...... دو چار گھونٹ ناکافی ہیں تمہارے لیے...... وہ آبِ حیات کیا ہے؟ وہ آبِ حیات کی ایک بوند...... یہ ملن کی گھڑی ہی تو ہے...... جو جدائی کی صدیوں پر حاوی ہے۔ وہ ملن کا ہی تو ایک گھونٹ ہے جس کے بعد تمام اذیتیں تمام درد، تمام خوف اور دکھ کے بادل چھٹ جاتے ہیں......اور محبت کا کون سا آبِ حیات ہوتا ہے۔

خود سوچو! اگر محبت کرنے والے مل جائیں...... ہمیشہ کے لیے، تو پھر ان میں کون سی پیاس رہ جاتی ہے باقی......فرحان؟

کون سی اذیت باقی رہ جاتی ہے؟ وہ تو ایک پل میں کئی کئی زندگیاں جی جاتے ہیں۔ مگر یہ ملن کی گھڑی یہ ملن کا ایک گھونٹ ان لوگوں کے لیے آبِ حیات کی طرح ہے۔ جو بے لوث، بے خوف اور خالص محبت کرتے ہیں...... جو جدائی سے ڈرتے نہیں...... ایسے لوگوں کی محبت میں ملن کی ایک گھڑی ایک لمحہ ہی ان کے لیے ازلی اور ابدی زندگی ہے جو مرنے کے بعد بھی پوری آب وتاب سے جاری وساری رہتی ہے۔ محبت تو اس قدر لطیف جذبہ ہے کہ اگر اس کی تقدیر میں جدائی بھی لکھی دی جائے تو بھی اس میں چودھویں رات کے چاند کی چاندنی جیسی ٹھنڈک اور طمانیت کا احساس ہوتا ہے اگر محبت کے جذبے میں خلصیت ہو تو اس میں ناامیدی نہیں ہوتی۔ یا پھر یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ جو اس احساس کو ایک مضبوط ارادے کی طرح قائم رکھتا ہے۔ اس امید کی بنیاد پر کہ اگلی دنیا میں ملن کی یہ گھڑی ضرور آئے گی اور یہ امید ہی ہمارے ارادے میں موجود صبر کو صبرِ صحیم کی حد تک پہنچا دیتی ہے اور پھر اس صبرِ صحیم کا دامن پکڑے ہمیں ہماری یہ ہی محبت عشق کے درجے تک لے جاتی ہے اور پھر کیا معلوم کہ ہمارا عشق ہمیں عشقِ حقیقی کہ اعلیٰ وعرفہ مقام عطا کردے......اس بلند مقام اور اونچے درجے تک پہنچا دے...... اس بارے میں ہمیں کچھ علم نہیں......مگر یہ مرتبہ انھیں لوگوں کے نصیب میں ہوا کرتا ہے جو جدائی کے کٹھن لمحوں میں اذیت کو برداشت کرتے ہیں بنا کسی آہ کے......جن کی آنکھیں اندھیری گہری سیاہ راتوں میں صبر، عاجزی اور شکر سے بہتے آنسوؤں سے سیراب ہوتی ہیں اور جن کے من سلوک کی آگ سے جلتے ہیں......ان لوگوں کو یہ مرتبہ ضرور ملتا ہو گا...... محبت میں ہار تو کسی صورت نہیں ہوتی فرحان......اس کا انجام تم شام سے کیسے کر سکتے ہو......محبت مل جائے تو اس میں صبحِ صادق کی پہلی کرن جیسی ٹھنڈک ،سکون اور تازگی کا احساس ہے۔ ایسی معصوم کرن جو گہری سیاہ رات کے اندھیرے کا خاتمہ کر دیتی ہے اس کے وجود کو مٹا دیتی ہے۔ محبت تو وہ روشنی ہے جس کا مقابلہ

بہت سا اندھیرا بھی مل کر نہیں کر سکتا......اور جس کی ایک کرن بہت سے اندھیرے کو مٹا دیتی ہے۔منزل کو قدموں کے نیچے لے آتی ہے......اور اگر محبت میں جدائی ہو تو بھی اس میں...... سلوک کی آگ کا اُجالا......اور من کو دھو دینے والے آنسوؤں کی ٹھنڈک موجود ہوتی ہے اور بدلے میں منزل عشق کی صورت میں سامنے آئے......تو پھر شام کیسی۔ جدائی ہو یا ملن ''محبت میں تو اُجالا ہی اُجالا ہے''۔محبت کے احساس میں مبتلا ہونا کافی نہیں بلکہ اس میں فنا ہونا ضروری ہے......اور اگر محبت کے جذبے میں ''فنا'' ہونے کی ہمت ہو......تو پانے کی خواہش رہتی ہے اور نہ ہی کچھ کھونے کا خوف''......

''فرحان حیرت سے میری طرف آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہا تھا''اپنی بات ختم ہونے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ شاید میں کچھ زیادہ ہی تلخ ہو گئی تھی کچھ شرمندگی بھی ہونے لگی تو فرحان نے ایک لمبی سی سانس لی''توبہ ہے''انا'' تم سے بات کرنا اتنا مشکل ہو جائے گا ایسا تو کبھی نہیں سوچا تھا''......فرحان کی اس بات پر مجھے شدت سے شرمندگی کا احساس ہونے لگا۔ نظریں جھکائے ہوئے میں قدرے نرم لہجے میں کہا فرحان

ہر انسان کا زندگی کے بارے میں ،محبت کے بارے میں' اپنا نظریہ ہوتا ہے۔ میں تمہاری یا ''محترم'' کی بات سے اختلاف نہیں کر رہی مگر شاید یہ بات میرے لیے قابل قبول بھی نہ تھی......اس لیے sorry اگر تمہیں بُرا لگا ہو تو''......''یہ بس میرا خیال تھا......اور ویسے بھی تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں ''محبت اور مذہب'' کو ہر انسان کا انتہائی ذاتی معاملہ سمجھتی ہوں اور اس میں دخل اندازی کی تو خود قائل ہوں اور نہ ہی کسی کی دخل اندازی پسند ہے...... جنھوں نے بھی محبت کا فلسفہ پیش کیا وہ ان کے خیال سے بالکل ٹھیک ہو گا......اور اس میں کسی شبے کی کوئی گنجائش بھی نہیں۔

میں نے اپنی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ناقص رائے دی......اور میں اپنی رائے نہ تو کسی پر مسلط کر سکتی ہوں......اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھتی ہوں......میں احسن سے محبت کرتی ہوں......مگر میری اس محبت میں انھیں پانے کی تڑپ نہیں۔ میری محبت کا تقاضا صرف اور صرف احسن کی خوشی ہے......یا پھر ان کا احساس جو ہر دم میرے ساتھ میری سانسوں کی طرح رہے......ان کے سکون کا سبب بن جانا ہی میری محبت کی خواہش ہے کہ کسی بھی طرح میں ان کے دکھ کا مداوا کر دوں کسی بھی طرح ان کے درد کی مسیحائی ہو جائے۔

احسن کو دیکھنا......انھیں سننا......ان کا احساس کافی ہے میرے لیے۔ان کی قربت کی

خواہش نہیں مجھے...... وہ جہاں رہیں جس کے پاس ہوں بس حوش ہوں ان کی خوشی ان کے فن کی خوشی ہوں بناوٹی یا عارضی خوشی نہیں۔ میرے لیے ان سے رابطے کے چند لمحات ہی آب حیات ہیں فرحان...... اور یقین کرو خدا گواہ ہے کہ جس دن سے میں نے ان کی طرف جھکاؤ محسوس کیا ہے اس دن سے میں نے انھیں پانے کی کوشش نہیں کی...... اور نہ ہی کبھی انھیں پانے کی دعا مانگی ہے اگر اپنے لیے کچھ مانگا ہے تو وہ صرف اور صرف احسن کی خوشی ان کا سکون...... ان کی ہنسی''...... تو یہ کہتے کہتے میری آنکھیں جانے کیوں بھیگنے لگی۔ ''تم خود بتاؤ فرحان...... تو کیا میرا یہ احساس محبت نہیں؟ کیا میری یہ محبت جو ان کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کی منتظر ہے غلط ہے؟''...... فرحان نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھاما اور قدرے فکرمندی سے بولا...... ''تو کیا تم ''احسن'' کے ساتھ ملن کا ایک پل نہیں گزارنا چاہو گی''؟ اس کے اس سوال پر میرے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی...... ''مجھے نہیں پتہ فرحان...... اگر وہ ملن کا لمحہ میری تقدیر نے مجھے عطا کیا تو وہ میرے لیے قدرت کی طرف سے انعام ہوگا...... اگر اس لمحے میں احسن کی خوشی شامل ہوئی تو......! یہ میری محبت کا انعام ہوگا۔ مگر یقین جانو میں اس انعام کی لالچ میں نہیں ہوں مجھے احسن سے کچھ نہیں چاہیے...... میری محبت کے بدلے میں جو اس وقت صرف میرے دل میں ہے انھیں تو معلوم بھی نہیں...... بس ان سے میرا ایک رابطہ رہے اتنا کافی ہے۔ ان کا احساس ہی کافی ہے میرے لیے اور میرے نزدیک محبت کے اس احساس کے لیے کم سے کم وقت میری زندگی ہے...... میری یہ زندگی...... اتنا تو حق بنتا ہے۔ احسن سے محبت کا مجھ پر کہ اسے کم سے کم اپنی زندگی دے دوں...... اور پھر مرنے کے بعد...... دوسری زندگی بھی!''......

''''اَنا'' تم پاگل ہو''...... اس نے میرے ہاتھ کو جھٹکے سے اپنے ہاتھ سے الگ کیا اس سے پہلے کہ وہ اپنی کوئی تاویل دیتا میں نے اسے ٹوک دیا ''please فرحان میری احسن سے محبت میں صرف یہ ہی خواہش ہے کہ میں انھیں ان کی پہلی محبت سے ملوا دوں...... میں آج زرقا بھابھی سے کہہ آئی ہوں اور یہ میری جیت ہوگی۔ جس دن میں اس لڑکی کو احسن کی زندگی میں واپس لے آؤں گی...... وہ ہی دن میری محبت کا دن ہوگا...... اور اسی دن میرا محبت کے جذبے پر یقین پختہ ہوگا...... بس تم دعا کرو کہ میری محبت ایسی ہی رہے بے لوث...... بے خوف...... سچی اور پُرخلوص۔

جس میں نہ کچھ پانے کی تڑپ ہو اور نہ ہی کچھ کھونے کا خوف......
بس ایک لطیف احساس...... احسن کی خوشی کا احساس''......

میری بات سن کر فرحان کچھ پریشان ہو گیا اور خاموشی سے میری طرف گھورنے لگا...... مجھے اس کی سوالیہ نظروں سے کوفت سی ہو رہی تھی۔" فرحان please ایسے مت دیکھو...... میرے پاس تمہارے اِن اَن کہے سوالوں کا کوئی جواب نہیں بس اتنا سمجھ لو کہ یہ ہی میری تقدیر ہے اور "بابا" کہتے ہیں نا کہ انسان اسی رخ چلتا ہے جس رخ پر اسے اس کی تقدیر کی ہوا موڑ دیتی ہے"...... فرحان خاموش رہا...... اور پھر تیزی سے اٹھا میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا......

"پتہ نہیں "انا" تم کیا چیز ہو...... سچ میں۔ ہر آنے والا لمحہ تمہارا ایک نیا روپ میرے سامنے لاتا ہے۔ جو تمہارا، تقدس، تمہارا احترام اور تمہارے مرتبے کو پہلے سے بھی زیادہ بلند کر جاتا ہے...... میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم جو چاہو کرو مگر اتنا یاد رکھنا، اگر تقدیر نے تمہارے نصیب میں انعام دیا خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو تو تم اسے لینے سے انکار ہرگز نہیں کرو گی...... تم اس کے لیے اپنا ہاتھ بڑھاؤ گی اور جس دن مجھے ایسا لگا کہ تم اپنے ہاتھوں سے اپنے انعام کا اور اپنی خوشی کا گلا گھونٹ رہی ہو تو یاد رکھنا اس دن تم اپنا یہ دوست ہمیشہ کے لیے کھو دو گی...... میں تم سے کوئی وعدہ کوئی عہد نہیں لے رہا یہ میری دوستی کا تقاضا ہے...... اور میرا حق بھی اور دوستی میں صرف کہنا ہی بہت ہے ہوتا ہے سمجھی؟"

میں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اسی دوران اس نے گھڑی کی طرف دیکھا تو رات کے نو بج رہے تھے۔" ایک دم سے بولا "انا" نو بج رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ گھر سے فون آئے...... کیونکہ اب تو احسن بھائی تمہیں لینے کے لیے نہیں آسکتے...... تم گھر کے لیے نکل جاؤ...... وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا"۔ میں بھی ہڑ بڑا کر اٹھی...... فرحان مجھے گاڑی تک چھوڑنے آیا...... میں نے گاڑی ابھی سٹارٹ ہی کی تھی کہ فرحان قدرے جھک کر بولا...... "" "انا" فکر مت کرنا تمہاری نیت پاک ہے اور مجھے اپنے خدا پر بھروسہ ہے وہ سب ٹھیک کر دے گا"...... "انشااللہ ضرور"...... یہ کہہ کر میں گاڑی کو گھر کے راستے پر ڈال دیا...... اور تقریباً 35 منٹ بعد میں گھر کے پورچ میں داخل ہو چکی تھی۔ بوا سامنے کچن میں تھیں۔ میں سیدھی انہیں کے پاس چلی گئی شاید کچھ مہمان آئے ہوئے تھے کیوں ڈرائنگ روم سائیڈ سے باتوں کی آواز آ رہی تھی اور میری عادت تھی کہ میں مہمانوں سے کم کم ہی ملا کرتی تھی۔ مگر جب تک زرقا بھابھی انھیں اس وقت تو میری ضرورت محسوس بھی نہیں ہوا کرتی تھی۔ وہ بڑی خوبصورتی سے مجھے بچا لیا کرتی تھیں مگر اب، اب نہیں...... "میں نے بوا سے پوچھا کہ کون ہے" تو انھوں نے بتایا۔ اندر "تمہاری سہیلی کے والدین آئے بیٹھے ہیں

بیٹا۔ جا جا کر مل لے'' ...... مجھے پہلے تو حیرت ہوئی کہ میری کون سی سہیلی پیدا ہو گئی جس کا مجھے خود بھی نہیں بتا خیر تھکے قدموں سے جب ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی تو معلوم ہوا کہ انعم کے والدین آئے ہیں۔ انعم کے امی ابو مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ ابا، امی الماس آنٹی ان کے ساتھ بیٹھی تھیں انھوں نے بڑے پیار سے مجھے انعم کی شادی کا دعوت نامہ دیا اور ساتھ میں نکاح کے لیے علیحدہ مدعو کیا...... نکاح تو دو دن بعد تھا جبکہ شادی اگلے ہفتے تھی۔ انھوں نے امی اور ابا کو خود ہی منع کر دیا کہ آپ مت آیئے گا مگر انعم نے خاص طور پر کہا ہے کہ ''احسن بھائی کو تھوڑی دیر کے لیے ضرور بھیج دینا...... وہ اور زرقا بیٹی منگنی پر آئے تھے...... ہو سکے اور اگر احسن میاں کی مرضی شامل ہو تو مہربانی کر کے تھوڑی دیر کے لیے سہی ہمارے غریب خانے پر تشریف لیں تو ہماری خوش قسمتی ہو گی'' ...... انعم کے والد جیسے بجھے بجھے ہی جا رہے تھے۔ ''جس پر الماس آنٹی نے ایک دم سے کہا اگر رخصت ہونے والی بیٹیوں کے سر پر دست شفقت رکھنا خوش نصیبوں کے حصے میں آتا ہے میں چاہے تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی مگر احسن کو ضرور بھیجوں گی۔ آپ انعم بیٹی کو ہماری طرف سے تسلی دینا'' ...... الماس آنٹی کی اس بات سے میرے سمیت امی اور ابا نے بھی حیرت سے الماس آنٹی کی طرف دیکھا جو اتنے اعتماد سے انھیں تسلی دے رہی تھیں حالانکہ احسن کی طبیعت اور مزاج سے ہم سب واقف تھے کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ اور امی نے ان کے جاتے ہی الماس آنٹی سے پوچھ لیا ''بہن انہونی بات کر دی آپ نے احسن ہم لوگوں سے بات نہیں کرتا تو وہ ایک انجان لڑکی کی شادی پر کیسے جائے گا...... اور آنٹی، میں تو خود بھی ہو سکتا ہے نہ جاؤں اس کی شادی پر، بعد میں جا کر ہو آؤ گی۔ آپ نے کیوں حامی بھر لی'' ...... ابا خاموش تھے...... تو جانے کیوں آج ان کی آنکھوں میں ایک اعتماد تھا...... ''بیٹا بُری بات ہے۔ کسی کی خوشی میں شرکت کرنے سے اپنا دکھ کم ہو جاتا ہے اور پھر سنا نہیں تم نے کہ دلہن کی خواہش ہے کہ احسن اس کے سر پر ہاتھ رکھے اور دلہن اور دلہا کی بات رد نہیں کی جاتی۔ احسن سے میں خود بات کر لوں گی۔ تم لوگ نکاح پر ہو آنا، شادی پر مت جانا...... ان کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور تم لوگ کی حاضری بھی'' ...... اس پر امی اور ابا دونوں مطمئین ہو گئے...... مگر ساتھ ساتھ انھیں احسن کی طرف سے خدشہ تھا کہ وہ منع کر دے گا اس پر الماس آنٹی بولیں ''احسن کو میں منع لوں گی...... آپ لوگ اس کی فکر نہ کریں اور ہاں ''انا بیٹی'' جیسے انھیں ایک دم کچھ یاد آیا ہو۔ تم احسن کے پاس سے ہو آؤ وہ دو تین بار تمہارا پوچھ چکا ہے اسے مل آؤ جا کر انھوں نے شفقت بھرا ہاتھ میرے سر پر پھیرتے ہوئے کہا...... خوش رہو اللہ تمہیں اس کا اجر دے'' ...... پھر انھوں نے ایک نظر امی کی طرف دیکھا

اور اچانک بات بدلتے ہوئے بولی بھائی صاحب، آپ محبوب سے کہیں کہ مجھے گھر چھوڑ آئے ،انا جاؤ تم احسن کے پاس'' یہ کہہ کر وہ لاؤنج کی طرف بڑھ گئی اور امی اور ابا بھی ان کے ساتھ آگے بڑھ گئے احسن نے میرا پوچھا دو تین بار، حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی وہ خوشی کس بات کی تھی یہ تو معلوم نہیں شاید محبت کا احساس تھا... احسن کا احساس تھا...... جس کا صرف میرے بارے میں پوچھنا ہی مجھے خوش کر گیا۔ مگر میں احسن کے کمرے کے بجائے اوپر بابا کے پاس گئی بابا اپنے کمرے میں کھڑکی کے سامنے موجود تھے اور اندھیرے میں باہر کچھ تلاش کر رہے تھے مگر کیا؟ کچھ دیر کھڑی ہو کر میں بابا کو دیکھتی رہی ان کی گردن کبھی آسمان طرف اٹھتی تو کبھی نیچے زمین کی طرف ایسے لگتا تھا جیسے باتیں کر رہے ہوں مجھ سے رہا نہیں گیا ''بابا'' ...... میں نے پکارنے پر انھوں نے چونک کر میری طرف دیکھا...... اور پھر باہر دیکھتے ہوئے بولے ''آجائیں بیٹا'' ...... آج آپ نے آفس میں بڑی دیر لگا دی...... کافی دنوں بعد گئی تھی کام کچھ زیادہ تھا کیا...... انھوں نے اپنے انداز میں اکٹھے ہی سارے سوال پوچھ لیے میں چلتے چلتے ان کے پاس''۔ ''نہیں بابا اتنا کام نہیں تھا...... بس پرانا کچھ کام سمیٹنے لگ گئی تھی اس لیے وقت وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا'' ...... میں ان کے ساتھ باہر کھڑکی سے دیکھنے لگی ''کیا دیکھ رہے ہیں اندھیرے میں آپ''؟ ...... میں نے بابا کی جانب دیکھ کر پوچھا...... '''' بیٹا بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنھیں روشنی دھندلا کر دیتی ہے'' ان چیزوں کا صاف عکس اندھیرے میں نظر آتا ہے وہ ہی دیکھ رہا ہوں'' ...... ''بابا اندھیرے میں کیا صاف نظر آتا ہے؟'' ...... میں نے حیرت سے پوچھا۔

''بہت کچھ ہوتا ہے بیٹا جان...... وقت آنے پر آپ بھی دیکھ لو گی...... ابھی آپ کی آنکھیں روشنی دیکھنے کی عادی ہیں...... جب اندھیرے کی عادی ہوں گی تب دیکھ لیں گی۔ ابھی اس کی ضرورت بھی نہیں''۔ بابا پلٹ کر واپس کمرے کی طرف آگئے...... ''آپ سنائیں سب خیر ہے نا کچھ تھکی تھکی سی لگ رہی ہیں روئی تھی کیا''؟ ...... بابا نے میرے جانب دیکھے بنا کہہ دیا تو میں کچھ گھبرا سی گئی...... یہ پہلی مرتبہ تو نہیں تھا کہ بابا میرے بارے میں ایک بات کا اندازہ لگا رہے ہوں اور صحیح نہ ہی...... اپنے اس احساس سے بھی الجھن سی ہونے لگی '''' انا'' بیٹا آپ ٹھیک ہیں نا''۔ بابا نے اس بار میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو میں چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی...... ''جی بابا سب ٹھیک ہے رات بھی نیند نہیں آئی تھی اور صبح آفس...... کچھ تھک گئی...... ابھی fresh ہوتی ہوں چائے وغیرہ پیوں گی۔ آپ چائے پیئے گے آپ کے لیے لاؤں'' ...... '' نہیں بیٹا آپ جاؤ کچھ کھاؤ پیو اور آرام کرو'' ...... میں مسکراتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ

گئی ابھی دروازہ کھولا ہی تھا کہ بابا نے پکارا جیسے انھیں کچھ یاد آیا ہو......

''بیٹے بوڑھا ہو گیا ہوں اب کچھ یاد ہی نہیں رہتا...... آپ اپنے کام وغیرہ سے فارغ ہو کر ''احسن'' کے پاس سے بھی ہو آنا...... آج دو چار بار آپ کی غیر حاضری میں پوچھ رہا تھا...... کیا خبر کچھ چاہیے ہو...... بابا کی بات نے آنٹی کی بات کی تصدیق کر دی''...... اور میں اس وقت ایک خوشی کے احساس میں بھی تھی اور شرمندگی کے بھی...... مگر اس وقت؟...... ''جی اچھا بابا میں ابھی انھیں کے پاس جا رہی تھی...... میں پتہ کر لیتی ہوں آپ فکر نہ کریں''۔ ''جیتی رہیں بابا ان مجھے دعا دی''......

میں دروازہ بند کر کے دروازے کے باہر چند لمحوں کے لیے رک کر اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کے سنبھلنے کا انتظار کرنے لگی کہ میری غیر موجودگی میں احسن نے مجھے یاد کیا انھوں نے میرا پوچھا ایک عجیب سی مسکراہٹ ایک درد کے ساتھ ملا جلا سرور کا ہی تو احساس تھا اس کے بعد میرے قدم احسن کے کمرے کی جانب بڑھے دروازے کے قریب جا کر کچھ دیر کے لیے رک گئے...... جانے کیوں آج احسن کے سامنے جانے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی آج میرے پاس ان کے لیے ایک نیا احساس تھا۔ جس پر فرحان نے محبت کی مہر ثبت کر دی تھی اور آج اس نئے رشتے کے ساتھ ان کے سامنے جانے میں مجھے ایک عجیب سی جھجک محسوس ہو رہی تھی دل کی دھڑکنیں ایک بار پھر بے ترتیب ہونے لگیں اور ماتھا اس طرح ٹھنڈا ہونے لگا تھا جیسے برف رکھی ہو ایک لمحے کو دل چاہا کہ وہاں سے واپس آ جاؤں ابھی ایسا سوچا ہی تھا کہ سامنے سے بوا ہاتھ میں چائے کی tray لیے میری طرف بڑھ رہی تھیں مجھے دیکھ کر ایک دم سے بولی بیٹا یہاں کیوں کھڑی ہو میری حالت اس وقت اس چور جیسی تھی جسے کسی نے چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا بس اندر جا رہی تھی''۔ اس وقت چائے بوا؟'' میں نے بات کو بدلتے ہوئے کہا ایک دم سے پوچھا...... ''ہاں بیٹا احسن میاں نے کہا تھا تو سائرہ بی بی کہتی ہیں کہ تم بھی وہیں ہو۔ تم دونوں کو چائے یہیں دے دوں''...... مگر بوا کھانے کا وقت ہے۔ کھانا کوئی نہیں کھا رہا''...... ''وہ تمہاری سہیلی کے گھر سے آئے تھے نا۔ دانش صاحب نے اور سائرہ بی بی نے تو کھانے سے منع کر دیا کہ انھوں اس وقت کچھ کھا لیا تھا اور بڑے صاحب نے اپنے لیے دودھ منگوا لیا ہے...... انھوں نے بھی کھانے سے انکار کر دیا...... اب رہ گئے تم اور احسن میاں...... تو احسن میاں نے کھانے کی جگہ چائے منگوالی ہے ساتھ میں بی بی نے یہ سینڈوچ وغیرہ بھیجے ہیں...... اور تم نے جو کھانا ہے بتا دو ویسے تمہارے لیے چائے لے آئی ہوں''...... بوا نے ساری تفصیل اپنے انداز میں بتا دی میں

نے بوا کے آنے کو خدا کی مہربانی ہی سمجھا......اور آگے بڑھ کر احسن کے کمرے کا دروازہ کھول دیا وہ شاید سامنے بیٹھے تھے میں نے ان کی طرف نہیں دیکھا دروازہ کھول کر بوا کو اندر آنے کا کہا، ''آئیں بوا یہاں رکھ دیں table پر اور آپ کھانا کھا کر آرام کرلیں۔انھیں یا بابا کو اگر ضرورت ہوئی تو میں خود بنادوں گی آپ فکر نہ کریں بوا نے try سامنے میز پر رکھی ہائے جیتی رہو بیٹا رب تمہیں خوشیاں دے نصیب بلند کرے بوا اپنی چادر کو دوبارہ اوڑھتے ہوئے بولتی چلی جارہی تھیں۔احسن میاں کچھ کھالینا بیٹا'' ......بوا نے احسن کو ہدایت کی اور کمرے سے باہر چلی گئی......

کمرے کے اندر داخل تو بوا نے کرادیا تھا۔اب بات کیا کروں اور کیسے کروں......

مگر ہمت کر کے میں چائے بنانے لگی......''آپ پہلے تھوڑا سا کھانا کھالیتے ، پھر چائے پی لیتے'' ......میں چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی مگر اس وقت ان کی طرف دیکھنے کی ہمت مجھ میں نہیں تھی انھوں نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا......میں نے سینڈوچ کی پلیٹ آگے بڑھائی تو انھوں نے لینے سے انکار کردیا،......میں نے ان کی طرف بہت ہمت کر کے دیکھا تو انھوں نے ایک سرسری سی نظر مجھ پر ڈالی اور میرے ہاتھ سے سینڈوچ کا پیس لے لیا میں نے اپنے لیے چائے بنائی اور سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی آج ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے مجھے ڈر کیوں لگ رہا تھا کہ اس کمرے سے باہر نکل کر ہی سانس لے سکوں گی کافی دیر ہم خاموش رہے اور پھر مجھے ہی بولنا پڑا جانے کیوں مجھے ہم دونوں کے درمیان کی خاموشی کی یہ دیوار کچھ نامناسب سی لگی مگر بات کرتے ہوئے مجھے اپنی ہی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی ''آپ نے میرا پوچھا تھا......وہ بابا اور الماس آنٹی نے بتایا......کچھ کام تھا کوئی چیز چاہیے تو بتائیں؟'' ......

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ قدرے سخت لہجے میں بولے ''نہیں کوئی کام نہیں تھا......ایسے ہی پوچھا تھا......تم نظر نہیں آئی اس لیے'' ......تو جواب میں میں نے جانے کیوں یہ کہہ دیا ''خود ہی تو کہتے ہیں کہ ضرورت نہیں......آفس جایا کروں......کام کروں......میں نے شاید آپ کو میری شکل سے وحشت ہوتی ہو اس لیے؟'' تو وہ خاموش رہے انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا......

دوائیں ان کے پاس رکھیں۔پانی کا گلاس بھر کر ان کے سائیڈ table پر رکھ دیا......

''please دوا لے لیجیے گا......کسی چیز کی ضرورت ہو تو میرے موبائیل پر call کر لیجیے گا'' ......یہ کہہ کر میں نے برتن اٹھائے اور کمرے سے باہر آگئی برتن وغیرہ رکھ کر اپنے کمرے میں چلی گی change کر کے نماز پڑھی تو خیال آیا کہ احسن کے پاس تو موبائیل ہی نہیں تو وہ مجھے call کیسے کریں گے۔میں نے اپنا دوسرا cell فون اٹھایا اور ان کے کمرے کی طرف بڑھ

گئی دروازے پر دستک دی تو اندر سے آواز آئی آجائیں‘‘ دروازہ کھولتے ہی جیسے ایک جھٹکا سا لگا مجھے احسن اپنے پلنگ پر بیٹھے تھے اور کمرے کے فرش پر خون کے دھبے۔’’میں نے ہڑ بڑا کر پوچھا یہ کیا ہوا‘‘؟...... آگے بڑھ کر دیکھا تو ان کے پاؤں سے خون نکل رہا تھا اور پاؤں کے قریب ہی گلاس ٹوٹا پڑا تھا انھوں نے ہچکچاتے ہوئے’’ کہا یہ میرا ہاتھ لگا تو گلاس گر گیا...... پتہ نہیں کیسے کانچ لگ گیا پاؤں میں......کوشش کی ہے کہ پاؤں دھو کر کانچ نکال لوں مگر‘‘......اس وقت وہ ایک معصوم بچے کی طرح ساری کہانی سنا رہے تھے اور مجھے ان پر اسی معصوم بچے کی طرح پیار آرہا تھا میں چونکہ نماز پڑھ کر آئی تھی۔ اس لیے میں نے ڈوپٹے کو کس کے اپنے سر کے گرد لپیٹ رکھا تھا اور ان کی یہ حالت دیکھ کر جیسے میرا دم گھٹنے لگا۔ میں نے ڈوپٹے کو کھول کر سر سے گرد ہلکا سا لپیٹ لیا اور موبائیل فون بیڈ پر رکھ کر ان کی الماری سے فرسٹ ایڈ بکس نکالا میں نے ابھی اس میں سے روئی اور سپرٹ نکالا ہی تھا کہ جیسے ایک دم مجھے کسی نے روک لیا ہو...... عجیب سی سوچ......ہلچل مچاتی دھڑکنیں...... مجھے رکے’’ دیکھ کر وہ ایک دم سے بولے تم روئی اور سپرٹ مجھے دے دو میں خود زخم صاف کرلوں گا......تم کس لیے آئی تھی‘‘......اس وقت مجھے خیال آیا کہ یہ حقیقت ہے کہ جب کسی سے دل کا رشتہ مضبوطی سے جڑ جاتا ہے تو پھر اس کے بلانے یا بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی کاش یہ جواب میں احسن کو بھی دے سکتی۔

مگر نہیں! ایسا ممکن ہی نہیں مگر جس طرح سے انھوں نے مجھ سے سپرٹ مانگا اس وقت مجھے شرمندگی کا احساس ہوا کہ شاید وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ میں ان کے پاؤں کو ہاتھ لگانے سے کترا رہی ہوں حالانکہ یہ بھی حقیقت تھی کہ میری اور احسن کی یاداشت میں وہ لمحے ہے ہی نہیں جب ہم نے اتفاق سے بھی ایک دوسرے کو چھوا ہو۔ مگر یہاں اس وقت کی ضرورت تھی اس لیے یہ سب باتیں میں نے اپنے ذہن سے جھٹک دیں۔ میں نے روئی پر سپرٹ لگایا زخم صاف کرتے ہی کانچ کا ٹکڑا نظر آنے لگا تو میں نے انھیں بتائے بنا ہی ایک دم سے اسے باہر نکالا جس سے خون کافی تیزی سے بہنے لگا مگر ان کی زبان سے کوئی آہ نہیں نکلی میں نے زخم صاف کر کے اس پر کس کر پٹی باندھ دی اور بستر پر آرام سے انہیں لیٹا دیا ان کے پاؤں کے نیچے میں نے کشن رکھ کر تھوڑا اونچا کر دیا جس سے انھیں تھوڑا آرام محسوس ہوا شاید وہ مجھے دیکھ رہے تھے’’ تم نے بتایا نہیں اَنا تم کیوں آئی تھی‘‘ میں کانچ کے ٹکڑے سمیٹتے ہوئے قصداً یہ الفاظ بول گئی’’ آپ کو سمیٹنے ہی آئی تھی......کیا مطلب......؟‘‘

تو بات کو بدلنے کے لیے میں نے مسکراتے ہوئے کہا......’’ویسے ہی آئی تھی نماز

پڑھی تو خیال آیا کہ آپ کے پاس اپنا cell تو ہے نہیں نہ ہی آپ نے کوئی اور نمبر رکھا ہے۔ تو یہ میرا دوسرا نمبر آپ اپنے پاس رکھ لیں...... آپ کو تو ضرورت ہوگی نہیں کم سے کم جو لوگ آپ سے رابطہ رکھنا چاہتے ہیں وہ تو کر سکیں نہ...... اس لیے آپ کو فون دینے آئی تھی''...... میں نے کانچ کے ٹکڑے سمیٹتے ہوئے اپنے آنے کی وجہ بتا دی۔ پانی کا گلاس لا کر انھیں دوائیں کھلائیں...... کمرے کی بڑی لائیٹ آف کر کے دروازہ بند کر کے باہر چلی گئی تھی ہلدی دودھ بنایا اور دوبارہ ان کے کمرے میں چلی آئی۔ اس وقت شاید ان کی آنکھ لگ چکی تھی اور مجھے اس لمحے وہ اس دنیا کے سب سے زیادہ معصوم انسان لگ رہے تھے میں انھیں بیدار کرنا بھی نہیں چاہ رہی تھی اور ان کا دودھ پینا بھی ضروری تھا میں نے آہستہ سے آواز دی۔ تو جانے کیوں مجھے کیوں مجھے اپنا آپ بہت بوجھل سا لگنے لگا پہلے کیسے میں انھیں ایک دم سے ''احسن بھائی'' کر کے بلا لیا کرتی تھی مگر اب صرف ''احسن'' کہنا بہت مشکل لگ رہا تھا احسن کی آواز خود میرے کانوں میں بمشکل پہنچی تھی تو ان تک کیسے پہنچ سکتی تھی۔ پھر میں نے ہمت کر کے ان کے شانے کو ہلکا سا ہلایا تو ایک دم سے اٹھے جیسے چھوٹا بچہ سوتے میں ڈر کر اٹھتا ہے...... ''کیا بات ہے ''انا''...... انھوں نے قدرے الجھن سے کیا......

''یہ دودھ پی لیں پھر سو جائیے گا۔ پریشان نہیں کروں گی''''انا please اس وقت یہ ہلدی والا دودھ کون پیتا ہے؟''

''جو رات کو گلاس توڑ کر اپنا پاؤں زخمی کرتے ہیں...... وہ پیتے ہیں اب جلدی سے پی لیں...... یہ نہ ہو کہ مجھے امی کو بلانا پڑے انھوں نے ایک نظر مجھے گھورا...... اور پھر اٹھے...... اٹھتے ہوئے درد کی وجہ سے ان کے منہ سے آہ نکلی اور ان کی آہ جیسے مجھے گھائل کر رہی ہو شاید محبت میں ایسا بھی ہوتا ہوگا کہ چوٹ کہیں لگتی ہے اور درد کہیں ہوتا ہے انھوں نے بڑی بے دلی سے دودھ پیا اور پھر مجھے دیکھے بنا بولے ''بس، کے اور کچھ''؟...... ''نہیں بس''؟......

''اب آپ آرام سے سو جائیں...... میں نے A.C Temperature سیٹ کیا ان پر چادر ڈالی اور کمرے سے باہر آ گئی'' اپنے کمرے کی طرف بڑھی کے بابا کا خیال آیا رات کا تقریباً پچھلا پہر تھا۔ آرام سے بابا کے کمرے کا دروازہ کھولا تو بابا سو رہے تھے میں آرام سے دروازہ بند کر کے اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔ سارے دن کی تھکن کی وجہ سے بیڈ پر لیٹتے ہی نیند نے اپنے آغوش میں کب لیا پتہ ہی نہیں چلا ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ میرے cell فون پر کال آئی۔ نیند کی وجہ سے ایسا معلوم ہوا جیسے فجر کا وقت ہو گیا ہے مگر متواتر گھنٹی کے بجنے سے احساس

ہوا کہ فون آیا ہے۔ میں نے نمبر دیکھے بنا ہی cell ریسو کر لی

دوسری طرف آواز سننے کے بعد جیسے میری نیند ایک جھماکے سے غائب ہو گئی ہو...... ''ہیلو، ہیلو میں جیسے بولنا بھول ہی چکی تھی اچانک میرے منہ سے ''احسن'' پہلی بار نکلا...... ''احسن خیریت ہے؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ میں آتی ہوں'' ان کی بات سننے بنا ہی بولے جا رہی تھی۔ مگر آگے سے ''نہیں نہیں، سن کر میں رکی...... پاگل لڑکی میں ٹھیک ہوں کال صرف اس لیے کی ہے کہ اتنا کہہ کر وہ چپ ہو گئے''...... ''کیا بات ہے''؟...... میں نے فکر مندی سے پوچھا...... تو بڑے آرام سے بولے۔

Thanks for every thing thanks اتنا کہہ کر انھوں نے کال کاٹ دی...... اس وقت انھوں نے اچھا ہی کیا تھا کہ فون بند کر دیا کیونکہ شاید وضاحت کے لیے ان کے پاس بھی الفاظ نہیں تھے اور اس شکریہ کے جواب میں میرے پاس بھی لفظوں کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا میں کافی دیر بند فون کو اپنے کان سے لگائے سن بیٹھی رہی اور بابا کے الفاظ نے پھر ایک بار سرگوشی کی کہ بعض باتوں کے لیے خاموشی کی زبان ہی بولی جاتی ہے اس کے بعد رات کہاں اور نیند کہاں کچھ معلوم نہیں صبح فجر کے وقت نماز ادا کی ایک خوشی کا احساس من کو بہلانے کے لیے کافی تھا وہ خوشی کا احساس، احسن ہی تو تھے احسن کا احساس، ان سے رابطے کا احساس مجھے پل پل بھگو رہا تھا۔

ناشتے کے وقت میں نے امی کو رات ''احسن'' کی چوٹ کے بارے میں بتایا...... امی پریشان ہوئیں مگر اس لیے ان کے کمرے میں نہیں گئی کہ وہ ان کی نیند خراب نہ ہو۔ ابا اور بابا نے اکٹھے ناشتہ کیا زرقا بھابھی کے جانے کے بعد ہمارا دستر خوان کافی مختصر ہو چکا تھا بلکہ ٹوٹ چکا تھا کچھ دیر میں الماس آنٹی بھی آگئیں الماس آنٹی تو ہمارے گھر اب ایسے آیا کرتی تھیں جیسے باقاعدگی سے سرکاری ملازم اپنی نوکری پے جایا کرتا ہے اور ایک بھی غیر حاضری سے اس کی تنخواہ میں کٹوتی اس کے لیے مشکل بڑھا دے گی۔ مگر ان کے آنے سے ہمارے گھر میں رونق ہو جایا کرتی۔ صبح انھیں انکل ہمارا گھر چھوڑ جایا کرتے تھے اور رات کو ہم چھوڑ آیا کرتے تھے۔ امی نے الماس آنٹی کو احسن کے متعلق بتایا تو انھوں نے جواب میں بڑی دلیری سے کہا بھئی مجھے تو اب اَنا بٹی کی موجودگی میں ''احسن'' کی کوئی فکر نہیں ہوتی مجھے معلوم ہے کہ میری بچی بہت ذمہ دار ہے چلو اس بہانے آج وہ قبرستان نہیں جائے گا میں نے ان کے سامنے چائے رکھی ہی تھی کہ باہر سے ابا کی آواز آئی '''' اَنا احسن کے لیے گرم چائے بجھوا دو''۔ ہم تینوں نے ایک دوسرے کی طرف

حیرانی سے دیکھا امی اور الماس آنٹی باہر چلی گئیں ان سے حال وغیرہ دریافت کیا میں نے بوا کی مدد سے باہر چائے لگائی ابھی چائے پی ہی رہے تھے کہ وہ بڑے تحمل سے بولے ''چلیں اَنا''......

''آج مت جاؤ جب آرام آجائے تو چلے جانا''......

''نہیں امی ایسی بھی کوئی چوٹ نہیں...... ویسے بھی جس چوٹ کا درد نہ ہو وہ چوٹ نہیں ہوتی...... چلیں انا''

''میں نے ایک نظر ''بابا'' کی طرف دیکھا تو انھوں نے آنکھوں سے جانے کا اشارہ کیا''......

میں اپنا بیگ لینے گئی اور ان کے ساتھ قبرستان چلی گئی معمول کے مطابق میں قبرستان کے اندر نہیں گئی دور کھڑے زرقا بھابھی کو ساری باتیں بتاتی رہی وہ اپنے مقررہ وقت سے واپس آئے میں نے انھیں گھر چھوڑا راستے میں ہم دونوں کے درمیان خاموشی رہی جانے کیوں مگر ہم دونوں خاموش رہے میں نے انھیں گھر ان کے کمرے تک چھوڑا ان کے پاس ان کی دوائیں رکھیں اور امی اور الماس آنٹی کو بتایا کہ ''وہ اپنے کمرے میں ہیں میں اب آفس جارہی ہوں'' بابا کو ملی ''لاؤنج میں بیٹھے تھے انھوں نے میرے ماتھے کو چوما میں تقریباً گیارہ بجے آفس پہنچا کرتی تھی فرحان میرا منتظر تھا جاتے ہی اس نے مجھ سے گھر کے حالات کے بارے میں پوچھا اور مجھے اپنے کراچی پروجیکٹ کے بار میں بتایا اور ساتھ ہی اس نے انعم کی شادی کے متعلق بھی پوچھا تو میں نے اسے الماس آنٹی والی ساری بات بتادی جیسے سن کر اسے حیرت ہوئی مگر اسے یہ تجویز پسند آئی ہاں یہ ٹھیک ہے کہ ہم کل نکاح کے فنکشن سے ہو آتے ہیں...... شادی پر میں بھی کراچی ہوں گا اور تم بھی معذرت کر لینا کیونکہ ہمارے گھر بھی انعم کے والدین آئے تھے...... کل ہم اکھٹے چلے جائیں گے...... اگر احسن بھائی آئے تو مجھے پہلے بتا دینا اور اگر وہ نہ آئے تو تم میرے ساتھ چلی جانا''......

میں نے اس کی حامی بھر لی...... ''ویسے ''احسن'' کا تو نا آنا ممکن ہی ہے وہ کہاں جائیں گے۔ گھر والوں سے بات کرنے میں وہ اتنا سوچتے ہیں۔ سچ فرحان وہ کبھی خود سے بات بھی کر دیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے...... اور جانتے ہو جب رات کو انھوں نے thanks کے لئے call کی تو گھنٹوں یقین نہیں آیا...... انھوں نے تمام رابطے ختم کر دیئے ہیں...... سچ سب لوگ ان کے لیے بہت پریشان ہیں مگر کوئی کچھ نہیں کہتا پتہ نہیں فرحان زندگی کس وقت کون سا نیا کھیل کھیلنے لگے اب تو مجھے بھی ڈر سا لگتا ہے......'' فرحان مجھے تو یہ بھی سمجھ نہیں آرہا کہ میں

''احسن'' سے کب اور کیسے بات کروں گی مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ وہ لڑکی کون کہاں ہے ایک الجھن سی ہے''...... میں فکرمندی سے فرحان سے باتیں کرتی رہی تو بڑے تحمل کے ساتھ فرحان نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا......اور بولا ''انا'' ہر کام کے لیے ایک مناسب وقت مقرر کر دیا گیا ہے۔تم بھی اللہ سے اپنے لیے دعا کرو اور اس مناسب وقت کے آنے کا انتظار......اس سے زیادہ تمہیں فل حال کچھ نہیں'' کونا چاہیے جب وقت آئے گا تو قدرت تمہیں خود بتا دے گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟ بس تم فکر مت کرو...... میں جانتی تھی وہ ہمیشہ میری ہر مشکل میں مجھے تسلی دیا کرتا تھا اور خود مجھ سے زیادہ پریشان رہتا تھا اور اس کی پریشانی اس کی شکل سے صاف ظاہر ہو رہی تھی مگر یہ ہماری دوستی کی سچائی تھی یا کشش کہ ہمیشہ ہم دونوں ایک دوسرے کے دلاسے سے بہل جایا کرتے تھے۔وقتی طور پر ہی سہی مگر کچھ دیر کے لیے اپنی فکر بھول جایا کرتے تھے......

شام میری واپسی چھ بجے تک کی ہوگئی تھی اور گھر پہنچتے ہی میری سب سے پہلے کوشش بابا سے ملنا ہی ہوا کرتی تھی کیونکہ زرقا بھابھی کے جانے کے بعد جہاں سارے گھر میں خاموشی چھا گئی تھی۔ وہاں میرے اور بابا کے بیچ بھی خاموشی طویل ہوتی جا رہی تھی اور جب خاموشیاں طویل ہونے لگیں تو رابطے ٹوٹنے لگتے ہیں اور رشتے کمزور ہونے لگتے ہیں اور یہ میں اپنے گھر میں ہی دیکھا تھا کہ منیر بھائی ہم سب سے کتنے دور چلے گئے ان کے اور ہمارے درمیان خاموشی کی طوالت رابطے کو توڑ سا گئی رشتہ تو ٹوٹ سکتا نہیں مگر اس میں دراڑ آجانے سے کمزور ضرور ہو جاتا ہے اور میں اپنی زندگی میں بابا سے دور تو کسی قیمت پر نہیں ہوسکتی تھی بابا کے کمرے میں گئی تو وہ قرآن پاک پڑھ رہے تھے انھوں نے مجھے اشارے سے بعد میں آنے کا کہا میں نیچے کچن میں گئی تو بوا چائے بنا رہی تھی اور امی اور الماس آنٹی باہر لان میں تھیں کسی بات پر دونوں بحث میں مصروف تھیں مجھے دیکھ کر خاموش ہوگئی

اور ایسا اب اکثر وپیش ہوا کرتا تھا۔کہ مجھے دیکھ کر یا تو وہ بات کا موضوع بدل دیا کرتی یا پھر خاموش ہو جایا کرتی تھیں سوا ابھی بھی ایسا ہی ہوا ''میں کچھ دیر ان کے پاس رکنے پر ''بوا سے کہا بوا چائے یہی پر لے آئیں''۔اس سے پہلے کہ میں ''احسن'' کے بارے میں پوچھتی ''امی نے کیا جاؤ ''انا'' احسن سے بھی پوچھ آؤ کہ چائے باہر لان میں پیئے گا یا اندر ہی بھجوا دوں''...... میں اچھا کہہ کر اندر چلی گئی دروازے پر دستک دی تو وہ لیٹے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر بیٹھ گئے میں سامنے صوفے پر جا بیٹھی ''پاؤں کا زخم کیسا ہے اب؟...... ''پتہ نہیں میں بنے دیکھا نہیں......ٹھیک ہی ہوگا''۔انہوں نے لاپرواہی سے جواب دیا ہے۔

''کیا مطلب ہے ٹھیک ہی ہو گا.....؟ آپ نے دیکھا نہیں؟'' مجھے سن کر جیسے جھٹکا سا لگا۔ آپ نے ہسپتال سے پٹی نہیں کروائی.....تو بڑی سرد میری سے بولے ''نہیں تو''...... اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اتنی چوٹیں لگیں اتنے زخم لگے جو وقت کے ساتھ بھر گئے ہاں ایک زخم ہے جو بھرنے کے بجائے۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ناسور ہی بنتا جا رہا ہے..... یہ بیچارہ چھوٹا سا زخم کیا تکلیف دے گا مجھے بھر جائے گا خود ہی.....تم سناؤ تمہارا آفس کیسا چل رہا ہے؟''......

مجھے ان کی حالت پر ترس بھی آیا اور غصہ بھی......

''بڑے زخم جو ناسور بنتے جاتے ہیں۔ انہیں آپ نے چھپا رکھا ہو گا اس لیے گزرتے وقت کے ساتھ نہیں بھرتے ہوئے اور بہت سے زخم ایسے بھی ہوتے ہیں جو ناسور نہ بھی بنیں بھرنے کے بعد ان کی چبھن ساری زندگی درد کا احساس دلاتی رہتی ہے.....اور ان چھوٹے زخموں سے آپ کو تکلیف ہو نہ ہو، آپ کے ساتھ رہنے والوں کو ضرور ہوتی ہے۔ چلیں اٹھیں۔ میں آپ کو ڈاکٹر کے لے جاتی ہوں میں نے ابا سے کہا تھا کہ آپ کو لے جائیں.....میرا خیال تھا شاید آپ کو میرے ساتھ جانا مناسب نہ لگے''.....وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولے.....''نہیں ابا نے مجھے کہا تھا میں نے خود ہی منع کر دیا.....اور تمہارے ساتھ جانے میں کیوں اعتراض ہوتا مجھے بھلا.....''؟

''کیا پتہ آپ کو کس وقت کون سی بات بری لگ جائے.....اور کس وقت آپ غصہ کر کے ڈانٹ دیں۔ بہتر یہ ہے کہ ایسی صورت حال پیدا ہی نہ کی جائے میں تو اسی لیے خاموش رہتی ہوں.....مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ کی طرف سے ہم سب لاپرواہ ہیں۔ یا آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیں گے.....چلیں اٹھیں اب امی نے ویسے بھی چائے کے لئے باہر ہی بلایا ہے آپ کو''.....وہ خاموشی سے میرے ساتھ باہر آ گئے۔ لان میں چائے لگی تھی سامنے بیٹھی امی اور الماس آنٹی ہمیں دیکھ کر مسکرانے لگی کرسی پر بیٹھتے ہوئے۔ میں نے کہا امی ''چائے بعد میں پئیں گے پہلے ان کی پٹی کروانی ہے۔ میں انہیں ہسپتال لے جا رہی ہوں''.....تو امی کے بولنے سے پہلے ''''احسن'' بول پڑے پٹی بعد میں کروا لیں گے۔ چائے بناؤ پہلے چائے پیتے'' یہ کہہ کر وہ لان میں لگے پودوں کو دیکھنے لگے.....اور دور گیٹ کے پاس لگے ایک چھوٹے سے درخت کو دیکھ کر بولے ''یہ درخت زرقا نے لگایا تھا.....دیکھیں کتنا بڑا ہو گیا''.....ان کی بات سن کر امی اور الماس آنٹی نے ایک دم ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا اور ہم میں سے کسی نے بھی ان کی بات کا جواب نہیں دیا وہ خود بھی خاموش ہو گئے۔ چائے پینے کے بعد میں انہیں ہسپتال لے گئی ڈاکٹر نے زخم دیکھا جو کافی حد تک بہتر ہو چکا تھا۔ مگر اس نے احتیاطاً دوبارہ ہلکی سی پٹی کر دی جب

ہم گھر واپس آئے۔تو امی اور الماس انٹی وہی لان میں بیٹھی تھی۔اور محبوب چچا پودوں کو پانی لگا رہے تھے۔شام کو لان میں بیٹھنا احسن کو بھی اچھا لگتا تھا اس لیے وہ باہر ان کے پاس ہی بیٹھ گئے مجھے یاد ہے کہ گرمیوں میں زرقا بھابھی شام کو چائے ہمیشہ لان میں ہی لگوایا کرتیں تھیں میں انہیں وہاں بیٹھا کر ''امی میں بابا کے پاس ہوں''......

جس پر ایک دم سے الماس انٹی بولیں!''نہیں ''انا'' بیٹی یہاں بیٹھو کل کا پروگرام بنا لیں یہ سنتے ہی میرا اور امی کا تو دل کانپنے لگا...... میں چونکہ ''احسن'' کے پیچھے کھڑی تھی تو میں نے الماس آنٹی کو اشارہ کیا کہ رہنے دیں یہ نہیں جائیں گے؟ مگر انہوں نے مجھے منع کر دیا......''بیٹھو یہاں...... احسن سے پروگرام بنا لیں نا۔کل جانا ہے'' جس پر ''احسن'' نے مڑ کر ایک دم سے میری طرف دیکھا۔''تم کہیں جا رہی ہو کیا''؟ اور جواب میں میں نے الماس آنٹی کی طرف التجائیہ نظروں سے دیکھا...... جس پر وہ اپنے لہجے کو مزید مضبوط کر کے بولیں۔

''یہ اکیلی نہیں جا رہی بیٹا جان! آپ بھی جا رہے ہیں اس کے ساتھ!''......

''میں' میں کہاں جا رہا ہوں بھئی''؟...... انہوں نے طنزیہ مسکراتے ہوئے امی کی طرف دیکھا جس پر امی نے بھی نظریں جھکا لیں...... گھبراہٹ اور انہونی سی بات آنٹی جس طریقے سے کر رہی تھی ہمیں تو ڈر ہی لگ رہا تھا۔اور امی بار بار گھبراتی میری طرف دیکھتی......!

''کل انعم کا نکاح ہے...... اور اس نے خاص طور پر تمہیں بلایا ہے۔اس کا کوئی بھائی نہیں......تم اس کی منگنی پر بھی گئے تھے،تو وہ چاہتی ہے کہ تم اس کے نکاح پر آؤ۔ایک بھائی کی حیثیت سے...... میں نے انہیں حامی بھر لی تھی۔اور یہ ہی بات میں اب انا بیٹی کو بتا رہی ہوں......کل کتنے بجے بلایا ہے انہوں نے انا؟ آنٹی اعتماد سے بات کر رہی تھیں جیسے انہوں نے کہہ دیا۔اور ''احسن'' تیار ہو گئے......شاید وہ ابھی بھی زرقا بھابھی کی زندگی والا احسن'' سمجھ کر بات کر رہی تھیں......

انہوں نے دوبارہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا...... ''''انا'' میں کل وہاں پہنچنے کا وقت پوچھ رہی ہوں''......

میں چونک کر ایک دم سے کہا۔''جی آٹھ بجے کا ٹائم ہے''......

''ہاں تو بس ٹھیک ہے تم لوگ ساڑھے سات بجے تک تیار ہو کر وہاں کے لئے نکل جانا دونوں تو کیا فرحان بھی آئے گا...... اس سے پوچھا آنٹی اب مجھ سے مخاطب تھیں''......''جی وہ بھی کل آئے گا......شادی پر وہ بھی یہاں نہیں ہو گا۔اس نے کراچی جانا ہے:...... چلو یہ بھی ایک طرح سے اچھا ہے۔''احسن'' کی کمپنی اچھی رہے گی''......

یہ سنتے ہی ''احسن'' نے مسکراتے ہوئے کہا...... ''میں کیسے جاسکتا ہوں؟''

''کیوں؟ کیوں نہیں جاسکتے''......اس بار آنٹی ذرا سخت لہجے میں بولیں

''آنٹی...... میں نہیں جاسکتا آپ لوگ معذرت کرلیں......اور انہیں حامی بھرنے سے پہلے مجھ سے پوچھا تو ہوتا۔ یا کم سے کم بتا دیتیں تو آپ کو میرے ارادے کا بھی پتہ چل جاتا......''انا'' تم میری طرف سے معذرت کرلینا Please......میں نہیں جاؤں گا۔ اور ویسے بھی میرے پاؤں پر چوٹ لگی ہے......اور Please آئندہ کسی سے حامی بھرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ لیا کریں آپ لوگ میں اسی گھر میں ہی ہوتا ہوں اور ہر وقت ہوتا ہوں''......اس بار ''احسن'' کا لہجہ بھی قدرے سخت تھا۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کے اندر جانے لگے......میں نے اور امی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا......

تو الماس آنٹی نے انہیں آواز دی ''احسن'' تو وہ رک گئے مگر مڑے نہیں......الماس آنٹی اٹھ کر ان کے سامنے چلی گئی......

''کب تک اس سوگ میں رہو گے......اور ہمیں بھی رکھو گے......جسے جانا تھا وہ چلی گئی اور مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا...... اگر ایسا ممکن ہوتا تو سب سے پہلے میں مرتی......زرقا کی ماں ہوں......اور ماں سے زیادہ محبت اور کسی رشتے میں نہیں ہوتی......تم کیا کر رہے ہو......دس ماہ ہو گئے...... یہ دکھ ہم سب کے لئے یکساں ہے۔ ہم سب اپنی اپنی جگہ دکھی ہیں۔ حالات سے لڑ رہے ہیں۔ مگر کسی نے اپنی زندگی کو روکا نہیں۔ کس لئے؟......ایک دوسرے کے لئے......ایک دوسرے کی زندگی کے لئے...... میں یہاں کیوں آتی ہوں......؟اس لیے کہ میں نے آنے سے میرا دکھ ختم تو نہیں ہوتا۔ مگر تمہاری ماں کے ساتھ بانٹنے سے کم ضرور ہو جاتا ہے۔ زرقا میری بیٹی تھی۔ ایک ہی ایک اولاد تھی۔ میری گود سونی ہو گئی......کیا میرا دکھ تمہارے دکھ سے کم ہے۔ ذرا سوچو......مگر میں اسے تمہاری شکل میں تمہاری زندگی میں زندہ دیکھتی ہوں......''انا'' کی شکل میں زندہ دیکھتی ہوں......کیونکہ تم دونوں سے بہت عزیز تھے۔ اور اس کی ہر عزیز چیز مجھے عزیز ہے۔ میں ماں ہو کر اپنے دکھ کو تمہارے لئے بھلا سکتی ہوں، تو تم اپنے والدین کے لئے اپنے گھر کے لئے نہیں کر سکتے...... میرا تم لوگوں سے کوئی خون کا تو رشتہ نہیں......اور جو رشتہ تھا وہ زرقا کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ پھر بھی میں تم لوگوں کے ساتھ کیوں ہوں......؟ میرے پاس ایک ہزار ایک باتیں ہیں دہرانے کے لیے......مگر میں پرانی یادوں کو دہرا کر سب کے زخم کریدنا نہیں چاہتی......جیسے تم نے آ کر اس پودے کو دیکھ کر کہا کہ یہ

زرقا نے لگایا تھا...... جاؤ میرے گھر تو ہر چیز زرقا کے ہاتھوں سے پڑی ہوئی ہے...... میں کیوں بھاگ کر تم لوگوں کے پاس آ جاتی ہوں...... میں نے خود کو ان چیزوں ان یادوں کے پاس کیوں نہیں کیا...... اس لیے کہ اپنے دکھ کو تھوڑی دیر بھلانے سے اگر کسی دوسرے کے لئے دائمی خوشی کے دروازے کھلتے ہوں تو اس میں کوئی قباحت نہیں...... جو تم کر رہے ہو وہ غلط ہے...... تمہارے گھر سے تو کوئی نہیں بول رہا۔ مگر بیٹا وہ سب تمہارے اس حال پر خوش تو نہیں...... تم خود سمجھ دار ہو۔

اس حالت میں تم زرقا کی قبر پر جا سکتے ہو...... جو مر چکی ہے اور تمہیں نہیں پتہ کہ تمہارے جانے سے اسے خوشی ہوتی ہے یا دکھ...... میں اس کی ماں ہوں وہ میرے جسم کا حصہ تھی۔ اور جہاں تک میں اسے جانتی ہوں...... تو اسے تمہارے جانے سے خوشی تو نہیں ہوتی ہو گی...... پھر بھی تم جاتے ہو...... خود کو سزا دینے کے لئے...... اسے بتانے کے لئے کہ تمہارا رشتہ اس کے ساتھ اب بھی ہے۔

مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔ مرے ہوئے لوگوں سے رشتہ مضبوط کرتے جاؤ گے اور۔

اور زندہ لوگوں سے توڑ دو گے...... ان اپنوں سے توڑ دو گے، جو تمہیں سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں...... جو تمہاری وجہ سے ہی غم زدہ ہیں۔ اور کچھ نہیں تو اپنے والد کی حالت پر ترس کھاؤ...... وہ بی تو اسی دکھ سے گزرے تھے۔ اسی عمر میں...... وہ کیوں زندہ ہیں؟...... کیا پایا انہوں نے...... وہ بھی روز جا کر اپنی بیوی کی قبر پر کر بیٹھ جاتے تو کیا تم' اور میں بیٹا یہ کامیاب زندگی گزار رہے ہوتے''؟......

''مگر میری تو کوئی اولاد نہیں آنٹی جس کی آس پر میں اپنا دکھ بھول جاؤں''

''احسن بھائی جل کر بولے...... اولاد نہیں تو والدین تو ہیں نا'' بے وقوف لڑکے تمہارے والدین...... جو تمہارے لیے زندہ ہیں...... مجھے تم سے اس بے وقوفی کی امید نہیں تھی...... یہ لو میں ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے آگے...... اپنے دکھ سے ہو سکے تو دوسروں کی خوشی کا سبب بننے کی کوشش کرو...... جو چلا گیا...... اسے بھول نہیں سکتے تو مت بھولو...... مگر اس کی یادوں کو زندہ رہنے کی' زندگی بانٹنے کی' امید بناؤ...... زندگی کی وجہ بناؤ...... ہم سب کو اپنے ساتھ زندہ درگور تو مت کرو...... یہ کہتے ہوئے۔ انٹی کی آواز کانپنے لگی اور چہرے پر آنسوؤں بہنے لگے۔

دلہن اور دولہا کی فرمائش خوش نصیبوں کے حصے میں آتی ہے۔ اور کسی کو خوشی دینے سے اپنا دکھ کم ہوتا ہے...... تم تو سب سے زیادہ صابر بچے ہو...... اتنا سب کچھ جس ہمت سے برداشت کیا تو اب کیوں ہمت ہار رہے ہو''......

اور آہستہ سے بولے.....

احسن سر جھکائے سب خاموشی سے سنتے رہے...... '' آنٹی صبر کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ اور ہر دکھ پر میں لڑنے والے کو رونے کا چیخنے کا حق نہیں کیا میں انسان نہیں کیا میں پتھر ہوں.....؟ آپ سب مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں مت رکھیں مجھ سے کوئی امید.....نہیں ہوں میں کسی کے بھی قابل.....نہیں میں اعتبار کے قابل..... مجھے خود اپنی ذات پر اعتبار نہیں رہا تو آپ لوگوں کو کیا خاک اعتبار دوں گا۔ میں بے کار ہوں.....زرقا کو نہیں بچا سکا اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا جب اس نے دم توڑا تھا آنٹی.....اگر میں اس دن گاڑی چلا رہا ہوتا تو شاید یہ سب نہ ہوتا شاید زرقا بچ جاتی..... میں کسی قابل نہیں ہوں..... میں کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں''.....اس سے پہلے کہ ان کی آنکھیں برس پڑتی وہ تیز قدم بھرتے اندر چلے گئے.....

ان کی یہ بے بسی دیکھ کر میری اور امی کی آنکھوں سے آنسو کب نکلنے لگے کچھ پتہ نہیں چلا ''احسن'' کا تعاقب کرتے میری نظریں لان میں عقبی دیوار کے ساتھ کھڑے بابا پر پڑی جنہوں نے یہ ساری صورت حال کو دیکھا اور پھر الماس آنٹی کے پاس آ کر، بڑے آرام سے بولے۔ ''بہن آپ نے جو کہا بالکل ٹھیک کہا.....اور میں آپ کے اس بڑے پن کے لئے تا عمر کا آپ کا احسان مند رہوں گا..... آپ جو ہمارے لئے کر رہی ہیں.....اور جس طرح ''احسن'' کو زندگی کی طرف واپس لا رہی ہیں..... وہ تو ہم خود بھی کبھی نہ کر سکتے.....میرے پاس آپ کے اس احسان کے بدلے میں مناسب الفاظ بھی نہیں''.....

آنٹی نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے.....کہا..... ''نہیں بھائی صاحب حقیقت میں میں احسن میں زرقا کو زندہ دیکھتی ہوں.....اور مجھے جانے یہ احساس کیوں ہوتا ہے کہ احسن کی اس حالت سے زرقا تکلیف میں ہے.....میرے گھر میں تو کچھ رہا نہیں جیسے میں بچاؤں..... بشیر صاحب اور میں ہوں۔ وہ مجھے تسلی دیتے ہیں اور میں ان کی ڈھارس باندھتی ہوں.....مگر اس گھر میں تو ابھی زندگی ہے۔ جیسے بچایا جا سکتا ہے جیسے جیاء جا سکتا ہے.....اس گھر کی خوشی ہی میری زرقا کی خوشی تھی.....اور ابھی بھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ جب تک احسن ایسے رہے گا.....زرقا وہاں تڑپتی رہے گی..... ''انا'' جاؤ..... اسے کچھ کھانے کو دو..... دیکھو وہ ٹھیک تو ہے''.....آنٹی نے مجھے احسن کے پاس جانے کا کہا میں نے ایک نظر بابا کی طرف دیکھا جو واقعی ہی شکستہ حال ہو چکے تھے۔ تھک چکے تھے۔ بے بسی ان کی آنکھوں سے عیاں تھی اور جو کردار الماس آنٹی ادا کر رہی تھیں یہ انہیں کی ہمت تھی ورنہ ہمارے لئے تو احسن ایسے بات کرنے کے بارے میں سوچنا بھی

محال تھا مگر شاید انٹی کا یہ سخت رویہ ''احسن'' کے لئے ضروری تھا......

میں نے ان کے کمرے کے دروازے پر دستک دی تو دروازہ اندر سے بند تھا میں نے دوبارہ دستک دی۔ جواب دیا......ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رو رہے ہیں۔'' Please اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دیں Please'' میں خاموشی سے آ کر لاؤنج میں بیٹھ گئی...... بابا اور آنٹی باہر سے آئے تو مجھے لاؤنج میں بیٹھا دیکھا......'' تو امی بولی ''انا'' احسن کہاں ہے''؟'' انہوں نے دروازہ بند کیا ہوا ہے۔اور ابھی بات کرنے کو رضا مند نہیں...... کہتے ہیں کہ اکیلا چھوڑ دو''......تو امی فکرمندی سے ایک دم ان کے کمرے کی جانب چل پڑی۔ جس پر بابا نے انہیں روک دیا۔'' سائرہ......ابھی رہنے دو......اسے کچھ وقت دو......ابھی کچھ بھی اور کہو گی تو وہ سمجھ نہیں سکے گا...... یہ سن کر امی بے دلی سے۔واپس آ گئی بابا ٹھیک ہی کہہ رہے تھے مگر کب تک یہ سوال اب مجھے بھی پریشان کیے جا رہا تھا۔ رات کو ابا واپس آئے تو ساری بات امی نے انہیں بتائی وہ اپنے کمرے میں ہی تھے رات کھانے پر بھی نہیں آئے۔تو ابا اٹھ کر ان کے کمرے کی طرف چلے گئے دروازے پر دستک دی اور ساتھ ہی بولے ''احسن دروازہ کھولو بیٹا!'' کچھ دیر بعد انہوں نے دروازہ کھولا۔تو ان کی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا کہ برسات تو ہوئی ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس سے من دھلا ہے یا بوجھل ہوا ہے۔ابا نے نہ کچھ پوچھا اور نہ بتایا بڑے آرام سے بولے۔''چلو آؤ ابیٹے کھانا کھاتے ہیں''۔ جس پر انہوں نے نظریں چراتے ہوئے کہا نہیں ''ابا آپ کھائیں۔ مجھے بھوک نہیں''۔ان کی سوجھی آنکھیں اور سرخ ناک ان کے چہرے کی بے بسی۔ جانے کیوں ہمیشہ ان کا غصہ ان کے حسن میں اضافہ ہی کرتا جاتا تھا: میں نے نظریں جھکا لیں......تو ابا بڑے آرام سے بولے ''یار بھوک تو ہمیں بھی نہیں ہے......تھوڑا سا چکھ لیتے ہیں کہ تمہاری ماں نے آج کھانا بنایا کیسا ہے۔ چلو آؤ شاباش''...... ابا کے کہنے کا انداز ایسا تھا جس پر وہ انہیں ٹال نہیں سکے میں ابا کے پیچھے کھڑی تھی بے چارے مجبوراً ابا کے ساتھ چل پڑے کھانے کی میز پر ابا دن بھر کے واقعات بابا کو سناتے رہے۔ اور ان کی صلاحیں لیتے رہے۔ احسن خاموشی سے سنتے رہے۔اور پھر کچھ دیر بعد دو چار نوالے لینے کے بعد اجازت لے کر اپنے کمرے میں آ گئے...... بابا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں چلے گئے میں بوا نے کیچن وغیرہ سمیٹا۔تو امی نے کہا انا رات کو احسن کے پاس دودھ کا گلاس رکھ دینا اس نے کھانا ٹھیک طرح سے نہیں کھایا میں ذرا ایک نظر اسے دیکھ آؤں۔امی ان کی کمرے کی طرف چلیں گئی......اور پھر تھوڑی دیر بعد اپنی بھیگتی آنکھوں کو پونچھتی ہوئی واپس آئی......''امی کیا ہوا؟''...... جب میں نے

پوچھا تو روتے ہوئے بولیں...... ''میں کیا کروں ''انا'' مجھ سے میرے بچے کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی تقدیر کی یہ ستم ظریفی اسی کے حصے میں کیوں آئی......؟ امی کی بے بسی بھی ٹھیک تھی۔

امی فکر نہ کریں اللہ سب بہتر کرے گا آپ دعا کیا کریں...... دعا ہی تو کرتی ہوں''......

''جائیں آپ آرام کرلیں...... میں انہیں دوائیں وغیرہ دے کر جاؤں گی''......

''انا'' انہوں نے مجھے پکارا...... ''جی''......

''سنبھال لے بیٹا'' ''احسن'' کو...... اسے اور بکھرنے نہ دے...... تو یہ کر سکتی ہے''...... میں نے حیرت سے امی کی طرف دیکھا انہوں نے مجھے دیکھتے ہوئے آنکھیں صاف کیں اور پھر بات ادھوری چھوڑ کر اندر چلی گئی خیر اس وقت میں ان سب باتوں کے بارے میں غور کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی: اس لیے ان کا جذباتی درعمل سمجھ کر نظر انداز کر گئی میں نے دودھ کا گلاس بنایا اور ان کے کمرے کی طرف گئی رات ہال کی روشنیوں کو مدہم کرتے ہی اتنا بڑا گھر کچھ آسیب زدہ لگتا تھا اور جانے کیوں مجھے خوف آتا تھا اس لیے ہمیشہ رات کو لاؤنج سے تیز چلا کرتی صرف ایک انسان کے جانے سے گھر کی حالت ایسی بھی ہو جاتی ہے ایک دم سے بابا کی طرف خیال گیا کہ کیسے انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے پیاروں کو کھویا ہے کیسے صبر کیا ہوگا انہیں؟...... اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ بابا نے حویلی کیوں چھوڑی ہوگی؟...... اور اب زندگی وہ ہی سب کچھ ''احسن'' کے ساتھ دوہرا رہی تھی...... اکثر اوقات زندگی اپنے آپ کو انہیں لوگوں کے سامنے دوہراتی ہے جو اسے پہلے گزار چکے ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو اسے بھول ہی نہیں پاتے اور وہ دوبارہ یاد کرانے آجاتی ہے۔

میں دروازے پر دستک دے کر اندر چلی گئی تو وہ اپنے پلنگ پر بیٹھے معمول کے مطابق سامنے دیوار کو گھور رہے تھے۔ اور ہاتھ میں زرقا بھابی کی تصویر تھی میں نے دودھ کا گلاس سائیڈ میز پر رکھا۔ ان کی دوائیں نکال کر ان کی طرف بڑھائیں۔ تو خاموشی سے انہوں نے دوائیں کھا لیں ان کی حالت دیکھ کر مجھے بھی رونا آرہا تھا اپنے اندر گھٹتے جا رہے تھے اور کسی سے کچھ کہتے بھی نہیں تھے ''اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں!''......

انہوں نے پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے میری جانب دیکھا اور گلاس میری طرف بڑھا دیا......

''مجھے صرف اتنا کہنا ہے۔ کہ آنٹی نے جو باتیں کیں وہ سو فیصد درست تھیں۔ کچھ بھی غلط نہیں کہا تھا انہوں نے...... بلکہ یہ ان کا بڑا پن ہے۔ ان کا احسان ہے کہ

وہ آپ کی خوشی میں اپنے دکھ کو بھلا چکی ہیں...... ایسے لوگ بہت کم ہوا کرتے ہیں...... اور یہ بات آپ بھی بڑی اچھی طرح سے جانتے ہیں...... زرقا بھابھی آپ کے ساتھ تین چار سال رہی تو ان کے جانے سے آپ کا یہ حال ہے...... تو خود سوچیں کہ انہوں نے انہیں 26 سال اپنے پاس رکھا۔ پالا...... پرورش کی...... اور اس پر ظلم یہ کہ ان کی کوئی اور اولاد بھی نہیں...... ان دونوں کی حالت کی بارے میں اگر سوچیں گے تو آپ کو اپنا دکھ شاید کچھ کم لگے''...... کچھ لمحے رکنے کے بعد بعد گہری سانس لی۔

بہر حال میں یہاں آنٹی انکل کی وکالت کرنے نہیں آئی۔ اور نہ ہی س کی مجھے ضررت ہے۔ حقیقت آپ مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں...... ان کی تمام تر باتیں صحیح ہونے کے باوجود میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتی ہوں۔

کہ! اب جو آپ کا دل کرتا ہے وہ کریں...... جس کام میں جس طرح زندگی جس انداز سے بھی جینا چاہتے ہیں ویسے جئیں...... جس احساس سے آپ کو سکون آپ کو خوشی ملتی ہو۔ اس احساس کو محسوس کریں...... اگر اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو بھول جائیں ساری حدیں...... بابا نے ابا' اماں۔ آنٹی' انکل سب کو بھول جائیں...... بس خود خوش رہیں...... یہ زندگی آپ کی ہے۔ اگر اس کمرے میں خود کو بند رکھنے سے آپ کو حقیقت میں خوشی ہوتی ہے تو ''احسن'' میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آج کے بعد آپ کی خوشی میں دخل اندازی نہ خود کروں گی اور نہ کسی کو کرنے دوں گی آپ کل نکاح پر نہیں جانا چاہتے مت جائیں...... میں اکیلی چلی جاؤں گی۔ اور کوئی آپ سے کچھ نہیں کہے گا مگر ایمانداری سے خود فیصلہ کریں کہ آپ اس کمرے میں بند کیا خوش رہنے کے لئے ہیں؟...... یا اپنے آپ کو سزا دینے کے لئے......؟ زرقا بھابھی کے پاس اپنی خوشی کے لیے جاتے ہیں یا خود کو یہ احساس دلانے کے لئے کہ وہ ابھی بھی آپ کی بیوی ہیں''؟...... اور ان کی زندگی کی وفاؤں کا بدلہ آپ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبر پر گھٹنوں گزارنے اور اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں سے روکے رکھنے سے دے رہے ہیں...... یہ وہ سوال ہیں جن کا جواب صرف اور صرف آپ کے پاس ہے۔ جن کی حقیقت سے صرف آپ واقف ہیں...... اور کچھ بھی ہو۔ حقیقت کو چھپایا نہیں جا سکتا...... ہو سکے تو مجھے بتا دیں کہ آپ کی خوشی کیا ہے؟ آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں''...... اور اس بات کا یقین تو آپ کو ہوگا کہ میں آپ کے بھروسے پر پوری اتر سکتی ہوں۔ کیونکہ بچپن سے آپ کے سامنے ہوں۔ مگر صرف اپنے دل کی سنیں ''اس بار صرف ''دل'' کی!''......

میری باتوں کے دوران وہ بار بار میری طرف دیکھ رہے تھے مگر کچھ بولے نہیں میں یہ کہہ کر کمرے سے نکلنے لگی اور پھر مڑ کر ان کی طرف دیکھا وہ سر جھکائے بیٹھے تھے۔''ایک بات اور''انہوں نے سنا تھا یا مگر میری جانب دیکھا نہیں۔

''ساری زندگی خاموش رہ کے دیکھ لیا......! اب کوشش کر کے لفظوں سے دوستی کر لیں۔ بعض اوقات لفظ ہمیں ان لوگوں کے قریب لے جاتے ہیں۔ جن کے قریب ہم ہونا چاہیں...... اور خاموشی ہمیں انہیں لوگوں سے دور کر رہتی ہے جن سے ہم بہت پیار کرتے ہیں......''اس لیے ہو سکے تو بات کریں...... کسی سے بھی...... اپنے دل کا بوجھ۔ اپنے دل کی بات...... اور اگر اس کے لئے آپ میرا انتخاب کریں گے تو میری زندگی میری ذات پر، آپ کا احسان ہو گا''......! یہ کہہ کر مجھ سے وہاں رکا نہیں گیا...... بلکہ سچ بات تو یہ ہی تھی کہ یہ سب کہنے کے بعد وہ مجھ میں وہاں رکنے کی ہمت ہی نہ رہی۔ اور میں ایک دم سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

اگلے دن نہ میں آفس گئی اور نہ ہی فرحان۔ صبح ''احسن'' کے ساتھ قبرستان گئی اور معمول کے مطابق ان کا انتظار قبرستان کے باہر ہی کیا اور پھر واپسی پر احسن بالکل خاموش تھے ان کی خاموشی مجھے چبھتی رہی۔ مگر اس میں ان کی مرضی شامل تھی اور میں کسی بھی طرح ان کی مرضی میں دخل اندازی نہیں کر سکتی تھی رات کو ان سے وعدہ بھی کر لیا تھا گھر آ کر وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے گئے آج الماس آنٹی کچھ دیر سے آئیں تھیں اور آتے ساتھ انہوں نے مجھ سے ان کو خیریت دریافت کی میں نے ان کی خاموشی خیرت سے انہیں باخبر کر دیا تھا...... بابا اپنے کمرے میں تھے جب میں ان کے کمرے میں گئی تو کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی اور پھر کچھ ہمت کر کے اس دن پہلی مرتبہ بابا سے بات کرنے کی اجازت مانگی''بابا مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔ بلکہ ڈِسکس کرنا ہے۔ آپ کے پاس کچھ وقت ہو گا؟......انہوں نے چشمے کو ذرا سرکا کر ناک کی نوک پر کیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولے''کیسی بات بیٹا''......؟ بس ہے ایک بات بابا......آپ مجھے بتا دیں کے آپ کے پس مناسب وقت کب ہو گا......جس وقت آپ مکمل طور سے مجھے بتانے کے موڈ میں ہوں تب''،......''مجھے لگتا ہے کوئی خاص بات ہے جس پر ہماری بیٹی ہماری پوری توجہ چاہتی ہے''...... کتاب کا صفحہ آگے کرتے ہوئے بولے۔

''جی بالکل بہت خاص بات ہے''......میں نے قدرے شرارت سے کہا......

''اچھا چلیں پھر رات آپ اچھی سی چائے بنا کر لے آئیں......رات کو بات کرتے

ہیں ابھی تو آپ کو کام بھی ہو گا۔ اور شام کو آپ نے نکاح پر بھی جانا ہے۔ کیا خیال ہے؟'' بابا نے مجھ پر پیش کرتے ہوئے کہا...... ''ٹھیک ہے۔ جیسے آپ کی مرضی۔''

''فرحان بھی جائے گا آپ کے ساتھ...... بابا نے پوچھا۔

جی بابا۔ وہ مجھے آکر لے جائے گا...... آنٹی کی باتوں کا ان پر تو کوئی اثر نہیں ہوا......

یہ تو نہیں جائیں گے''...... میری بات کاٹتے ہوئے بولے۔ ''احسن نے منع کر دیا کیا......؟ نہیں بابا منع تو نہیں کیا۔ پر جائیں گے بھی نہیں...... اور میرے خیال سے ہمیں انہیں مزید تنگ نہیں کرنا چاہئے۔ ان کے ذہن پر دباؤ۔ نہ ہی پڑے تو زیادہ اچھا ہے''...... ''ہاں یہ تو ہے''...... چلیں ٹھیک ہے بابا ہم رات کو بات کریں گے'' ٹھیک ہے بیٹا...... مگر ایک کام کرنا...... میرے لئے یخنی بھجوا دوں گلا کچھ خراب ہے...... کھانا میں ابھی نہیں کھاؤں گا''۔ ''ٹھیک ہے بابا میں بھجواتی ہوں''......

نیچے امی اور آنٹی اپنی گپ شپ میں مصروف تھیں ''بوا بابا کو یخنی دے آئیں'' میں کچھ دیر کے لئے کمرے میں آئی اپنے کپڑے وغیرہ تیار کیے۔ اور فرحان کو فون کر دیا۔ فرحان شاید گھر سے باہر تھا کہیں...... ''ہاں'' ''انا'' کیا بات ہے''...... وہ جلدی میں بولا۔ ''فرحان شام کو تم مجھے لیتے جانا...... احسن تو نہیں جائیں گے...... تم ویسے ابھی ہو کہاں۔ یار وہ کیمرہ کے لینس لینے آیا ہوں۔ تمہارے والا کیمرہ بھی میرے پاس ہی ہے۔ میں ساتھ لے جاؤں گا پرسوں صبح گیارہ بجے کی فلائیٹ ہے میری۔ ٹھیک ہے میں شام ساڑھے سات بجے تک پہنچ جاؤں گا تم تیار رہنا......

Ok''...... یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا......!

امی نے انعم کے لئے تحفے وغیرہ پیک کروانے اور ایک لفافے میں کچھ رقم نقد دے دی پچھلی بار یہ سب امی نے زرقا بھابھی کے سپرد کیا تھا اور اس بار یہ لفافہ لیتے ہوئے زرقا بھابھی کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ مگر میں اس وقت ذکر نہیں کرنا چاہتی تھی جس کے حصار سے امی اور الماس آنٹی گھنٹوں نہ نکل پائیں۔ امی بولی ''احسن نے کھانا کھایا ہے تھوڑا سا ابھی ہو کر آئی ہوں وہ سو رہا ہے تم یہ سامان اپنے کمرے میں لے جاؤ کچھ دیر آرام کر لو پھر شام کی تیاری کر لینا''۔ میں وہ لفافے وغیرہ اپنے کمرے میں لے گئی......

نیند کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا مگر زرقا بھابھی کی یاد پہروں میں میرے ساتھ رہتی اور پھر احسن کی زندگی کی بے بسی۔ جیسے ختم کرنا۔ یا کم کرنا۔ ہمارے بھی بس میں نہ تھا۔ سوائے اس کے کہہ چند آنسو بہا کر دعا کر لیں۔ نماز پڑھ کر میں نے بھی دعا کی یا اللہ کوئی رستہ دکھا دے۔ کوئی

سبب کر دے۔

شام سات بجے میں تیار ہو کر نیچے آ گئی امی اور الماس آنٹی لاؤنج میں بیٹھی تھیں...... مجھے دیکھتے ہی الماس آنٹی نے کچھ پڑھ کر مجھ پر پھونک ماردی۔ ماشاءاللہ...... میں نے اس دن زرقا بھابھی کا یہی دیا ہوا سوٹ پہنا تھا۔ جو بلیک اور شوکنگ پینک کلر کی کنٹراسٹ میں تھا لمبا فراک اور چوڑی دار پجامہ، ساتھ شفعون کا ڈوپٹہ لیا، ہلکا سا میک اپ کیا تھا کہ کسی کو اس کی خوشی میں شرکت کا تاثر تو ملے۔ میں نے ساری چیزیں اکٹھی لاؤنج میں رکھ دیں۔ "" "انا" احسن نہیں جارہا الماس آنٹی نے مجھ سے پھر پوچھا"...... "نہیں آنٹی...... ان کا کوئی پروگرام نہیں لگتا۔ اور بس انہیں تنگ نہ کریں میں وہاں معذرت کرلوں گی انعم سمجھ دار لڑکی ہے سمجھ جائے گی...... فرحان آتا ہی ہوگا میں ذرا بابا سے مل آؤ"...... میں اوپر بابا کے پاس چلی گئی...... بابا نے مجھے پیار کیا میں جب نیچے آئی تو بوا ہاتھ میں تھالی لیے کھڑی تھی مگر چہرے پر ایک دکھ کا تاثر تھا میں بوا کی طرف بڑھ گئی بوا میری طرف بڑھتے بڑھتے ایک دم چونک کر رک گئی امی اور الماس آنٹی لاؤنج میں بیٹھی مجھے دیکھ رہی تھیں اس وقت نہ مجھے پتہ تھا۔ نہ امی اور الماس آنٹی کو...... مگر بوا کے چونکتے ہی۔ امی نے کہا "کیا ہو گیا ہے بوا"...... مگر بوا ایک دم سے پتھر بنی کھڑی رہی۔ میں نے ان کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے جب مڑ کر دیکھا...... تو جیسے میں بھی پتھر کی ہو گئی تھی...... میں نے عین پیچھے سفید سادہ کرتے شلوار میں کالے رنگ کی جوتی پہنے اپنی شفاف رنگت اور بوجھل آنکھوں کے ساتھ احسن کھڑے تھے امی اور لماس آنٹی میرے تاثرات کو جاننے کے لیے جب آگے بڑھی تو احسن کو میرے ساتھ کھڑے دیکھ کر ان کے چہرے پر ایک دم سے دھنک کے ساتوں رنگ کھل اٹھے بوار کی کیوں ہو؟ نظر اتارو میرے بچوں کی...... خدا خیریت سے لے کر جائے اور خیریت سے واپس آئیں"...... الماس آنٹی نے آگے و کر احسن کے ماتھے پر پیار کیا "مجھے ناز ہے تم پر میرے بچے"...... امی تو خوشی سے ابا کو بلانے بھاگی ابا بھی کمرے سے باہر آگئے ابا نے اپنی جیب سے چند نوٹ نکالے اور انہیں احس کے سر سے وار کر بوا کے ہاتھ میں تھما دیے بوا کی آنکھوں میں خوشی سے موتی چمکنے لگے۔

"دیکھا بیٹا تمہارے ذرا سے تعاون سے تمہارے سارے گھر والے کیسے دمک اٹھے ہیں"...... الماس آنٹی نے "احسن" کی ہمت بڑھانے کے لئے کہا...... "انہوں نے بنا کچھ جواب دیتے کہا میں ذرا بابا کو بتا آؤں"...... "ہاں ہاں جاؤ"...... امی نے آگے بڑھ کر کہا...... تو وہ آرام آرام سے سیڑھیاں چڑھنے لگے...... میں نے ایک دم سے فرحان کو فون ملایا "فرحان

کہاں ہو؟'' ...... میں جناب مِس ''انا'' آپ کے گھر کے گیٹ کے عین سامنے'' ......اس نے گاڑی روکتے ہوئے کہا...... ''کیوں خیریت''؟...... ''ہاں وہ احسن آرہے ہیں۔ Great چلو میں چلتا ہوں تم دونوں آ جاؤ۔ مجھے ابھی پھولوں کے گل دستے بھی بنوانے ہیں......تمہارے لیے بھی بنوا لوں'' ...... ''ہاں بنوا لینا'' ......

''ٹھیک ہے پھر احسن کو لے کر آرام آرام سے آنا...... میں تم سے پہلے پہنچ جاؤں گا'' ......فرحان نے جلدی سے کہا......

''سنو فرحان'' ...... میں نے کچھ ٹھہر کر بولنے پر اس نے ایک دم سے مجھے جواب دیا ہاں ہاں ٹھیک ہے You are most well come 'خوش۔ او کے' See you یہ کہہ'' کر اس نے فون رکھ دیا......اور باہر سے ہی چلا گیا......احسن کے آنے پر سب لوگ ہمیں گیٹ تک رخصت کرنے آرہے ہوں۔ جیسے ہم شاید بہت بڑے محاذ پر روانہ ہو رہے تھے ویسے محاذ ہی تو تھا......آج زرقا بھابھی کے جانے کے بعد ''احسن'' پہلی مرتبہ قبرستان اور ہسپتال کے علاوہ کسی جگہ جانے کے لئے گھر سے نکل رہے تھے......وہ بھی دوسروں کی خوشی کے لئے۔

بابا مسلسل کچھ پڑھ کر ان پر پھونکتے جا رہے تھے اور الماس آنٹی کے چہرے کی رونق تو صاف عیاں تھی میں نے گاڑی پورچ سے باہر نکال کر سڑک پر ڈال دی۔ سب کے چہرے پر آج کسی حد تک اطمینان محسوس ہو رہا تھا کتنا عجیب احساس ہوتا ہے یہ خوشی کا احساس بھی پل بھر میں چہرے پر دکھ کے تمام تاثرات کو ایسے غائب کر دیتا ہے جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں میں نے گاڑی میں ہلکا ہلکا میوزک آن کر دیا اور گاڑی کو High way پر ڈال دیا انعم کا گھر ہمارے گھر سے تقریباً گھنٹے کی ڈرائیو پر تھا مجھے کچھ کچھ گھبراہٹ سی ہو رہی تھی احسن خاموش تھے اور کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے۔ میں نے دو چار بار ان کی طرف مڑ کر دیکھا...... سچ کہتے ہیں۔'' محبت خوبصورت ہوتی ہے''

ہم جس چیز سے جب محبت کرتے ہیں...... وہ انتہائی خوبصورت اور ساری کائنات میں سب سے زیادہ حسین لگتی ہے۔''

میں بچپن سے ''احسن'' کو اپنے سامنے دیکھتی آئی ہوں۔ مگر اس وقت مجھے ان سے محبت نہیں تھی تو یہ مجھے خوبصورت بھی نہیں لگتے تھے مگر اب جب سے میرے دل میں ان کے لئے محبت کا احساس پیدا ہوا ہے۔ تو واقعی یہ مجھے اس دنیا کے حسین ترین شخص لگتے تھے......ان کی شفاف رنگت پر ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی بھورے رنگ کی ڈاڑھی۔ بھورے بھورے لمبے بال جو کانوں

کی ''لو'' کو چھپائے ہوئے ہلکے ہلکے گھنگرالے ہوئے۔ اور چہرے میں معصومیت اور آنکھوں میں دنیا جہان کا درد چھپاتے بہت حسین لگتے تھے...... پتہ نہیں ''حسین وہ شخص ہوتا ہے۔ یا پھر وہ محبت جو اس شخص کو حسین بنا دیتی ہے؟

مگر شاید یہ محبت کا جذبہ ہی ہے جو مجسم ہو کر کسی کو خوبصورت بنا دیتا ہے۔ اور پھر وہ خوبصورت چیز دل کو اپنے حصار میں کر لیتی ہے۔ کبھی آزادانہ کرنے کے لئے خاموشی طویل ہو چکی تھی...... اسے توڑنے کے لئے میں نے ہی بات شروع کی...... ''آپ نے بہت اچھا کیا آ کر ...... میں جانتی ہوں آپ اپنی خوشی کے لئے نہیں آئے...... مگر آج آپ نے بہت سے لوگوں کے پیار کا بھرم دکھ لیا...... انہیں مزید دکھی ہونے سے بچا لیا...... انہیں یہ احساس دلا دیا کہ ان کا ہونا آپ کے لئے بہت اہم ہے''...... احسن نے مڑ کر میری طرف ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر خاموشی سے باہر دیکھنے لگ گئے...... اس وقت وہ واقعی دنیا کے سب سے پیارے انسان لگ رہے تھے اور مجھ اکثر ان میں بابا کا عکس نظر آیا کرتا تھا گاڑی انعم کے گھر کی گلی میں ڈال لی مجھے دور سے ہی فرحان کی گاڑی پارک ہوئی نظر آ رہی تھی اس تنگ سی گلی میں مشکل سے گاڑی گھسائی تھی۔ انعم کے گھر دروازے پر ہی اس کے والد کھڑے تھے۔ مجھے اور احسن کو دیکھتے ہی جیسے ڈورے چلے آئے۔ ''بسم اللہ...... آپ نے تو میرا سر فخر سے بلند کر دیا۔ جی آیاں نوں''۔ بسم اللہ وہ تو بچھے بچھے جا رہے تھے۔ احسن اپنے زخمی پاؤں کی وجہ سے ذرا سنبھل کر چل رہے تھے۔ اوہ ''احسن'' میاں آپ کو چوٹ کیسے لگی''۔ ''تو مسکراتے ہوئے جی کچھ نہیں ہلکا سا زخم ہے احتیاطً پٹی باندھ رکھی ہے''۔ انعم کی امی بھی بھاگتی ہوئی باہر آ گئی...... انعم کے والد نے مجھ سے گاڑی کی چابیاں لیں۔

''انا بیٹے مجھے دیں میں گاڑی Park کرا دوں گا''...... دو لڑکوں نے میری گاڑی سے تحفے نکالے اور اندر آ گئے میں نے انعم کی امی کے حوالے وہ تحفے کیے کہ یہ سب امی نے بھیجے ہیں اور یہ لفافہ بھی آپ کے لئے انہوں نے بھیگی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا آپ اور احسن بیٹا اپنے دکھ کو بھلا کر ہماری خوشی میں آئے ہو میں تو اس کا بدلہ نہیں چکا پاؤں گی'' یہ سب''...... ایک دم سے میں نے انہیں ٹوک دیا ''آنٹی یہ سب امی نے بجھوایا ہے انعم کے لئے...... وہ بھی تو بیٹی ہے اور آنٹی نے بھائی کو بلایا تھا تو کیا بھائی بہن سے خالی ہاتھ ملتا ہے کبھی؟''...... ان کی آنکھوں سے ان کی شکر گزاری ٹپکنے لگی ''آپ چلیں اندر آئیں''...... ''آنٹی آپ یہ سب رکھوائیں ہم اندر خود چلیں جائیں گے۔ انعم کا گھر چھوٹا سا تھا۔ باہر صحن میں چند کرسیاں لگی تھی اور عورتیں اندر کمروں میں تھی۔ میری نظر فرحان کو ڈھونڈنے لگی...... اتنے میں

آواز آئی ''احسن بھائی''۔ ہم نے مڑ کر دیکھا تو فرحان ہاتھ میں گل دستہ لیے کھڑا تھا...... وہ پہلے احسن سے ملا پھر پھولوں کو میری طرف بڑھاتے ہوئے۔ شرارت سے بولا۔

''ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے''

اس کے چہرے پر شرارت سے بھری مسکراہٹ کا جواب دیتے ہوئے میں نے اس کے ہاتھوں سے پھول جیسے چھینتے ہوئے۔ شرارت سے ہی جواب دیا۔

عشق محبت کیا جانوں میں لیکن اتنا جانوں ہوں
اندر ہی اندر جیسے میرے دل کو کوئی کھاتا ہے
عاشق اپنا جان لیا ہے ان نے شاید میر ہمیں
دیکھ بھری مجلس میں اپنی ہم ہی سے شرماتا ہے

''اوہو۔ اب تو شاعری بھی کرنے لگیں ہیں میڈیم''...... اس نے مجھے چھیڑا۔

''بھئی سوال جس زبان میں کرو گے تو جواب اسی زبان میں دیا جائے تو مزا آتا ہے نا''......

''اب Computer سے لگاؤ کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم ادب سے بالکل ہی کٹ گئے ہیں آخر بابا جان کی بیٹی ہوں۔ کوئی عام بات تو نہیں ہے یہ...... فرحان صاحب''

''ٹھیک ہے یار مان لیا...... ویسے بہت پیاری لگ رہی ہو۔ کبھی کبھی لگتی ہو کہ میری دوست ہو...... کیوں احسن بھائی صحیح کہہ رہا ہوں نا!؟''...... تو احسن نے ہلکی سی مسکراہٹ پر ہی اکتفا کیا......

''چلیں آئیں پہلے انعم سے مل لیتے ہیں پھر نکاح کی رسم شروع ہو جائے گی تو موقع نہیں ملے گا''۔ اتنے میں سامنے سے آنٹی آتی نظر آئیں...... ''ارے آپ لوگ ابھی یہی کھڑے ہیں اندر آئیں''...... ''آنٹی پہلے انعم سے ملا دیں۔ پھر رسم شروع ہو جائے گی تو شاید موقع نہ ملے''...... ''ہاں ہاں ضرور کیوں نہیں...... آؤ' آؤ بیٹا احسن'' ہم تینوں آنٹی کے پیچھے ادار کمرے میں چلے گئے عورتوں سے بھرا کمرے کے اندر ایک چھوٹا سا دروازہ تھا اور پھر ایک اور کمرہ جہاں انعم سفید کام دار جوڑے میں بیٹی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی جیسے اچھل پڑی ہو۔''''انا'' شکر ہے تم آ گئی''...... اس نے مجھے ایسے گلے لگایا جیسے کبھی چھوڑے گی نہیں...... ''احسن بھائی''۔ پھر وہ احسن سے ملی...... اور احسن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا...... فرحان سے بھی گلے ملی۔ احسن

بھائی۔ آپ نے آج بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا...... آپ سوچ بھی نہیں سکتے...... کہ مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے''۔ انعم کی آنکھیں بھیگنے لگیں...... ''نہیں انعم تم شرمندہ کر رہی ہو۔ تم نے بلایا تھا تو یہ کیسے نہ آتے''۔ احسن خاموش تھے مگران کی طرف سے جواب میں نے دے دیا......

انا میں جانتی ہوں کہ آپ کا گھر دکھ کے بادلوں سے گھرا پڑا ہے۔ اور آپ دونوں جن کی اپنی زندگی ہی ادھوری ہوگئی۔ میری خوشی باٹنے میرے گھر آئے ہیں۔ میں خدا سے دعا کرتی ہوں۔ کہ آپ دونوں کی زندگی میں اب کوئی دکھ کبھی نہ آئے''...... انعم نے روتے ہوئے ''احسن'' کی طرف دیکھا احسن نے مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔ جس پر انعم کی امی بولیں...... ''بیٹا دلہن اور دولہے کی اس وقت کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے''...... ''یار میں بھی آیا ہوں ساتھ انعم''! فرحان نے ایک دم سے موقعے کی سنجیدہ کیفیت کو بدلنے کے لئے ایک اور شرارت کی۔ ''یار انعم میری دوست ہوتے ہوئے مجھ سے ہی بے وفائی۔ مجھے بھی کوئی دعا دے دو...... یار آخر میں غریب بھی بڑی دور سے آیا ہوں''...... تو انعم نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا...... ''فرحان۔ تم تو خود ہی ''دعا'' ہو...... اتنے پیارے اتنے Loving...... خدا تمہیں ہمیشہ ایسے ہی ہنستا مسکراتا رکھے۔ اور تمہیں تمہاری ہی عادت والی۔ پیاری سی۔ اور پیار کرنے والی بیوی بھی دے اور ہاں مجھے اپنی شادی پر بلانا بھولنے نہ تو میں اپنی دعا واپس لے لوں گی''...... انعم نے شرارت سے فرحان کو مضوعی غصے سے چھیڑا۔ ''او نہیں یار۔ اتنی اچھی اچھی دعائیں دینے والوں کو میں کیسے بھول سکتا ہوں'' فرحان نے آگے بڑھ کر انعم کو پھر پیار سے تھپکی لگائی۔ کہ باہر سے ایک لڑکی آواز آئی لڑکے والے آ گئے...... انکل نے کہا ہے کہ نکاح کی رسم کی تیاری کریں: ''میں انعم کو پیار دے کر کمرے سے باہر نکل آئی اور احسن کچھ گھبرا رہے تھے۔ فرحان نے ایک طرف تین خالی کرسیاں دیکھ کر ہمیں وہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا میں احسن کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی کچھ دیر بعد احسن بولے'''' ''انا'' یہ وہی جگہ ہے جہاں زرقا کھڑی تھی پچھلی بار...... میں دروازے سے اندر آیا تھا تو وہ یہی پر کھڑی تھی...... احسن سامنے دیکھتے ہوئے بڑے نارمل انداز میں سرگوشی کی میں۔ میں نے حیرت سے انہیں دیکھا...... کہ ہمارے سامنے سے مرد حضرات انعم کے کمرے کی طرف بڑھے اور ساتھ ہی انعم کی والدہ میری طرف آئی دیکھائی دیں۔ انہوں نے جھک کر کہا۔'''' ''انا'' بیٹے زرا اندر آ جاؤ...... انعم کی خواہش ہے چونکہ اس رشتے کے لئے تم نے راضی کیا تھا اس لیے وہ تمہاری موجودگی میں ہاں کرنا چاہتی ہے...... زرا تھوڑی دیر کے لئے اندر آ جاؤ''...... میں نے احسن کی طرف دیکھا تو بڑے آرام سے بولے ''جاؤ'' ''انا''''...... فرحان احسن کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ میں اٹھ کر اندر چلی گئی...... اور

پھر انعم نے میری موجودگی میں اپنے جیون کو کسی دوسرے کے حوالے کر دیا..... آج انعم نے اپنے والد کے نام کو خود سے ہٹا دیا۔ اب سے کچھ لمحے پہلے تک ایک انجان انسان' جوان دو لفظوں کے بولے جانے کے بعد ان کی زندگی کا سب سے اہم حصہ بنا' اس کا نیا محرم' اس کا نیا سر برار..... اس نے اپنے نام کے ساتھ اس کا نام جوڑ لیا تھا..... نکاح کے بعد وہ سب سے پہلے اپنی والدہ کو ملی۔ پھر مجھے اور بھی میرے گلے کر وہ رونے لگی..... مگر وہ خوش تھی سکون میں تھی۔ اسے فیصلے پر اعتماد تھا میں کچھ دیر بعد کمرے سے باہر آ گئی۔

نکاح کی رسم مکمل ہوئی تو احسن نے میرے کان میں سرگوشی کی..... ''انا اب گھر چلیں..... مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اگر تمہیں یہاں رکنا ہے تو رک جاؤ فرحان سے کہو مجھے گھر چھوڑ آئے'' ..... میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو واقعی وہ بہت الجھے ہوئے تھے..... میں نے فرحان سے بات کی تو بولا'' ٹھیک ہے ''انا'' میں انکل اور انٹی سے کہتا ہوں..... میں جلدی سے اندر جا کر انعم کو مل آئی اور اسے بتا دیا کہ اب شادی پر آنا ممکن نہ ہوگا تو اس نے خوشی سے اجازت دے دی۔ وہ برا نہیں منائے گی۔ اس کے لئے ہمارا آج کا آ جانا ہی کافی ہے فرحان اپنے ہاتھ میں کیمرہ لیے ہم سب کی تصویریں اتار رہا تھا..... اور پھر آنٹی نے جلدی سے بنا بتائے ایک میز ہمارے سامنے لگا کر اس پر کھانا رکھوایا.....

''بیٹا آپ لوگوں کی شان کے مطابق تو نہیں مگر ایک نوالہ لے لو گے تو ہم غریبوں کا مان بڑھ جائے گا..... پچھلی مرتبہ بھی آپ لوگ بنا کچھ کھائے ہی چلے گئے تھے۔ زرقا بیٹی بھی''! کچھ کہتے کہتے آنٹی رک گئی شاید انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ احسن کے سامنے زرقا بھابی کے ذکر سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ میں نے تھوڑے سے چاول احسن کو پلیٹ میں ڈال کر دیے انہوں نے بے دلی سے پلیٹ لے لی۔ میں نے اور فرحان نے بھی تھوڑا سا کھانا کھایا اور پھر ''احسن'' کی طبیعت کا عذر پیش کرتے ہوئے وہاں سے رخصت لی، انعم کے ابو مہمانوں کی موجودگی کے باوجود ہمیں گاڑی تک چھوڑنے آئے اور دوبارہ احسن کا شکریہ ادا کرنے لگے احسن نے انہیں تسلی دی اور پھر دل رکھنے کے لئے پہلی مرتبہ بولے'' انکل یہ میرا اپنا گھر ہے۔ اور انعم میری بہن ہے۔ میں دوبارہ ضرور آؤں گا..... آپ کو جب میری ضرورت ہو''انا'' کے ہاتھ پیغام بھجوا دیں میں خود آ جایا کروں گا''..... اس بات سے ہی انکل اتنے خوش ہو گئے جیسے انہیں دنیا کی دولت حاصل ہو گئی ہو.....

فرحان نے وہیں کھڑے کھڑے بتایا'' ''انا'' کل صبح دس بجے میں ائیر پورٹ کے لئے نکل جاؤں گا۔ کی، چھ دن لگیں گے۔ تمہارا یہ کیمرہ بھی ساتھ لے جاؤں گا ضرورت پر تم

آفس کا چکر لگا لیا کرنا...... اگر کچھ دن زیادہ روکنا پڑا تو میں تمہیں بتا دوں گا۔ Ok ''...... فرحان احسن سے مل کر چلا گیا اور ہم لوگ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر گھر کے لئے روانہ ہوئے......

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے''؟ میں نے احسن سے پوچھا!

''ہاں ٹھیک ہے بس کچھ گھبراہٹ ہو رہی تھی وہاں...... اس لیے......''

آپ سے ایک بات پوچھوں......؟

''پوچھو!''

''آپ ڈرائیور کیوں نہیں کرتے؟'' جانے کیوں اس وقت اچانک میرے ذہن میں یہ سوال آ گیا......

جواب میں ان کی وہی خاموشی......!

میں نے دوبارہ پوچھا......

''بس اب دل نہیں کرتا...... ڈر لگتا ہے اب گاڑی چلانے سے...... اور ایک پچھتاوا سا رہتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات مجھے اب خود پر اعتبار ہی نہیں...... میں اپنی وجہ سے اپنی لاپرواہی کی وجہ سے ایک بے گناہ کی جان گنوا بیٹھا ہوں...... اب دوبارہ یہ گناہ اپنے سر نہیں لینا چاہتا''......؟ مجھے ان کا جواب سن کر حیرت ہوئی...... ''آپ نے کس کی جان لی ہے جو ایک احساس گناہ کے مرتکب ہوئے بیٹھے ہیں؟...... تو ایک دم سے بولے۔'' ''زرقا'' کی''......

''زرقا بھابھی کی؟ آپ نے جان لی ہے''......؟ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھا۔

''ہاں ''انا'' میں نے ہی لی ہے۔ میری لاپرواہی سے زرقا آج ہم میں نہیں...... اگر میں قابل اعتبار ہوتا۔ تو بابا مجھے ڈرائیو کرنے سے نہ روکتے...... میری غلطی تھی...... اسی لیے بابا نے ہماری گاڑی کو محبوب چچا کے ہاتھ میں سونپ دیا...... میں حقیقت میں اعتماد کے قابل نہیں ہوں...... کہ کسی کی ذمہ داری سنبھال سکوں...... اور اب دوسرے کیا مجھے خود میری ذات پر اعتماد نہیں رہا''...... میں ان کی باتیں حیرت سے سنتی رہی ان کی یہ فضول سی ضد اور احساس کمتری تھی یا احساس گناہ جو بھی تھا حقیقت سے بہت دور تھا......

ان کے چہرے پر موجود بے بسی اور لاچاری، مجھ سے اس وقت برداشت نہیں ہو سکی۔ میری گاڑی اس وقت سنسان سڑک پر سے گزر رہی تھی اور Hig way road تقریباً 10 منٹ کے فاصلے پر تھی جانے کیوں میں نے ایک طرف اچانک گاڑی روک دی تھی اور خود

گاڑی سے باہر نکل کر "احسن" والی طرف آ کر کھڑی ہو گئی...... میرے اس اچانک ردعمل پر جو کیوں تھا اس کا مجھے خود بھی پتہ نہیں تھا...... انہوں نے شدید حیرت سے میری طرف دیکھا اور ایک دم سے پوچھا...... "کیا ہوا "انا" باہر کیوں آ گئی ہو" ...... میں نے چند لمحے ان کی آنکھوں میں دیکھا...... اور پھر دائیں بائیں دیکھا رات کے بارہ بجے اس سڑک پر سے کوئی ایک آدھ گاڑی بمشکل گزر رہی تھی...... "انا" What happend ...... کچھ نہیں! آپ ڈرائیو کریں" ...... میں نے بڑی سادگی سے کہتے ہوئے ہاتھ سینے پر باندھ لیے اور خود گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی...... وہ ایک دم سے طنزیہ سی مسکراہٹ دیتے ہوئے بولے۔" دماغ خراب ہے تمہارا۔ چلو آ کر Drive کرو"۔ میں نے ایسے ظاہر کیا جیسے میں نے سنا ہی نہیں۔ اچانک ایک گاڑی ہمارے پاس آ کر رکی...... اس میں ایک آدمی نے پوچھا" Do you need some help" جس پر "احسن" ایک دم سے گاڑی سے باہر نکل آئے...... "نہیں جناب بہت شکریہ۔"

"تو وہ بولا میاں یاں ایسے کھڑے رہنا ٹھیک نہیں...... کسی آبادی والے علاقے میں جتنی جلدی ہو پہنچ جاؤ...... آج کل کے حالات سے تو واقف ہو نا"...... احسن نے اسے تسلی دی۔ "جی بہت شکریہ۔ تو وہ گاڑی والا آگے بڑھ گیا......

"کیا بے وقوفی ہے "انا" " اب وہ قدرے غصے میں تھے...... "یہ سب تماشہ کیوں کر رہی ہو...... چلو شاباش گاڑی چلاؤ...... چلو...... جلدی کرو"۔ اب وہ کچھ گھبرا بھی رہے تھے۔ اور ان کے چہرے پر میں اپنے لیے غصے اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات بھی دیکھ رہی تھی......

Sorry "جی۔ میں نہیں چلاؤں گی...... آپ کو Drive کرنا ہو گی۔ ورنہ کھڑے رہیں ساری رات۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے"......؟ میں نے لاپرواہی سے کہا...... تو وہ جیسے آپے سے باہر ہونے لگے...... "پاگل تو نہیں ہو گئی...... تم......"؟

"جی نہیں میں بالکل ہوش میں ہوں" ...... میں پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"کیا ثابت کیا کرنا چاہتی ہو تم یہ سب کر کے...... چلو گاڑی چلاؤ۔ یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں "انا" یہاں کے حالات سے تم واقف تو ہو اور گھر والے بھی سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔"......

"جی نہیں گھر کوئی پریشان نہیں ہو رہا ہو گا...... اور آپ سے کل بھی کہا تھا کہ اب اپنی فکر کیا کریں...... دوسروں کی فکر چھوڑ دیں...... اور میں یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ آپ کی یہ جو

فضول سی منطق ہے کہ زرقا بھابھی آپ کی وجہ سے چلی گئی یہ غلط ہے...... کوئی کسی کو نہیں مار سکتا جب تک خدا کا حکم نہ ہو...... اب وہ کیسے کس بہانے سے اپنے پاس بلاتا ہے یہ اور بات ہے۔ اس گاڑی میں آپ بھی تھے اور محبوب چچا بھی...... چند لمحے پہلے محبوب چچا گاڑی سے باہر کیوں نکلے؟...... آپ یا زرقا بھابھی کیوں نہیں نکلے...... اور پھر زرقا بھابھی کے ساتھ آپ بھی تو اسی کھائی میں گرے تھے...... تو زرقا بھابھی چلی گئی اور آپ اسی گہرائی سے موت کو چھو کر واپس آ گئے کیوں؟...... آپ بھی تو مر سکتے تھے بھابھی کے ساتھ یہ سارے وہ سوال ہیں......

جن کے جواب ہم انسانوں کے پاس نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے جوابات ہمیں تلاش کرنے چاہئے......"

"رہ گئی بات آپ کی کہ آپ پر کوئی اعتبار نہیں کرتا...... یا آپ خود اب اتنے بے اعتبار ہو چکے ہیں کہ نہ کسی پر اعتبار کرتے ہیں اور ہی یہ چاہتے ہیں کہ آپ پر کوئی اعتبار کرے۔ تو آپ سراسر غلط ہیں...... بابا نے آپ کی حفاظت کے لئے محبوب چچا سے ڈرائیو کے لئے کیا تھا...... اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ غلطی بابا کی بھی ہے۔ انہیں بھی آپ کی طرح احساس جرم میں مبتلا ہونا چاہئے...... یہ سب باتیں آپ کی غلط فہمی ہے...... بہر حال آپ خود پر اعتبار کر لیں یا نہ کریں...... کوئی دوسرا آپ پر اعتبار کرے یا نہ کرے مجھے اس کی پرواہ نہیں......

مجھے بس اس وقت ڈرائیو نہیں کرنی۔ اور مجھے اس بات پر پورا یقین ہے کہ اللہ کے بعد مجھے گھر تک اگر کوئی پہنچائے گا تو وہ آج آپ ہی پہنچاؤ گے...... میں آپ پر اعتبار کرتی ہوں اب میرا اعتبار کہاں تک محفوظ ہے...... یہ آپ مجھے بتائیں گے...... لیکن یہ بات یاد رکھیں......

گاڑی آپ کو ڈرائیو کرنا ہو گی...... ورنہ کھڑے رہیں یہاں...... اس سنسان سڑک پر اکیلے......؟ اور کوئی آئے نہ آئے پولیس تو آ ہی جائے گی نا"...... اس وقت ان کی آنکھوں میں میرے لیے قہر آمیز غصہ تھا...... ان کے بس میں نہیں تھا۔ "بڑے افسوس کی بات ہے کہ 'انا' میں تو تمہیں کافی سمجھ دار سمجھتا تھا"...... انہوں نے غصے سے مجھ پر طنز کیا......

"نہیں آپ یہ سمجھیں کہ میں اس دنیا کی سب سے کم عقل اور بے وقوف لڑکی ہوں ٹھیک...... اور جو سمجھنا ہے سمجھیں...... مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا"......

انہیں اب اندازہ ہو چکا تھا کہ میری ضد کے آگے ان کی نہیں چلنے والی۔ اس وقت مجھے انکے حال پر ترس بھی آ رہا تھا مگر شاید یہ موقع مجھے دوبارہ کبھی نہ ملتا...... اور یہ ہی موقع تھا کہ ان کے دل میں چھپے ڈر کو نکالا جائے۔

''''انا'' Please تم ڈرائیو کرلو......مجھ سے ڈرائیو نہیں ہو گی''۔اس بار وہ التجا کر رہے تھے......

''میں Wait کر رہی ہوں کہ اب کون سی اور کس کی گاڑی ہمارے پاس آ کر رکھتی ہے''......میں نے ایک بار پھر شدید ڈھٹائی کا ثبوت دیا......اور ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ ہم کزن ہیں۔سوائے اس کے بابا یا ابا آ کر ہمارے رشتے کی ضمانت دیں گے''......

انہوں نے الجھن سے اپنے ہاتھ اپنے بالوں پر پھیر......''خدایا کہاں پھنس گیا ہوں......''انا'' میرا پاؤں بھی دکھ رہا ہے''......''میں نے ایک نظر پاؤں پر ڈالی......''آپ آرام آرام سے Drive کرلیں گھر ہی جانا ہے......گھنٹے میں نہیں تو ڈیڑھ گھنٹے میں پہنچ جائیں گے کوئی جلدی نہیں اور پاؤں کے اس حصے پر وزن نہیں پڑتا گاڑی چلاتے وقت''......اس بار انہیں یقین ہو چکا تھا کہ ان کا کوئی بہانا نہیں چلے گا آخر بے بس ہو کر انہوں نے اپنے قدم ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے کی طرف بڑھا لیے جب وہ گاڑی میں بیٹھ گئے تو میں چھلانگ لگا کر گاڑی کے بونٹ سے نیچے اتری......اور فرنٹ سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی......اس وقت مجھے بے حد خوشی ہو رہی تھی......انہوں نے سٹیرنگ پر ہاتھ رکھ کر ایک لمبا سانس لیا......اور پھر میری طرف دیکھا......''

''چلیں، I trust you''

میں نے ایک پر اعتاد لہجے میں انہیں کیا......اس بار وہ بولے نہیں......گاڑی سٹارٹ کی......اور آہستہ سے روڈ پر لے آئے۔وہ گاڑی ایسے چلا رہے تھے جیسے پہلی بار میں نے جب Drive شروع کی تھی تو گاڑی کے سٹیرنگ کو پکڑتے بھی ڈر لگتا ہے۔جیسے گاڑی سٹیرنگ سے چلتی ہے۔

مجھے اس وقت ان کے حال پر ترس آ رہا تھا......یہ میرے ساتھ وہ شخص بیٹھا ہے جس کی Car سڑک پر ہوتی تو سڑک پر موجود دوسری کوئی کار اسے Cross کرنا تو دور اسے کے نزدیک بھی نہیں ٹھہر سکتی تھی انسان کی زندگی کے حادثے اسے کتنا کمزور کر دیتے ہیں کہ وہ اپنے قابل بھی خود کو نہیں سمجھتا میں انہیں دیکھے جا رہی تھی ان کے چہرے پر غصہ اور بے بسی ان کے حسن میں اور اضافہ کر رہے تھے ہماری گاڑی High way پر تھی اور رات کو عموماً ٹرک۔سڑکوں پر زیادہ ہوتے ہیں اور اس وقت صرف چند ایک گاڑیاں تھی جو سڑک پر تھی۔اور ہماری گاڑی دو ٹرکوں کے درمیان تھی۔اور ٹرک والا مسلسل ہارن اور Dipper دے رہا تھا کہ گاڑی کو آگے نکالا جائے......

''جس دن زرقا بھابھی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس دن آپ گاڑی نہیں چلا رہے تھے...... مگر آج گاڑی اور میں دونوں آپ کے رحم وکرم پر ہیں اور آہستہ گاڑی چلانے سے ضروری تو نہیں کر حادثہ نہ ہو؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا...... اور ویسے انسان کو کبھی کبھی ویسے ڈرائیو کر لینی چاہئے جیسے وہ کبھی اپنے کالج کے دنوں میں کرتا رہتا تھا'' ......

انہوں نے مڑ کر میری طرف دیکھا...... تو میرے چہرے پر ان کے لئے سوال تھا......

اور پھر......! قدرت کو میرے اور احسن کے حال پر رحم آ گیا...... یا شاید احسن کے دل کا بوجھ تھا کہ پلک جھپکتے گاڑی کی Speed high way 140 کو چھونے لگی...... اور پھر وہی دور ہوا کہ سڑک پر چلتی کوئی گاڑی کوئی ٹرک احسن'' کی گاڑی کے اردگرد نظر نہیں آ رہا تھا...... جانے وہ کس خیال میں تھے جہاں جس موڑ سے ہم نے اپنے ایریا میں داخل ہونے کے لئے مڑنا تھا احسن وہاں نہیں رکے اور نہ ہی میں نے انہیں روکا...... شاید یہ ہی وہ وقت تھا جب وہ اپنا غصہ اپنی بے بسی سے لڑ رہے تھے...... اور پھر گاڑی کی Speed وہاں جا کر کم ہوئی جہاں چیک پوسٹ آئی۔ تو انہوں نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا...... ''ہم کچھ آگے نکل آئے ہیں''۔ کوئی بات نہیں آگے u ٹرن ہے۔ ٹرن لے کر گھر کی طرف موڑ لیجئے گا......'' میں نے ان کے سوال کا بنا پوچھے ہی جواب دے دیا...... اس وقت احسن اپنے حواس پر کچھ قابو رکھ پائے تھے...... یوٹرن لے کر گاڑی کی Speed تو تیز تھی مگر اس بار انہیں معلوم تھا کہ کہاں سے مڑنا ہے...... ہم تقریباً رات ساڑھے بارہ پونے ایک بجے گھر پہنچے...... تو اس وقت سب لوگ لان میں ہی بیٹھے تھے......

امی اور بابا کے چہرے پر قدرے پریشانی کے تاثرات تھے جبکہ الماس آنٹی اور ابا مطمئن لگے...... بشیر انکل بھی پاس خاموشی سے بیٹھے تھے۔ گاڑی پورچ میں داخل ہوئی تو سب نے جیسے شکر کا کلمہ پڑھا ہو مگر مجھے ڈرائیونگ نہ کرتے دیکھ کر انہیں حرت ہوئی...... اور ''''انا'' احسن کہاں ہے۔ امی نے فکرمندی سے پوچھا تو میں نے ''مسکراتے ہوئے کہا'' گاڑی میں''...... میں نے الماس آنٹی کو پیار کیا اور بابا کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی...... ''گاڑی میں''......؟...... وہ حیرت زدہ تھیں......

''گاڑی کس نے چلائی بابا نے حیرت سے مجھ سے پوچھا......؟''

''بابا میں نے تو نہیں چلائی......''

اتنی دیر میں ''ابا'' نے احسن کی سائیڈ کا دروازہ کھولا...... اور زور سے قہقہہ لگا کر بے شاباش......''یہ ہوئی ناشیروں والی بات''......!

ابا نے احسن کو گاڑی سے باہر نکالا اور گلے میں بازو ڈالے۔ بولے ''یہ ہے میرا شیر

بچہ ...... Welldone'' بابا کے چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی اور امی اور الماس آنٹی نے نے چمکتی آنکھوں سے جیسے ایک دوسرے کو مبارک باد دی اور پھر آنٹی نے مجھے اپنی نظروں سے سرا لیتے ہوئے' دعا دی اور میں نے بھی اس کا جواب مسکرا کر دیا ''احسن'' کچھ جھینپے سے تھے جیسے انہوں نے کوئی ایسی غلطی کر دی ہو جس کا علم صرف انہیں ہو اور گھر والے انہیں اسی غلطی پر سراہ رہے ہوں وہ بشیر انکل سے ملے۔ اور پھر بابا نے کھڑے ہو کر انہیں اپنے سینے سے لگا یا......

''آج تم نے مجھے آزاد کر دیا...... آج تم نے مجھ بہت بڑے پچھتاوے سے آزاد کر دیا۔

کہ تم ایک لاچار زندگی میری وجہ سے گزار رہے ہو۔ تم نے میری یہ خلش آج دور کر دی یہ کہتے ہوئے بابا نے انہیں دوبارہ سینے سے لگا لیا''......اور میں چونکہ بابا کے پیچھے کھڑی تھی تو اچانک احسن کی نظر مجھ پر پڑی......جن میں کچھ تھا۔ مگر وہ میں پڑھ نہیں سکی۔ ''جاؤ بیٹا آرام کرو تھک گئے ہو گے۔''

امی نے آگے بڑھتے ہوئے انہیں اندر جانے کا کیا...... ''ہمیں بھی اب اجازت میں بس احسن کو دیکھ لیا۔ اب تسلی سے رات گزرے گی''۔ بشیر انکل نے اٹھتے ہوئے کیا......''جی ضرور اور آپ بھی جائیں بھائی صاحب'' ابا نے آگے بڑھ کر انہیں اجازت دی نہیں ''فکر کی تو کوئی بات نہیں تھی۔ ماشاءاللہ بچے تو نہیں سمجھ دار ہیں اب...... میں نے تو اس لیے انتظار کیا کہ ذرا ''انا'' سے پوچھوں انعم خوش ہوئی تھی۔ احسن کے جانے سے؟''۔ الماس آنٹی نے بڑا اعتماد لہجے سے کہا......

''جی آنٹی وہ بہت خوش ہوتی اور انکل آنٹی بھی بہت خوش ہوئے''......بس ٹھیک ہے بچوں۔ آرام کرو اب...... آپ سب بھی آرام کریں چلیں بشیر صاحب'' آنٹی نے سر پر ڈوپٹہ جماتے ہوئے گیٹ کی طرف چل پڑیں......اور ہم سب انہیں روانہ کر کے اندر چلے گئے......بابا اپنے کمرے میں چلے گئے...... امی نے کہا ''''انا'' احسن کو بھی دودھ دینا اور خود بھی پی لو'...... میں نے گلاس Fridge میں رکھوا دیئے تھے''...... میں نے گلاس اٹھایا اور ان کے کمرے کی طرف چل پڑی...... میں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے ناراض ہوں گے مگر ان کا سامنا تو کرنا تھا۔ چھپ تو نہیں سکتی تھی...... اور چھپتی بھی تو کب تک؟ میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی جواب آیا ''آ جائیں...... دروازہ کھلا ہے''...... میں نے دروازہ کھولا تو سامنے اپنے شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھے میں ہاتھ میں گلاس دیکھ کر کچھ کہتے کہتے رک گئے میں نے ان کے سائیڈ Table پر گلاس رکھ دیا اور بنا کچھ کہے باہر آ گئی انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں کیا اور مجھ میں

بھی ہمت نہیں تھی کچھ کہنے کی میں بند دروازے کے سامنے کچھ دیر کے لئے رکی اور پھر چل دی مجھے بابا سے بات کرنا تھی مگر رات اتنی ہو چکی تھی کہ خیال تھا بابا تو اب سونا چاہتے ہوں گے میں نے ان کے کمرے کا دروازہ بڑے آرام سے کھولا اگر وہ سو رہے ہوں تو میری وجہ سے ان کی نیند خراب نہ ہو مگر دروازہ کھولنے پر بابا اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑے باہر دیکھ رہے تھے...... ''بابا آپ سوئے نہیں'' میں نے آواز سن لی وہ پلٹے...... اور دھیرے سے چلتے مخصوص صوفے پر آکر بیٹھ گئے......

''آئیں بیٹا جان! اس عمر میں نیند ذرا کم ہی آیا کرتی ہے...... اور آپ نے کچھ بات کرنا تھی...... اس لیے انتظار میں تھا کہ کیا بات ہے جو ہماری بیٹی ہمیں اتنی دیر پہلے مطلع کر کے گئی ہیں...... آپ بتائیں؟...... اگر تھک گئی ہیں تو جا کر آرام کریں...... اور اگر بات کرنا چاہتی ہیں تو بابا حاضر ہیں'' ...... میں مسکراتے ہوئے ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی...... ''نہیں بابا تھکی تو نہیں ہوں...... اور بات کرنا بھی ضروری ہے۔ آج نہیں تو کل۔ کل نہیں تو پرسوں...... بات تو آپ ہی سے کرنی ہے'' ...... میں نے ہاتھ سے بریسلیٹ اتارتے ہوئے کہا...... ''اگر ایسی بات ہے جو آپ کو پریشان کر رہی ہے تو پھر تو ابھی کر لیں۔ اب تو مجھے بھی تجسس ہونے لگا ہے کہ کیا بات ہے'' ......؟

''بابا بات کچھ ایسی خاص نہیں: مگر اتنی عام بھی نہیں......!

مجھے آپ سے پوچھنا تھا کہ محبت کیا ہے؟...... کیوں ہے؟''

''بس اتنی سی بات ہے''؟ بابا نے بچوں کی طرح بہلاتے ہوئے مجھے میری طرف دیکھا......

میں نے انہیں دیکھا...... اور پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تھکے ہوئے لہجے میں کہا

''جی بابا، بس اتنی سی ہی تو بات ہے'' ...... اور یہ کہہ کر میں نے سر جھکا لیا اپنے ہاتھوں کے اتارے ہوئے بریسلٹ کے ساتھ کھیلنے لگی کچھ دیر بابا خاموش رہے۔ میں نے بالوں کو ہاتھوں انگلیوں سے سنوارتے ہوئے کس کر باندھ دیا...... اور بابا کے جواب کا انتظار کرنے لگی کچھ دیر بعد جب میں نے نظر اٹھا کر بابا کی طرف دیکھا تو وہ مسلسل مجھے گھور رہے تھے......

''بابا...... بتائیں نا چپ کیوں ہو گئے؟...... جو آپ کیلئے اتنی سی بات ہے اس کا جواب دینے میں اتنی دیر کیوں......؟''

بابا نے اپنا چشمہ اتار کر میز پر رکھ دیا۔

''اچھا...... تو یہ بات ہے'' ...... بابا نے تجسس سے کہا اور مجھے اس وقت ایسا محسوس ہوا

جیسے بابا نے مجھے چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہو۔

''کیا بات بابا'' ...... میں نے ڈرتے ہوئے پوچھا!۔

تو مسکراتے ہوئے بولے'' یہ ہی کہ محبت کی بات ہے'' انہوں نے ذو معانی انداز میں کہا۔

''تو پھر بتائیں کہ کیا ہے محبت'' ...... میں نے دوبارہ پوچھا......

تو ایک لمبی سانس بھرتے ہوئے انہوں نے مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھا اور بولے'' محبت ایک بہت خوبصورت اور بہت زیادہ معصوم سا فطری جذبہ ہے ایک ایسا سچا احساس جو اللہ کی طرف سے اپنے بندے کو تحفے کے طور پر ملا ہے اور یہ احساس یہ تحفہ رب اپنے ہر بندے کو دیتا ہے بس فرق صرف یہ ہے کہ کچھ کو یہ احساس جلدی ہو جاتا ہے اور کچھ کو دیر سے، پر ہوتا سب کو ہے اور اس کا دوسرا ''مطلب'' ''خدا سے رابطہ'' بھی ہے'' یعنی محبت خدا سے رابطے کا دوسرا نام بھی ہے''۔

''بابا ابھی بھی میری جانب ہی دیکھ رہے تھے'' ......؟

''بابا کیا محبت خوبصورت ہوتی ہے؟'' ......''اور محبت کے پانے کیلئے خوبصورت ہونا ضروری ہے''

''ہیں ......؟ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا بھئی'' ...... بابا نے حیرت سے پوچھا

''محبت کے لئے کسی بھی خاصیت کا ہونا ضروری نہیں، محبت بذات خود ایک خاصیت ہے اور محبت خود اتنی خوبصورت ہے کہ اسے کرنے کے بعد اس سے سب کچھ خود بخود خوبصورت ہو جاتا ہے ...... یہ ایسی خاصیت ہے جو اپنا آپ خود منوا لیتی ہے ...... اور میں نے کہا تا کہ محبت چونکہ فطری خوبصورت جذبہ ہے ...... اور ہر خوبصورت چیز سے محبت فطری سے بات ہے۔ محبت خوبصورتی کی محتاج کبھی نہیں ہوتی ...... بلکہ خوبصورتی محبت کی محتاج ہوتی ہے قدرت کا تحفظ خوبصورت ہی ہو گا نا ......

اور قرآن پاک میں تو اللہ تعالیٰ خود خوبصورتی کو پسند فرمایا ہے ......

''الله جميل و يحب الجمال''

''اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے''

''اور بیٹا جان خوبصورتی تو دیکھنے والی آنکھ میں ہوتی اور ہر ایک کی نظر اپنی ہوتی ہے''

''بابا یہ احساس کب ہوتا ہے؟۔ محبت کا احساس؟'' ......

اس وقت میں اپنی آواز میں اپنے الفاظ تلاش کر رہی تھی......

بابا نے پھر مسکراتے ہوئے کہا" او ہو......تو آج ہماری بیٹی ہمارے پاس سادہ مگر مشکل سوالوں کے ساتھ آئیں ہیں......!"

"جب زندگی میں دکھ حد سے زیادہ بڑھ جائے، تو ہجوم کی شور شرابے کی تلاش میں مت جانا...... بلکہ اپنے اس دکھ میں اپنی تنہائی کو مکمل طور پر ایمانداری کے ساتھ شامل کر لینا اس لمحے جو آپ محسوس کرو گی نا......وہ سچائی کا احساس ہوگا وہ ہی اصل محبت کا احساس ہوگا......تو بس اس لمحے سمجھ جانا......ٹھیک......؟"

بابا نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کیا......اور میں ایک ٹک باندھے بابا کو دیکھتی رہی میں نے انہیں دیکھتے ہوئے بولی...... "بابا تو پھر محبت ہوتی کیوں ہے'؟......جس کی شروات دکھ سے ہوتی ہے جب کی پہچان ہی تنہائی اور جدائی سے ہوتی ہے......تو پھر یہ کیوں ہے؟" میں الجھنے لگی تھی......اور شاید میری الجھن میرے لہجے سے عیاں تھی۔"

بابا گہری سانس بھرتے ہوئے بولے!

"بہت سے ایسے سوال ہوتے ہیں جن کے بارے میں فہم ہوتے ہوئے بھی ہمارے پاس اس کے بیان کی طاقت نہیں ہوتی...... اس لئے خاموشی سے ان سوالوں کے سامنے بنا جواب دیئے سر جھکا لینا ہی عقل مندی ہے...... بیٹا جان، دیکھیں...... یہ جہان کیوں ہے؟ اس کا جواب ہر کسی کے پاس ہوگا۔ مگر وہ جہان کیوں ہے؟ اس کا جواب ہم میں سے کسی کے پاس نہیں......اور اگر میرے حساب سے دیکھا جائے تو یہ دونوں سوال ہم انسانوں کیلئے نہیں ہیں۔

"انسان کیوں ہے؟...... اس کا تو معقول جواب ہے......مگر اس کے برعکس اگر انسان ہی یہ سوچنے لگ جائے کہ خدا کیوں ہے تو پھر......؟

پھر تو کچھ باقی نہیں رہتا نا بیٹا......

بابا کی اس بات سے میرے اندر ایک خوف کی لہر سی ڈور گئی......اور مجھے اپنے سوال پر شرمندگی ہونے لگی......

"میں نے آپ سے کہا نا؟ کہ

محبت تو خدا کی طرف سے اپنے بندے کے لئے تحفہ ہی تو ہے......

اور میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ خدا اور محبت کے بارے میں کوئی بھی انسان نیا تصور پیش کر ہی نہیں سکتا......

اس بارے میں سوال چاہیے جتنے توڑ موڑ کر پوچھتے جاؤ..... مگر جواب ایک ہی رہے گا......

اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ خاموشی سے خدا اور محبت کے سامنے سر جھکا لیا جائے..... کیونکہ واحد یہ ہی ایک ایسا احساس ہے جس سے ہماری ذات کی تکمیل ہوسکتی ہے......

اگر محسوس کرو تو سب! زندگی کیا دو جہاں بدل سکتا ہے انسان اپنے لیے خود..... صرف اس ایک تصور کی وجہ سے......

اور بیٹا یہ عام سوال نہیں ہیں......

ایسا نہیں کہ ان کے جواب موجود نہیں..... مگر ایسے عام فہم جواب بھی نہیں جو ہر ایک کی سمجھ میں آ جائیں..... ایسے سوالوں کے جوابات پانے میں عمریں گزر جایا کرتی ہیں۔ پھر بھی ہم اس الجھن میں رہتے ہیں کہ جو ہم نے اپنی ساری زندگی سے حاصل کیا، کیا وہ صحیح جواب تھا..... یا جو آپ کی ساری زندگی کا لاحاصل رہا وہ صحیح جواب ہے..... محبت کیوں ہوتی ہے..... یہ بھی کچھ حاصل۔ لاحاصل کی کیفیت ہے۔ ملی جلی کیفیت..... مگر سمندر میں کودے بنا، کنارے پر کھڑے رہ کر آپ سمندر کی گہرائی کا اندازہ تو نہیں کر سکتے نا..... سمندر میں کودو گے تو معلوم ہوگا کہ یہ کتنا گہرا اور کتنا وسیع ہے..... تو محبت کیے بغیر آپ کو کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ کیوں ہے۔؟

زندگی جیتے ہوئے آپ کو 28 سال ہو گئے کیا آپ کو معلوم ہو سکا کہ زندگی کیوں ہے؟..... شاید نہیں......

تو جس احساس کو آپ نے ابھی تک محسوس ہی نہیں کیا اس کے بارے میں ''کیوں'' کا لفظ لگا دینے سے کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ محبت کا جذبہ آپ کو آپ کی زندگی کا مطلب سمجھا جائے۔ آپ کی سوالوں میں لگے اس کیوں کا جواب دے جائے۔ ہوسکتا ہے کہ جب آپ محبت کرو تو آپ کو پتہ چلے کہ زندگی کیا ہے......

اور پھر اس زندگی کا ایک لمحہ آپ کو یہ بتا جائے کہ محبت کیوں ہے..... یہ تو ہر ایک انسان کی اپنی اپنی نظر اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے..... ہم اپنی ذاتی رائے کسی دوسرے پر تھوپ تو نہیں سکتے......

''بابا محبت کیا کسی دن کا پہر بھی ہوسکتی ہے''.....؟ مجھے فرحان کی بات یاد آ گئی..... بابا پھر مسکرانے لگے......

بیٹا میں نے کہا نا، یہ ہر انسان کی ذات تک اس کی انفرادیت پر منحصر ہے..... کہ محبت

اس کے لیے کیا چھوڑ کر گئی......اسے کس مقام پر پہنچا گئی......

ہوسکتی ہے۔محبت کسی دن کا ایک پہر بھی ہوسکتی ہے بلکہ پہر تو پھر لمبا ہوتا ہے۔محبت تو ایک لمحہ بھی ہوسکتی ہے۔ایک ایسا لمحہ جو ہماری پوری زندگی پر حاوی ہو جاتا ہے......''

''اور محبت ہماری تمام زندگی بھی......اور زندگی بھی تو لمحوں۔پہروں۔سے مل کر بنتی ہے۔ہاں فرق صرف یہ ہے کہ آپ کے محبت کے اس پہر میں۔یا اس پل۔یا لمحے میں کتنی سچائی ہے۔کتنی کشش ہے......''

میں کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی......اور بابا بھی خاموش مجھے دیکھتے رہے......اس بار بابا نے بھی مکمل ٹھان لی تھی کہ وہ میری ہر بات میری زبان سے کہلوا کر ہی جواب دیں گے۔اور مجھے محبت کو مکمل طور پر سمجھنا تھا جاننا تھا......بابا کا ایک ایک لفظ ''احسن'' کی ذات کو میرے سامنے کھولے جا رہا تھا ان کی زندگی کی محرومی،ان کی برداشت۔ان کا صبر ان کی قربانی اور ان کی محبت کو،واضح کر رہا تھا

''بابا محبت جدا کیوں ہو جاتی ہے؟......ملتی کیوں نہیں؟......درد کیوں دیتی ہے میں نے اپنی زندگی میں بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو محبت کے ہاتھوں بری طرح سے ہارے ہیں......زخمی ہوئے ہیں......ایسا کیوں ہے بابا؟......اس کی تو وجہ ہوگی نا......؟

محبت جیسا جذبہ......محبت کا احساس۔جس کو بنیاد بنا کر رب نے اس کائنات کو بنایا......کہا نا بیٹا یہ عام فہم نہیں......اتنا آسان نہیں......اس کو برداشت کرنے کی ہمت ہر ایک میں نہیں ہوتی......بہت سے لوگ اس سے ہار مان کر آگے بڑھ جاتے ہیں......ایسے لوگ ہی محبت میں درد اور شکوہ کی شکایت بھی کرتے ہیں......مگر جن کو محبت کا احساس اپنی سچائی کے ساتھ ہونا ہے۔بے لوث ہوتا ہے۔وہ محبت میں شکوے کے قائل نہیں ہوتے وہ ہر پل اپنی محبت کے ساتھ رہتے ہیں......ہر لمحہ اسی کے ساتھ بیتاتے ہیں......اور ایسے لوگوں کے ساتھ محبت کبھی نہیں چھوڑتی......چاہے وہ مجازی محبت ہو یا حقیقی......آپ کے ساتھ ضرور رہتی ہے۔''

''محبت میں پانے کی حاصل کرنے کی خواہش کیا محبت کو مکمل کرتی ہے؟''

''نہیں بیٹا! ایسا نہیں......محبت میں حاصل کر لینا کچھ غلط نہیں مگر صرف حاصل کر لینے کی پا لینے کی بنیاد پر محبت بھی نہیں ہوتی''محبت کا اپنا رنگ' اپنا مزاج ہوتا ہے......وہ اپنے رنگ میں ڈھالنے کی قائل ہوتی ہے۔ہمارے رنگ میں ڈھلنے کی نہیں......اور محبت کا یہ رنگ جدائی......قربانی......فراق۔ہجر کے رنگوں سے مل کر بنتا ہے......جو رنگ سب سے جدا ہوتا

ہے...... دنیا کے تمام رنگوں سے منفرد اور جدا...... جو اپنے آپ کو فراق قربانی اور جدائی کے مرحلوں سے گزار پاتے ہیں...... انہیں ہی پر محبت کا وہ اصل رنگ چڑھتا ہے۔اور پھر ان میں کسی اور رنگ میں ڈھلنے کی گنجائش نہیں ہوتی...... محبت کا یہ ہی رنگ آب حیات بن جاتا ہے......''

محبت وصل اور فراق کی ایک ملی جلی کیفیت بھی ہے۔اور وصل کا مزا' اس کا لطف۔فراق کی کیفیت سے گزرنے کے بعد ہی آتا ہے...... دیکھا جائے تو فراق، وصل کی ضد ہے۔مگر محبت میں فراق کے بنا وصل بے رونق ہوگا...... محبت کی آزمائش وصل اور فراق کے مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی مکمل ہوتی ہے۔اور یہ آزمائش ہر محبت کرنے والے کے حصے میں ضروری آتی ہے۔

بعض اوقات ہمیں ہمارے بہت قریب رکھی ہوئی چیزیں صاف نظر نہیں آتیں ان کا حسن ہم پر واضح نہیں ہوتا...... کسی بھی چیز کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس کے اور اپنے درمیان ایک مناسب فاصلہ رکھنا ضروری ہوتا ہے...... محبت بھی ایسا ہی احساس ہے جو ہمارے دل کے اندر ہمارے بہت قریب ہوتا ہے۔مگر اس احساس کو محسوس کرنے کے لئے قدرت ہمارے درمیاں فراق کی آزمائش لے آتی ہے۔اور جب کچھ وقت کے لئے وہ احساس ہم سے فاصلے پر جاتا ہے جسے ہم جدائی کہتے ہیں تو ہمیں کھل کر مکمل طور سے اپنے محبت کے جذبے کی سچائی کا علم ہو جاتا ہے...... اور پھر اگر ہماری محبت سچی ہو...... بے لوث ہو تو اس کی کشش ہمیں اس کی طرف دوبارہ واپس لے جاتی ہے۔اور وہ گھڑی وصل کی گھڑی ہوتی ہے۔مکمل ہونے کی گھڑی...... سب سے خوبصورت اور ہماری ذات کو مکمل کرنے والی گھڑی...... جدائی اور فراق سے خوف زدہ لوگ محبت کے قابل نہیں...... اور نہ ہی ایسے لوگوں کا ساتھ محبت دیتی ہے......''

میں بابا کے کیسے ایک ایک لفظ کو اپنے دل کے کورے کاغذ پر نقش کرتی گئی...... اور کسی حد تک میں محبت کو۔احسن کی محبت کو سمجھ پا رہی تھی......

''اور بابا یک طرفہ محبت؟......''

بابا ہنسنے لگے...... مجھے بابا کا ہنسنا عجیب سا لگا...... ''آپ ہنس کیوں رہے ہیں''؟ میں نے تعجب سے پوچھا......

ہنس اس لیے رہا ہوں...... ''کہ ہمیں ہماری بیٹی کی ذہانت پر کوئی شک نہیں...... مگر یک طرفہ محبت کیا بیٹا...... کیا مطلب؟......''

''یک طرفہ محبت سے مراد جب ہم کسی سے محبت کرتے ہوں۔اور اسے معلوم ہی نہ ہو...... اور ہم تنہا محبت کی آگ میں جلتے رہیں...... محبت میں فراق کی آزمائش دیتے رہیں اور

وصل کی وہ گھڑی دور سے بھی نظر نہ آئے.....ایسی محبت کیا ہے.....کہ جس سے آپ محبت کرتے ہو پل پل مرتے ہو۔اسے معلوم بھی نہیں.....اس کے پاس آپ کو دینے کے لئے ایک حرف تسلی بھی نہیں!......"

"یک طرفہ محبت نہیں ہوتی"......بابا نے سادہ الفاظ میں کہا.....اور جیسے میرا دل بیٹھ گیا......

"کیا مطلب بابا یک طرفہ محبت نہیں ہوتی......یہ تو زیادتی ہے.....آپ خود کہتے ہیں کہ محبت ایک فطری جذبہ ہے جو کسی کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ہم سے پوچھ کر اجازت لے کر تو نہیں ہوتا۔

اگر پوچھ کر ہو تو ہم اس شخص کا انتخاب کریں جو بدلے میں کچھ تو Feeling رکھتا ہو۔

مگر ہم پل پل اس آگ میں جل رہے ہیں۔اور ہم میں ہمت نہیں کہ اس سے کہیں کہ ہمیں اس سے محبت ہے......پانے کی بات تو بہت بعد میں آئے گی......جو بھی ساری باتیں آپ نے کہی وہ تو پھر بے بنیاد ہوئی نا.....اگر یک طرفہ محبت ہوتی ہی نہیں تو"......میرا لہجہ قدر تلخ ہو گیا......

تو بابا پھر مسکرانے لگے.....اور میرے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی......

"بات کو سمجھتی ہو نہیں آپ!اور فتویٰ صادر کر دیتی ہو......"

"یک طرفہ محبت نہیں ہوتی مطلب یہ ہے.....کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کسی سے محبت کرتے ہو اور اسے معلوم نہ ہو.....اور اگر اسے معلوم ہے تو پھر یہ یک طرفہ محبت تو نہ ہوئی نا......

مگر محبت تو محبت ہے بیٹا چاہیے یک طرفہ ہی کیوں نہ ہو۔بدلے میں محبت ملنے کی شرط پر تو آپ نے محبت نہیں کی تھی.....اور اگر آپ کی محبت کا احساس بدستور قائم ہے۔تو پھر یک طرفہ محبت ہوتی ہے۔بالکل ہوتی ہے۔کہ جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں۔اور اظہار بھی نہیں تو ایسی محبت بھی ہوتی ہے۔جہاں آپ نے کسی سے سچائی اور خلوص کے ساتھ محسوس کرنا شروع کیا۔وہاں اسے احساس ہو گیا.....اور یہ احساس دلانا.....قدرت کی ذمہ داری ہے.....بس ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے اس رستے پر ثابت قدم رہیں.....ہو سکتا ہے وہ بھی آپ سے محبت کرتا ہو مگر بتانے کی ہمت نہ ہو......"

میں نے بچوں کی طرح مسکراتے ہوئے بابا سے دوبارہ اس بات کی تصدیق چاہی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ......

اگر ہم کسی سے محبت کرتے ہیں.....اور اسے بتاتے بھی نہیں.....تو پھر بھی اسے معلوم

ہوتا ہے کہ ہم اس سے محبت کرتے ہیں......''

''ہاں......اسے معلوم تو ہوتا ہے کہ آپ کا جھکاؤ اس کی طرف ہے۔ یہ واضح نہیں ہو تا کہ آپ کی محبت یا آپ کا جھکاؤ کس طرح سے ہے۔ لیکن یہ بات تو حقیقت ہے کہ آپ کے لئے Feelings دوسرے کے پاس ہوتی ہیں...... یہ اور بات ہے کہ کسی بھی وجہ سے مجبور ہو۔ یا ماننے سے انکار کر دے۔ یا جھوٹ بول کر مکر جائے......مگر اس کے ساتھ پھر وہی بات ہے۔ کہ یہ تقدیر کا کام ہے تقدیر دیکھتی ہے کہ اگر آپ کے دل میں سچائی ہے۔ خلوص ہے۔ لالچ نہیں...... تو پھر کسی بھی طرح چاہیے وہ شخص آپ کو مکمل طور سے نہ ملے۔ مگر آپ کی محبت کی کشش اسے کھینچ کر آپ کے پاس لے آتی ہے۔ چاہے آپ اظہار محبت کرو یا نہ کرو......مگر اس کا دل آپ کے خلوص اور محبت کی قدر ضرور کرتا ہے۔ اور پھر ایک بے لوث۔ بے ضرر سا رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ کبھی نہ ٹوٹنے والا رابطہ......''

تو اس وقت میں نے بے اختیار اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر خوشی سے کہا'' یہی تو! یہ یہی تو میں سننا چاہ رہی تھی......Yes'' ......بابا نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

''کیا مطلب؟''......تو میں قدرے جھینپ سی گئی......'' کچھ نہیں بابا بس ایسے ہی''......

بابا نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ رکھا'' مجھے معلوم تھا......کہ بابا مجھ سے کوئی سوال نہیں پوچھیں گے......'' خوش رہیں''......میں نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا......

''چلیں جائیں اب نماز کی تیاری کریں رات تو گزر گئی۔ فجر کا وقت ہونے والا ہے ابھی سونا مت۔ ورنہ نماز رہ جائے گی......''

''نماز پڑھ کر مجھے ایک کپ چائے دے جانا''......'' جی بابا''......یہ کہہ کر میں کمرے سے باہر آ گئی۔

میرے دل سے بوجھ کافی حد تک اتر چکا تھا اور بابا سے بات کرنے کے بعد تو ایسا ہونا ہی تھا......مگر بابا حقیقت سے ناواقف تھے۔ اس بات کی شرمندگی میرے اندر موجود تھی۔ میں اپنے کمرے میں گئی......Change کیا۔ کچھ دیر میں اذانیں ہونے لگیں......میں نے نماز پڑھ کر اپنے لئے ثابت قدمی اور احسن کے لئے ان کی '' پہلی محبت'' کے حصول کی دعا مانگی ان کی خوشی اور سلامتی کی دعا مانگی......اور پھر بابا کے لئے چائے بنا کر انہیں کمرے میں دے آئی...... بابا تلاوت کرنے میں مصروف تھے......میں نے چائے کا کپ ان کے پاس رکھا......'' بابا چائے پی کر کچھ دیر آرام کر لیں''......انہوں نے ایک نظر مجھے دیکھا مگر آنکھ کے اشارے سے

جواب دے دیا،......اور میں اپنے کمرے میں آ گئی......رات سب شاید ہماری وجہ سے دیر سے سوئے تھے،......اس لیے کسی کی آنکھ نہیں کھلی تھی سب سو رہے تھے، میں باہر لان میں آ گئی گرمیوں کی صبح ایک لطیف احساس لیے آتی ہیں اور میں اس احساس سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

اور پھر دن معمول کے مطابق شروع ہوا۔ سب کے لئے ناشتہ میز پر لگایا گیا میں روز مرہ اپنی روٹین کے مطابق۔ احسن کے کمرے میں ان سے پوچھنے گئی کہ ناشتہ کمرے میں کریں گے یا باہر سب کے ساتھ مگر وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں تھے میں نے انہیں پکارا Wash room کا دروازہ بھی کھلا تھا، وہ کمرے میں نہیں تھے، میں بھاگی باہر آئی، امی کو بتایا'' کیا مطلب''......''امی وہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں'' ابا جلدی سے باہر گئے تو پورچ میں دیکھا تو وہاں میری گاڑی بھی نہیں تھی، ''محبوب چچا نے بتایا کہ میں نے گاڑی باہر نکلتے دیکھی تھی مگر سوچا شاید ''انا'' بی بی ہیں مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ احسن بابا گئے ہیں۔''

''بابا تحمل سے بولے۔ کوئی بات نہیں قبرستان گیا ہوگا۔ آ جائے گا۔ فکر مت کرو''۔

مجھے اپنے طور پر برا بھی لگا۔ اور دکھ بھی ہوا کم سے کم بتا ہی جاتے......کچھ دیر میں الماس آنٹی بھی آ گئی ہماری پریشانی کی وجہ معلوم ہوئی تو وہ بھی بابا کی طرح تسلی میں تھی، ''کچھ نہیں ہوتا آ جائے گا اچھا ہے آہستہ آہستہ باہر نکلنا شروع کرے گا تو اس کا من کھلے گا فکر نہ کریں''......ہم سب نے ناشتہ وغیرہ کیا، ابا اپنے کام سے چلے گئے میری گاڑی چونکہ احسن کے پاس تھی اس لیے میں ان کے انتظار کرنے لگی گیارہ بجے فرحان کا فون ایرپورٹ سے آیا تھا۔ اس نے جہاز پر جانے سے پہلے اس نے مجھے بتایا......''اچھا وہاں پہنچ کر مجھے بتا دینا......Keep in touch اور ٹھیک ہے۔ Good luck'' میں نے اسے Wish کیا......میں بابا کے پاس لاؤنج میں بیٹھی انتظار کر رہی تھی کہ گھڑی کی طرف دیکھا تو دوپہر کے ایک بج رہے تھے......امی دوران امی لاؤنج میں آئیں۔ ''بھائی صاحب صبح آٹھ بجے سے گیا ہے۔ ایک بج چکا ہے احسن کی کوئی خبر نہیں Please پتہ تو کریں......اس کے پاس فون ہے ''انا''''امی نے پوچھا۔

''جی امی ہے میں نے اپنا فون انہیں دیا تو تھا......پتہ میں وہ ساتھ لے کر گئے بھی ہیں یا نہیں۔''

جب میں نے اس پر Call ملائی تو فون کی آواز ان کے کمرے سے ہی آ رہی تھی......

''وہ فون بھی گھر چھوڑ گئے تھے'' اس بار بابا۔ اور الماس آنٹی بھی کافی پریشان تھی......''میں محبوب چچا کے ساتھ جاتی ہوں وہ قبرستان ہی ہوں گے۔ انہیں لے آتے ہیں جا کر''......بابا نے ایک دم

سے قدرے غصے سے کہا...... ''نہیں میں بھی ساتھ چلتا ہوں''...... ہم تینوں محبوب چچا کے ساتھ قبرستان گئے...... وہاں بھی نہیں تھے...... بابا کا تو رنگ ہی پیلا پڑ گیا تھا...... ہم گھر واپس آئے تو آگے بشیر انکل اور ابا بھی آ چکے تھے......

وہ بھی اپنی اپنی سمجھ کے مطابق سب جگہ دیکھ آئے۔ ان کا کوئی ایسا دوست بھی نہیں تھا جہاں سے اس بات کا پتہ کیا جاتا۔ آخر شام کے چھ بجے انکل نے کہا ''میرے خیال سے ہمیں پولیس اسٹیشن اطلاع دے دینی چاہیے...... خدانخواستہ کوئی حادثہ نہ...... ان کی بات ایک دم سے الماس آنٹی نے کاٹی۔ ''کیسی باتیں کرتے ہیں۔ اللہ خیر کرے''...... ''امی تو بچوں کی طرح رونے لگی...... بابا خاموشی سے تسبیح کے دانوں کو تیزی سے گھمانے لگے''...... آپ کیا کہتے ہیں بھائی صاحب''......

''احسن سے اس لاپرواہی کی امید نہیں تھی''...... مجھے ابا غصے میں تھے...... اور وہ دونوں جو پردیس میں جا کر بیٹھ گئے ہیں۔ صرف کہنے کو بیٹے ہیں...... آپ انہیں بتا دینا کہ ان کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں...... بیمار چھوٹے بھائی کو اس حال میں چھوڑ کر چلے گئے...... بے حس اولاد...... اور کس آزمائش میں ڈالے گی مجھے''...... ابا اپنے اندر بے بسی محسوس کرنے لگے تھے۔ یہاں کا D.I.G میرا بہت اچھا دوست ہے میرے خیال سے اسی کے پاس جاتے ہیں۔ ''ابا نے بشیر انکل سے کہا''...... تو بابا قدرے الجھن سے ''بولے جاؤ بھی یا یہاں بیٹھے...... ایک دوسرے سے مشورہ ہی کرتے رہو گے دانش''...... ابا خاموشی سے اٹھے گاڑی کی چابی پکڑی ہی تھی کہ محبوب چچا بھاگتے ہوئے اندر آئے۔ ''احسن میاں آ گئے بڑے صاحب''...... امی، ابا، ایک دم سے باہر کی طرف لپکے...... اور پیچھے پیچھے الماس آنٹی اور بشیر انکل بھی...... کچھ دیر میں احسن ہمارے سامنے تھے...... ان کے کپڑے بری طرح سے گرد آلود ہوئے تھے،...... بابا انہیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے...... امی۔ بلائیں لے رہی تھیں...... الماس آنٹی نے بوا سے کہا پانی لے آؤ......

''احسن تم کہاں تھے بیٹا''۔ ابا نے بڑی نرمی سے پوچھا...... ''تو احسن نے بڑے آرام سے کہا کچھ نہیں بس ایسے ہی...... ذرا''...... اس سے پہلے کہ وہ اگلا لفظ بولتے...... اچانک ایک زور زوردار آواز نے ہم سب کو ڈرا دیا...... احسن جیسے ہی ابا کی بات کا سرسری جواب دے کر مڑے ہی تھے کہ سامنے بابا کھڑے تھے اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتے،...... بابا نے زوردار تھپڑ ''احسن'' کے منہ پر رسید کیا...... اور پھر دوسرا،...... ''ابا نے آگے بڑھ کر بابا کا ہاتھ پکڑ لیا''...... ہم سب جہاں تھے وہی دم سادھے کھڑے رہے...... امی نے ایک دم سے کہا بھائی صاحب آپ تو'' بابا نے چیختی آواز میں کہا ''کوئی کچھ نہیں بولے گا...... سمجھی''...... بابا کی آنکھوں سے دکھ صاف

ظاہر تھا...... احسن وہی پڑ کھڑے تھے اور میرے پاؤں میرا وجود جیسے پتھر کا ہو چکا تھا...... پہلی بار...... پہلی بار...... بابا کا یہ روپ'' بابا کا یہ غصہ دیکھا تھا...... غصہ تھا یا بے بسی الماس آنٹی اور انکل احسن کو پکڑ کر کمرے میں لے گئے،...... اور ابا اور امی بابا کے پاس بیٹھے تھے،...... بوا سامنے کچن میں کھڑی اور محبوب چچا بھی دروازے کے پاس پتھر بنا کھڑے تھے،...... ''''انا'' پانی لے آؤ ''...... میں نے گلاس میں پانی ڈال کر کانپے ہاتھوں سے بابا کی طرف بڑھایا تو انہوں نے پینے سے انکار کر دیا،...... ابا نے میرے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے لیا،...... '' بھائی صاحب ایک دو گھونٹ پی لیجئے'' ...... بابا نے ایک گھونٹ بھرا...... اور اٹھ کر کانپتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔ ابا نے بابا کو تھام رکھا تھا، اور امی پانی کا گلاس لیے پیچھے پیچھے جا رہی تھیں ابھی وہ لاؤنج میں ہی تھے کہ'' بوا پانی کا گلاس لیے میرے پاس آ گئی جاؤ بیٹا احسن میاں کو پانی دے آؤ...... باہر گرمی سے آیا ہے۔ پتہ نہیں کس حال میں کہاں رہا ہے''...... میں نے بوا سے پانی کا گلاس لیا...... اور احسن کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

میں نے کمرے کا دروازہ کھولا کو سامنے احسن بیٹھے تھے اور ان کے پاس آنٹی اور انکل ''میں نے پانی کا گلاس ان کے سامنے کیا'' انہوں نے سلگتی آنکھوں سے میری طرف دیکھا '' بیٹا پانی پیو''۔ انکل کے کہنے پر انہوں نے پانی کا گلاس میرے ہاتھ سے لے لیا اور ایک گھونٹ پینے کے بعد گلاس دوبارہ میرے طرف بڑھا دیا...... میں خاموشی سے کمرے سے باہر آ گئی، بابا اوپر جا رہے تھے......

گھر میں دوبارہ ایک خاموشی کی فضا پھیل چکی تھی، یا خدا یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ اچانک الماس آنٹی میرے پاس آ گئی،...... ''''انا'' بیٹی میں نے جلدی سے اپنے آنسوؤں کو پونچھا مگر ان سے چھپا نہ سکی...... ''مت چھپاؤ ان آنسو کو...... بہہ جانے دو......''

''میں آج تم سے ایک بہت بڑی بات کہنے آئی تھی۔ مگر حالات ایسے ہو جائیں گے میں نے سوچا بھی نہ تھا...... کیا بات آنٹی سب خیر تو ہے نا''...... میں نے فکر مندی سے ان سے پوچھا......

''بیٹا خیر ہی رہے اسی لیے تمہیں کہنا چاہتی ہوں...... میں ایک بیٹی کی ماں رہ چکی ہوں اور خدا نے میری گود کو اجاڑ دیا میری بیٹی کو بھری جوانی میں مجھ سے جدا کیا...... دنیا میں بہت کم مائیں مجھ جیسی باہمت ہوں گی...... اور یہ ہمت مجھے خدا نے ہی عطا کی ہے...... اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں''...... '' آنٹی اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ جیسی باہمت خواتین بہت کم ہوا کرتی ہیں...... اور آپ مجھے میری امی کی طرح عزیز ہیں۔ آپ کی بات کا بُرا ماننے کے بارے میں تو میں سوچ بھی نہیں سکتی! آپ بس حکم کر دیں''......

''کہ یہ بات صرف میری نہیں تمہاری امی کی بھی خواہش ہے...... اور اگر ایسا ہو جائے تو اس گھر میں دوبارہ خوشیاں بھر آئیں گی۔ یقین جانو اور میں جانتی ہوں کہ تمہارے لیے بہت مشکل ہو گی...... مگر ناممکن نہیں''...... '' آنٹی ایسی کیا بات ہے۔'' ''مجھے بتائیں مگر اس بات کے بعد شاید تم مجھے اور سائرہ بہن کو خود غرض ماؤں میں شمار کرنے لگو...... کہ ہم نے تم سے تمہاری خوشیوں، تمہارے ارمانوں کے بدلے میں اپنی خوشیاں مانگی ہیں۔ آنٹی آپ بڑوں کی خوشیاں مجھے میری خوشیاں ہیں، میری زندگی سے زیادہ عزیز ہیں''......

الماس آنٹی کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی شاید انکے پاس مناسب الفاظ کا ذخیرہ ختم

ہو چکا تھا اور پھر ایک لمبی سانس لے کر بولی......

''انا احسن کو اپنا لو......اس سے شادی کر لو......اسے مزید بکھرنے سے بچا لو''......

حیرت سے میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی...... مجھے یقین ہی نہیں ہو رہا تھا کہ الماس آنٹی مجھ سے ایسی بات کر سکتی ہیں......

''تم ہی ہو جو احسن کو سمجھتی ہو......اس کے معیار پر پوری اتر سکتی ہو......ہم نے دیکھا ہے کہ تم احسن کے غصے کو......اس کی الجھن میں کیسے اسے سنبھالتی ہو...... بہت سی جگہ اس نے تم سے زیادتی بھی کی مگر تم نے جس کمال صبر کا مظاہرہ کیا......اسی صبر کو دیکھتے ہوئے میں اور تمہاری امی اس نتیجے پر پہنچی ہیں۔ کہ احسن کی بہتری کے لئے......اس گھر کی بھلائی کے لئے تمہیں یہ قربانی دینی ہو گی''......

''امی؟''......میں نے سوالیہ انداز میں الماس آنٹی سے اس بات کی تصدیق چاہی......

اچانک مجھے امی کی آواز آئی...... ''ہاں بیٹا میں بھی! میں بھی یہ ہی چاہتی ہوں''......

''تم میری اولاد ہو...... میری کوک سے جنم لیا ہے تم نے......مگر جانے کیوں مجھے احسن کی بھلائی اس کی خوشی تم سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اور میں اس وقت تمہاری نہیں احسن کی ماں ہونے کی حیثیت سے تم سے اس کی زندگی کی'اس کی بھلائی کی......اس کی خوشی کی بھیک مانگتی ہوں......اس کا حال دیکھو...... جانے سارا دن کیا مارا مارا پھرتا رہا ہے۔ بیٹا میں بھی تو بوڑھی ہو گئی ہوں جانے کتنی عمر ہے...... بھابھی کے سامنے جا کر سرخرو ہونا چاہتی ہوں......زرقا پر اعتماد طریقے سے سامنا کرنا چاہتی ہوں کہ میں اس کی امانت کو کس کے ہاتھ سونپ کر آئی ہوں...... میں جانتی ہوں ''انا'' تمہارے لیے یہ بہت مشکل ہے......مگر مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ ایک تم ہی ہو...... جو احسن کو واپس زندگی کی طرف لا سکتی ہو......میری جھولی میں میرے بچے کی خوشی ڈال دو''......امی رونے لگیں......اور الماس آنٹی نے آگے بھی بڑھ کر امی کو سینے سے لگا لیا......

میں حیرت کے پہاڑ کے نیچے مکمل طور پر دب چکی تھی اس وقت میرے قدموں میں میرا وجود اٹھانے کی بھی ہمت نہیں رہی تھی میں صوفے پر بیٹھ گئی اور سر جھکا لیا۔

الماس آنٹی میرے پاس آ کر بیٹھ گئی...... ''میں جانتی ہوں کہ تمہارے ذہن میں کافی سوال ہوں گے۔ اور سب سے پہلا سوال تمہاری اور احسن کی عمر کا فرق ہے۔ تو وہ میری اور تمہارے انکل کی عمر میں بھی اتنا ہی فرق ہے......مگر ہماری زندگی میں آج تک عمر کبھی رکاوٹ نہیں بنی......اور ویسے بھی بیٹا لڑکی اپنی عمر سے پہلے بڑی ہو جاتی ہے۔ اور اس بات کا ثبوت

تمہارے کردار نے بڑے واضح طور پر دیا ہے...... اور اگر تمہارے ذہن میں تمہارے اور احسن کے رشتے کا سوال آتا ہے...... تو بیٹا اپنے ذہن میں ایک بات رکھو کہ وہ تمہارے تایا زاد ہے سگا بھائی نہیں اور ہمارے گھروں میں تربیت ایسے ہی ہوا کرتی ہے'' ...... امی نے ان کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے آگے بڑھایا۔

''رہی بات احسن کی رضامندی کی...... تو اس کی تو آپ لوگ فکر چھوڑ دیں...... اسے منانا اس سے بات کرنا یہ میری ذمہ داری ہے...... بس تم اپنی رضامندی کا اظہار کرو...... احسن سے میں خود بات کرلوں گی......''

الماس آنٹی اور امی نے اپنی سوچ کے مطابق میرے ذہن میں آنے والے سوالات کے جواب بھی ڈھونڈ رکھے تھے...... اور احسن کو منانے کی تجویز بھی سوچ رکھی تھی۔ اور اگر وہاں بات صرف گھر کی' احسن کی، یا پھر میری محبت کی جس سے سب ناواقف تھے...... کسی حد تک ہوتی...... تو شاید میں ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہوتی جن کے محبت کو پہلے مرحلے میں ہی انعام عطا ہو جاتا ہے...... جن کے لئے محبت صرف حاصل کر لینا۔ یا پالینا کی خواہش ہوتی ہے۔ تو میرے لیے تو اس سے بہتر یا خوشی کی اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ نہ میں اپنی محبت میں کوئی امتحان دیا نہ کوئی آزمائش آئی، اور نہ ہی کوئی جدائی،...... اور اظہار لیئے بتا ہی مجھے میری محبت مل رہی ہے۔ ہمیشہ کے لئے...... وہ بھی بڑوں کی مرضی کے ساتھ......

''مگر یہاں بات میری نہیں۔ میری خواہش کی بھی نہیں تھی...... یہاں بات میری محبت میں چھپے اس سچے جذبے کی تھی جس میں احسن کو حاصل کر لینے سے زیادہ ان کی خوشی کو حاصل کرنا...... ان کی خوشی کو ان تک پہنچانا تھی......

اور یہاں سوال......!

میری محبت کا نہیں!

ان کی محبت کا تھا!

- احسن کی پہلی محبت کا جس میں ان کی تمام خوشیاں چھپی تھیں...... اور احسن کی خوشی میں ہی ہمارے گھر کی خوشیاں پوشیدہ تھیں۔

اگر زرقا بھابھی اس راز کو میرے سامنے نہ کھولتی تو شاید میں، امی اور آنٹی کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی مان جاتی...... مگر قدرت جو بھی کرتی ہے اس میں اس کی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس وقت زرقا بھابھی کا مجھے بتانا آج اس فیصلے کے لئے کتنا اہم تھا...... اس بات کا اندازہ

بھی مجھے اس وقت نے دلایا تھا......

بابا ٹھیک کہتے تھے ہر بات کے سمجھنے کے لئے ایک مناسب وقت ہوتا ہے۔ اور اگر اس مناسب وقت پر بات سمجھ میں آجائے تو بہت کچھ برا ہونے سے روکا جا سکتا ہے...... شاید میرے لیے بھی یہ ہی مناسب وقت تھا......

کیا سوچنے لگی ہو''۔''انا'' کیا ہم احسن سے بات کریں''......؟ امی نے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے پوچھا......! میں نے چونکتے ہوئے دیکھا...... کیا دیکھ رہی ہو بیٹا جواب تو دو نا...... ان کی یہ بات مجھے الجھانے لگی...... ''کس بات کا جواب مانگ رہی ہیں آپ مجھ سے''؟ میں نے انہیں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، ''ہم اس کے متعلق بات کریں''؟...... میں نے تو اس امید پر امی سے دوبارہ پوچھا تھا کہ شاید امی اپنا سوال بدل لیں گی مگر نہیں نہ ان کے سوال میں کوئی تبدیلی آئی۔ اور نہ ہی ان کے پوچھنے کے انداز میں جس پر مجھے ان پر غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا......

ان دونوں کی سوالیہ نظر میں مجھے اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ بیٹا......! ان کا اتنا کہنا تھا' اور اس پر میں ان کی مزید کوئی بات سننے کی حالت میں نہیں تھی...... ''امی Please اگر آپ نے ایک لفظ بھی اور بولا تو شاید میں اپنے ضبط پر قابو نہ رکھ پاؤ...... آپ سب نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ زندگی اتنی آسان ہے؟ کیا مرنے والوں کے بعد یا جانے والوں کے بعد زندگی کو نارمل کرنا اتنا آسان ہوتا ہے...... زرقا بھابھی' اگر ہم سب لوگوں کی زندگیوں کو ادھورا کر گئی ہیں تو سوچیں کہ ''احسن'' کی زندگی تو ہم سب سے زیادہ ان کے ساتھ جڑی تھی''...... ''الماس آنٹی کے جذبات ان کی سوچ کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہوں گی...... اور نہ ہی مجھے کچھ کہنے کا حق ہے...... بلکہ شاید وہ اس سے زیادہ اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ اور کر بھی نہیں سکتی...... کہ اپنی اولاد اکلوتی اولاد کا دکھ بھول کر اپنے درد کو بھول کر وہ ہمارے گھر کی خوشیوں کے لیے فکر مند ہیں۔ شاید ان جیسے لوگوں کی وجہ سے دنیا قائم ہے''۔ ''مگر امی آپ سے مجھے اس خود غرضی کی امید نہیں تھی''......!

''معاف کیجئے گا۔ آپ ہمیشہ کہتی ہیں کہ آپ نے احسن کو ہم سب سب سے زیادہ پیار کیا مگر شاید آپ اب ایسا نہیں کر رہی...... یا آپ کے پیار کا انداز الگ ہو گا مگر مجھے یہ نہایت ہی عامیانہ سا لگ رہا ہے۔ آپ والدین ہمیشہ ہر بار اولاد کے بارے میں ہی اتنے حساس کیوں ہو جاتے ہیں اور پھر آپ کا پیار۔ آپ کی ضرورت سے زیادہ توجہ ہی آپ کی اولاد کی سب سے بڑی آزمائش بن جاتی ہے...... یا پھر آپ کی سب سے بڑی مجبوری''......؟

''''انا یہ تم کیا کہہ رہی ہو''؟ امی میرے پاس بیٹھ گئی اور ان کے بیٹھتے ہی میں ان کے پاس سے اٹھ گئی...... ''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں...... آپ اس وقت صرف احسن کی تکلیف دور کرنے کی فکر میں ہیں...... آپ کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ان کی خوشی کس میں ہے؟ کیا ہے......؟ آپ والدین بھی عجیب ہوتے ہیں...... اپنے پیار اپنی توجہ کی بدلے میں آپ صرف اور صرف اپنی اولاد کی زندگی کی سب سے بڑی اور اہم چیز، اہم جذبے کی قربانی لینا جانتے ہیں...... اور اس پر تڑا یہ کہ آپ خود کو انجان گردانتے ہوئے۔ اس عدالت سے اپنی ہی عدالت سے ہی بے گناہ بری بھی ہو جاتے ہیں۔''

''اماں اگر یہ سچ ہے کہ آپ نے احسن کو ہم سب سے زیادہ پیار کیا ہے۔ تو پھر اس سے بڑا سچ بھی اور کوئی نہیں کہ ہم تینوں میں سے احسن ہی ہیں۔ جنہوں نے آپ کے لئے ابا اور شاید بابا کے لئے اپنی زندگی اپنی خوشیوں اپنے ارمانوں کی قربانی دی ہے۔ اپنے مان کو اپنے غرور کو اپنی خواہشوں کو اٹھا کر جانے کہاں بہت دور اپنی زندگی سے بہت دور پھینک دیا ہے آپ کو اپنا پیار تو نظر آ رہا ہے۔ اپنے آنسو۔ اپنی فکریں تو نظر آ رہی ہیں۔ مگر احسن کی قربانی۔ ان کی خوشی ان کی خاموشی میں چھپے درد سے بھری آہیں آپ کو سنائی نہیں دے رہی۔''''......

میرا اتنا کہنا تھا کہ ابا اور بشیر انکل وہاں آ گئے جنہیں دیکھ کر میں خاموش ہو گئی......

''میرا چشمہ یہاں پڑا تھا...... بابا بھی اچانک آئے تھے یا جانے میری اونچی آواز سن کر...... وجہ جاننے کی کوشش میں تھے...... انہیں دیکھ کر میں نے بوا کو بلایا بوا اوپر میرے کمرے سے میرا بیگ لے آئیں...... مجھے تھوڑی دیر کے لئے Office جانا ہے...... آج کچھ نئے Staff کے لئے لوگ ملنے آ رہے تھے۔ شعیب صاحب بھی وہی ہیں۔ فرحان کراچی گیا ہوا ہے۔ اس لیے مرا جانا ضروری ہے'' ...... میں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی...... ابا کے چہرے پر قدرے ناگواری کے تاثرات نمایاں تھے۔ مگر شاید بشیر انکل کی موجودگی میں وہ کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے۔

''''انا بات مکمل کر کے جاؤ۔ ایسے ادھورا چھوڑ کر نہیں۔ آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ تمہیں مجھ پر میری ممتا پر الزام لگاتے ہوئے ذرا برابر بھی خیال نہیں آیا...... کیسے آسانی سے تم نے یہ کہہ دیا میں خود غرض ہو گئی ہوں'' ...... امی نے مجھے بازو سے پکڑ کر اپنی جانب موڑا اس وقت لاؤنج میں بشیر انکل ابا، الماس آنٹی، بابا اور سب موجود تھے۔ اور یہ میری زندگی کا پہلا موقع تھا۔ جب میں تنہا ان کے سامنے جوابدہ تھی۔ ورنہ ہمیشہ میرے ساتھ بابا یا پھر زرقا بھابھی ہوا کرتی تھیں جو مجھ ان سوالوں سے ہمیشہ بچا لیا کرتے تھے۔ مگر آج مجھے اپنا آپ بابا کے سامنے ایسے تنہا

محسوس ہوا۔ جیسے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا......

میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ کہ وہ اچانک بولی...... ''اتنی بڑی بات میں تمہارے ''ابا'' سے پوچھے بنا نہیں کر سکتی تھی ان کی بھی یہ ہی صلاح ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے...... میں نے ابا کی طرف اور میں سانس پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ ابھری''......

کاش اس وقت مجھے احسن کی پسند کے بارے میں علم ہوتا......تو میں خود کو اتنا بے بس محسوس نہ کرتی اس وقت میں اس زخمی شخص کی طرح لڑ رہی تھی جس کے پاس نہ تو اپنے بچاؤ کے لئے کوئی ہتھیار ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی تدبیر...... بے چارہ بالکل نہتا اپنی جنگ میں صرف ایک خیالی طاقت لیے یا پھر خیال کا سہارا......اور محض خیال کی بنیاد پر کب تک لڑا جا سکتا تھا...... مجھے اس وقت احسن پر بھی غصہ آ رہا تھا اور زرقا بھابھی پر بھی: اگر اس وقت وہ اس لڑکی کے بارے میں ''تفصیل'' سے بتا دیتی تو شاید اس سے بہتر موقع گھر والوں کو قائل کرنے کا اور کوئی بھی نہیں تھا......مگر بے چاری بھابھی کو کہاں علم تھا' کہ ان کے ساتھ یہ سب ہو گا۔ اور ان کے جانے کے بعد مجھ پر اور ''احسن'' پر یہ وقت بھی آئے گا۔

''بولو۔ یا بت بنی کھڑی دیکھتی رہو گی''...... بوا نے میرا پرس میرے پاس لا کر رکھ دیا اور خود باہر چلی گئی......

''امی Please میں نہیں چاہتی کہ ''احسن'' کوئی ایسی بات سنے اور مزید دکھی ہوں''۔ یہ کہتے ہوتے میری نظریں بابا پر تھیں......! جس پر ابا قدرے سخت لہجے میں بولے وہ سو گیا ہے، تمہیں جو کہنا ہے کہو''...... ''ہم چلتے ہیں دانش صاحب''...... بشیر انکل حالات کی سازگاری دیکھ کر بولے۔ ''نہیں بشیر صاحب آپ کہاں چلے...... سنتے جائیں کہ جوان اولاد والدین پر الزام تراشی کیسے کرتی ہے......اور بوڑھے والدین کے لئے اس سے بڑی آزمائش اور کیا ہو سکتی ہے......؟ آپ ٹھہریں''...... اس پر ''''بابا'' بولے دانش تم زیادہ جذباتی ہو رہے ہو''......ان کا لحجہ بھی قدرے سخت تھا مگر ان کے انداز سے مجھے اس وقت یہ ہی لگا کہ جیسے بابا بھی اس معاملے میں برابر کے شریک تھے اور اس دن مجھے بابا پر پہلی بار غصہ آ رہا تھا'' کیا کہا تم نے کون خود غرض ہو رہا ہے''......۔ بابا نے قدرے سخت لہجے میں مجھ سے دوبارہ پوچھا جس پر میں اندر سے کانپ رہی تھی،......

''مگر شاید وہ احسن کی خوشی کو حاصل کرنے کی لگن تھی۔ یا پھر ان سے بے لوث محبت کی سچائی کی طاقت......جسنے اچانک میرے اندر سے تمام خوف ختم کر دیا تھا...... کچھ ہمت

اکٹھی کر کے بولی!

''آپ سے میں کچھ سوال پوچھتی ہوں۔ان کے جواب دے دیں۔شاید انہیں میں آپ کو آپ کے اس سوال کا جواب بھی مل جائے اور اگر آپ کو میری ان باتوں میں گستاخی لگے تو میں اس کی پیشگی معافی مانگتی ہوں......''

''احسن کی زندگی زیادہ ضروری ہے یا موت!''......؟''بکواس بند کرو......''انا''''

امی نے آگے بڑھ کر میرے منہ پر تھپڑ مار دیا......شاید وہ دن ہی تھپڑوں کا تھا۔پہلے احسن کو بابا نے اور بعد نے اماں نے مجھے......''کیا کرتی ہیں آپ ہوش کریں''......الماس آنٹی نے آگے بڑھ کر امی کو روکا اور اب بابا بھی خاموش تھے۔

''بس آنٹی آپ رہنے دیں......اگر ہمارے بڑے ہمیں مار کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کتنے صحیح ہیں تو یہ خوش فہمی ان تک رہنے دیں۔شاید یہ خوش فہمی ہی ان کی زندگی کے لیے کافی ہو......آج دن تک آپ نے احسن سے پیار تو کیا ہے۔مگر محبت سے خالی پیار......اپنے پیار میں تھوڑی محبت ملا دیتی تو اس بات کی نوبت ہی نہ آتی......

آپ خودغرض ہیں امی......اور اس سے زیادہ خودغرضی اور آپ کریں گی بھی، تو کیا کریں گی،......فرض کریں۔احسن ہسپتال Comma میں پڑے ہوتے، اور ڈاکٹرز تمام عمر انہیں ٹھیک نہ کر پاتے......یا پھر وہ تمام عمر کیسی ایسی معذوری کا شکار ہو جاتے جو آپ چاہنے کے باوجود بھی دور نہ کر پاتی۔اور لمحہ لمحہ انہیں اس کرب میں۔اس درد کے ساتھ بے بس دیکھتی اور خود بھی بے بس ہوتی تو پھر بتائیں وہ زندگی زیادہ بہتر تھی'یا پھر وہ موت جس میں انہیں کم سے کم اس بے بسی اس بے چارگی'اس معذوری کے احساس تو نجات ملتی۔بتائیں امی۔ایک زندہ لاش جو ہر لمحہ تکلیف برداشت کرتی ہو......اس سے آپ کی محبت کا تقاضا یہ ہوگا کہ آپ اسے صرف اپنے لئے......اس تکلیف سمیت زندہ رکھیں گی......؟یا اپنی محبت پر جبر کر کے اس بے بسی اور بے چارگی سے آزاد کرنے کے لئے موت کے باوفا ہاتھوں میں سونپنے کی اجازت دے گی؟''......میری بات پر ان کی نظریں جھک گئی۔

''آپ والدین کو ہم اولاد کے جسم پر لگے ہر زخم کی فکر ہوتی ہے......اور اس کا جلد سے جلد علاج ہو۔یہ آپ کی سب سے پہلی کوشش ہوتی ہے، پرواہ بھی......مگر جو زخم روح پر یا دل پر لگے ہوں، چاہے وہ آپ کے علم میں ہوں یا نہ ہوں......وہ محض ایک جذباتی فیصلے۔یا کم عمری' یا ناسمجھی کی نظر ہو جاتے ہیں،......ان زخموں کی آپ کو فکر کیوں نہیں ہوتی......ماں کو تو اپنی اولاد

کے دل کی ہر دھڑکن کا علم ہوتا ہے۔ پھر اپ کی کیوں نہیں ہوا...... ''بابا'' کو کیوں نہیں ہوا''......

''کس چیز کا علم''......؟ امی نے مجھے جھوڑتے ہوئے پوچھا

'' مجھے نہیں پتہ...... آپ کو پتا ہوگا...... آپ بہت پیار کرتی ہیں نا احسن سے تو پھر وہ ایسے خاموش کیوں ہیں......؟ کیا وجہ ہے؟ اور امی وہ ابھی سے چپ نہیں ہیں۔ وہ ہمیشہ سے چپ تھے......اور آپ بڑوں نے کبھی ان کی خاموشی کی وجہ جاننے کی کوشش نہیں کی...... آپ نے ان کی خاموشی کو ان کی عادت سمجھ کر ٹال دیا...... آپ نے ان کی خاموشی کو ان کی ذات کا مکمل حصہ بنادیا۔

آپ نے ہمیشہ ان کی خاموشی کو ان کی والدہ سے رشتے کی محرومی سمجھا۔

جیسے ابھی زرقا بھابھی کی جدائی کو وجہ بنا رہی ہیں۔

آپ خود بتائیں امی۔ کیا یہ بات غلط ہے؟ کیا یہ بھی غلط ہے؟ کہ ہم چاروں میں سے واحد ''احسن'' ہیں جنہوں نے کبھی کسی چیز کی خواہش نہیں کی کسی چیز کا کوئی تقاضا نہیں کیا...... کوئی ضد نہیں کی......اگر آپ اپنے پیار کا اتنا مان کرتی ہیں۔تو پھر ''احسن'' کی فرمانبرداری کہاں گئی''؟......

''منیر بھائی' اور نعمان بھائی۔ باہر اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزار رہے ہیں...... جو چاہا انہوں نے وہ پالیا...... آپ لوگوں نے انہیں تو کبھی نہیں ٹوکا وہ کیوں نہیں'' آپ کے پاس؟......

''احسن'' نے اپنی زندگی کا کون سا ایسا کام ہے جو آپ سب کی مرضی کے خلاف کیا ہو؟۔ کیا انہوں نے بچپن میں کچھ ایسا کیا تھا؟...... میں تو نہیں تھی مجھے نہیں پتہ......یا جوانی میں؟۔ کیا پڑھائی میں؟۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے انہوں نے اپنی پڑھائی۔ اپنی نوکری کے ساتھ ساتھ اس گھر کی ہر ایک کام کو چاہے وہ بڑی نوعیت کا ہو یا چھوٹی نوعیت کا پوری ذمہ داری سے نبھایا ہے۔ اور تو اور، آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں امی کے نعمان بھائی اور منیر بھائی کی شادیاں کیسے ہوئیں۔ کیا احسن کی شادی بھی ویسے ہوئی تھی......؟ کیا آج تک ہم تینوں کی طرح آپ کو احسن نے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی پریشان کیا ہے......؟

نہیں کیا امی کبھی نہیں کیا......؟ ہمیں اندازہ نہ ہوسکا' آنکھوں سے آنسو بہلے لگے، آج جب ان کی اس حالت میں ان کا اپنا ہی کوئی اختیار نہیں وہ خود اپنی حالت میں اپنے ہاتھوں ہی بے بس ہیں، تو صرف ان کے دس' گیارہ' مہینے کی بے بسی سے تنگ آ کر آج یہ نوبت آ گئی...... کہ انہیں سب کے سامنے وجہ جانے بغیر تھپڑ مارے جا رہے ہیں۔

اس لیے...... کیونکہ وہ اپنی تقدیر کے ہاتھوں بے بس ہیں۔ اور یہ ہی ان کا قصور ہے نا......؟

کیا کبھی۔ منیر بھائی۔ نعمان بھائی کو ایسے تھپڑ مارے تھے''......؟......میری نظریں بابا کی جانب تھیں......

''اماں جو اولاد آپ کے دکھ درد کی ساتھی ہو' اسے Forgranted مت لیں...... ذرا احسن کی جگہ پر جا کر ان کی ذہنی اذیت کے بارے میں سوچیں...... وہ کس کرب سے گزر رہیں ہیں۔ بجائے اس کے کہ آپ ان کی ذہنی اذیت کو کم کرنے کے بارے میں سوچیں...... آپ انہیں مزید نئی الجھنوں میں ڈالنے کے منصوبے بنا رہے ہیں...... کیا احسن کی خاموشی زرقا بھابھی سے شادی کے بعد کم ہوئی تھی......نہیں امی...... یہ اور بات ہے کہ انہوں نے کبھی زرقا بھابھی کو شکایت کا موقع نہیں دیا اور اب ان کی خاموشی میں آپ انہیں ایک نئے حکم کی تعمیل میں کھڑا کر دینا چاہتی ہیں......تا کہ اس خاموشی اور اندر کے اکیلے پن میں گھٹ گھٹ کے مر جائیں۔ وہ تو کبھی بھی کچھ نہیں کہیں گے آپ لوگ ان کے دل میں خوشی کا احساس' اور لبوں پر سچی مسکراہٹ لانے کے بارے میں نہیں سوچ سکتے؟......''یا ایک صدمے کا مقابلہ کرنے کا بہترین حل یہ ہے کہ اس شخص پر گذشتہ صدمے سے بڑے صدمے کا بوجھ ڈال دو...... تا کہ وہ وقت بھول کر حالیہ صدمے کی طرف لگ جائے۔ اور پھر آنے والے وقت میں دونوں صدموں کے بوجھ تلے تا عمر دبا رہے...... کچھ تو سوچیں آپ......؟ اور اگر آپ...... کو یہ سب ٹھیک لگتا ہے۔ تو کریں جو جی میں آتا ہے کریں مرتے ہوئے کو اور ماریں! بار' بار ماریں......اور ہو سکے تو جب ان کی آنکھ کھلے تو اٹھتے ساتھ دوبارہ مارنا شروع کر دیں...... تا کہ جو غصہ آپ اس وقت مجھ پر نہیں اتار پا رہے......وہ ان پر اتر جائے......

آپ والدین یہ بھول جاتے ہیں کہ اولاد کے پاس بھی ایک ہی زندگی ہوتی ہے۔

اور وہ شخص جو اس وقت اس دنیا کا میرے نزدیک سب سے زیادہ دکھی اور ٹوٹا ہوا شخص ہے...... وہ اس وقت بالکل خالی ہاتھ ہے:۔ اس نے اپنے زندگی کے بہترین دور میں۔ بہترین رشتوں کو تقدیر کے ہاتھوں اپنی خاموشی کے ہاتھوں۔ یا پھر آپ لوگوں کی ضرورت سے زیادہ پرواہ سے خالی توجہ کے ہاتھوں گنوائیں ہیں...... ہو سکے تو اسے بہت ساری زندگی کے ساتھ تھوڑی سی خوشی بھی دے دیں،...... ہو سکے تو اسے اپنی زندگی میں سے چند پل جینے کی اجازت دے دیں میں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا آنے والے وقت میں اسے برباد کرنے کے لئے

نئے رشتوں میں نہ الجھائیں تو بہتر ہے......!

''اور ایک بات...... آپ سب بڑوں سے میری ایک ہی گزارش ہے۔ کہ جس کا غصہ ہو۔ اسی پر اتاریں...... غصہ کس اور پر، اور تھپڑ کسی اور کے چہرے پر...... اور وہ بھی بے زبان، ٹوٹے ہوئے ہارے ہوئے انسان کے چہرے پر'' ...... میں نے اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے بابا کی جانب دیکھا......

''بہر حال آپ بڑے ہیں...... جو چاہیں فیصلہ کریں......! آپ کی اولاد ہے سب اختیار آپ کے پاس ہیں......

اگر اجازت ہو۔ تو میں ذرا آفس سے ہو آؤں۔ میرا وہاں انتظار کر رہے ہیں سب...... باقی تھپڑ آ کر کھالوں گی...... میں نے سب کو اپنی طرف محو پا کر پوچھا۔ تو بشیر انکل بولے...... ہاں بیٹا جاؤ۔ تم جاؤ...... خیال سے جانا'' ......

میں یہ کہہ کر خاموشی سے باہر آ گئی۔ گاڑی سڑک پر ڈالی تو آفس جانے کو دل بالکل بھی نہیں کر رہا تھا...... شعیب صاحب کو فون کیا...... ''کہ وہ اپنی مرضی سے دیکھ لیں۔ کس کو رکھنا ہے اور کس کو نہیں...... یا پھر انہیں کل آنے کا کہہ دیں'' ......

اور خود میں نے گاڑی کا رخ اندرون شہر کی طرف موڑ لیا جانے بے اختیار کیوں شاید اپنے اندر کے شور۔ کو باہر کی بھیڑ کے ساتھ بدلنا چاہتی تھی۔ یا پھر کچھ اور''

میں آج اس بازار کی طرف چلی گئی جہاں میں بابا کے ساتھ آئی تھی۔ گاڑی ایک طرف پارک کر کے اندر گلیوں میں بنے چھوٹے سے بازار کی طرف چل دی جس میں موجود لوگوں کے چہروں پر الگ داستان الگ کہانی موجود تھی...... جس بازار کی گلیوں میں بابا کا بچپن خاموشی سے گزرا تھا۔ اور پھر میں اس ہوٹل میں چلی گئی۔ جہاں ہم نے چائے پی تھی۔ اس ہوٹل میں جاتے ہی سب لوگ مجھے حیرت سے دیکھنے لگے۔ شاید ایسے علاقوں میں لڑکیاں اکیلے نہیں آیا کرتی ہوں گی۔ وہاں کا ماحول ایسا تھا۔ میں لکڑی کے ایک ٹوٹے ہوئے سٹول پر بیٹھ گئی۔ ایک تقریباً 12 سال کا بچہ میرے پاس آیا...... اس نے پلاسٹک کے ایک میلے سے جگ میں پانی اور ساتھ ایک پلاسٹک کا گلاس میز پر رکھ کر پوچھا۔ ''باجی کیا لوگی'' ......؟ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا...... جس میں اپنی ایک داستان چھپی تھی...... اور پھر ایک آپ بابے الا نے کا کہا...... بازار میں چلتے ہوئے ہر بندے میں جانے کیوں مجھے اپنا آپ نظر آ رہا تھا...... اور پھر بابا کا احسن کو مارنا...... بابا کی بے بسی۔ احسن کی خاموشی...... اور پھر آنٹی اور امی کے الفاظ احسن

سے شادی کرلو...... احسن کو اپنا لو...... کتنے عجیب الفاظ تھے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ میں نے ان کی خواہش سے پہلے ہی احسن کو اپنا تو لیا تھا...... مگر اپنے لیے نہیں...... کتنا عجیب احساس تھا یہ بھی...... کہ ایک انسان کو اس لیے پانا ہو...... کہ بس ہمارے اختیار میں اسے اپنا بنانے کے علاوہ باقی سب اختیار ہوں۔

کیا کروں؟ احسن کو کیسے سمجھاؤں۔ گھر والوں کو فیصلے کا اختیار بھی دے آئی تھی' اور مجھے اس بات کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا فیصلہ کریں گے؟...... اگر انہوں نے اپنے اس خیال کی تسکین کے لیے احسن کو دوبارہ مجبور کر کے قربانی کے راضی کرلیا تو کیا ہوگا؟...... اور احسن ہیں کہ نہ کچھ بتاتے تھے۔ اور نہ ہی پوچھنے کی اجازت دیتے تھے......

انہیں سوچوں کی اُدھیر بن میں وہ بچہ ایک چھوٹی سی پیالی میں میرے لیے چائے لے آیا جو جتنی کپ میں تھی۔ اتنی ہی اس کے نیچے رکھی چھوٹی سی پلیٹ میں تھی میں نے اسے دیکھا اور پھر لوگوں میں خود کو ڈھونڈنے لگی ایک گھونٹ پیا چائے میں میٹھا کافی تھا اور میں میٹھی چائے نہیں پیتی تھی، بعض اوقات زیادہ مٹھاس بھی زہر لگتی ہے، اور میرے ساتھ ایسا ہی تھا' یا شاید میرے اندر میرے وجود کی کڑواہٹ نے اس مٹھاس کو مزید کڑوا کر دیا......

میں وہاں سے اٹھی۔ میز پر پیسے رکھے ہی تھے کہ وہ بچہ بھاگتا میرے پاس آیا۔ ''باجی چائے؟ بس۔'' ''یہ چائے کے پیسے کاٹ لو...... اور باقی تم رکھ لو'' ...... اس نے 500 کے نوٹ کو گھور کر کہا ''باجی...... چائے تو 15 روپے کی ہے'' ...... ''ہاں تو باقی تم رکھ لو'' ...... اس نے حیرت سے دیکھا، ''اچھا...... باجی تم رکو...... میں باقی پیسے تمہیں لا کر دیتا ہوں۔ پھر تم مجھے دینا'' ...... مجھے اس کی بات پر ہنسی بھی آئی اور اس کی حالت پر ترس بھی وہ بھاگتا گیا اور باقی پیسے مجھے لا کر دیتے میں نے وہ روپے اس کے ہاتھ سے لیے انہیں اپنے پرس میں رکھ کر 500 کا دوسرا نوٹ نکالنے میں ہی اسے بچے کے چہرے پر دکھ کا جو تاثر اور نا میدی نمودار ہوئی تھی ایک ناامیدی کہ شاید میں نے اسے روپے دینے کا ارادہ ترک کر دیا ہو مگر جیسے ہی اس نے میرے ہاتھ میں دوسرا نوٹ دیکھا تو جیسے کھل اٹھا میں نے اس نوٹ کی تہہ لگائی اور اس کو اس کی سامنے جیب میں رکھ دیا...... تو اس نے اپنی سامنے کی جیب سے نکال کر قمیض کے اندر کی جیب میں اس نوٹ کو حفاظت سے رکھ لیا...... جیسے اب وہ محفوظ ہے۔

اس کے چہرے پر بکھرتی خوشی میں جانے کیوں ''احسن'' کی خوشی بار بار سامنے آرہی تھی...... میں احسن کے لیے کیا کرتی...... تھکے قدموں سے بھیڑ میں سے گزرتے اس سفر میں

مجھے وہ الفاظ یاد آنے لگے...... جو میں نے اپنی یونیورسٹی لائبریری میں رکھی ایک کتاب میں پڑھے تھے۔اور آج مجھے میری ذات انہیں الفاظ کے گرد گھومتی لگ رہی تھی۔

آج بازار میں پابجواں چلو
چشم نم جانِ شوریدہ کافی نہیں
تہمت عشق پوشیدہ کافی نہیں
آج بازار میں پابجولان چلو
دست وافشاں چلو......مست ورخصاں چلو
خاک برسر چلو......خوں بداماں چلو
راہ تکتا ہے سب......شہر جاناں چلو
حاکم شہر بھی......مجمع عام بھی
ہر تیر الزام بھی......سنگ دشنام بھی
صبح ناشاد بھی......روز ناکام بھی
آج بازار میں پابجولاں چلو!
ان کا دم ساز اپنے سوا کون ہے
شیر جاناں میں اب' باصفا کون ہے
دستِ قاتل کے شایاں' رہا کون ہے
رختِ دل باندھ لو......دل فیگارو چلو
پھر ہم ہی قتل ہو آئیں یاروں چلو
آج بازار میں پابجواں چلو......

میری واپسی گھر رات تقریباً دس بجے ہوئی اور گھر میں مکمل خاموشی کا ماحول تھا سوائے بوا کے سامنے کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا اور بوا سامنے کچن میں سر پکڑے بیٹھی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی......''بولی بیٹا اس گھر کے دن رات کب بدلیں گے......؟ دعائیں کرتے کرتے مجھ دکھیا کی تو زبان رہ گئی......وہ سنتا ہی نہیں''......میں نے مسکرا کر بوا کو سینے سے لگا لیا......''آپ پریشان نہ ہوں۔وہ سنے گا ایک دن تو سنے گا ہی......جانے اس وقت میرے لہجے میں ایک محکم سا یقین تھا''......''سب لوگ کہاں ہیں۔میں نے پانی پیتے ہوئے کہا......''سب اپنے اپنے کمروں میں ہے''۔احسن نے کچھ کھایا''......؟''نہیں بیٹا۔کچھ نہیں کھایا بس ایک پیالی یخنی کی پی کر پہاڑ فتح

کرلیا ہے۔اسنے اور کہتا ہے کہ بعد میں منگوالوں گا۔ابھی بھوک نہیں''......

''اچھا''...... میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔''اور باقی سب نے؟''...... ''نہیں بیٹا کسی نے کچھ نہیں کھایا''...... ''چلیں آپ ''احسن'' کا کھانا تیار کردیں میں آکر انہیں تو کھانا کھلا دوں......باقی سب بھی کھالیں گے......میں یہ چیزیں کمرے میں رکھ کر آتی ہوں''......میں اپنے کمرے میں اپنا بیگ وغیرہ رکھا۔فرحان کو Call کی: اس کی کافی Miss calls آئی پڑی تھیں اور Text message بھی وہ خیریت سے Hotel میں تھا میں اسے یہ سب بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی اس وقت مجھ میں سب بتانے کی ہمت تھی۔ میں نیچے گئی تو بوا نے احسن کے لیے ٹرے تیار کر رکھی تھی۔ میں ٹرے لے کر احسن کے پاس چلی گئی'' احسن ''خلاف معمول آنکھیں موندے لیٹے ہوئے، دروازے کی آہٹ پر لیٹے ہوئے میری جانب دیکھا اور آنکھیں پھر بند کرلیں۔

میں نے میزان کے آگے رکھ کر انہیں پکارا۔''اٹھیں کھانا کھالیں''......میں پاس بیٹھتے ہوئے ان کی پلیٹ میں چاول پرونے لگی......''''انا'' مجھے بھوک نہیں ......Please تم ابھی جاؤ جب مجھے بھوک ہو گی اس وقت تمہیں Call کرلوں گا...... ابھی نہیں کھانا...... ابھی جاؤ''......آنکھیں بند کیے انہوں بوجھل لہجے میں صاف انکار کردیا......

''جی نہیں میں نہیں جارہی آپ اٹھیں تھوڑا سا کھانا کھالیں۔ پھر دوائیں لیں اور پھر آرام سے سوجائیں میں آپ کو پریشان نہیں کروں گی......چلیں اٹھیں شاباش میں ان کے پاس پلیٹ لئے تھی انہوں نے آنکھیں کھول کر میری جانب دیکھا اور سخت لہجے میں بولے۔'''' انا'' ایک مرتبہ کہنا کافی ہوتا ہے۔ جاؤ ابھی مجھے نہیں کھانا''۔

''اٹھیں اٹھیں باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ ابھی یہ تھوڑا سا کھالیں......چلیں......! میں نے ڈھیٹائی سے دوبارہ کہا''......تو وہ الجھ کر اٹھے......میرے ہاتھ سے پلیٹ لے کر سامنے زمین پر پھینک دی......اسی دوران امی اور بابا کمرے میں داخل ہوئے زمین پر ٹوٹی ہوئی پلیٹ اور بکھیرا ہوا' کھانا اور پلیٹ کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے دیکھ کر انہوں نے سوالیہ نظروں سے ہماری طرف دیکھا۔احسن انہیں دیکھ کر قدرے شرمندہ سے ہوگئے

اور میں نے اس وقت بابا اور امی کو نظر انداز کر دیا...... '' چلیں کوئی بات نہیں میں دوسری پلیٹ میں روٹی اور سالن سے دیتی ہوں اگر چاول پسند نہیں تو......اس وقت میں نے ایسے ظاہر کیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور نہ ہی کوئی اور کمرے میں موجود ہے۔ میں نے پلیٹ میں

سالن اور روٹی رکھ کر ان کے سامنے کر دی...... امی اور بابا میری یہ بے رخی دیکھ کر خاموشی سے باہر چلے گئے ...... ان کے جاتے میں ''احسن'' نے دوبارہ مجھے سلگتی آنکھوں سے دیکھا۔ '''' انا'' تمہیں ایک بار سمجھ نہیں آئی ...... میں نے کہا کہ میں نہیں کھاؤں گا...... جاؤں اب یہ سب لے جاؤ'' ......انہوں نے دوبارہ میرے ہاتھ کو جھٹک دیا......

''''احسن! اب آپ کی باری ہے سمجھنے کی......اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے ہے کہ میرے اندر بھی اسی خاندان کا خون ہے جس کا آپ کی رگوں میں دوڑ رہا ہے......اور میں آپ سے زیادہ چلا سکتی ہوں ...... میری نرمی کا ناجائز فائدہ مت اٹھائیں۔ آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ میں کھانا کھلانے بنا یہاں سے باہر نہیں جاؤں گی چاہے آپ یہ سارے برتن اٹھا کر دیوار پر پٹخ دیں...... سمجھے......اب بہتر یہ ہے آپ خاموشی سے کھانا کھالیں اور آرام سے لیٹ جائیں اس سے زیادہ اس وقت میں اور کچھ نہیں چاہتی''......احسن آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھتے رہے۔

''اور بات سنئے ...... کچھ بھی ہو مگر آپ اپنی بے بسی کے ذمہ دار خود ہیں...... آپ کی خاموشی ہی آپ کی سب سے بڑی دشمن بن گئی...... اور کس نے کہا تھا کہ آپ اس قدر اچھے بنے کے آنے والے وقت میں اس حال کو پہنچ جائیں کہ آپ کے پاس اپنے لئے ہمدردی بھی نہیں بچی یہ سب آپ کا ہی قصور ہے ''احسن'' اگر وقت پر اظہار کر دیتے تو آج اس حال میں تو نہ ہوتے کم از کم''......

احسن نے دوبارہ میری طرف بھرپور حسرت سے دیکھا...... ''کیا مطلب ہے کیا کہنا چاہتی ہو؟'

آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ میں کس حوالے سے بات کر رہی ہوں...... میں ان کے سامنے جا کر ان کے پاس زمین پر بیٹھ گئی...... ''احسن پلیز ......اپنے لیے اگر آپ خود کچھ نہیں کرو گے تو اور کون کرے گا......پلیز بتا دیں۔ جو کچھ آپ کے دل میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں کچھ کر سکوں آپ کے لئے ......آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں''۔ انہوں نے ایک بار پھر نظریں جھکا لیں۔ اور ایک نوالہ توڑتے ہوئے بولے!'' انا میرے دل میں کچھ بھی نہیں جس کا میں اظہار کرتا پھروں......تم مجھے میرے حال میں رہنے دو'' ان کا لہجہ کچھ بوجھل سا تھا......

اتنے میں بوا۔ ملازم کے ساتھ کمرے میں آ گئی اور کمرے کی صفائی کرنے لگی۔ دو تین نوالے لینے کے بعد انہوں نے پلیٹ میری طرف بڑھا دی...... میں نے انہیں دوائیں دیں بوا برتن وغیرہ باہر لے گئی......اب آپ آرام کریں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے فون کر لینا''......انہوں

نے مجھے پھر نظر انداز کر دیا......

میں نے بوا سے کہہ کر اپنے لیے چائے بنوائی......اور پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ امی ابا اور بابا لاؤنج میں ہی تھے۔مگر آج میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی اور نہ انہوں نے مجھ سے رات نماز پڑھ کر جیسے میرے پاس مانگنے کے لیے کچھ نہیں اور یا پھر اتنا کچھ جس کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں تھے......میں نے سوالیہ نظروں سے کھڑکی سے باہر آسمان کی طرف دیکھا عجیب سا سکوت تھا ماحول میں اور میرے اندر ایک عجیب سے بے چینی۔''احسن'' کی ذات ان کی خوشی میرے لیے اس وقت زندگی کا سب سے اہم اور واحد مقصد تھا......فرحان یاد آ رہا تھا۔ مگر اسے بتاتی تو کیا بتاتی؟ بوجھل دل و دماغ لیے بستر پر آ گری پہلے بابا کے پاس جانے کا خیال آیا پھر نہیں......بابا پر بھی غصہ تھا مجھے......

رات بھی گزر گئی اور پھر اگلا دن صبح امی کچن میں تھیں۔ میں نے بس سلام پر ہی اکتفا کیا......آج صبح صبح بابا بھی لاؤنج میں موجود تھے اور ابا بھی' میں احسن کو جگانے ان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی احسن ابھی تک لیٹے ہوئے تھے میں نے دھیرے سے آواز دی بڑی مشکل سے آنکھیں کھولیں ناشتہ کرنا ہے ابھی یا بعد میں لے آؤں......اور آج جانا ہے قبرستان انہوں نے آنکھیں دوبارہ بند کر لیں میں کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔ ان کی تھکن ان کی بے بسی اب میری برداشت سے باہر ہوتی جا رہی تھی میں نے کہہ تو دیا تھا مگر ان کی زندگی کی اس حالت ذمہ دار صرف وہ نہیں تھے میں کھڑی انہیں دیکھتی رہی اور ایک ایک لمحہ مجھے میرا اپنا آپ ہی ان کے سامنے ان کی بند آنکھوں کے سامنے پگھلتا محسوس ہو رہا تھا انہوں نے آنکھیں کھولیں تو ایسا لگا تھا۔تمام جہاں کا درد اور بوجھ انہیں کی آنکھوں میں سمایا ہے......ٹھیک کہتے ہیں انسان کو اس کی محبت ہی دنیا کی سب سے حسین چیز لگتی ہے......اور اس وقت میرے ساتھ وہی احساس تھا...... انہوں نے مجھے جب اپنے پاس کھڑا خود کو دیکھتے پایا......بڑے آرام سے پہلو بدل کر آنکھوں کو اپنی بازو سے ڈھانپ لیا......''انا'' تم چلو ناشتہ کرو میں Fresh ہو کر آتا ہوں۔''اچھا میں چلتی ہوں آپ Please fresh ہو کر ناشتہ کرنے آ جائیں''......یہ کہہ کر میں کمرے سے باہر آ گئی۔ میں نے کیچن میں ہی چائے کا کپ پیا......اور باہر لان میں چلی گئی۔ محبوب چچا لان ٹھیک کروا رہے تھے' مالی پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھے۔ میری گاڑی انہوں نے گھر کے پچھلے حصے میں پارک کروادی تھی......''محبوب چاچا میری گاڑی یہاں لے آئیں Please'' ''اچھا چابی لائیں گڑیا رانی''۔محبوب چچا مجھے بچپن سے گڑیا رانی کہا کرتے تھے میں لان میں ہی

بیٹھ گئی......اور مالی کو پودوں کو پانی لگاتے دیکھ رہی تھی۔محبوب چچا نے گاڑی سامنے پورچ میں لا کر لگادی......

تھوڑی دیر میں احسن باہر آگئے کالے رنگ کا کرتا اور سفید شلوار پہن رکھی تھی۔اس پر شفاف چہرہ اور بوجھل آنکھیں......''چلیں انا''انہوں نے باہر نکلتے ہی کہا''''جی چلیں''......میں آگے بڑھی کہ الماس آنٹی کی گاڑی اسی وقت سامنے آکر رکی بشیر انکل بھی موجود تھے......وہ ہمیں ملے......''قبرستان جارہے ہو''......؟ آنٹی نے پوچھا......

احسن نے جواب دیا......''جی آنٹی......آپ چلیں اندر''......انکل ہمیں مل کر اندر چلے گئے''میں نے گاڑی کے قریب ہی پہنچی تھی کہ آنٹی نے مجھے بلایا......''''انا'' واپسی پر مجھے مل کر جانا......کچھ بات کرنی ہے تم سے''......میں نے اثبات میں سر ہلایا......اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

وہ میرے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔خاموش۔مگر ان کی خاموشی میں خاموشی نہیں تھی۔ جانے کیوں مجھے ایسا لگتا تھا کہ ان کے اندر کافی شور ہے۔مگر وہ اپنے اس شور کو اپنے اندر چھپائے ہوئے تھے۔مکمل طور سے اور میں ان کے اس شور کو ختم کرنا چاہتی تھی۔یا پھر کم سے کم اس تکلیف میں ان کے ساتھ شریک ہونا چاہتی تھی۔مگر وہ تو اپنی خاموشی کو اس قدر پختہ کیے ہوئے تھے۔کہ اس کا حصہ بننا تو دور ایک ذرا سی جھلک دیکھانا بھی گوارا نہ تھا......قبرستان لے گئی وہ خاموشی سے زرقا بھابھی کی قبر کی طرف چل پڑے اور میں اپنی مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھ گئی......کوئی بھی میرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔جسے پکڑ کر کسی سمت کا کوئی اندازہ تو ہو سکے۔آج موسم قدرے بہتر تھا۔بادل بھی تھے میں نے آسمان کی طرف ایکبار پھر اپنے رب کے حضور سوالیہ نظروں سے دیکھ اور پھر وہی خاموشی کوئی جواب نہیں۔سامنے سے آتے ہوئے''احسن'' کی حالت مجھے پہلے سے بھی زیادہ قرب ناک لگ رہی تھی......میرے قریب آکر بولے......''چلو''انا''''......''آپ کل کہاں گئے تھے''۔میرے اچانک سوال پر وہ ٹھہر گئے......

میں اٹھ کر ان کے پاس چلی گئی۔'' آپ کل سارا دن کہا تھے؟...... مجھے بتانا تو ضروری نہیں تھا۔مگر ایسے ہی ذرا دیر کے لیے ساتھ ہی لے جاتے''......

انہوں نے ایک نظر میری طرف دیکھا......

''میں کہیں نہیں گیا تھا......بس سڑکوں پر دھر ادھر گھوم رہا تھا......کہ شاید کہیں سے اپنا آپ مل جائے تو اسے اپنے ساتھ لے جاؤں......تو کیا ملا پھر!......؟''

''نہیں کچھ نہیں ملا''انا''''

''آپ اپنا کون سا گمشدہ حصہ تلاش کر رہے ہیں۔ مجھے بتائیں۔ شاید میں آپ کی اس تلاش میں آپ کی مدد کر سکوں۔ مل کر ڈھونڈتے ہیں۔ اور ویسے بھی ''احسن'' اگر دل کھو جائے......تو اسے باہر کی دنیا میں نہیں اندر کی دنیا میں ڈھونڈے سے کامیابی کے امکان زیادہ ہوتے ہیں...... جہاں تک میرا خیال ہے دل سے جڑی ہر احساس کا تعلق آپ کی اندر کی دنیا سے ہوتا ہے باہر کی دنیا سے نہیں۔ آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں''......؟ میں نے ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو مکمل طور پر جھکا کر ان کے سامنے پیش کر دیا...... انہوں نے ایک مرتبہ پھر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا اور پھر بولے......''اندر کی دنیا؟ شاید ٹھیک کہتی ہو......''

''مگر اندر کی دنیا میں ہر انسان اکیلا ہی سفر کرتا ہے......اس دنیا میں ہمسفر نہیں ہوتے اور نہ ہی اس دنیا کو ہر ایک کے سامنے رکھا جاتا ہے''...... چلو گھر چلیں یہ کہہ کر وہ گاڑی کی طرف بڑھ گئے اور میں ایک بار پھر ہار گئی بے بس خالی ہاتھ مجھے ان کے اس جواب میں اپنے لیے حقارت بھی محسوس ہوئی اور دکھ بھی ہوا مگر ''احسن'' کے لیے میری جذبات اس قدرے مضبوط ہو چکے تھے کہ جانتے بوجھتے میں ان کی ہر بات کو کمال ضبط کے ساتھ برداشت کر جایا کرتی۔ بنا کسی ہچکچاہٹ کے۔

گھر گئے تو احسن اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ابا بھی جا چکے تھے اور بابا اپنے کمرے میں تھے...... امی اور آنٹی ''امی کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو آنٹی نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ '''' انا'' بیٹی آ جاؤ۔ میں تمہارا ہی انتظار میں تھی''۔ میں ان کے ساتھ اندر چلی گئی امی سامنے بیٹھی تھیں آنٹی نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور کچھ دیر خاموش بیٹھی رہیں...... میں ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی ایسا لگ رہا تھا کہ کسی بات کے لیے انکے پاس مناسب لفظوں کا ذخیرہ کہیں کھو سا گیا تھا......

''آپ رہنے دیں میں بات کرتی ہوں''! امی نے جیسے آنٹی کو سوچوں میں پا کر خود ہی کوئی فیصلہ کر لیا ہو میں نے چونک امی کی طرف دیکھا تو مجھے دیکھتے ہوئے امی بولی '''' انا'' اب میں تم سے معافی تو نہیں مانگ سکتی۔ مگر کل جو کچھ ہوا اس کا مجھے دکھ ہے...... مگر بیٹا ایک ماں کی جگہ پر جا کر سوچو تو تمہیں میرے درد کا اندازہ ہو کہ میں کس تکلیف دہ دور سے گزر رہی ہوں...... یہ ماں ہیں نا۔ انہیں میری تکلیف کا احساس ہے۔ یہ ان کا بڑا پن ہے کہ یہ اس کڑے دور میں خود کو بھول کر ہمارے دکھ کا مداوا کرنے کی کوشش کر رہی ہیں تم سے کل بات کر کے اندازہ ہوا کہ شاید ہم کچھ غلط سوچ رہے تھے...... مگر اس بات کا احساس ہوا کہ جو کچھ تم جانتی ہو وہ شاید ہم میں

سے کوئی اور نہیں جانتا تمہیں ایسا لگتا ہے کہ ہم نے تمہارے اور احسن کے متعلق یہ فیصلہ لے کر کچھ غلط فیصلہ کیا''...... مگر! ایک منٹ بہن جی...... میں ایک بات واضح کر دوں...... ''''انا'' اگر تمہارے والدین نے تمہیں اور ''احسن'' کو اکٹھا کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ کوئی غلطی نہیں...... یہ تمہارے والدین کا پیار ہے۔ تم نے کہا کہ ''احسن'' سے محبت خالص نہیں۔ مگر تم خود بتاؤ کہ اپنی اکلوتی اولاد کو ایسے حالات میں اپنے بھتیجے کے بہتر مستقبل کے لیے آگے کر دینا...... اس طرح کون سوچ سکتا ہے میری زرقا جب زندہ تھی۔ اور میں اس کے لئے رشتہ ڈھونڈ رہی تھی تو میں نے ایک ذرا برابر کسی کمی پر سمجھوتہ نہیں کیا تھا...... ''مجھے میری اکلوتی اولاد کے لیے ایک مکمل' اور کامیاب انسان کی تلاش تھی۔ اور ایسا ہی ہوا احسن میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں تھی۔ شکل صورت۔ سلیقہ۔ پڑھائی۔ خاندان۔ نوکری۔ سب کچھ تھا تو میں نے اپنی زرقا کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا تھا...... اس کے برعکس تم بھی ان کی اکلوتی اولاد ہو۔ اور تم سے زیادہ عزیز انہیں کوئی اور نہیں ہو سکتا...... ''انا'' اگر میں اس ماں کی جگہ ہوتی تو ایسا فیصلہ لینے کی ہمت تو دور اس بارے میں سوچنا بھی میرے لیے ناممکنات میں سے ہوتا...... لیکن اگر یہ ماں یہ فیصلہ کر رہی ہے۔ کہ اپنا سب سے عزیز ترین رشتہ اپنی اکلوتی اولاد کو ایسے حالات میں ایسے انسان کے سپرد کرنا...... کیا ہے......؟ بیٹا یہ احسن سے محبت کی شدت ہی تو ہے کہ اپنی اولاد کی بہتری کے بارے میں نہیں' احسن کے بہتر زندگی کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔ اور اس بات کی اہمیت کا احساس اور قدر تمہیں اس دن ہو گی جس دن تم خود ماں بنو گی''...... آنٹی نے امی کی طرف داری میں سے ایک حقیقت میرے سامنے کھول کر رکھ دی۔ جو کہ بالکل ٹھیک تھی......

''اور دوسری بات...... یہ بیٹا...... کہ ہم لوگوں نے زمانہ دیکھا ہے''۔ آنٹی کا لہجہ قدرے سخت تھا...... ''ہماری بوڑھی آنکھیں شاید سوئی میں دھاگہ ڈالنے میں گھنٹوں لگا دیں۔ مگر ہماری نظریں اپنی اولاد کے چہرے پر پڑی ہلکی سی شکن کو بھی ان کے دل کی بدلتی دھڑکنوں اور پھولی سانسوں کی وجہ پہنچانے میں لمحہ بھی ضائع نہیں کرتیں اپنی تسلی کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے بس اور ہم نے یہ دیکھا ہے''۔

میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا میری سوالیہ نظروں سے شاید انہیں میرے سوال کا اندازہ بھی ہو گیا تھا...... ''انسان کی ضرورت سے زیادہ برداشت ضرورت سے زیادہ توجہ: اور انسان کی ضرورت سے زیادہ Igrnorance بھی۔ دونوں کوئی بھی ایسا جذبہ جو اپنی انتہا کو ہو...... تو اس کے پیچھے ایک انجان سا جذبہ۔ انجان سا احساس۔ یا پھر ایک نامعلوم سی محبت چھپی

ہوتی ہے......اس محبت کا علم محبت کرنے والوں کو بھی نہیں ہوتا......اور اس پیارے سے جذبے کی جگہ ہماری توجہ...... ہماری ہمدردی یا پھر یہ احساس کہ کسی کے لیے ہمارے دل میں ایک خاص مقام بنتا جا رہا ہے...... بظاہر ہمیں دنیا کا خوف ہو حالات کا ڈر ہو تو ہم اس ہمدردی، اس توجہ کو ضرورت سے زیادہ نہ چاہتے ہوئے بھی پوری شدت کے ساتھ Ignore کرنے لگتے ہیں......لیکن جس جذبے میں شدت ہو۔ اخلاص ہو تو وہ اپنی جگہ بنا ہی لیتا ہے۔ محسوس مت کرنا ''انا'' بیٹی مجھے تم میں زرقا نظر آتی ہے۔ اس لیے تمہیں یہ سب کہہ رہی ہوں۔ تمہاری ہمدردی میں احسن کے ضرورت سے زیادہ سخت رویہ کی برداشت میں تمہاری محبت عیاں ہے...... یا اگر کوئی ہلکا لفظ استعمال کروں تو تمہاری پسند......اور مجھے احسن کی بے رخی میں تمہارے لیے یہی۔ احساس نظر آتا ہے۔ مگر شاید اسنے اپنے آپ کو زنجیروں سے جکڑ رکھا ہے ہم بس وہ زنجیر میں ہی توڑنا چاہتے ہیں بیٹا......اور اس میں کوئی برائی نہیں''۔

مجھے آنٹی کی بات سے جیسے ایک دھچکا سا لگا اور میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پھر امی کی طرف......اس وقت میرے پاس خاموش رہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا...... کیوں کہ وہ اپنے خیال اپنے تجربے کی بنیاد پر جو کچھ بھی دیکھ رہی تھیں......سمجھ رہی تھیں، وہ اپنی جگہ بالکل ٹھیک تھا...... مگر ''احسن'' کے بارے میں ان کا یہ اندازہ غلط تھا۔ اور ''احسن'' کی صفائی میں میرا بولنا ضرورت بھی تھا جبکہ ان کی بے گناہی کا کوئی ثبوت بھی نہیں تھا میرے پاس اس وقت میں بمشکل اتنا ہی کہہ سکی۔

''آنٹی ایسا نہیں ہے۔''......

''یہ حقیقت نہیں......!''

جس پر امی تلملا کر بول اٹھی۔ ''تو پھر کیا ہے حقیقت'' وہ ایک دم سے میرے سامنے زمین پر آ کر بیٹھ گئی......اور میں ایک دم سے ڈر سی گئی...... ''امی!؟''

پلیز اوپر بیٹھیں میں نے انہیں سہارا دے کر صوفے پر بٹھایا انہوں نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

''انا بتا دے بیٹا...... تجھے خدا کا واسطہ ہے۔ کیا حقیقت ہے؟ تو نے کل بھی کیا تھا کہ ہم نے احسن کے ساتھ کچھ ناانصافی کی ہے...... کیا ہے بیٹا ایسا ہمیں بتا دے مجھے ''احسن'' کی خوشی چاہیئے۔ ایسا کیا ہے جو تو جانتی ہے اور ہم نہیں۔ بتا دے بیٹا امی زار و قطار رونے لگی'' میں نے بے بسی سے آنٹی کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اٹھ کر امی کو دلاسا دیا۔

اور ٹھہر کر بولی ہاں ''''انا'' بتاؤ ایسا کیا ہے ''احسن'' کی زندگی میں جیسے ہم نہیں جانتے:.....ہمیں بتادو ہم ویسا ہی کریں گے جس میں احسن کی خوشی ہوگی''......

''آنٹی آپ کو کیا بتاؤں''......میں نے بوجھل لہجے سے کہا اور قریب پڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔''وہ بتاؤ جو ہمیں نہیں پتہ''امی نے روتے ہوئے پھر فریاد کی۔

''امی مجھے خود کچھ نہیں پتہ سوائے اس کے''......اس وقت میری خاموشی انہیں چبھنے لگی......اس وقت میرے ذہن میں الماس آنٹی کا ایک سوال تھا......کہ وہ کیا سوچیں گی۔مگر مجھے اس وقت انہیں بتانا تو تھا''انا'' تم میری فکر نہ کرو سچ بتاؤ کیا بات ہے۔الماس آنٹی نے میری الجھن کو شاید تجربے کی نظروں سے پڑھ لیا تھا......اور میری مشکل کو آسان کر دیا......امی! احسن بھائی کی زندگی میں کوئی تھی......

امی ان کی زندگی میں کوئی تھی......جیسے وہ بہت پیار کرتے تھے......اور جسے وہ اپنانا بھی چاہتے تھے مگر اظہار نہ کر سکے۔یا پھر آپ لوگوں کے فیصلے کو رد کرنا ان کے لیے نافرمانی تھی......مجھے نہیں پتہ مگر......نہ وہ لڑکی جانتی ہے کہ یہ اُسے پسند کرتے تھے اور شدت سے پسند کرتے تھے......اور میں بھی شاید......؟ اور نہ ہی ہم......؟''

''تمہیں یہ سب احسن نے بتایا ہے کیا''......امی نے سوال کیا......

''نہیں''......میں ایک پل کے لیے ٹھہری......''زرقا بھابھی نے بتایا تھا''......میری بات سن کر جیسے وہ دونوں پتھر کی ہو گئیں''زرقا نے؟''

اور اس دن وہ بہت خوش تھی......شاید اسی دن وہ اس بات کا اظہار کر رہی تھیں کہ ان دونوں کے درمیان حائل تمام دوریاں ختم ہو چکی تھیں......اور زرقا بھابھی کو ان کی اس صاف گوئی پر فخر بھی تھا۔اس دن کے بعد وہ دونوں بہت خوش بھی تھے......مگر تقدیر سے ان کی یہ خوشی بھی برداشت نہیں ہوئی......اور جب انہوں نے اپنے درمیان حائل دوریوں کی دیوار کو ہٹایا......تو تقدیر نے زندگی اور موت کی ایک اور دیوار کھڑی کر دی......امی''احسن'' کی تقدیر میں تو لگتا ہے پہلے دن سے ہار ہی لکھی ہے''......کچھ لمحے رکنے کے بعد میں بولی!

''مگر آنٹی اس بات کے بعد آپ ان کے لیے دل میں کوئی میل مت رکھیے گا کیونکہ زرقا بھابھی ان کے ساتھ بہت پرسکون تھیں۔میں اپنی طرف سے جیسے''احسن'' کی بے گناہی کی دلیل دینے لگی:''انا آنٹی نے ایک دم سے جیسے مجھے ٹوک دیا......

''بیٹا میں جانتی ہوں۔میں نے اپنی بچی کے چہرے پر جو سکون اور آنکھوں میں جو

خوشی دیکھی تھی......وہ "احسن" اس کے ساتھ وفاداری ہی تھی...... مجھے تو اس بات کی حسرت ہے کہ "احسن" نے اتنی بڑی بات اپنے گھر والوں سے چھپائی کیوں؟ کیا وجہ تھی اگر وہ بتا دیتا تو میرا نہیں خیال کہ اس گھر میں اس کی بات نہ مانی جاتی"...... آنٹی نے افسردگی سے کہا......

جس پر امی حیرت سے بولی "نہیں اس نے کچھ ظاہر نہیں کیا تھا۔ بس ایک دو مرتبہ مجھ سے اتنا کہا تھا کہ امی میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔ آپ ابھی میری شادی نہ کریں اور میں یہ ہی سمجھتی رہی کہ جیسے عموماً لڑکے شرماتے ہیں یہ بھی ویسے ہی ٹال رہا ہے...... مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ کچھ وقت مانگ رہا تھا۔"

"اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہو سکتا...... آنٹی نے بڑی بہادری سے کہا...... اب تو ہمیں آنے والے وقت کے بارے میں سوچنا ہے...... کہ شاید کوئی بہتری کا امکان ہو جائے۔

تم کچھ جانتی ہو اس کے بارے میں......کبھی بات کی احسن سے اس متعلق؟" آنٹی نے مجھ سے پوچھا......

"آنٹی جانتی تو کچھ نہیں ہوں اسی کوشش میں لگے ہیں میں اور فرحان۔ کئی بار باتوں باتوں میں پوچھنے کی کوشش بھی کی مگر ان کی وہی خاموشی۔ وہی بے رخی...... یا پھر بری طرح سے ڈانٹ دیں گے"...... میں نے آنٹی کو اپنی طرف سے جواز پیش کیا......اور خاموش ہو گئی......میں نے جب نظر اٹھا کر دیکھا تو آنٹی میری طرف ہی دیکھ رہی تھیں......

ان کی نظروں سے مجھے کچھ الجھن سی ہونے لگی مگر اس لمحے میرے پاس سے اٹھ جانا ہی بہتر تھا۔

"اچھا میں چلتی ہوں آفس میں ضروری کام ہے وہاں سب میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں ویسے بھی لیٹ ہو گئی ہوں"...... میں کمرے سے ایک دم باہر نکل آئی اور آفس میں وہی معمول کے مطابق کام۔

وقت جیسے ہوا کے دوش پر اڑتا جا رہا تھا اور ہمارے گھر میں خاموشی نے سب کو اپنے حصار میں مکمل طور پر لے رکھا تھا فرحان کی کراچی سے واپسی اور اس کی کراچی میں کامیابی نے ہماری ایجنسی کے لیے نئے راستے کھول دیئے تھے وہ رات بھی عجیب تھی جب فرحان اچانک گھر آیا اس نے آفس میں مجھ سے اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا الماس آنٹی اور بشیر انکل سب کھانے میں مصروف تھے۔ فرحان نے اپنے مخصوص انداز میں تھوڑی دیر میں سب کو بہلا لیا......اور پھر ایکدم سے بولا "میرے پاس آپ سب لوگوں کے لیے ایک سرپرائز ہے"۔ اس کے ان الفاظ پر

سب سے زیادہ حیرت مجھے ہوئی سرپرائز ہے اور مجھے بتایا بھی نہیں اس نے ایک DVD اٹھا رکھی تھی۔ وہ ''احسن'' کو بھی کمرے سے باہر لے آیا کہ آئیں آپ کو کچھ دیکھانا ہے میں نے یہ ہی سوچا کہ شاید اپنے نئے Project کی کوئی presentation ہوگی جو سب کو دیکھانا چاہتا ہے۔

مگر جیسے ہی سب لاؤنج میں آ کر بیٹھے...... تو اس نے اس DVD کو Player میں ڈال کر چلایا تو جیسے میرے پاؤں کے نیچے سے زمین ہی نکل گئی ہو۔ یہ وہی ویڈیو تھی جو ہم نے سوات کے ٹیرپ میں بنائی تھی۔ زرقا بھابھی کی آخری ویڈیو۔ سب نے زرقا بھابھی کو دیکھا میں نے دل میں فرحان کو کوسنے لگی زرقا بھابھی ہم سب کے سامنے ہنستے بولتے...... کھلتے موجود تھی اس وقت سب کے چہروں پر ایک عجیب سا سناٹا تھا جیسے سب برف کے ہو گئے ہوں۔ بوا اور محبوب چچا بھی آ کر دیکھنے لگے میں نے الماس آنٹی کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں سے خاموشی سے لیتے آنسوؤں کی ایک جھڑی رواں تھی ابھی پانچ منٹ ہی وہ موو ی چلی ہوئی کہ میں ایک دم سے اٹھی۔ ''فرحان تمہارا تو دماغ خراب ہے سوچے سمجھے بنا ہی چل پڑتے ہو کم سے کم حالات کا اندازہ تو کیا ہوتا''...... میں جیسے ہی اسے بند کرنے اٹھی تو بشیر انکل کی آواز نے مجھے روک دیا......

''''انا'' بیٹے رہنے دو...... دیکھنے دو۔ یہ آخری لمحے جو ہماری بیٹی نے زندگی جیتے ہوئے گزارے تھے ''احسن'' بالکل خاموش تھے...... الماس آنٹی نے بھیگی آنکھوں سے مجھے روکنے اشارہ کیا اور میں فرحان کو گھورتے ہوئے بیٹھ گئی میں نہیں جانتی تھی کہ فرحان نے ایسا جان بوجھ کر کیا تھا، اور ایسا کرنے میں اس کا مقصد کیا تھا......؟

زرقا بھابھی کی Crystal clear ہنسی گھر میں گونجنے لگی...... ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ یہیں موجود ہیں...... اور پھر وہ Scane آیا جہاں ''احسن'' نے زرقا بھابھی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں وعدہ کرنے پر مجبور کیا تھا۔ کہ وہ ان کے بغیر زندگی اکیلے نہیں گزاریں گی...... اور بدلے میں انہوں نے بھی ان سے وعدہ لے لیا......

قدرت بھی عجیب کھیل کھیلتی ہے...... کہ اپنی مرضی کی تمام چالیں وہ اس کھلاڑی سے ہی کھلاتی ہے جس کے خلاف وہ چل رہی ہوتی ہے اور پھر خود پر کوئی الزام بھی نہیں آنے دیتی۔

اور پھر وہ وقت بھی تھا جس وقت فرحان کا کیمرہ آن تھا اور اس ظالم ٹرک نے فرحان کو گاڑی کے اندر گراتے ہوئے اس کی زندگی کو بخش دیا اور ساتھ ہی دوسری ٹھوکر نے ہم سب کی زندگیوں کو ہمیشہ کے لیے موت کے سپرد کر دیا...... اس وقت کیمرہ آن تھا...... گاڑی کے اندر مگر ہم سب کی چیخ و پکار اس میں ریکارڈ ہو چکی تھی...... مووی ختم ہو گئی......

اور ہم لوگ پھر اس لمحے میں واپس جا چکے تھے...... سب کی آنکھیں بھیگی ہوتیں تھیں سوائے ''احسن'' کے مجھے خود میرے ہی آنسوؤں پر کنٹرول نہیں رہا......

فرحان خاموشی سے بیٹھا تھا...... ہال میں مکمل گہری خاموشی کی فضا قائم تھی......

''تو یہ تھا ہماری زرقا کی زندگی کا آخری سفر''...... انکل بشیر کے لبوں سے یہ الفاظ بمشکل ادا ہوئے...... الماس آنٹی کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگی اور امی نے اپنے ڈوپٹے میں اپنے چہرے کو چھپا رکھا تھا......

''کیا ملا ہے تمہیں یہ دیکھا کر فرحان...... تم ایک مرتبہ مجھ سے پوچھ تو لیتے''...... میں نے ڈانٹتے ہوئے فرحان سے کہا...... جس پر اس نے نظریں جھکا لیں......

''بتاؤ...... اس لیے لائے تھے کہ ان سب کی آنکھیں دوبارہ جلنے لگیں...... دوبارہ اسی تکلیف میں ڈوب جائیں۔ مجھے تم سے اس بے وقوفی کی امید نہیں تھی فرحان......''

''نہیں ''ابنا'' اسے کچھ مت کہو!''...... الماس آنٹی کی رندھی آواز میری سماعت سے ٹکرائی...... ''یہ بھی شاید قدرت کا ایک کرشمہ ہی ہے...... قدرت کس طرح سے ہمیں حقیقت سے آگاہ کرتی ہے ہمیں خود بھی معلوم نہیں ہوتا''...... وہ اٹھ کر فرحان کے پاس آ گئی اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار سے بولیں...... ''شکریہ بیٹے...... تم نے مجھے میری الجھن سے باہر نکال دیا...... اب میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں...... میں جتنی دلیر پہلے تھی۔ اب اس سے زیادہ مضبوط خود کو محسوس کر رہی ہوں...... ہاں یہ اور بات ہے کہ میری بیٹی مجھ سے بچھڑ گئی تو وہ مجھے کبھی مل نہیں سکتی...... مگر ''جدائی تو محبت کی شرط ہے نا'' اور جدائی ہی محبت کو قریب بھی کرتی ہے'' یہ بات کرتے ہوئے ان کی نظریں ''احسن'' پر تھیں۔ میں شاید آنٹی کی باتوں کا مطلب سمجھ چکی تھی......

''احسن بیٹا تم بڑے خاموش بیٹھے ہو...... اب تمہارا وقت ہے اپنی مرحومہ بیوی سے کیا وعدہ پورا کرنے کا...... آنٹی نے بنا سوچے سمجھے...... حالات کی نزاکت کو پرکھے بنا ایک دم سے احسن کے سامنے اتنا بڑا سوال رکھ دیا''......؟ احسن بنا کسی تاثر کے ایک نظر آنٹی کی طرف دیکھا میں بھی حیران تھی کہ آنٹی نے یہ بات ایک دم سے کیسے اور کیوں کر دی ''احسن'' اپنی کرسی سے اٹھے انہیں اٹھتے ہوئے شاید اپنی پوری طاقت لگانی پڑی تھی میری نظریں اس وقت احسن کے ہی تعاقب میں تھیں......

احسن اپنی کرسی سے اٹھ تو گئے مگر اپنے کانپتے قدموں کے ساتھ بمشکل چار قدم ہی چلے ہوں گے کہ اچانک زمین پر آ گرے ان کے گرتے ہی سب ان کی طرف بڑھے۔ فرحان

نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا۔ محبوب چچا اور فرحان نے مل کر احسن کو ان کے کمرے تک پہنچایا وہ بے ہوش تھے ابا نے فون کیا تو ڈاکٹر کچھ دیر میں گھر آ گیا ''ذہنی دباؤ کی وجہ سے ان پر بے ہوشی طاری ہوئی ہے''۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگایا...... اور بتا دیا کہ صبح تک ٹھیک ہو جائیں گے۔ رات کافی دیر تک فرحان، آنٹی اور انکل بیٹھے رہے...... مجھے فرحان پر اپنی جگہ غصہ تھا۔ مگر اس وقت میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس رات آنٹی تو ہمارے گھر ہی رک گئی تھیں جبکہ انکل کو فرحان نے ان کے گھر ڈراپ کر دیا تھا...... رات کے دو بجے میرے کہنے پر بابا' ابا اور امی اپنے کمرے میں گئے۔ آنٹی سے بھی کہا مگر انہوں نے منع کر دیا کہ میں یہی احسن کے پاس ہوں۔ میں اپنے لیے اور آنٹی کے لئے چائے کا کپ بنا کر لے آئی۔ بوا بے چاری بھی وہی زمین پر بیٹی اونگھ رہی تھیں۔ انہیں میں نے جگا کر ان کے کمرے میں بھیجا......

آنٹی نے میرے ہاتھ سے کپ لے لیا...... وہ ''احسن'' کے بیڈ پر ہی بیٹھی تھیں...... اور پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں...... میں نے انہیں چائے دے کر سامنے صوفے پر بیٹھ گئی انہوں نے مجھے کہا'''' انا'' بیٹی جا کر تم بھی کچھ دیر آرام کر لو...... میں پاس ہوں ''احسن'' کے ضرورت پڑے گی تو تمہیں بلا لوں گی......''

میں نے احترام سے جانے سے انکار کر دیا۔ میری نظر میں محتاط ہو۔ کہ باوجود بھی احسن کے چہرے پر جا کر رک جایا کرتی تھیں۔ اس وقت مجھے قدرت کی ستم ظریفی پر غصہ آ رہا تھا...... بار بار میری آنکھیں نم ہو جاتی ہزار چاہنے کے باوجود بھی میرے آنسوؤں پر میرا اختیار نہیں تھا میں آنٹی سے بار بار اپنی اس بے بسی کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اور شاید وہ کافی دیر سے میری اس حالت کو نوٹ بھی کر رہی تھیں جب مجھے خود بھی معلوم نہیں رہا کہ میں اس قدر بے بس کیوں ہو رہی ہوں احسن کی یہ حالت' یہ کرب میری برداشت سے باہر تھا۔

آنٹی اٹھی انہوں نے میز پر کپ رکھا میں نے ایک بار پھر اپنی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑ دیا۔'''' انا'' کپ خالی ہے بیٹا مجھے دے دو''...... انہوں نے میرے ہاتھ سے کپ لے لیا...... میں نے نظریں چراتے ہوئے انہیں کپ تھما دیا...... کپ میز پر رکھ کر وہ میرے پاس آ گئی اور میرے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

''رونا بُری بات نہیں ہے بیٹا...... مگر چھپ چھپ کے رونے سے تکلیف زیادہ ہوتی ہے...... ان کا اتنا کہنا تھا کہ جیسے میرے ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے میں بیٹھے بیٹھے ان کے ساتھ لپٹ گئی...... انہوں نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا...... اور میں کافی دیر سسکیاں بھرتی

رہی۔ دل کا غبار نکال لے۔ یہ آنسوؤں کا پانی اگر بہہ جائے اتنا ہی اچھا ہے ورنہ یہ من کے اندر اکٹھے ہوتے ہوئے ایسی آگ لگاتا ہے کہ انسان کی روح تک جھلس کر رہ جاتی ہے''...... کچھ دیر بعد انہوں نے اپنے ڈوپٹے سے میرے چہرے پونچھا اور میرے پاس صوفے پر بیٹھ گئی......

''محبت کرنا بھی بری بات نہیں ......مگر خاموش محبت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اپنی محبت کا اظہار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بیٹا اگر نہیں کرو گی اس کی طرح پتھر کی ہو جاؤ گی...... جیسے یہ اپنی ذات کے اندر پتھر کا ہو گیا ہے......

بیٹا محبت کوئی فارغ وقت میں کرنے والا کام نہیں ہے۔ جیسے جب وقت ملا تو کرلیا...... نہیں بچے ایسا ہرگز نہیں ہے! جب انسان کو محبت اپنے حصار میں لیتی ہے......تو پھر کسی اور کام کی کسی اور جذبے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ...... تم مجھ سے تو کم سے کم یہ سچ چھپا نہیں سکتی......تم احسن سے محبت کرتی ہو......اس کی تکلیف کو اس سے زیادہ خود محسوس کرتی ہو......اس کے دکھ میں اس سے زیادہ دکھی ہوتی ہو......مگر تمہیں کوئی راستہ نہیں مل رہا......''انا'' تم اپنی محبت کا اظہار کر دو......بتا دو اسے باقی سب تقدیر پر چھوڑ دو......

جانتی ہو بیٹا......مردوں کے اپنے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ جو وہ اپنے لیے خود ہی بنا لیتے ہیں اور انہیں لگتا ہے کہ وہ اپنے ان اصولوں پر بڑی ثابت قدمی سے' بڑی دلیری سے بہادری سے چل رہے ہیں......مگر یہ لوگ یہ حقیقت بھول جاتے ہیں کہ جب دل کے سودے کی باری آتی ہے۔ تو اس سودے میں کوئی اصول نہیں چلتا...... دل سے کی گئی محبت ہی سب اصولوں پر حاوی ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں جو زندگی وہ اصولوں کے سہارے گزار رہے ہوتے ہیں۔ وہ اصول نہیں محبت ہی ہوتی ہے۔''

اور یہ محبت ان کی زندگی میں کتنی اہم ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ انہیں ہم عورتوں سے ہی ہوتا ہے۔ ہم ہی انہیں محبت کی اہمیت سکھاتی ہیں۔ ''انا'' تم بھی ''احسن'' کو اس اہمیت کا احساس دلا دو......

یہ سوچے بنا کے ہار ہو گی۔ یا جیت......بس بتا دو اسے......ایسے اپنی زندگی کے ساتھ ظلم مت کرو میری بچی......میں اپنی ایک بیٹی کھو چکی ہوں......دوسری نہیں کھونا چاہتی۔''

آنٹی کی باتوں نے میرے اندر ایک نئی امید کی کرن کو جگا کر دیا......اب میں ان سے یہ تو ہرگز نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ یہ سب غلط سوچ رہی تھیں ان کا ایک ایک لفظ سچ ہی تو تھا......

اور دیکھو انا ''زرقا نے بھی تو اسے یہ ہی کہا تھا کہ یہ ہی وعدہ لیا تھا......کہ اس کی طرف

بڑھے ہوئے ہاتھ جو اس کی بہتر زندگی کے لیے ہو گا۔ اسے نہیں جھٹکے گا...... اسے ایسا کرنا ہوگا...... اور بیٹا میری من کی نظریں ''احسن'' کے دل میں، تمہارے لیے ایک نئے احساس نیا جذبہ دیکھ رہی ہیں...... اس کی یہ بے رخی...... اس کا یہ تمہیں نظر انداز کرنا بلا وجہ نہیں ہو سکتا...... اس کے دل میں تمہارے لیے وہ ہی احساس ہے جو تمہارے دل میں اس کے لیے ہے...... جو نظریں اللہ نے والدین کو دی ہیں۔ جن سے وہ اپنی اولاد کی صرف بھلائی ہی دیکھ سکتے ہیں...... اور کوئی رشتہ نہیں دیکھ سکتا...... اور ہم والدین وہ ہی دیکھ رہے ہیں۔ یاد رکھو ''انا'' جیسے نیک اور صالح اولاد والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہوتی ہے۔ ویسے ہی محبت کرنے والے اور سمجھنے والے والدین بھی اولاد کی خوش قسمتی ہوتی ہے......

اور یہ ہی حقیقت ہے...... ہاں اگر اتفاق نہ کرو یقین نہ ہو تو، تسلی کر لو۔ اس سے زیادہ میں تمہیں اور کیا کہہ سکتی ہوں......''

میں خاموشی سے آنٹی کی زبان سے نکلا ایک ایک لفظ اپنے دل میں اترتا محسوس کر رہی تھی...... قدرت نے بھی والدین کا رشتہ عجیب بنایا ہے۔ جو ایک پل میں اجنبی کرتے ہیں اور دوسرے ہی پل میں ایسا اپنا بناتے ہیں کہ ہم اپنی ہی ذات سے بہت دور ہو جاتے ہیں...... اور یہ طلسمی طاقت صرف اور صرف والدین کے رشتے میں ہوتی ہے۔

''پانی'' احسن نے بے قراری سے کروٹ بدلی......

''جاؤ پانی پلاؤ اسے''...... آنٹی نے مجھے انہیں پانی پلانے کا کہا...... میں اٹھی پانی کا گلاس لیا...... اور اپنے ہاتھ سے ان کا سر اوپر اٹھایا...... انہوں ساتھ دو تین گھونٹ پانی کے پیئے...... اور پھر اپنی اسی مدہوشی میں کھو گئے۔ اذانیں ہونے لگی...... ''میں نماز پڑھ کر آتی ہوں...... تم یہیں رکو...... میں آجاؤں گی تو تم جا کر نماز پڑھ آنا''...... یہ کہہ کر آنٹی کمرے سے باہر چلی گئی میں وہی کھڑی احسن کو دیکھتی رہی ان کے چہرے پر خدا کی طرف سے دکھ میں لپٹا ہوا نور ہی تو تھا جو انہیں ہر گزرتے لمحے میں مزید پر نور ہی کرتا جا رہا تھا چہرے پر بکھرے ان کے بال' میں نے اپنے ہاتھ سے پیچھے کئے تو ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے صبح کی پہلی کرن جو اوس قطروں پر پڑتی ہے تو وہ سات رنگوں میں چمکنے لگتے ہیں۔ ان کے ماتھے پر بھی وہ قطرے دھنک کے ساتھ رنگ لیے چمک رہے تھے میں نے ریموٹ اٹھا کر A.C' آن کر لیا۔ اتنے میں بابا کمرے میں آگئے...... ''کیسی طبیعت ہے اب ''احسن'' کی''...... بابا نے کمرے میں آتے ہی پوچھا...... ''پتہ نہیں...... نیند میں ہی ہیں ابھی تو...... پانی مانگا تھا...... دو گھونٹ پیئے اور بھی کچھ

بے سدھ سو گئے ہیں''...... میں نے قدرے بے نیازی سے بتایا۔ ''آپ رات بھر یہی رہی ہو''...... بابا نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا شاید میرے چہرے کی تھکن اور آنکھوں کی سوجن سے انہیں اندازہ ہو گیا تھا۔

میں نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔ ''جائیں آپ جا کر نماز پڑھ آئیں اور بوا سے کہیں کہ مجھے چائے یہیں دے جائے۔ میں اب یہی پر ہوں''۔ انہوں نے کرسی گھسیٹ کر احسن کے نزدیک کر لی۔ اور احسن کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئے......

بابا نے احسن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے لبوں سے لگایا اور پھر اٹھ کر ان کے ماتھے کو چوما......

واقعی انسان جن سے محبت کرتا ہے...... ان کی تکلیف کو ان سے زیادہ محسوس تو کر سکتا ہے مگر ان کا درد۔ لاکھ چاہنے کے باوجود بھی نہیں لے سکتا......

اگر ایسا ہوتا تو شاید دنیا کی کوئی بھی اولاد تکلیف میں نہ ہوتی بابا کے چہرے پر اداسی اور کرب ان کی کیفیت کو عیاں کر رہا تھا میں بنا کچھ کہے کمرے سے باہر آ گئی...... میں نے پہلے بابا کے لیے چائے کا کپ تیار کیا اور انہیں کمرے میں دینے گئی بابا ابھی بھی ان کا ہاتھ تھامے ویسے ہی بیٹھے تھے میں نے ان کے قریب کپ رکھ کر انہیں بتایا۔ انہوں نے ایک نظر میری طرف چشمے میں سے دیکھا انکی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے جیسے فریاد کر رہے ہوں کہ دیکھو میرے بیٹے کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ اور میرے پاس میری خاموشی کے علاوہ انہیں اس وقت دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا' میں کمرے سے باہر نکلی تو آنٹی اور امی احسن کے کمرے کی طرف جا رہی تھیں...... ''میں نماز پڑھ کر آتی ہوں'' میں نے تیز قدموں سے چلتے ہوئے انہیں آہستہ سے بتایا...... ''نماز پڑھنے کے بعد' میرے لب تو خاموش تھے مگر میرے دل سے آہ و پکار جاری تھی۔ کہ رب سن لے...... کوئی معجزہ کر لے۔ کوئی تو راستہ دیکھا دے...... ''میرے ہونے کا کوئی تو فائدہ میرے گھر والوں کو ہو۔ مجھے بھی احساس ہو کہ میرے وجود کا حصہ کیا ہے۔ میرے گھر کو خوشیاں عطا کر دے مالک...... ہاتھ جوڑے میری آنکھیں بھیگنے لگی......

گھر میں سب پریشان تھے صبح فرحان ڈاکٹر صاحب کو لے کر آیا انہوں نے تسلی دی کہ ابھی کچھ دیر میں ہوش آ جائے گا۔ بخار ٹھیک ہونے میں ابھی چند روز اور لگیں گے۔ ابا بھی احسن کے پاس ہی تھے اور پھر بشیر انکل بھی آ گئے میں کچن میں احسن کے لیے سوپ بنا رہی تھی کہ فرحان میرے پاس کچن میں ہی آ گیا۔ مجھے اس پر کل سے کافی غصہ تھا وہ شاید ایسا موقع تھا کہ ہمارے پاس اور کوئی نہیں تھا اور میری برداشت بھی جواب دے چکی تھی

''مجھے نہیں پتہ تھا فرحان تم اتنے عقل مند ہو...... کم سے کم مجھے تو بتا دیتے کہ تم اتنا عظیم کام کرنے جا رہے ہو...... اگر بتا دیتے تو ایسا کبھی نہ کرنے دیتی فرحان تم نے کیا سوچ کے یہ سب کیا تھا...... کیا حاصل ہو گیا ہے تمہیں...... یہ سب کر کے احسن کو اگر کچھ ہوا نا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی''...... میری آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ فرحان سر جھکاتے میری ڈانٹ سنتا رہا اور پھر اپنے مخصوص انداز میں بولا...... ''''انا'' جو بھی ہوا اچھا ہوا...... جب کسی کو ہوش میں لانا ہو تو اسے جھنجوڑنا...... لازمی ہوتا ہے۔ احسن کے لیے یہ ضروری ہی تھا...... اور میں نے بھی کافی سوچ کر ایسا کیا ہے...... مگر یہ ضروری نہیں کہ میں تمہیں اپنی ہر سوچ کی تاویل پیش کرتا رہوں۔ اس عزت افزائی کے لیے شکریہ زخموں کو سینے کے لیے ہمت چاہئے ہوتی ہے۔ کانپتے ہاتھوں سے زخم نہیں سیئے جاتے۔ اور احسن نے اپنے ہر زخم کو جدائی اور درد کے دھاگے سے سیا تھا۔ اُس کے زخموں کو محبت اور اعتبار کے دھاگے سے سینا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے صرف جدائی اور درد کے بے اعتبار دھاگے سے سیے ان زخموں کو بڑی ہمت کر کے ادھیڑ دیا ہے انا اور ایسا کرنے میں مجھے خود کتنی تکلیف ہوئی ہے یہ میرے خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا...... بس اتنی امید ہے کہ خدا میری اس کوشش کو رائیگاں نہیں جانے دے گا...... اب تم نے اپنا ہاتھ بنا کانپے آگے بڑھانا ہے''...... اتنا کہہ کر وہ کچن سے باہر چلا گیا۔

''اور ساتھ ہی آواز آئی۔ آنٹی آفس جا رہا ہوں شام کو آؤں گا''...... یہ کہہ کر وہ مرکزی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں اس کے پیچھے بھاگی میرے باہر جانے تک وہ گاڑی ریسورس کر چکا تھا اس نے ایک گہری نظر سے مجھے دیکھا اور پھر تیزی سے گاڑی کو آگے بڑھا لیا......

اپنے انداز میں بڑی سادگی سے بہت بڑی بات کر گیا تھا اور مجھے آگے بڑھنے کی ہمت بھی دلا گیا تھا میں نے بوا کو سمجھایا اور پھر احسن کے کمرے کی طرف چلی گئی' وہاں سب خاموشی سے بیٹھے تھے امی بار بار کچھ پڑھ کر احسن پر متواتر پھونک رہی تھیں اسی دوران نعمان بھائی کا فون ابا کے Cell پر آ گیا......

فون اٹھاتے ہی ابا نے بڑے سخت لہجے میں کہا کہ ''کس سے بات کرنی ہے تمہیں۔ تم دونوں تو ہم سب کو مار کر گئے ہو...... پھر فون کس لیے کرتے ہو...... کیا جاننا چاہتے ہو...... خبردار جو اس کے بعد مجھے فون کیا''...... ابا نے اتنا کیا تھا کہ بابا نے قدرے سخت آواز میں کہا......

''دانش فون مجھے دو پاگل مت بنو...... ابا فون میرے ہاتھ میں تھما کر کمرے سے باہر چلے گئے...... بشیر انکل بھی ابا کو شاید سمجھانے کے لیے ان کے پیچھے چل پڑے۔ میں نے فون بابا کو

دیا...... بابا نے بڑی پختہ لہجے میں نعمان بھائی سے بات کی اور انہیں تسلی دی...... یار تمہیں دانش کے مزاج کا تو علم ہے نا...... اس کی بات کا برا مت منانا...... بس احسن کو کچھ بخار ہے اس لیے وہ ذرا فکر مند تھا...... جب ضرورت ہو گی میں تمہیں خود اطلاع دوں گا۔ بہو اور فائز کو میرا پیار دینا...... اور فکر کی کوئی بات نہیں'' ...... یہ کہہ کر بابا نے فون بند کر دیا...... میں بابا کے حوصلے کو دل ہی دل میں سراہتی رہی...... کہ اپنا بیٹا سامنے کس حال میں پڑا ہے...... مگر بابا نے نعمان بھائی پر اپنے دکھ کو ذرا برابر بھی ظاہر نہ ہونے دیا......

بابا نے پھر احسن کی طرف دیکھا...... اور دوبارہ ان کا ہاتھ اپنے لبوں پر لگاتے ہوئے بولے...... ''اٹھ جاؤ یار بہت ہو گیا...... اور کتنا آزماؤ گے میرے صبر کو'' ...... بابا کے ان الفاظ سے میری، امی اور الماس آنٹی کی جیسے سسکیاں ہی نکل گئی میرے وجود میں دیوار کے سہارے کے بنا کھڑے ہونے کی طاقت ہی نہ رہی اس سے زیادہ اور انسان کیا بے بس ہو سکتا ہے...... بابا ایک ٹک باندھے احسن کو دیکھتے رہے تھے اسی دوران ''احسن'' آہستہ سے اپنے ہاتھ کی گرفت بابا کے ہاتھ پر مضبوط کی بابا نے ایک دم سے اپنے ہاتھ میں پکڑے احسن کے ہاتھ کو دیکھا اور پھر جیسے ان کے چہرے پر خوشی کے ہزار رنگ بکھر گئے...... انہوں نے ایک دم سے میری طرف دیکھا میں آگے بڑھی تو احسن اس وقت آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہے تھے مگر شاید اس وقت ان کی آنکھوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہ رہی تھی امی اور آنٹی نے ایک دم سے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا...... ''شکر ہے مولا تیرا'' ...... احسن بمشکل اتنا ہی کہہ سکے...... ''بابا میں ٹھیک ہوں'' ...... بابا کی آنکھیں بھیگنے لگی ''میرا بچہ'' ......! بابا نے اٹھ کر ان کے ماتھے کو چوم لیا میں نے بھاگ کر ابا کو اطلاع دی ابا اور بشیر انکل بھی کمرے میں آ گئے ابا نے آگے بڑھ کر احسن کو چند گھونٹ پانی کے پلائے اور سہارا دے کر سر تھوڑا سا اوپر اٹھا کر سر کے نیچے ایک اور تکیہ رکھ دیا احسن ہوش میں تھے...... احسن نے سب کے چہرے کی طرف باری باری دیکھا میں دروازے کے پاس کھڑی ان کی نظر گھومتی ہوئی مجھ پر آ پڑی...... چند لمحے وہ مجھے دیکھتے رہے ان کی نظروں کے تعاقب کر کے آنٹی اور امی کی نظریں بھی مجھے دیکھنے لگیں...... میں نے آنٹی کی طرف دیکھا تو جیسے وہ اپنی رات کی باتوں کی تصدیق کر رہی ہوں......

میں اپنی گھبراہٹ کو چھپاتے ہوئے بولی میں سوپ لے کر آتی ہوں۔ آپ تھوڑا سا پلا دیں انہیں......

میں کمرے سے باہر آ گئی۔ اور اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے کچن میں

آ گئی کپ میں سوپ ڈال کر لے آئی...... اور امی کے ہاتھ میں پکڑا دیا آپ پلا دیں امی تھوڑی طاقت آ جائے گی تو بابا نے امی کے ہاتھوں سے کپ لیتے ہوئے کہا۔ ''مجھے دو میں اپنے بچے کو خود پلاتا ہوں'' ...... بابا نے اپنے کانپتے ہاتوں سے تسبیح کو میز پر رکھ دیا اور خود احسن کو سوپ پلانے، لگے احسن کی نظروں میں بابا کے لیے جو پیار تھا...... اس وقت اگر انہیں زہر بھی پلایا جا رہا ہوتا تو وہ بھی ایسے بن کچھ کہے پی جائے ویسے اس وقت انہیں سوپ زہر ہی لگ رہا ہوگا کیونکہ انہیں سوپ پسند ہی نہیں تھے...... مگر اس وقت ان کے لیے ضروری بھی تھا...... گھر والے آج اس دن کچھ تسلی میں تھے۔ مگر امی اور الماس آنٹی کی فکر بتدریج بڑھتی رہی۔ اور شاید ان کی یہ فکر اپنی جگہ ٹھیک بھی تھی...... وہ اس بات سے بھی خوفزدہ تھی کہ کہیں احسن بھی بابا جیسی کیلئے زندگی گزارنے کا فیصلہ نہ کر لیں...... اور بحیثیت والدین اور اس پر ''ماں'' جس کے لیے اس کی کل کائنات اس کی اولاد ہی ہوتی ہے۔ ماں تو ایک قبول ہونے والی دعا کی طرح ہوتی ہے جس کا حرف احساس ہی راحت اور سکون کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس کا وجود ایک گھنے سایہ دار درخت جیسا جس کے نیچے ٹھنڈے پانی کی ایک نہر بہہ رہی ہو۔ اور پھر ایک طویل سفر کی تھکن اور پیاس کے بعد سکون کی میٹھی نیند...... ماں تو بس ماں ہے...... جو اپنی اولاد کی ہر مشکل...... ہر کٹھن گھڑی میں سب سے پہلے اس کو اپنے شفقت بھرا ہاتھ کا لمس دیتی ہے اور پھر سب سے طاقت ور جملہ جو شاید اولاد کی تمام فکر لمحہ بھر میں ایک طلسمی طاقت سے فوراً غائب کر دیتا ہے کہ فکر نہیں کرو۔ ''میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور میری دعائیں بھی......''

مجھے بھی امی اکثر یہ ہی کہا کرتی تھیں کہ جاؤ بیٹا میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔ انشاء اللہ تجھے اللہ ہر قدم میں فتح دے گا...... امی کے انہیں الفاظ سے مجھے لمحے بھر کے لیے تو ایسا لگتا تھا۔ کہ امتحان دینے سے پہلے ہی میں پاس ہوگئی......

مگر آج زندگی نے میرے سامنے جو امتحان لا کھڑا کیا ہے۔ اس میں کیسے کامیاب ہوں گی...... اولاد کا ہر امتحان کہیں ''نہ کہیں اُن کے والدین سے زیادہ جڑا ہوتا ہے...... اور ایسا ہی یہاں بھی تھا۔ احسن کی زندگی کا یہ امتحان بابا کی زندگی کے ساتھ جڑا تھا۔ جن کے لیے ان کے بیٹے کی زندگی میں بڑھتا اندھیرا مزید طویل ہوتا جا رہا تھا اور میرا یہ امتحان میرے والدین کے لیے حقیقت ہے کہ ہم اولادیں اپنے آپ کو اپنے والدین سے جتنا چاہیں علیحدہ کر لیں۔ مگر ہم ان کا حصہ ہوتے ہیں۔ ان کی ذات کا حصہ۔ ان کے وجود کا حصہ: چاہئے یہ حصہ کتنا ہی ناکارہ کیوں نہ ہو جائے۔ والدین ہی ہیں جو اس حصے کو خود سے کاٹ کر کبھی بھی الگ نہیں کرتے...... مگر ہم

اولاد اپنی خوشی کے لیے خود جب ان سے علیحدہ کر لیتے ہیں تو یہ بھی نہیں سوچتے کہ انہیں کتنی تکلیف ہوتی ہوگی......

جب کبھی گل سٹر کر۔ ہار کر۔ واپس اپنے ماں باپ کی طرف لوٹتے ہیں تو ان کی پیار بھری باہیں اور آغوش جیسے ہمارا ہی منتظر ہوتا ہے۔ اور وہ دوبارہ اپنی ذات کا حصہ اپنے ساتھ جوڑ لیتے ہیں مجھے اس وقت ابا کے غصے اور چڑچڑے پن کی وجہ سمجھ آ رہی تھی، اور نعمان بھائی اور منیر بھائی کی خودغرض۔ سطحی سوچ پر دُکھ بھی ہو رہا تھا مگر میں کچھ کرنے کے قابل ہی نہیں تھی......

گلے چار دن تک احسن کی طبیعت کافی سنبھل گئی تھی مگر ان کی خاموشی بتدریج قائم تھی آفس جانے کا تو سوال ہی نہیں بنتا تھا فرحان نے سب سنبھال لیا تھا اور شام کو گھر بھی باقاعدگی سے آیا کرتا تھا مگر مجھ سے ذرا کھچا کھچا تھا گھر کا کام ختم کرنے کے بعد آج رات میرے لیے جانے کیوں عام دنوں سے زیادہ بوجھل تھی مگر آج موسم کچھ اچھا تھا ہلکے ہلکے بادل تھے۔ میں نے نماز پڑھی اور اپنے کمرے سے متصل' ٹیرس پر چلی گئی آج اندھیرے کی شدت میں بھی قدرے اضافہ تھا اور آسمان بادلوں سے گھرا ہوا تھا ایک عجیب سی پیلاہٹ تھی روشنی میں، رات کے اندھیرے نے آسماں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا...... اور مَیں اپنے ٹیرس پر کھڑی سامنے درختوں کو گھورنے لگی اچانک میرے ذہن میں بابا کے الفاظ گھومنے لگے'' کہ بہت کچھ جو ہم روشنی میں اتنا صاف نہیں دیکھ سکتے...... جو گہرے اندھیرے میں دیکھا جا سکتا ہے۔'' جانے کیوں؟ بابا ایسا کہتے تھے......شاید اندھیرے میں چیزوں کو دیکھنے کے لیے مَن کی صاف شفاف نظر چاہئے ہوتی ہوگی مگر وہ نظر میرے پاس کہاں؟ اور بابا بھی تو یہ ہی کہتے تھے کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے دیکھنے میں...... میں نے سامنے دیکھا تو بابا کے کمرے کی کھڑکی سے ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ شاید وہ ابھی جاگ رہے تھے...... مگر ابھی اس وقت ان کے پاس جا کر بات بھی کروں تو کیا کروں۔ اور ویسے بھی جب سے انہوں نے احسن کو مارا تھا میرے اندر ان کے لیے جانے کیوں ایک غصہ تھا اور میری اس ناراضگی سے وہ واقف بھی تھے...... مگر بابا سے زیادہ برداشت اور صبر کس میں ہوگا۔ ان سے زیادہ کون اس بات کو جانتا ہے کہ کس بات کو کس وقت پر کرنا ہے اور کس جگہ اس کو کتنا وقفہ درکار ہے...... میں نے ایک نظر جھولتے ہوئے درختوں کو دیکھا مجھے عموماً رات کی بارش سے ڈر لگتا تھا...... اور جس رات بارش ہوا کرتی تھی تو میں بابا کے کمرے میں چلی جایا کرتی تھی...... اور پھر جب سے زرقا بھابھی آئی تھیں وہ ہمیشہ بارش کی رات میرے کمرے میں یا پھر ہم دونوں لاؤنج میں کوئی فلم دیکھتے گزارا کرتی تھیں...... مگر اس رات زرقا بھابھی تو تھیں نہیں اور

بابا کے پاس جانے کی مجھ میں ہمت ہی نہ تھی میں اپنے خوفزدہ دل کے ساتھ ٹیرس پر رکھے جھولے پر بیٹھ گئی۔اس دن مجھے وقت نے یہ بھی سکھایا کہ ''خوف کا مقابلہ جتنا آسانی سے اکیلے میں کیا جاسکتا ہے۔اتنا کسی کے ساتھ نہیں''......آج میں بھی بالکل تنہا تھی اور پھر یہ بوجھل خوفزدہ رات......میں نے درود پاک پڑھنا شروع کیا......اور پھر میں وہی جھولے پر ہی نیم دراز ہو گئی......خوف ناک راتیں کیا ایسی ہی ہوا کرتی ہیں؟......اور ایسی تنہا۔خوفزدہ کتنی راتیں بابا کے گزاری ہوں گی، اور پھر اس سے بھی زیادہ کٹھن راتیں جو احسن نے اپنی محبت کی یاد میں اپنی خاموشی کے ساتھ گزار دی۔کیا معلوم احسن کی یادوں میں درد زیادہ تھا یا پھر سکون......مگر ایسی محبت جس کا اظہار ہی نہ کیا گیا ہو......اور خاموش ہو اس محبت میں سکون تو ہو ہی نہیں سکتا۔ایسی محبت کی یاد کیسی ہو گی یہ مجھ سے بہتر اس لمحے اور کوئی نہیں جان سکتا تھا۔کیا ایسا ہی کرب احسن نے بھی محسوس کیا ہو گا؟ یا کرتے ہوں گے......یا شاید اس سے بھی زیادہ......میری محبت میری آنکھوں کے سامنے تو تھی......اور میں اسے ہر پل اپنے سامنے پا کر بھی اس قدر ادھوری تھی...... احسن کی محبت میں کیسا درد ہو گا؟......انہیں سوچوں کے ساتھ جانے کب اسی جھولے پر میری آنکھ لگ گئی نیند مجھے اپنے آغوش میں کب لیا پتہ ہی نہیں چلا۔اور پھر میری نیند مجھے، میرے اس نامعلوم سفر کی اور لے گئی جس کی منزل بھی گھرے اندھیرے اور تیز بارش کی اوٹ میں چھپی ہوئی تھی......آج بھی خواب میں وہی سب دیکھا جو ہمیشہ سے دیکھتی آرہی تھی، مگر اس رات میرے خواب میں بارش بہت تیز تھی......اور مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جو سب پہلے بہت دھندلا تھا، وہ اب اگر میں کوشش کروں تو دیکھ سکتی ہوں مگر وہ کوشش اس رات بھی میں نہیں کر سکی، اور پھر وہی بارش وہی تیز روشی اور وہی گہرا اندھیرا میرے خواب کو پھر سے ادھورا کر گیا میری آنکھ اس وقت کھلی جب میرے چہرے کو بارش کے قطرے بھگونے لگے تھے بارش شروع ہو چکی تھی میں نے آسمان کی طرف دیکھا دل سے ایک آہ نکلی مگر نا معلوم سی آہ......

صبح اپنے معمول کے مطابق شروع ہو چکی تھی۔ اور ویسی مایوسی۔ وہی کرب جو ہمارے گھر کی فضاؤں میں رچ بس چکا تھا میں نے احسن کے کمرے میں جا کر انہیں دیکھا تو وہ سو رہے تھے۔میں امی کے ساتھ ناشتہ تیار کرنے لگی۔امی کے چہرے پر اداسی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی جانے کیوں آج مجھے امی کی تکلیف اپنی لگ رہی تھی...... ''بہت اپنی''......اور پھر فرحان کی بات۔احسن کی بیماری کی وجہ سے بابا جلد ہی نیچے آجایا کرتے تھے۔اور ان کے پاس جا کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ناشتہ تیار ہوا تو بابا اور ابا ناشتہ کرنے لگے......میں اور امی بھی ساتھ ہی تھیں

کہ اچانک امی کے منہ سے ''بسم اللہ'' کے الفاظ نکلے، میں نے امی کی طرف دیکھا اور پھر ان کی نظروں کے تعاقب میں سامنے سے احسن آرہے تھے گرے رنگ کے کرتا اور سفید شلوار میں اپنی تھکاوٹ سمیت ہماری طرف بڑھ رہے تھے ''احسن آرہا ہے۔'' بابا نے مڑ کر دیکھا ''بیٹا''...... احسن نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے سلام کہا۔ میں نے جلدی سے انکے سامنے ناشتہ رکھا۔ امی چائے بنا کر دینے لگی...... ''اب کیسی طبیعت ہے میرے بیٹے کی ابا نے پیار سے پوچھا''......؟ ابا اب تو بالکل ٹھیک ہوں احسن نے مضبوط لہجے میں جواب تو دے دیا مگر ان کے چہرے سے اور ان کی آنکھوں سے سب ظاہر ہو رہا تھا سب ناشتہ کرنے لگے۔ امی مسلسل احسن کی طرف دیکھے جا رہی تھیں۔ اور پھر انہوں نے آہستہ سے اپنے ڈوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھوں کے گوشوں کو ایسے پونچھا جیسے آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہو ان کی تکلیف ان کا درد کب تک رہے گا۔ یہ سوال اب پھانس کی طرح میرے من میں چبھنے لگا تھا۔ میرے سامنے بیٹھے چاروں لوگ میرے لیے میری کائنات ہی تو ہیں...... اور چاروں اس وقت دکھ کے، درد کے کرب کے اس دور سے گزر رہے تھے اور میں بے بس کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی...... کیسی محبت ہے یہ کہ میں ان کی تکلیف میں۔ ان کے درد کو بانٹنے کے بھی قابل نہیں...... ''یہ کسی بے بس ہے یا رب۔ کوئی تو آسرا دے دے۔'' میرے دل سے دعا نکلی......

کہ احسن کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ''انا'' مجھے لے چلو گی؟ اور میری زبان سے ایک دم بے دھیانی میں نکل گیا ''جی...... تو چلو پھر!'' میں نے ایک نظر ابا کی طرف تو انہوں نے آنکھ کے اشارے سے مجھے جانے کی اجازت دی...... امی نے بس اتنا کہا۔ بیٹا دیر نہ لگانا طبیعت ٹھیک نہیں جلدی آجانا...... تو احسن نے بڑے آرام سے کہا۔ ''امی میں ٹھیک ہوں اب اتنے دنوں بعد جا رہا ہوں...... فکر نہ کریں آج جلدی آجاؤں گا'' ...... بابا ''انہوں نے سوالیہ نظروں سے بابا کی طرف دیکھا...... تو بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''جاؤ بیٹا تسلی سے جاؤ'' ...... میں گاڑی کی چابی لے آئی۔ میں دروازے تک گئی احسن باہر نکل گئے...... دروازے تک جا کر میں دوبارہ واپس آئی۔ جانے کیوں آج میں امی سے بالکل ویسے ہی ملی جیسے میں کسی امتحان کے لیے جانے سے پہلے ملا کرتی تھی میں نے امی کے گلے میں باہیں ڈالی اور سرگوشی کے سے انداز میں کہا...... ''امی دعا کرنا ہمارے لیے'' ......

امی نے اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے زور سے دبایا...... ''جاؤ بیٹا۔ اللہ تمہیں فتح دے!...... میں نے امی کے گال کو چوما'' ...... اور اپنے اندر جیسے ایک طاقت کا احساس

لیے میں گھر سے باہر نکل گئی گاڑی سڑک پر چلتی جا رہی تھی۔ اور میرے ذہن میں خیالوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رہا تھا ایسے لگتا تھا جیسے بہت ساری آوازوں نے مجھے اپنے حصار میں لے رکھا ہے۔ جس میں بابا۔ ابا۔ الماس آنٹی۔ فرحان۔ امی۔ نعمان بھائی۔ منیر بھائی۔ بوا...... زرقا بھابھی کی صدائیں اور اس پر احسن کی درد بھری آنکھیں،...... جو خاموشی ایک طوفان لیے ہوئے تھیں اور ان خاموش آنکھوں میں اس سارے ہنگامے سے زیادہ ہنگامہ تھا، بس وہ سنائی نہیں دیتا تھا جانے کب اس کے بند ٹوٹے گے اور یہ بہہ نکلے گا...... اور کب احسن کو آزاد کرے گا احسن کی آواز نے مجھے میرے اس ہنگامے سے وقتی طور پر ہی سہی مگر باہر نکالا...... ''جی''...... ''انا'' تم نے غلط روڈ پر ٹرن لے لیا ہے...... پچھلی سڑک تھی۔''

اوہ سوری! احسن نے ایک نظر میرے طرف دیکھ...... میں نے گھبراہٹ سے گاڑی ریورس کی...... تو وہ بولے ''نہیں واپس مت موڑو...... آگے چلتی جاؤ آگے سے ایک راستہ اس طرف جاتا ہے...... تم چلتی جاؤ میں لے چلتا ہوں تمہیں''......!

احسن نے شاید یہ الفاظ بے دھیانی میں کہہ دیئے...... مگر جانے کیوں مجھے ایسے لگا جیسے انہوں نے میرے من کے تمام سوالوں کے جواب دے دیئے ہوں......

میں نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا...... ''میں بھی تو اتنے دنوں سے یہ ہی سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں اور آپ ہیں کہ سمجھتے ہی نہیں''...... پتہ نہیں میری بات سمجھے نہیں تھے' یا سمجھنا چاہتے نہیں تھے...... ''چلو آگے سے دائیں طرف موڑ لینا...... اور پھر سیدھے جا کر دائیں Trun لے لو''...... پھر ہم قبرستان کے باہر تھے۔ احسن قبر کی طرف بڑھ گئے...... آج بادل تھے' اور زمین بھی تر تھی رات کی بارش کی وجہ سے میں ہی کھڑی انہیں کچھ دیر دیکھتی رہی انہوں نے اپنا رومال نکالا۔ اور بھابھی کی قبر کو پونچھنا شروع کر دیا اور پھر وہی پاس بیٹھ گئے تھے ان کی پشت میری طرف تھی وہی کھڑے کھڑے فرحان کے الفاظ میری سماعت سے ٹکرانے لگی...... مجھے اس لمحے ایسا ہی محسوس ہوا جیسے احسن دوبارہ اپنے زخموں کو جدائی اور درد کے دھاگے سے سینے زرقا بھابھی کے پاس آ بیٹھے ہوں......

شاید وہ دن بھی میرے لیے ایک معجزہ ہی تھا کہ میں نے جو سوچا بھی نہیں تھا وہ ہونے والا تھا۔ یا پھر اس دن امی کی دعا تھی جس نے مجھے اتنی ہمت دی اور میرے قدم احسن کی طرف بڑھنے لگے میں بھابھی کی قبر کی پاؤں کی جانب جا کھڑی ہو گئی احسن مجھے وہاں دیکھ کر جیسے چونک سے گئے تھے۔ کیونکہ ان کی موجودگی میں مَیں پہلی بار بھابھی کی قبر پر آئی تھی: ان کی آنکھیں نم

تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے اپنی آنکھوں کو پونچھ دیا۔

''انا'' ''تم یہاں؟'' احسن نے آنکھیں پونچھتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔ میں گہری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔ ''یہ جو یہاں اس قبر میں لیٹی ہیں! یہ میری بھی کچھ لگتی ہیں ان سے میرا بھی رشتہ ہے۔ احسن صاحب! اور شاید آپ سے زیادہ اعتماد اور بھروسے کا رشتہ، یہ اور بات ہے کہ میں نے اپنے رشتے' اپنے پیار کی شدت کو کبھی عیاں نہیں ہونے دیا...... اور اس کی سزا بھی بھگت رہی ہوں...... ان سے ایک وعدہ کر کے گئی تھی...... مگر اب ایسا لگتا ہے کہ ہار گئی ہوں۔ ان کو بتانے آئی ہوں۔''

انہوں نے حیرت سے میری طرف دیکھا...... ''بھابھی میں ہار گئی...... میں آپ کو یہ ہی بتانے آئی ہوں...... میں نے بہت کوشش کی' بہت پوچھا...... مگر نہیں۔ کوئی جواب نہیں...... میں بے بس ہو چکی ہوں...... آپ نے مجھے بتایا بھی تو آدھا سچ۔ اگر مکمل سچ بتا دیتی تو شاید میں کچھ کر سکتی...... مگر اب نہیں...... میں ہار گئی بھابھی میں ہار گئی''۔ یہ کہتے کہتے...... میری آنکھوں سے آنسوں بھابھی کی قبر پر گرنے لگے...... ''کیا وعدہ کیا تھا ''انا'' جو پورا نہیں کر سکی...... ایسے نہیں روتے۔ اور کون سی بات زرقا تمہیں ادھوری بتا کر گئی جسے پورا کرنے میں تم ناکام رہی ہو...... ایسی کون سی بات ہے...... تم مجھ سے کہتی میں تمہاری مدد کر دیتا...... ایسے دل چھوٹا نہیں کرو''...... احسن پہلے تو خاموشی سے مجھے روتے ہوئے دیکھتے رہے اور پھر میرے تسلی کے لیے بول اٹھے......

''زرقا جانتی ہے ''انا'' تم بہت دلیر لڑکی ہو...... اچھا تم مجھے بتاؤ میں تمہاری مدد کروں گا''...... انہوں نے قبر کی طرف دیکھتے ہوئے ایسے کہا۔ جیسے زرقا بھابھی سامنے بیٹھی ہوئی تھیں ''یہ کیسے ہار سکتی ہے۔ اسے کون ہارا سکتا ہے''...... ابھی وہ شاید کچھ اور بولتے مگر میرے منہ سے نکلا ایک لفظ سن کر جیسے سکتے میں چلے گئے۔

''آپ!......''

''آپ نے مجھے ہرایا ہے......''

آپ کی وجہ سے آج میں بھابھی کے سامنے اپنے وعدے کو واپس لے رہی ہوں اپنی ہار کا اعتراف کر رہی ہوں...... میں......؟ انہوں نے حیرت سے کہا۔

''جی آپ نے مجھے بھی ہرا دیا۔ میری ہر امید۔ ہر آس کو توڑ دیا...... اور زرقا بھابھی کے مان کو بھی کرچی کرچی کر دیا...... وہ مان جو انہیں مجھ پر تھا...... وہ مان جس کے بھروسے انہوں

نے مجھے اپنی خوشی اور دکھ کا حصہ بنایا تھا……اور وہ مان، احسن جو انہیں آپ پر تھا……"

"کیا مطلب ہے تمہارا کہنا کیا چاہتی ہو تم "انا" میں نے زرقا کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی سمجھی تم۔ جس بات کا علم نہ ہو اس کے متعلق رائے دینے کا تمہیں کوئی حق نہیں"…… "احسن نے غصے میں مجھے جواب دیا……

"رونا ہی اسی بات کا ہے "احسن" صاحب کہ مجھے جن چیزوں کا علم نہیں ہونا چاہیے تھا۔ انہیں کے بارے بہت کچھ جانتی ہوں…… جو میرے لیے میری زندگی کے لیے اور میرے گھر والوں کی خوشی کے لیے عذاب بن چکا ہے……آپ کو کیا لگتا ہے کہ آپ کے یہاں آکر بیٹھنے سے آپ کا دکھ کم ہو جائے گا یا زرقا بھابھی کی زندگی انہیں واپس مل جائے گی! نہیں بلکہ وہ آپ سے زیادہ تکلیف میں ہوں گی۔ یہ حال دیکھ کر۔ آپ کی یہ خاموشی نہ تو آپ کو کچھ دے سکی اور نہ ہی کسی اور کو اور زرقا بھابھی بھی خالی ہاتھ چلی گئی…… یہ تو شکر ہے کہ وہ اپنے دل پر کوئی ایسا بوجھ نہیں لے کر گئی…… بلکہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنے تمام بوجھ اتار کر میرے کندھوں پر رکھ گئی ہوں اور اب خود آرام سے لیٹے مجھے کرچی کرچی ہوتے دیکھ رہی ہیں۔ اگر سچ بتایا ہی تھا بھابھی تو پورا بتا دیتی…… یہ تو کچھ نہیں بتائیں گے۔ کبھی نہیں بتائیں گے۔ اور اب میں تھک گئی ہوں بھابھی"……

"کیسا سچ "انا" جو زرقا تمہیں ادھورا بتا کر گئی ہے اور میں اسے پورا کروں گا……تم پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو۔ سیدھی اور صاف بات کرو"……اب وہ واقعی ہی غصے میں تھے……

ان کے چہرے پر غصہ ہمیشہ مجھے خوف زدہ کر جایا کرتا تھا مگر آج اس خوف کا گزری تنہا رات کے خوف کی طرح اکیلے مقابلہ کرنا تھا گزری رات نے یہ ہی تو سکھایا تھا۔ کہ اندر کے خوف کا مقابلہ اکیلے کیسے کیا جاتا ہے۔ میں چند لمحے خاموش رہی…… "کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے"…… میں نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر بھابھی کی قبر کی طرف دیکھ کر میں نے اعتراف کیا…… "بھابھی مجھے معاف کرنا…… مجھے نہیں معلوم کہ میں ٹھیک کر رہی ہوں یا غلط مگر…… مجھے اب اس حقیقت کو ان پر ظاہر کرنا ہی ہوگا…… یہ خود تو کچھ بتاتے نہیں پر ہم سے سب کچھ جاننا چاہتے ہیں……مگر سچ سننے اور برداشت کرنے کے لیے بڑی ہمت چاہیے ہوتی ہے…… اتنی ہمت ہوگی آپ میں احسن صاحب" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا……

وہ طنزاً مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ "برداشت ہی تو ہے مجھ میں "انا" اور کچھ ہو یا نہ ہو……"

بات تو انہوں نے سچ ہی کہی تھی……مگر میں نے قدرے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ آپ کی سب سے بڑی خوبی ہی آپ کی زندگی کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گئی۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کرب، سب سے بڑے دکھ کی وجہ آپ کی یہی برداشت ہے...... آپ کو کیا لگتا ہے کہ آپ خاموشی سے سب چھپاتے رہیں گے اور کسی کو کچھ معلوم نہ ہوگا''......؟ میں نے بھی ان سے ایک سوال کر دیا۔

''میں نے ایسا کیا کیا ہے۔ انا تم الزام پر الزام لگاتی جا رہی ہو...... تمہیں حقیقت کا پتہ نہیں......تو چپ رہو'' انہوں نے قدرے الجھتے ہوئے کہا......

''تو یہ ہی اتنے مہینوں سے پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ ایسی کون سی بات ہے جسے آپ نے اپنے دل کا روگ بنالیا ہے...... آپ ایک بار احسن صرف ایک بار مجھ پر بھروسہ کر کے اس کا نام پتا بتا دیں...... اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر دیں۔ مجھ پر بھروسہ کریں احسن میں آپ کے سامنے اسے لے آؤں گی''...... احسن کی جیسے آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں۔ ''تم کس کی بات کر رہی ہو انا'' انہوں نے قدرے فکرمندی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ مجھ سے پوچھا۔

''احسن'' وہ لڑکی جو آپ کی زندگی میں آپ کے دل میں سب سے پہلے اپنا گھر بنا چکی تھی......اور جس کے بعد آپ نے کسی کو اپنے دل کا حصہ نہیں بننے دیا۔ جس آسیب کی وجہ سے آپ کا دل ویران پڑا ہے۔ جس کی یادیں آپ کی تمام زندگی کا سرمایہ ہیں۔ احسن جس سے محبت کا اقرار آپ نے خود زرقا بھابھی سے کیا تھا...... وہ جو آپ کی پہلی اور شاید آخری محبت ہے۔ پلیز بتا دیں...... آپ کو نہیں پتہ آپ کی خاموشی ایک بار پھر آپ کی زندگی کے ساتھ کھیلنے کے لیے پر تول رہی ہے...... حیران ہونے کی ضرورت نہیں مجھے یہ بات زرقا بھابھی نے خود بتائی تھی۔ مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ لڑکی ہے کون شاید یہ خود بھی نہیں جانتی تھیں...... احسن پلیز بتا دیں...... آپ کا ایک اقرار تمام گھر والوں کے لیے خوشی کا باعث بن جائے گا اور زرقا بھابھی کے لیے سکون کا...... اور اگر آپ ایسے ہی خاموش رہے تو میں کسی کو بھی روکنے کے قابل نہیں رہوں گی...... تقدیر کے ہاتھوں پھر سب کچھ بہہ جائے گا پلیز احسن بتا دیں...... میں آپ کی منت کرتی ہوں۔''
میری آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں:

''انا وہ سب میرا ماضی تھا...... اور میرے زندگی کے گزرے لمحات جنہیں میں بھول چکا ہوں...... اور مجھے نہیں پتا تھا کہ زرقا میری اس قدر ذاتی باتیں دوسروں کے ساتھ کر دیا کرتی تھیں......انہوں نے غصے سے میری طرف دیکھا اور پھر بھابھی کی قبر کی طرف۔

''احسن یہ صفائیاں آپ اُس کو دینا جو آپ کو جانتا نہ ہو...... میں آپ کو بہت اچھی

طرح سے جانتی ہوں۔ اور جیسے آپ اپنا ماضی یا گزرے لمحات کہہ رہے ہیں...... حقیقت میں خود آج تک آپ اپنے ماضی اور گزرے وقت کے اندر یا اس کے ساتھ ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں...... اس ماضی میں آپ کی محبت بھی تھی...... اس گزرے وقت میں آپ کا پیار بھی تھا...... اور محبت کو، پیار کو ملتوی تو نہیں کیا جا سکتا نا...... آپ اپنی شادی کے باوجود بھی زرقا بھابھی کے بے پناہ توجہ اور پیار کے باوجود بھی آپ نے اپنے شادی کے چوتھے برس میں اپنی گزری محبت کا اقرار کیا۔ اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ آپ اسے کبھی بھول تو نہیں سکتے۔ مگر اب آپ بھابھی کے ساتھ ہو...... یہ اعتراف گزرے وقت میں ہی تھا...... اور اب بھی ہے۔ محبت، محبت ہی رہتی ہے چاہے گزرے وقت میں ہو آنے والے وقت میں یا پھر موجودہ وقت میں ''گزر جانا وقت کی مجبوری ہے۔ محبت کی نہیں''! احسن ہم سب کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ بتا دو کہ آپ کے دل میں کیا ہے کون ہے وہ لڑکی۔ جس کی موجودگی میں آپ اظہار نہ کر سکے اور جس کے آنے کے بعد آپ اسے بھلا نہیں سکے۔ درحقیقت آپ ہر لمحہ اسی کے ساتھ تو جیتے رہے ہو...... اور اب بھابھی کے جانے کے بعد آپ یہاں آکر بظاہر یہ Confess کرتے ہو...... مگر ایسے Confession کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا جس میں تبدیلی نہ ہو...... پلیز احسن اپنے اور ہمارے حال پر ترس کھائیں۔ ہو سکے تو اس باوفا عورت کی وفا کے لیے ہی اپنی زندگی کو سنبھال لیں۔ تاکہ اسے اطمینان نصیب ہو جائے۔'' میں نے عاجزی سے ان کی منت کی۔

میری سب باتوں کے باوجود بھی انہیں شاید میرے اور بھابھی کے حال پر رحم نہیں آیا...... اور تنگ کر بولے۔ ''انا بہتری اسی میں ہے کہ تم میرے ذاتی معاملات میں دخل اندازی مت کرو...... اور تمہیں اس سے کیا مطلب کہ کون کس حال میں زندگی بسر کر رہا ہے...... میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ میری فکر چھوڑ دو۔ اپنے کام کی طرف توجہ دو...... اپنی زندگی کی بہتری سوچو...... تم خواہ مخواہ میری زندگی اور ماضی کے بارے میں نام نہاد فکر لے کر بیٹھ گئی ہو...... اور جہاں تک گھر والوں کا سوال ہے میں انہیں سمجھا لوں گا۔

پلیز تم ان سب باتوں سے دور رہو...... ویسے بھی تمہیں میرے بارے میں فکر مند ہونے کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی حق ہے''...... انہوں نے یہ سب باتیں خاصے کڑوے لہجے میں کہیں...... اور بات کرتے ہوئے مجھے مکمل طور پر نظر انداز کر رہے تھے۔ ایک نظر دیکھنا بھی گوارہ نہیں تھا انہیں شاید۔

ایسا معلوم ہوا جیسے میں جلتے ہوئے انگاروں پر کھڑی ہوں...... اور اس سے بھی زیادہ

شدید آگ میرے اندر لگی ہوئی ہے۔احسن کی یہ بے رخی اور حقیقت کو اس طرح سے جھٹلانا مجھے اس لمحے زہر لگ رہا تھا...... مگر جانے کیوں اس کے باوجود بھی میرے اندر ایک انجانی سی امید تھی...... جو مجھے آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی تھی۔میری آنکھیں جلنے لگی تھیں اور دِل پھٹنے لگا تھا۔

''مجھے آپ کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت بھی ہے اور حق بھی...... اور اس حق کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت بھی نہیں''......! میں نے بھی اسی تیزی سے جواب دیا جس طرح سے انہوں نے مجھ سے کہا تھا......

''کس نے دیا ہے تمہیں یہ حق ''انا'' انہوں نے کڑوے لہجے میں کہا۔میں چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئی...... اور زرقا بھابھی کی قبر کی طرف دیکھنے لگی۔اس سوال سے میرا اپنا دِل کانپنے لگا تھا......

بہت ہمت کر کے دھیمے مگر پختہ لہجے میں کہا......

''میری محبت نے!''......

یہ سنتے ہی جیسے انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا......!

اور میں پہلی بار ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مخاطب تھی......

''جی احسن! میرے پاس اور بھی بہت سے ایسے جواز ہیں جن کی بناء پر میں آپ سے مخاطب ہوسکتی ہوں۔آپ کو کچھ کہہ سکتی ہوں۔مگر اس وقت صرف اس جذبے کا' اس احساس کا ذکر کر رہی ہوں جو میرے اندر خون کی طرح سرائیت کرتا جا رہا ہے۔اور میں نے صرف اپنے اس ایک رشتے کا ایک جذبے کا ہی حوالہ دیا ہے۔کیونکہ یہ ہی ایک واحد جذبہ ہے جو مجھ میں اور آپ میں مشترک ہے۔ہم دونوں ایک وقت میں ایک جیسے کرب سے گزر رہے ہیں...... اور میرے اسی احساس محبت نے مجھے آپ کی زندگی میں اس دخل اندازی کا حق دیا ہے۔

میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں آپ سے یہ سب اس طرح کہوں گی...... مگر قدرت کو اگر ایسے منظور ہے تو ایسا ہی سہی، میں وہ غلطی نہیں کروں گی جو آپ نے کی...... اور نہ ہی مجھے کسی جیت یا ہار کا خوف ہے...... مگر یہ بات سچ ہے میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔اور اس دن سے کرتی ہوں جس دن میں آپ کو پہلی بار ہسپتال دیکھنے آئی تھی...... جس دن آپ کو صرف میری بات پر یقین تھا۔۔اس دن کے بعد ہر گزرتے لمحے اور آنے والے پل میں یہ اتنی تیزی سے بڑھتی گئی کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں صدیوں سے آپ کی محبت کے حصار میں ہوں ہم محبت اپنی خوشی کے لیے کرتے ہیں۔مگر جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ہماری محبت میں اہم بات یہ

ہونی چاہئے کہ اس کی خوشی کس میں ہے۔

مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ آپ مجھ سے بڑے ہیں،......آپ کسی اور سے محبت کرتے ہیں......یا آپ مجھ سے پیار کرتے ہیں یا نہیں......کیونکہ میں نے کوئی سودے بازی نہیں کی......کہ میں اپنے دل میں یہ آس رکھوں کہ بدلے میں آپ بھی مجھ سے پیار کریں۔

درحقیقت احسن جس دن سے مجھے آپ سے محبت ہوئی ہے اس دن سے میں نے آپ کے درد کو آپ کی تکلیف کو آپ سے زیادہ محسوس کیا ہے۔ شاید جس محبت کا اظہار نہیں کیا جاتا......اس محبت کو عام زبان میں یک طرفہ محبت کہتے ہیں اور یک طرفہ محبت کے بارے میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ وہ ناکام ہوتی ہے۔ میں بھی ساری عمر خاموش محبت کر سکتی تھی......مگر یہ بات آپ کو اس لیے بتا رہی ہوں کہ میری محبت میں خودغرضی نہیں......اور نہ ہی میری محبت میں آپ کو حاصل کرنے، پالینے کی پیاس ہے۔ میں اپنے اس جذبے کے ساتھ صرف اور صرف آپ کے چہرے پر مسکراہٹ آپ کی آنکھوں میں خوشی کی چمک دیکھنا چاہتی ہوں......اور اسی لیے میں نے زرقا بھابھی سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کو اس لڑکی سے ضرور ملواؤں گی: اس لڑکی کو آپ کے پاس آپ کی زندگی میں ضرور لے آؤں گی......مگر آپ نے مجھ پر کبھی اعتبار ہی نہیں کیا۔ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ کم سے کم اپنی زندگی کا دکھ تو میرے ساتھ بانٹ لیتے......اس میں اپنی محبت کے ایک ایک پل میں سالوں جدائی کا کرب کاٹ چکی ہوں۔

اور شاید ایسا ہی کرب آپ بھی کئی سالوں سے محسوس کر رہے ہیں اور اسے بڑی بہادری سے برداشت بھی کر رہے ہیں۔ مگر برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے نا......

احسن میں نے اپنی تخیلاتی دنیا میں آپ کو اپنی زندگی کا محور بنا رکھا ہے۔ اور میری ظاہری دنیا میرے خیال کے ساتھ ہی چلتی ہے......اور جانتے ہیں خیال کی طاقت بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اور خوش قسمتی کی ایک سیڑھی طلب بھی ہے سچی طلب......اگر طلب نہ ہو تو خوش قسمتی بھی ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔''

''انا'' تمہیں ہوش ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو......؟ احسن نے قدرے سخت لہجے میں مجھے ٹوکنا چاہا......ان کے چہرے سے حیرانگی صاف ظاہر تھی......

''جی احسن مجھے ہوش ہے۔ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ اور جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اس پر صدقِ دل سے عمل کر بھی رہی ہوں اور کر سکتی بھی ہوں۔ اگر رکی ہوئی ہوں تو صرف آپ کی وجہ سے کیونکہ آپ کی زندگی کا محور کوئی اور ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ آپ اپنی زندگی سمجھوتوں کے

سہارے ہی گزار دیں۔اگر آپ وقت پر اپنے دل کی بات کا اظہار امی سے کر دیتے تو شاید آج آپ، زرقا بھابھی، مَیں، اور ہمارے گھر والے اس آزمائش کا حصہ نہ بنتے۔مگر جو ہوا سو ہوا...... مزید بڑا ہونے سے تو روک سکتے ہیں اس لیے میں آپ سے پھر کہہ رہی ہوں کہ پلیز مجھ پر اعتماد کر لیں......ہم کوشش تو کرتے ہیں نا......شاید کامیابی ہو جائے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے......انا''اب کچھ نہیں ہوسکتا......احسن نے بات کو ٹالتے ہوئے غصے سے کہا......

''کیوں وہ مر چکی ہے کیا......؟''میں نے جلدی سے کہا۔

''بکواس بند کرو اپنی احسن بجلی کی سی تیزی سے میرے قریب آئے۔عین ممکن تھا کہ شاید ان کا ہاتھ بھی اٹھ جاتا......مگر وہ رک گئے'' آج بھی آپ کے دل میں اس کے لیے اتنی ہی محبت ہے''احسن'' کوئی امید ہے کوئی راستہ تو ہو گا' اسے حاصل کرنے کا تو کوشش محض کوشش کر لینے میں کیا بُرائی ہے۔مَیں اس لمحے کو گنوانا نہیں چاہتی تھی......اس لیے ڈرنے کے باوجود بھی مَیں نے انہیں سب بتا دیا۔

وہ خاموشی سے بھابھی کی قبر کی طرف دیکھتے رہے......میں چند لمحے ان کے جواب کا انتظار کرتی رہی۔اور اب یہ آخری حربہ تھا میرے پاس جس کے بعد واقعی میرے پاس کچھ نہ تھا......''ٹھیک ہے''احسن'' آپ اپنی اس خاموشی کو مزید مضبوط کرتے رہیے......اور جو اس سے بھی زیادہ برا ہونے والا ہے اس کے ذمے دار صرف اور صرف آپ ہی ہوں گے......اس میں کسی اور کا کوئی قصور نہیں ہو گا...... مجھے میرے بابا' میرے ابا' اماں کے چہروں پر خوشی دیکھنی ہے اور مجھے آپ کی خوشی بھی سب سے زیادہ عزیز ہے...... میں نے پہلے آپ سے یہ بات اسی لیے کی ہے......اور اگر آپ کو اسی طرح جینا ہے تو پھر ٹھیک ہے، آپ زندگی کے ساتھ ایک اور سمجھوتہ کر لیں......اپنی خاموشی کو Enjoy کریں......اور اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی پل پل مارتے رہیں۔انہوں نے حیرت سے پوچھا،''کیسا سمجھوتہ؟''

''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہمارے گھر والے آپ کی اور میری شادی کروانا چاہ رہے ہیں......اور اس کی وجہ یہ ہی ہے کہ آپ اپنا خیال رکھتے نہیں اور ایسی حالت میں مَیں واحد بندی ہوں جو آپ کے اس مزاج کو برداشت کر سکتی ہوں۔

ابھی تک تو میں نے ہاں نہیں کی ہے۔میں نے سوچا تھا کہ آپ مجھے بتا دیں گے تو ہم اس معاملے کو اس طرح حل کر لیں گے۔مگر اب آپ نے تو کچھ کیا نہیں۔تو کم سے کم کوئی ایک تو

خوش ہو......میرے لیے میرے والدین کی خوشی ایک طرف اور آپ کی خوشی دوسری طرف اور آپ دونوں میں سے کوئی بھی دکھی ہو گا......تو تکلیف مجھے ہی ہو گی...... آپ کوتو اپنی خاموشی آپ کی محبت سے بھی زیادہ عزیز ہے اور ہم سب کی خوشی سے بھی......اور بھابھی سے کیے گئے وعدے سے بھی......تو یہ آپ کا اپنا فیصلہ ہے اور مَیں نے کہا تھا کہ آپ جس میں خوشی محسوس کریں مجھے اپنے ساتھ ہی پائیں گے۔

مگر میرے والدین یہ اگر فیصلہ کرلیں اور آپ نے بھی ان کو اجازت دے دی تو میں انہیں کبھی منع نہیں کروں گی......میرے لیے یہ فیصلہ والدین کی خوشی کے لیے ہوگا آپ تو اپنی مرضی سے اداس رہنا چاہتے ہیں......مگر ہمارے والدین تو خوشی چاہتے ہیں۔تو کم سے کم میں انہیں یہ اطمینان تو دے ہی سکتی ہوں۔

مگر احسن ایک بات یاد رکھیں......والدین کو اطمینان تو ہو گا۔مگر اس رشتے سے نہ میں خوش ہوں گی اور نہ ہی آپ......میری محبت میں آپ کی خوشی کی چاہت ہے۔آپ کو حاصل کرنے کی نہیں......فیصلہ ابھی بھی آپ کے ہاتھ میں ہے......اگر ایسا ہو گیا......''احسن'' تو سب سے زیادہ بوجھ میرے دل پر میری روح پر ہو گا......اس جھوٹے رشتے کو بننے سے صرف آپ روک سکتے ہیں۔اور گھر والوں کی خوشی کا سبب بھی آپ ہی بن سکتے ہیں۔

''احسن میری بات کا یقین کریں......آپ کی خوشی میں ہی سب کی خوشی ہے۔''

احسن خاموشی سے میری باتیں سنتے رہے......اور اس بار احسن کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر میں نے بھابھی کی قبر پر ہاتھ رکھا......

احسن اسی خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہے۔اور کافی وقت گزر جانے کے بعد میں نے انہیں کہا ''میرے خیال سے اب ہمیں گھر چلنا چاہئے......کافی دیر ہو گئی ہے۔ایک بات اور کہوں!......سچی محبت چاہیے یک طرفہ ہو یا دوطرفہ۔چاہیے اس میں خاموشی ہو یا اظہار......میرا ایمان ہے کہ اس محبت میں ایسی طلسماتی طاقت ایسی کشش ضرور ہوتی ہے۔کہ وہ خاموشی کے باوجود بھی اپنا آپ ظاہر کر جاتی ہے۔آپ نے اس سے چاہئے اظہار نہ کیا ہو......اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ کی محبت سچی اور خالص ہے۔تو اسے اس بات کا پتہ تو ضرور ہو گا احسن! کہ آپ اس سے محبت کرتے ہو......کیا پتہ ڈر یا جھجک کی وجہ سے اس نے آپ پر ظاہر ہی نہ کیا ہو......احسن سچی محبت کی کشش آپ کی محبت کو کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں آپ سے ضرور ملاتی ہے۔بس شرط صرف اپنی محبت پر یقین کی ہے تو آپ بھی اپنی محبت پر یقین کرنے کی کوشش کریں بس......!

اب چلیں...... گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے۔'' میں نے زرقا بھابھی کی قبر کو چوما اور پھر گاڑی کی طرف چل دی میں گاڑی میں ان کا انتظار کرنے لگی اور پھر کچھ دیر بعد احسن بوجھل قدموں سے گاڑی کی سمت بڑھنے لگے اپنی اسی خاموشی سے گاڑی میں آ بیٹھے...... اور اب حقیقت میں مجھے احسن کی خاموشی پر غصہ آ رہا تھا میں نے اپنی ذات کی نفی کر کے ہمت کر کے سب کچھ کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا مگر انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کیا۔ سوائے ڈانٹنے کے میں نے اپنے مخصوص انداز میں گاڑی چلائی اور شاید انہیں میری Driving سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں اس وقت کس ذہنی اذیت سے گزر رہی تھی گاڑی پورچ میں ایک جھٹکے سے رکی اور میں بنا کچھ کہے ان سے پہلے گھر کے اندر داخل ہو چکی تھی الماس آنٹی سامنے تھیں میں نے جلدی میں سلام کیا اور تیزی سے اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

میرے اوپر آتے ہی امی اور الماس آنٹی میرے پاس آ گئی شاید انہیں میری حالت کا کچھ علم تھا۔ یا قدرت نے والدین کو اولاد کا دکھ دیکھنے کی جو من کی بصارت عطا کر رکھی ہے اس کا کمال تھا کہ آتے ہی امی نے مجھ سے پوچھا۔ '''' انا'' کیا ہوا؟'' انہوں نے آ کر شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا ہی تھا تو جیسے میرے اندر کا سارا دکھ میری آنکھوں کے رستے بہنے لگا۔ اور میں نے اپنی اور احسن کے درمیان ہوئی تمام باتیں انہیں بتا دیں...... امی اور الماس آنٹی چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئیں......

''امی مجھے نہیں پتا کیا ہو گا...... کیا بہتر ہے۔ مجھے آپ نے کہا میں نے وہ بھی کر دیا مگر احسن کی خاموشی نے ان کی بے رخی نے شاید ان کا فیصلہ سنا دیا...... کہ نہ انہیں میری محبت قبول ہے اور نہ ہی انہیں اپنی محبت کو حاصل کرنے کی خواہش''......

وہ بھی اپنے نہ ہوئے دل بھی گیا ہاتھوں سے
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا دل کا

ان سخت الفاظ میں میرے دل کا تمام حال چھپا تھا۔

''مگر اب جو آپ لوگ مناسب سمجھیں کریں...... مجھے جیسا آپ کہیں گے میں کروں گی ۔ احسن ''اپنی خوشی کو'' اپنی مرضی سے ٹھکرا رہے ہیں۔ اب آپ لوگوں کی باری ہے آپ سب کو خوش رہنے کا پورا حق ہے۔ اور میرے لیے آپ کی خوشی بھی اتنی ہی مقدم ہے۔ جتنی ''احسن'' کی تھی...... میں اپنی زندگی میں آپ کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکی...... اب میری زندگی کے ہر فیصلے کا اختیار آپ کو ہے۔ مگر ایسا فیصلہ امی جس سے آپ ''ابا'' اور بابا خوش ہوں۔ دل سے خوش......! میری

فکر نہ کریں..... میرے لیے یہ ہی بہت ہے کہ میں اپنی زندگی میں کسی کے لیے خوشی کا سبب بنی۔"

امی نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا..... "پریشان نہ ہو میری بچی سب ٹھیک ہو جائے گا..... اللہ کوئی نہ کوئی صورت ضرور لگائے گا۔ شکر ہے، تو نے وہ غلطی نہیں کی۔ جو اس بے وقوف احسن نے کی تھی..... تو نے اظہار بھی کر دیا..... اور اختیار بھی دے دیا..... اب تیرا کام ختم..... اب بس دیکھ تیری تقدیر نے تیرے لیے کیا لکھ رکھا ہے..... پہلے تقدیر ہوتی ہے، پھر کوشش، پھر دعا اور آخر میں فیصلہ پھر تقدیر ہی کرتی ہے۔ تو نے کوشش بھی کر لی۔ اور دعا بھی اب فیصلہ تقدیر کرے گی" ..... امی کے ان الفاظ سے میرے دل کا بوجھ قدرے کم ہو گیا..... یہ یہی تو ماں ہوتی ہے۔ ہر بوجھ اتارنے والی، ہلکا کرنے والی، پرسکون کرنے والی۔

الماس آنٹی نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا..... "بس بیٹا..... اگر تیرے دل میں دوسروں کی خوشی کا اتنا احساس ہے۔ تو پھر رب تجھے تیری خوشی سے کبھی محروم نہیں کرے گا: تجھ میں مجھے میری زرقا جھلکتی دکھائی رہتی ہے..... اور مجھے تو فخر ہے سائرہ بہن پر کہ وہ ان حالات میں بھی احسن کی خوشی، احسن کی بھلائی کا ہی سوچ رہی ہیں۔ شاید میں ان کی جگہ ہوتی تو اگر میری اکلوتی اولاد ایسا چاہتی بھی تو میں منع کر دیتی۔ مگر یہ سائرہ بہن کا اعلیٰ ظرف ہے کہ اپنے بھتیجے کے لیے اپنی بیٹی کی کو نظر انداز کر چکی ہیں۔ مگر انہیں اللہ نے ان کی نیک نیتی کا صلہ تم جیسی نیک اولاد کی شکل میں دے دیا ہے..... اور یہ بات بہن نے بالکل بجا کہی ہے۔ کہ تم اپنی طرف سے کر چکی..... اب تم سے ہمیں کوئی گلا نہیں..... میں جانتی ہو بیٹا کہ تم کس ذہنی اذیت سے گزر رہی ہو۔ مگر صبر سے کام لو.....

اٹھو نہا لو..... اور تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ..... میں اور سائرہ بہن باقی سب کام دیکھ لیں گی..... اور یہ بات آگے کیسے بڑھائی ہے۔ تم اس کی فکر چھوڑ دو"

اٹھو شاباش نہاؤ۔ اور آرام سے سو جاؤ۔ دیکھو آنکھیں کتنی تھکی ہوئی ہیں تمہاری۔"

"چلیں سائرہ بہن اسے کچھ دیر آرام کرنے دیں۔ کافی دنوں سے اس کی نیند بھی پوری نہیں ہوئی..... اٹھو شاباش آنٹی نے میرے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا....."

امی نے بھی مسکرا کر میری طرف دیکھا "فکر مت کرنا"..... یہ کہہ کر دونوں باہر چلیں گئی ان کی تسلی نے میری امید کو مرنے نہیں دیا.....

زندگی اپنی اسی رفتار سے چلنے لگی۔ گھر میں خاموشی کا عالم تھا......اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب گھر میں زرقا بھابھی کی برسی کی تیاری ہونے لگی زرقا بھابھی کو ہم سے بچھڑے ایک سال ہونے والا تھا میرے اور احسن کے درمیان ایک طویل خاموشی کی دیوار حائل تھی۔ مگر اب ایسا ضرور ہوتا تھا کہ جب بھی میں احسن کے سامنے جاتی تو ان کی نظریں مجھے کہتی محسوس ہوتی تھیں۔ جانے کیوں ایسا لگتا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتے ہوں مگر شاید ان کے الفاظ نے ان کا ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا زرقا بھابھی کی برسی سے دو روز پہلے نعمان بھائی اور نادیہ بھابھی فائز کے ساتھ اچانک آ گئے اور وہ دن ہمارے لیے ایک سرپرائز ہی تو تھا سب خوش بھی تھے کہ بچھڑے ہوئے پھر مل گئے۔ مگر گھر کی فضا میں ہمیشہ کے لیے بچھڑ جانے کا دکھ سمایا ہوا تھا اور پھر اس کے بعد ایک آزمائش اور ہماری لیے تیار تھی۔ مگر تقدیر آزمائش کے بعد انعام بھی دیتی ہے بس فرق صرف یہ ہے کہ رب کی ذات ہر حال میں اپنے بندے کے صبر کو آزماتی ہے۔ گھر میں قرآن خوانی ہو رہی تھیں غریبوں میں کھانا تقسیم کرنے کے لیے پکایا جا رہا تھا کہ ابا نے کہا۔ چلو سب سامان وغیرہ اٹھاؤ قبرستان جانا ہے۔ ہم لوگ سب اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر قبرستان کی طرف روانا ہوئے۔ قبرستان پہنچ کر۔ بھابھی کی قبر کو گلاب کے عرق سے دھویا گیا۔ پھولوں کی چادروں سے ڈھانپا گیا سب کی آنکھیں نم تھیں ''احسن'' بھابھی کے قبر کے پاس جا کر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گئے ان کی بڑھی شیو اور کرب زدہ آنکھوں میں جھلکنے والی ویرانی آج جانے کیوں اتنا خوفزدہ کر رہی تھی ابھی حافظ صاحب نے اپنی خوبصورت آواز میں تلاوت قرآن پاک شروع کی اور ادا ہونے والا ایک ایک لفظ جیسے میرے دل میں اتر رہا تھا اور ایسے اتر رہا تھا کہ میرے جسم کا ایک ایک رواں کھڑا ہو رہا تھا اور جسم کانپ رہا تھا۔ یہ ہی تو تاثیر ہے اس رب کے پاک کلام کی کہ وہ اپنی جگہ خود بنا لیتا ہے۔ پھر قاری صاحب نے مغفرت کے لیے دعا شروع کی اور وہاں موجود ہر شخص کی زبان سے آمین' آمین کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں ابھی دعا اپنے اختتام کو بھی نہ پہنچی

تھیں کہ ہم سبکو کسی کے رونے کی آواز نے چونکا دیا اتنے میں مولوی صاحب نے آمین کے الفاظ کہے رونے کی آواز کچھ صاف سنائی دی تو حیرت کا ایک اور جھٹکا جس نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا احسن سر جھکائے رو رہے تھے فرحان اور نعمان بھائی آگے بڑھے ہی تھے کہ احسن کے عقب میں کھڑے بابا کے ہاتھ کے اشارے سے رک گئے ان کے منع کرنے سے ہم سب کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ بابا کیا چاہ رہے تھے:

اور حقیقت بھی تھی کہ ایک سال ہو گیا تھا ''احسن'' گھٹ گھٹ کر رو رہے تھے' ان کا یہ دکھ ان کے یہ آنسو ہی تو ان کے زخم کو ناسور بنا چکے تھے۔ شاید یہ ہی وہ پل ہو جس میں ان کے من کا یہ الاؤ آنسوؤں کے زریعے بہہ جائے پڑھائی کرنے والے حضرات کو محبوب چچا اپنے ساتھ گاڑی میں گھر لے گئے تھے۔ اور ہم سب وہاں دم سادھے کھڑے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے احسن کے رونے کی آواز چیخوں میں بدل گئی اور آج وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر زارو قطار رو رہے تھے ایسے جیسے ان کے سامنے زرقا بھابھی اسی طرح زخمی حالت میں پڑی ہوں جیسے وہ ہمارے سامنے تھی اور ان کے رونے کی آواز اس قدر بلند ہو چکی تھی کہ ان کا گلا پھٹنے لگا امی نے بے قابو ہو کر آگے بڑھیں تو بابا نے انہیں بازو سے پکڑ کر روک لیا ''نہیں سائرہ رونے دو اسے...... آج نہیں روئے گا...... تو ساری عمر اپنی ہی آگ میں جلتا رہے گا''...... ''بھائی صاحب میں اسے منع نہیں کروں گی۔ بس مجھے اس کے پاس جانے دیں''...... ''امی نے آگے بڑھ کر احسن کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے روتے ہوئے مڑ کر چیختے ہوئے ''امی'' کہا...... اور پھر امی نے انہیں اپنے سینے سے لگا لیا......!

کافی دیر احسن امی کے سینے سے لپٹتے چھوٹے بچوں کی طرح چیخ چیخ کر روتے رہے ان کی آواز پھٹنے لگی تھی اور وجود میں جب ان کے آنسوؤں کا بوجھ اٹھانے کی ہمت نہ رہی تو ان کی آواز آہستہ آہستہ دھیمی ہوئی اور پھر جیسے انہوں نے اپنے وجود کو امی کے سپرد کر دیا ان کی آواز رک گئی تو امی نے دو تین بار احسن کر کے پکارا۔ احسن بے ہوش ہو چکے تھے نعمان بھائی نے آگے بڑھ کر احسن کو اپنی جانب کیا تو وہ اپنے ہوش میں نہیں تھے نعمان بھائی نے فرحان کو اشارہ کیا ان کا سارا وجود آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے ابا اور بابا گھبرائے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھے فرحان اور نعمان بھائی نے احسن کو گاڑی میں ڈالا۔ ''ہسپتال لے جاؤ...... ہم وہی آ رہے ہیں''...... ابا نے تیزی سے کہا سب احسن کے بے ہوش ہوتے ہی گھبرا گئے...... مگر شاید اس گھبرا، ، میں بھی اگر کسی کا

دماغ میں کچھ تھا تو وہ الماس آنٹی تھیں مجھے خود بھی نہیں پتہ چل سکا کہ کس لمحے انہوں نے مجھے احسن کی گاڑی میں بٹھایا اور کس لمحے احسن کا سر میری گود میں تھا میں اپنے ڈوپٹے سے احسن کے چہرے کو پونچھ رہی تھی نعمان بھائی اور بابا آگے بیٹھے تھے......اور بابا بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہے تھے میں اپنے ڈوپٹے سے کبھی احسن کی ہتھیلیاں رگڑتی تو کبھی ان کے چہرے پر سے پسینے کو صاف کرتی۔ان کا ماتھا برف بن چکا تھا میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فرحان کی گاڑی ہمارے ساتھ تھی جس میں ابو، امی اور الماس آنٹی بیٹھے تھے۔اور اس سے پچھلی گاڑی میں انکل بشیر نادیہ بھابھی صائمہ آنٹی بیٹھے تھے میں اپنے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے رب سے دعا کرتی یا اللہ کرم کرنا اب اور کوئی آزمائش نہ دینا مالک......اس کے حال پر رحم کردے مولا......بابا کے چہرے پر پریشانی اور درو...... بابا کی طرف دیکھتی'' ......کہ اس بڑھاپے میں اپنے جوان بیٹے کو لیٹ کیسے ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں......یا اللہ میرے بابا کے حال پر رحم کردے کبھی اپنے آنسو پونچھتی تو کبھی احسن کا چہرہ ان کے چہرے پر جیسے کس نے پیلا رنگ پھینک دیا ہو......جیسے ان کی ہتھیلیوں میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ رہا ہو......میں نے ان کی ہتھیلیوں کو تیزی سے رگڑنے لگی......نعمان بھائی بار بار گاڑی چلانے کے باوجود بھی پیچھے مڑ کر دیکھ رہے تھے......ہم لوگ تقریباً 35منٹ کے بعد ہسپتال پہنچے۔ہسپتال کی ایمرجنسی میں ہی ہمیں احسن کے ڈاکٹر منتظر ملے......سٹیچر پر ڈال کر وہ احسن کو ہمارے دیکھتے ہی اندر لے گئے اور پھر وہ اسی طرح اندر گئے تھے جس طرح ٹھیک آج سے ایک سال پہلے زرقا بھابھی اور احسن کو لے کر گئے تھے بابا نے اپنے چہرے پر سے چشمہ اتار کر اپنی آنکھوں کو رومال سے پونچھا اور پہلی بار بابا اس قدر بے بس اور لاچار لگ رہے تھے۔وہ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر کوری ڈور میں ٹہلنے لگے ''بابا آپ پلیز یہاں بیٹھ جائیں۔'' فرحان کے آگے ہو کر بابا سے کہا...... ''نہیں یار میں ٹھیک ہوں میرا بچہ اس نے بالکل توڑ دیا ہے مجھے......اس پر اور کتنی آزمائشیں آئیں گی'' ......بابا کی آنکھیں برسنے لگی، میں آج بھی اسی طرح دیوار کے ساتھ کھڑی تھی، اور بس درود پاک پڑھنے کے علاوہ میرے بس میں اور کچھ نہیں تھا...... الماس آنٹی میرے قریب کھڑی تھیں۔امی بھی رو رہی تھیں۔نادیہ بھابھی اور صائمہ آنٹی امی کو دلاسہ دے رہی تھیں۔ ''اللہ سب ٹھیک کرے گا۔بھروسہ رکھو'' انا '' آنٹی یہ وہی کوری ڈور سے جہاں ایکسال پہلے ہم کھڑے تھے آنٹی بہت ڈر لگ رہا ہے'' ......نعمان بھائی شاید دور سے میری حالت دیکھ رہے تھے۔میرے پاس آئے...... ''انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگالیا'' ......اور میں اپنے آنسو روکنے کی کوشش میں بالکل ناکام تھی......

گھنٹے بعد ڈاکٹر انکل باہر آئے۔ میرے خیال سے اس کے سب یہ Biological clock کی وجہ سے ہوا ہے۔ کیونکہ ایک سال سے ڈاکٹر انکل احسن کی حالت سے ہم سے زیادہ واقف تھے...... اس کا یہ حادثہ جب سے ہوا ہے۔ یہ رویا تو نہیں تھا یہ اسی وجہ سے ہوا ہے‘‘...... امی نے جلدی سے کہا نہیں ڈاکٹر صاحب نہیں رویا تھا...... ہمیں ہی تسلیاں دیتا رہا ہے۔ اپنا دکھ ہمیشہ سے ہی چھپاتا رہا ہے‘‘...... ’’24 گھنٹے تک اگر ہوش آ گیا تو پھر فکر کی کوئی بات نہیں مگر‘‘...... ! بابا ایک دم سے بولے۔ ’’مگر کیا ڈاکٹر...... کوئی بڑی خبر مت سنا سنا گا۔ اب ہمت نہیں!۔ آج تو میری بہو کو ہم سے سی ایک سال ہوا ہے...... آج اس کی برسی ہے...... اور اب اور نہیں...... خدا کا واسطہ ہے‘‘...... بابا ایک طرح سے منت ہی تو کر رہے تھے...... والدین اتنے بے بس ہوتے ہیں اپنی اولاد کی محبت میں۔

یا پھر یہ محبت کا جذبہ ہے ہی ایسا۔ جو انسان کے اندر اس حد تک عاجزی اور انکساری پیدا کر دیتا ہے کہ صرف اور صرف محبت باقی رہ جاتی ہے...... اور کچھ باقی نہیں رہتا......

امی سسکیاں لینے لگی تو نعمان بھائی نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا...... ’’نہیں آپ لوگ تسلی رکھیں۔ انشا اللہ ٹھیک ہو جائے گا ’’احسن‘‘ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ اتنے لمبے عرصے بعد انسان اگر دوبارہ اس Sitvation سے گزرے۔ تو بعد اوقات ہوش نہ آنے کی صورت میں ’’کوما‘‘ میں چلا جاتا ہے۔ امی نے جیسے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا...... مگر امید ہے کہ ’’احسن‘‘ Survive کرے گا...... He is a real survivor اس نے جس طرح اپنی Will power سے پہلے Survive کیا ہے۔ انشا اللہ اب بھی کرے گا‘‘ یا اللہ تو رحم کر ابا کی آواز اس قدر اونچی تھی کہ کوری ڈور میں کھڑے سب لوگ ہماری طرف دیکھنے لگے...... ’’صبر کریں انکل...... سب ٹھیک ہو جائے گا‘‘...... فرحان نے ابو کو تسلی دی...... اس بار تو نعمان بھائی بھی جیسے ہمت ہار رہے تھے...... ابو کی فریاد جیسے ہم سب کے دل ہلا گئی...... رونے کے علاوہ ہمارے پاس جیسے اور کچھ تھا ہی نہیں۔

ڈاکٹر انکل بھی ہم سب کی حالتیں دیکھ کر گھبرا سے گئے تھے۔ اچھا آپ لوگ ایک اور کام کریں ’’آپ سب باری باری احسن کے پاس جا کر بیٹھیں۔ آپس میں باتیں کریں۔ یا اس سے بعض اوقات اپنی پسند کی آوازیں اپنوں کی باتیں بہت ہمت بڑھایا کرتی ہیں۔ آپ لوگوں کی باتیں۔ آپ کی آوازیں اسے گہری نیند میں جانے سے روک سکتی ہیں...... مگر ابھی نہیں گھنٹے بعد ابھی اسے تھوڑا آرام کرنے دیں......‘‘

''فکر نہیں کریں۔ دعا کریں ٹھیک ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر انکل ہمیں تسلی دے کر چلے گئے۔ ہم سب نے ایک دوسرے کو بھیگی انکھوں اور پر امید نظروں سے دیکھا الماس آنٹی نے جلدی سے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا......

''یہ بات ٹھیک ہے......ہم ایسا کرتے ہیں میں اور صائمہ بہن گھر جاتے ہیں۔ نیاز کا کھانا تقسیم کرنا ہے۔ میں گھر کا کام سمیٹ کر آتی ہوں آپ سب لوگ یہاں رہیں۔ کیوں صائمہ بہن''......''صائمہ آنٹی نے بھی حوصلہ بڑھاتے ہوئے: کہا جی ضرور چلیں میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ''......اتنے میں نادیہ بھابھی بولیں......''امی اگر اجازت دیں تو میں بھی چلی جاتی ہوں۔ جلدی کام سمیٹ کر ہم آجائیں گے ہاں بیٹا یہ ٹھیک ہے تم بھی چلو''......امی سے پہلے الماس آنٹی نے نادیہ بھابھی کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے سراہا......نادیہ بھابھی اخلاق کی اچھی تھیں مگر انہیں ہمارے ماحول میں حالاتکو سمجھنے میں کچھ وقت درکار تھا الماس اپنی گاڑی میں گھر کی طرف روانہ ہو گئی نعمان بھائی نے امی کو سہارا دے کر سامنے پڑے بینچ پر بٹھا دیا بابا بے چینی سے کوری ڈور میں ٹہلنے لگے......ابا اور بشیر انکل بے بس کھڑے تھے ایک چیز مشترک تھی اس لمحے......کہ ہم سب کے لب مسلسل حرکت میں تھے۔ فرحان نعمان بھائی انکل' ابو' امی' اور بابا' سب کچھ نہ کچھ پڑھ رہے تھے۔ اور اس لمحے اس بات کی سچائی کا اندازہ بھی ہو گیا۔ بابا کی حالت کو دیکھ کر۔ کہ ایک انسان ایک جیسا غم بار بار برداشت نہیں کر سکتا......درد کی، دکھ کی کیفیت مختلف ہو۔ تو برداشت کا تقاضا اور ہوتا......مگر ایک جیسی تکلیف انسان کو اس لمحے سے پہلے ہی خوف زدہ کر دیتی ہے۔ اور پھر درد کی کیفیت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ بقول شاعر

یہ کیا کہ روز ایک سا غم ایک سی امید
اس رنج بے خمار کی اب انتہا بھی ہو

ہمارے پاس بھی تو اس وقت درد اور امید کی کیفیت اپنے آپ کو دوہرا ہی تو رہی تھی۔

وہ گھنٹہ ہم سب کو گزارنے میں جتنی تکلیف ہو رہی تھی......شاید اس سے پہلے انتظار کے سانپ نے اس سے بری طرح ہمیں نہیں ڈسا تھا۔ جتنا اس دن اور پھر بابا نے کہا۔ یار گھنٹہ ہو گیا ہے اب چلیں احسن کے پاس''......ابا نعمان بھائی سے تو بات کرتے نہیں تھے۔ فرحان کو بلایا......''جاؤ بیٹا فرحان زرا ڈاکٹر صاحب سے اجازت لے آؤ: ہم احسن کے پاس چلیں جائیں''......

فرحان ابھی کوری ڈور کو عبور بھی نہ کر پایا تھا کہ سامنے سے ڈاکٹر انکل خود آرہے تھے......انہوں نے آتے ہی کہا۔'' آئیں جی میرے ساتھ آئیں جمال صاحب'' بابا نے خود کو

سنبھالتے ایسے تیزی سے قدم بڑھایا۔ جیسے چھوٹتی آخری ٹرین کو پکڑنے کے لیے پلیٹ فارم پر کھڑا مسافر ٹرین کی طرف بھاگتا ہے۔ جسے دوسری ٹرین آنے کی کوئی امید نہیں ہوتی ایسے بابا تیزی سے ڈاکٹر کے پیچھے چلنے لگے...... میں نے نعمان بھائی کو آواز دی بھائی بھائی۔ ''امی کو لے جائیں ساتھ''...... امی نے ایک نظر میری طرف دیکھا جیسے میں نے امی کے دل کی خواہش کو زبان دے دی ہو ان کی آنکھیں برس رہی تھیں نے امی کو سہارا دے کر اٹھایا اور نعمان بھائی امی کو سہارا دیتے ہوئے اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ میں اور فرحان باہر کوری ڈور میں بیٹھے تھے......

آج تو فرحان کے پاس بھی مجھے تسلی دینے کے لیے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا...... ہم دونوں ایک ہی بینچ پر ایک دوسرے کے ساتھ ایسے بیٹھے تھے، جیسے ایک دوسرے کو جانتے ہی نہیں...... اسی دوران نعمان بھائی اور بشیر انکل باہر آئے۔ ڈاکٹر انکل نے صرف اتنا کہا۔ زیادہ نہیں دو تین لوگ اس کے قریب بیٹھ کر نارمل گپ شپ کریں۔ تاکہ وہ اپنوں کی آواز کو پہچان سکے...... یہ شکر ہے کہ اس heartbeat normal ہے۔ اللہ بہتر کرے گا' ڈاکٹر انکل دوبارہ ایک امید دے کر گئے......

نعمان بھائی اور بشیر انکل نے ایک لمبی آہ بھری۔ اور ہمارے قریب بینچ پر بیٹھ گئے...... ''کسی طبیعت ہے اب احسن کی''۔ فرحان نے میرے دل کا سوال نعمان بھائی سے پوچھتے ہوئے معنی خیز نظروں سے میری جانب دیکھا۔ نعمان بھائی نے اپنے بالوں میں ہاتھوں کو پھیرتے ہوئے کہا ''یار بے ہوش ہے۔ چہرہ بالکل سفید چادر کی مانند ہوا ہے...... ایسے جیسے جسم میں ایک بوند بھی خون کی نہ ہو...... مگر ڈاکٹر کہتے ہیں کہ امید ہے کہ چوبیس گھنٹوں تک ہوش آجائے گا...... ابھی تو وہ بے ہوش ہے۔ اسے ہم لوگوں میں سے کسی کی پرواہ ہی نہیں۔ یار فرحان مجھے تو بابا کی فکر ہو رہی ہے...... پتہ نہیں کیا ہوگا۔ کس کی نظر لگ گئی ہے ہمارے گھر کو''...... نعمان بھائی لاکھ ضبط کرنے کے باوجود اپنے ہاتھوں میں اپنے چہرے کو چھپا لیا...... فرحان اٹھ کر نعمان بھائی کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔ ''یار نعمان بھائی ہمت کرو...... ایسے کرو گے تو امی' ابو اور بھی کمزور ہو جائیں گے''...... نعمان بھائی نے اپنے ہاتھوں سے چہرہ پونچھتے ہوئے کہا ''نہیں یار میں ٹھیک ہوں۔ مگر ان لوگوں کے دکھ کا کیا کروں''...... نعمان بھائی نے بشیر انکل کی طرف دیکھ کر کہا...... بشیر انکل نے مسکراتے ہوئے کہا...... ''بیٹا اللہ اپنے بندے کو ہر موڑ پر آزماتا ہے۔ بس ہمت سے کام لو...... اور ایک دوسرے کے لیے طاقت بنو...... اللہ سب ٹھیک کرے گا''......

''انکل آپ لوگ اس دنیا کے لگتے ہی نہیں...... اتنا صبر...... اتنی برداشت!'' فرحان

نے انکل کی ہمت بڑھاتے ہوئے ان کی تعریف کی...... ''بس بیٹا اپنے پاس تو کھونے کو کچھ ہے نہیں کوشش یہ ہی کرتے ہیں کہ جن کے پاس یہ خوبصورت رشتے ہیں وہ بنے رہیں۔اور مجھ سے زیادہ صبر تو آپ کی آنٹی میں ہے۔اور انسان جب دوسروں کی خوشی کے لیے لڑتا ہے نا تو اس میں صبر بھی آ جاتا ہے اور برداشت بھی'' ...... اتنا کہہ کر انہوں نے نعمان بھائی کا ہاتھ پکڑا...... ''آؤ نعمان ذرا باہر سے ایک چکر لگا آئیں۔تھوڑی تازہ ہوا لگ جائے گی۔''

کچھ دیر بعد الماس آنٹی وغیرہ واپس آ گئے...... امی' بابا اور ابا ابھی اندر ہی تھے۔ انہوں نے آستہ سے دروازہ کھولا تو ابا اور امی باہر آ گئے۔الماس آنٹی اور صائمہ آنٹی اندر چلی گئی...... کچھ دیر بعد وہ واپس آئیں تو فرحان اور نادیہ بھابھی اندر گئے فرحان نے باہر آ کر کہا۔ ''انا جاؤ اب تم دیکھ آؤ تھوڑی دیر بابا کے پاس بیٹھ آؤ...... بابا تو گھر جانے کو تیار نہیں میں نے کہا ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے گھر جائیں۔مگر انہوں نے صاف منع کر دیا۔نہیں بیٹا انہیں یہی رہنے دو......اس وقت ان کی حالت سب سے زیادہ حساس ہے...... وہ احسن کے سامنے بیٹھے رہیں گے تو انہیں سکون ہو گا......''

''اٹھو''انا'' جاؤ بیٹا'' الماس آنٹی نے مجھ سے کہا۔نہیں آنٹی میں ابھی نہیں جا رہی میری بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ سامنے سے محبوب چچا بوا کو تھامے آ رہے تھے...... بوا روتی گڑگڑاتی ! امی کے گلے سے لگ گئی۔''بیگم صاحبہ میں نے بہت کوشش کی کہ اسے روکوں مگر یہ پگلی ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھی۔مجھے احسن میاں کو دیکھنا ہے!'' امی نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔''ہاں جاؤ۔اندر چلے جاؤ۔جا کر اسے بلاؤ اس سے بات کرو...... بوا اپنے بیٹے کو آواز دو جگاؤ اسے'...... جاؤ'' امی نے آنسو صاف کرتے ہوئے محبوب چچا اور بوا کو اندر بھیج دیا...... مغرب کی اذانیں ہو رہیں تھی...... فائز میری گود میں بیٹھا تھا۔نادیہ بھابھی نے فائز کے ہاتھ جوڑ کر کہا۔''بیٹا دعا کرو چاچو جلدی سے ٹھیک ہو جائیں'...... اس نے معصوم سے لبوں سے کہا۔ ''اللہ میاں میرے چاچو کو جلدی سے ٹھیک کر دے...... پھر اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر لیے۔'' میں نے اس کے چہرے کو بے اختیار چوم لیا...... کچھ دیر بعد بوا اور محبوب چچا باہر آئے......اور کوری ڈور میں آ کر بیٹھ گئے......

امی پھر بے اختیار اندر چلی گئی۔اسی دوران دو تین مرتبہ ڈاکٹر صاحب دیکھنے آئے تھے......اس وقت تک کوئی خاص بہتری تو نہیں تھی مگر کوئی نا امیدی بھی نہیں تھی کافی دیر فرحان اور نعمان بھی اندر بیٹھے رہے اور الماس آنٹی نے بشیر انکل کو گھر جانے کے لیے کہا کہ آپ تھوڑی دیر

کے لیے گھر سے ہو آئیں۔ اور صائمہ آنٹی سے بھی کہا کہ وہ گھر جائیں۔ فرحان آنٹی کو گھر چھوڑنے گیا نادیہ بھابھی فائز کو لے کر اندر چلی گئی تا کہ اس معصوم کی آواز پر ہی شاید کچھ بہتری ہو جائے۔

رات گیارہ بجے امی نے فائز اور بھابھی کو کچھ دیر کے لیے ابا کے ساتھ گھر بھیج دیا خود تو وہ ایک منٹ کے لیے جانے کو تیار نہ تھیں...... اسی دیر میں فرحان ہاتھ میں تھرماس اور کچھ Disposable Cups لیے آ گیا......''یہ آنٹی امی نے آپ سب کے لیے چائے بھجوائی ہے۔اور کچھ تو کسی نے کھانا نہیں یہ دو۔گھونٹ چائے کے پی لیجئے''......سب نے بے دلی سے ہی سی مگر چائے پی...... ''رات کے تقریباً 2 بج رہے تھے کہ الماس آنٹی نے پھر مجھ سے کہا انا ''جاؤ اب جا کر تم احسن کے پاس بیٹھو تھوڑی دیر کے لیے اس سے پہلے کہ میں انکار کرتی اس لمحے بابا کمرے سے باہر آئے......''اور مجھے ہاتھ سے پکڑ آئیں بیٹا......ابھی تک احسن نے آپ کی آواز نہیں سنی چلیں''...... بابا کی حالت ایسی نہ تھی کہ میں ان کے سامنے انکار کرتی۔ میں بابا کے ساتھ چل پڑی۔ میرے ساتھ' امی' فرحان اور الماس آنٹی بھی اندر آ گئے۔ میرے دل میں آج بھی وہی ڈر تھا۔ جو آج سے ایک سال پہلے ''احسن'' سے ملنے کے لیے تھا...... جانے کیوں ایسا ہوتا ہے کہ ہم جن سے پیار کرتے ہیں...... ان کی ایسی حالت ایسی بے بسی پر دکھی ہونے کے باوجود انہیں پر غصہ کیوں آتا ہے۔

یا پھر یہ ہماری محبت کا مان ہوتا ہے کہ اس کی بے بسی ہماری برداشت سے باہر ہوتی...... کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی۔ اور سامنے بیڈ پر احسن نعیم دراز تھے۔ ان کے ہاتھ پے ڈرپ لگی ہوتی تھی......اور ساتھ Monitor, E,C,G آن تھا جس کی ٹک ٹک احسن کے دل کی دھڑکن کی خبر دے رہی تھی...... بابا نے مجھے احسن'' کے قریب جا کر کھڑا کر دیا......اور خود میرے قریب بیٹھ گئے۔ فرحان اور آنٹی اور امی سامنے کھڑے ہو گئے۔

میں نے ایک نظر امی کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں ابھی بھی بھیگی ہوئی تھیں......

فرحان نے آگے بڑھ کر میرے نزدیک ایک سٹول رکھ دیا۔''بیٹھ جاؤ......انا میں خاموشی سے کھڑی رہی...... میں کافی دیر وہاں کھڑی انہیں دیکھتی رہی......اور پھر میں آہستہ سے چلتی ان کے قدموں کی طرف آ گئی۔

میں نے بابا کی طرف دیکھا جو بالکل نڈھال تھکے ہوئے' احسن کے چہرے سے ایک پل کو بھی نظر ہٹانے کے لیے تیار نہ تھے مجھے جانے کیوں احسن سے زیادہ بابا کی حالت دیکھ کر

تقدیر پر غصہ آ رہا تھا بابا جانے کس آس، کس امید پر مجھے اندر لے کر آئے تھے...... جانے ان کو کیا امید تھی میں نے احسن کے چہرے کی طرف دیکھا ان کے چہرے پر ایک وقت میں ہمیں زندگی بھی نظر آ رہی تھی اور موت بھی ہم سب کی زندگی ہم سب کی موت...... ایک عجیب سا خیال جس نے مجھے میری روح تک کو جھنجوڑ دیا تھا۔ کہ اگر احسن کو کچھ ہو گیا تو ہم سب کیا کریں گے۔ بابا کیا کریں گے کیا بابا کی زندگی میں اور دکھ دیکھنا باقی ہیں میری آنکھوں سے بہتا پانی مجھے اس خوف کی وجہ سے رکتا ہوا محسوس ہوا۔

میرے ہاتھ بے اختیار احسن کے قدموں کی طرف اٹھے اور میں نے احسن کے قدموں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے، کانپتی آواز میں کیا۔

''احسن! مجھے معاف کر دیں...... میں نے آپ کو بہت پریشان کیا...... میں آج کے بعد آپ سے کسی بات پر ضد نہیں کروں گی...... تکرار نہیں کروں گی...... آپ کو کسی بھی بات کے صحیح غلط کے بارے نہیں کہوں گی...... مگر آج آپ آخری بار ہم سب کو معاف کریں...... انجانے میں جو کچھ ہم سب سے ہوا اسے معاف کر دیں...... اور ہمارے، حال پر ترس کھائیں...... ہم میں سے اب کسی میں ہمت نہیں نے سب بہت تھک چکے ہیں...... احسن ہمیں ہمیشہ آپ نے سنبھالا ہے اس گھر کو...... جب سے آپ روٹھے روٹھے سے رہنے لگے ہیں...... ہمارا سارا گھر ایک دوسرے سے روٹھ گیا ہے...... احسن'' آپ کا مجھ سے چاہے لاکھ اختلاف سہی مگر آپ یہ تو جانتے ہیں کہ میں نے کبھی آپ سے جھوٹ نہیں بولا غلط بیانی نہیں کی میں نے تو اس وقت بھی آ کر آپ کو سچ ہی بتا دیا تھا...... جس وقت ڈاکٹروں نے آپ کو سچ بتانے سے سختی منع کر دیا تھا۔ اور میں جانتی ہوں۔ احسن اس دن آپ میری بات سمجھ گئے تھے کہ زرقا بھابھی اس دنیا میں نہیں رہی...... میں آج بھی آپ کو سچ ہی بتانے آئی ہوں...... اس یقین کے ساتھ کہ آپ میرے اس مان کی لاج ضرور رکھیں گے۔

احسن بابا آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ صبح سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا جب سے آپ بے ہوش ہوئے ہو آپ کے سرہانے بیٹھے ہیں...... اس امید پر کہ آپ آنکھیں کھولو گے...... جیسے آپ نے ایک بار پہلے انکے ہاتھ پر اپنی گرفت اچانک مضبوط کی تھی۔ آج بھی کرو گے...... احسن بابا کو اس سے پہلے اتنا کمزور میں نے کبھی نہیں دیکھا......

آج میں نے بابا کو پہلی بار دیوانوں کی طرح بے چین دیکھا ہے بھیکاریوں کی طرح اپنی اولاد کی زندگی کی بھیک مانگتے دیکھا ہے۔ احسن آپ بابا کا مان ہو۔ ان کی طاقت ہو...... بابا

آپ میں اپنے آپ کو دیکھتے ہیں......انہیں مایوس مت کرنا احسن بابا جیسا بہادر انسان میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے زیادہ محبت کرنے والا انسان کوئی اور ہو سکتا ہے۔اس انسان کو مایوس نہ لوٹانا۔

امی بیٹھی ہیں! اور اللہ کی قسم ''احسن'' امی نے آپ کو حقیقت میں ہم سب سے زیادہ پیار کیا ہے......اور یہ بات مجھ سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا......احسن امی آپ کے بنا ادھوری ہیں......انہیں مایوس نہ لوٹانا۔

الماس آنٹی بھی بیٹھی ہیں......جنہوں نے اپنی زرقا کی موت کو صرف اور صرف آپ کی خوشی آپ کی زندگی کے لیے بھلا دیا...... بھابھی کے جانے کے بعد انہوں نے بھابھی کے پیار کو آپ کے وجود میں زندہ رکھا ہے۔انہیں مایوس نہ لوٹانا......

اور اس دنیا کا سب سے اچھا دوست بھی کھڑا ہے۔جو اس وقت مجھے بہت غصے سے دیکھ رہا ہے......کیونکہ اسے میں صرف اور صرف روتے ہوئے بری لگتی ہوں......اور ابھی میں رو رہی ہوں......اور ایک حیرت کی بات بتاؤں وہ یہ کہ آج یہ بھی میرے سامنے کھڑا رو رہا ہے۔''میں نے روتے روتے' ہنستے ہوئے فرحان کو دیکھا......تو اس نے اپنا چہرہ دیوار کی جانب موڑ لیا......

بابا نے بھیگی آنکھوں سے پہلے فرحان کی طرف اور پھر میری طرف دیکھا......

''احسن فرحان کو بھی امید ہے کہ آپ آنکھیں کھولو گے......''

اور جانتے ہیں......''آج نعمان بھائی کو پاکستان آئے تین دن ہو گئے ہیں۔ابا نے ان سے بات نہیں کی...... ہمیشہ آپ ہی ابا کو سمجھانے میں کامیاب ہوتے ہو......آپ کے علاوہ وہ اور کسی کی سنتے بھی نہیں......نعمان بھائی کی ابا سے صلح بھی کرانی ہے۔نعمان بھائی ایک سال سے اپنے والد کے سینے سے نہیں لگے......ابا ان کی طرف دیکھتے نہیں ہیں مگر میں جانتی ہوں کہ ان کا کتنا دل کر رہا ہوگا کہ وہ نعمان بھائی کو سینے سے لگا کر پیار کریں......اور ویسے بھی نعمان بھائی کو ڈانٹ بھی آپ کی وجہ سے پڑی تھی نا......اب تو وہ آگئے ہیں......ان کی ابا سے صلح کرا دیں۔

ابھی فائز نے ہاتھ جوڑ کر آپ کے لیے دعا بھی مانگی ہے......کہ اس کے چاچو جلدی سے ٹھیک ہو کر گھر آ جائیں......نادیہ بھابھی بیچاری پچھلی بار آئی تھی تو بھی آپ اسی حال میں تھے......اب آئی ہے تو بھی آپ ایسے ہی خاموش ہو گئے ہو......اس کا کیا قصور ہے......؟

احسن رونا بُری بات تو نہیں......آج آپ کے دل نے یہ مان لیا کہ زرقا بھابھی اس دنیا میں نہیں رہی......تو آپ ان سے جدا ہونے پر روئے......بہت اچھا کیا نا......

بابا آپ ہی تو کہتے ہیں نا، کہ رونے سے من ڈھل اتا ہے...... احسن! آپ کے رونے سے آپ کا من ہلکا ہو گیا ہو گا۔ آپ نے اس بات کو اپنے لیے بوجھ کیوں بنالیا ہے۔ دیکھیں اس وقت ہم سب بھی رو رہے ہیں...... فرحان امی، بابا، الماس آنٹی میں، ہم سب آپ کے اپنے ہیں...... غیر نہیں ''احسن'' اور اپنوں سے اپنا دکھ اپنے آنسو اور اپنی محبت نہیں چھپائی جاتی......

میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں آج کے بعد آپ سے کچھ نہیں کہوں گی......

بس آج میرے مان کی لاج رکھ لیں۔ آج سے ایک سال پہلے جب میں ہسپتال آئی تھی تو اس دن بھی مجھے بابا نے بھیجا تھا...... مگر احسن آج تو بابا مجھے خود میرا ہاتھ پکڑ کر آپ کے پاس لے کر آئیں ہیں...... جانے کیوں، بابا کو مجھ سے اتنی امیدیں کیوں ہیں؟...... میں نہیں جانتی...... مگر اتنا ضرور جانتی ہوں احسن کہ اگر آپ نے آج ہم سب کا مان نہ رکھا تو ہم سب نہیں رہیں گے احسن ہمارا گھر ختم ہو جائے گا...... جو تھوڑا بہت بچا ہے۔ وہ بھی ختم ہو جائے احسن بابا اس وقت بھی آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے آپ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھام رکھا ہے...... آپ کو ہم سب کی محبت کا واسطہ...... احسن آپ کو آپ کی محبت کا واسطہ...... ہم سب کو بچا لیں...... اگر آپ کو کچھ ہوا...... تو ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔

کہتے کہتے میرے آنسوؤں سے احسن کے پاؤں پر پڑی چادر بھیگ چکی تھی جانے کب سے نعمان بھائی دروازے پہ کھڑے میری باتیں سن رہے تھے انہوں نے آگے بڑھ کر مجھے اپنے سینے سے لگا لیا ''نعمان بھائی'' ...... میں ان کے سینے سے لپٹ گئی۔

شاید بہن بھائی کے رشتے میں ایک دوسرے کے لیے یہ سہارا ہی ان کی سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے۔ جو اس وقت میں محسوس کر رہی تھی۔ ''یار اب تو مان جا...... تجھے محبت کا واسطہ دیا ہے...... آنکھیں کھول لے یار بہت ہو گیا نا، مجھ بوڑھے کو اور کتنا آزمائے گا۔ پاگل لڑکے......''

بابا نے روتے وئے مگر مضبوط لہجے میں بڑے مان سے کہا......

کمرے میں موجود سب ہی تو رو رہے تھے نعمان بھائی نے مجھے اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا کمرے میں تقریباً اندھیرا ہی تھا۔

کہ بابا نے دھیرے سے مجھے آواز دی...... ''انا'' دوبارہ آواز دی '''' انا'' بیٹا''......

میں نے مڑ کر بابا کی طرف دیکھا گھبراہٹ کی وجہ سے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا'' جی بابا...... کیا بات ہے''...... ''نعمان بڑی لائٹ آن کرو'' ...... بابا نے تیزی میں کہا نعمان بھائی نے جلدی سے

گھبراہٹ میں لائٹ آن کی...... تو بابا کے چہرے پر آنسوؤں میں لپٹی حیرت سے گندھی مسکراہٹ بکھری تھی...... ہم سب نے بابا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا...... بابا نے مسکراتے ہوئے اپنے ہاتھ میں تھامے احسن کے ہاتھ کو قدرے اونچا کیا...... پھر اپنے ہاتھ کی گرفت کو ڈھیلا کر دیا......اس کے باوجود بھی احسن نے بابا کا ہاتھ تھام رکھا تھا......امی اٹھ کر ایک دم سے احسن کے قریب آ گئی بالکل اسی طرح احسن کے ماتھے کو زور سے چوما...... ''میرا بہادر بچہ ہے۔ میرا شیر ہے، شیر'' ......الماس آنٹی نے احسن کے سر کو سہلایا فرحان بھاگ کر ڈاکٹر کو بلانے چلا گیا اور مَیں خوشی سے دوبارہ نعمان بھائی کے سینے سے لپٹ گئی......

''حسن نے ہلکا سا اپنے سر کو ہلایا مگر ابھی آنکھیں نہیں کھولیں تھیں۔فرحان ڈاکٹر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا......

ڈاکٹر نے جلدی سے آ کر احسن کو چیک کرنا شروع کیا...... ''آپ لوگ پلیز کچھ دیر کے لیے باہر چلیں جائیں'' ہم سب باہر آ گئے ایک امید کے ساتھ خوشی کا احساس بھی تھا مگر ادھورا سا سب لوگ اپنی اپنی جگہ فکر مند تھے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر انکل باہر آئے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، نعمان ''میاں گھر جاؤ......احسن کے لیے فریش جوس بنوا کے لے آؤ تھوڑا زیادہ لانا......میں بھی پیوں گا......اس نالائق کی وجہ سے مجھے بھی کافی weakness محسوس ہو رہی ہے۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے کہا...... ''اور آپ لوگ اب یہ فکر کی چادر اپنے چہرے سے اتار دیں...... وہ اب ماشا اللہ بالکل ٹھیک ہے...... آپ لوگوں کی دعائیں اسے واپس لے آئی ہیں...... ورنہ سچ پوچھیں تو بہتری کے آثار اس وقت مجھے بھی کچھ کم ہی نظر آ رہے تھے......مگر مشکلات تو ہم انسانوں کے لیے ہوتی ہیں......خدا کی ذات کے لیے تو کوئی چیز نہ تو مشکل ہے اور نہ ہی ناممکن...... میں بس آج کا دن اسے یہاں رکھوں گا اپنی تسلی کے لیے......رات تک ہو سکتا ہے۔ میں نے اگر سمجھا تو اسے گھر بھیج دوں...... یا کل صبح انشا اللہ ضرور بھیج دوں گا......آپ سب لوگ بھی کافی تھک گئے ہوں گے۔ وہ ٹھیک ہے اس لیے میرا مشورہ مانیں تو گھر جا کر آرام کریں...... میں بھی اب تھوڑی دیر کے لیے گھر جانے کا سوچ رہا ہوں۔ احسن کی وجہ سے ہی ہسپتال میں تھا'' ......ڈاکٹر صاحب وہ ہوش میں ہے؟...... ''بابا نے پوچھا'' ......

''جی جاگ رہا ہے۔ میں نے کہا نا...... وہ بہت بہادر لڑکا ہے......بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اتنے شدید جھٹکوں کے بعد بھی سروائیو جائیں۔ بس کمزوری کی وجہ سے آنکھیں بند کیں ہوئی ہیں۔ آپ لوگ جائیں اسے ملیں...... اور اسے جوس وغیرہ پلا دیں'' ...... یہ کہہ کر

ڈاکٹر انکل نے بابا سے ہاتھ ملایا ڈاکٹر انکل کی ان باتوں نے جیسے ہم سب میں ایک نئی روح پھونک دی ہو''نعمان بھائی آپ رکیں میں گھر سے جوس لے آتا ہوں'' فرحان یہ کہتے ہوئے چلا گیا۔نعمان بھائی نے ابا کو فون کر کے بتایا...... اسی دوران سب نے ایک دوسرے کو نم مگر آنکھوں میں خوشی کی چمک لیے مسکراتے ہوئے دیکھا بابا آہستہ سے چلتے میرے پاس آئے اور میرے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے بولے...... ''آپ ہمارا غرور ہو بیٹا...... وہ بابا نے مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھا اور پھر ہم سب لوگ احسن کے پاس اندر چلے گئے بابا نے قریب جا کر انہیں پکارا تو انہوں نے بابا کے بلانے پر سر کو بابا کی جانب موڑا بابا نے بڑھ کر انہیں پھر پیار کیا نرس ڈریپ بدل رہی تھی وہ ہوش میں ہیں۔بس ذرا تھکن ہے انہیں کچھ دیر میں ٹھیک ہو جائیں گے'' نرس نے مسکرا کر ہمیں ن کی حالت کے متعلق تسلی دی اور پھر خود باہر چلی گئی...... امی نے آگے بڑھ کر احسن کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور چومنے لگی۔الماس آنٹی پاس کھڑی احسن کے سر کو ہلکا ہلکا دبا رہی تھی......نعمان بھائی نے''احسن کو پکارا یار احسن اٹھ جا یار اب کب تک ہم سب کو اپنے پاس ہی کھڑا رکھو گے''......؟ احسن کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور چلی گئی کچھ بولنے کی ہمت نہیں تھی ان میں۔ہم سب وہی کھڑے تھے ایسا معلوم ہوا جیسے احسن نے مجھے پکارا ہو۔بابا نے چونک کر میری طرف دیکھا امی اور آنٹی بھی مسکرا کر میری طرف دیکھنے لگی۔امی نے آہستہ سے کہا'''' انا'' یہی ہے احسن تمہارے سامنے کھڑی ہے بیٹا!''...... ''آنکھیں کھولو' دیکھو وہ سامنے ہے'' امی نے جیسے تسلی دی ہو...... احسن نے جیسے اپنی پوری طاقت سے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی ایک نظر مجھے دیکھا اور پھر بنا کچھ کہے منہ دوسری طرف کر لیا......

آنٹی نے میری طرف پُر معنی خیز نظروں سے دیکھا...... جیسے انہوں نے پھر مجھے اس بات کی تسلی دی ہو کہ''دیکھو احسن کو تمہارا خیال ہے'' مگر میرے سامنے احسن کی بے رخی اور خاموشی مجھے احسن کے بارے میں کسی خوش قسمتی میں مبتلا نہیں ہونے دیتی تھی۔اتنی دیر میں فرحان ہاتھ میں تھرموس لیے کمرے میں داخل ہوا...... اس کے ساتھ سائمہ آنٹی بھی تھیں صبح کے چار بج رہے تھے فرحان اپنے گھر سے جوس احسن کے لیے' لے کر آیا۔اور اس کے ڈرائیور کے ہاتھ میں کچھ سامان تھا جو اس نے لا کر میز پر رکھ دیا۔صائمہ آنٹی نے شفقت سے احسن کے سر پر ہاتھ پھیرا اور امی اور الماس آنٹی کو مبارک دی۔اور پھر میز پر رکھی چیزیں کھولنے لگی۔''چلیں آجائیں۔میں چائے اور پھل اور کچھ Sandwiches لے کر آئی ہوں۔کچھ کھا لیں۔کل سے فکر میں کچھ نہیں کھایا۔'' فرحان نے کپ میں جوس ڈالا۔نعمان بھائی نے احسن کو سہارا دے

کر اٹھایا اور خود ان کے پیچھے بیٹھ گئے بابا نے آج بھی اپنے ہاتھوں سے احسن کو جوس پلایا ''یہ پورا گلاس ختم کرنا ہے احسن بیٹا۔ شاباش......''

اتنی دیر میں ابا اور نادیہ بھابھی بھی آ گئی۔ نادیہ بھابھی نے فائز کو صوفے پر لیٹا دیا۔ وہ سو رہا تھا میں نے اسے چوما یہ اسی کی دعا کی وجہ سے ہوا ہے احسن نے ابھی آنکھیں کھولیں ابا بھیگی آنکھوں سے احسن کو ملے تو ان کے چہرے پر ایک سکون سا آ گیا......

احسن نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں وہ ہم سب کو دیکھ رہے تھے...... بابا نے بھی چائے کا کپ ہاتھ میں لیا ان کے چہرے پر ایک اطمینان تھا میں نے چائے لینے کے بعد بابا میں امی اور الماس آنٹی ہسپتال کے عقب میں بنی مسجد میں جا کر نماز ادا کی۔

اور جب واپس آئے تو احسن آنکھیں بند کیے لیٹے ہوئے تھے۔ ''ابھی سو گیا ہے''......نعمان بھائی نے آہستہ سے کہا......

اسی دوران صائمہ آنٹی بولیں۔ میرے خیال سے اب یہاں پر رکنا ضروری نہیں آپ سب لوگ جائیں...... گھر تھوڑی دیر آرام کر آئیں...... جب احسن کی آنکھ کھلے تو آپ سب لوگ فریش نظر آئیں اسے...... اب اس کے سامنے دکھ کی کوئی بات مت ہونے دیں۔ اسی میں ہی سب کی بہتری ہے ہو سکے تو جتنی جلدی ممکن ہو۔ دکھ کی اس چادر کو اپنے اوپر سے اتارنے کی کوشش کریں۔'' صائمہ آنٹی نے ہم سب کو ایک تسلی سی دی......

نعمان بھائی تیزی سے بولے۔ ''میں احسن کے پاس ہی ٹھہروں گا۔ آپ سب لوگ جائیں...... گھر۔ بے فکر ہو کر''...... ابا نے ایک نظر نعمان بھائی کو دیکھا اور پھر انہیں نظر انداز کر دیا...... ''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میں بھی رک جاتا ہوں''...... فرحان نے کہا...... ''نہیں یار تم کل سے یہی ہو تھوڑی دیر کے لیے جاؤ۔ فریش ہو آؤ''...... نعمان بھائی نے فرحان کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ ''نہیں بھائی میں Fit ہوں...... آپ میری فکر نہ کریں۔ میں جب سوتا ہوں تو لمبی تان کے سوتا ہوں''......فرحان نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔

ہم سب اس وقت گھر واپس آ گئے الماس آنٹی کو صائمہ آنٹی نے گھر ڈراپ کر دیا سب پر سکون تھے بوا اور محبوب چچا انتظار میں تھے۔ ہمارے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھ کر وہ بھی مطمئن ہو گئے سب نے اپنے کچھ دیر آرام کیا میں بھی تھکن سے چور جب اپنے بستر پر آ کر گری تو جانے انجانے ایک پل کے لیے بھی احسن کا چہرہ میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا اور پھر ان کا ایسے بلک بلک کر رونا خود سے بے قابو ہو جانا احسن کے اندر جانے کتنے طوفان تھے جو کل ان کی

چیخوں اور آنسوؤں میں بہے تھے...... ''اللہ انہیں اب سکون دے دینا......''

''ان کی زندگی میں اب کوئی آنسو کوئی پچھتاوا نہ رکھنا مالک۔'' میں نے لیٹے لیٹے اللہ سے دعا کی میں نے کل بابا کو احسن کے ساتھ ساتھ جیتے اور احسن کے ساتھ پل پل مرتے دیکھا تھا...... بزرگ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ اولاد سے زیادہ بڑی آزمائش والدین کے لیے اور کوئی بھی نہیں......

نعمان بھائی کے فون سے پتہ چلا کہ شام میں احسن گھر آ جائیں گے......

عصر کی نماز کے ساتھ الماس آنٹی ہمارے گھر آ گئی بشیر انکل ابا کو اور بابا کو ساتھ لے کر ہسپتال چلے گئے ہم میں سے ساتھ کسی کو بھی نہیں لے کر گئے میں نے بوا بوا کے ساتھ مل کر احسن کے کمرے کی صفائی کرائی اور انتظار کی گھڑیاں شروع ہو چکی تھیں۔ امی بار بار نادیہ بھابھی سے کہتی ''پتہ کرو نعمان سے کہاں ہیں'' ''سب خیریت ہے نا'' ......رات تقریباً 8 بجے پورچ میں گاڑیاں آ کر رکی، اور احسن اپنے قدموں پر چلتے آہستہ آہستہ گھر میں داخل ہو رہے تھے میں سامنے نہیں تھی لاؤنج میں ذرا پیچھے کی طرف ہو کر کھڑی تھی۔ ان کے داخل ہوتے ہی امی بے قابو ہو کر ان کے سینے سے جا لگی...... احسن کے سب ایسے مل رہے تھے جیسے جانے کتنے لمبے سفر سے واپسی ہوئی ہو اور ویسے اس میں غلط بھی کچھ نہیں تھا...... وہ ایک دن میں ہم سے اتنے دور جانے والے تھے جہاں سے واپسی کے امکان تو ہوتا ہی نہیں۔ بس معجزہ ہی تھا احسن چند قدم آگے بڑھے۔ اور پھر اچانک رک گئے...... انہوں نے رک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر مڑ کر سب کے چہروں کو ایسے دیکھا جیسے کسی کی تلاش ہو۔ کچن کے پاس میں کھڑی تھی ان کی نظر مجھ پر پڑی اور پھر اسی خاموشی سے آگے بڑھ گئے ان کی اس حرکت کو سب نے نوٹ تو کیا تھا۔ مگر کسی نے کچھ کہا نہیں، فرحان ان کے آگے بڑھتے ہی میری طرف ہٹا...... ''مس ''انا'' صاحبہ کچھ کھلا دیں گی مہربانی کر کے بڑے زور سے بھوک لگی ہے۔ آپ تو کسی کی نگاہوں کا مرکز کیا بنی ہم دوستوں کو بھول ہی گئی ہیں'' ...... میں نے جھنپ کر فرحان کی طرف دیکھا۔ ''بکو نہیں۔ کوئی مرکز ورکز نہیں بنی ہوں آؤ یہاں کچن میں ہی آ جاؤ'' ...... میں نے فرحان کو کچن میں نے کھانا پروسا...... اتنے میں الماس آنٹی بڑی خوشی سے کچن میں آئی۔ ''انا بیٹے احسن کے لیے کھانا تیار کراؤ'' بوا نے جلدی سے روٹیاں پکائی اور احسن کے لیے ہلکا سا کھانا علیحدہ سے بنا رکھا تھا۔ وہ الماس آنٹی اندر لے گئی...... گھر میں ایسے جیسے ایک خوشی کا سا ساماں تھا۔

فرحان کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر رکا اور پھر احسن سے مل کر اجازت لے کر چلا گیا...... میں اسے گیٹ تک چھوڑنے گئی تو گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ میری جانب مڑا اور

پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر بنا کچھ کہے وہ ایک دم سے گاڑی میں بیٹھا اور تیزی سے گاڑی کو موڑ کے میری سامنے پھر سے روکتے ہوئے بولا ''میں آفس دیکھ لوں گا۔تم اپنی زندگی کی فکر کرو۔آفس کو فی الحال بھول جاؤ...... Good luck'' اور یہ کہہ کر اس نے میرا جواب سنے بنا ہی گاڑی آگے بڑھا دی......

''فرحان اب میرے پاس اپنی فکر کے لیے کچھ نہیں رہا...... مجھ میں جتنی ہمت تھی اتنا میں نے کر دیا''...... اور بابا کے الفاظ...... کہ جس سمت مجھے تقدیر کی ہوا لے جائے گی میں چلتی جاؤں گی...... نہ سفر میرا ہے اور نہ منزل...... میرا سفر جانے کب میرے قدموں سے بچھڑ گیا...... اب کون سی منزل رہ گئی ہو گی باقی...... کھڑی وہاں سوچتی رہی اور...... اور پھر سر جھٹک کر اندر چلی گئی......

میں نے اور نادیہ بھابھی نے سب کو کھانا کھلایا...... کھانا کھا کر الماس آنٹی اور بشیر انکل اپنے گھر چلے گئے...... سب اتنے تھکے ہوئے تھے بابا نے بہت ضد کی کہ وہ آج احسن کے پاس سوئیں گے۔ مگر احسن نے انہیں منع کر ان کے کمرے میں بھیج دیا...... احسن جلدی سو گئے تھے۔ان کے آنے کے بعد میں ان کے کمرے میں نہیں گئی تھی...... مگر ایک بے چینی تھی میں رات کو وقفے وقفے سے ان کے کمرے میں آ کر انہیں دیکھ جاتی...... شاید دواؤں کا اثر تھا کہ وہ پرسکون نیند سو رہے تھے......

احسن نے میرا مان رکھا تھا...... میری لاج رکھی تھی اور اب مجھے اپنے وعدے کا پاس رکھنا تھا...... اور اس وعدے کے پاس میں سب سے بڑی سزا کہیں۔ یا آزمائش یا پھر محبت کا امتحان جو کچھ بھی تھا میرے لیے ہی تھا۔اور مجھے اس کا کیلے ہی سامنا کرنا تھا۔اور اس کے لیے میں نے خود کو تیار کر لیا تھا۔

آنے والے وقت میں گھر کے حالات کچھ حد تک بہتر لگ رہے تھے۔نعمان بھائی اور نادیہ بھابھی پوری طرح سے گھر کی ہر ذمہ داری میں بھرپور حصہ لے رہے تھے۔مگر ابا کی نعمان بھائی سے ناراضگی بدستور جاری تھی...... اگلے ایک ہفتے میں ''احسن'' کی طبیعت کافی حد تک سنبھل گئی تھی: اور آج ایک ہفتے بعد ''احسن'' اپنے کمرے سے باہر آئے تھے۔اور میں احسن کو اس ایک ہفتے میں ان کے سو جانے کے بعد دیکھا کرتی تھی...... دن میں میں ان کے سامنے جانے سے گریز ہی کیا کرتی تھی۔امی۔الماس آنٹی یا بوا ہی ان کا کھانا وغیرہ لے جایا کرتی تھیں۔ اور مجھے اس بات کی حسرت بھی تھی کہ اس ایک ہفتے میں الماس آنٹی نے اور امی کے مجھے ایک بار بھی نہیں کہا تھا کہ ''احسن'' کا یہ کام کر دو''...... ''اس دن میں نے آفس جانا تھا''...... نادیہ بھابھی

سب کو ناشتہ دینے میں مصروف تھی...... اور جب نادیہ بھابھی کی موجودگی میں زرقا بھابھی کی کمی اور زیادہ محسوس ہوا کرتی تھی۔ آج میں نے بھی آفس جانا تھا...... میں ڈائننگ حال میں ہی تھی سب کے ساتھ کہ ''احسن'' سامنے سے آرہے تھے...... نعمان بھائی نے مسکرا کر انہیں دیکھا......

''چلو احسن بھی آگیا'' اب جلدی سے ناشتہ لگا دیں بھئی......

آج ایک اور بات خلاف توقع یہ بھی ہوئی تھی کہ ڈائننگ ٹیبل پر احسن اپنی اسی کرسی پر آکر بیٹھے تھے جہاں وہ زرقا بھابھی کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ ان کے ساتھ بھابھی اور پھر بھابھی کے ساتھ میں بیٹھا کرتی تھی بھابھی ایک طرف انہیں دیا کرتی تھیں اور دوسری طرف میری پلیٹ کو ساتھ ساتھ بھرتی رہتی تھیں آج ہمارے درمیان والی کرسی خالی تھی...... جب سے بھابھی کا انتقال ہوا تھا۔ احسن اس کرسی پر نہیں بیٹھے تھے میں پہلے سے وہی بیٹھی تھی۔ اور ان کے بیٹھتے ہی نادیہ بھابھی نے مجھ سے کہا'''' انا'' احسن کے لیے چائے بنا دو پلیز......'' میں نے ان کے لیے چائے بنائی کپ ان کی طرف بڑھایا انہوں نے ایک نظر میری طرف دیکھا مگر مجھ میں ان کی طرف دیکھنے کی ہمت اب نہیں رہی تھی جانے کیوں مجھے اپنے اظہار محبت پر شرمندگی کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا۔

ایسے لگتا تھا جیسے میں نے کوئی گناہ کر دیا ہو شاید یہ ہی وجہ تھی کہ وہاں زیادہ دیر بیٹھنا بھی میرے لیے مشکل ہو رہا تھا مگر امی ابا کے چہرے پر مجھے ایک اعتماد سا نظر آرہا تھا بابا بھی آج مطمئن تھے نعمان بھائی کے آنے کے بعد گھر کے حالات کافی بدل چکے تھے فائز کے شور۔ اس کی شرارتیں سب کو اپنی طرف کھینچتی رہتی تھیں سب کچھ نارمل روٹین میں آرہا تھا اور احسن کی اس حالت کے بعد سب نے اپنی اپنی جگہ اس چیز کو بدلنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ کہ زندگی کو آگے بڑھانے اور ''احسن'' کی خوشی کے لیے سب کا خوش رہنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ''احسن'' کا! سب اپنی باتوں میں محو تھے......

''امی میں نے قبرستان جانا ہے آج'' احسن نے امی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ابھی انہوں نے میری طرف اپنا رخ کیا ہی تھا...... اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے...... میں نے اپنے ساتھ والی کرسی سے اپنا Bag اٹھایا...... ''اچھا بابا...... میں چلتی ہوں آج دس بارہ دن ہو گئے ہیں۔ فرحان اکیلا آفس میں ہے۔ مجھے کہتا تو نہیں مگر اب مجھے لگتا ہے کہ اس کی خاموشی کا میں ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہوں۔ آج سوچا آفس شروع کروں'' ...... میرے رویے سے صاف ظاہر تھا کہ میں احسن کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔

''بابا نے جلدی سے کہا۔ ہاں بیٹا ضرور جاؤ'' ...... پھر میں نے امی کی طرف دیکھا تو امی اپنے ہونٹوں پر ایک دبی سی مسکراہٹ لیے احسن کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ ''امی میں چلتی ہوں'' ...... تو انہوں نے ایک دم میری طرف سنجیدگی سے دیکھا ...... ''ہاں ہاں بیٹا جاؤ وہ بے چارہ بھی اکیلا ہے بہت کرتا ہے ہمارے ساتھ'' ...... ابا میری طرف قدرے سنجیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے میں نے سامنے کرسی پر بیٹھے فائز کے گال پر پیار کیا اور بابا سے اپنے سر پر ہاتھ پھیروایا۔

میں سامنے میز پر سے اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھا رہی تھی کہ مجھے امی کی آواز آئی وہاں احسن بیٹا ...... تمہاری طبیعت تو ذرا سنبھلی ہے۔ ابھی کچھ دن ٹھہر جاؤ ...... جانا ضرور جانا میں جانے سے منع نہیں کر رہی پر بیٹا ابھی کچھ دن ٹھہر جاؤ'' ...... پھر ''نعمان بھائی جلدی سے بولے ہاں احسن میں تمہیں لے جاؤں گا۔'' مگر کچھ دن بعد میرے دروازے تک جانے میں بھابھی نے آواز دی'' ''انا'' تمہارا چشمہ'' ...... ''اوہ ...... میں بھول گئی۔'' انہوں نے مجھے میرا چشمہ پکڑایا ...... مگر جانے اس پل مجھے ایسا کیوں لگ رہا تھا کہ جیسے میں اس وقت کسی کی نظروں کے شدید حصار میں ہوں مجھ میں اتنی بھی ہمت نہ تھی کہ میں دیکھ پاتی۔ نظر اٹھا سکتی میں نے جلدی سے وہاں سے باہر آ گئی۔

آفس ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ چوکیدار نے دروازے وغیرہ کھولے تھے۔ میں نے آفس کو صاف کروایا۔ شعیب صاحب کے آنے کے بعد کام کے متعلق ساری معلومات لی۔ فرحان تقریباً گیارہ بجے آیا تھا مجھے دیکھ کر حیران ہوا ...... ''اوے تمہیں کہا کہ آفس مت آنا تم بھی نا'' ...... میں نے مسکرا کر اسے دیکھا مجھے کچھ دبلا لگ رہا تھا ...... فرحان ......

اس نے شرارت سے میری طرف دیکھا ...... ''کیا بات ہے'' ......؟

''کمزور سے لگ رہے ہو۔ میری وجہ سے کافی بوجھ پڑ گیا نا تم پر کام کا'' ...... میں نے فکر سے اس سے پوچھا۔ ''اور نہیں یار ایسی بات نہیں ...... بس تمہیں معلوم ہے کہ گرمیوں میں تھوڑا Weak ہو جاتا ہوں'' ...... ''خیر تم سناؤ آج کل کافی توجہ ہوتی ہے لوگوں کی آپ کی طرف اس نے مجھے چھیڑا ......''

''نہیں پاگل لوگوں سے دوٹوک بات ہو چکی ہے۔'' میں نے میز پر سے چیزیں ٹھیک کرتے ہوئے کہا ''اب نہ میرے پاس کھونے کے لئے کچھ ہے اور نہ ہی پانے کو ...... آزاد ہوں۔

بس اب اپنا کام ہے اور ہم ہیں'' ...... ''کیا مطلب کیا کہنا چاہتی ہو'' ......؟

میں نے فرحان کو اس کی غیر موجودگی میں ہونے والے تمام حالات سے آگاہ کر دیا ......

اور میرے اور احسن کے درمیان ہونے والی تمام تر بات چیت کے متعلق بھی اپنے فیصلے اور بڑوں کے اختیار کے بارے میں بھی..... وہ تمام صورت حال جان کر کچھ دیر کے لیے خاموش رہا اور اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے اور پھر مجھ سے شکایت کے سے انداز میں بولا..... ''اور تم یہ سب اب مجھے بتا رہی ہو..... اتنے دن بعد.....''

''وقت ہی کہاں تھا فرحان حالات تمہارے سامنے تو ہیں۔''

''تو یہ فون جو بنا ہے..... یہ اسی لیے بنا ہے کہ اگر مل نہ سکیں تو اس کے ذریعے ضروری باتوں سے ایک دوسرے کو کم سے کم آگاہ تو کر دیا جائے''..... اس نے قدرے غصے سے کہا.....

''اچھا غصہ تو نہ کرو..... اب تو جو ہونا تھا وہ ہو گیا..... اب تم بھی غصہ کرو گے تو اس ''انا'' کا کیا ہو گا''..... اس نے مجھے گھورتے ہوئے کچھ سوچا ایسا لگ رہا تھا کہ دیکھ مجھے رہا ہے مگر سوچ کہیں اور ہے۔

''مگر ''انا'' میں نے ''احسن'' کو تمہارے لیے فکر مند دیکھا ہے۔ میں نے ان دنوں تمہارا منتظر دیکھا ہے۔ پتہ نہیں کیوں مگر مجھے لگا ہے کہ شاید وہ زندگی کی طرف واپس آنا چاہتا ہے..... اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس لڑکی کی شادی ہو چکی ہو..... یا وہ کسی اور ملک میں ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''احسن'' واقعی ہی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ہو.....''

''نہیں فرحان اگر ان میں سے کوئی بھی وجہ ہوتی تو وہ ضرور بتاتے مگر انہوں نے ان میں سے کوئی ایک عذر بھی نہیں دیا۔''

''ان کی خاموشی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کہی نہ کہی ہے ضرور..... شاید یہ خود ہی اس کی طرف لوٹ کے جانے کو اپنی ''انا'' کا مسئلہ بنائے ہوئے ہیں..... اور ویسے بھی وہ مجھ سے چڑتے ہیں۔ میری ہر بات پر خاموشی ہوتی تھی۔ یا سرد میری..... کبھی جواب تو دیتے نہیں..... تو اب میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے کہ انہیں میری وجہ سے کوئی پریشانی نہیں ہو گی..... میرے لیے میری محبت کافی ہے..... جو میں ان سے کرتی ہوں وہ مجھ سے نہیں کرتے تو نہ سہی..... اور میرا دل کافی سکون میں ہے'' اب..... کم سے کم انہیں مجھ سے کوئی شکایت تو نہ ہو گی.....''

''مگر ''انا'' تم یہ کیوں بھول جاتی ہو..... کہ اس نے تمہیں کبھی جھٹلایا نہیں..... اس نے تمہاری کسی بات کا انکار تو نہیں کیا نا..... تمہیں کبھی ڈانٹ دینا اور کبھی کوئی بے تکی سی وجہ کو سامنے رکھ کر تمہیں ٹال دینا..... یا پھر خاموش رہنا..... تم یہ دیکھو اس نے تمہیں کبھی منع نہیں کیا..... پھر اس کی خاموشی کو تم اس کا انکار کیوں سمجھ رہی ہو..... ہو سکتا ہے اس کی ذات کی کوئی

مجبوری ہو...... یا وہ ڈرتا ہو...... کوئی تو وجہ ہے۔ مگر مجھے جانے کیوں ایسا نہیں لگتا کہ وہ تم سے ناراض ہے۔ یا تمہارے لیے اس کے پاس Feelings نہیں۔''

''میں کچھ وثوق سے تو نہیں کہہ سکتا مگر...... اس بات کا مجھے یقین ہے کہ He has some thing for you'' میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا......

''ہاں ہے نا...... ان کے پاس میرے لیے خاموشی...... ہر بات پر نظرانداز کرنا...... ان کی نفرت یہ سب میرے لیے ہی تو ہے۔''

میں نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہو' اس نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا......

''اچھا چلو چھوڑو''...... فرحان۔ ''میرے لیے ان کی خوشی اہم ہے۔''

''وہ خوش رہیں...... چاہیے جیسے بھی رہیں...... اور ویسے بھی میں اپنی محبت کو اپنی حد تک ہی رکھتی تو زیادہ بہتر تھا...... وہ اظہار نہ کر کے شاید پچھتاتے ہوں۔ مگر میں تو اظہار کر کے پچھتا رہی ہوں...... کم سے کم یہ بھرم یہ تسلی تو رہتی کہ وہ کچھ جانتے ہی نہ تھے...... انہیں کچھ بتایا ہی نہ تھا...... میرا تو یہ بھرم ہی ٹوٹ گیا...... میں نے اظہار بھی کر دیا۔ اور''...... خیر چھوڑو۔

''تم بتاؤ اب نئے کتنے Projects ہیں؟ ہیں بی یا نہیں؟''

فرحان کافی دیر مجھے خاموشی سے دیکھتا رہا، اور ہم کام کرنے لگے۔

شام سات بجے تک ہم نے کافی کام کر لیا تھا سات بجے اس نے کہا'' ''انا'' چلو گھر چلتے ہیں...... باقی کام کل...... اس نے اٹھ کر میرا P.C بھی بند کر دیا...... تم اپنی گاڑی میں چلو میں اپنی گاڑی میں آتا ہوں''...... شعیب صاحب جا چکے تھے میں نے اسے دیکھا اور پھر اٹھ گئی''

میں نے گاڑی کے پاس پہنچ کر فرحان کو بلایا۔

''فرحان۔ مجھے میری محبت کے لیے کسی کی وکالت نہیں چاہئے...... محبت کا احساس اگر خود ہو تو وہ احساس دائمی ہوتا ہے...... ہمیشہ کے لیے...... تمہیں ہماری دوستی کا واسطہ ہے کہ تم میری محبت میرے Interest کے بارے میں کبھی بھی احسن سے یا کسی اور سے نہیں کرو گے......''

وہ میرے پاس آیا...... میرے ہاتھ سے گاڑی کی چابی لی اور دروازہ کھولا......

'''' ''انا'' میری ''انا'' اتنی کمزور نہیں کہ میں اس کی سچائی کی وکالت کرتا پھروں''۔

''میرے لیے میری ''انا'' کا پاس۔ اس کی عزت سب سے زیادہ اہم ہے۔ اور یہ سب رشتے میرے لیے بہت عزیز ہیں۔ بہت پیارے ہیں...... اور ان سے پیار کی وجہ صرف اور

صرف تم ہو......اور تمہاری وجہ سے ہی یہ سب ہیں میرے لیے......اگر تم میری دوست نہ ہوتی تو میں ان سب کو کیا جانتا تھا......اس لیے اس بات کی فکر تم نہ کرو...... میں تمہارے ساتھ ہوں...... اور بالکل ویسے ہوں جیسے تم چاہتی ہو...... امی کی بات بالکل ٹھیک ہے کہ ہم نے کوشش کر لی۔ اب تقدیر کی باری ہے...... چلو بیٹھو گھر چلتے ہیں...... میں صرف ملنے جا رہا ہوں......اپنی دوست کی وکالت کرنے نہیں......میری دوست کو کسی گواہی۔ کسی ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے گاڑی کی چابی میرے ہاتھ میں پکڑائی اور خود اپنی گاڑی کی طرف چل دیا......ہم دونوں اکٹھے گھر پہنچے تو خلاف معمول سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ میں نے سب کو سلام کیا احسن وہیں موجود تھے مجھے اتنا تو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ یہاں موجود ہیں مگر انہیں دیکھنے کی ہمت ابھی بھی مجھ میں نہ تھی۔ میں کچن میں چلی گئی اور فرحان وہی سب کے ساتھ بیٹھ گیا میں نے بوا کے ساتھ اس کے لیے چائے بنوائی امی میرے پاس کچن میں آ گئی چائے کے ساتھ کچھ لوازمات رکھے آئیں نعمان بھائی۔ چائے پینی ہے...... فرحان آئیں۔ ایک ایک کپ چائے ہو جائے...... بابا آپ کے لیے چائے لاؤں......

''نہیں بیٹا ہم سب تو پی چکے۔ نادیہ بیٹی نے سب کو پلائی تھی۔ ہاں احسن نے نہیں پی تھی اس وقت ہو سکتا ہے ابھی لے لے'' ......'چلیں آئیں' فرحان نے احسن کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھنے پر مجبور کر ہی دیا...... مجھے فرحان کی یہ زبردستی بری بھی لگ رہی تھی۔ کیونکہ اب احسن کی موجودگی ان کے سامنے مجھے گھبراہٹ محسوس ہوا کرتی تھی۔ میں، فرحان اور احسن ہم لوگ Dining tabal پر چائے پینے لگے میں نے چائے بنا کر فرحان کے سامنے رکھی......اور پھر ''احسن'' کے سامنے فرحان اپنی باتوں میں احسن کو مشغول کیے ہوئے تھے اور احسن دھیمے لہجے میں اس کو ہر بات کا جواب بھی دے رہے تھے۔ الماس آنٹی بھی وہی آ گئی۔ ''انا'' ''بیٹے آج تو سارا دن ہی Office لگ گیا'' ......''آنٹی کافی کام تھا۔ یہ تو فرحان کی ہمت ہے کہ اکیلے اتنا سنبھال لیتے ہیں۔ مگر اب کافی وقت گزر گیا۔ آفس کو میری ضرورت ہے......اور مجھے ویسے بھی اور کام تو اب ہے نہیں......تو جہاں ضرورت ہے جس کو ضرورت ہے اسے تو اپنا وقت دوں'' ناجانے کیوں یہ کہتے ہوئے میرا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا...... میں آنٹی سے بات کر رہی تھی......

میری اس بات کے ساتھ ہی آنٹی نے ایک دم سے احسن کی طرف دیکھا...... میں نے بے دھانی میں اپنے لیے چائے بنا لی تھی ''ہاں بیٹے ٹھیک کہہ رہی ہو...... جہاں ضرورت ہو وہی انسان کو اپنا وقت دینا چاہیے جہاں احساس ہی نہ ہو......وہاں کچھ نہیں ہوتا...... نہ فائدہ اور نہ ہی نقصان

.......'' آنٹی نے معنی خیز انداز میں مجھے یہ جواب دیا۔اس وقت تو مجھے سمجھ نہیں آیا۔مگر مجھے آنٹی کے اس رواییئے سے حیرت ضرور ہوئی تھی میں چائے کا کپ لے کر لاؤنج میں چلی گئی۔ جہاں فائز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا تھا۔

اور پھر وقت اپنی خاموشی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔اور اس سارے وقت میں اگر سب سے زیادہ طویل اور مسلسل خاموشی حائل تھی تو وہ میرے اور احسن کے درمیان تھی...... کچھ دنوں بعد احسن اور ابا کے درمیان کچھ بات چیت ہوتی تھی۔ وہ کیا تھی اس وقت تو ہمیں نہیں معلوم تھا۔مگر شام کی چائے پر جب ابا نے نعمان بھائی کو بلا کر سب کے سامنے یہ پوچھا کہ نالائق تمہارا کیا پروگرام ہے کب تک رہنا ہے۔تو ہم سب کو معلوم ہو گیا کہ آخر صبح کی طویل Ous cusstion کا نتیجہ اس صورت میں نکلا تھا......اور اس کے بعد نعمان بھائی اور ابا میں حائل کشیدگی تقریباً ختم ہو چکی تھی......مگر آخر کار انہیں جانا تو تھا......

کیونکہ انہوں نے ابا کو صرف یہ کہا تھا۔کہ ابا ابھی ہیں کچھ دن چھٹیوں کے!...... وہ ایسے کہہ کر بات ٹال دیا کرتے تھے......

زندگی اسی کا نام ہے شاید کہ اس کی ایک کروٹ پر کتنے کردار بدل جاتے ہیں کتنے رشتے نئے بنتے ہیں اور کتنے پرانے رشتے دور ہو جاتے ہیں۔اتنے دور کہ ان کی جھلک بھی ہماری دسترس سے باہر ہوا کرتی ہے۔اپنی زندگی کے ان تمام اتار چڑھاؤ سے مجھے یہ بات تو مکمل طور پر سمجھ آ چکی تھی کہ انسان کا جہان صرف اتنا ہی ہوتا ہے جتنی اس کے ماتھے پر لکیریں ہوتی ہیں!اور میری زندگی کا سفر مجھے ورق ورق ہوتا محسوس ہو رہا تھا...... ایسا ورق جس پر لکھے جانے والی ہر تحریر اپنا مفہوم بدل لیتی ہے۔اور ایسے حالات میں چونکہ مجھے اپنے سفر کی حقیقت کا پتہ چل چکا تھا۔اس لیے میرے اندر موجود تقریباً تمام خوف ختم ہو چکے تھے۔محبت انسان کو زندگی بھی دیتی ہے اور موت بھی......مگر میری محبت نے مجھے ایک ہی وقت میں زندہ بھی رکھا اور اسی وقت میں مار بھی دیا......

اپنے سفر کی انتہا پر مکمل آزادی ہوتے ہوئے بھی اپنے عکس کی تلاش میں خود ہی کو کھو دینا۔یہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا تھا......اور یہ بات اس دن واضح طور پر میرے سامنے آ چکی تھی جب امی اور الماس آنٹی میرے پاس آئی تھیں۔ان کا اکٹھے میرے کمرے میں اس طرح آنا مجھے یہ تو بتا چکا تھا کہ کوئی خاص بات ہے مگر بات پھر اسی ڈگر پر چل نکلے گی...... جہاں سے بھاگ کر میں نے خود کو اپنے دل کے سٹور روم میں رکھے ایک پرانے صندوق کے پیچھے چھپا دیا تھا...... مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا کہ مجھے اندھیرے میں بھی اس تاریک جگہ سے وہ اچانک ڈھونڈ کر تیز روشنی میں بنا بتائے کھڑا کر دیا جائے گا شاید اسی کو زندگی کہتے ہیں یا پھر تقدیر کے فیصلے......

امی بیٹھتے ہوئے الماس آنٹی کی طرف دیکھا میں نے اپنے ڈریسنگ روم میں اپنی الماری کے کپڑے ٹھیک کر رہی تھی...... کچھ دیر وہ دونوں ایک دوسرے کو شاید آنکھوں آنکھوں میں کچھ سمجھاتی رہی۔کہ پھر امی نے مجھے پکارا ''انا بیٹا ایک بات کرنا تھی تم سے''......''جی، جی آپ کریں میں سن رہی ہوں......بس 2 منٹ آتی ہوں''...... میں نے الماری میں ترتیب سے کپڑے لگائے اور باہر آ کر آرام سے کرسی پر بیٹھ گئی۔امی اور الماس آنٹی آمنے سامنے پڑے

صوفے پر بیٹھی تھیں دونوں کے چہرے پر فکر کے ساتھ آنکھوں میں ایک عجیب سی امید دیکھائی دے رہی تھی۔ امی نے مسکراتے ہوئے بات شروع کی۔''انا'' زیادہ لمبی چوڑی تمہید باندھنی تو مجھے آتی نہیں۔ میں اور تمہاری آنٹی تم سے صرف یہ جاننا چاہتے ہیں۔ کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تم نے جو اختیار ہمیں دیا تھا...... کیا آج بھی اس کا اختیار ہمارے پاس ہے؟ بیٹا ہم نے بھی بہت سوچا۔ بہت دیکھا۔ مگر جانے کیوں گھوم پھر کر دماغ اس نکتے سے ہٹتا ہی نہیں۔ جانے کیوں ایسا لگتا ہے جیسے تقدیر بار بار ہماری سوچ کے تمام دوسرے در بند کر کے صرف اسی ایک در کی کھلا چھوڑ دیتی ہے۔ اسی رستے کی طرف دھکیل دیتی ہے...... تو ہم نے سوچا کہ ایک بار تم سے دوبارہ پوچھ لیں...... میں جانتی ہوں کہ تم یہ سب ہماری خوشی کے لیے کر رہی ہو......''

میں انہیں سپاٹ چہرے کے ساتھ دیکھنے کے علاوہ کچھ کہہ پائی تھی۔ یا میری تقدیر نے میرے اندر تکرار اور انکار کی طاقت چھین لی تھی۔

''ہم نے سوچا ہے کہ آج رات کو ہی تمہارے ابا اور میں ہم سب مل کر تمہارا ہاتھ تمہارے بابا سے احسن کے لیے مانگ لیں...... کیونکہ تم پر ہم سے بھی زیادہ حق بھائی صاحب کا ہے اور یہ بات انہوں نے بہت پہلے مجھے اور تمہارے ابو کو کہہ دی تھی کہ ''انا'' کا جو بھی رشتہ آئے۔ وہ مجھ سے آ کر بات کرے ''انا'' میری بیٹی ہے اور اس فیصلے کا اختیار بھی میرا ہے...... اس دن سے تمہارے ابو تمہارے حوالے سے ہر بات انہیں سے کرتے ہیں...... اور ''احسن'' ہمارا بیٹا ہے۔ اور یہ میری محبت کا تقاضا ہے یہ میری ممتا ہے کہ مجھے میرے بیٹے کے لیے ایک سمجھدار' ہمدرد، اور محبت کرنے والی لڑکی کا ہاتھ چاہیئے...... میں ایک وقت میں تم دونوں کی ماں ہونے کا فرض نبھا رہی ہوں۔

اب تم بتاؤ...... کیا ہم آج بھائی صاحب سے بات کر لیں......''؟

''ہم سب نے مل کر اتنے دنوں میں بھائی صاحب کو احسن کی شادی کے لیے تیار کیا ہے۔ ورنہ وہ تو نہیں مان رہے تھے...... ان کے خیال میں احسن جس ذہنی اذیت سے گزر رہا ہے...... ایسے حالات میں کسی بھی لڑکی کو اس کی زندگی میں لانا۔ اس لڑکی کے لیے اس رشتے کو سنبھالنا کافی مشکل ہو گا بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ اس لڑکی سے زیادتی ہو گی...... مگر پھر تمہارے ابو نے انہیں قائل کر لیا ہے...... تمہارے ابو نے کہا ہے کہ ایک لڑکی ہے جو ان سب کے حالات کو سنبھال سکتی ہے اور وہ تیار بھی ہے یہ فیصلہ اسی کا ہے۔ تو جا کر تمہارے بابا نے ہاں کی ہے۔''

''تو کیا بابا کو نہیں پتہ تھا......'' اس سب کے متعلق میں نے امی سے حیرت سے

پوچھا......

''نہیں بیٹا انہیں نہیں پتہ...... بلکہ انہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ وہ لڑکی تم ہو...... مجھے تو اس بات کا بھی ڈر ہے کہ تمہارا اس کران کا ردعمل کیا ہوگا''...... امی نے فکرمندی سے الماس آنٹی کی طرف دیکھا تو الماس آنٹی انہیں تسلی دیتے ہوئے بولی ''فکر نہ کریں ہم سب اکٹھے بات کریں گے وہ قائل ہو جائیں گی...... اور پھر اگر ضرورت پڑی تو ''انا'' خود بات کرے گی''...... انہوں نے تجویز پیش کی...... ''تو امی فکرمندی سے بولیں نہیں یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ بھائی صاحب ''انا'' کی زندگی کا فیصلہ اس سے پوچھے بنا کریں گے...... مگر اس بات پر مجھے ڈر ہے کہ وہ ''انا'' کی بھی سنے گے یا نہیں''...... میں خاموشی سے ان دونوں کی تکرار سنتی رہی اور دھیرے سے بولی......

''امی آپ بابا سے بات کریں...... زندگی گزارنے کے لیے بدلتے حالات کے ساتھ سمجھوتہ تو کرنا ہوتا ہے نا۔ جب بابا مجھ سے بات کریں گے تو میں انہیں اپنی طرف سے قائل کرنے کی کوشش ضرور کروں گی۔ مگر پہلے پلیز آپ لوگ کوشش کرنا' کہ اس کی نوبت نہ ہی آئے...... مجھے ان کا سامنا کرنا جانے کیوں مشکل لگتا ہے۔ جانے کیوں بابا سے اس کے متعلق بات کرتے ہوئے مجھے گھبراہٹ سی ہوگی میری طرف سے آپ مطمئن ہو کر جائیں۔ میں نے آپ کو اپنی زندگی کے فیصلے کا اختیار دے دیا تھا...... بس بابا کی خوشی ضرور ہونی چاہئے...... آپ سب کی خوشی کے لیے زندگی سے اتنا سا سمجھوتہ کوئی بڑی بات نہیں۔'' امی کے چہرے پر جو پریشانی تھی۔ میرے ان الفاظ کے ساتھ ہی ایسے غائب ہوئی جیسے کسی بچے کے ہاتھ سے کھلونا چھین کر دوبارہ اسی وقت لوٹا دینے پر جو خوشی اس کے چہرے پر آتی ہے۔ امی نے اٹھ کر میرے ماتھے پر پیار کیا اور الماس آنٹی نے مجھے گلے سے لگا کر ڈھیرے ساری دعائیں دیں امی نے دروازہ کھولا اور آرام سے بولیں ''آ جائیں آپ''...... اندر اب مجھے جیسے ایک جھٹکا سا لگا میری آنکھیں پھٹی کی سی رہ گئی۔ جب میں نے دوازے میں ابو نعمان بھائی اور بھابھی کو دیکھا میری نظریں بے اختیار امی کی جانب اٹھ گئیں۔

''میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ وہ جو کہہ دیتی ہے اس پر قائم رہتی ہے...... بھائی صاحب کی تربیت پر مجھے تو کوئی شک نہیں''...... امی نے اتراتے ہوئے ابا کی طرف خوشی سے دیکھتے ہوئے کہا ابا وہی کھڑے کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے نعمان بھائی اور بھابھی میں مسکراتے ہوتے ان کے پاس سے آگے بڑھے۔ نعمان بھائی نے میرے ماتھے پر پیار کیا اور رھندی ہوئی آواز میں بھابھی کی طرف دیکھ کر اتراتے ہوئے بولے۔ ''آخر بہن کس کی ہے...... ایسا فیصلے کی

ہمت ان حالات میں ''انا'' ہی کر سکتی ہے''......انہوں نے مجھے دوبارہ اپنے ساتھ لگالیا۔ بھابھی نے بھی آگے بڑھ کر مجھے پیار کیا......ابا کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے......

میں نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تو دھیرے سے چلتے میرے پاس آئے......''مجھے ہمیشہ بھائی صاحب سے اسی بات کا احتراز ہوا کرتا تھا۔ کہ ان کا بے جالاڈ پیار ان کی یہ آزادی یہ فیصلے کا اختیار تمہیں دے دینا سراسر غلط ہے......مگر آج مجھے پتہ چلا کہ وہ ایسا کیوں کرتے تھے......''

حقیقت میں یہ ہم والدین کی کمزوری ہے۔ کہ ہم اپنی اولاد سے محبت میں اس قدر اندھے ہو جاتے ہیں کہ بعض اوقات ان کی بہتری اور نقصان میں بھی تمیز ہی نہیں کر پاتے۔ ان سے چھوٹی چھوٹی خوشیاں چھین کر۔ انہیں بات بات پر ٹوک کر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی اچھی تربیت کررہے ہیں۔ حقیقت میں ہمارا یہ عمل ہماری اولاد کے اعتماد کے گلے پر چھری چلا رہا ہوتا ہے......اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ جب ہماری اولاد کسی بھی فیصلے کو کرنے کے قابل ہی نہیں رہی'' نہ اسے خود پر اعتماد ہوتا ہے اور نہ ہی والدین پر...... آج معلوم ہوا کہ آزادی کا مطلب جو بھائی صاحب ہمیشہ سمجھاتے رہتے تھے......وہ یہ ہوتا ہے۔ اور اس آزادی کا نتیجہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

مجھے فخر ہے مجھے ناز ہے میرے بھائی کی تربیت پر......ان کے صبر پر اور ان کی ''انا'' پر...... بھائی صاحب ٹھیک ہی کہتے ہیں......کہ انسان کو اپنے آپ پر اعتماد ہونا چاہئے......انہوں نے واقعی اسے اپنی ذات کا حصہ ہی سمجھا ہے......اس لیے انہیں اس پر اعتماد تھا......اور اپنی پرورش پر بھی......جو میں تمام عمر نہ کر سکا......اس کا پچھتاوا تمام عمر رہے گا......کہ میں ''انا'' کو غلط سمجھتا رہا۔ جس نے میرے ہر ڈر' ہر خوف' ہر پچھتاوے کو جڑ سے ہی اکھاڑ کر پھینک دیا......اور میرے دل میں سکون اور اطمینان میری بچی تمہاری ہی وجہ سے ہے......تم نے مجھے آج بھائی صاحب کے سامنے سرخرو کر دیا۔ اس فیصلے کا اختیار دے کر......اور میری دعا ہے کہ خدا تمہارے دل کا ہر ارمان پورا کرے تمہارے آنے والی زندگی میں غم' پچھتاوا' اور آنسو کبھی تمہارے نزدیک بھی نہ آئیں''......ابا کے آنسو اب ان کا چہرہ بھگونے لگے تھے۔ مگر ان کی آنکھوں کی چمک ان کے دل کی خوشی کو بیان کر رہی تھی۔ ''خوش رہو۔ آباد رہو''......ابا نے میرا ماتھا چوما۔ مجھے اپنے سینے سے لگایا کمرے میں موجود سب کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں مگر سب خوش تھے ابا جب مڑے تو نعمان بھائی کی طرف دیکھ کر شرارت سے بولے......

''یہ تمہاری ہی بہن ہے۔ تم سے چھوٹی ہے' سیکھ لو اسی سے کچھ......! نالائق نہ ہو تو''......

اس پر نادیہ بھابھی نے اپنی ہنسی کو ہونٹوں میں دباتے ہوئے نعمان بھائی کی طرف دیکھا......

امی اور الماس آنٹی بھی ہنسے لگی نعمان بھائی مصنوعی غصے سے بولے۔ ''صحیح ہے یار......اسی کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا......''

''اچھا چلیں اب......نعمان رات کو ہم سب نے بھائی صاحب سے بات کرنی ہے تم اور نادیہ بھی ساتھ ہو گے......الماس بہن آئیں مجھے تو اب اس بات کی فکر ستانے لگی ہے......امی یہ کہتی ہوئی

''مجھے معلوم تھا کہ تم اس گھر کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہو......اور شاید تمہارے اس قربانی کے فیصلے کا ''احسن'' سے زیادہ حق دار اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا......کیونکہ ہم تینوں بھائیوں میں اگر کسی نے اپنی زندگی اس گھر کو دی ہے تو وہ احسن ہی ہے اور ہم سب سے زیادہ اگر کسی کی زندگی میں آزمائشیں آئی ہیں تو وہ بھی احسن ہے......اور ''احسن'' کو اس کے امتحانوں' اس کی آزمائشوں میں صبر کرنے کا صلہ تمہاری شکل میں مل رہا ہے......میری دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں......اگر اپنے بھائی سے کوئی بات Share کرنا چاہو۔ جب بھی میری ضرورت محسوس ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں''......میں نے نعمان بھائی کی طرف دیکھا تو ان پر مجھے بے حد پیار آیا۔ کہ ان میں کم سے کم اس چیز کا احساس تو تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ کس نے کہا قربانی دی اور کس کو کیا انعام مل رہا ہے۔ اور یہی احساس بہن بھائی کے رشتے کو مضبوط بنانے کے لیے کافی ہے۔

''جی بھائی بس آپ دعا کیا کریں......ہو سکے تو ''احسن'' کو بھی اعتماد میں لینے کی کوشش کریں......ہوسکتا ہے کہ وہ کچھ الجھے ہوں......یا پھر''......تو میری بات کاٹتے ہوتے بولے۔ ''نہیں ''انا'' وہ ٹھیک ہے۔ اتنا تو میرا تجربہ بھی ہے اور اتنا تو میں بھی اسے جانتا ہوں تم اس بات کی فکر نہ کرو......لیکن پھر بھی تمہاری تسلی کے لیے میں اس سے بھی ضرور پوچھوں گا''...... انہوں نے میرے ہاتھوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ میری بہادر بہن پھر میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دعا دی کہ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ آباد رکھے۔ (آمین)

یہ کہہ کر وہ بھی چلے گئے......میں نے بوجھل قدموں سے اٹھ کر کمرے کی لائٹ آف کر دی۔ دن میں بھی لائٹ آف کرنے پر میرے کمرے میں اتنا اندھیرا ہو جاتا تھا کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا میں دوبارہ اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گئی اور اس جھولتی ہوئی کرسی کے ساتھ ماضی کی تمام یادیں میرے ساتھ جھولنے لگی۔ احسن کا میرا بچپن ہماری جوانی......احسن کی شادی......زرقا بھابھی......

اس سب کے باوجود احسن کی ذات میں ان کی طبیعت میں ایک مسلسل خاموشی کی میں نے احسن کو آج دن تک کھل کر ہنستے ہوئے، نہیں دیکھا تھا میں نے ان کی قہقہے کی آواز نہیں سنی تھی اور پھر بابا کی طرح ان کی ذات میں کمال کا ضبط...... برداشت...... بابا کے پاس بیٹھ کر تنہائی میں بھیگی پلکیں سب کچھ تو ایک فلم کی طرح میری آنکھوں کے گرد گھومتا رہا......ان کی سرد میری اور مجھ سے الجھنا...... یہ بات ان کی ہمیشہ میری سوچوں کو الجھا جایا کرتی تھی۔

دوسرے دن میں نے آفس میں فرحان کو سب بتا دیا......تو اس نے خوشی سے مجھے دعا دی ذہین میں ایک الجھن اور طبیعت میں ایک بوجھل پن بڑھتا جا رہا تھا۔ میری بے چینی شاید فرحان سمجھ چکا تھا۔''انا اٹھو گھر جاؤ اور جا کر سو جاؤ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا......تم بس فکر نہیں کرنا...... چلو اٹھو شاباش''...... اس نے زبردستی مجھے گھر بھیجا...... دوپہر کے تین بج رہے تھے جب میں گھر آئی...... سب لوگ سو رہے تھے کیونکہ گرمیوں کے طویل دنوں میں یہ وقت عموماً آرام کا ہی ہوتا ہے۔اور میری ایسے اچانک واپسی کی توقع بھی کسی کو تھی بھی ہیں...... میں نے کچن میں پانی پی رہی تھی۔ Bag میں نے وہی Table پر رکھا تھا...... بوا کو شاید محبوب چچا نے بتا دیا تھا میرے بارے میں مجھ کھانا دینے کے لیے آئی مگر میں نے منع کر دیا۔''نہیں بوا کچھ نہیں کھاؤں گی آپ جا کر آرام کر لیں شام کی چائے کے ساتھ کچھ لے لوں گی۔ میں بھی ابھی آرام کروں گی۔ بوا کمرے میں چلی گئی...... میں وہاں اپنے دھیان میں بیٹھی تھی کہ اچانک آہٹ پر چونک سی گئی، دیکھا تو سامنے احسن کھڑے تھے! احسن کے سے میرا سامنا آج دو دن بعد ہو رہا تھا'' آج تم جلدی آ گئی ہو کام نہیں تھا...... آفس میں کیا......؟ انہوں نے سامنے الماری سے گلاس نکالتے ہوئے پوچھا۔

''بس ایسے ہی ذرا طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو فرحان نے کہا کہ گھر چلی جاؤ اس لیے گھر آ گئی''...... ''کیوں کیا ہوا طبیعت کو؟''...... انہوں نے پانی پیتے ہوئے آرام سے پوچھا......

''کچھ نہیں بس زرا سر میں درد تھا''......اس ساری بات کے دوران مجھ میں احسن کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں نے اتنا کہا اور گلاس وہی Table پر رکھ کر Bag اٹھا کر باہر جانے لگی...... کہ احسن نے مجھے آواز دی......''سنو'' تو ان کی طرف دیکھے بنا میں رک سی گئی...... پھر بولے۔'' کچھ نہیں جاؤ''......ان کی بھی میری طرف پشت تھی میں اپنے کمرے میں آ گئی۔ جانے کس بات کا غصہ تھا مجھے۔ میں نے بیگ کو صوفے پر پٹخا اور خود کو بیڈ پر پھینک دیا......! میرے لیے میرا زندگی کا یہ سمجھوتہ اتنا تکلیف دہ نہیں تھا جتنا تکلیف دہ میرے لیے یہ احساس تھا کہ احسن

دوبارہ اپنی زندگی کے ساتھ ایسا سمجھوتہ کرنے کے لیے راضی ہو گئے تو ان کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ مزید بڑھ جائے گی یہ شخص اپنے اندر اپنے دل کو کرچی کرچی کر کے کس جرم کی سزا دے رہا ہے خود کو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے وجود کو ریزہ ریزہ کرنے میں لگے ہیں کہ کوئی نشان ہی باقی نہ رہے۔

اپنی محبت سے زرقا بھابی تک کا سفر ابھی طے ہی نہیں کر پائے تھے کہ تقدیر نے انہیں زرقا بھابی سے مجھ تک کے سفر کے راستے میں الجھا دیا...... اور یہ شخص اپنی زبان سے ایک حرف شکایت لانے کا بھی روادار نہیں......

میرا سر پھٹنے لگا تھا...... اور مجھ میں ہمت ہی نہیں تھی کہ اپنا وجود بھی سنبھال سکوں...... شاید ہلکا ہلکا بخار تھا۔ مجھے ''احسن'' کی ویران باتوں میں تنہائی کی گونج صاف سنائی دیتی تھی...... اور یہ گونج میں اس وقت بھی محسوس کرتی تھی جب وہ زرقا بھابی کے ساتھ ہمارے سامنے ہوا کرتے تھے بظاہر بہت خوش نظر آتے تھے اور اور میں بھی اور لوگوں کی طرح ان کی اس گونج کو نظر انداز کر دیا تھا اب جا کر احساس ہوا ان کی باتوں میں ویرانی، اور تنہائی میں گونج ان کی محبت کی تھی کیونکہ ابھی یہ ویرانی یہ تنہائی یہ گونج مجھے میرے اندر سے بھی سنائی دیتی تھی۔

شام نعمان بھائی میرے کمرے میں آ گئے میری طبیعت کا پوچھنے وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئے شاید ان کی بابا سے بات ہو چکی تھی کیونکہ سب کے چہرے پر ایک فکرمندی کے آثار صاف ظاہر تھے ''بھائی کیا ہوا...... خیر تو ہے نا......؟''

''ہاں سب خیر ہے...... ہم نے بابا سے کل رات بات کی تھی...... سب لوگ تھے...... سب نے اپنی اپنی تاویل ان کے سامنے رکھی...... وہ احسن کی شادی کے لیے پہلے تو تیار نہیں تھے۔ مگر جب مانے ان کی اندر ایک اطمینان تھا...... مگر مگر!''

''مگر کیا بھائی!؟''

''بتایا انہیں...... ہاں بتایا ''انا''''

''بلکہ اماں اور ابا نے تو بابا سے تمہارا ہاتھ مانگا تھا...... امی نے کہا کہ بھائی صاحب میں اپنے بیٹے کے لیے آپ کی بیٹی کا ہاتھ مانگنے آئی ہوں...... بابا نے سوالیہ نظروں سے امی کی طرف دیکھا...... پھر ابا نے کہا۔ ہم اپنے بیٹے احسن کے لیے آپ کی بیٹی ''انا'' کا ہاتھ مانگنے آئے ہیں...... ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری جھولی میں یہ خوشیاں ڈال دیں گے......'' یہ کہہ کر نعمان بھائی کچھ لمحوں کے لیے پھر رک گئے۔

''''انا'' ہمارے والدین اس دنیا کے نہیں لگتے...... امی احسن کی خوشی کے لیے اپنی بیٹی کو آزمائش میں ڈال رہی ہیں...... اور بابا تمہاری خوشی اور بہتر زندگی کے لیے ہم سب سے ناراض ہو گئے ہیں...... تمہارے مستقبل کے آگے...... انہیں احسن کے مستقبل کی کوئی پرواہ نہیں۔ انہوں نے ہم میں سے کسی کی بات سننی بھی گوارا نہیں کی...... اور بڑے آرام سے کہا۔ کہ آپ لوگ اپنا دماغ صاف کر کے اس کمرے سے باہر چلے جائیں...... میں نے اپنی معصوم بچی کو اتنی بڑی آزمائشوں میں جھونکنے کے لیے نہیں پالا...... ''احسن'' کی زندگی جیسی بھی ہو گی' گزر جائے گی...... مگر میں ''انا'' کی زندگی میں کوئی سمجھوتہ برداشت نہیں کر سکتا...... اور اگر تم لوگوں پر میری بیٹی اتنی بھاری ہے تو میں اسے لے کر یہاں سے کہیں چلا جاؤں گا...... تم جانو تمہارا گھر جانے...... اس سے پہلے کہ ہم ان سے کچھ اور کہتے وہ خود کمرے سے باہر چلے گئے رات کافی دیر تک وہ لان میں بیٹھے رہے...... اس وقت تو خاموشی اختیار کر لی گئی...... مگر امی کافی پریشان ہیں۔''

''کیسے عجیب بھائی ہیں یہ دونوں...... کہ ایک دوسرے کی اولاد کی بہتری اور خوشی کے لیے اپنی اولادوں کی قربانی دینے کے لیے لڑ رہے ہیں'' ...... نعمان بھائی زیر لب مسکرانے لگے...... میں خاموشی سے سنتی رہی۔

''اور پھر کچھ دیر ٹھہر کر بولے...... آج رات پھر بات کرنی ہے...... بابا کے پاس جانا ہے دیکھو امید ہے کیونکہ آج ''ابا'' بڑے غصے میں ہیں...... کہتے ہیں آر۔ یا پار...... آج بھائی صاحب کو میری بات ماننی ہی پڑے گی...... ہمیشہ میں نے ان کی ہر خواہش کا احترام کیا ہے اور انہوں نے میری ہر مشکل میں بنا مجھ سے پوچھے میری مشکل کو اپنے سر لے لیا۔ اور آج جب انہیں میری ضرورت ہے۔ تو مجھے اپنے قریب بھی نہیں آنے دے رہے مجھے بات بھی کرنے کا حق نہیں...... ایک دم سے بیگانہ کر دیا ہے مجھے...... بھائی صاحب کو میری یہ بات تو ہر صورت ماننی پڑے گی......''

نعمان بھائی! یہ سب بتاتے رہے'' مگر انا مجھے تو اس بات کا ڈر ہے کہ کسی کہیں اس چکر میں بابا اور ابا ہی نہ الجھ جائیں۔ اور گھر کے حالات مزید خراب نہ ہو جائیں۔ تم دعا کرنا''...... نعمان بھائی نے قدرے فکرمندی سے مجھے بتایا اور پھر مجھے تسلی بھی دے دی کہ'' فکر نہیں کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

یہ کہہ کر بھائی چلے گئے اور میرے ذہن میں سوالوں اور خدشات کا ایک طوفان برپا ہو چکا تھا۔''واقعی اگر اس سب تکرار میں بابا اور ابا میں کوئی تلخی پیدا ہو گئی تو کیا ہو گا۔ میں انہیں

سوچوں میں گم تھی کہ میرے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ عجیب سی دستک تھی۔ ورنہ میں ہر ایک کی دستک پہچان جایا کرتی مگر یہ انجانی سی دستک کس نے دی شاید بوا ہوگی۔

بعض دفعہ جو ہمارے وہم و گمان میں نہیں ہوتا۔ وہ اچانک سے ہو جائے تو اس پل یہ بھی بھول جاتا ہے کہ اس لمحے خوش ہونا تھا یا اداس، حیران ہونا تھا۔ یا پریشان اس وقت میری بھی ایسی حالت تھی۔ دوبارہ دستک پر میں نے لیٹے ہوئے کہا...... ''آ جاؤ بھئی دروازہ کھلا ہے''...... آرام سے دروازہ کھلا...... تو سامنے احسن کھڑے تھے۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ گئی میرا ڈوپٹہ سامنے کرسی پر پڑا تھا احسن نے اپنی نظریں جھکا لیں تھیں مجھے گھبراہٹ میں یاد ہی نہ رہا کہ انہیں کیا کہنا ہے میں حیرانی سے انہیں دیکھتی رہی ان کے ہاتھ میں کچھ تھا میری طرف ایک نظر دیکھا اور پھر نظر جھکا کر میرے سائیڈ Table پر گولیاں رکھتے ہوئے دھیرے سے بولے۔ ''یہ سر درد کی Tablets لے لو۔ درد کا آرام آ جائے گا'' یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کر کے باہر چلے گئے۔ اور میں کافی دیر وہاں سکتے میں کھڑی رہی...... مجھے یقین ہی نہ آیا تھا...... کافی دیر بعد میں Tabel کے پاس آئی۔ Lamp on کیا...... تو حیرت سے اس سٹرپ کو دیکھتے ہوئے...... میں خود کو یہ یقین ہی نہیں دلا پا رہی تھی کہ یہ میرے پاس احسن رکھ کر گئے تھے...... درد کی ایک شدت جو مجھے تنگ کر رہی تھی...... ان کے آنے سے سارا درد شاید اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ یا پھر یہ بھی محبت کا ہی اثر تھا۔ کہ درد کا احساس ہی ختم ہو گیا۔ یا پھر محبت اپنے درد کے علاوہ کسی اور درد کو برداشت ہی نہیں کر سکتی......

میں نے مسکراتے ہوئے خود سے کہا

''ان کے دیکھے سے جو......!''

مگر پھر ایک احساس کہ ان کی ہمدردی ہے......شاید میرے اتنے عرصے کی خدمت کا بدلہ اتارنے آئے ہوں گے...... کچھ دیر بعد امی بوا کے ساتھ چائے لے میرے کمرے میں آئیں وہ بھی پریشان ہی تھیں، انہوں نے مجھ سے ذکر تو نہیں کیا تھا۔ مگر مجھے اندازہ تھا...... وہ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھی...... اور پھر چائے پلانے کے بعد چلی گئی...... رات میں تھوڑی دیر کے لیے نیچے گئی۔ میری کوشش تھی کہ میرا احسن سے آمنا سامنا نہ ہو۔ مگر سڑھیاں اترتے ہی جیسے وہ سامنے کھڑے نعمان بھائی سے کوئی بات کر رہے تھے انہوں نے میری طرف دیکھا تو نعمان بھائی نے مجھ بلا لیا ''انا'' ''کیسی طبیعت ہے اب؟'' ''ٹھیک ہوں بھائی اب''...... میں نے بنا ٹھہرے چلتے انہیں جواب دیا...... بوا کیچن میں کھانا بنانے میں مصروف تھی...... نادیہ بھابھی کھانا لگوا رہی تھیں میں نے ان کے ساتھ کھانا لگوانے میں مدد کی الماس آنٹی بھی یہی پر تھیں کھانا لگا تو

سب Table پر آ گئے مگر آج سب بڑوں میں ایک عجیب سا تناؤ تھا...... بابا قدرے غصے میں تھے اور ابا اپنی جگہ الجھے بیٹھے تھے میں یہ ہی دیکھنا چاہ رہی تھی کہ حالات کہاں تک سنگین ہو چکے ہیں کہی نہ کہی چاہتے نہ چاہتے اس کی وجہ تو میں تھی۔

یا پھر یہ میرے سامنے ان سب حالات سے بے نیاز بیٹھا شخص تھا میں نے ایک نظر احسن کو دیکھا مجھے اس وقت ان پر غصہ آ رہا تھا مگر میں کچھ نہیں کر سکتی تھی......

امی تو ایسے افسردہ لگ رہی تھیں کہ جیسے دوبارہ اسی کیفیت میں چلی گئی ہوں جس میں آج سے دو ڈھائی ماہ پہلے تھیں...... میز پر نعمان بھائی' بھابھی' یا پھر لماس آنٹی کی آواز آتی تھی بابا کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور ابا اپنے کمرے میں میں نے ایک نظر پھر احسن کو غصے سے دیکھا تو اسی دوران ان کی نظر میری نظر سے ٹکرائی۔ انہوں نے جواب میں میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو جیسے مجھے آگ سی ہی لگ گئی ہو میں نے پانی پیا اور قدرے سخت میں بولی کہا امی میں سونے لگی ہوں......

کمرے میں آنے کے بعد مجھے دکھ ہو رہا تھا۔ کہ ''احسن'' کو اس بات کا احساس بھی نہیں کہ کیا ہونے جا رہا ہے کیا ہو گا؟ اگر وہ اپنے دل کی بات بتا دیتے تو آج ابا اور بابا ایک دوسرے کے آمنے سامنے اس طرح نہ ہوتے...... جو بات ساری زندگی بابا نے ابا سے اور ابا نے بابا سے نہ کہی ہوئی...... وہ بات آج اگر انہوں نے کہہ دی تو ساری زندگی کی ان کے آپس کے رشتے کا پاس' مان ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اور جی میں آیا کہ جا کر احسن کو خوب سناؤں۔ مگر پھر ان کی ذہنی حالت کے بارے میں خیال آ گیا تھا کہ وہ بھی تو کوئی آسان زندگی بسر نہیں کر رہے تھے...... 'یا اللہ کیا کروں'......؟

اور پھر وہ گھڑی بھی آ گئی۔ جب مجھے بوا چائے کا کپ دے کر گئی' اور یہ بھی بتا گئی کہ ''سب لوگ صاحب کے کمر میں ہیں ایک گھنٹے سے بڑے صاحب اور چھوٹے صاجب بڑے غصے میں ہیں' کسی بات پر سخت بحث ہو رہی تھی'' بوا یہ کہہ کر چلی گئی اور میرے دل کی ایسی حالت تھی کہ چاہنے کے باوجود بھی خود پر قابو نہ رکھ سکی احسن'' بھی وجہ تھے۔ مگر ان کی وجہ سے کوئی واقف تو نہیں تھا نا اس وقت تکرار کی وجہ تو میں ہی بنی ہوئی ہوں ایک عجیب سا احساس جرم ہونے لگا مجھے کیا کروں کمرے میں ایسے ٹہلنے سے کیا فائدہ اسی دوران میں نے Cell phone بجا دیکھا تو فرحان کی Call تھی اس نے طبیعت پوچھنے کے لیے فون کیا تھا۔ مگر شاید یہ بھی خدا کی طرف سے میرے لیے ایک مدد ہی تھی۔ اور وہ رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا میں نے اسے حالات

سے آ گہ کیا تو لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا ''''انا'' تم چلی جاؤ'' ......''کیا؟'' مجھے جیسے ایک کرنٹ سالگا اور سارا وجود جیسے ہل گیا ہو......''کیا میں چلی جاؤں''......!

''''انا'' جاؤ یہ یہی موقع ہے...... جا کر تم اپنی طرف سے صورت حال کو بہتر طریقے سے بیان کر سکتی ہو دیکھو اس لمحے دونوں بھائی اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ اس دن جب تم امی سے الجھی تھی۔ تو بابا وہی پر تھے نا......ان کے ذہن میں تمہارا وہ ہی رویہ ہوگا۔ اور وہ سمجھتے ہوں گے کہ تمہارے اوپر اماں، یا، ابو کا دباؤ ہے۔ اور ابا یہ سمجھے رہے گے کہ چونکہ احسن کی حالت ایسی ہے اور بابا کا تم سے اس قدر پیار ہے اس لیے بابا اپنے بیٹے کے لیے اپنے بھائی کی اکلوتی اولاد کی قربانی نہیں لینا چاہ رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں دونوں بھائیوں کا آپس میں لگاؤ اور پیار ہے۔ مگر بعض دفعہ رشتوں میں کمزوری کا سبب ان میں پیدا ہونے والی غلط فہمی ہوتی ہے اور پھر اس غلط فہمی سے پیدا ہونے والے سوالوں کے جواب جب ہم خود سے گھڑ لیتے میں تو رشتے' رشتے نہیں رہتے انا، پچھتاوا بن جاتے ہیں۔ ان میں غلط فہمی پیدا ہونے ہی نہ دو۔ کہ انہیں خود سے کوئی جواب ڈھونڈ نا پڑے۔

تم جاؤ...... جا کر خود سے بابا کو بتا دو کہ تم نے خود اس بات کی اجازت دی ہے۔ اب فیصلہ انہوں نے کرنا ہے۔ بلکہ فیصلہ تو 'احسن' صاحب کریں گے نا......!''

ابھی شاید فرحان کو بھی احسن پر غصہ آ رہا تھا...... مگر اس کی بات صحیح تھی یہ الجھن میری وجہ سے پیدا ہو رہی تھی اور مجھے ہی اس کو سمجھانا بھی تھا...... میں نے فون بند کیا درود پاک پڑھا اور ڈوپٹہ اوڑھ کر بابا کے کمرے کی طرف چل دی۔ میں نے اندر سے ابا کی آواز قدرے اونچی تھی سُنی ہی تھی کہ میں نے بنا دستک دئے دروازہ کھول دیا ابا دروازے کے پاس ہی کھڑے تھے۔ شاید ابھی ابا اپنا فیصلہ سنانے والے تھے۔ اور بابا کے چہرے پر بھی غصے کے آثار نمایاں تھے۔ باقی سب جیسے سانس رو کے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر ابا ایک دم سے خاموش ہو گئے الماس آنٹی کے چہرے پر مجھے دیکھ کر ایک رونق سی آ گئی جیسے وہ یہ چاہ رہی تھی کہ میں آ جاؤں۔

میں نے باری باری سب کے چہروں کی طرف دیکھا...... سب بہت پریشان تھے۔

''''انا'' بیٹا خیریت آپ کو کچھ چاہیے کیا''؟ بابا نے اپنے غصے پر قابو رکھتے ہوئے بڑے نرم لہجے میں مجھ سے پوچھا......؟ میں نے ایک نظر ابا کی طرف دیکھا اور پھر بابا کو میں نے ابا کو بازو سے پکڑ [illegible] سامنے پڑے صوفے پر بیٹھنے کو کہا انہوں نے میری آنکھوں [illegible] میرے [illegible] بابا کے فارمولے کو اپنی زندگی میں apply کرنے والے

تھے۔ مجھ پر اعتماد کر رہے تھے...... شاید انہیں یہ احساس تھا۔ کہ میں ہی ہوں جو بابا کو کچھ بتاؤں تو وہ سن لیں گے۔ آج ابا نے پہلی بار مجھ پر اعتبار کر رہے تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے بابا مجھ پر ہمیشہ کرتے تھے......

ابا خاموشی سے بیٹھ گئے اور میں بابا کے پاس جا کر ان کے صوفے کے پاس نیچے قالین پر اپنے مخصوص انداز میں بیٹھ گئی بابا نے میرے سر پر ہاتھ رکھا......

''جی بابا مجھے چاہئے......اور جو اس وقت میں آپ سے مانگنے آئی ہوں...... وہ میرے علاوہ اس گھر کے ہر فرد کو بھی چاہئے...... خود آپ کو ہم سب سے زیادہ ضرورت ہے اس کی''......؟

انہوں نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا؟

''اس گھر میں...... سکون کی...... خوشی کی ضرورت ہے...... بابا ہم سب کو...... بابا ہم سب خوشی کو ترس رہے ہیں اپنی اپنی جگہ......اور اس وقت کے منتظر ہیں کہ کب وہ وقت آئے گا جب ہمارے چہرے پر خوشی ہمارے دل سے ہوتی ہوتی بکھرے گی...... ہم سب اس وقت ایک دوسرے کو دیکھانے کے لیے خوش نظر آتے ہیں۔ خوش نظر آنے اور خوش ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے نا......؟''

''انا بیٹے خوشی کسی سمجھوتے کا نام نہیں! وہ کسی ایک کو بلی کا بکرا بنا کر حالات کی بھینٹ چڑھا دیں اور باقی سب کو اس کے بدلے میں پل بھر کا سکون مل جائے اسے عارضی سکون سے' یہ بے سکونی بہتر ہے...... جس میں کوئی شرمندگی تو نہیں سے نا کم سے کم......''

''کون بن رہا ہے یہاں بلی کا بکرا...... کون حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر رہا ہے؟...... مجھے بھی تو پتہ چلے۔ میں نے مکمل انجانے پن سے کہا''...... ''تمہارے بابا سمجھ رہے ہیں کہ ہم احسن سے تمہاری شادی کر کے تمہیں بلی کا بکرا بنا رہے ہیں۔ تمہاری قربانی لے رہے ہیں۔ تم حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر رہی ہو۔ ہمارے لیے قربانی دے رہی ہو...... ابا نے جیسے بچوں کی طرح بابا کی شکایت کے انداز میں بتایا''...... تو میں نے مسکراتے ہوئے ابا کی طرف دیکھا...... اور پھر بابا اب کی طرف۔ بابا میری طرف دیکھیں......! ''دیکھیں آپ کو میری آنکھوں سے لگتا ہے کہ میرے لیے احسن کو اپنانا صرف'' حالات کے ساتھ سمجھوتہ ہے۔ کیا ان کے لیے کوئی مخلص سچا جذبہ میری آنکھوں سے نظر نہیں آتا...... آپ تو ہمیشہ میری آنکھیں پڑھتے ہیں...... میری بات کرنے سے پہلے آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میں کیا کہنے آئی ہوں...... اور آج آپ کو بتانے پر بھی یقین نہیں آ رہا Notfair...... میں نے گلے کے سے انداز سے بابا کی طرف دیکھا۔ اس کا

سب سے بڑا ثبوت میں ابھی آپ کو دے دیتی ہوں۔''یاد کریں۔ جب انعم کی شادی سے واپسی پر میری آپ سے جو باتیں ہوئی تھیں۔ ان کی کوئی نہ کوئی وجہ تو تھی نا...... یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ کچھ ہے جس کی وجہ سے میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔

مگر آپ نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ میرے یہ جذبات وہ احساسات کس کے لیے تھے...... وہ احسن کے لیے تھے...... اور مجھے بھی نہیں پتہ کہ احسن کے لیے میرے دل میں یہ احساس کیوں پیدا ہوا...... مگر ہو گیا اور پھر اس دن آپ نے کہا تھا۔ کہ سچی محبت چاہے یک طرفہ ہو یا دوطرفہ اس کی اپنی کشش ہوتی ہے اور اپنی اس کشش سے وہ اپنا آپ منوا بھی لیتی ہے۔ تو ہوسکتا ہے کہ یہ میری محبت کی کشش ہی ہو...... اور پھر آپ ہی تو کہتے تھے کہ میرا یہ فیصلہ میری مرضی سے ہوگا۔ تو اب کر کہہ ہی ہوں تو آپ کو میری پسند پر نہ یقین ہے اور نہ بھروسہ''......

''نہیں بیٹا ایسی بات نہیں ہے''...... بابا نے ایک نظر ابا کی طرف دیکھا......

''بابا آپ میری طرف سے فکر مند نہ ہوں میں نے یہ فیصلہ دل سے کیا ہے......

اور مجھے نہ تو اس پر کسی نے مجبور کیا اور نہ ہی زبردستی کی...... بلکہ اس فیصلے کی وجہ سے ابا نے پہلی مرتبہ مجھ پر بنا کچھ کہے اعتبار کیا ہے۔ کیوں ابو جی صحیح ہے نا؟ اور صرف اس ایک احساس سے گھر میں اتنی خوشی بکھر گئی ہے تو اللہ آگے بھی رحم کرے گا...... اور یہ حوصلہ مجھے الماس آنٹی نے دلایا تھا...... ورنہ شاید میں بھی خاموشی سے بیٹھی گزرتے وقت کے پل پل کا حساب ہی کرتی رہتی......

ہاں مگر آپ سب لوگ احسن سے پوچھ لیں...... اگر وہ مانیں تو ان کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں۔ کسی سمجھوتے کے متعلق بات نہ کریں...... اگر ان کی اجازت نہیں ہوگی تو یہ سب بے کار ہی ہے۔ میں نے الجھتے ہوئے بوجھل دل سے کہا۔''

''کیوں بابا...... اب کیا سوچ رہے ہیں''؟ میں نے بابا کی طرف التجا کرتی نظروں سے دیکھا...... کچھ لمحے وہ خاموش رہے پھر ابو کی طرف دیکھا...... اور بڑے آرام سے بولے......''ٹھیک ہے میری بھی ایک شرط ہے پھر......

سب حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ کہ ایسے موقع پر بابا نے کیا شرط سوچی ہوگی......

وہ کیا بھائی صاحب مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے۔

ابو نے خوشی سے کہا......

شرط یہ ہے کہ احسن کو میرے گھر میں گھر داماد بن کے رہنا پڑے گا''...... بابا کی بات سن کر سب نے پہلے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا...... اور پھر سب چہروں پر ہنسی بکھر

گئی......اس لمحے میرے لیے دنیا کی تمام نعمتیں بھی چھوٹی تھیں۔ کہ آج اتنے عرصے بعد میں نے اپنی Family کو ایک ساتھ ہنستے ہوئے دیکھا! میں نے سر جھکا لیا ابا نے اٹھ کر مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا...... ''تمہارے اس احسان کا بدلہ میں ساری عمر نہیں چکا پاؤں گا میری بچی''......اور پھر بابا نے میرے ماتھے پر پیار کیا...... ''تم نے میرے دل سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا...... مجھے بالکل ہلکا کر دیا''...... دونوں بھائی چاہ تو ایک ہی بات رہے تھے۔ مگر دونوں اظہار طریقہ فرق تھا میں خاموشی سے سر جھکائے اپنے کمرے میں آ گئی میں نے سب سے پہلے فرحان کو فون کیا وہ جاگ رہا تھا یہ سب اسی کی وجہ سے تو ممکن ہوا تھا ''فرحان نے کہا، دیکھا میں نہ کہتا تھا......خوش ہونا اب؟'' اس نے مجھے چھیڑتے ہوئے کہا......

تو میری آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے...... ''فرحان میں نے یہ خوشی ایسے تو نہیں چاہی تھی...... کہ جس کی چاہ میں یہ سب کیا ہے۔ اسی کی چاہت میری نہیں۔ فرحان میں نے بابا سے پہلی بار جھوٹ بولا ہے...... یہ شاید میری زندگی کا میرے حالات کے ساتھ سب سے بڑا سمجھوتہ ہے اس سے سب گھر والے خوش ہیں...... اور ''احسن'' تو پہلے بھی سمجھوتہ کر چکے ہیں۔ اب پھر کر لیں گے......انہوں نے تو اپنے آپ کو قربان کرنے اور کچھ نہ کہنے کی قسم جو اٹھا کھا رکھی ہے۔''

فرحان نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا...... ''انا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر نہ کرو...... اللہ سب ٹھیک کرے گا۔'' اس بار وہ بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

یہ کہہ کر فرحان نے فون بند کر دیا......اور میں بوجھل رہنا بوجھل سوچوں کے ساتھ زندگی کے اس سفر پر چلنے کی تیاری بے دلی سے کرنے لگی شاید یہ دنیا کی پہلی ایسی محبت ہے۔ جس میں ملنے کی خوشی نہیں تھی کیونکہ یہ ملنا صرف اور صرف حالات کے ساتھ ایک سمجھوتے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا ''احسن'' کے دل میں میرے لیے سوائے خاموشی کے اور کچھ بھی نہیں، اور اب گھر والے ان کو کیسے راضی کرتے ہیں یہ گھر والے جانے اور ''احسن'' جانے میں نے اپنا سب کچھ ان کی نذر کر دیا تھا رات سوچتے سوچتے میرے آنسو میرے تکیے میں جذب ہوتے رہے اور نیند مجھ سے کوسوں دور تھی۔

گھر میں ایک سکون کی سی کیفیت تھی......مگر میرے احسن کے درمیان مسلسل نظر اندازی کا رویہ قائم تھا......اور ہمارے اس رویے سے تمام گھر والے بخوبی واقف تھے۔ امی، الماس آنٹی اور نادیہ بھابھی تو بعض اوقات ہمارے اس رویے سے محظوظ بھی ہوا کرتی تھیں......

احسن کے رویے میں کچھ تبدیلی سی تھی جان انجانے میں جب میری ان پر نظر پڑتی تو ان کی

نظروں میں جانے مجھے ایسا کیوں لگتا تھا کہ کوئی سوال سا ہے یا کچھ اظہار سا مگر بابا والی بات کہ نظروں کی زبان بیک وقت بہت آسان بھی اور انتہائی مشکل ہوتی ہے......

میرے لیے اب یہ صورت حال گزرتے وقت کی تمام صورت حال سے زیادہ مشکل تھی جس میں مجھے خود نہیں پتہ تھا کہ میرا راستہ کون سا ہے۔ اور میرا سفر کب شروع ہو گا۔ میری منزل کہاں ہے۔ مگر شاید یہ بات بھی حقیقت ہی ہے کہ اگر سفر کرنے کا ارادہ پکا ہو۔ اور اس میں سچائی ہو تو راستوں کا تعین بھی ہو جاتا ہے اور منزل بھی مل جاتی ہے۔

اس بات کو گزرے تقریباً دس دن ہونے کو تھے......اور اکثر میں بابا کو احسن سے کچھ بات کرتے دیکھا کرتی تھی۔ وہ بھی اکثر رات کو اکیلے میں......

بقول الماس آنٹی کے کہ میں تو اپنی طرف سے زرقا کی طرف سے احسن کو سرخرو کر آئی ہوں مگر وہی ''انا'' والی بات اس کی خاموشی...... پتہ نہیں وہ اپنی اس خاموشی کے حصار سے کب نکلے گا......

صبح ہونے سے پہلے کا اندھیرا سب سے زیادہ گہرا اور گھنا ہوتا ہے۔

مگر وہ اندھیرا ابھی صبح ہونے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا......اسے روک نہیں پاتا صبح ایسی بھی ہوا کرتی ہوں گی اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا اس دن میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے میں نیچے ذرا دیر سے آئی آفس کی تیاری کے ساتھ جب میں ہال میں پہنچی تو جیسے ناشتے کی میز پر میرا ہی انتظار تھا امی کچھ گھبرائی ہوئی سی لگ رہی تھیں مگر مگر بظاہر وہ بالکل نارمل تھیں۔ میں ناشتے کے لیے بیٹھی نعمان بھائی بار بار مجھے گردن ہلا ہلا کر کچھ اشارے کر رہے تھے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں......اچانک نظر سامنے پڑی تو احسن نیوی بلیو کُرتے اور سفید شلوار کے ساتھ کالی کھیڑی پہنے آ رہے تھے، میری نظر تھوڑی دیر کے لیے رکی اور پھر میں نے جھینپ کر ادھر اُدھر دیکھ کر نظر کو جھکا لیا آج الماس آنٹی بھی اپنے وقت سے پہلے آ گئی تھیں میں نے بمشکل چائے ختم کی ابھی میں یہ سوچ ہی رہی تھی...... کہ اب اٹھوں تو اچانک احسن کی آواز نے مجھے چونکا دیا......اچھا امی چلتے ہیں پھر ''ہاں بیٹا ضرور جاؤ''

مجھے اس وقت تک نہیں معلوم تھا کہ کون کہاں جا رہا ہے......اور نہ ہی مجھے کسی نے کچھ بتایا تھا۔ احسن نے آنکھوں پر RayBan کا چشمہ لگایا۔ بڑھی ہوئی ڈاڑھی اور لمبے بالوں کے ساتھ ان کی سفید رنگت جیسے کھل رہی تھی...... سامنے Table پر سے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں اور باہر چلے گئے......میں حیرانی سے یہ سب دیکھتی رہی مگر کسی سے کیا کہتی میں اٹھی اپنا

Bag اٹھایا اور پھر سامنے Table پر سے اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھائی ہی تھیں کہ بابا نے مجھے آواز دی...... میں چابیاں اٹھا کے بابا کے پاس آئی ''بیٹا آپ رات کو جلدی سو گئی تھیں اس لیے آپ کو بتا نہیں سکے...... آپ ذرا ''احسن'' کے ساتھ جائیں ابھی، اسے شاید آپ سے کچھ بات کرنی ہے...... ہم سب کی باتیں تو اس نے خاموشی سے سنی...... مگر جواب وہ آپ سے بات کرنے کے بعد ہی دے گا...... میں اس کی عادت سے واقف ہوں'' بابا نے ناشتہ کرتے ہوئے بڑے آرام سے مجھے بتایا...... مگر ان کے بتانے کے بعد جیسے میرے دل کے ڈھڑکنے کی آواز سب نے سن لی ہو...... میں نے حیرانی سے الماس آنٹی کی طرف دیکھا تو وہ آنکھ کے اشارے سے جیسے مجھے تسلی دے رہی ہوں۔ میں نے نادیہ بھابھی کی طرف اچانک دیکھا تو وہ شرارت سے مسکرا رہی تھیں ''بابا نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا جاؤ بیٹا'' الماس آنٹی نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے پیار کیا...... اور امی نے دور سے جیسے مجھ پر کچھ پڑھ کر پھونکا ہو اور ابا بیٹھے مسکراتے مجھے دیکھ رہے تھے...... مجھے شرم سی بھی آئی اپنی حالت پر ترس بھی آیا احسن پر غصہ بھی کہ ان کی وجہ سے میں سب گھر والوں کی نظروں کا نشانہ بنی ہوئی تھی...... مگر شاید یہ میرے صبر اور محبت کا امتحان ہی تھا، جب میں باہر گئی تو بابا کی White mercedes گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ احسن گاڑی میں بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے۔ مگر خلاف توقع وہ آج ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ ان کے چہرہ سپاٹ تھا۔ بنا کسی تاثر کے...... میں جا کر گاڑی میں بیٹھ گئی، اور انہوں نے گاڑی سڑک کی طرف بڑھا دی میرے دل کی ڈھڑکنیں بے ترتیب اور گلا خشک ہو رہا تھا چشمہ لگانے کا اتنا فائدہ تو تھا کہ آنکھوں کے تاثرات چھپائے جا سکتے تھے۔

میں نے اپنے Bag سے موبائل نکال کر فرحان کو میسج کر دیا...... اسے بتا دیا کہ میں کہاں جا رہی ہوں اور اسی وقت اس کا جواب بھی آ گیا ''Best of luck......''

ہم دونوں کے درمیان ابھی بھی مکمل خاموشی کی دیوار حائل تھی اور اس بار مجھ میں تو کم سے کم یہ دیوار گرانے کی ہمت ہرگز نہ تھی اور نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ تھا کچھ دیر بعد مجھے اندازہ ہوا کہ گاڑی قبرستان راستے پر روانہ تھی۔ اور تھوڑی دیر بعد ہم قبرستان کے باہر تھے...... احسن نے گاڑی روکی اور میری طرف دیکھ کر بولے۔ ''چلیں اندر......''

میں نے جواب دیئے بنا گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اور باہر نکل آئی...... اور بھابھی کی قبر کی طرف چلنے لگی۔ احسن میرے ساتھ ہی تھے۔ وہ اپنی مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھے میں نے پہلے دعا کی اور پھر اپنے دل کا تمام ڈر بھابھی کو سنا دیا کالے رنگ کے چشمے کی وجہ سے میرے آنسو چھپ گئے

تھے......اپنی تمام بات کرنے کے بعد جانے مجھے ایسا لگا جیسے بھابھی بھی مسکراتے ہوئے مجھے Wish you good luck کر رہی ہوں۔ میں کھڑی ہوئی تو مجھے حیرت کا ایک اور جھٹکا اس وقت لگا جس وقت تقریباً 5 منٹ کے بعد احسن کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ ''چلیں جی؟'' میں نے حیرت سے انہیں دیکھا' آج وہ خلافِ معمول آدھے گھنٹے بعد ہی چل پڑے تھے۔احسن مجھ سے آگے تھے......میں ان کے پیچھے پیچھے چلتے گاڑی تک پہنچ گئی......

گاڑی سڑک پر بھاگ رہی تھی......اور آج ''احسن'' گاڑی اپنے پرانے طریقے سے چلا رہے تھے،اور واقعی ہی ان سے اچھا ڈرائیور ہمارے گھر میں کوئی نہیں تھا......ہم لوگ اب بھی خاموش تھے......

احسن نے گاڑی کو مری پہاڑوں کی طرف بڑھا دیا۔

گاڑی کی سپیڈ کافی زیادہ تھی۔مگر ان کا کنٹرول اتنا تھا کہ مجھے گھبراہٹ کے باوجود ڈر نہیں لگ رہا تھا......اور ڈر لگتا بھی کیوں انسان جس سے محبت کرتا ہے۔اس کا احساس ہی ہمارے اندر ایک ہمت ایک عجیب سی طاقت پیدا کر دیتا ہے......اور اگر اس احساس میں اتنی طاقت ہے تو پھر جب ہماری محبت ساتھ ہوگی جب اس کا قرب ہوگا تو یہ احساس تو شاید اس انسان کے دنیا فتح کر لینے کی خوشی کے مترادف ہی ہوتا ہوگا۔میرے ساتھ بھی یہ ایک لطیف احساس تو تھا......مگر انجانا سا بے گانہ سا احساس۔یہ احساس صرف میری حد تک ہی تھا......کیونکہ جس کے لیے تھا وہ کسی اور کا تھا......قدرت بھی نرالے کھیل کھیلتی ہے ہماری زندگیوں کے ساتھ......مگر قدرت نے مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ

جو پیار کرنا سکھاتا ہے۔وہ پیار کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی ہمت بھی دیتا ہے......

اور میرے ساتھ قدرت کی یہ مہربانی تھی کہ وہ مجھے ہمت دے رہی تھی......

مری کے پہاڑوں کو چیرتی ہوئی ہماری گاڑی اچانک ایک سنسان سڑک کی طرف بڑھنے لگی۔اور اس ڈھلان کی مجھے ویسی ہی محسوس ہوتی تھی جس نے ہماری زندگیوں کو یکسر بدل ڈالا تھا۔مگر احسن کی دلیری تھی کہ وہ انہیں پہاڑی سلسلوں سے ایسے گزر رہے تھے جیسے ان کے ساتھ ان کی کوئی رنجش نہ ہو کوئی ناراضگی کوئی تلخی بھری یاد نہیں۔میں نے ایک بار نظر اٹھا کر احسن کی طرف دیکھا تو وہ بڑے انہماک سے گاڑی چلا رہے تھے ان کے چہرے پر ایک مکمل سکون کی سی کیفیت تھی اور ان کی خاموشی میں چھپا صبر تھا یا صبر میں چھپی خاموشی جس کا صلہ ان کے چہرے پر حسن بن کر جھلک رہا تھا۔میں دوبارہ باہر دیکھنے لگ گئی اور پھر گاڑی کی رفتار قدرے کم ہونے لگی۔

احسن نے ایک سنسنان مگر قدرے اونچی پہاڑی پر گاڑی کو روکا اسے احتیاط سے پارک کر کے۔ گاڑی سے اتر گئے اور پہاڑی کے سرے پر جا کر کھڑے ہو گئے ہم لوگ شہر سے بہت دور تھے اور جب میں نے پہاڑی کے اس سرے جا کر دیکھا تو جیسے سارا شہر ہمارے قدموں میں ہو رک رک کر بادل ہماری نظروں کو دھندلا کرتے ......اور گزر جاتے موسم خوشگوار تھا۔ احسن ابھی بھی خاموش تھے میں ان سے قدرے فاصلے پر کھڑی دیکھ رہی تھی اور اس انتظار میں تھی کہ کب یہ اپنی خاموشی کو توڑیں گے۔ اور پھر شاید میرے دل کی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کے شور نے ان تک میرا یہ پیغام پہنچا دیا۔

وہ سامنے دیکھتے ہوئے بڑے آرام سے بولے۔ ''میری خاموشی نے جس سے تم ہمیشہ خفا رہتی ہو میرا بڑا ساتھ دیا...... ہر موڑ پہ ہر مشکل میں اس نے میرا بھرم نہیں توڑا...... مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں اس قدر خاموش فطرت کا مالک ہوں گا......مگر ہر گزرتا لمحہ اور آتا پل میری اس فطرت کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا گیا......اور پھر میں اس خاموشی کے حصار میں ایسا قید ہوا۔ کہ میری خاموشی کا جب بھی مجھ سے خوف زدہ رہنے لگا تھا...... اس خاموشی کی شروات اماں کے انتقال سے ہوئی تھی...... حالانکہ مجھے وہ ایک دھندلے خواب کی طرح سے ہلکی ہلکی یاد ہے مگر یاد میرے اندر خون کی طرح سرائیت کرتی رہی...... حالانکہ امی نے مجھے کبھی کسی بھی جگہ۔ اماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی......اماں کی کمی مجھے اس وقت شدت سے محسوس ہوا کرتی تھی جب سکول میں امی اکیلے آیا کرتی تھیں......اور میں بابا کو ہمیشہ تنہا دیکھا کرتا تھا...... بابا کی تنہائی مجھے میرے اندر اترتی محسوس ہوا کرتی تھی......مگر مجھ میں بابا کی تنہائی بانٹنے کی کبھی ہمت نہیں ہوئی۔ اور وہ پہلا موقع تھا جب میں نے اپنے دل کی خواہش کو نہ چاہتے ہوئے اپنی خاموشی کی نظر کر دیا۔ اور بابا کے ساتھ میرا تعلق جتنا مضبوط ہوتا رہا میرے لفظ اتنے ہی کم ہوتے گئے...... بابا کو میں نے اپنے لیے ہمیشہ بہت زیادہ فکر مند دیکھا: اور اس پر بابا بتاتے بھی نہیں تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ خاموشی مجھے بابا کی فطرت سے وراثت میں ملی ہو۔ اور پھر گزرتے وقت کے ساتھ جب تم بابا کی زندگی میں آئی تو میں نے بابا کو جہاں اپنے لیے فکر مند دیکھا وہاں ہر پل تمہارے لیے خوش بھی دیکھا...... تمہارے ساتھ کھیلنا۔ اور پھر میں بابا کی خوشی کو تمہاری ہنسی میں ڈھونڈتا رہتا...... جب انہیں خوش دیکھنا ہوتا تھا تمہیں بلا لیا کرتا۔ اور پھر بابا کی تمہارے ساتھ ہنسی اور خوشی کو دیکھتے جوانی کب آئی...... کب نعمان اور منیر بھائی مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر اپنی اپنی زندگیوں میں گم ہو گئے ابا کا ان کے لیے غصہ میرے لیے محبت میں بدلتا گیا اور

ساتھ ساتھ ان کی امیدیں بھی...... اور میرے اندر اس احساس کو جنون کی حد تک مضبوط کرتا گیا کہ میری ذات کبھی بابا۔ ابا اور امی کے لیے دکھ کا باعث نہیں بنے گی...... پھر وہ وقت آ گیا جب اچانک مجھے ''محبت'' ہوگئی...... محبت اچانک ہی ہوا کرتی ہے...... بنا بتائے بنا پوچھے...... میری تمام تر توجہ کا مرکز ہوتے ہوئے بھی میری محبت مجھے ان تینوں کے پیار سے غافل نہیں کر سکی۔ اور میں دو زندگیاں گزارنے لگا ایک اپنے گھر کے ساتھ اور دوسری اپنی محبت کے ساتھ...... مجھے اس چیز کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی کہ محبت میں اظہار نام کی بھی کوئی چیز ہوا کرتی ہے...... یا محبت میں حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ میں اپنی زندگی سے مطمئن تھا...... مگر میرا اطمینان بھی خاموش تھا...... میری شادی امی نے اپنی پسند سے کرنے کا فیصلہ کر کے مجھے بتایا تھا...... اور میری خاموشی نے مجھے بیان کی اجازت ہی نہیں دی۔ زرقا کے آنے کے بعد میں مزید حصوں میں بٹ چکا تھا...... اب میری زندگی میں گہری خاموش تنہائی...... میرا گھر...... زرقا...... زرقا کا گھر...... اور زرقا کی ذمہ داری تھی۔ اور میں اپنے آپ کو اپنی ذات کو مزید نئے حصوں میں تقسیم کرتا رہا خود کو حصوں میں بانٹنا آسان نہیں ہوتا۔ پل پل اپنا آپ کرچی کرچی ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ زرقا نے جس طرح ذہنی آسودگی سے مجھے سرشار کر دیا۔ اس کی مثال شاید بہت کم ملتی ہو...... مگر جانے کیوں میری محبت کی خاموشی مجھے دن رات انگاروں میں سلگھاتی رہی...... اور میں خود سلگھتا رہتا...... اور اسی دوران زرقا میری بہترین دوست بن چکی تھی...... اور میں نے دوستی کا حق نبھاتے ہوئے اسے اپنی محبت میں اپنی خاموش محبت کی یادوں میں حصہ دار بنالیا...... اور وہ خوشی خوشی میرے ساتھ اس سفر پر چل نکلی...... مگر میری محبت کی طاقت تھی یا میری خاموشی کا مضبوط حصار جس نے میری محبت کو بے پردہ نہیں ہونے دیا...... اس کا چرچا نہیں ہونے دیا...... میں اس کا نام اپنے نام کے ساتھ کبھی نہیں لے پایا...... مجھے اپنی نہیں اس کی رسوائی سے ڈر لگتا تھا...... کہ وہ کیسے ان سوالوں کے جواب دے گی...... وہ بہت معصوم ہے...... اور بہت بہادر بھی...... بس اس ہی خیال سے میں نے زرقا کو اس کا نام نہیں بتا پایا تھا۔ اور اس نے مجھے مجبور بھی نہیں کیا تھا......

اور جب میں اپنے آپ کو مزید نئے حصوں میں بانٹنے کے لیے تیار کر چکا تھا...... اور اپنی زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے حالات سے سمجھوتا کر چکا تھا۔ تو تقدیر نے مجھے مکمل طور پر ادھیڑ کر رکھ دیا۔ میری زندگی کی واحد دوست میری بیوی کو بھی مجھ سے دور کر دیا...... پتہ نہیں یہ تقدیر نے میرے حق میں فیصلہ کیا تھا' یا میرے خلاف؟...... یا پھر مجھے مزید حصوں میں بانٹنے سے روکنے کے لیے مجھے ادھیڑنا ضروری تھا......؟ میری خاموشی طویل سے طویل تر ہوتی گئی اور میں

آپ سب کے لیے جتنی آسانی اور آسودگی کا باعث بننا چاہتا تھا۔ قدرت نے اتنا ہی مجھے آپ سب لوگوں کے لیے تکلیف دہ بنا دیا...... زرقا میری زندگی سے چلی گئی، ہم سب کو اکیلا کر گئی مگر میرا دل یہ مانتے ہوئے بھی اس سب سے منکر ہی رہا......"

"میں تحمل سے ان کی یہ سب باتیں بڑے غور سے سن رہی تھی...... ان کے چہرے پر ان کا درد صاف ظاہر تھا...... انہوں نے بات کرتے ہوئے ایک بار بھی مڑ کر میری طرف نہیں دیکھا...... ان کی نظریں بادلوں پر تھیں...... اور میری نظریں ان پر......"

"جس پل میں نے زرقا سے یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ میرے بعد تنہا زندگی نہیں گزارے گی...... اس وقت میں زرقا کو اپنی زندگی کا ایک مکمل حصہ مان چکا تھا۔ بس اسے بتانا باقی تھا......

مگر میرا انداز شاید اسے مزید دکھی کر گیا۔ اور پھر وہ تو اپنے نئے سفر کی طرف چل نکلی اور مجھے یہاں بے بس، ادھورا، دوسروں کے رحم و کرم پر، ان اپنوں کے لیے زندگی بھر کا ناسور بنا کر چھوڑ گئی۔ جن کی آنکھوں میں اس حادثے سے پہلے تک میرے لیے ایک آنسو بھی نہ تھا جن کے ماتھے پر میری وجہ سے ایک شکن بھی نہیں آئی تھی...... ان کی آنکھیں اس ایک سال میں جتنا برسی ہیں...... شاید میں نے گزرے وقت کی تمام کسر پوری کر لی تھی۔

تمہاری ضرورت سے زیادہ توجہ مجھے جہاں آرام دیتی تھی۔ سکون دیتی تھی وہاں ایک پچھتاوا ایک دکھ کا احساس بھی دلاتی رہتی تھی...... اور میں نہیں چاہتا تھا کہ تم میری وجہ سے اپنی زندگی کو روک دو...... اور اس کے بعد تمہارا اظہار...... اور بدلے میں میری پھر سے وہی خاموشی جو مجھے بھی چبھی تھی۔ مگر شاید میرے اختیار میں جواب دینا روزِ اول سے تقدیر نے نہیں لکھا ہی نہیں۔"

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ اور سامنے پڑے بڑے سے پتھر پر جا کر بیٹھ گئے...... "تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو...... اور تمہاری محبت میں مجھے حاصل کرنے مجھے پانے کی خواہش نہیں...... اور اس دوران اگر ایسا ہوا بھی تو وہ تمہارے زندگی کے ساتھ سب سے بڑا سمجھوتہ ہو گا یعنی میرا ساتھ تمہاری زندگی کا سب سے بڑا سمجھوتہ۔ مجھے دو دن سے بابا کی زبانی معلوم ہو رہا ہے کہ تم نے ان تمام صورت حال کے ساتھ کیسے سمجھوتہ کیا ہے...... بابا کو تو معلوم نہیں مگر مجھے معلوم ہے کہ تم اپنی محبت کے حصول کی متلاشی نہیں گھر والوں کے ذہنی سکون کی خواہش مند ہو۔ اور میں اس بات کو سمجھ سکتا ہوں کیونکہ ایسا قدم میں تم سے پہلے انہیں گھر والوں کے لیے ان کی خوشی کے لیے اٹھا چکا ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تمہارے اس فیصلے میں تمہارا سمجھوتہ اور تمہاری محبت ساتھ ساتھ ہیں "آس پاس" "تمہارے قریب" تمہارا سمجھوتہ تمہیں

تمہاری محبت کی سمت لیئے جا رہا ہے۔ محبت کے قریب کر رہا ہے۔

اور جب میں نے سمجھوتہ کیا تھا تو میری محبت مخالف سمت میں تھی محبت......تو میں نے بھی کی اور تم نے بھی......تم خوش قسمت ٹھہری کیونکہ تمہاری محبت میں تمہارے ساتھ بہت ساری دعائیں تھیں۔ تم نے اظہار جو کر دیا......اور میری محبت میں میری خاموشی نے مجھے ان دعاؤں سے محروم کر دیا......بس اتنا سا فرق ہے۔ تمہاری اور میری محبت میں......احسن نے اس بار میری طرف نگاہ بھر کے دیکھا...... میں نے خود کو فنا کر کے محبت کے اس راز کو پایا ہے۔ اس ایک سال میں میرے تعلقات مرے ہوئے لوگوں سے زیادہ خوشگوار ہو گئے تھے نسبتاً زندہ لوگوں کے......

مگر اس دن اچانک مجھے جانے کیا ہوا......اور پھر مجھے ایسا لگا جیسے میرا ہاتھ زرقا اپنے ہاتھوں میں لیے اُس کے پاس لیے جا رہی ہے......اور زرقا نے میرا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھما دیا......اور مجھے کہا کہ آپ آزاد ہیں......اور مَیں آپ کی اس آزادی مَیں آپ کے ساتھ ہوں...... ہر پل سورج کی روشنی کی طرح......چاند کی چاندنی کی طرح......''

احسن نے دوبارہ میری جانب دیکھا......اور پھر نظریں جھکا لیں......

''تمہیں ہمیشہ میری خاموشی سے گلہ رہتا تھا نا...... دیکھو آج میں خاموش نہیں ہوں......آج میں تم سے سب کہہ رہا ہوں......میرے پاس بابا کل میرا فیصلہ سننے آئے تھے......اور میں نے ان سے کہا کہ میں تم سے بات کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا......اور مجھے معلوم ہے کہ سب لوگ یہاں تک کہ تم بھی یہ ہی سمجھتی ہو کہ میں اس بار بھی حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لوں گا......مگر یہ غلط ہے......''

مجھے ایک جھٹکا سا لگا......!

انا میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔ نہ میں اس بار کوئی سمجھوتہ کروں گا۔ اور نہ ہی تمہیں اس سمجھوتے کی نظر ہونے دوں گا...... تمہیں تمہاری محبت پانے کی چاہت نہیں......تمہیں گھر والوں کی خوشی کی تمنا ہے...... یا پھر تمہیں میری محبت کو مجھ تک پہچانے کی خواہش ہے...... ہے نا؟ انہوں نے پہلی بار مجھ سے پوچھا...... اور میں سکتے کے عالم میں کھڑی ان کے اس اچانک فیصلے پر کسی جواب دینے کی پوزیشن میں ہی نہ تھی...... میں نے تیزی سے صرف گردن ہلانے پر ہی اکتفا کیا......

میں نہیں چاہتا کہ تم بھی اپنی ساری زندگی ویسے ایک سمجھوتے کی نظر کر رو۔ جو میں کر چکا ہوں اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم اپنے سمجھوتے کو اپنی محبت کا غلاف پہنا کر ساری زندگی

سب کے سامنے مصنوعی ہنسی ہنستی رہو......!

تم نے شاید ٹھیک کیا تھا......محبت سچی ہوتو اس میں اپنی کشش ہوتی ہے......اور وہ کبھی نہ کبھی اپنے آپ کو منوا ہی لیتے ہے......اگر تم سمجھوتے کو محبت کا نام دے سکتی ہوتو پھر میں اپنی محبت کو محبت کہنے سے کیوں ڈرتا رہا ہوں......اب ایسا مزید نہیں ہوگا......''

مجھے احسن کے اس فیصلے سے خوشی بھی ہورہی تھی اور ایک گھبراہٹ بھی جانے کیوں میرے دل کی ڈھڑکنیں میری سانسوں سے کیوں الجھنے لگی تھی میرا وجود اس قدر وزنی ہوگیا تھا کہ مجھ سے وہاں کھڑا رہنا بھی محال تھا میں قریب ہی چھوٹی سی چٹان پر بیٹھ گئی......احسن اب خاموش تھے اور شاید انہوں نے فیصلہ سنا دیا تھا مگر مجھے بولنے کے لیے لفظ اور ہمت دونوں درکار تھے چند لمحے ہم دونوں خاموش رہے اور پھر میں ہمت کر کے بولی......''میں آپ کے ساتھ ہوں......اور اب تو آپ کو ہمت کر لینی چاہئے کہ کیونکہ اب تو زرقا بھابھی نے خود آپ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھمایا ہے......! آپ مجھے بتائیں اس کے بارے میں یا پھر گھر جا کر خود اس بات کا ذکر کر دیں......ہمارے بزرگ ہم سے بہت پیار کرتے ہیں وہ آپ کی مرضی کے بنا آپ کی زندگی کا کوئی فیصلہ نہیں لیں گے......اگر یہ بات آپ مجھے پہلے بتا دیتے تو یہ نوبت ہی نہ آتی...... بہر حال ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

میں نے پر امید نظروں سے احسن کی طرف دیکھا وہ میری طرف ہی دیکھ رہے تھے......اور اٹھ کے میرے نزدیک آئے اور میرے سامنے بیٹھ گئے''اور اس سب میں تمہاری محبت کا کیا ہوگا؟''انہوں نے افسردگی سے پوچھا؟

میں نے مسکراتے ہوتے نظریں جھکالیں......''میری محبت میرے ساتھ ہی رہے گی۔آپ کی محبت کی تکمیل کی شکل میں......آپ کی خوشی کی شکل میں! آپ کے اطمینان کی صورت میں......اور خدا گواہ ہے''احسن'' کہ اس سے بڑھ کر میری زندگی کی اور کوئی خوشی ہو بھی نہیں سکتی کہ آپ کو آپ کی محبت مل جائے......میرا یقین کریں۔میں سچ کہہ رہی ہوں......بار بار کہہ رہی ہوں کہ میری محبت میں پانے کی خواہش۔حاصل کر لینے کی تمنا نہیں ہے۔آپ بے فکر ہو کر اپنی محبت کی طرف قدم بڑھائیں......پلیز احسن یقین کریں میں آپ کے ساتھ ہوں...... دل سے راضی ہوں۔''مسکراتے ہوئے بولے۔

''پاگل لڑکی! اگر تم پر یقین نہ ہوتا......تو کیا تمہیں یہ سب بتاتا......اگر تم پر بھروسہ نہ ہوتا تو کیا تمہیں بتائے بنا فیصلہ نہ کر لیتا......ٹھیک ہے تو پھر تم مجھے میری پہلی اور آخری محبت سے

ملانے میں میری مدد کرو گی'' ......؟ ''جی بالکل کروں گی ......'' میں نے مضبوط لہجے مگر بے ترتیب ڈھڑکنوں سے کہا ...... ''اور گھر والوں کو کون سمجھائے گا؟'' انہوں نے قدرے فکر سے پوچھا ......

''ان کی آپ فکر نہ کریں۔ وہ میں سنبھال لوں گی۔ اور وہ سب بھی بہت خوش ہوں گے'' ......

Trust me میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا ......

وہ کچھ سوچنے لگے ...... اور پھر اچانک اٹھ کر گاڑی کی طرف چل پڑے ''کہاں جا رہے ہیں آپ؟'' میں نے وہی بیٹھے بیٹھے پوچھا ......

''کیوں تمہیں ملنا نہیں ہے اس سے ...... جس کی وجہ سے اتنا لڑتی رہی ہو مجھ سے'' ......؟

انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا ...... اور میں نے مسکراتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا ......

میرے دل میں خوشی کی ایک لہر تھی مگر جانے کیوں میری آنکھیں جلنے لگی تھیں ...... اور پھر اچانک مجھے زرقا بھابھی کی ہمت برداشت پر ناز ہونے لگا تھا ...... میں نے آنکھوں پر دوبارہ کالا چشمہ لگایا اور گاڑی کی طرف چل دی ...... میرا گاڑی کی طرف بڑھتا ایک ایک قدم اتنا بوجھل ہو چکا تھا جیسے لگتا تھا کہ ساری عمر بھی چلتی رہوں گی تو یہ چند قدم کا فاصلہ طے نہیں ہو پائے گا۔

میں دروازہ کھول کر سیٹ پر بیٹھ گئی احسن نے میری طرف دیکھا اور ان کی نظریں اس وقت مجھ میں کچھ تلاش کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ بڑی بے نیازی سے سامنے گاڑی کے Glove Box کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے اسے کھولو ...... ''اور اس میں ایک لفافہ ہے اسے نکالو ......''

ان کے چہرے پر ایک سکون سا تھا جو کسی کو بھی اس کی محبت کے حاصل ہو جانے کے بعد ہوتا ہوگا ......

میں نے لفافہ ہاتھ میں لیتے ہوئے بڑی ہمت سے بولی ...... ''چلیں پھر'' ......! تو انہوں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا ''کہاں؟''

''آپ کی محبت کے پاس۔ اسے لینے ...... ابھی خود ہی تو آپ نے کہا تھا'' ...... میں نے حیرت سے ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے انہیں یاد کرایا جیسے وہ بھول گئے ہوں ......

تو میری طرف مڑتے ہوئے گاڑی سٹیرنگ پر کوئی جماتے ہوئے بولے ......

''اسے لینے کے لیے کہی جانے کی ضرورت نہیں ......''

مجھے جیسے ایک جھٹکا سا لگا ...... اور میں نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا ...... تو مسکراتے ہوئے بولے۔

''میری محبت یہی ہے...... میرے پاس وہ ہمیشہ سے میرے ساتھ ہی رہی ہے''......

میرا دل جیسے میرے میں حلق میں آ گیا ہو......

''کیا مطلب......؟''

''ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ میری محبت یہی ہے نا...... تمہارے ہاتھوں میں کھولو اسے''...... میں نے ایک دم سے لفافے کی طرف دیکھا......اور جیسے اس سے پہلے سنے لفظوں پر خود ہی سے شرمندہ ہونے لگی...... اپنے دل کی الجھتی دھڑکنوں پر قابو پاتے۔ کانپتے ہاتھوں سے میں نے لفافہ کھولا......

لفافے میں ایک تصویر تھی...... مگر میں نے جب تصویر باہر نکالی تو تصویر کی پشت پر نظر پڑی جس پر Oct 14 لکھا ہوا تھا...... میں نے دوبارہ احسن کی طرف دیکھا تو جیسے وہ اس لمحے مجھ سے ایک لمحے کے ہزارویں حصے کے لیے بھی نظر ہٹانے کو تیار نہ تھے......اور جب میں انہیں دیکھا تو بڑے آرام سے بولے۔''''انا'' میں تم جتنا بہادر نہیں ہوں''...... کہ

''تم تو تمام عمر اپنی محبت کے ساتھ اس کے پاس ایک سمجھوتے کے سہارے زندگی بسر کر سکتی ہو...... اپنی محبت کو سمجھوتے کا نام دے سکتی ہو۔'' مگر میں اپنی محبت کے ساتھ اپنی محبت کے پاس اتنے برسوں کے طویل انتظار کے بعد اس پاکیزہ رشتے کو سمجھوتے کا نام دینے کی ہمت نہیں کر سکتا۔'' میں نے بنا کچھ کہے ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو 'انہوں نے دوبارہ بنا کچھ کہے مجھے اپنی آنکھوں کے اشارے سے تصویر کی طرف دیکھنے کا کہا......

اور جب میری نظر تصویر پر پڑی تو!

اس لمحے میرا سانس جیسے رک سا گیا تھا...... مجھے زمین اور آسمان ملتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے...... میں نے تیزی سے اپنی آنکھوں سے کالے چشمے کو ہٹایا۔ جو کچھ دیر پہلے میں نے اپنی آنکھوں کی جلن کو احسن سے چھپانے کے لیے لگایا تھا...... میں نے تصویر کو دوبارہ دیکھا......

پھر احسن کی طرف دیکھا!

اور پھر دوبارہ تصویر کی طرف......

''یہ۔ یہ۔تو......''

میرے ذہن سے تمام حروف۔ جن سے مل کر کوئی لفظ بنتا ہے مٹ چکے تھے......

کیونکہ میرے ہاتھوں میں اٹھائی ہوئی میری نظروں کے سامنے میری ہی تصویر تھی......

کچھ ہوش سنبھلنے کے بعد احساس ہوا......

کہ کیا یہ واقعی ہی میری تصویر ہے.....تو میں نے غصے سے احسن کی طرف دیکھا۔
مجھے آپ سے اس مذاق کی امید نہیں تھی ''احسن'' آپ میری محبت کی توہین کر رہے ہیں اور وہ بھی اس طرح.....میں نے تصویر کو اٹھا کر غصے سے سامنے شیشے پر دے مارا۔ آپ میری محبت کا بدلہ چکانا چاہتے ہیں.....بہت افسوس کی بات ہے (یہ کہہ کر میں گاڑی سے باہر آ گئی)
تو ''احسن'' کے چہرے کا۔ جیسے رنگ ہی بدل گیا ہو.....اس سے پہلے کہ میں سوچو کہ مجھے کس طرف جانا ہے.....احسن بجلی کی سی تیزی کے ساتھ میرے سامنے کھڑے تھے.....
''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' ان کی آنکھوں سے جیسے آگ برس رہی ہو.....
''احسن پلیز میرے سامنے سے ہٹ جائیں میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔''
''واہ۔ مِس ''انا'' واہ.....''
''یہ قدر ہے تمہارے پاس میری محبت کی.....؟''
''یہ عزت کی ہے تم نے میرے برسوں بعد اظہار کی؟''
''''انا'' یہ میری محبت ہے۔ مذاق نہیں.....سمجھی تم.....''
''اور تم نے کس حق سے اس تصویر کو اٹھا کر پھینکا ہے''.....انہوں نے تصویر سامنے کی.....تم جانتی ہو یہ میری محبت کے بعد آنے والی پہلی یاد ہے میرے پاس ہے.....اگر کھیل ہوتا تو میں کوئی بھی دوسری تصویر تمہیں دیکھا دیتا.....مگر یہ تصویر میرے پاس اتنے سالوں سے میری سانسوں سے میری یادوں سے بڑھ کے ہے۔ کیونکہ میں نے اس ''انا'' سے محبت شروع کی تھی.....مگر مجھے بھی اندازہ نہیں تھا۔ کہ بارہ سال بعد جب قدرت مجھے اظہار کی ہمت دے گی تو یہ ''انا'' اس ''انا'' میں بدل چکی ہو گی.....کہ اسے میری محبت ایک مذاق لگنے گی.....اسے میرا اظہار کھیل لگے گا.....کیا اس لیے تم مجھے مجبور کرتی رہی ہو کہ میں اپنی محبت کا اظہار کروں.....کیا یہ ساتھ دیا ہے تم نے میرا.....''
''افسوس!.....اگر مجھے یہ پتہ ہوتا کہ تم مجھے اور میری محبت کی اس طرح عزت افزائی کرو گی تو میں ساری زندگی خاموشی سے ہی گزار دیتا.....'' انہوں نے غصے سے اپنا سر پکڑ لیا۔
تم ہی وہ لڑکی ہو۔ جس سے میں محبت کرتا تھا.....اور کرتا ہوں.....اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ تم ہی وہ لڑکی ہو۔ جس کے ہاتھ میں زرقا نے میرا ہاتھ تھما کر مجھے آزاد کیا تھا.....
اور تم ہی وہ لڑکی ہو.....جس سے اظہار کے لیے تم خود مجھے مجبور کرتی رہی۔ واسطے دیتی

رہی۔ روتی رہی۔ گڑگڑاتی رہی...... اگر تمہارے احسانوں کا بدلہ چکانا ہوتو بہت پہلے چکا چکا ہوتا......"

اور تمہارے لیے تمہاری محبت کے لیے میں اتنے دن زرقا کی قبر پر نہیں گیا تھا۔ اور آج تمہارے ساتھ جا کر میں اسے یہ سب بتا کر آیا ہوں۔ ورنہ میں نعمان کے اتنے کہنے کے باوجود بھی اسے منع نہ کرتا رہتا...... افسوس ہے "انا"...... کہ

تمہیں صرف تمہاری محبت ہی سچی لگتی ہے...... جس کی کشش میں اثر ہے۔"

"تمہارا میری محبت کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جو اتنے سالوں سے ہر لمحہ تمہارے سامنے ہونے کے باوجود بھی تمہیں دیکھائی نہیں دی۔ جو تمہارے سامنے دن رات جلتے ہوئے بھی تمہیں کوئی الزام نہیں دیتی تھی...... اور جو تمہارے کہنے کے باوجود، کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو...... میری محبت خاموش رہی۔ کیا میری محبت کی سچائی سچائی نہیں ہے...... کیا میری محبت میں کشش نہیں جس نے اتنے سالوں بعد۔ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد تمہیں میرے پاس آنے پر اس طرح مجبور کیا...... کہ میرے انکار کے باوجود بھی تم سمجھوتے کی خاطر مجھ سے رشتہ بنانے کے لیے تیار تھی......

کیا یہ سب تمہارے ہی جذبے کی سچائی تھی "انا"؟

بولو...... جواب دو......!

"انا" میرے آنسوؤں نے میری آہوں نے میری سسکیوں نے کہی نہ کہی تو جانا تھا...... تقدیر نے انہیں کہی نہ کہی تو پہنچانا تھا...... میری محبت کی سچائی نے کبھی نہ کبھی تو سامنے آنا تھا...... یہ میرا نہیں تقدیر کا وعدہ ہے......

اور وہ اس طرح سامنے آئی...... کہ تم خود مجبور ہو گئی۔ اپنی محبت کے ہاتھوں میرے بنا کچھ کہے تقدیر نے تمہیں میرے درد' میری تکلیف کا احساس صرف چند مہینوں میں دلا دیا......

اور اب! تم مجھ پر الزام لگا رہی ہو......

میں نے یہ سب کچھ اس لیے تو برداشت نہیں کیا تھا۔ خیر' تمہارا بہت شکریہ......! میری محبت کی عزت افزائی کرنے کا۔

یہ کہہ کر وہ گاڑی کے پاس چلے گئے...... چند لمحوں بعد مجھے ہوش آیا کہ میں نے حقیقت میں کافی بڑی غلطی کر دی تھی...... اور وہ تصویر...... میرے F.S.C کے Result کے دن کی تھی...... چند لمحوں میں گزرے دس سالوں کی تمام تر یادیں ایک جھٹکے سے میرے سامنے سے گزر گئی اور میرا چہرہ میرے آنسوؤں سے بھیگنے لگا اتنا کہ میں زمین پر آ گری میرے رونے کی

آواز بلند ہونے لگی تھی اور میں کافی دیر وہی زمین پر بیٹھی روتی رہی کچھ دیر میں احسن میرے سامنے زمین پر بیٹھے تھے ان کی آنکھیں بھی نم تھیں اور چہرے پر وہی درد وہی کرب میں نے ان کی طرف بے بسی سے دیکھا تو اپنے آنسو چھپاتے ہوئے بولے...... ''تم نے مجھ پر یقین نہیں کیا...... اور آج اتنے سالوں بعد میری محبت کو جھٹلا بھی دیا......! چلو اب گھر واپس چلتے ہیں'' ...... ابھی وہ میرے پاس سے کھڑے ہو کر آگے بڑھے ہی تھے...... کہ میں نے بے اختیار ان کا ہاتھ پکڑ لیا......

''اتنے سال خود کو اذیت دیتے رہے...... اتنے سال اپنی محبت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہوئے بھی خود کو جان بوجھ کر پرایا کر دیا......''

''پہلے کیوں نہیں بتایا ''احسن'' پہلے کیوں نہیں بتایا'' ......! میں ان کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا کر زار و قطار رونے لگی...... اور پھر چند لمحوں بعد انہوں نے اپنا دوسرا ہاتھ میرے سر پر رکھا......

''پتہ نہیں ''انا'' میں نہیں جانتا۔ کہ یہ میرا قصور ہے یا میری تقدیر کا...... مگر جو کچھ بھی ہے سچ ہے...... اور تمہارے سامنے ہے......!''

''مذاق نہیں......''

ان کا اتنا کہنا تھا کہ میری زبان سے بے اختیار، ''مجھے معاف کر دیں ''احسن'' مجھے معاف کر دیں...... مجھے اندازہ نہیں تھا...... میں نے آپ کا دل دکھایا...... پلیز احسن اللہ کے واسطے مجھے معاف کر دیں......!''

روتے روتے جیسے میں بے سدھ سی ہو چکی تھی۔ مگر ان کے ہاتھ کی گرفت میرے ہاتھ میں مضبوطی سے تھی...... انہوں نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا...... اور پھر بڑے آرام سے بولے...... تم مجھ سے معافی مت' مانگا کرو......''

''اور ایک وعدہ کرو'' ......! میں نے ان کی طرف دیکھا۔

''آج کے بعد تم کبھی نہیں رو گی...... میں ان آنکھوں میں آج کے بعد کبھی آنسو نہیں دیکھنا چاہتا......''

میں نے جلدی سے بچوں کی طرح اپنے ڈوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھوں کو پونچھا......

''میں وعدہ کرتی ہوں ''احسن''

جیسا آپ چاہیں گے۔ جو آپ کہیں گے۔ ویسا ہی ہو گا......

''پاگل لڑکی!'' میرا ہاتھ تھامے وہ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے اور پھر دھیرے سے بولے۔

''انا جانتی ہو میری محبت نے مجھے کیا سکھایا ہے'' ......؟ میں نے ان کی طرف' پیار

سے دیکھا...... کیونکہ اس وقت مجھے ایسا لگتا تھا جیسے دنیا کا تمام پیار میرے دل میں اتر آیا ہو۔ اور اس کے واحد حق دار صرف اور صرف یہ شخص ہے جو اس وقت میرے سامنے کھڑا ہے۔

''بدن'' جب روح کی ناؤ پر محبت کا سمندر پار کرتا ہے، تو اس سفر میں صرف اور صرف سرشاری ہوتی ہے......اور پھر محبت کرنے والے......دو نہیں ایک ہو جاتے ہیں......

جیسے آج ہم ہوئے ہیں......'' انہوں نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا

مجھے احسن کی باتوں میں بابا کی خوشبو آ رہی تھی......''احسن'' بابا کی پرچھائی ہی تو ہیں......!

واپسی کا سفر عام حالات میں کٹھن ہوتا ہے۔ مگر ہمارے لیے واپسی کے سفر میں مکمل سرشاری تھی......سکون تھا......ایسے جیسے ہم کسی نئی دنیا کے سفر پر نکلے ہیں۔ جب ہم گھر پہنچے تو سب ہمارے منتظر تھے......ہمارے داخل ہوتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے انہیں ہمارے بارے میں مطلع کر دیا گیا تھا......سب کے چہرے پر ہمیں دیکھ کر ایک خوشی کی لہر سی ڈور گئی۔ ایسا کیوں ہوا تھا......شاید والدین کی وہ طلسماتی نظریں جو اپنی اولاد کے چہرے پر لکھی ہر تحریر کو بنا بتائے پڑھ لیتی ہیں......یا پھر ہماری محبت کا وہ رنگ جو ہماری آنکھوں اور ہمارے چہرے بلکہ ہماری پوری روح کو اپنے رنگ میں رنگ چکا تھا......یا پھر وہ مہک جس کے بارے میں مشہور ہے کہ جہاں بھی ہو جن بھی حالات میں ہو محبت کی مہک جب ہوا کے سنگ مہکتی ہے تو ہر محبت کرنے والے کو مہکا جاتی ہے......اور کچھ بھی ہو......ہمارے گھر میں محبت ہر فرد کے روم روم میں بسی تھی۔

بابا لاؤنج میں ہی تھے......اور ہمارے آتے ہی انہوں نے صرف اتنا ہی کہا کہ تم دونوں کے درمیان جو باتیں بھی ہوئیں وہ صرف' تم دونوں کے لیے ہیں انہیں اپنے تک ہی رکھو۔

احسن مسکراتے ہوئے بابا کے سینے سے جا لگے اور الماس آنٹی نے میری طرف دیکھا تو میں نے شرماتے ہوئے نظریں جھکا لیں تو پھر کیا تھا۔ ایک ہنگامہ ہی تو برپا ہو گیا تھا ہمارے گھر میں......الماس آنٹی کے آگے بڑھ کر امی کو گلے سے لگایا اور ابا نے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے''I am proud of you'' نادیہ بھابھی نے مجھے شرارتی نظروں سے دیکھتے ہو''احسن'' کی طرف اشارہ کیا......اور نعمان بھائی نے گرم جوشی سے احسن کو گلے لگایا......

اسی دوران الماس آنٹی تیزی سے بولیں۔ چلو جی نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہئے......تیاری شروع کریں......تو جیسے بابا نے ان کی بات کو مکمل کر دیا ہو۔ اس مہینے کی چاند کی گیارہ تاریخ نکاح ہوگا......!

فیصلہ ہو چکا تھا......

اور نعمان بھائی کی چیخ نے جیسے گھر کو سر پر اٹھالیا تھا...... میں نے ایک نظر سب کے چہرے دیکھے......اور واقعتاً ان کے چہروں سے حقیقی خوشی جھلک رہی تھی ان کی آنکھوں کی چمک سے گھر گھر میں اجالا سا پھیلا ہوا تھا...... ''نعمان فرحان کو فون کر کے بلا لو'' ......اور اس نالائق سے بھی بات کرو...... جو امریکہ میں اپنی ڈاکٹری کو سینے سے لگائے بیٹھا ہے'' ......ابا نے غصے سے منیر بھائی کا کہا......تو بابا کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی ناراضگی کا تاثر نہیں تھا......

بابا آگے بڑھے اور ابا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

''دانش...... جو پھول قدرت نے جھولی میں ڈال دیئے ان کی مہک سے خود کو محظوظ کرو......ان کی فکر کرو...... جو جھولی سے گر گیا......اور ہوا کے دوش پر اڑتا ہم سے دور چلا گیا...... اس کی فکر چھوڑ دو...... ہے تو وہ پھول ہی کیسی اور جگہ مہک رہا ہو گا......

میری اولاد میرے پاس ہے۔ میں ان کے لیے فکر مند ہوں......منیر کو ہم نے سب کچھ اس کی مرضی سے دے دیا......اور اب وہ اپنی مرضی کی زندگی گزار رہا ہے...... وہ خوش ہے تو اس کی خوشی کے احساس سے ہم بھی خوش ہیں...... مگر وہ ہماری جھولی سے ہوا کے دوش پے اڑتا بہت دور چلا گیا......ہم اس کے لیے دعا کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے...... جب اسے ہماری ضرورت ہو گی......تو ہمارے دل اور گھر کے دروازے کھلے ہیں...... جب چاہے آ جائے......مگر اب اس کے لیے میں اپنی باقی اولاد کو نظر انداز ہرگز نہیں کر سکتا......وہ خوش ہے۔

اور کچھ بھی ہو...... ہے تو ہماری اولاد نہ کبھی نہ کبھی تو لوٹے گا۔ ہماری طرف وہ ہماری ذات کا وجود کا حصہ ہے......اور یہ حق ہم اس سے کبھی نہیں چھین سکتے......مگر اب اس کی خاطر افسردہ رہنا بھی بے وقوفی ہے۔ اس لیے بے فکر ہو جاؤ...... اور اپنے جھولی کو ان پھولوں کی خوشبوؤں سے بھرتے رہو۔ جو ہمارے پاس ہیں...... ہمارے قریب اللہ کا انعام ہیں......

وقت سے زیادہ احساس دلانے کی طاقت اور کسی میں نہیں ہوتی......!اللہ سب ٹھیک کرے گا......''

ابا ہمیشہ ان کی دوری سے ناراں رہتے تھے......مگر آج بابا کی اس بات پر ابا پہلے سے زیادہ حوصلے میں آ چکے تھے اور بابا سے زیادہ بہتر ابا کو کون جانتا تھا۔ اور ان سے زیادہ ماہر اس معاملے میں اور کوئی تھا بھی نہیں کہ حالات کے مطابق مناسب فیصلہ اور اس فیصلے کو مناسب لفظ کیسے دینے ہیں، بابا نے خود کو تو نا جانے کب سے مگر ابا نے آج سے منیز بھائی کی جدائی کو۔ دوری کو، مکمل طور سے تسلیم کر لیا تھا......

''بھی تو میں بھی ہر وقت کہتی رہتی ہوں۔مگر میری کوئی سنے بھی تو تب نا.....''

آنٹی نے چنچل لہجے میں حالات کی افسردگی کو ختم کرنے کے لیے کہا.....اور احسن نے ہنستے ہوئے میری جانب دیکھا.....''چلیں بھئی اپنا اپنا کام بانٹ لیں''.....آنٹی تیزی سے بولتی امی اور نادیہ بھابھی کے ساتھ باہر چلی گئی۔

ابا اور نعمان بھائی' بھی ان کے ہمراہ باہر چلے گئے.....میں نے ایک نظر بابا کو دیکھا اور بابا مسکراتے ہوئے صوفے پر ایک لمبی سانس لیتے ہوئے سکون سے بیٹھے.....اور پھر بڑی شرارت سے بولے.....''کیوں بھئی امید ہے کہ محبت کی کشش آپ کی سمجھ میں آ چکی ہو گی آپ دونوں'' کو میں نے نظریں جھکا لیں.....مگر ایک دم سے ایک سوال میرے ذہن میں ابھرا.....اور میں نے بے اختیار اسی وقت بابا سے پوچھ بھی لیا۔

احسن سامنے ہی بیٹھے تھے.....''بابا میں ہمیشہ دعا مانگا کرتی تھی اپنے اللہ سے کہ مجھے میرے گھر سے میرے اپنوں سے کبھی دور مت کرنا.....میری وہ دعا قبول تو ہو گئی۔مگر اس سارے دور میں زرقا بھابھی.....؟ کیا میری دعا ان کی زندگی کی رکاوٹ بن گئی.....؟''

تو بابا نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا اپنے پاس بٹھایا اور بیٹھے بیٹھے میرے سر کو اپنے سینے پر رکھتے ہوئے بولے.....''بیٹا دعا کی قبولیت کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔اور زندگی اور موت کا اختیار بھی اللہ کے پاس ہے اور آپ نے دعا اپنے لیے مانگی تھی.....اور زرقا کی زندگی اتنی ہی تھی.....یہ ہی تو قدرت کے رنگ ہیں بیٹا.....تم دونوں کی تقدیر میں ملنا تھا.....اور ملنے کا یہ سفر کن کن راستوں سے گزرتا رہا.....یہ تم دونوں جانتے ہو.....تقدیر کا جو فیصلہ تھا وہی رہا.....زرقا بیٹی نے اپنے پیار اور خلوص سے اپنا جو رنگ ہمارے گھر میں بکھیر گئی ہے۔ہماری زندگیوں کو اپنی یادوں سے معطر کر گئی ہے۔وہ خوشبو تو کبھی نہیں جائے گی اور نہ ہی وہ رنگ کبھی پھیکا پڑے گا.....کیونکہ وہ اس کے خلوص کا رنگ تھا.....اور نہ ہوتے ہوئے بھی زرقا ہر وقت ہمارے ساتھ ہے ہمارے پاس ہے.....

ہے نا؟ خود بتاؤ''.....''جی بابا ہر وقت ہر لمحہ''.....

''مگر بابا اگر ہمارا ملنا تھا تو بھابھی کا ہماری زندگی میں آنا کیا ضروری تھا.....کچھ اور صورت بھی تو ہو سکتی تھی نا.....''؟

''بیٹا ہونے کو تو سب کچھ ہو سکتا ہے.....اگر اللہ چاہے'' پھر ایک لمحے کے لیے خاموش رہے اور بولے.....''دیکھو بیٹا تقدیر کے اپنے نرالے فیصلے ہوتے ہیں.....ہمارا

ایمان...... ہے تقدیر پر۔ اور دعا بھی کرتے ہیں اور کوشش بھی۔ مگر تقدیر کے فیصلوں کے بارے میں سوچنے سے۔ سوال اٹھانے سے ہمیں ہمارے دین نے بھی روک دیا ہے۔ منع فرمایا ہے...... میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا۔ کہ جتنا سمجھ آ جائے اتنا آپ کے لیے ہے اور جو سمجھ نہ آئے وہ آپ کے لیے نہیں۔

اور اس کی سب سے بڑی مثال قرآن پاک کے وہ حروف ہیں...... جنہیں حروف مقطعات کہتے ہیں...... ایسے حروف جن کا مطلب اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا...... اسی طرح بعض تقدیر کے فیصلے ایسے ہوتے ہیں جن کے ماننے کے ساتھ ساتھ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم کمال ضبط اور صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی سوچوں کو بھی محدود کرلیں اور ان کے بارے میں سوچنے سے گریز کرنے میں ہی ہمارے ایمان کی تکمیل ہے...... زرقا کا اس طرح ہماری زندگیوں میں آنا۔ ہم پر محبت نوشاور کرنا...... ہمارے گھر کو اپنے رنگ میں رنگتے ہوئے چلے جانا تقدیر کا فیصلہ ہے۔ اور بیٹا اس بارے میں اپنی سوچ کو روک لو...... سوالوں کو مٹا دو...... اور زندگی جس نئے سفر کی طرف لے کے جارہی ہے اپنے اللہ پر بھروسے کے ساتھ نیک نیتی سے اس پر چل نکلو...... بس......"

"سمجھی آپ!؟"

میں چند لمحے خاموش رہی اور پھر جی بابا کہہ کر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

واقعتاً ہمارا گھر زرقا بھابھی کے پیار کے رنگ میں رنگا ہی تو چکا تھا...... نہ ہوتے ہوئے بھی وہ ہمارے ساتھ تھیں۔ یہ ہی ہمارے پیار کا ثبوت اور رشتے کی سچائی تھی......

گھر کے تمام در و دیوار بھی مسکرا رہے تھے میری اور احسن کے نئے سفر کی خوشی میں مصروف تھے اور یہ ہی خوشی دیکھنے کے لیے میری آنکھیں ترس رہی تھیں احسن کے چہرے پر سکون اور اطمینان کا ہر لمحے ایک نیا رنگ آتا تھا اور ہر لمحے زندگی یکسر بدل رہی تھی جیسے جیسے میں ان کے چہروں پر خوشی اور لبوں پر مسکرائیں دیکھتی ویسے ویسے میرا سر میرے رب کے حضور جھکتا جاتا...... بار بار یہ آیت میرے ذہن میں سرگوشی کرتی۔

"کہ پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے:"

اور حقیقت بھی یہ ہی تھی کہ اس کی رحمتوں کی کوئی حد نہیں تھی...... شام کو نعمان بھائی نے منیر بھائی کو بنا دیا تھا...... اور مگران کے ڈاکٹری کے سلسلے میں کچھ امتحان ہونا تھے۔ اور یہ تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سعدیہ بھابھی ان کے بنا یہاں آئیں گی مگر پھر بھی انہوں نے اتنی تسلی

دے دی کہ میں چاہیے کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی مگر آؤں گا ضرور۔

سب لوگ بے حد مصروف ہو چکے تھے فرحان اور صائمہ آنٹی بھی رات کو ہمارے گھر مٹھائیوں اور پھلوں سمیت تشریف لا چکے تھے فرحان نے مجھے مسکراتے ہوئے دیکھا اور اان میں ہماری بس 15 منٹ کی ملاقات میں میں نے اسے تمام حالات سے آگاہ کر دیا تھا...... ''جو میرے اوراحسن کے درمیان بات ہوئی تھی اس کے متعلق بھی اور اس۔نے اچھل کر ''Yes کہا......''

''میں جانتا تھا''انا'' مجھے ایسا لگتا تھا...... مگر ڈر سے میں نے کبھی کہا نہیں......'' اس نے آگے بڑھ کر پیار سے میرے گال کو تھپتایا اور دعا دی۔''تم بہت خوش رہو گی...... احسن سے زیادہ تمہارا حق دار کوئی ہو اور بھی نہیں سکتا تھا......''

''مگر فرحان مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میرا ایک کام ادھورا ہے...... سوچتی ہوں اس سے بہتر موقع اور کوئی نہ ہوگا اسے بھی پایہ تکمیل تک پہنچانے کا...... اور مجھ میں اس کام کو تمہاری مدد کے بغیر نہیں کر سکتی...... مدد کرو گے......؟''

any thing ''انا'' بس بتاؤ...... میں نے اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ لا کر تھما دیا...... اس میں تمام تفصیلات درج ہیں۔کل میں تھوڑی دیر کے لیے تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی...... اور پھر اس کے بعد سب تم نے کرنا ہے...... مگر یہ میرے نکاح کے دن تک ہو جانا چاہیے ہر حال میں۔'' لفافے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''مگر ''انا'' اس میں ہے کیا''...... ''پلیز فرحان پڑھ لینا' کل صبح 9 بجے تک چلیں گے''...... اور ہاں اس کے بارے میں کسی کو ہوا بھی نہیں لگنی چاہیے۔'' اتنی دیر میں الماس آنٹی نے مجھے اندر بلا لیا اور کپڑوں کا سلیکشن ہونے لگا

میں سب کے ساتھ بیٹھی تھی...... کہ ایک دم سے ''''احسن'' آئے امی وہ ابا آپ کو بلا رہے ہیں۔'' میں نے انہیں نظر اٹھا کر دیکھا...... تو ان کے چہرے پر بکھرتی خوشی ان کے حسن میں مزید اضافہ کر رہی تھی...... انہوں نے جاتے ہوئے ایک نظر مجھے دیکھا...... ہلکا سا مسکرائے اور پھر امی کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔

دس دنوں میں شادی کی تیاری اور یہ سب کام سمیٹنا ایک مشکل مرحلہ تھا......

مگر الماس آنٹی نے ایسے جھٹ پٹ سب کام کروایا کہ ہم خود بھی حیران تھے مجھے رات تمام کاموں سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں گئی نماز پڑھ کر لیٹی تو اس وقت اپنے آپ کو خوش نصیب ترین لڑکی سمجھنے لگی۔ کہ شاید میں اس دنیا کی ان چند خوش نصیب لڑکیوں میں سے ہوں۔ جن کا میکہ اور سسرال ایک ہی ہوتا ہے...... جو اپنے گھر سے رخصت ہو کر اپنے گھر میں ہی آتی ہیں...... اور

میری زندگی میں نئے لوگوں۔ نئے گھر۔ اور نئے ماحول میں جا کر رہنے کا کوئی امتحان نہیں تھا......

میرے دل میں کسی نئے احساس کی گھبراہٹ نہیں تھی......اور ''احسن'' کو تو میں بچپن سے جانتی تھی......اور اب تو مجھے خود سے بھی زیادہ اپنے لگتے تھے......انہیں سوچوں میں کھوئی رہی کب رات گزری اور کب صبح ہوئی پتہ ہی نہیں چلا......میں نے گھر آفس کا بتایا......احسن نے میری طرف دیکھا......''آفس کیوں وہ ذرا کام ہے......اچھا تو اکیلے مت جاؤ......فرحان کو بلا لو......وہ تمہیں یہاں سے Pick کر لے''......احسن نے ہلکی سی آواز میں کہا......اور اندر چلے گئے......''نادیہ بھابھی شرارت سے بولیں۔ ہائے اللہ اتنی فکر ابھی سے ہے۔ تو بعد میں کیا ہو گا...... کاش ہماری بھی ایسی فکر ہوتی''...... انہوں نے شرارت سے نعمان بھائی کی طرف دیکھا......تو وہ مصنوعی غصے میں بولے کیوں آپ کی فکر کبھی نہیں کی میں نے!؟''

تو نادیہ بھابھی بھی انہیں چڑاتے ہوئے بولیں۔ چلیں رہنے دیں۔ آپ اور میری فکر چھوڑیں جی......'' امی ان کی ٹوک جھوک سے محظوظ ہو رہی تھیں۔ میں نے فرحان کو فون کر دیا......اور آدھے گھنٹے میں اس نے مجھے گھر سے Pick کر لیا۔

اس کے ساتھ جا کر میں نے اسے اپنے کام کے متعلق سب سمجھا دیا......اور اس نے مجھے پیار سے دیکھتے ہوئے بس اتنا کہا......''''انا'' تم جیسے لوگ بہت کم ہیں اس دنیا میں۔''

اور میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا......''''ہاں نا'' کم تو ہوں گے آخر دوست کس کی ہوں......جناب......''

ہمارے نکاح سے ایک دن پہلے منیر بھائی اور سعدیہ بھابھی آئیں تھیں۔ مگر ان کے ساتھ مریم نہیں تھی......اور میرے نکاح والی رات 3 بجے کے فلائٹ سے انہیں واپس بھی جانا تھا......ہمیں یہ ہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ہم ان کے آنے پر خوش ہوں یا جانے پر پریشان ہوں۔ صرف 24 گھنٹے کے لیے مگر اس بار بابا کے وہ مضبوط الفاظ ہمارے ساتھ تھے۔

کہ جو ہے اس کی قدر کر لیں......اسے سنبھالیں۔ اور ویسے بھی منیر بھائی اپنی زندگی سے مطمئن تھے......خوش تھے اور ان کی خوشی میں ہی ہماری خوشی تھی۔ ویسے بھی سب کچھ، ہر کسی کو تو نہیں ملتا نا......منیر بھائی اپنے ساتھ ڈھیر سارے تحائف لے کر آئے۔ کیونکہ 24 گھنٹے کی بات تھی......اس لیے اس بار تو سعدیہ بھابھی بھی بہت با اخلاق ہو کر آئیں تھیں......

نادیہ بھابھی نے رات کھانے کے بعد سب کو چائے سرو کی تو ابا اپنی عادت سے مجبور تھے رہ نہیں سکے تو بڑے اچھے انداز میں بولے۔ ''بیٹا ہم سے زیادہ وقت تو تم ان ایئر لائن والوں

کے ساتھ گزار کر جاؤ گے ہم سے زیادہ خوش قسمت تو وہ لوگ ہیں''......اور منیر بھائی نے مسکراتے ہوئے ابا کے سامنے عزر پیش کیا۔''اگلے سال زیادہ دن کی چھٹی لے کر آؤں گا۔ یہ تو آپ نے اچانک اتنی بڑی خوشی کی خبر سنائی کہ مجھ سے راہ بھی نہیں جا رہا تھا......اگر امتحان کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں زیادہ دن رکتا بابا''......منیر بھائی نے اپنی صفائی دیتے ہوئے بابا کی طرف دیکھا......

اور لگے ہاتھوں ابا نے نعمان بھائی کی بھی خبر لے لی......''یہ تو کل رات 3 بجے تشریف لے جانے والے ہیں یہ تو تحائف دے کر فارغ ہو گئے......آپ بھی بتا دیں کہ آپ نے کب تشریف لے کر جانا ہے کہ ہم آپ کی روانگی کی تیاری شروع کر دیں۔ ابا نے غصے سے نعمان بھائی کی طرف دیکھا''......مجھے ابا کا یہ انداز اس وقت اچھا نہیں لگا تھا......نادیہ بھابھی بے چاری جھینپی سی نعمان بھائی کی طرف خاموشی سے دیکھتی رہی......''دانش!''......بابا نے معنی خیز نظروں سے ابا کی طرف دیکھا انہیں منع کر رہے ہوں......کہ وہ کس موقع پر کیا بات لے کر بیٹھ گئے ہیں۔

''نہیں بھائی صاحب ٹھیک کہہ رہا ہوں جب انہیں ہمیں چھوڑ کر جانا ہی ہے تو پھر صاف بات کریں......امید تو پہلے بھی نہیں تھی۔ مگر یہ بات اس لیے کر رہا ہوں کہ ان کا ذہن بھی صاف ہو اور ہمارا بھی''......اب کے بار تو احسن کے چہرے پر بھی ناگواری کے تاثرات تھے۔

نعمان بھائی نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر اندر چلے گئے الماس آنٹی صرف اتنا ہی کہا کہ''کیا بھائی صاحب بچے ہیں......پردیس میں رزق لکھا ہے ان کا......اس میں ان کی کیا غلطی ہے''......نہیں بھابھی۔ غلطی ان کی نہیں میری ہے......ابھی ابا نے اتنا ہی کہا تھا......کہ نعمان بھائی ہاتھ میں دو لفافے لیے کھڑے تھے......

اور مسکراتے ہوئے بولے!

''ایک تو میرے ابا جی سرپرائز دینے کی بھی مہلت نہیں دیتے نا......انہوں نے ایک نظر ابا کو دیکھا اور پھر ایک لفافہ ابا کی طرف بڑھا کر بولے۔ ابا اس لفافے میں ہم تینوں کے پاسپورٹ ہیں یہ آپ اپنی حفاظت میں رکھ لیں''......نادیہ بھابھی کے والدین بھی بیٹھے دیکھ رہے تھے......شاید انہیں اس فیصلے کے بارے میں نہیں معلوم تھا''ہمیں شاید اس کی ضرورت نہی پڑے گی......میں یہی رہوں گا اب آپ کے پاس''......ہمیشہ! ابا نے لفافہ ہاتھ میں پکڑتے ہوئے بابا کی طرف دیکھا اور پھر نعمان بھائی نے دوسرا لفافہ احسن کی طرف بڑھا دیا......

''یہ لو یار یہ تمہارے لیے......اب تمہاری باری ہے......اب تم آزاد ہو۔ ہمارے پیار سے نہیں......گھر کی ان تمام زمہ داریوں سے جو تم سے چھوٹے ہوتے ہوئے بھی اپنے

کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔اور ایک بار بھی تم نے ہم بڑے بھائیوں کو یہ احساس نہیں دلایا۔ کہ تم کسی لمحے کمزور پڑ رہے ہو۔اور میں جانتا ہوں احسن تم ہماری خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہو...... اس لیے اس میں تمہارے World tour کے تمام کاغذات اور تمہارا اور انا کے پاسپورٹ اور ٹکٹ موجود ہیں اور اور تمہاری فلائیٹ ...... اگلے ہفتے کی ہیں......اب تمہاری باری ہے ''احسن'' تم اور ''انا'' جاؤ اب اپنی زندگی جیو......اب گھر کی ذمہ داری اور بابا' امی اور ابا کے تھوڑے سے پیار اور خدمت کے حق دار تو ہم بھی ہیں......ہمیں بھی کچھ دعائیں سمیٹنے دو یار......''

''کیوں بابا کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں......تو بابا نے مسکراتے ہوئے کہا بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو بھئی......منیر بھائی کی تو مجبوری ہے کہ وہ یہاں اتنی جلدی واپس نہیں آ سکتے۔مگر میری ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی۔اس لیے میں اور نادیہ اب یہی ہیں آپ سب کے پاس......اور منیر بھائی آپ بے فکر ہو کر جائیں...... دل پر بوجھ لے کر نہیں'' ......نعمان بھائی نے منیر بھائی کی طرف بڑھتے ہوئے انہیں تسلی دی اور ان کی ہمت بڑھائی......اس بار ابا نے مسکراتے ہوئے پاسپورٹ والا لفافہ اپنے ساتھ والے میز پر رکھ دیا......

اور ہال میں سب خاموش تھے مگر خوش تھے''او یار نعمان بھائی چھا گئے ہو' ......فرحان نے آگے بڑھ کر قدرے اونچی آواز میں نعرہ سا لگایا...... بابا نے نعمان بھائی کو گلے سے لگایا...... ابا کی طرف اور ڈانٹنے کے سے انداز میں دیکھتے ہوئے بولے۔''اولاد کی غلطی پر اگر انہیں سب کے سامنے شرمندہ کرنا آتا ہے تمہیں......تو...... ان کی خوبیوں پر سراہانا۔بھی آنا چاہئے۔ ''میرے خیال سے نعمان نے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ لیا ہے۔اور اس پر میرے خیال سے تمہیں......بھی بڑے دل کا ثبوت دینا چاہئے......''

بابا نے ابا کو مصنوعی غصے سے ہی سہی مگر احساس دلا دیا......اور ابا نے مسکراتے ہوئے بس نعمان بھائی کے کندھے کو تھپتھپایا......مگر آگے بڑھ کر نادیہ بھابھی کے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے بولے۔''جیتی رہو بیٹا...... Thank you'' ......اور بھابھی نے مسکراتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔

''اس پر الماس آنٹی بولیں چلو بیٹا اب آرام کرو'' منیر اور سعدیہ بھی تھکے ہوئے ہیں۔ صبح سب مہمان پہلے گھر ہی آئیں گے۔بہت کام ہے بیٹا چلو شاباش تھوڑا آرام کر لو...... سب اور صبح سب نے جلدی اٹھنا ہے......سوائے انا'' اور احسن کے......تم دونوں پے کوئی پابندی نہیں ہے۔جب دل کرے اٹھنا'' ......انٹی نے مذاق کرتے ہوئے کہا......اور میں اور احسن اپنی

اپنی جگہ جھینپ سے گئے......

اس سب کے بعد سعدیہ بھابھی بولیں آپ لوگ کوئی مہندی وغیرہ نہیں کوئی فنکشن نہیں کر رہے...... احسن کی تو دوسری شادی ہے مگر ''انا'' کی تو پہلی شادی ہے نا...... آپ تو بہت سادگی سے سب کر رہے ہیں...... جیسے سر سے اتار رہے ہوں...... کوئی فنکشن نہیں...... بھابھی اتنے دیر سے خاموش تھیں۔ جب بولیں تو کیا بولیں'' ......! منیر بھائی نے شرمندگی سے ادھر ادھر دیکھا......اور پھر...... ان کے اس سے پہلے کہ وہ بولتے...... میں نے بڑے آرام سے کہا......

''بھابھی آپ کو تو معلوم ہے کہ مجھے شور شرابا پسند نہیں ہے...... اور خوشی کا احساس تقریب کے بڑے ہونے سے نہیں چہروں پر بکھری خوشی اور لبوں پہ بکھری دعاؤں سے ہوتا ہے......اور اس وقت میں جو خوشی آپ سب کے چہروں پر دیکھ رہی ہوں...... وہ ساری دنیا کی تقریبات کے اکٹھے ہو جانے سے بھی نہیں آسکتی......

اور یہ خوشی اللہ کے بعد ہمیں احسن کی وجہ سے ملی ہے......

جنھوں نے ہمیشہ اس گھر کی خوشیوں کو اپنی خوشیوں پر ترجیح دی...... میں نے احسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

آپ میری وجہ سے فکر مند نہ ہوں...... ہمیں امید ہے کہ کل ہونے والی ایک ہی تقریب آپ کو بہت پسند آئے گی......

ابھی آپ کافی تھک گئی ہیں اٹھ کے آرام کریں......''

میرے اس جواب پر بھابھی کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور گیا...... شاید انہیں احساس ہو گیا تھا کہ کچھ غلط بول گئی...... مگر ہم سب ان کی ایسی باتوں کو زیادہ تر نظر انداز کر دیا کرتے تھے میں نے ایک نظر بابا کی طرف دیکھا...... جن کے چہرے کی طمانت نے یہ بتا دیا تھا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ میں نے ایک نظر احسن کی طرف دیکھا......تو وہ نظریں جھکائے بیٹھے تھے...... شاید بھابھی کی بات کو محسوس کیا ہو...... میں سب کو Good night کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی......

میرے کہنے کے مطابق میرا کمرہ بابا کے ساتھ والا کمرہ بنایا گیا۔یعنی میری رخصتی ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک ہی تھی...... کیونکہ زرقا بھابھی کے کمرے میں ان کی چیزوں کو ہٹا کر اپنی چیزیں لگانے کی ہمت مجھ میں نہیں تھی...... ان کے ہاتھوں سے سجا کمرہ اسی طرح ان کی یادوں ان کی خوشبو کے ساتھ بند کر دیا گیا تھا اور میرا کمرہ بابا کے کمرے کے ساتھ تیار کیا گیا

تھا...... جسے احسن اپنی مرضی سے سجا رہے تھے مجھے اس کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی...... شاید وہ مجھے کوئی سرپرائز دینے کے چکر میں تھے......

اور پھر میری زندگی میں وہ دن بھی آ گیا۔ جو دن ہر لڑکی کے لیے اہم ہوتا ہے...... مگر میرا شمار ان لڑکیوں میں سے ہوتا تھا جو اس دن کے انتظار میں کبھی نہیں تھیں...... مگر تقدیر میں لکھا تھا۔ تو کیسے وقت نے کروٹ لی اور کیسے میں خود جس بات سے ہمیشہ انکار کرتی رہی۔ اسی بات کے لیے میں نے خود گھر والوں کو راضی کیا...... مگر میری تقدیر کی مہربانی تھی...... یا اس کا احسان کہ جس کا بدلہ تمام عمر سجدے میں پڑے رہنے کے باوجود نہیں چکا سکتی۔ صبح ہوتے ہی ہم سب گھر والے زرقا بھابھی کی قبر پر گئے، ایک طرح سے انہیں اپنے ساتھ شریک کرنے اور پھر گھر میں مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی تھی اور پھر شام سات بجے ہم نے شادی ہال میں پہنچنا تھا اور میں روایتی طور پر دلہن بنائی گئی۔ امی نادیہ بھابھی۔ الماس آنٹی میری تیاری میں مصروف تھی۔ سعدیہ بھابھی مہمانوں کے ساتھ مصروف تھیں اور پھر وہ وقت جب نعمان بھائی' منیر بھائی' میرے پاس آئے۔ ان کے ساتھ بشیر انکل تھے۔ جنہوں نے میرے سامنے چند صفحات رکھے جن پر دستخط کرنے کے بعد ''احسن'' میری زندگی کے مالک بن جائیں گے۔ میرے محرم بابا۔ ابا نعمان بھائی کے بعد میرے حقیقی محرم...... میں نے ایک نظر سب کی طرف دیکھا اور پھر بڑی ہمت کر کے میں نے نعمان بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا...... ''بھائی۔ بابا؟'' تو امی مسکرانے لگی...... ''جاؤ بیٹا بھائی صاحب کو بلا لاؤ'' اور کچھ دیر بعد بابا میرے سامنے تھے اور بابا نے ہی مجھ سے پوچھا روایتی انداز میں پوچھا کہ احسن تمہیں قبول ہے۔ اور میں نے جی کے الفاظ تین مرتبہ دوہرائے۔ اور ان صفحات پر دستخط کر کے اپنی زندگی کو مرتے دم تک احسن کے نام کر دیا تھا...... اس پل مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسی ایک غیبی طاقت میرے ساتھ ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے بار بار زرقا بھابھی کا مسکراتا چہرہ آ رہا تھا۔ امی نے اور الماس آنٹی نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ میرے چہرے کو چوما میں اٹھ کر کے بابا کے گلے لگی نعمان بھائی' اور منیر بھائی مجھے پیار کر کے جا چکے تھے۔ اور جب میں نے نظر اٹھائی تو فرحان اور ابا دروازے میں کھڑے تھے میں آگے بڑھ کر ابا کے سینے سے لگ گئی۔ میری آنکھیں بھیگنے لگی ابا دعا دے کر جا چکے تھے اور اب فرحان مسکراتا میری طرف بڑھا امی...... اور صائمہ آنٹی مسکرانے لگی فرحان کے آگے بڑھ کر میرے ہاتھوں کو تھاما اور آنکھوں میں آنسو لیے شرارت سے بولا ''مجھے اگر پتہ ہوتا کہ تم اتنی خوبصورت ہو تو میں اپنی دوستی کی قربانی دے دیتا''...... آنٹی ہنستے ہوئے بولیں۔ نالائق...... امی اور الماس آنٹی ہنسنے لگی...... مگر احسن کی بیوی اتنی

اچھی نہیں ہوگی، جتنی فرحان کی دوست اچھی ہے......! میں نے ہنستے ہوئے اسے دیکھا......

اور پھر انعم امی کے ساتھ اس چھوٹے سے کمرے میں مجھ سے ملنے آئی......اور پھر فرحان چونکہ میرا اکلوتا دوست تھا،......اکلوتی سہیلی تھی......

اس نے امی کے کہنے پر میرا ہاتھ تھامے ہال میں برستے پھولوں سے سجے سٹیج کی طرف لے گیا......فرحان اِس وقت میری سہیلی کا ہی حق تو ادا کر رہا تھا......میں وہاں مجھے وہاں جا کر بیٹھا دیا گیا......میں سر جھکا کر بیٹھی رہی۔ اور پھر احسن کو منیر بھائی۔ اور نعمان بھائی لائے۔ سٹیج پر بیٹھے ہوئے میں نے سامنے سے احسن کو آتے دیکھا......تو میری حیرت کی انتہا نہیں رہی تھی۔ ''احسن'' نے آج کالے رنگ کا کرتا پہنا تھا......جس پر کالے رنگ کی کڑھائی ہوئی تھی اور سفید شلوار......بالکل سادے مگر ان کے چہرے پر بکھرا، حسن اس سادے لباس میں بھی دوگناہ ہو چکا تھا...... مجھے یاد آیا......میں نے ایک مرتبہ زرقا بھابی سے بحث کے دوران کہا تھا کہ میں اپنی شادی میں اپنے دولہے کو کالے رنگ کے کپڑے ہی پہناؤں گی...... بھابھی میرے کالے رنگ کی پسندیدگی سے بہت چڑا جو کرتی تھیں......احسن سٹیج پر آ چکے تھے۔ اور نادیہ بھابھی کرسی کی رسم ادا کرنے کے لیے بر جمان تھی......کچھ دیر چھیڑ چھاڑ کے بعد احسن میرے ساتھ بیٹھے تھے اور یہ پہلی بار تھا کہ احسن میرے اتنے قریب بیٹھے تھے......مگر دس منٹ بعد احسن اٹھ کر چلے گئے...... یادگار کے طور پر چند تصاویر بنائی گئی......اور پھر آہستہ آہستہ مہمان مجھے مل کر جانے لگے......رات دس بجے تک ہم نکاح کی اس تقریب سے تقریباً فارغ ہو چکے تھے......سب لوگوں کی تعریف سے اندازہ ہو رہا تھا۔ کہ میری محبت کا رنگ ہے جو شاید حسن بن کے جھلک رہا ہے۔

اور پھر رخصتی کی وہ گھڑی جو ہر لڑکی کے لیے تکلیف دہ ہوا کرتی ہے۔ مگر میرے لیے نہیں تھی مجھے رخصت کرنے والے ماں باپ ہی مجھے میری نئی زندگی کے نئے گھر میں میرا استقبال کرنے کے لیے مجھ سے پہلے موجود ہوں گے۔ اپنی نوعیت کی یہ سب سے الگ رخصتی تھی۔ جس پر رخصت کرتے ہوئے ماں باپ کی آنکھیں نم تھیں اور نہ رخصت ہونے والی بیٹی کے دل کی ڈھڑکنوں میں نئی جگہ جانے کا خوف تھا......میں اپنوں سے اپنوں میں ہی تو جا رہی تھی۔

فرحان نے آ کر میرے کان میں سرگوشی کی......تمام مہمانوں کو وہی سے رخصت کیا گیا......

بس اب ہم گھر کے ہی افراد تھے: جن میں الماس آنٹی نادیہ بھابھی فرحان اور ہمارے گھر کے افراد تھے......ہم گاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سب گاڑیاں روانگی کے لیے

تیار تھیں...... میں تو اس حال میں جب آئی تھی تو بابا کی سفید مرسڈیز میں اور جب رخصت ہونے لگی تھی تو بھی بابا کی ہی گاڑی میں میرے ساتھ احسن موجود تھے......اور گاڑی کو فرحان چلا رہا تھا...... بابا' ابا کے ساتھ تھے......

بس چلتے وقت فرحان نے سب کو میری طرف سے یہ پیغام دے دیا...... ''برائے مہربانی مسز ''انا احسن'' کا پیغام سن لیجئے۔'' تو سب نے ہنستے ہوئے فرحان کو دیکھنے لگے مجھے فرحان کی زبان سے اپنا نیا نام روح میں اترتا محسوس ہو رہا تھا...... کہ جب آئی تھی تو مس انا دانش تھی......اور جب جا رہی ہوں تو ''مسز انا احسن'' میں سن کر مسکرانے لگی......

''بھئی دیجئے کیا پیغام ہے''......نعمان بھائی نے اسی شرارت سے جواب دیا......

''عرض یہ ہے کہ برائے مہربانی تمام گاڑیاں۔ دلہن کی گاڑی کو Follow کریں......آپ سب کے لیے مسز انا احسن کی طرف سے ایک سرپرائز ہے''...... ''اچھا جی......''

''سرپرائز''...... احسن نے گردن موڑتے ہوئے مجھ سے پوچھا......تو میں نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا......فرحان گاڑی میں بیٹھا......تو احسن بڑے پیار سے بولے۔ میں ''بھئی سرپرائز تو دوستوں کے ساتھ ہی بانٹے جاتے ہیں''......تو فرحان نے اتراتے ہوئے اپنے قمیض کے کالر کو اوپر کرتے ہوئے کہا......''جی جناب یہ دوستی کا حق بھی ہے اور فرض بھی......''

احسن مسکرانے لگے......اور فرحان کی گاڑی سڑک پر تیزی سے بھاگنے لگی...... میں نے مڑ کر دیکھا تو تمام گاڑیاں ہمارے گاڑی کے پیچھے ہی تھیں......

مجھے اچھا لگ رہا تھا...... کہ سب کے دلوں میں سوال ہو گا۔ کہ اسی دوران فرحان کے موبائل پر بابا کی کال آ گئی......اور وہ مجھ سے بات کرنا چاہیے تھے......''بیٹا جان کون سا سرپرائز ہے...... جو آپ آج کی رات ہمیں دے رہی ہو......کم سے کم ذکر تو کر دیا ہوتا''...... ''بابا......اگر ذکر کر دیتی تو کیا سرپرائز رہتا......آپ بس ہماری گاڑی کو Follow کرتے آئیں۔''

احسن خاموشی سے بیٹھے دیکھ رہے تھے...... گاڑی شہر کے اندر داخل ہو چکی تھی۔ اور اب وہ مرکزی سڑک جہاں سے شاید میرے سرپرائز سب کے سامنے کھلتا نظر آ رہا تھا اور پھر ہم ان تنگ گلیوں سے گزر کر حویلی کے سامنے جا کر رک گئی بابا کی گاڑی تو گلی کے اندر آ چکی تھی مگر باقی گاڑیاں گلی سے باہر ہی رکی تھیں میں گاڑی سے نکل کر باہر کھڑی تھی احسن کی نظروں میں میرے لیے سوال تھے مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ پوچھ لیتے آخر وہ بابا کی پرچھائی ہیں۔ اور بابا جیسا تحمل ان میں بھی تھا......فرحان نے گاڑی سے نکل کر سب کو اکٹھا کیا......گلی میں

بس ایک چھوٹا سا بلب روشن تھا......اور کریم خان ہمارے انتظار میں حویلی کے دروازے پر کھڑا تھا......سب لوگ اکٹھے ہو چکے تھے......اور سب کے چہرے پر ایک حیرت کا طوفان تھا......میں نے سعدیہ بھابھی کی طرف دیکھا......اور بڑے آرام سے بولی......"بھابھی اور کچھ آپ کو یاد رہے نہ رہے مگر مجھے یقین ہے کہ اس لمحے کو آپ کبھی بھی نہیں بھلا پائیں گی"......گلی میں مکمل اندھیرا تھا......بابا اور ابا کے چہرے پر حیرت کے ساتھ لبوں پر سوال بھی تھے ابا سے رہا نہیں گیا "انا بیٹا یہ سب کیا ہے۔تم یہاں کیسے"؟اور اس وقت بابا نے۔آرام سے کہا۔"دانش......وہ سرپرائز دے رہی ہے"......میں اندھیرے میں اپنے دلہن کے وزنی لباس کو سنبھالتے ہوئے......آگے بڑھی فرحان میرا منتظر تھا......"جی "مسز احسن" آگے بڑھا جائے"......اس نے مجھ سے اجازت لی۔"میں نے کہا ضرور تو فرحان نے کہا کریم خان آن کر دو۔"

اور اسی آواز کے ساتھ جیسے ہمارے سامنے اچانک سفید رنگ کے ستارے جھلملانے لگے۔فرحانے تمام حویلی کو سفید رنگ کی روشنی سے آراستہ کیا ہوا تھا۔جو ستاروں کی طرح ٹمٹا رہی تھیں......ایک دم سے سب کی آنکھوں میں ان ستاروں کا عکس جھلملانے لگا میں نے ایک نظر حویلی کو دیکھا اور پھر بابا اور بابا کے چہرے کو سب کی نظریں اوپر اٹھی تھیں اور سب تقریباً سکتے میں آچکے تھے میں نے آگے بڑھ کر حویلی کا بیرونی بڑا دروازہ کھولا......

اور سب لوگ میرے ساتھ حویلی کے بیرونی دروازے پر کھڑے تھے......اندر مکمل طور پر تاریکی تھی میں نے دروازہ کھول کر بابا کے پاس آئی میں نے فرحان کو پکارا اور فرحان نے دوبارہ کہا "کریم خان"......اور پھر ایک جھٹکے کے انہیں سفید روشنیوں سے حویلی کا صحن جھلملانے لگا میں نے بابا اور ابا کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے ساتھ حویلی کے اندر لے آئی بابا میری طرف ہی دیکھ رہے تھے۔آج بابا اس طرح خاموش تھے۔جیسے جب میں یہاں پہلی بار آئی تھی تو میں خاموشی کے عالم میں تھی عام طور پر دلہن جب گھر میں داخل ہوتی ہے تو اسے کے راستے میں پھول بچھائے جاتے ہیں۔مگر اس وقت میں نے ابا اور بابا لیے پھولوں سجے راستے پر چلنے کو کہا......اور کریم خان اپنے ہاتھوں میں پھولوں سے بھرا ٹوکرا لیے کھڑا تھا۔اور جیسے جیسے بابا اور ابا قدم آگے بڑھاتے جاتے وہ ان پر پھول برساتا جاتا......میں اور فرحان وہاں کھڑے سب کو حسرت زدہ چہروں سمیت ایک Warm well come دے رہے تھے۔سب لوگ جب حویلی کے اندر آ گئے تو صحن میں کھڑے ہوئے صائمہ آنٹی نے پر جوش لہجے میں کہا۔"Wow its a master piece"۔

میرے لیے اس وقت توجہ کا مرکز صرف اور صرف بابا اور ابا کے چہرے کے تاثرات

تھے......فرحان نے وہاں پر ویڈیو کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔اور تصویروں کا بھی اور وہ شخص ایک ایک تاثر کو کیمرے میں قید کرتا جارہا تھا......

میں نے آگے بڑھ کر حویلی کے مرکزی ہال کا دروازہ کھولا......تو وہ بھی سفید پھولوں سفید روشنیوں سے سجا ہوا تھا......اندر داخل ہوتے ہی سب نے حیرت سے گول چکر لگاتے ہوئے حویلی کو ایسے دیکھا جیسے وہ واقعی ہی ایک نئی دنیا میں آگئے ہوں......

سامنے کی سیڑھیوں کو اور اوپر حویلی کے چاروں طرف بنے خوبصورت کوری ڈور کو بھی سفید پھولوں اور روشنیوں سے آراستہ کیا گیا تھا......

ابا نے میرے قریب آکر پوچھا......''بیٹا یہ سب کیا ہے......تمہیں یہ سب کیسے پتہ اور یہ سب......تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟''ابا ابھی بھی حیرت میں تھے......میں نے مسکراتے ہوئے ابا کو دیکھا......

اور پھر سامنے رکھے میز پر پڑے چھوٹے سے لکڑی کے خوبصورت ڈبے کو اٹھا کر لے آئی اور بابا سے کہا......''بابا اسے کھولیں''......بابا نے کانپتے ہاتھوں سے ڈبے کو کھولا......تو اس میں رکھی دادا ابو کی وہی گھڑی تھی......''بابا اب تو آپ اس گھڑی میں رکے وقت کو اپنے ساتھ چلا سکتے ہیں......بابا نے گھڑی کو اپنی بہتی آنکھوں سے لگایا......اور پھر اپنے کانپتے ہاتھوں سے ابا کی طرف بڑھا کر ہا دانش اس رکے وقت کو چلا دو......وہ رکے لمحے گزر گئے ابا نے گھڑی کو چابی دی آگے بڑھ کر احسن کی کلائی پر باندھ دیا''۔اور پھر فرحان نے مجھے آواز دی......''انا آگے بڑھیں''......میں نے مڑ کر اسے دیکھا اور تو ابا بولے''اب آگے اور کیا ہے''......

میں نے ابا اور بابا کا ہاتھ تھاما اور اپنا وزنی لباس سنبھالتے ہوئے سیڑھیوں کے عقب میں نے اس بند دروازے کے سامنے لے گئی وہاں جا کر رکی......میں نے احسن کو منیر بھائی کو نادیہ بھابھی سعدیہ بھابھی کو امی اور ابا کو بابا کے ساتھ کھڑا کیا۔اور کریم خان نے چابی لا کر میرے ہاتھ میں تھما دی۔

میں نے اس دروازے کو کھولا......میں خود بھی اس صحن میں پہلی بار قدم رکھ رہی تھی......دروازہ کھولتے ہی۔کریم خان نے آگے بڑھ کر ایک اور سوئچ آن کر دیا......اور حویلی میں بنا وہ چھوٹا سا باغ روشنی سے چمکنے لگا......سب لوگ اس باغ میں آگئے۔اس باغ میں بنے چھوٹے سے فوارے سے بہتے پانی کی آواز کے ساتھ بہتی روشنی......مگر سب نے گھوم کر دیکھنا شروع کر دیا......مگر حویلی کے دائیں طرف ایک چوکور سا چبوترا جو مکمل طور پر تاریک تھا......''بابا''

میں نے بابا کو آواز دی...... بابا نے میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھا...... ''چلیں''...... ہمارے پیچھے پیچھے سب لوگ اسی سمت آ گئے۔ میں نے آگے بڑھے اور اس بڑے سے ستون کی طرف ہاتھ بڑھایا...... سوئچ آن کیا تو اس لان میں بنا وہ جبوترہ...... سبز روشنی سے چمکنے لگا...... اور فرحانے اس چبوترے کو گلاب اور موتیے کے پھولوں سے مکمل طور پر آراستہ کیا ہوا تھا...... میں نے بابا کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اس Table کی طرف لے گئی۔ جہاں پر ان کی شطرنج کی بازی ادھوری پڑی تھی...... اس کے میز کے ارد گرد بھی پھول بکھرے ہوئے تھے۔ بابا کو بٹھایا...... اور پھر ابا کا ہاتھ پکڑ کر انہیں بابا کے سامنے بٹھایا۔ اور شطرنج کے اوپر سے شیشے کا وہ سانچہ سا ہٹایا۔

''ابا آپ کی یہ بازی ادھوری تھی نا...... آج مکمل کر لیں...... میں بھی تو دیکھوں کہ میرے بابا اور ابا کیسا کھیلتے ہیں''...... سبز رنگ کی جھل مل کرتی روشنی میں سفید رنگ کا وہ چبوترہ جس میں سرخ رنگ کے پھولوں نے اپنی خوشبو بکھیڑ رکھی تھی۔ ایک لطیف احساس دے رہی تھی...... ''اور ہاں زرا اوپر نظر اٹھا کر دیکھیں...... بابا نے اور ابا نے دونوں نے بیک وقت دائیں طرف دیکھا...... تو دادا ابو کے کمرے کے باہر بھی سبز رنگ کی روشنیوں سے ان کے کھڑکی کے کیواڑ کھلے تھے اور اندر سے سفید روشنی جھلک رہی تھی......

بابا مکمل طور پر خاموش تھے سب لوگ سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے یہ اور بات تھی، کہ انہیں کچھ معلوم نہ تھا مگر ان کے چہرے پر خوشی کے آثار یہ بتا رہے تھے کہ وہ اس وقت ہمارے ساتھ وہی سب کچھ محسوس کر رہے ہیں جو اس وقت ہم گھر والے محسوس کر رہے تھے...... ''بابا''

بابا میں بابا کے قدموں میں آ کر بیٹھ گئی......

''دیکھیں نا...... آج تو آپ کا سارا گھر' سارا خاندان آپ کے ساتھ ہے آپ کے پاس ہے اور سب کے چہرے پر' سب کے دلوں میں مسکراہٹ ہے...... سب کی آنکھیں اگر نم ہیں تو وہ بھی خوشی سے...... آپ نے اسی دن کے لیے اس بازی کو ادھورا چھوڑ رکھا تھا نا؟......

''دیکھیں میں نے آج آپ کے لیے بند دروازہ کھول دیا...... میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی...... اب آپ اپنا وعدہ پورا کریں...... مکمل کریں اس ادھورے کھیل کو...... اور یقین کریں کے آپ کو اس کھڑکی سے آج بھی دادا ابو دیکھ رہے ہیں''...... بابا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے...... ابا پرنم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے بچوں کی طرح کہا...... ''بھائی صاحب میری باری تھی......'' بابا کی زبان سے ان الفاظ کے ساتھ دونوں بھائیوں کے ضبط کے تمام بند ٹوٹ گئے۔

ابا نے ہاتھ آگے بڑھا کر اپنی باری کی...... تو بابا نے تیزی سے اٹھ کر ابا کو اپنے گلے سے

لگا لیا......اور پھر جانے کتنی دیر دونوں بھائی ایک دوسرے سے گلے لگے روتے رہے وہاں کھڑے ہم سب کی آنکھیں بھی نم تھیں...... بابا اور ابا بچوں کی طرح ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔

جانے کتنا ترسے ہوں گے اس لمحے کے لیے کتنا انتظار کیا ہو گا اس لمحے کا ان دونوں بھائیوں نے نعمان بھائی اور منیر بھائی اوپر آچکے تھے انہوں نے بڑھ کر بابا کے کندھے پر ہاتھ رکھا احسن ابا کے پاس آئے اور انہیں کندھے سے پکڑ کر کیا۔ ''ابا پلیز''......ابا نے تیزی سے احسن کو اپنے سینے سے لگا لیا اور کافی دیر بعد وہ سنبھلے اور بابا کانپتے کانپتے میرے پاس آئے میں وہی کھڑی تھی ان کے قریب......

''انا'' انہوں نے اتنا ہی کہا کہ میں ان کے سینے سے لپٹ گئی......''میں جانتی ہوں جو آپ کہنا چاہئے ہیں......بس اب سب کچھ بھول جائیں''...... بابا نے مجھے سینے سے لگا لیا ''آج تو میرے پاس الفاظ نہیں ہیں بیٹا......میرے پاس الفاظ نہیں ہیں''......میں نے اپنے ہاتھوں سے بابا کے آنسو پونچھے......آجائیں بابا اپنا کھیل مکمل کرلیں۔ابا نے آنسو پونچھے ہم سب وہی زمین پر ابا اور بابا کے اردگرد بیٹھ گئے......

اور بابا اور ابا کھیلنے لگے......ہم سب ان کی کھیل سے محذوز ہو رہے تھے......اور پھر کچھ دیر کھیلنے کے بعد، بابا بولے ''اب بس باقی کل......اور خبردار جو تم نے ذرا سی بھی بے ایمانی کرنے کی کوشش کی۔'' بابا نے بچوں کی طرح ابا سے کہا......''بھائی صاحب نہیں کرتا بے ایمانی آپ بے فکر رہیں......''

ابا مسکراتے ہوئے اٹھے......میرے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے بولے۔''آج مجھے اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ بھائی صاحب ہمیشہ تمہیں اپنا دل کیوں کہا کرتے تھے''......میں نے ابا کے گرد اپنی باہیں پھیلا دیں......اور سعدیہ بھابھی کی طرف دیکھا......

وہ بھی مسکرا رہی تھیں: ''کیوں بھابھی کیسا لگا میرا سرپرائز اور یہ تقریب۔''

بھابھی نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔''No match really'' واقعی ہی یہ لمحہ میں ساری زندگی نہیں بھول سکتی''......ہم لوگ وہی حویلی میں بیٹھے رہے کریم خان نے سب کو گرما گرم چائے پلائی اور بابا کے پسندیدہ حلوے سے سب کا منہ میٹھا کرایا......صائمہ آنٹی سب لوگ حویلی کی تعریفیں کرتے ر......در پھر......''الماس آنٹی بولیں منیر بیٹا اسی چکر میں اپنی فلائیٹ کو بھول نہ جانا......امی نے کہا ہاں میرے خیال سے اب چلنا چاہئے۔

میں اٹھ کے فرحان کے پاس گئی......وہ حلوہ کھانے میں مصروف تھا......فرحان تو

آگے سے مجھے دیکھے ہوئے مخصوص انداز میں بولا ''Please you are wellcome
انا حلوہ کھانے دو بہت مزے کا ہے''...... وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تو تھا...... بابا آرام سے اٹھ کر سامنے لگی دادا ابو اور دادی ماں کی تصویر کے پاس چلے گئے۔ کچھ دیر وہی کھڑے رہے اور پھر بولے۔ چلو بچوں بہت ہو گئی...... اب روانگی کی تیاری کریں۔ منیر بھائی سب کو ملنے لگے...... ''اور ابا سے ملتے ہوتے بولے ابا میں جلدی آ جاؤں گا''...... ابا نے انہیں پیار کیا...... پھر وہ مجھے ملے...... ''اور ماتھے پر پیار کرتے ہوئے کہنے لگے...... ''احسن'' بہت خوش نصیب ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا نا...... کہ تم سب سنبھال لو گی...... دیکھ لو ''انا'' تم نے سب سنبھال لیا...... سب سے چھوٹی ہو ہمارے گھر میں...... اور سب سے بڑا ہونے کا کردار ادا کیا ہے تم نے۔ مجھے فخر ہے تم پر...... صدا خوش رہو۔''
خوشی سے ان کی آنکھیں چمکنے لگی...... ''سعدیہ بھابھی نے مجھے ملتے ہوئے کہا...... انا مجھے یہ سب تصویریں ضرور بھیجنا...... اور اب جب میں آؤں گی تو ہم سب یہی آ کر رہیں گے...... ٹھیک ہے نا...... !''

میں نے انہیں پیار کیا...... اور پھر نعمان بھائی' فرحان' ابا' اور احسن' اور امی' منیر بھائی اور سعدیہ بھابھی کو چھوڑنے ائیر پورٹ چلے گئے...... اور باقی سب لوگ بابا کے ساتھ گھر آ گئے۔
الماس آنٹی اور نادیہ بھابھی مجھے میرے کمرے میں لیے جا رہی تھیں۔ کہ بابا نے مجھے آواز دی ''''انا'' بیٹا...... بات سنیں...... میں ان کے قریب گئی تو پیار سے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے آج مجھے جو سکون ملا ہے میں بیان نہیں کر سکتا...... آج آپ نے مجھے میری تمام فکروں کے بوجھ سے آزاد کر دیا...... اب مجھے کوئی فکر نہیں کوئی پچھتاوا نہیں...... اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا نے آپ کو ہمارے گھر اسی لیے بھیجا تھا...... کہ ہماری نسلوں کی حفاظت ہو سکے...... آپ ہمیشہ مجھ سے پوچھتی تھی نا کہ آپ کو نہیں پتا کہ آپ کے وجود کا مقصد کیا ہے...... میرے خیال سے آج آپ کو پتہ چل گیا ہو گا کہ آپ کا اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا تھا...... اور جو رہ گیا ہے وہ بھی معلوم ہو جائے گا...... انشاءاللہ...... اب جائیں آرام کر لیں...... آج میں سالوں بعد سکون کی نیند سو سکوں گا...... اور آج آپ کو بھی سکون کی نیند آئے گی' دیکھ لینا...... انہوں نے مجھ پر کچھ پڑھ کے پھونکا''...... اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ الماس آنٹی اور نادیہ بھابھی مجھے کمرے کے دروازے کے باہر چھوڑ کر اتنا کہہ کر چلی گئی کہ احسن نے کہا تھا کہ ''''انا'' اس کمرے میں اکیلے داخل ہو گی''...... الماس آنٹی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی آباد رہو' بیٹا خوش رہو...... تم ان خوشیوں کی حقیقی حق دار ہو۔''
اور میں نے مسکرا کر شرماتے ہوئے سر جھکا لیا اور کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی

کمرے میں مکمل طور پر اندھیرا تھا...... میں نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی اس بار حیران ہونے کی باری میری تھی......

احسن نے کمرے کی آرائش میں ہر چیز کا انتخاب کالے رنگ کا کیا تھا...... کمرے کے وسط میں ایک بڑا پلنگ سے لے کر کمرے میں پڑے ایک جھولے سے کشن تک......

اور پھر میری نظر سامنے میز پر پڑے ایک مخمل کے ٹکڑے پر پڑی...... سرخ رنگ کے اس ٹکڑے کی تہہ جب میں نے کھولی...... تو اس میں سنہری حروف سے لکھا تھا......

''اس دنیا کی سب سے معصوم ''انا'' کے لیے...... جس کے پاس محبت کے سوا اور کچھ بھی نہیں......''

ٹکڑے میں جانی پہچانی مہک سی تھی...... جب سنگھار میز کی طرف بڑھی تو اس پر خوشبو کی وہی بوتل پڑی تھی جو میں ان کے لیے لے کر آئی تھی۔ اور انہوں نے اس وقت نظر انداز کر کے بڑے بُرے طریقے سے مجھ پر یہ ظاہر کیا کہ یہ ایک غیر ضروری چیز ہے۔ میرے لبوں پر دوبارہ مسکراہٹ آ گئی...... مسکراتے ہوئے جب میں نے خود کو اس میں دیکھا...... ایک عجیب سا احساس تھا...... آج پہلی بار مجھے میرا وجود میرا اپنا آپ خوبصورت لگ رہا تھا...... خود پر پیار آ رہا تھا......

میں نہیں جانتی تھی کہ یہ خود پر پیار آنا میری محبت کی سرشاری ہے...... یا پھر میرے والدین کی دعاؤں کا اثر...... میں کمرے میں موجود ایک ایک چیز کا جائزہ لیتی رہی۔ اور ہر چیز سے احسن کی محبت جھلک رہی تھی۔

احسن میری پسند کو اتنی اچھی طرح سے جانتے تھے اس کا تو مجھے اندازہ بھی نہیں تھا......

میں مسکراتے ہوئے پلنگ پر آ کے بیٹھ گئی آج پہلی بار جانے کیوں مجھے نیند کا احساس ہو رہا تھا...... میں ابھی تک اپنے عروسی لباس میں ہی ملبوس تھی۔ اور اسی طرح میں نے بیٹھے بیٹھے تکیئے کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اور احسن کا انتظار کرنے لگی مجھے ایسا معلوم ہوا تھا کہ جیسے یہ تمام خوشی کے پل خواب ہوں۔ میرا دل کانپنے لگا ''یا اللہ اب ہمارے گھر کو غموں کے بادلوں سے آزاد کر دے آنکھیں بند کیے میں دل میں درود پاک پڑھنے لگی......

اور پھر وہ ہوا جس کا خیال میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا......! اُس وقت میری آنکھ لگ گئی۔ یا پھر میں کھلی آنکھوں سے سب دیکھ رہی تھی......

وہی اندھیری رات' وہی تیز بارش' وہی سفید صحن' میں خود کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھتی رہی...... وہی خواب جو اتنے سالوں سے میرے ساتھ تھا۔ اس رات بھی آیا...... مگر آج اس

خواب میں چمکنے والی بجلی سے۔ پھیلنے والی روشنی سے میری آنکھیں نہیں چندھائی...... آج مجھے اس تیز بارش میں خوف بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا...... اس رات کے گہرے اندھیرے سے مجھے گھبراہٹ محسوس نہیں ہو رہی تھی...... اور نہ ہی آج میں خود کو بارش سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی...... بلکہ آج میں اس بارش میں اسی اندھیرے میں بے خوف آگے بڑھتی جا رہی تھی...... اور وہ سفیدی مائل صحن میرے گرد وسیع تر ہوتا رہا تھا...... اور جب سب سے بڑی بات جب وہ تیز روشنی پھیلتی ہے، تو میں نے اپنی کھلی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو میں اتنے سالوں سے ڈر اور خوف کی وجہ سے نہیں دیکھ پاتی تھی...... اس روشنی میں میں نے اپنے ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھے ہوئے دیکھا...... اور جب بھگتے ہوئے نظر اٹھائی...... اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ جب وہ روشنی ایک پل کے لیے میری بصارت سے ٹکرائی ہے تو میرے سامنے جانے کیا تھا۔ سبز اور سفیدی مائل کچھ تھا کچھ لمحوں کے لیے میں ٹھٹھکی۔ اور پھر ایسی روشنی جو کبھی نہ ختم ہونے کے لیے روشن ہو جاتی ہے اور میں بھیگے وجود کے ساتھ، سرشار روح کے ہمراہ خود کو گنبد خضراں...... کے سامنے کھڑے پاتی ہوں...... اور وہ روشنی صبح صادق کی روشنی ہے۔ جس کی ایک کرن نے تمام اندھیرے کو ایک سیانڈ کے ہزارویں حصے میں ختم کر ڈالا...... اور مجھے میری منزل کے سامنے کھڑا کر دیا......

رحمت اللعالمین، آقا، دو جہان نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزہ مبارک کے سامنے بھگتی آنکھوں اور پر سکون دل کے ساتھ اپنے رب کے حضور دعا گو ہوں۔ ایک ایسا عجیب اور طاقت سے بھرپور احساس کہ میرے اندر کسی چیز کا کوئی خوف نہ تھا۔ ہر ڈر سے پرے میرے لبوں پر درود پاک کا ورد تھا اور خدا کی شکر گزاری کرتی میری زبان اس ذات کے آگے سجدہ ریز تھی کہ اس نے مجھے سرخرو کیا...... انہیں الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ مسجد نبوی اذان فجر کی گونج سے گونجنے لگتی ہے اور وہ گونج میری رگ رگ میں سرائیت کرتی جاتی ہے۔ اسی احساس کے ساتھ میری آنکھ کھل گئی اور میرے لبوں پر درود پاک جاری تھا...... اور حقیقت میں اس وقت فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ آنکھیں کھلتے وہی لطیف احساس جس نے مجھے پھول کی طرح ہلکا کر دیا تھا۔ کمرے میں مدہم سی روشنی میں یہ احساس میرے اندر ٹھنڈک پیدا کر گیا۔ میں نے دعا کی قبولیت کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرنے کے لیے اٹھایا ہی تھا...... تو ایسا محسوس ہوا جیسے میرا دایاں ہاتھ کسی کی گرفت میں ہے...... میں نے اپنے بائیں ہاتھ سے سائیڈ ٹیبل پر پڑے لیمپ کی روشنی کو تیز کیا...... تو احسن میرے سامنے کرسی پر بیٹھے تھے اور میرا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ ''''احسن'' آپ کب آئے۔ اور مجھے جگایا کیوں نہیں''...... ان کی آنکھوں میں محبت

کی چمک اور اپنے ہاتھوں میں ان کا لمس میرے دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کیے جا رہا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر میرے بائیں ہاتھ کو بھی اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولے ''اتنی معصوم مسکراہٹ لئے ایک حور جس کے پاس محبت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں، سو رہی ہو۔تو کون کافر ہوگا جو اس کی بے آرامی کا سبب بنے گا۔'' احسن نے ان الفاظ کے ساتھ میرے ہاتھو پر اپنی گرفت مضبوط کی اور میں نے آہستگی سے اپنے ہاتھوں کو ان کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگی......

تو انہوں نے چند لمحے میری آنکھوں میں دیکھا اور پھر میرے ہاتھوں پر اپنی گرفت مزید مضبوط کرتے ہوئے بولے......

''''انا'' اب تم مسز ''انا'' ''احسن'' ہو'' ......اور یہ ہاتھ تقدیر نے بڑی آزمائش کے بعد میرے ہاتھوں میں دیئے ہیں۔خدا کے لیے اب تو انہیں مجھ سے جدا نہ کریں میں نے تم سے کہا تھا نا......کہ روح سے کی گئی محبت میں سرشاری ہوتی ہے۔اور اس سرشاری میں محبت کا سکون مجھے تمہاری آنکھوں میں نظر آرہا ہے۔کیا آپ کو بھی میری آنکھوں سے کچھ عیاں ہوتا ہے۔؟''

''احسن مجھے آپ کی آنکھوں میں اپنی زندگی دیکھائی دیتی ہے۔اس گھر کی خوشیاں دیکھائی دیتی ہیں۔

''اور اللہ نے آپ کے روپ میں مجھے میری زندگی عطا کی ہے۔اور آپ کی محبت نے مجھے میرے اللہ سے رابطے کا مطلب سمجھایا ہے۔ مجھے میری منزل دیکھا دی......

جو پاک ہستی ہمیں خواب دیکھاتی ہے۔وہ ہی پاک ہستی ہمارے خوابوں کو سچ کرنے میں ہماری مدد بھی کرتی ہے، اور ہمیں ہمت اور طاقت بھی بخشتی ہے۔احسن ہمارے خواب حقیقت بن چکے ہیں۔میں نے مسکراتے ہوئے نظریں جھکا لیں......کیونکہ احسن کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت اس دن بھی میرے اندر نہیں تھی......

''اس دن، ہم دونوں اپنی محبت کی سچائی کے ساتھ سرشار ایک دوسرے کے سامنے تھے۔

ایک دوسرے کے ساتھ......

ایک دوسرے کے پاس......

مگر

اس بار

ہمیشہ کے لیے......